مجلس تحقیقات شرعیہ

کرونا سے متعلق اہم مباحث

(مجموعہ مقالات فقہی سمینار مجلس تحقیقات شرعیہ، نومبر ۲۰۲۳ء)

مرتب

رحمت اللہ ندوی

کرونا سے متعلق اہم مباحث

(مجموعہ مقالات فقہی سیمینار مجلس تحقیقات شرعیہ، نومبر ۲۰۲۲ء)

مرتب

رحمت اللہ ندوی

استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

ناشر

مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	کرونا سے متعلق اہم مباحث (مجموعہ مقالات فقہی سیمینار مجلس تحقیقات شرعیہ، نومبر ۲۰۲۲ء)
نام مرتب	:	رحمت اللہ ندوی
سن اشاعت	:	۱۴۴۵ھ - ۲۰۲۳ء
تعداد اشاعت	:	۵۰۰
صفحات	:	۶۲۰
ناشر	:	مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ
طباعت	:	مکتبہ احسان، لکھنؤ

ملنے کے پتے:

۱۔ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۔ مکتبہ ندویہ، احاطہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۳۔ مکتبہ احسان، نزد شباب مارکیٹ، ندوہ روڈ، لکھنؤ

فہرست

نمبر شمار	مضامین	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	مقدمہ	مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی	۵
۲	پیش لفظ	مولانا عتیق احمد بستوی	۶
۳	عرض مرتب	مولانا رحمت اللہ ندوی	۷
	باب اول : تمہیدی امور		
۴	سوال نامہ		۹
۵	تجاویز		۱۱
	تلخیص		
۶	محور اول / ہفتم	ڈاکٹر محمد نصر اللہ ندوی	۱۴
۷	محور دوم	مولانا رحمت اللہ ندوی	۲۱
۸	محور سوم / چہارم	ڈاکٹر محمد علی بن شفیق ندوی	۳۹
۹	محور پنجم / ششم	مولانا منور سلطان ندوی	۴۸
	عرض مسئلہ		
۱۰	محور اول / ہفتم	مفتی ظفر عالم ندوی	۶۴
۱۱	محور دوم	مفتی راشد حسین ندوی	۷۵
۱۲	محور سوم / چہارم	ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی	۸۴
۱۳	محور پنجم / ششم	مفتی اقبال احمد قاسمی	۹۲
	کلیدی مقالہ		
۱۴	کرونا وائرس اور ہماری ذمہ داریاں	مفتی عتیق احمد بستوی	۱۰۶
	باب دوم : تفصیلی مقالات		
۱۵	کرونا وائرس کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی	۱۱۹
۱۶	کرونا وبا - شرعی تصور اور فقہی احکام	مفتی اختر امام عادل قاسمی	۱۳۷
۱۷	کرونا وباء سے پیدا شدہ سوالات اور شرعی نقطۂ نظر	مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی	۱۵۰
۱۸	کرونا وباء سے پیدا ہونے والے چند سوال اور ان کے شرعی جواب	مفتی راشد حسین ندوی	۱۷۵
۱۹	وبائی امراض اور کرونا سے متعلق چند سوالات کے جوابات	مفتی محمد زید مظاہری ندوی	۱۹۵

۲۰	کرونا وباء سے متعلق چند اہم سوالات	ڈاکٹر محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی	۲۲۸
۲۱	کرونا وباء سے متعلق چند اہم مسائل	مفتی اقبال احمد قاسمی	۲۵۴
۲۲	کرونا وباء سے متعلق چند اہم سوالات کے جوابات	ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی	۲۸۵
۲۳	کرونا سے متعلق کچھ اہم مسائل	مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی	۳۱۳
۲۴	کرونا وباء-شریعت کی روشنی میں	مفتی محمد عثمان بستوی	۳۳۲
۲۵	کرونا وائرس اور شرعی نقطۂ نظر	ڈاکٹر محمد اشرف قاسمی گونڈوی	۳۳۸
۲۶	کرونا کے بعض مسائل	مفتی شکیل منصور القاسمی	۳۶۲
۲۷	کرونا سے پیدا ہونے والے اہم مسائل	مولانا عبید اللہ ندوی	۳۸۹
۲۸	کرونا کے مسائل کا حل-شریعت کی روشنی میں	مفتی محمد ممتاز خان ندوی	۴۲۸
۲۹	کرونا وباء سے متعلق چند اہم سوالات	مولانا صابر حسین ندوی	۴۴۹

بام سوم : مختصر مقالات

۳۰	کرونا کے مختلف پہلوؤں پر ایک نظر	مفتی حبیب اللہ قاسمی	۴۶۶
۳۱	کرونا وائرس اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل	مفتی نذیر احمد قاسمی کشمیری	۴۷۱
۳۲	کرونا وباء سے متعلق چند اہم سوالات	مفتی انور علی اعظمی	۴۸۴
۳۳	کرونا وباء-مسائل اور احکام	مولانا خواجہ معین الدین اکرمی ندوی مدنی	۴۹۳
۳۴	کرونا وباء سے متعلق چند اہم سوالات کے جوابات	حافظ کلیم اللہ عمری مدنی	۵۰۲
۳۵	کرونا سے متعلق چند اہم مسائل	مولانا ولی اللہ مجید قاسمی	۵۱۰

باب چہارم : بعض محاور پر مفصل اور مختصر مقالات

۳۶	کرونا وباء سے پیدا شدہ مسائل اور ان کا حل (محور اول/دوم/سوم)	مفتی محمد طاہر سہارنپور	۵۱۵
۳۷	کرونا کے مسائل کا جائزہ (محور اول/دوم/ششم/ہفتم)	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۵۲۱
۳۸	کرونا سے متعلق چند اہم مسائل (محور اول/دوم/پنجم)	مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی	۵۲۹
۳۹	کرونا سے متعلق چند اہم مسائل (محور اول/دوم)	قاضی محمد حسن ندوی	۵۴۸
۴۰	کرونا کے مسائل اور ان کا حل (محور اول تا ششم)	ڈاکٹر محمد نصر اللہ ندوی	۵۶۹
۴۱	کرونا وباء کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر (محور اول/دوم)	مفتی شمشیر حیدر قاسمی	۵۸۵
۴۲	کرونا وباء کی وجہ سے پیدا شدہ چند ضروری مسائل (محور دوم/پنجم)	مولانا اکرام احمد ندوی	۵۹۷
۴۳	کرونا کے چند مسائل	مولانا سلمان انور قاسمی	۶۰۸
۴۴	کرونا کے سبب پیدا ہونے والے چند اہم مسائل	رحمت اللہ ندوی	۶۱۵

باب پنجم: مناقشہ ۶۲۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

کورونا وائرس کی وجہ سے تقریباً پوری دنیا مصائب ومشکلات کا شکار ہوئی تھی، نظام زندگی تقریباً معطل ہوگیا تھا، ہنستے کھیلتے شہر ویران ہوگئے تھے اور لوگ اپنے گھروں میں محدود ہوگئے تھے، جن ممالک میں اس وبا نے شدت اختیار کی وہاں پر لاک ڈاؤن لگا دیا گیا تھا، ماضی میں ایسی کسی عالمی وبا کی مثال نہیں ملتی، ایسی صورت میں بہت سے شرعی مسائل کا بھی پیدا ہونا لازمی تھا، کورونا کے مریض کے ساتھ معاملات اور نجی زندگی میں لاک ڈاؤن کی وجہ سے عبادات کی ادائی اور لوگوں کے مابین تعلقات خاص موضوعات تھے، علمائے کرام نے حالات کے تقاضوں اور مقاصد شریعت کی روشنی میں ان مسائل کے حل پیش کرنے کی کوشش کی۔

چونکہ یہ ہنگامی حالات تھے اس لیے بہت سے مسائل غیر واضح اور تشنہ رہ گئے تھے، وبا کے تھمنے اور حالات کے قابو میں آنے کے بعد یہ ضروری تھا کہ حالات کا از سر نو جائزہ لیا جائے، جو مسائل پیش آئے یا خدانخواستہ پھر کبھی ایسی صورتحال پیدا ہونے پر پیش آسکتے ہیں ان کو سامنے رکھ کر ان کا حل تجویز کیا جائے۔ اس سلسلہ میں علمائے کرام نے اپنی تحقیقات وآراء پیش کیں اور ان پر بحث ومباحثہ بھی ہوا۔

''مجلس تحقیقات شرعیہ'' کا یہ خوش آئند اقدام ہے کہ اس نے اس عالمی وبا کو اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا اور ایک سیمینار کا انعقاد کیا، اس سیمینار میں کورونا پر مختلف زاویوں سے بحث کی گئی اور قیمتی مقالات پیش کیے گئے، یہ مقالات اپنے تنوع اور اپنے مشمولات کی وجہ سے قابل قدر ہیں۔

میں مبارکباد پیش کرتا ہوں مولانا رحمت اللہ ندوی کو کہ انھوں نے ان مقالات کو مرتب کیا اور عمومی فائدہ کے لیے پیش کیا، انشاء اللہ مقالات کا یہ مجموعہ اس موضوع سے وابستہ علماء اور طلباء کے لیے مفید ثابت ہوگا۔

بلال عبدالحی حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

پیش لفظ

الحمد لله ربّ العالمين، والصلاة والسلام على النبي الأمين، وعلى آله وصحبه أجمعين،أما بعد !

سال گذشتہ مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء کے فقہی سیمینار منعقدہ ۲۳/۲۴ نومبر ۲۰۲۲ء میں جو موضوع اصلاً زیر بحث آیا تھا وہ کرونا کا موضوع تھا، یہ بات محسوس کی گئی تھی کہ کرونا پر اگر چہ بہت سے شخصی فتاوے اور بعض اداروں کے کچھ فیصلے سامنے آچکے ہیں، لیکن ان میں کرونا کے مسائل کا احاطہ نہیں ہوسکا ہے اور انفرادی فتاوی میں اختلاف رائے اور تضاد بھی ہے، اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ کورونا کے مسائل پر جامع سوالنامہ تیار کر کے ارباب علم وافتاء کی خدمت میں بھیجا جائے اور ان سے تفصیلی تحریریں لکھنے اور ان مسائل کے بارے میں واضح رائے پیش کرنے کی درخواست کی جائے، چنانچہ مجلس تحقیقات شرعیہ کی درخواست پر ملک و بیرون ملک کے بہت سے علماء اور مفتیان کرام نے سوالنامے کے جوابات لکھے اور وقت میں کمی کے باوجود بڑی تعداد میں مقالات اور جوابات مجلس کو موصول ہوئے، سال گذشتہ کے سیمینار میں مقالات اور فتاویٰ کا خلاصہ تیار کرایا گیا تھا شرکاء سیمینار کو پیش کیا گیا اور تمام مسائل پر عرض مسئلہ سیمینار کی نشستوں میں پڑھ کر سنایا گیا، شرکاء سیمینار نے پوری دلچسپی کے ساتھ مسائل کو منقح کرنے کے لئے بحث وتمحیص میں حصہ لیا، مختلف کمیٹیاں بنائی گئیں جنھوں نے مقالات وفتاویٰ اور مناقشات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تجاویز مرتب کیں، جو سیمینار کی آخری نشست میں اتفاق رائے سے منظور ہوئیں، ان شاء اللہ زیر نظر مجموعہ کے آغاز میں منظور شدہ تجاویز کا آپ مطالعہ فرمائیں گے۔

مجلس تحقیقات شرعیہ کی خواہش تھی کہ اہل علم وافتاء کی طرف سے آئے ہوئے مقالات وجوابات کو مکمل طور پر من وعن اس مجموعہ میں شائع کردیا جائے، لیکن صفحات کی تعداد بہت زیادہ ہو رہی تھی، اس لئے چند طویل مقالات میں کچھ تلخیص واختصار سے کام لینا پڑا، پھر بھی کوشش کی گئی ہے کہ مقالہ نگاران اور مفتیان کرام کی آراء اور ان کے دلائل پورے طور پر پیش کردئے جائیں اور اس میں کمی نہ کی جائے۔

اس مجموعہ کا نام ’’کرونا سے متعلق اہم مباحث‘‘ رکھا گیا ہے، اس مجموعہ کا آغاز ناظم ندوۃ العلماء جناب مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی کے مقدمہ سے کیا گیا ہے، اس کے بعد اس کاتب سطور کی چند سطریں ہیں، اس کے بعد اس مجموعہ کو ترتیب دینے والے عزیزم مولانا مفتی رحمت اللہ ندوی کا عرض مرتب شامل کیا گیا ہے، اس کے بعد تلخیص مقالات شامل مجموعہ ہے، تلخیص کے بعد عرض مسئلہ کی تحریریں شامل کی ہیں، عرض مسئلہ کے بعد وہ تفصیلی مقالات اور فتاویٰ ہیں جن میں تمام سوالات کے تفصیلی جوابات دے گئے ہیں، اس کے بعد وہ مقالات وفتاویٰ ہیں جن میں صرف بعض محاور کے سوالات پر بحث وتحقیق ہے، اخیر میں مختصر تحریریں یا فتاوی شامل اشاعت کئے جارہے ہیں، صفحات کی زیادتی کی وجہ سے بعض مفصل مقالات میں حذف واختصار بھی کرنا پڑا، اس طرح مجموعہ کی ضخامت پر قابو پانے کی ہم نے کوشش کی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان مضامین، فتاویٰ اور فیصلوں کو قبول فرمائے اور اس میں شرکت کرنے والے تمام اہل علم واہل فتویٰ کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین!

عتیق احمد بستوی
سکریٹری مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ

۷/اکتوبر ۲۰۲۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی أشرف الأنبیاء والمرسلین، محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، ومن تبعھم بإحسان ودعا بدعوتھم إلی یوم الدین، وبعد!

کرونا وائرس (Corona Virus) جسے کووڈ 19 (Covid-19) کا نام دیا گیا ہے، اس سے مراد ۲۰۱۹ء میں کرونا وائرس انفیکشن سے پیدا ہونے والا نمونیا ہے۔ یہ لاطینی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی تاج یا ہالہ کے ہوتے ہیں، چونکہ اس وائرس کی ظاہری شکل سورج کے ہالے یعنی کرونا کے مشابہ ہوتی ہے، اسی وجہ سے اس کا نام ’’کورونا وائرس‘‘ رکھا گیا ہے۔

کرونا وائرس کی عام علامات میں نظام تنفس کے مسائل (کھانسی، سانس پھولنا، سانس لینے میں دشواری) خشک کھانسی، بخار اور نزلہ، نظام انہضام کے مسائل جیسے الٹی، اسہال وغیرہ اور کل بدنی علامات جیسے تھکاوٹ شامل ہیں۔

پوری تاریخ عالم اور تاریخ انسانی میں اتنی مہلک اور خطرناک وبا کی نظیر نہیں ملتی، جو ’’عالمی وبا‘‘ کی شکل اختیار کر گئی ہو اور اپنی ہلاکت وتباہی سے لاشوں کا ڈھیر لگا دیا ہو، پوری دنیا میں سناٹا پسرا تھا اور دہشت وسراسیمگی پھیلی ہوئی تھی، عجیب عالم تھا کہ ہر شخص ڈرا اور سہما ہوا تھا، ترقی یافتہ ممالک جن کو اپنی طبی وسائنسی ترقی پر ناز تھا، ان ممالک کا اور برا حال تھا، اللہ تعالی کی قدرت کے سامنے وہ بے بس وعاجز تھے اور ان کی تدابیر صفر تھیں، ان کو کچھ نہیں سمجھ میں آرہا تھا کہ آخر کریں کیا؟ یہ اللہ تعالی کی طرف سے اس کی قدرت کاملہ کا مظاہرہ تھا، جو اس کے فرماں بردار بندوں کے لئے رحمت اور نافرمان بندوں کے لئے عذاب اور قہر تھا۔

چین کے علاقے ’’وہان‘‘ سے پھیلنے والی اس وبا نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، اس سے بچاؤ کے لیے لاک ڈاؤن لگا دیا گیا، فلائٹیں، ٹرین، بس اور دیگر نقل وحرکت کے آلات اور سواریاں بند کر دی گئیں تا کہ وائرس ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ ہو۔

دسمبر ۲۰۱۹ء میں چینی شہر ’’ووہان‘‘ میں وبا کا ظہور ہوا اور ۱۱/ مارچ ۲۰۲۰ء کو عالمی ادارہ صحت (WHO) نے اسے عالمی وبا قرار دے دیا۔

کرونا نے جو مختلف مسائل پیدا کیے، ان میں دینی مسائل بھی تھے، جن میں سے چند اہم مسائل مثلاً: گھروں میں نماز جمعہ، نماز عیدین، تجہیز وتکفین، غائبانہ نماز جنازہ، میت کو بلا غسل یا بغیر نماز جنازہ کے دفن کر دینا، وغیرہ۔

آل انڈیا اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی نے ایک سوال نامہ مرتب کر کے اس موضوع کو اپنے سیمینار کے دیگر موضوعات میں شامل کیا، ۳-۴/ اکتوبر ۲۰۲۲ء کو محدود مندوبین کے ساتھ اکتیسواں فقہی سیمینار المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں منعقد کیا اور مناسب تجاویز پاس ہوئیں۔

مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنو کے ناظم استاذ گرامی مولانا مفتی عتیق احمد بستوی مدظلہ نے چند نوجوان اساتذۂ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنو کو معاون بنایا، ان کے ذمہ قدیم مقالات کی ترتیب کا کام کیا اور ہر ایک کی ذمہ داری طے کی اور باہمی مشورے سے ایک سیمینار منعقد کرنے کا فیصلہ کیا، جس میں منتخب نمائندے شریک ہوں، اس کا موضوع ''کرونا سے پیدا ہونے والے چند اہم سوالات اور مسائل'' مقرر کیا گیا اور اس موضوع پر ایسا سوال نامہ مرتب کیا جائے جو ہمہ گیر ہو، اور اس میں تمام پہلوؤں کی شمولیت ہو، سوال نامہ منتخب علماء، فضلا اور اصحاب قلم کو ارسال کیا گیا، تیس سے زائد مقالات موصول ہوئے، سوال نامہ کے سات محور تھے، لکھنے والوں کو اختیار دیا گیا تھا کہ اگر تمام محاور پر نہ لکھ سکیں تو کسی بھی محور پر لکھ سکتے ہیں، الحمدللہ سیمینار کی تیاری شروع ہوئی، تلخیص مقالات اور عرض مسئلہ سے فراغت کے بعد ۲۳ر-۲۴ نومبر ۲۰۲۲ء بروز بدھ وجمعرات سیمینار ہوا اور بہت کامیاب رہا، ایک درجن سے زائد کتابوں کا اجراء بھی ہوا، سیمینار کی کامیابی سے ذمہ داران مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء نیز ہم خدام کو فطری طور پر مسرت ہوئی اور مزید ہمت وحوصلہ پیدا ہوا۔

زیر نظر مجموعہ (کرونا سے متعلق اہم مباحث) سال گزشتہ کے سیمینار کے مقالات ہیں، جن کو کتابی صورت میں منظر عام پر لایا جا رہا ہے، ترتیب کا کام خاکسار نے کیا ہے، مقالات مفصل اور مختصر نیز مکمل یا چند محور پر ہونے کے اعتبار سے کئی ابواب میں تقسیم کر دیے گئے ہیں، چونکہ مقالات ضخیم تھے اس لیے حذف واختصار سے بھی کام لیا گیا ہے، طویل عربی عبارتیں حذف کر دی گئی ہیں، تکرار ختم کر دیا گیا ہے، تاکہ ضخامت قابو میں رہے، جو مقالات کمپوز نہیں تھے، ان کو عزیزم محمد ریحان نے کمپوز کیا اور پوری کتاب کی تصحیح کی ترتیب وسیٹنگ کا کام برادر عزیز عبدالرحیم ندوی نے انجام دیا، بعض عزیزوں جیسے شعبہ تحقیق سے وابستہ عزیزم محمد مرغوب الرحمٰن ندوی، کلیم اللہ خاں ندوی نے بھی معاونت کی، ان سب کا شکریہ!

اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ برادرم مولانا منور سلطان ندوی بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے طباعت وغیرہ کے لئے فکرمندی دکھائی۔

استاذ محترم مفتی عتیق احمد بستوی صاحب کا تو شکریہ ہی ادا نہیں ہوسکتا، جو سرپرستی ونگرانی کے ساتھ ساتھ قدم قدم پر رہنمائی کرتے رہتے ہیں، ہر کام باہمی مشورے سے انجام دیتے ہیں اور ہمارے تھوڑے اور معمولی کام پر بہت زیادہ حوصلہ افزائی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ موصوف کو صحت وعافیت نصیب فرمائے اور ہمارے اس علمی اور تحقیقی کارواں کو اپنا کام جاری اور رواں رکھنے کی توفیق دے۔ آمین۔

مقدمہ نگار، پیش لفظ لکھنے والے اور مقالہ نگار حضرات کا بہت بہت شکریہ، جزاھم اللہ خیرا۔

کتاب کی تصحیح اور پروف ریڈنگ کا اہتمام کیا گیا ہے، پھر بھی غلطی کا امکان ہے، اگر غلطی نظر آئے تو مطلع کریں تاکہ آئندہ اشاعت میں تصحیح ہوسکے۔

رحمت اللہ ندوی

استاد حدیث وفقہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۲۳/۳/۱۴۴۵ھ

۹/۱۰/۲۰۲۳ء

سوال نامہ

محوراوّل: کرونا وبا کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر

۱۔ وبا کیا ہے؟ اور شریعت میں اس کے بارے میں کیا تصور ہے؟

۲۔ وبا سے تحفظ کے لیے شرعی رہنمائی اور اسلامی ہدایات کیا ہیں؟

۳۔ کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے اور اس سے بچنے کے سلسلہ میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل اور دیگر احتیاطی تدابیر کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا ایسا کرنا توکل علی اللہ اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہے؟

۴۔ بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے؟

محوردوم: کرونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف

۱۔ کیا کرونا کے زمانہ میں مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنے یا انفرادی نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

۲۔ کرونا کے زمانہ میں ایک مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ پنج وقتہ نمازیں پڑھنے اور متعدد بار نماز جمعہ ادا کرنے کا حکم کیا ہے؟

۳۔ وبا کے زمانہ میں گھروں میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی کیا شرطیں ہیں؟

۴۔ ظہر پڑھنے کی صورت میں باجماعت پڑھیں یا تنہا؟

۵۔ کیا وبا کے زمانہ میں عیدین کی نماز گھروں میں پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

۶۔ ماسک لگا کر نماز پڑھنے اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا حکم کیا ہے؟

۷۔ کرونا سے متاثر افراد کا مسجد آنا اور جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے؟

۸۔ کرونا سے متاثر افراد کے لیے روزہ کا کیا حکم ہے؟

۹۔ کیا کرونا کی وجہ سے عام مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روکا جاسکتا ہے؟

محورسوم: کرونا کے زمانہ میں مساجد سے متعلق مسائل

۱۔ کرونا کے زمانہ میں مساجد کو بند کرنا کیسا ہے؟

۲۔ کیا جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان دی جائے گی؟

۳۔ جماعت میں کتنے افراد شریک ہوں، اس بارے میں گورنمنٹ کی ہدایات کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

۴۔ مساجد کے کسی حصہ یا اس کے ملحق جگہ کو کووڈ سینٹر بنانا کیسا ہے؟

محور چہارم: کرونا سے متاثر مریض کی تیمارداری

۱۔کرونا سے متاثر مریض کو الگ تھلگ کردینا اور اس کی تیماری داری نہ کرنا کیسا ہے؟

۲۔کرونا سے متاثر مریض کے علاج کا خرچ اگر افراد خاندان برداشت نہ کرسکیں تو حکومت یا سماج کی کیا ذمہ داری ہوگی؟

محور پنجم: کرونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

۱۔ کرونا سے انتقال کرنے والوں کو غسل کس طرح دیا جائے؟ اگر غسل دینے کی اجازت نہ ہو یا غسل ممکن نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ کیا بلا غسل دفن کرنا جائز ہوگا؟

۲۔ اگر کرونا کے میت کو اسپتال کی طرف سے مخصوص کور (Cover) میں لپیٹ کر دیا جائے اور اسے کھولنے اور ہٹانے کی اجازت نہ ہو تو کیا وہ کور (Cover) کفن کے حکم میں ہوگا؟ یا اس کے اوپر کفن لپیٹ کر دفن کیا جائے گا؟

۳۔ اگر کرونا میت کی بغیر نماز جنازہ تدفین کے بعد گھر والوں کو اس کی اطلاع دی جائے تو ایسی صورت میں بعد تدفین قبر کے پاس نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

۴۔ اگر میت کی تدفین کی اطلاع ملے اور قبر کی جگہ معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

۵۔ کیا کرونا سے انتقال کرنے والے مسلمان شہید کہلائیں گے؟

محور ششم: کرونا ویکسین سے متعلق مسائل

۱۔ الکوحل آمیز سینیٹائزر کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

۲۔ کرونا ویکسین لگوانے کا حکم کیا ہے؟ واجب یا مباح؟

محور ہفتم: کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے سے متعلق اسلامی ہدایات

۱۔ وبا کے دفعیہ کے لیے کیا اذان دی جاسکتی ہے؟

۲۔ دفع وبا کے لیے اجتماعی نماز اور اجتماعی دعا کا اہتمام کرنا کیسا ہے؟

تجاویز

دوروزہ فقہی سیمینار

مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء

بعنوان: کرونا سے متعلق اہم مسائل

تمہید:

وبائی امراض انسانی تاریخ میں مختلف زمانوں اور مختلف علاقوں میں پھیلتے رہے ہیں، اور ان سے بے شمار انسانی جانیں ہلاک ہوئی ہیں، اور بہت سے وبائی امراض نے انسانی سماج پر بڑے گہرے اور دوررس اثرات ڈالے ہیں، عام طور سے وبائی بیماریاں کسی علاقے یا کسی ملک تک محدود رہتی ہیں، لیکن کوڈ-۱۹ کرونا کی ہلاکت خیز وبا نے ماضی کے سارے ریکارڈ توڑ دئے، اس وبا سے تقریباً پوری دنیا بری طرح متاثر ہوئی اور بہت بڑی تعداد میں انسانوں کی ہلاکت ہوئی، دنیا کا نظام ٹھپ ہوکر رہ گیا، اور زندگی کا ہر شعبہ بری طرح متاثر ہوا۔

اس وبا کی وجہ سے بہت سے نئے شرعی مسائل پیدا ہوئے، جن کے بارے میں علماء نے عام طور پر انفرادی فتاوی جاری کئے، اور مسلمانوں کی شرعی رہنمائی کی، کرونا وبا سے پیدا ہونے والے مسائل عام نوعیت کے نہیں تھے، جنہیں تنہا فقہی جزئیات کے حوالہ سے حل کیا جاسکے، یہ ایسے سوالات اور مسائل تھے جو پہلی بار پیش آئے تھے اور انسانی ذہنوں میں ان کا تصور بھی نہیں تھا، سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ کرونا کی سنگینی کی وجہ سے علماء اور اصحاب افتاء کا ایک جگہ جمع ہونا اور ان مسائل پر اجتماعی غور وخوض کرنا ممکن نہیں تھا، اس لیے انفرادی فتاوی ہی رہنمائی کرتے رہے، جن میں بسا اوقات بڑا تضاد اور اختلاف تھا۔

مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ نے حالات کا تقاضا سمجھ کر کرونا کے مسائل پر سیمینار کرنے کا فیصلہ کیا، کرونا کے موضوع پر جامع سوالنامہ تیار کرکے منتخب علماء اور اصحاب افتاء کی خدمت میں بھیجا گیا، الحمد للہ بہت سے علماء اور اصحاب افتاء نے تحقیق ومطالعہ کے بعد ارسال کردہ سوالنامہ کے جوابات تحریر کئے اور حالات میں کچھ اعتدال پیدا ہونے کے بعد مجلس نے ۲۳، ۲۴/ نومبر ۲۰۲۲ء کی تاریخ میں کرونا کے مسائل پر سیمینار کرنے کے لیے طے کی۔

الحمد للہ ان تاریخوں میں سیمینار منعقد ہوا، سیمینار کے لیے موصول ہونے والے مقالات وفتاوی اور شرکاء کے باہمی تبادلہ خیالات کے بعد اتفاق رائے سے درج ذیل تجاویز منظور ہوئیں:

کرونا کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر

۱۔ وباء ایسی بیماری ہے جو تیزی کے ساتھ پھیلتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری آبادی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے، اور اکثر وبیشتر

جان لیوا ہوتی ہے، کتاب وسنت میں اس کے تصورات واضح طور پر ملتے ہیں، یہ کبھی بنوآدم کی بداعمالیوں کے نتائج ہوتے ہیں، اور کبھی انسان بطور آزمائش بھی اس سے دوچار کئے جاتے ہیں، جس میں تنبیہ الٰہی ہوتی ہے، بہرصورت جب کوئی شخص وبا میں مبتلا ہوتو وہ ہمدردی اور تعاون کا مستحق ہے۔

۲۔ شریعت میں وباء سے تحفظ کی ہدایات موجود ہیں: جن میں ظاہری تدابیر بھی ہیں، جیسے صفائی ستھرائی کا اہتمام، بلاضرورت ایک مقام سے دوسرے مقام تک آمدورفت سے بچنا اور اطباء وماہرین کی ہدایات پر عمل کرنا، اور باطنی تدابیر بھی ہیں جن میں توبہ واستغفار، دعاء وابتہال، رجوع الی اللہ اور صدقہ وغیرہ ہیں۔

۳۔ دفع وباء کے لیے اجتماعی نماز کے اہتمام کا ثبوت کتاب وسنت سے نہیں ہے۔

۴۔ صحت وبیماری اللہ کے ہاتھ میں ہے اور کوئی بھی انسان اللہ ہی کے فیصلہ سے بیماری میں مبتلا ہوتا ہے یا صحت یاب ہوتا ہے، لیکن بعض بیماریاں متعدی ہوتی ہیں، یہ اسلام کے تصور توحید کے خلاف نہیں ہے۔

کرونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف

۵۔ وباء کے زمانہ میں جب کہ مساجد میں باجماعت نماز ادا کرنے پر پابندی ہوتو مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت کے ساتھ یا انفرادی طور پر نماز ادا کی جائے۔

۶۔ وباء کے دور میں اگر ماہرین صحت کی ہدایت ہو کہ لوگ بڑی تعداد میں جمع نہ ہوں تو مسجد میں پہلی جماعت کے بعد ہیئت بدل کر متعدد جمعہ اور جماعت کی اجازت ہوگی۔

۷۔ وبائی دور میں طبی وانتظامی ہدایات کے مطابق مسجد کی جماعت کے علاوہ متعدد مقامات اور مکانات میں نماز جمعہ اور عیدین پڑھنا درست ہے۔

۸۔ وباء کے دور میں جمعہ کے دن جو لوگ پابندیوں کی وجہ سے اپنے گھروں میں نماز ظہر پڑھنا چاہتے ہیں، ان کے لیے جماعت سے بھی پڑھنا درست ہے، اور انفرادی طور پر بھی۔

۹۔ طبی ہدایات کی بناء پر ماسک لگا کر نماز پڑھی جاسکتی ہے اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کی بھی گنجائش ہے۔

۱۰۔ کرونا سے متاثر افراد کا مسجد میں آنا اور جماعت میں شریک ہونا ممنوع ہوگا۔

۱۱۔ کورونا سے متاثر افراد کے لیے اطباء کے مشورہ پر روزہ نہ رکھنے کی گنجائش ہے۔

کرونا کے زمانہ میں مساجد سے متعلق مسائل

۱۲۔ مسجد، اللہ رب العزت کا گھر اور مقدس عبادت گاہ ہے، ہر حال میں اس کو آباد رکھنے کا حکم ہے، اس لیے کرونا یا کسی بھی وبائی مرض کے زمانہ میں مساجد کو مکمل طور پر بند کردینا یا معطل کردینا جائز نہیں ہے۔

۱۳۔ اگر کسی وجہ سے مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا موقوف ہوجائے تب بھی اپنے وقت پر اذان کا اہتمام ضروری ہے۔

۱۴۔ کثرتِ جماعت شرعاً مطلوب ہے، البتہ اگر وباء کی وجہ سے حکومت کی ہدایات کی بناء پر افراد کو محدود کرنے کی مجبوری ہو تو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

۱۵۔ مسجد کے احترام و تقدس کے پیش نظر مسجد کے کسی حصہ کو کووڈ سینٹر بنانا جائز نہیں۔

کرونا سے متاثر مریض کی تیمارداری

۱۶۔ کرونا سے متاثر مریض کو بالکل الگ تھلگ کر دینا اور اس کی تیمارداری نہ کرنا اسلامی تعلیمات کے منافی اور انسانیت کے خلاف ہے۔

۱۷۔ کرونا سے متاثر مریض اگر اپنا علاج خود نہ کر اس کے تو اقرباء کی ذمہ داری ہے کہ اس کے علاج کا بندوبست کریں اور اس کو بے سہارا نہ چھوڑیں، اگر ان میں استطاعت نہ ہو یا وہ غفلت برتیں تو حکومت اور سماج اس کے علاج اور دیکھ ریکھ کے ذمہ دار ہوں گے۔

کرونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

۱۸۔ اگر کرونا پابندیوں کی وجہ سے میت کو غسل دینا یا تیمّم کرانا دشوار ہو تو فریضۂ غسل ساقط ہو جائے گا، اور میت کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔

۱۹۔ اگر کرونا میت کو کفن مسنون دینا دشوار نہ ہو تو کور (cover) پر کفن پہنا دینا چاہیے، اور دشواری کی صورت میں کور ہی کفن کے حکم میں ہوگا۔

۲۰۔ اگر کرونا میت کو نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا ہو تو اس کی قبر پر اس وقت تک نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے جب تک کہ اس کی لاش کے تغیر کا ظن غالب نہ ہو۔

۲۱۔ اگر میت کو بغیر جنازہ پڑھے دفن کر دیا گیا اور اس کی قبر کی جگہ بھی معلوم نہ ہو تو اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔

۲۲۔ کرونا وبا سے انتقال کرنے والے مسلمان ان شاء اللہ شہادت کے اجر کے مستحق ہوں گے۔

کرونا ویکسین سے متعلق مسائل

۲۳۔ الکوحل آمیز سینٹائزر کا استعمال مباح ہے۔

۲۴۔ کرونا ویکسین ایک قسم کی دوا اور حفاظتی تدبیر ہے، ضرورت کے تحت اس کا لگوانا جائز ہے۔

محورِ اوّل

کرونا کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر

محمد نصر اللہ ندوی
استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
رفیق علمی مجلس تحقیقات شرعیہ

سوال: ۱۔ وباء کیا ہے؟ اور شریعت میں اس کے بارے میں کیا تصور ہے؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ یہ ایسی بیماری ہے، جو بہت تیزی کے ساتھ پھیلتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری آبادی کو اپنی چپیٹ میں لے لیتی ہے، اور اکثر و بیشتر یہ جان لیوا بھی ہوتی ہے، اکثر مقالہ نگاروں نے وباء کی تشریح مختلف قوامیس اور معاجم کے حوالہ سے کی ہے، بعض نے شروح حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے۔

☆ مولانا خورشید احمد اعظمی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:

”وباء كل مرض شديد العدوى، سريع الانتشار من مكان إلى مكان، يصيب الإنسان والحيوان والنبات، وعادة يكون قاتلاً كالطاعون ، كثيرا ما تنتشر الأوباء بعد الحرب۔“ (معجم اللغة المعاصرة ۲۳۹۲/۳) (دیکھئے مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی، خواجہ معین الدین اکرامی ندوی، مفتی محمد طاہر، مفتی شمشیر حیدر قاسمی۔)

☆ مفتی اقبال قاسمی کانپوری لکھتے ہیں:

وباء ایک عربی لفظ ہے جو اردو میں مستعمل ہے، اس کے مندرجہ ذیل معانی آتے ہیں:

۱۔ ایسی بیماری یا مصیبت جو انسانوں کی تباہی و بربادی کا باعث ہو۔ ۲۔ ملک گیر مرض۔

۳۔ وہ بیماری جو کثرت سے پھیلے۔

۴۔ متعدی بیماری جیسے طاعون، ہیضہ، ایڈز، چکن گنیا بخار وغیرہ۔ (دیکھئے مقالہ: مفتی اقبال احمد قاسمی)

☆ مولانا ولی اللہ مجید قاسمی اور مفتی شکیل منصور القاسمی امام نوویؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

”والصحيح الذى قاله المحققون: إن الوباء مرض الكثيرين من الناس فى جهة من الأرض دون سائر الجهات، ويكون مخالفاً للمعتاد من أمراض فى الكثير وغيرها، ويكون مرضهم نوعاً واحداً بخلاف سائر الأوقات، فإن أمراضهم فيها مختلفة۔“ (شرح مسلم للنووی ۲۰۴/۱۴) (دیکھئے مقالہ: مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مفتی شکیل منصور القاسمی۔)

دنیا میں نازل ہونے والی آفتیں، بلائیں اور مصیبتیں کیا انسانی کرتوت کا نتیجہ ہوتے ہیں یا قدرت کی طرف سے محض ابتلاء و آزمائش؟ اس سلسلہ میں اکثر مقالہ نگا کی رائے ہے کہ عام طور پر قدرتی آفات معصیت اور نافرمانی کا نتیجہ ہوتی ہیں، ڈاکٹر محمد شاہ جہاں ندوی لکھتے ہیں:

دنیا میں جو آفتیں مصیبتیں، وبائیں اور متعدی امراض پیدا ہوتے ہیں اور جو مرگ عام کا سبب بنتے ہیں، جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ اور موجودہ دور میں کرونا وائرس، یہ سب دراصل انسانی کرتوت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ (دیکھئے مقالہ: ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی)

☆ مفتی محمد عثمان بستوی لکھتے ہیں:

آیات وروایات سے معلوم ہوا کہ وباء عمومی امراض اور دیگر آفات وبلیات، سب انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں۔
(دیکھئے مقالہ: مفتی محمد عثمان بستوی)

☆ مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی فرماتے ہیں:

بیماریاں اللہ کی طرف سے آتی ہیں، جو نعمت بھی ہوتی ہیں اور زحمت بھی، مؤمن کے لیے درس عبرت اور کافر کے لیے تازیانہ عقوبت، یہ سلسلہ نیا نہیں ہے۔

تاہم ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی اس سے اتفاق نہیں کرتے، ان کا خیال ہے کہ کسی آفت کو متعین طور پر عذاب الٰہی سے تعبیر کرنے کا حق صرف نبی اور رسول کو ہے، کسی دوسرے انسان کو یہ حق نہیں کہ وہ اسے عذاب قرار دے، وہ لکھتے ہیں:

کسی متعدی آفت کو عذاب متعین طور پر یا تو وحی قرار دے سکتی ہے یا زبان رسالت اس کی صراحت کر سکتی ہے۔ (دیکھئے مقالہ: ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی)

متعدد مقالہ نگار کی رائے ہے کہ آفتیں اگرچہ عذاب الٰہی کے طور پر آتی ہیں تاہم ایک مؤمن کے لیے اس بات کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی بیماری مؤثر نہیں ہو سکتی، ہر چیز کے بارے میں اسلام کا تصور یہی ہے کہ اس کا خالق صرف اللہ ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے حکم کے تابع ہے، اس کی منشا کے بغیر کچھ نہیں ہوتا ہے۔

(دیکھئے مقالہ: مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا اختر امام عادم قاسمی، مفتی شکیل منصور القاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا محمد صابر حسین ندوی)

☆ ڈاکٹر مفتی مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی لکھتے ہیں:

وباء بھی اللہ کی دیگر مخلوقات کی طرح ایک مخلوق ہے، اور مخلوق حادث ہے، دراصل اللہ تعالیٰ اسے عذاب الٰہی اور تنبیہ الٰہی کی حیثیت سے دنیا میں رونما کرتا ہے اور لوگوں کے لیے آزمائش اور درس عبرت بناتا ہے۔ (دیکھئے مقالہ: مفتی مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی)

☆ مفتی محمد زید مظاہری ندوی لکھتے ہیں:

متعدد احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے آگاہ فرمایا کہ امت میں جب بے حیائی، زنا، بدکاری عام ہو جائے گی، اولاد کی کثرت اور سود کے لین دین کا رواج ہوگا، اور امت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے گی، تو اللہ تعالیٰ ایسے وقت میں ان پر ایسی مہلک اور تکلیف دہ بیماریاں مسلط کر دے گا جس سے اموات کی کثرت ہوگی، طاعون اور ایسی وباء پھیلیں گی جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھیں، آباء واجداد نے ان کا نام بھی نہ سنا ہوگا۔

سوال: ۲۔ وباء سے تحفظ کے لیے شرعی رہنمائی اور اسلامی ہدایات کیا ہیں؟

اس سلسلہ میں عام طور پر مقالہ نگار کی رائے ہے کہ دنیا دارالاسباب ہے، یہاں ہر چیز کا ایک نظام ہے جس کو اختیار کرنا ضروری ہے، وباء کے دور میں انسانی جان کی حفاظت کے لیے شریعت نے کچھ ہدایات دی ہیں جن پر عمل کرنا ضروری ہے، تاکہ انسان کی زندگی کو کوئی خطرہ نہ ہو، احتیاطی تدابیر کرنا، توکل اور ایمانی تقاضے کے منافی نہیں ہے، کرونا وباء سے تحفظ کے لیے بنیادی طور پر دو تدابیر بتائی گئی ہیں۔

۱۔ سوشل ڈسٹنسنگ (سماجی فاصلہ)　　۲۔ صفائی ستھرائی کا اہتمام

اس سلسلہ میں عام طور پر مقالہ نگاروں نے طاعون سے متعلق روایت سے استدلال کیا ہے جس میں حضور نے ہدایت دی ہے کہ اگر کسی علاقہ میں طاعون پھیل جائے تو وہاں مت جاؤ اور جہاں تم موجود ہو، وہاں طاعون پھیل جائے تو وہاں سے مت نکلو۔

☆ عن سعدؓ عن النبی ﷺ قال: إذا سمعتم بالطاعون بأرض، فلا تدخلوها، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا منها.
(بخاری:۵۷۲۸)(دیکھئے مقالہ: قاضی محمد حسن ندوی)

☆ مفتی محمد زید مظاہری ندوی لکھتے ہیں:
حدیث پاک میں طاعون زدہ علاقوں سے بھاگنے کی ممانعت ہے، لہٰذا اگر بھاگنے کے طور پر نہ ہو بلکہ کسی ضرورت سے باہر جانا ہو تو اسی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خروج جائز ہے، اور آگے فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا یہ عقیدہ ہو جو مقدر ہوگا وہی ہو کر رہے گا، طاعون زدہ علاقوں میں داخل ہونے سے ایسا نہیں کہ تقدیر کے خلاف بھی مرض لاحق ہو جائے، ایسے پختہ عقیدہ والے شخص کے لیے آنا جانا سب جائز ہے۔
بھاگنے کی صورت میں مریضوں اور مردوں کی حق تلفی یقینی ہے، اور مریضوں کے اختلاط سے جو نقصان پہونچ سکتا ہے وہ غیر یقینی ومحتمل ہے اور یقینی نقصان کے مقابلہ میں غیر یقینی محتمل نقصان کی رعایت کرنا بیشک عقل ونقل کے خلاف ہے، اسی وجہ سے حضور ﷺ نے طاعون زدہ علاقہ سے بھاگنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

☆ مفتی نذیر احمد کشمیری نے حدیث نبوی ''فرّ من المجذوم فرارك من الأسد'' سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو شخص متعدی بیماری سے متاثر ہو، اس سے اسی طرح بھاگنا چاہئے جس طرح شیر سے بھاگتے ہیں۔
مفتی محمد عثمان گورینی کی دلیل یہ روایت ہے:

فمن سمع به بأرض فلا يقد من عليه، ومن كان بأرض وقع بها فلا يخرج فراراً منه۔(بخاری:۶۵۷۳)

☆ مفتی شکیل منصور القاسمی حضرت عمرؓ کے عمل سے استدلال کرتے ہیں جو مسلم شریف میں مذکور ہے:
حضرت عمرؓ شام کے سفر پر جا رہے تھے، سرغ نامی بستی سے ان کا گذر ہوا، سیدنا ابو عبیدہ بن جراحؓ اور ان کے ساتھیوں نے بتایا کہ اس بستی میں طاعون کی وبا پھیل گئی ہے، حضرت عمرؓ نے مہاجرین وانصار صحابہ کرام اور غزوۂ فتح مکہ میں شریک اکابر قریش سے مشورہ کیا، پھر اجتماعی مشاورت سے انہوں نے بستی میں داخل نہ ہونے کا فیصلہ کیا، سیدنا ابو عبیدہ بن جراحؓ نے کہا: امیر المؤمنین اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں اللہ کی تقدیر سے بھاگ کر اللہ کی تقدیر کے آغوش میں پناہ لے رہا ہوں، پھر سیدنا عبد الرحمٰن بن عوفؓ آئے اور انہوں نے کہا: اس بارے میں میرے پاس آپ ﷺ کی ہدایت موجود ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''إذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه۔''

☆ قبیلۂ ثقیف کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس میں کوڑھ سے متاثر ایک شخص تھا، آپ ﷺ نے بیعت میں دوسرے لوگوں سے ہاتھ ملایا مگر اس شخص سے یہ کہلا بھیجا کہ ''إنا قد بايعناك''ہم نے آپ سے بیعت کر لی۔(مسلم:۲۲۳۱)

☆ حضور اکرم ﷺ نے بیمار اونٹ کو تندرست اونٹ کے پاس لے جانے سے منع کیا ہے: ارشاد نبوی ہے:''لا يوردون ممرض على مصحح۔''(بخاری، کتاب الطب)(مقالہ: مفتی محمد جعفر ملی رحمانی)

☆ بعض مقالہ نگاروں نے کچھ فقہاء کی عبارت بھی نقل کی ہیں:
مولانا محمد صابر حسین ندوی نے موسوعہ فقہیہ کی عبارت سے استدلال کیا ہے:

"ذهب المالكية والشافعية والحنابلة إلى منع مجذوم، يتأذى به من مخالطة الأصحاء والاجتماع بالناس لحديث: "فر من المجذوم فرارك من الأسد" وقال الحنابلة: لا يحل لمجذوم مخالطة صحيح إلا بإذنه، فإن أذن الصحيح لمجذوم بمخالطته جاز له ذلك لحديث "لا عدوى ولا طيرة" ولم نر للحنفية نصا في المسألة۔(الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۵/۱۳۰)

☆ قاضی محمد حسن ندوی نے ابن قیمؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وباء زدہ علاقہ سے دور رہنے میں کئی حکمتیں ہیں:

۱۔ ان چیزوں سے اجتناب جو طاعون کا سبب بن سکتے ہیں۔ ۲۔ صحت وعافیت کے اسباب اختیار کرنا۔

۳۔ فاسد اور تعفن پیدا کرنے والی ہوا سے اپنے آپ کو بچانا۔ ۴۔ طاعون یا وبا سے متاثرہ اشخاص کی قربت سے دور رہنا۔

۵۔ اپنے آپ کو تعدی اور بدشگونی سے محفوظ رکھنا۔

۶۔ مفتی محمد عثمان بستوی کچھ قواعد فقہیہ، مثلاً: درء المفاسد أولى من جلب المنافع-الضرورت تبيح المحظورات- الحرج مدفوع- المشقة تجلب التيسير سے استدلال کرتے ہوئے متاثرہ علاقہ سے دور رہنے کی رائے دی۔

۷۔ بعض مقالہ نگاروں نے دواء علاج اور سوشل ڈسٹنسنگ کے ساتھ کچھ مزید چیزوں پر زور دیا ہے، مثلا: دعاؤں کا اہتمام، صدقہ کی کثرت، عوامی مقامات میں گندگی پھیلانے سے اجتناب، کھانے پینے میں حلال وحرام کی تمیز کا التزام وغیرہ۔ (دیکھئے مقالہ: مفتی محمد طاہر، قاضی محمد حسن ندوی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، ڈاکٹر مفتی مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی۔)

سوشل ڈسٹنسنگ کے علاوہ مقالہ نگاروں نے جس چیز پر زور دیا ہے، وہ ہے صفائی ستھرائی کا اہتمام۔

☆ مولانا خورشید احمد اعظمی لکھتے ہیں:

اسلامی تعلیمات پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ شریعت نے اپنے متبعین کو کس درجہ گندگی سے پرہیز اور نظافت وصفائی کی ترغیب دی ہے کہ جسم انسانی میں جہاں جہاں میل اور گندگی کے امکانات پائے جاتے ہیں وہاں تک پانی پہونچانے کا حکم دیا، کثرت سے مسواک کی ترغیب دی اور جو چیزیں گندگی یا جراثیم کی پیداوار کا سبب بن سکتی ہیں، انہیں زائل کرنے کی تاکید فرمائی، کپڑے، مکان، اندرون وبیرون کی نظافت کی تعلیم فرمائی اور خاص طور سے وبا سے بچنے کے لیے رات میں برتن وغیرہ ڈھکنے کا حکم دیا وغیرہ۔

☆ مفتی شکیل منصور القاسمی نے اس سلسلہ میں درج ذیل روایات کا ذکر کیا ہے:

الطهور شطر الإيمان۔(مسلم) لا يقبل الله صلاة بغير طهور، ولا صدقة من غلول۔(نسائی) عشر من الفطرة: قص الشارب، وإعفاء اللحية، والسواك، والاستنشاف بالماء، وقصّ الأظفار، وغسل البراجم، ونتف الآباط، وحلق العانة، وانتقاص الماء۔(تخریج مشکل الآثار) وغیرہ۔

سوال:۳۔کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے اور اس سے بچنے کے سلسلے میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل اور دیگر احتیاطی تدابیر کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا ایسا کرنا توکل علی اللہ اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہے؟

اس سوال کے جواب میں عام طور پر مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ حکومت کی گائڈ لائن پر عمل کرنا اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے، اور ایسا کرنا توکل اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف نہیں ہے۔

☆ مفتی نذیر احمد کشمیری لکھتے ہیں:
ایسے تمام معاملات کے متعلق شریعت کا ضابطہ یہ ہے کہ جو امور شرعاً درست ہوں، یعنی وہ منہیات شرعیہ میں نہ آتے ہوں اور وہ مصلحت عامہ کے قبیل سے ہوں، ان کی بجا آوری درست ہے، چاہے وہ کسی مسلم حکمراں کی طرف سے ہو یا کسی غیر مسلم حکومت کی طرف سے ہو۔

☆ مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتے ہیں:
دنیا دار الاسباب ہے، یہاں کی ہر شئی کسی نہ کسی سبب سے مربوط ہے، اس لیے اسباب و وسائل اختیار کرنا، توکل کے منافی نہیں، بلکہ عین ایمان کے مطابق ہے، اس لیے کہ توکل ترک اسباب کا نہیں، بلکہ اللہ پر اعتماد کا نام ہے۔

☆ ڈاکٹر مصطفیٰ ندوی لکھتے ہیں کہ حفظ جان، بنیادی مقاصد شریعت میں سے دوسرے نمبر پر ہے، اور حفظ جان کے قبیل سے، حفظ صحت ہے، شریعت نے حفظان صحت کے لیے بہت ساری چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔

☆ مولانا صابر حسین ندوی لکھتے ہیں کہ بندہ اسباب اختیار کرنے کے ساتھ اللہ پر بھروسہ رکھے، یعنی یہ یقین رکھے کہ جب تک حکم خداوندی نہیں ہوگا اسباب اختیار کرنے کے باوجود شفا نہیں مل سکتی۔

☆ مفتی محمد عثمان بستوی لکھتے ہیں:
جس طرح علاج ومعالجہ، دوا اور دارو کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں، اسی طرح نقصان اور ہلاکت کے اسباب سے بچنا اور اس کی احتیاطی تدابیر اختیار کرنا بھی توکل کے منافی نہیں۔

☆ مفتی اقبال احمد قاسمی کان پور لکھتے ہیں کہ حکومت کی طرف سے جاری کردہ گائڈ لائن اگر ہندو تہذیب کا حصہ ہو، جیسے تھالی بجانا، یا دیئے جلانا، جب تک اضطرار نہ ہو، اس کی گنجائش ایک مسلمان کے لیے نہیں ہوسکتی، اسی طرح سے مسجد کو بالکل بند کر دینے یا جمعہ یا جماعت ترک کر دینے یا اذان نہ دینے کا حکم ہو، تو یہ ہدایات شریعت سے میل نہیں کھاتی، شریعت کا اصول ہے: ''لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق۔''

احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے سلسلہ میں مقالہ نگاروں نے متعدد دلائل دیئے ہیں:

☆ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا بغیر باندھے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اعقلها وتوکل۔ (سنن ترمذی، کتاب صفة القیامة، رقم الحدیث: ۱۵۲۳)

☆ عن جابر عن رسول الله ﷺ أنه قال: لكل داء دواء، فإذا أصيب دواء الداء برأ بإذن الله تعالى۔ (مسلم، باب لکل داء دواء)

☆ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة۔ (البقرة: ۱۹۵)

☆ عن أسامة بن شريك قال: كنت عند النبي ﷺ وجاءت الأعراب فقالوا يا رسول الله: نتداوى، فقال: نعم! يا عباد الله تداووا، فإن الله عزوجل لم يضع داءً إلا وضع له شفاءً غير داء واحد، قالوا: ما هو؟ فقال: الهرم۔ (صحیح مسلم، باب التداوی بالحبة السوداء)

☆ عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال، قال رسول الله ﷺ: لو أنكم تتوكلون على الله حق توكله لرزقكم كما يرزق الطيور، تعدو خماصا وتروح بطانا۔ (ترمذی، باب فی التوکل علی اللہ)

اس حدیث کی شرح میں صاحب تحفة الاحوذی لکھتے ہیں کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ توکل بیٹھ جانے اور بے عملی کرنے کا نام نہیں، بلکہ سبب اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے اس لیے پرندوں کو کوشش اور طلب سے رزق حاصل ہوتا ہے۔ (تحفة الاحوذی ۷/۴۶)

☆ مفتی محمد عثمان بستوی حافظ ابن حجر کے حوالے سے لکھتے ہیں: متعدد احادیث سے اسباب کا ثبوت ہوتا ہے، دواء، علاج (اسی طرح احتیاطی

تدابیر) ایسے شخص کے لیے قطعاً توکل کے منافی نہیں، جس کا عقیدہ ہو کہ اللہ کی اجازت ومشیئت اور اس کی تقدیر سے یہ اسباب اور احتیاطی تدابیر مؤثر ہوتی ہیں، چنانچہ نبی پاک ﷺ نے خود جنگ کے موقع پر دو زرہیں پہنیں، سر پر مغفر پہنی، گھاٹی کے سرے پر حفاظت کی غرض سے تیر اندازوں کو بٹھایا، مدینہ پاک کے اردگرد خندق کھودنا، کفار کے مظالم سے بچنے کے لیے خود آپ کا اور صحابہ کا ہجرت کرنا، گھر والوں کے لیے سال بھر کا غلہ جمع کرنا، صحابی کو اونٹ باندھ کر توکل کرنے کا حکم دینا، یہ سب بطریق صراحت اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اسباب اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے، بس شرط یہی ہے کہ اسباب کو حقیقی مؤثر نہ سمجھے، بلکہ مسبب الاسباب جل وعلا کو حقیقی مؤثر جانے، اس طرح اسباب اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں، بلکہ ضروری ہے۔

☆ حضرت حذیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مؤمن کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اپنے آپ کو ذلیل کرنے کا مطلب کیا ہے؟ تو ارشاد فرمایا: وہ اپنے آپ کو ایسی بیماری یا وباء کے لیے پیش کرے جس کی طاقت وہ نہیں رکھتا۔ (ترمذی:۲۲۵۶)

☆ بخاری کی روایت ہے: قال النبی ﷺ: إذا وقع الذباب فی شراب أحدکم، فلیغمسه ثم ینزعه، فإن فی إحدی جناحیه داءً والأخری شفاءً۔ (بخاری:۳۳۲۰)

☆ حافظ ابن قیم تحریر فرماتے ہیں:

وفی الأحادیث الصحیحة : الأمر بالتداوی أنه لا ینافی التوکل ، کما لا ینافی دفع الجوع والعطش والحر والبرد بأضدادها، بل لا تتم حقیقة التوحید إلا بمباشرة الأسباب التی نصبها الله مقتضیات لمسبباتها قدرا وشرعا۔ (زاد المعاد۴/۱۰)

☆ مفتی اقبال احمد قاسمی لکھتے ہیں کہ حکومت کی طرف سے جاری کردہ ہدایات دو طرح کی ہوتی ہیں:

۱۔ جو ہندوانہ تہذیب کی عکاسی کرتی ہیں، مثلاً تھالی بجانا، دیئے جلانا وغیرہ، ان ہدایات کی پابندی نہیں کی جائے گی، اِلا یہ کہ کوئی حالت اضطراری میں پہونچ جائے۔

۲۔ وہ احکام ہیں جن کی گنجائش پہلے سے ہی شریعت میں موجود ہے، مثلاً بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکلنا، سماجی فاصلہ رکھنا، ماسک استعمال کرنا، ان احکام پر عمل کیا جائے گا، اس میں حرج نہیں ہے۔

☆ مفتی اقبال احمد ٹنکاروی نے اس ضمن میں مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کا ایک اقتباس نقل کیا ہے جس سے زیر بحث مسئلہ پر اچھی طرح روشنی پڑتی ہے:
اسلامی شریعت نے حکومت وقت کو یہ اختیار بھی دیا ہے کہ وہ کسی عمومی مصلحت کے تحت کسی ایسی چیز یا ایسے فعل پر پابندی عائد کرسکتی ہے، جو بذات خود حرام نہیں، بلکہ مباحات کے دائرے میں آتی ہے، لیکن اس سے کوئی اجتماعی خرابی لازم آتی ہے، یہ پابندی ابدی نوعیت کی نہیں ہوتی، جو ہر زمانہ میں اور ہر جگہ نافذ العمل ہو، بلکہ اس کی حیثیت وقتی حکم کی ہوتی ہے، جو وقتی مصلحت کے تابع ہوتا ہے، اس کی سادہ سی مثال یہ ہے کہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جب ہیضہ کی وبا پھوٹ رہی ہو تو حکومت یہ پابندی لگا سکتی ہے کہ خربوزے کی خرید وفروخت اور اس کا کھانا ممنوع ہے، جب تک حکومت کی طرف سے عائد کردہ یہ پابندی باقی رہے، خربوزہ کھانا اور اس وقت تک بیچنا شرعاً بھی ناجائز ہوجائے گا، اسی طرح اصول فقہ میں سد ذرائع کے نام سے ایک مستقل باب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک کام فی نفسہ جائز ہو، لیکن اس کی کثرت معصیت یا مفسدے کا سبب بن جائے تو حکومت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس جائز کام کو بھی ممنوع قرار دے۔

سوال:۴۔ بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے؟

اس سلسلہ میں دونوں طرح کی روایتیں ہیں:

۱- وہ روایتیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض بیماریاں متعدی ہوتی ہیں۔

۲- وہ روایتیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی ہے، مقالہ نگاروں دونوں طرح کی روایتوں کے حوالہ سے شارحین حدیث کی تشریح اور تطبیق کا ذکر کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں علماء کے درمیان دو نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں:

☆ جن روایات میں مرض کے متعدی ہونے کی نفی ہے، مثلاً: لا عدوى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر۔(بخاری، مسلم)

☆ أن رسول الله ﷺ أخذ بيد مجذوم، فأدخله معه في القصعة، ثم قال: كل بسم الله، ثقة بالله، وتوكلا عليه۔(ترمذی:۱۸۱۷)

☆ أن رسول الله ﷺ قال: لا عدوى، فقال أعرابي، فقال: أرأيت، تكون في الرمال أمثال الظباء، فيأتيها البعير الأجرب فتجرب، قال النبي ﷺ: فمن أعدى الأول؟(بخاری:۵۷۷۵)

ان روایات میں دراصل اس عقیدہ کی نفی ہے جو جاہلیت میں پایا جاتا تھا، وہ یہ کہ مرض کے اندر بذات خود متعدی ہونے کی صلاحیت ہے، یہ اس کی طبعی اور لازمی خصوصیت ہے، رسول اکرم ﷺ نے اس کی تردید فرمائی اور واضح کیا کہ مرض میں بذات خود متعدی ہونے کی صلاحیت نہیں ہے، جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیئت نہ ہو متعدی نہیں ہوسکتا، آپ ﷺ نے اس عقیدہ کو ختم کرنے کے لیے ایک جذامی کے ساتھ کھانا تناوّل فرمایا۔(ترمذی:۱۸۱۷)

جن روایات سے مرض کے متعدی ہونے کا ثبوت ملتا ہے، مثلاً: لا يوردون ممرض على مصح۔(بخاری:۵۷۷۱)

فإذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه۔(بخاری:۵۷۲۸)

كلم المجذوم وبينك وبينه قيد رمح أو رمحين۔(فتح الباری ۱۰/۱۵۹)

فر من المجذوم فرارك من الأسد۔(بخاری:۵۷۷۱)

ان روایات کا مطلب یہ ہے کہ بعض امراض سبب کے درجہ میں متعدی ہوتے ہیں اور ان کے اندر انفکشن پایا جاتا ہے، ایسے مریضوں سے دور رہنے کو کہا گیا ہے کہ ان کے اختلاط سے انفکشن منتقل ہوسکتا ہے، لیکن یہ انفکشن بھی مشیت الٰہی سے منتقل ہوتا ہے، اس لیے کہ مشاہدہ یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کو اختلاط کے باوجود انفکشن نہیں ہوتا ہے، اس نظریہ کے حاملین میں حافظ ابن صلاح کا نام سرفہرست ہے۔(مقدمہ ابن الصلاح:۲۸۵)

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ کوئی بھی بیماری نہ تو بالذات مؤثر ہوسکتی ہے اور نہ ہی سبب بن سکتی ہے، البتہ جن احادیث میں بیمار اشخاص سے میل جول میں احتیاط برتنے کو کہا گیا ہے، وہ محض سد ذریعہ کے طور پر ہے، مطلب یہ ہے کہ بیماریاں لاحق تو ہوتی ہیں، اللہ کے حکم سے، کسی کی بیماری دوسرے کے لیے سبب بھی نہیں ہوگی، مگر لوگوں کا اعتقاد ایسے موقع پر بگڑ نہ جائے کہ سمجھنے لگیں کہ اختلاط کے نتیجہ میں بیماری ہوتی ہے اس لیے نفس اختلاط کو ہی منع کر دیا گیا تا کہ عقیدہ خراب نہ ہو، اس نظریہ کے روح رواں حافظ ابن حجر ہیں۔

(دیکھئے مقالہ: مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی بحوالہ فتح الباری ۱۳/۱۰۰-۱۰۳)

☆☆☆☆

محور دوم: کرونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف

رحمت اللہ ندوی
استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
رفیق علمی مجلس تحقیقات شرعیہ

کرونا جیسی عالمی وبا نے بڑی ہلاکت مچائی اور نظامِ زندگی کو بہت متاثر کیا، ہر شعبہ پر اس کا گہرا اثر پڑا، اس کے ساتھ مختلف قسم کے مسائل اور سوالات پیدا کئے، جن کے شرعی احکام کی دریافت وقت کی اہم ضرورت اور تقاضا تھا، اس پس منظر میں مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ کی جانب سے جاری کردہ چند اہم سوالات کا دوسرا محور: ''کرونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف'' کے تحت نو سوالات کئے گئے تھے، جن کے جوابات میں تادمِ تحریر ہمیں کل ۳۲ مقالات موصول ہوئے، جن میں دو مقالوں کے علاوہ سب اردو میں ہیں اور دو مقالے شیخ محمد احمد حسین اور ڈاکٹر محمد علی شفیق ندوی کے عربی میں ہیں، فاضل مقالہ نگاروں کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی، (۲) ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، (۳) مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی، (۴) حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، (۵) مولانا سلمان انور قاسمی، (۶) مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، (۷) مولانا اختر عادل امام قاسمی، (۸) ڈاکٹر مفتی محمد اشرف قاسمی، (۹) مفتی انور علی اعظمی، (۱۰) محمد ممتاز خان ندوی، (۱۱) مفتی راشد حسین ندوی، (۱۲) مفتی محمد طاہر، (۱۳) مفتی عبید اللہ ندوی (۱۴) مفتی محمد صابر حسین ندوی، (۱۵) مفتی شکیل منصور القاسمی، (۱۶) خواجہ معین الدین اکرمی ندوی، (۱۷) مفتی محمد جعفر ملی، (۱۸) مفتی محمد عثمان بستوی، (۱۹) مولانا خورشید احمد اعظمی، (۲۰) مفتی ولی اللہ مجید قاسمی، (۲۱) قاضی حسن ندوی، (۲۲) مفتی نذیر احمد کشمیری، (۲۳) مفتی شمشیر حیدر قاسمی، (۲۴) مولانا محمد ادریس الرحمٰن قاسمی، (۲۵) مفتی مصطفیٰ عبد القدوس ندوی، (۲۶) مولانا اکرام احمد ندوی، (۲۷) مفتی اقبال احمد قاسمی، (۲۸) الشیخ محمد احمد حسین (فلسطین)، (۲۰) الدکتور محمد علی بن شفیق الندوی، (۳۰) مولانا مفتی نصر اللہ ندوی، (۳۱) مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، (۳۲) مفتی محمد زید مظاہری ندوی، آخر الذکر کا مقالہ بہت تاخیر سے پہونچا۔

ہم ذیل کی سطروں میں ہر سوال کے جوابات اور آراء کی تلخیص پیش کریں گے، اور دلائل بھی ذکر کریں گے۔

سوال: ۱۔ کیا کرونا کے زمانہ میں مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنے یا انفرادی نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں تمام فاضل مقالہ نگار حضرات متفق ہیں کہ کرونا جیسے وبائی مرض میں مسجد کے بجائے گھروں میں باجماعت نماز پڑھنے کی اجازت ہے، اور انفرادی پڑھنے کے مقابلہ میں باجماعت پڑھنا افضل ہے، لیکن مسجد کو معطل نہ چھوڑا جائے وہاں بھی کچھ لوگ نماز کا اہتمام کریں۔

بعض مقالہ نگاروں نے جماعت کی فضیلت، مشروعیت اور اہمیت پر بھی گفتگو کی اور یہ بتایا ہے کہ گھر میں جماعت سے مسجد کا ثواب نہیں ملے گا۔ دلائل کی طوالت کے باعث چند اہم دلائل کے نقل پر اکتفا کیا جاتا ہے:

☆ إن ابن عمر أذن بالصلاة فی لیلة ذات برد وریح ثم قال: إن رسول الله ﷺ كان يأمر المؤذن إذا كانت ليلة ذات برد ومطر يقول: ألا صلوا فی رحالكم۔ (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب الرخصة فی المطر ۴/ ۱۲۷، دیکھئے مقالات: مفتی شکیل منصور قاسمی، مولانا

صابر حسین ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد ممتاز خاں ندوی، مفتی اختر امام عادل قاسمی، قاضی حسن ندوی)۔

☆ امام نووی کی اس حدیث کی شرح میں یہ قول: هذا الحديث دليل على تخفيف أمر الجماعة في المطر ونحوه من الأعذار، (المنهاج علی شرح مسلم بن الحجاج، کتاب صلاۃ المسافرین، باب الصلاۃ فی المطر، ۵/۲۰۷۔)

☆ عن أبي بكرة أن رسول الله ﷺ أقبل من نواحي المدينة يريد الصلاة فوجد الناس قد صلوا، فمال إلى منزله فجمع أهله فصلى بهم۔ (مجمع الزوائد، ورجالہ ثقات، باب من جاء إلی المسجد الخ، ۲/۱۷۳) دیکھئے مقالہ: مولانا اکرام احمد ندوی، مفتی جعفر ملی، مفتی اختر امام عادل قاسمی۔

☆ عن عمرو بن أوس: أنبانا رجل من ثقيف أنه سمع منادى النبي يعني في ليلة مطيرة في السفر يقول: حي على الصلاة، حي على الصلاة صلوا في رحالكم۔ (كتاب الأذان، باب الأذان في التخلف عن الشهود، رقم: ۶۵۳)

☆ ولو فاتته الجماعة جمع بأهله في منزله لما روينا أن النبي جمع بأهله في منزله حين انصرف من صلح بعد ما فرغ الناس من الصلاة، وإن صلى وحده جاز۔ (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في بيان مقام الإمام والمأموم، ۱/ ۴۲۹، دار الکتب العلمیۃ، دیکھئے مقالہ: ادریس الرحمٰن کشمیری، مفتی طاہر۔)

☆ عن جابر قال: كنا مع النبي ﷺ في سفر فأصابنا مطر فقال النبي ﷺ: من شاء فليصل في رحله۔ (ترمذی: رقم الحدیث: ۴۱۸، مفتی نذیر قاسمی)

☆ مفتی محمد عثمان صاحب نے گھروں میں جماعت قائم کرنے کی چند صورتیں ذکر کی ہیں:

۱۔ مساجد کو بالکل بند کر دیا گیا ہو، نماز موقوف کر دی گئی ہو تو ایسی صورت میں گھروں میں جماعت قائم کرنا مجبوری ہے اور یہی صورت متعین ہے، لہٰذا افضلیت اور غیر افضلیت کا سوال نہیں، البتہ مسجد کے باہر باجماعت نماز کا اہتمام کرنا ضروری ہے، تاکہ جماعت کے ثواب سے محرومی نہ رہے، إن صلى أحد في بيته بالجماعة حصل لهم ثوابها وأدركوا فضلها، لكن لم ينالوا فضل الجماعة التي تكون في المسجد لزيادة فضيلة المسجد ولإظهار شعائر الإسلام۔ (غنیۃ: ۲/۳۱۱)

۲۔ مسجد میں نماز کی اجازت ہو اور صرف ایک مرتبہ محدود تعداد کے ساتھ جماعت کی اجازت دی گئی ہو، اس کے بعد مسجد میں داخلہ پر پابندی ہو، تو اس صورت میں بھی بقیہ لوگوں کے لیے گھروں میں جماعت قائم کرنا مجبوری ہے، گھروں میں جماعت قائم کرنے سے مسجد کے ثواب کے مستحق نہیں ہوں گے لیکن جماعت کا ثواب مل جائے گا "لو صلى جماعة في البيت على هيئة الجماعة في المسجد نالوا فضيلة الجماعة، لكن لم ينالوا فضيلة الجماعة الكائنة في المسجد"۔ (غنیۃ: ۲/۳۱۲)

۳۔ جماعت کے افراد کی تعداد تو محدود ہو لیکن مساجد میں داخلہ پر پابندی نہ ہو، صرف جماعت کے افراد کی تعداد محدود کر دی گئی ہو تو ایسی صورت میں جماعت ثانیہ، ثالثہ...... کے ذریعہ باجماعت نماز ادا کرنا بہتر ہے؟ یا تنہا؟ یا جماعت ثانیہ مسجد کے بجائے گھروں میں قائم کرنا بہتر ہے؟

اس سلسلہ میں علماء کی آراء مختلف ہیں، بندہ کی رائے مسجد میں انفرادی اور گھروں میں جماعت سے بہتر، مسجد کی جماعت ثانیہ ہے۔

☆ مفتی شکیل منصور القاسمی نے جماعت ساقط کرنے والے چودہ اعذار کا ذکر بھی اپنے مقالہ میں کیا ہے۔

☆ مفتی اقبال احمد قاسمی نے جواب میں یہ تفصیل ذکر کی ہے:

۱۔ جس علاقہ میں کورونا وائرس کی وبا عام نہ ہو اور حکام کی طرف سے مساجد کے لیے تاکیدی پابندی نہ ہو تو محض کورونا وائرس کے ڈر سے صحت مند حضرات کا مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنا یا انفرادی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے کیوں کہ یہ عذر شرعی کے بجائے توہم پرستی

پر عمل ہے، جس کی شرعاً گنجائش نہیں ہے: ''الجماعة سنة مؤكدة هو الأصح ولو تركها أهل ناحية أثموا، ووجب قتالهم بالسلاح لأنها من شعائر الإسلام''۔(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ج۱/۱۳۳)

۲۔جس علاقہ میں کرونا کی وبا عام ہوجائے یا سرکاری طور پر بندش ہوجائے تو اس علاقہ ومحلّہ کے لوگوں کے لیے مسجد میں نماز نہ پڑھنے کی رخصت ہوگی، البتہ مساجد کا بالکلیہ تعطل اور وہاں نمازوں کا بالکل موقوف ہوجانا بھی درست نہیں، اس لیے چند افراد ہی کے ذریعہ مساجد میں باجماعت نمازوں کا سلسلہ باقی رکھنا اہل محلّہ کے لیے فرض کفایہ ہے۔(دلیل کے لیے مقالہ دیکھیں)

۳۔شریعت مطہرہ میں مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے اعذار میں سے ایسے مریضوں کو بھی شمار کیا ہے جس سے لوگوں کو طبعی طور پر کراہت ونفرت ہوتی ہو جیسے جذامی، خارشی، استطلاق بطن قسم کے مریض، لہٰذا کرونا وائرس کے مریض کو بھی مسجد میں نماز نہ پڑھنے کے سلسلہ میں نہ صرف معذور سمجھا جائے گا بلکہ مسجد میں آنے سے اس کو روکا جائے گا۔(کفایت المفتی ۱/۱۰۳ محشی کی عبارت نقل کی ہے)

۴۔اگر حکومت کی جانب سے سب کی باجماعت نمازوں پر سخت پابندی لگادی گئی ہو تو جب تک یہ پابندی جاری رہے تو خوف ظلم کی وجہ سے اور حرج کی نفی کے پیش نظر مسجد کی نماز چھوٹ جانے کا عذر معتبر ہے، ایسی صورت میں کوشش کریں کہ گھر پر ہی نماز باجماعت کا اہتمام ہو، اور جماعت میں کوئی دشواری ہو تو تنہا پڑھ لیں۔(دلیل مراقی الفلاح ص ۱۶۳ کی عبارت سے دی ہے، دیکھئے مقالہ ص ۱۷)۔

☆ مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی نے دیگر متدلات کے ساتھ حضرت عتبان بن مالک کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جب کہ انہوں نے کثرتِ باراں کے وقت گھر میں فرض پڑھنے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ سے برکت کے طور پر نماز پڑھنے کی درخواست کی تھی۔(بخاری ۱/۶۰، کتاب الصلاۃ، باب المساجد فی البیوت) ڈاکٹر محمد علی ندوی نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔

☆ مفتی شمشیر حیدر قاسمی ارریاوی نے تمہید کے طور پر مساجد کے معنی، مساجد کی اہمیت اور ان سے وابستگی کا حکم، مسجد میں باجماعت نماز کا حکم، جماعت کی اہمیت کو قرآن وحدیث اور فقہی عبارات سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے حالانکہ ان تفصیلات کا سوال اور سوال نامہ سے ربط نہیں ہے۔

☆ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی نے حدیث ''لا ضرر ولا ضرار'' اور مقاصد شریعت میں سے حفظ نفس کو بھی اپنے استدلال میں پیش کیا ہے۔

سوال:۲۔کرونا کے زمانہ میں ایک مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ پنج وقتہ نمازیں پڑھنے اور متعدد بار نماز جمعہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

اس سوال کے جواب میں عام اور خاص حالات کا فرق مدنظر رکھتے ہوئے تقریباً تمام مقالہ نگاران نے کرونا کے زمانہ میں ایک مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ پنج وقتہ نمازیں پڑھنے اور متعدد بار نماز جمعہ ادا کرنے کی اجازت اور گنجائش کی بات تحریر کی ہے، لیکن امام اور جگہ تبدیل کردی جائے، اکثر حضرات نے دونوں کا حکم ایک ساتھ ذکر کردیا ہے، جب کہ بعض حضرات نے الگ الگ ذکر کیا ہے، جماعت ثانیہ کی کراہت تقلیل جماعت کی وجہ سے ہے اور اس صورت میں تقلیل مطلوب ہے۔

☆ مفتی انور علی اعظمی نے ایک سے زائد مرتبہ پنج وقتہ نماز جماعت کے ساتھ ایک مسجد میں پڑھنے کی اجازت امام اور جگہ کی تبدیلی کے ساتھ تو دی ہے لیکن متعدد بار جمعہ ادا کرنا جمعہ کی اہمیت کے خلاف لکھا ہے اور یہ کہا ہے کہ اگر بہت مجبوری نہ ہو تو جمعہ کی نماز ایک ہی بار ادا کی جائے۔

☆ مولانا اقبال محمد ٹنکاروی نے لکھا ہے کہ مسجد میں ایک ہی جماعت ہو اور بقیہ حضرات اپنے اپنے محلوں میں نماز پڑھیں اگر بآسانی پڑھی جاسکتی ہو، ویسے ہی عذر کی وجہ سے ترک جماعت کی اجازت ہوجاتی ہے، اور حکومتی پابندی بھی ایک عذر ہے، اس لیے مسجد میں ایک ہی جماعت پر اکتفا بہتر ہے، (دلائل ان کے مقالہ میں دیکھیں)۔

☆ مفتی محمد عثمان بستوی اور خواجہ معین الدین اکرمی ندوی کے مقالہ میں اس سوال کا جواب نہیں مل سکا۔

☆ مفتی محمد جعفر ملی کے مقالہ میں تعدد جمعہ کی صراحت نہیں ہے۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے جماعت ثانیہ کے بارے میں احناف اور دیگر ائمہ کرام کے مسالک اور آراء کو تفصیل سے مدلل بیان کیا ہے پھر اپنی رائے اور ترجیح ذکر کی ہے۔

☆ مفتی نذیر احمد قاسمی کشمیری نے ایک ہی مسجد میں ایک سے زائد جماعت اور متعدد مرتبہ نماز جمعہ کے درست ہونے کے لیے چند شرائط یہ ذکر کئے ہیں: ا۔وائرس کے لگنے کا ظن غالب ہو۔۲۔احتیاطی تدابیر مثلاً ماسک اور فاصلہ کے غیر مؤثر ہونے کا اندیشہ ہو۔۳۔مسجد میں ایک ہی جماعت کرنے پر بھیڑ کی وجہ سے کرونا کے پھیلاؤ کا خطرہ ہو۔۴۔حکومت کی طرف سے بڑی جماعت کرنے پر سخت پابندی ہو۔۵۔جماعت اوّل ی کی ہیئت تبدیل کرلی جائے۔۶۔اذان تو ایک ہی کافی ہے مگر اقامت ہر ہر جماعت کے لیے ہو۔۷۔پہلی جماعت کے لوگ فارغ ہوکر جب گھر چلے جائیں تب دوسری جماعت کھڑی کی جائے۔۸۔یہ اجازت بھی مخصوص الحال تک محدود ہے۔

☆ مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی نے اپنے موقف کی تائید میں محمود الفتاوی، فتاوی عبدالحی، امداد الاحکام کے حوالے نقل کئے ہیں، اور لکھا ہے کہ جہاں جماعت ثانیہ کی وجہ تقلیل جماعت کے سوا کوئی دوسرا سبب ہو، جو جماعت اوّل ی میں شریک نہ ہونے کا عذر شرعی ہوسکتا ہو تو ایسے مواقع پر مسجد واحد میں نماز جمعہ کی جماعت ثانیہ بھی جائز ہوسکتی ہے، مثلاً نمازیوں کی کثرت تعداد جو بیک جماعت مسجد میں نماز ادا نہ کرپائے، یا کوئی حکومتی پابندی جس کے سبب لوگ بیک وقت محدود تعداد میں ہی نماز باجماعت ادا کرسکیں وغیرہ۔

☆ مفتی شکیل منصور القاسمی نے تعدد جمعہ کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی ہے کہ اگر مسجد کئی منزلہ ہو تو تمام منزلیں بھر جائیں اور مسجد تنگ پڑجائے، محلّہ میں کوئی فنکشن ہال یا کوئی جگہ دستیاب نہ ہو۔

☆ مفتی راشد حسین ندوی نے لکھا ہے کہ جماعت کے تعدد کے سلسلہ میں جو بحث ہے وہی جمعہ کے تعدد کے لیے بھی سمجھا جائے، بس اس فرق کے ساتھ کہ جمعہ کی جماعت کے لیے امام کے علاوہ مزید تین ایسے مقتدی ہونے چاہئے جن کی امامت سے جمعہ پڑھا جاسکتا ہو، نیز یہ بھی شرط ہے کہ اس سے پہلے خطبہ ہو، بقیہ دیگر شرائط معروف ہیں۔

☆ مفتی اختر امام عادل قاسمی لکھتے ہیں: اگر اس مسجد کے علاوہ کوئی دوسری متبادل جگہ (مسجد یا میدان وغیرہ) میسر نہ ہو تو حسب ضرورت مسجد میں تعدد جمعہ کی گنجائش ہے، بشرطیکہ اس مقام پر نماز جمعہ پڑھی جاتی ہو۔

☆ مولانا عبیداللہ ندوی نے مخصوص احوال (کورونا، مجمع زائد ہونا، نیز دوسری جگہ کا نہ ہونا) میں جماعت ثانیہ کی اجازت مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ دی ہے:

(الف) اذان واقامت کا اعادہ نہ کیا جائے۔(ب) پہلی جماعت کی جگہ بھی چھوڑ دی جائے۔(ج) روزانہ یا ہمیشہ کے لیے اس کو معمول نہ بنایا جائے۔(د) تداعی (لوگوں کو بلانا یا ترغیب دینا) نہ ہو۔(ہ) امام علاحدہ ہو۔(و) ہیئت اوّل ی پر نہ ہو۔

☆ حافظ کلیم اللہ عمری مدنی کا کہنا ہے کہ اگر کوئی دوسرا امام میسر نہ ہو تو وہی امام دوسری جماعت کا بھی امام بن سکتا ہے، اس کے لیے دوسری جگہ بدل کر امامت کرنے کی کوئی شرط نہیں ہے، جیسا کہ مسئلہ مشہور ہے کہ متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز صحیح ہوجاتی ہے، جماعت ثانیہ کے لیے صرف اقامت کہنا کافی ہے۔ان کے علاوہ سب نے امام اور مقام کی تبدیلی جماعت ثانیہ کے لیے ضروری لکھی ہے۔

☆ مفتی اقبال احمد قاسمی نے اکابر اہل علم کی دو آراء:

(الف) مساجد میں حسب معمول ایک ہی جماعت پر اکتفا کیا جائے اور باقی لوگ گھروں میں خواتین اور بچوں کو لے کر باجماعت نماز پڑھیں،

تاکہ خواتین اور بچوں کو بھی جماعت کا ثواب مل جائے، اور خواتین کی وقت پر نماز پڑھنے کی عادت پڑ جائے اور بچوں کی تربیت ہو جائے۔

(ب) محلّہ اور گھروں میں متعدد جماعت کرنے کے بجائے مسجد میں تکرار جماعت کو ترجیح دی جائے تاکہ لوگوں کے دلوں میں مساجد کی عظمت واہمیت برقرار رہے اور ان کا تعلق مساجد سے باقی رہے۔

یہ دونوں رائیں ذکر کرنے کے بعد انھوں نے لکھا ہے کہ موقع ومحل کے اعتبار سے ہر دورائے پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

چند دلائل:

۱۔ عن أبی یوسفؒ: إذا لم تکن علی الهیئة الأولی لاتکره وإلا تکره وهو الصحیح، وبالعدل عن المحراب تختلف الهـــــئیة۔ (شامی ۶۴/۲) دیکھئے مقالہ: مفتی اقبال احمد قاسمی، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مولانا اکرام احمد ندوی، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مولانا سلمان انور قاسمی، مفتی شکیل منصور القاسمی، مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری۔)

☆ لو تعذر الاستیذان من السلطان کما فی هذا الزمان من عدم التفات السلاطین لمثل تلك الأمور فاجتمعت الناس علی شخص لیصلی بهم جاز۔ (شامی ۱۴/۳) دیکھئے: مفتی محمد اشرف علی قاسمی، مفتی اختر امام عادل۔

☆ اکثر مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ جماعت ثانیہ کی وجہ کراہت، جماعت اوّلی سے اعراض اور تقلیل ہے، اور یہ علت یہاں مفقود ہے کیوں کہ تقلیل ہی مقصود ومطلوب ہے۔ لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة یتعجلون فتکثر، وإلا تأخروا۔ (شامی ۱/ ۳۹۵) دیکھئے مقالہ: ڈاکٹر شاہجہاں ندوی وغیرہ۔)

☆ عن أبی سعید الخدریؓ أن رسول اللہ ﷺ أبصر رجلا یصلی وحده، فقال: ألا رجل یتصدق علی هذا فیصلی معه۔ (ابوداؤد ۵۷۴، ترمذی ۲۲۰) مفتی راشد حسین ندوی۔

☆ أما إذا صلوا بجماعة بغیر أذان وإقامة فی ناحیة المسجد لا یکره۔ (الفتاوی الہندیۃ ۱/۹۲ باب الامامۃ) ادریس الرحمٰن کشمیری۔

☆ عن أمامة الباهلی أنه قال: جاء رجل وقد صلی رسول اللہ ﷺ قال: من یتصدق علی هذا؟ فقام رجل فصلی معه فلما صلیا، قال: هذان جماعة۔ (مسند احمد: ۲۲۲۴۳) مولانا اکرام احمد ندوی۔

☆ عن أبی حنیفة لو کانت الجماعة أکثر من ثلاثة یکره التکرار وإلا فلا۔ (شامی ۲/ ۵۹) مولانا اکرام احمد ندوی۔

☆ عن محمد إنما یکره تکرارها علی سبیل التداعی، أما إذا کان خُفیة فی زوایة المسجد لأباس به۔ (البحر الرائق ۱/ ۶۰۵) ڈاکٹر مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی)

☆ وإن تعددت الجمعة لحاجة، بأن عسر اجتماع بمکان، جاز التعدد، وصحت صلاة الجمیع علی الأصح۔ (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۲/ ۲۷۹، دار الفکر) قاضی محمد حسن ندوی۔

سوال: ۳۔ وبا کے زمانہ میں گھروں میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی کیا شرطیں ہیں؟

اس کے جواب میں بنیادی طور پر دو نقطۂ نظر ہیں:

(الف) گھروں میں جمعہ جائز نہیں۔

اس رائے کے حامل ہیں: مولانا خواجہ معین الدین اکرمی ندوی، مفتی نذیر احمد قاسمی کشمیری، ڈاکٹر مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مفتی انور علی اعظمی، اور مفتی محمد طاہر۔

☆ خواجہ اکرمی صاحب لکھتے ہیں:

’’نماز جمعہ اسلام کے اہم شعائر میں سے ہے، یہ ایسی عبادت ہے جس کا جماعت کے ساتھ مسجد یا کھلے میدان میں ادا کرنا ضروری ہے، لہٰذا اس نماز کا گھروں میں ادا کرنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ مسجد یا عیدگاہ میں ادا کیا تھا بلکہ حضرات صحابہ کے زمانے سے آج تک اسی طرح یہ نماز ادا کی جاتی رہی ہے (المبسوط للسرخسی ۲/۲۳، نیل الاوطار للشوکانی ۳/۲۷۷، بدایۃ المجتہد ۱/۱۶۷) موصوف نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے دور میں ملک شام میں طاعون عمواس کے پھیلنے اور تباہی مچانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے وبا کے شکار لوگوں کو پہاڑوں میں جاکر رہنے کا حکم دیا مگر گھر میں انفرادی طور پر جمعہ کے قیام کا ذکر نہیں۔ (تاریخ طبری ۴/۲۴۸) یہ بھی لکھا ہے کہ ۸۲۷ھ میں مکہ اور ۱۸۱۲ء میں ترکی میں وبا پھیلی، لیکن نہ گھروں میں جمعہ قائم ہوا اور نہ کوئی فتوی صادر ہوا۔ موصوف نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ قیام جمعہ کے لیے احناف کے یہاں کم سے کم تین اور شافعیہ وحنابلہ کے یہاں چالیس اور مالکیہ کے یہاں بارہ کی تعداد ضروری ہے، اس لیے بھی گھروں میں قیام جمعہ نہیں ہوسکتا۔‘‘

☆ مفتی نذیر احمد کشمیری نے لکھا ہے کہ وبا کے ایام میں گھروں میں جمعہ اصولاً درست نہیں ہے، اس لیے کہ جمعہ کے لیے جماعت، اذن عام، خطبہ، جہری قراءت اور جمعہ کے لیے کئی قسم کے اہتمام مثلاً مسجد میں پہونچ کر امام کے قریب بیٹھنے کی کوشش اور تخطی رقاب سے بچنے کا حکم وغیرہ ہے، یہ تمام امور جمعہ کے اہتمام شان پر دلالت کرتے ہیں اور گھروں میں جمعہ کی اجازت دراصل جمعہ کے ان تمام احکام کے ترک ہوجانے کا ذریعہ ہوگی۔

موصوف نے گھروں میں جمعہ کی ادائیگی کی اجازت کے بجائے مساجد میں تعدد جمعہ کا مشورہ دیا، اس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی بستی ایسی ہو جہاں شرائط جمعہ پائی جائیں اور بستی میں متعدد مساجد نہ ہوں اور ایک ہی مسجد میں تعدد جمعہ بھی نہ ہوسکے تو پھر کھلے میدان، بڑے صحن، اسکولوں یا مدرسوں کے بڑے کھلے ہوئے احاطوں میں جہاں سب کے لیے اذن عام ہو جمعہ کی نماز ادا کرنے کی اجازت ہوگی۔

☆ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ عبد القدوس ندوی نے تفصیل سے بحث کرتے ہوئے گھروں میں جمعہ قائم کرنے کا فتوی دینا مصلحت شرع کے خلاف بتایا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس طرح فتوی دینے سے لوگوں کے دلوں سے جمعہ کی اہمیت نکل جائے گی، ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ موجودہ حالات میں لوگوں کے ذمہ سے جمعہ ساقط ہوجاتا ہے، وہ معذور ہیں اور معذورین گھروں میں ظہر پڑھنے کے مکلّف ہیں نہ کہ جمعہ۔ (تفصیل کے لیے ان کا مقالہ دیکھیں)۔

موصوف نے فل اسکیپ مقالہ کے آٹھ صفحات میں مسجد کے علاوہ جگہوں میں نماز جمعہ کے قیام کے فتوی کا جائزہ لیا ہے اور مزید دلائل سے شبہات کا ازالہ کیا ہے۔

(ب) مذکورہ بالا پانچوں اہل علم کے علاوہ بقیہ حضرات مقالہ نگاران نے گھروں میں جمعہ ادا کرنے کو جائز قرار دیا ہے، کیوں کہ جمعہ کے لیے مسجد یا عمارت شرط نہیں ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ وہاں قیام جمعہ کے شرائط پائے جارہے ہوں اور اذن عام ہو، یعنی آس پاس کے لوگوں کو اطلاع ہو اور کسی کو نہ روکا جائے لیکن کسی انتظامی مصلحت سے روکنا اذن عام کے منافی نہیں ہے۔

عام طور پر مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ مسجد میں قیام جمعہ کے جو شرائط ہیں وہی گھروں میں بھی ہیں، جب کہ بعض حضرات نے اس اجمال کی تفصیل بھی کی ہے، اور بعض حضرات نے کچھ اور اضافی باتیں بھی لکھی ہیں، اور بعض نے اذن عام کی معنویت کو بے معنی قرار دیا ہے اور بعض نے اس سلسلہ میں دونوں طرح کے فتوے اور علماء کی آراء کا ذکر کیا ہے۔

☆ مفتی محمد اشرف قاسمی لکھتے ہیں:
''کوڈ ۱۹ کے موقع پر لاک ڈاؤن کی وجہ سے مختلف ٹکڑیوں میں جمعہ کی امامت کے لیے وہی افراد اہل ہوں گے جن کو شہر یا محلّہ مسجد کی پنچایتیں یا مساجد جمعہ کے ائمہ اور شہر کے علماء مقرر کریں، مختلف ٹکڑیوں میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے مسلمان ایسے ہی منتخب ائمہ کی اقتداء میں جمعہ وعیدین ادا کریں۔

☆ ڈاکٹر شاہجہاں ندوی نے لکھا ہے کہ کرونا وائرس کی پابندی کی وجہ سے جمعہ کی فرضیت ساقط ہے، اس کے باوجود اگر چار یا اس سے زائد عاقل بالغ مرد گھروں میں یا دروازوں یا کسی اور جگہ میں ظہر کی نماز کی جگہ جمعہ کی نماز ادا کر لیتے ہیں تو فریضہ وقت ادا ہو جائے گا، خواہ یہ حضرات دروازہ کھلا رکھیں یا بند رکھیں، کیوں کہ کرونا وائرس کی بنا پر عائد پابندی کی وجہ سے موجودہ حالات میں ''اذن عام'' کی شرط کی کوئی معنویت نہیں ہے۔
اذن عام کی معنویت اس صورت میں ہے جب کہ ایک خالی جمعہ کی نماز ہو اور عمومی اجازت نہ ہونے کی صورت میں کچھ لوگوں کی نماز جمعہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔
موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام یا اذن امام، اور ''اذن عام'' کی شرط چاروں مسالک میں سے صرف حنفیہ کے یہاں ہے، وہ یہ بھی لکھتے ہیں:
گھروں میں اسی طرح مسجدوں میں جمعہ کی جماعت بار بار کرنا بہتر نہیں، ماضی میں بھی بہت سی وبائیں ہوئیں ہیں لیکن بار بار جمعہ کی بات منقول نہیں، کرونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں مسجد کے خدام، امام ومؤذن اور آس پاس کے دو چار لوگ انتظامیہ کی ہدایت کے مطابق جمعہ قائم کر لیں تا کہ جمعہ کا انقطاع نہ ہو۔
ڈاکٹر صاحب نے جواز کی شرطوں میں یہ ذکر کیا ہے:

☆ ہر جماعت میں امام کے علاوہ کم از کم تین عاقل وبالغ مرد ہوں۔۲۔ ہر جماعت سے قبل خطبہ ہو۔۳۔ ہر جماعت کا امام الگ ہو۔(یہ شرطیں ادریس الرحمٰن کشمیری نے بھی ذکر کی ہیں)
مفتی راشد حسین ندوی نے اذن عام، شہر یا قصبہ ہونا، اور امام کے علاوہ تین ایسے مقتدی ہونا جن کی امامت سے جمعہ پڑھا جا سکتا ہو، ذکر کیا ہے، مسجد شرط نہیں ہے، (قاضی محمد حسن ندوی)

☆ مفتی شمشیر حیدر قاسمی نے جمعہ کے لیے شرائط وجوب اور شرائط صحت کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔
اکثر مقالہ نگاروں نے ''اذن عام'' کا مفہوم ومطلب اور اشکال کا جواب بھی تحریر کیا ہے۔

☆ ڈاکٹر محمد علی ندوی لکھتے ہیں کہ اگر جمعہ کے وجوب وصحت کے شروط موجود ہوں تو گھروں میں جمعہ قائم کرنا واجب ہے ورنہ جمعہ کے بجائے ظہر پڑھی جائے گی۔

☆ مولانا نصر اللہ ندوی کے جواب کا تعلق سوال سے نہیں ہے غالباً ان کو سہو ہو گیا، مفتی محمد عثمان بستوی کے مقالہ میں اس سوال کا جواب مجھے نہیں مل سکا۔
مجوزین کے چند دلائل:

☆ ولو نزل بأهل مصر نازلة وخرجوا من المصر يوم الجمعة وصلى بهم الإمام الجمعة إن كانوا فى فناء المصر صح، وإن كانوا بعيداً لا، وكذا صلاة العيدين۔(تبیین الحقائق ۱/۲۱۹) مفتی اختر امام عادل قاسمی)

☆ وكذلك السلطان إذا أراد أن يجمع بحشمه فى داره فإن فتح باب الدار وأذن إذنا عاما جازت صلاته شهدها العامة أو لم يشهدوها، كذا فى المحيط۔(الفتاوی الہندیہ ۴/۳۳۱) مفتی اختر امام عادل قاسمی، مفتی مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی۔

☆ قاضی محمد حسن ندوی اور مفتی شمشیر حیدر کے مقالے دیکھیں، عبارتیں طویل ہونے کی وجہ سے نقل نہیں کی جارہی ہیں۔

☆ ولو صلى الجمعة فى قرية بغير مسجد جامع---جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم ينوا ۔(تاتارخانیہ، کتاب الصلاۃ ۲/ ۵۴۸) مولانا اکرام احمد ندوی۔

☆ والمسجد الجامع ليس بشرط۔(حلبی کبیری:۴۷۴)

☆ وتؤدى فى مصر واحد بمواضع كثيرة۔(شامی ۱/ ۵۹۵) مفتی راشد حسین ندوی

سوال:۴۔ظہر پڑھنے کی صورت میں باجماعت پڑھیں یا تنہا؟

اس سلسلہ میں مقالہ نگاروں کے دو نقطۂ نظر ہیں:

(الف) ظہر پڑھنے کی صورت میں تنہا تنہا پڑھیں گے، جماعت مکروہ ہے، یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جہاں جمعہ نہیں ہے، اس رائے کے حاملین یہ حضرات ہیں: مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مفتی اختر امام عادل قاسمی، ڈاکٹر محمد علی ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، قاضی محمد حسن ندوی، مفتی شمشیر حیدر قاسمی، مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مفتی نذیر احمد کشمیری، مفتی محمد زید مظاہری۔

ان حضرات کے دلائل:

☆ دارالعلوم دیوبند اور دیگر اداروں کے فتوے، جو تمام کتب فقہیہ میں جماعت کی کراہت کی روشنی میں ہیں۔

☆ فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة۔(شامی ۳/ ۳۳-۳۲، ج ۲/ ۱۵۷) مفتی محمد اشرف قاسمی۔

☆ وكره تحريماً لمعذور ومسجون ومسافر أداء ظهر بجماعة فى مصر، قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة، وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع ۔(شامی ۳/ ۳۳-۳۲) مفتی اختر امام عادل، مولانا محبوب فروغ، مفتی شمشیر حیدر قاسمی، مفتی اشرف قاسمی، مفتی رفیق بالاکوٹی۔

☆ من صلى الظهر فى منزله يوم الجمعة قبل صلاة الإمام ولا عذر له كره له ذلك وجاز صلاته۔(ہدایہ ۱/ ۱۷۹) مفتی محمد اشرف قاسمی۔

☆ لأن المأمور فى حق من يسكن المصر فى هذا الوقت شيئان: ترك الجماعة وشهود الجمعة وأصحاب السجن قدروا على أحدهما، وهو ترك الجماعة فيأتون بذلك۔(المبسوط ۲/ ۳۶، باب صلاۃ الجمعۃ)

☆ مفتی اقبال احمد قاسمی نے دارالعلوم دیوبند کے فتوی کے مطابق ظہر کی نماز بلا جماعت، تنہا پڑھنا اوّلی قرار دیتے ہوئے شہر میں باجماعت ظہر کی کراہت کی تین علتیں تفصیل سے لکھی ہیں۔(دیکھئے ان کا مقالہ)

(ب) ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا بلاکراہت جائز ہے، بعض نے جماعت کو اوّلی، بعض نے افضل، اور بعض نے بہتر اور کسی نے مستحب قرار دیا ہے، اور اکثر نے یہ لکھا ہے کہ جماعت کی کراہت کا سبب ''تقلیل'' اور معارضہ ہے، جیسا کہ فریق اوّل کی پیش کردہ عبارات سے ظاہر ہوتا ہے، لیکن کورونا جیسے حالات میں یہ دونوں علتیں مفقود ہیں، یہ رائے (الف) میں مذکور علماء کے علاوہ کی ہے، واضح رہے کہ سوال کا تعلق اس جگہ کے لوگوں سے ہے جہاں قیامِ جمعہ کی شرط پائی جاتی ہے اور جن پر جمعہ واجب ہے لیکن کسی وجہ سے ان کا جمعہ فوت ہوگیا ہے، لیکن جہاں جمعہ کے قیام کی شرط نہیں ہے، وہاں کے لوگ ظہر باجماعت بلاکراہت پڑھ سکتے ہیں، البتہ جمعہ کے وقت سے مؤخر کرنا بہتر ہے۔

فریق (ب) کے چند دلائل:

☆ قال الجمهور غير الحنفية يجوز لمن فاتته الجمعة لعذر أو لمن لا تجب عليه الجمعة أن يصلوها ظهرا فى جماعة

تحصيلا لثواب الجماعة۔(الفقه الإسلامي وأدلته۳/۳۱۳) مولانا اکرام احمد ندوی۔

☆ قوم لا تجب عليهم أن يحضروا الجمعة لبعد المواضع صلوا الظهر جماعة ، لأنه لا يؤدى إلى تقليل الجماعة، فإن كانوا في السواد فظاهر، وإن كانوا في المصر فهى مستثناة من كلام المصنف۔(البحر الرائق۲/۱۶۶) مولانا صابر حسین ندوی۔

☆ الحكم يدور مع علته ثبوتا وعدما۔(شرح منظومة القواعد الفقهية۴/۱۳) مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری۔

☆ أن من جمع في بيته يكون تاركا لفضل المسجد، ولايعد تاركا للجماعة، وليست هذه المسألة إلا فيها، وقد ثبتت الجماعات في البيوت في زمن أمراء الجور وعند أعذار أخرى۔(فیض الباری۱/۴۱) مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی

☆ ڈاکٹر شاہجہاں ندوی نے فقہاء کے مکروہ تحریمی کے اسباب کا یہ جواب دیا ہے کہ تقلیل جماعت کی علت تعدد جمعہ کی وجہ سے پہلے ہی سے ساقط ہے،اور معارضہ کرونا وائرس کی پابندی کی وجہ سے جمعہ کی فرضیت ساقط ہونے کی وجہ سے حقیقی معارضہ نہیں ہے۔
جہاں تک ظہر کی جماعت ہونے کی صورت میں غیر معذور کا معذور کے ساتھ شامل ہوسکنے کا احتمال ہے تو کرونا وائرس کی پابندی کی وجہ سے سب لوگ معذور ہیں۔

☆ قوله: لما فيه من الإخلال بالجمعة، إذ هي جامعة الجماعات ،هذا الوجه هو مبنى على عدم جواز تعدد الجمعة في المصر الواحد، وعلى الرواية المختارة عند السرخسي وغيره من جواز تعددها، فوجهه أنه ربما يتطرق غير المعذور إلى الاقتداء بهم، وايضاً فيه صورة معارضة الجمعة بإقامة غيرها۔(فتح القدیر۲/۶۵، بیروت، دارالفکر)

☆ قال الشافعي والأصحاب، ويستحب للمعذورين الجماعة في ظهرهم۔(المجموع۴/۴۹۳)

☆ ومن لاجمعة عليهم تسن الجماعة في ظهرهم في الأصح۔(النجم الوہاج۲/۱۲۰)
مولانا خواجہ معین الدین اکرمی ندوی۔

سوال:۵۔کیا وبا کے زمانہ میں عیدین کی نماز گھروں میں پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

عید کی نماز شعائر اسلام کی حیثیت رکھتی ہے اوراس سے شوکت اسلام کا اظہار بھی مقصود ہے، لہٰذا عام حالات میں عیدگاہ، یا مساجد یا کھلے میدان میں پڑھنا چاہئے،لیکن ناگزیر حالات میں گھروں میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟اس کے جواب میں بنیادی طور پر دونقطۂ نظر ہیں:
(الف) گھروں میں عیدین کی نماز نہیں پڑھ سکتے، بلکہ انفرادی طور پر دو یا چار رکعات مثل چاشت پڑھنا کافی ہے، یہ رائے مفتی نذیر احمد کشمیری،ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی،مفتی انور علی اعظمی اور مفتی محمد زید مظاہری کی ہے۔

چند دلائل:

☆ ويجزى من ذلك ركعتان يركعها من الضحى۔(مسلم۷۲۰) ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی

☆ عن ابن مسعود قال: من فات العيد فليصل أربعا۔(طبرانی ۹۵۳۳)

☆ إن فسدت أو فاتت عن وقتها مع الإمام سقطت ولا تقضيها عندنا ولكنه يصلى أربعا مثل صلاة الضحى ۔(بدائع الصنائع، باب صلاۃ الجمعۃ)

☆ فتوی دارالعلوم دیوبند،(مفتی نذیر احمد کشمیری کا مقالہ دیکھئے)

(ب) مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ جہاں قیام جمعہ کی شرطیں موجود ہوں وہاں کے لوگوں کا مجبوری اور حالات کی

ناسازگاری یا قانونی دشواری کی وجہ سے گھروں میں عیدین کی نماز پڑھنے کی اجازت ہے،عیدین کے لیے وہی شرائط اور تفصیلات ہیں جو جمعہ کے لیے سوال:۳ کے جواب میں آ چکے ہیں،صرف فرق یہ ہے کہ عیدین کی نماز احناف کے نزدیک واجب اور دیگر ائمہ کے نزدیک مسنون ہے، جمعہ میں خطبہ نماز سے قبل اور عید میں بعد میں ہے، جمعہ میں اس کی حیثیت شرط کی اور عیدین میں سنت کی ہے، جمعہ میں امام کے علاوہ تین تین کی تعداد ہے جب کہ عیدین میں امام کے ساتھ ایک شخص سے بھی جماعت پوری ہوجائے گی۔

چند دلائل:

☆ تجب صلاتهما فی الأصح علی من تجب علیه الجمعة بشرائطها المتقدمة سوی الخطبة فإنها سنة بعدها۔(**شامی۳/۴۵، کتاب الصلاۃ، باب العیدین**) دیکھئے مقالہ:**مفتی جعفر ملی، مفتی عثمان، مفتی شکیل منصور القاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، ڈاکٹر نصر اللہ ندوی۔**

☆ ویشترط لإحداهما ما یشترط للأخری سوی الخطبة۔(**الجوہر النیرۃ ۱/۱۱**)

☆ وتجب علی من تجب الجمعة)**مفتی شمشیر حیدر قاسمی، مفتی اشرف علی، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی۔**

☆ الحنفیة قالوا: صلاة العیدین واجبة فی الأصح علی من علیه الجمعة بشرائطها سواء کانت شرائط وجوب أو شرائط صحة، إلا أنه یستثنی من شرائط الصحة: الخطبة فإنها تکون قبل الصلاة فی الجمعة وبعدها، ویستثنی أیضاً عدد الجماعة، فإن الجماعة فی صلاة العید تتحقق بواحد مع إمام بخلاف الجمعة ۔(**الفقہ علی المذاہب الأربعہ ۱/۳۱۳**)**مفتی شکیل منصور القاسمی، مفتی محمد نصر اللہ ندوی۔**

☆ أما شرائط وجوبها وجوازها فکل ما هو شرط وجوب الجمعة وجوازها فهو شرط وجوب صلاة العیدین وجوازها من الإمام والمصروالجماعة والوقت إلا الخطبة فإنها سنة بعد الصلاة۔
(**بدائع الصنائع ۳/۸۵**)**مفتی شکیل منصور القاسمی، مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مفتی اختر امام عادل قاسمی۔**

☆ صلاة العیدین واجبة---وهی الأصح روایة ودرایة علی من یجب علیه بشرائطها---سوی الخطبة ۔(**مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، احکام العیدین ۵۲۸**)

☆ الواحد هنا مع الإمام جماعة۔(**شامی، کتاب الصلاۃ، مطلب فی الفال والطیرۃ ۲/۱۶۶**) **مولانا اکرام احمد ندوی۔**

☆ عن أنس بن مالك أنه کان إذا فاتته صلاة العید مع الإمام جمع أهله فصلی بهم مثل صلاة الإمام فی العید ۔(**معرفۃ السنن والآثار ۵/۱۰۳، الإمام یأمر من یصلی بضعفۃ الناس العید**) **مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی**

☆ وقال الحنفیة فی الأصح تجب صلاة العیدین علی من وجب علیه الجمعة بشرائطها المتقدمة۔
(**الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۲/۳۶۳**)

☆ عن أبی هریرة أنه أصابهم مطر فی یوم عید، فصلی بهم النبی ﷺ صلاة العیدین فی المسجد۔(**ابوداؤد ۱/۱۶۴**) **قاضی محمد حسن ندوی**

☆ **ڈاکٹر محمد مصطفیٰ عبد القدوس ندوی نے لکھا ہے: اس سلسلہ میں مختلف علماء اور مفتیان کرام نے الگ الگ بیانات اور فتوی دیئے ہیں، تاہم معاصرین علماء اور حضرات مفتیان کرام کا ایک بڑا طبقہ بلکہ صحیح معنوں میں جمہور علماء گھروں میں نماز عید الفطر کے قیام کی صحت وجواز کے قائل ہیں، دلائل کی روشنی میں یہی رائے درست اور قوی معلوم ہوتی ہے۔اس کے بعد چند دلائل تفصیل سے نقل کئے ہیں۔(دیکھئے موصوف کا مقالہ)**

☆ **مولانا سلمان انور قاسمی کے مقالہ میں اس سوال کا جواب نہیں ہے۔**

سوال:٦۔ ماسک لگا کر نماز پڑھنے اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟

عام حالت میں بلا کسی عذر کے نماز کی حالت میں منہ اور ناک کا ڈھکنا مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح صفوں کے درمیان فاصلہ خلاف سنت اور مکروہ ہے، لیکن عذر یا قانونی وحکومتی پابندی کی وجہ سے حکم مستثنی ہوگا، لہٰذا کرونا وائرس کی صورت میں احتیاطی تدابیر اور قانون کی پاسداری کرتے ہوئے دو مقالہ نگاروں کے علاوہ سب کے نزدیک دونوں کی اجازت اور گنجائش ہے، اور حکومت کے گائڈ لائن واعلان ''دوگز کی دوری، ماسک ہے ضروری'' پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

البتہ مفتی شمشیر حیدر قاسمی اور مفتی رفیق احمد بالاکوٹی کے نزدیک ماسک لگا کر نماز پڑھنے اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

☆ مفتی رفیق احمد بالاکوٹی لکھتے ہیں:

''لیکن اگر انتظامی جبر کی وجہ سے کرونا وباء کے زمانے میں احتیاطی تدابیر کے طور پر ماسک پہن کر یا صفوں میں فاصلہ رکھ کر نماز پڑھنے کی نوبت آرہی ہو تو اس صورت میں فرض ادا ہو جائے گا، اور سنت کی خلاف ورزی پر مجبور کرنے والے حکام اور منتظمین گناہ گار ہوں گے۔''

پھر فتاوی شامی، البحر الرائق، اور حاشیہ الطحاوی سے وہ عبارتیں پیش کی ہیں جو عام حالات میں چہرہ اور منہ اور ناک ڈھانپ کر نماز پڑھنے کے مکروہ تحریمی پر دلالت کرتی ہیں۔

☆ مفتی شمشیر حیدر قاسمی نے لکھا ہے:

''راقم الحروف کا اپنا خیال یہ ہے کہ ایک صحت مند انسان کو کسی موہوم اور خیالی تعدیہ کی وجہ سے کسی منصوص علیہ حکم کے خلاف عمل کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، وہ بھی اس دربار میں جہاں بندہ اس ذات سے سرگوشی کرتا ہے جس کے حکم سے صحت اور شفا کے خزانے کائنات میں تقسیم کئے جاتے ہیں، البتہ حکومت کے ظالمانہ رویے کو ضرورت اور عذر کا درجہ دیتے ہوئے یہ تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے وقت منہ اور ناک سے ماسک ہٹالیا جائے اور سلام کے بعد اسے لگا لیا جائے۔''

لیکن موصوف صفوں میں فاصلہ کی گنجائش دیتے ہیں، دلائل میں وہ تمام احادیث اور فقہی عبارات پیش کرتے ہیں جو عام حالات کے لیے ہیں، طوالت کے خوف سے قلم انداز کیا جاتا ہے۔

☆ مفتی انور علی اعظمی کے نزدیک اگرچہ ماسک لگا کر نماز پڑھنے اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کی اجازت ہے لیکن وہ شدت اور سختی سے منع کرتے ہیں، ان کی رائے یہ ہے کہ جو لگانا چاہئے لگا کر پڑھے اور جس کا جی چاہے بغیر لگائے پڑھے، سختی کی ضرورت نہیں۔

☆ ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی اور مفتی محمد جعفر ملی کا مقالہ دوسرے جزء (صفوں کے درمیان فاصلہ) کے ذکر سے خاموش ہے۔

☆ بعض مقالہ نگاروں نے دو صفوں یا دو آدمیوں کے درمیان فاصلہ کی وہ مقدار بھی لکھی ہے جس سے نماز کی صحت متاثر نہیں ہوگی۔ مثلا:

☆ دو صفوں کے درمیان مزید ایک صف تقریباً چار میٹر کی دوری۔ (ڈاکٹر محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی)

☆ صف میں دو نمازیوں کے درمیان ایک میٹر کا فاصلہ۔ (مفتی محمد ممتاز خان ندوی)

☆ کرونا کی وجہ سے ٦/فٹ کے فاصلہ سے کھڑے ہونے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ (ڈاکٹر شاہجہاں ندوی)

☆ کرونا کی وجہ سے دو مقتدیوں کے بیچ فاصلہ تین ذراع سے کم ہوتا ہے جو جائز ہے۔ (مولانا خواجہ معین الدین اکرمی ندوی)

☆ اگر دو صفوں کے درمیان یا ایک صف میں کھڑے دو مقتدیوں کے درمیان تین ذراع (تقریباً سوا میٹر) سے کم فاصلہ ہو تو جماعت کی فضیلت حاصل ہوگی، عام طور پر یہ فاصلہ کم ہوتا ہے۔ (مولانا صابر حسین ندوی)

☆ جہاں حکومتی طور پر اس قدر لزوم نہ ہو وہاں یہ گنجائش نہ ہوگی، بلکہ وہاں اتنا معمولی فاصلہ رکھا جائے جس سے جماعت کا تصور اور ہیئت باقی رہے، دور سے دیکھنے میں محسوس ہو کہ یہ سب نماز باجماعت میں شریک ہیں، کسی کھیل اور میچ کے تماشہ بین نہیں۔ (مفتی شکیل منصور القاسمی)

☆ سرکاری حکمنامہ ''دو گز دوری، ماسک ہے ضروری''۔ (مولانا خورشید احمد اعظمی ندوی)

☆ طبی ہدایت کے مطابق دو آدمیوں کے درمیان تقریباً دو گز کا فاصلہ رکھنا ضروری ہے۔ (مولانا اکرام احمد ندوی)

☆ ماہر اور متدین ڈاکٹر حضرات دو نمازیوں کے درمیان جتنے فاصلے کو لازمی قرار دیتے ہوں، اس خاص صورت میں اتنا فاصلہ رکھنے کی گنجائش ہے۔ (مفتی اقبال احمد قاسمی)

چند دلائل:

☆ إذا كانت التغطية لدفع التثاؤب فلا بأس به۔ (بدائع ۱/۵۰۶)

☆ عن قتادة أن الحسن كان يرخص في أن يصلي الرجل وهو متلثم إذا كان من برد أو عذر۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبد الرزاق ۲/۴۵۵) مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری۔

☆ جمائی اور چھینک کے موقع پر منہ پر ہاتھ رکھنے والی احادیث۔

☆ تمام طبی ماہرین کا وائرس سے محفوظ رہنے کے لیے فاصلہ رکھنے کی تلقین، اس کا اہم حفاظتی تدبیر ہونا، اور حکومت کی بار بار تاکیدی ہدایات، حرمین شریفین اور دوسرے بہت سے مسلم معاشروں میں وہاں کے مستند اہل علم کی اجازت و رہنمائی۔

☆ ولو اقتدى بالإمام في أقصى المسجد والإمام في المحراب، فإنه يجوز۔ (عالمگیری، باب الإمامۃ، بدائع الصنائع ۱/۳۶۲) مفتی راشد حسین ندوی

☆ عن أبي بكرة أنه انتهى إلى النبي ﷺ وهو راكع فركع قبل أن يصل إلى الصف، فذكر ذلك النبي ﷺ فقال: زادك الله حرصا ولا تعد۔ (بخاری، باب إذا رکع دون الصّف ۱/۱۷۱) دیکھئے مقالہ: ادریس الرحمٰن کشمیری، قاضی محمد حسن ندوی، مفتی نذیر احمد کشمیری)

☆ وبه علم أن الاقتداء من صحن الخانقاه الشيخونية بالإمام في المحراب صحيح وإن لم تتصل الصفوف الخ۔ (شامی ۱/۵۸۵) دیکھئے مقالہ قاضی محمد حسن ندوی۔

☆ الاصطفاف بين الاسطوانتين غير مكروه، لأنه صف في حق كل فريق وإن لم يكن طويلا، وتخلل الاسطوانتين بين الصف كتخلل متاع موضوع أو كفرجة بين رجلين وذلك لا يمنع صحة الاقتداء ولا يوجب الكراهة۔ (المبسوط للسرخسی ۲/۵۴، باب صلاۃ الجمعۃ) مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی شکیل منصور قاسمی۔

☆ ڈاکٹر محمد اشرف قاسمی اور مفتی محمد ممتاز خاں ندوی نے یہ فقہی قواعد: الضرورات تبيح المحظورات، المشقة تجلب التيسير، الحرج مدفوع کا ذکر بھی کیا ہے۔

☆ ويجوز اقتداء جار المسجد بإمام المسجد وهو في بيته إذا لم يكن بينه وبين المسجد طريق عام۔ (الفتاوی العالمگیریہ ۱/۸۸، الباب الخامس، الفصل الرابع)

☆ ماسک پر دار العلوم دیوبند کا فتوی (دیکھئے مقالہ: مفتی اقبال احمد قاسمی)

☆ دار العلوم جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کا فتوی بضرورت ماسک لگا کر نماز پڑھنے پر۔ (دیکھئے مقالہ: مفتی اقبال محمد ٹنکاروی)

سوال:۷۔کرونا سے متاثر افراد کا مسجد آنا اور جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے؟

چوں کہ اطباء کے بقول اور ان کی تحقیق کے مطابق کرونا ایک متعدی مرض ہے، اور اس کے وائرس دوسروں کو تیزی سے منتقل ہوتے ہیں، لہٰذا کرونا سے متاثر افراد کے ضرر سے دوسروں کو محفوظ رکھنے کے لیے ان کو مسجد آنے اور جماعت میں شریک ہونے سے روکا جائے گا، ان سے جماعت ساقط ہے، ان کو اپنے گھروں میں نماز پڑھنی چاہئے، مسجد آنا مکروہ تحریمی ہے، کیوں کہ مسجد کے ماحول کو پاک صاف رکھنے کا حکم ہے، اور دوسروں کو ایذاء پہونچانا حرام ہے، اس لیے اگر کوئی شخص ایسے مرض میں مبتلا ہے جس سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہو، یا مرض کے متعدی ہونے کا اندیشہ ہو، یا لوگ خوف اور تکدر وتنفر کا شکار ہوں، یا ایسے پیشہ ور جن کے جسم یا کپڑے کی بدبو سے لوگوں کو زحمت، تکلیف یا گرانی محسوس ہوتی ہو، تو ایسے تمام افراد کا مسجد کی جماعت میں شریک ہونا منع ہے، ان کو گھر میں ہی جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

مذکورہ بالا نقطہ پر تمام مقالات نگار حضرات متفق ہیں، البتہ بعض حضرات نے کچھ اور گوشے بھی ذکر کئے ہیں، مثلا:

☆ مولانا عبید اللہ ندوی کی رائے ہے کہ اگر مساجد میں ان کے لیے الگ سے انتظام ہو تو آنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔

☆ مفتی اقبال محمد ٹنکاروی نے لکھا ہے: اس بابت علماء کی رائیں مختلف ہیں، اگر عمومی احوال یا وبازدہ لوگ کم ہوں اور مریض نادر ہوں تو ایسی صورت میں ان کو روکا نہ جائے، پھر آگے انھوں نے چند دلائل دونوں طرح کے دیئے ہیں کہ کب روکا جائے گا اور کب نہیں؟ (دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔

ڈاکٹر محمد علی نے ندوی نے فقہاء کے تین اقوال نقل کئے ہیں:

☆ مسجد، جمعہ اور جماعت سے ممانعت: (جمہور فقہاء شافعیہ، حنابلہ اور بعض مالکیہ)

☆ عدم ممانعت (مالکیہ)

☆ جمعہ اور جماعت کا سقوط اگر لوگوں سے علاحدہ کوئی جگہ نہ ہو (بعض مالکیہ)

دلائل کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد چند دلائل سے جمہور کے قول (ممانعت) کو ترجیح دی ہے اور کثرتِ دلائل کی وجہ سے قوی بتایا ہے۔ (دیکھئے موصوف کا مقالہ)

چند دلائل:

☆ حدیث: ’’فر من المجذوم كما تفر من الأسد‘‘۔

☆ حدیث: ’’لا يوردن ممرض على مصح‘‘ (مسلم: ۱۰۴-۲۲۲۱، بخاری: ۵۷۷۱)

☆ حضور ﷺ نے مجذوم کو بیعت کے لیے نہیں بلایا بلکہ فرمایا: ’’إنا قد بايعناك فارجع‘‘۔

☆ وہ تمام احادیث جو لہسن وغیرہ بدبودار چیزیں کھا کر مسجد جانے سے روکتی ہیں کیوں کہ انسان اور فرشتوں کو تکلیف پہنچتی ہے، مثلا: ’’إن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه بنو آدم۔‘‘

☆ ایذا رسانی سے ممانعت پر دلالت کرنے والے نصوص جیسے:

☆ والذين يؤذون المؤمنين والمؤمنات بغير ما اكتسبوا فقد احتملوا بهتانا وإثما مبينا۔ (احزاب: ۵۸)

☆ لا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيما۔ (النساء: ۲۹)

☆ حدیث: ’’لاضرر ولا ضرار‘‘ (ابن ماجہ: ۲۳۴۰) دیکھئے مقالہ ڈاکٹر محمد علی ندوی، ڈاکٹر مصطفیٰ عبد القدوس ندوی۔

☆ من أكل الثوم والبصل والكراث فلايقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى بنو آدم۔ (متفق علیہ، بحوالہ غنیۃ: ۳/۱۹۶)

☆ من أكل ثوما أو بصلا فليعتزلنا، أو قال: فليعتزل مسجدنا، وليقعد في بيته۔(بخاری، باب ما جاء فی الثوم النئ:۸۵۵)

☆ اس حدیث کی شرح میں امام نووی کا فرمان:''هذا تصريح ينهى من أكل الثوم ونحوه عن دخول كل مسجد، وهذا مذهب العلماء كافة إلا ما حكاه القاضي عياض عن بعض العلماء......وحجة الجمهور: "فلا يقربن المساجد''۔(نووی شرح مسلم ۵/۴۷)

☆ مسجد سے تکلیف دہ شئی کو دور کرنا مطلوب ہے:''من أخرج أذى من المسجد بنى الله له بيتا في الجنة''
(سنن ابن ماجہ:۵۷، باب تطہیر المساجد)

☆ فقہاء نے بھی ہر ایسے آدمی کے مسجد میں آنے کو مکروہ قرار دیا ہے جس کی بدبو سے لوگوں کو تکلیف ہو۔
علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:
''والمجذوم والأبرص أولى بالإلحاق......وأيضاً هنا علتان: أذى المسلمين وأذى الملائكة، فبالنظر إلى الأولى يعذر في ترك الجماعة، وحضور المسجد ولو كان وحده۔''(ابن عابدین، ردالمحتار ۱/۶۶۱)

☆ عالمی ادارۂ صحت کا بیان، طبی ماہرین کی وضاحت اور حکومت کی ہدایت کہ ۶۵ سال سے زیادہ اور ۱۰ سال سے کم عمر والے بچے مسجد نہ آئیں، کیوں کہ ان میں قوت مدافعت کمزور ہوتی ہے اور متاثر ہونے کا امکان قوی ہے۔

سوال:۸۔کرونا سے متاثر افراد کے لیے روزہ کا کیا حکم ہے؟

کرونا سے متاثر افراد کے لیے روزہ نہ رکھنے کی اجازت اور رخصت پر تمام مقالہ نگار حضرات متفق ہیں، البتہ جوابات میں کچھ حضرات نے اجمال سے کام لیا ہے تو کچھ نے تفصیل کی ہے، اور بعض نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ صرف کرونا سے متاثر ہونا یا اس کے اثرات کا پایا جانا رخصت کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اعتبار اس حالت کا ہے کہ اطباء نے منع کر دیا ہو اور وہ روزہ رکھنے کی پوزیشن میں نہ ہو۔

☆ مفتی راشد حسین ندوی کہتے ہیں:
''مریض کو اگر ہلاک ہو جانے یا کسی عضو کے ضائع ہو جانے کا خوف ہو تو بالاجماع افطار کر سکتا ہے، اسی طرح اگر مرض کے بڑھ جانے یا دیر تک قائم رہنے کا خوف ہو تب بھی احناف کے نزدیک اس کے لیے افطار جائز ہے۔''

☆ مفتی شکیل منصور القاسمی کا کہنا ہے کہ جن لوگوں کا کرونا ٹیسٹ مثبت ہے انہیں طبیب کی رائے کی بنیاد پر روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوگی، اور جو لوگ ابھی اس میں مبتلا نہیں ہوئے ہیں انہیں روزہ چھوڑنا جائز نہیں۔

☆ مولانا اکرام احمد ندوی لکھتے ہیں:
''اگر غلبۂ ظن سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ اس مرض میں روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض بڑھ جائے گا یا جان کا خطرہ ہوگا یا دیر سے یہ مرض زائل ہوگا تو روزہ افطار کرنے کی اجازت ہوگی اور اگر یہ ڈر اور خوف نہیں ہے تو محض اس مرض کی وجہ سے روزہ افطار کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔''

☆ مفتی اقبال احمد قاسمی نے تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے کسی بھی مرض میں محض توہم اور اندیشہ کی بنیاد پر روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہوگا البتہ شدید مرض والے افراد یا جنہیں مسلمان دیندار ڈاکٹر کسی مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کا حکم دے ان کا عذر معتبر مانا جائے گا۔
خاص طور پر لاک ڈاؤن کے ماحول میں جو شخص کورنٹائن کر دیا جائے، اسے روزہ کے بجائے افطار کرنا چاہئے، کورنٹائن کئے گئے مسلمانوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اس حالت میں روزہ نہ رکھیں، ایسے لوگ بعد میں روزوں کی قضا کریں۔

☆ مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتے ہیں:

’’کرونا کا ایسا مریض جس کی رپورٹ مثبت ہو اور مرض کے آثار جسم میں واضح طور پر محسوس کر رہا ہو، نیز اس کو خطرہ ہو کہ روزہ رکھنے پر مرض میں اضافہ ہوگا اور بیماری سے مقابلہ کی قوت روز بروز کم ہو جائے گی تو وہ ایسا مریض ہے جس کے لیے افطار کی گنجائش ہے، صرف رپورٹ کا مثبت ہونا کافی نہیں ہے۔

☆ قاضی محمد حسن ندوی نے مرض کے ابتدائی مرحلہ میں جب کہ روزہ رکھنے سے بیماری بڑھنے کا اندیشہ نہ ہو روزہ رکھنا اوّلی قرار دیا ہے، اور اگر مرض کی وجہ سے بڑی تکلیف ہو رہی ہو، صحت یابی میں تاخیر کا اندیشہ ہو تو رخصت افطار کی دی ہے۔

☆ مولانا عبید اللہ ندوی نے لکھا ہے کہ کورونا وائرس میں مبتلا شخص کے روزے کا دارومدار معالج اور طبیب کی تشخیص پر موقوف ہوگا...... اگر کرونا وائرس میں مبتلا شخص پر علامات پوشیدہ ہوں تو بہتر ہے کہ روزہ رکھنے سے قبل ڈاکٹر سے مشورہ کر لے، اور اگر علامات ظاہر ہو چکی ہوں (مثلاً: بخار، شدید خشکی، کھانسی، درد وغیرہ) تو روزہ نہ رکھنا واجب ہوگا۔ اسی طرح کی بات مفتی محمد عثمان بستوی نے بھی لکھی ہے۔

☆ مفتی اختر امام عادل قاسمی نے ہنگامی حالات میں اسپتالوں میں کام کرنے والے ایسے تندرست لوگوں کو بھی رخصت شرعی کا حق دار قرار دیا ہے جن کو اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنے سے وہ خود بیمار ہو جائیں گے اور کام کا تسلسل برقرار نہیں رکھ سکیں گے، مگر یہ اس وقت ہے جب دوسرے لوگ اس میدان میں میسر نہ ہوں۔

☆ مفتی محمد زید مظاہری ندوی کے نزدیک اگر صحت کی امید نہ ہو تو پھر روزہ کے بدلہ میں فدیہ نکالنا ضروری ہوگا، نہ نکال سکا تو وصیت کرنا واجب ہے۔

چند دلائل:

☆ لمن خاف زيادة المرض الفطر: لقوله تعالى: ﴿فمن كان منكم مريضاً أو على سفر فعدة من أيام أخر﴾ فإنه أباح الفطر لكل مريض لكن القطع بأن شرعية الفطر فيه إنما هو لدفع الحرج وتحقق الحرج منوط بزيادة المرض أو إبطاء البرء و إفساد عضو۔ (البحر الرائق ۲/ ۲۸۱، شامی ۳/ ۴۰۳، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی جعفر ملی، مفتی اقبال احمد قاسمی)

☆ الصحيح الذى يخشى أن يمرض بالصوم فهو كالمريض ومراده بالخشية غلبة الظن۔ (حوالہ بالا تقریباً تمام مقالہ نگاروں نے لکھا ہے)

☆ فمن كان منكم مريضاً أو على سفر فعدة من أيام أخر۔ (بقرہ: ۱۸۴)

☆ (ومنها المرض) المريض إذا خاف على نفسه التلف أو ذهاب عضو يفطر بالإجماع، وإن خاف زيادة العلة وامتدادها فكذلك عندنا، وعليه القضاء إذا أفطر كذا فى المحيط الخ ۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الصوم، الباب الخامس فی الاعذار التی تبیح الافطار، ص: ۲۰۷، ج ۱) مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مفتی جعفر ملی، مفتی راشد حسین ندوی۔

☆ (أو مريض خاف الزيادة) لمرضه، وصحيح خاف المرض، وخادمة خافت الضعف بغلبة الظن بأمارة أو تجربة أو بإخبار طبيب حاذق مسلم مستور۔ (الدر المختار ۲/ ۴۶۵) مولانا اقبال احمد قاسمی۔

☆ وكذا مطلق المرض ليس بسبب للرخصة بسبب المرض......الخ ۔ (بدائع ۴/ ۲۷۵) مولانا ادریس الرحمٰن، مفتی اختر امام عادل قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی۔

☆ ومن كان مريضاً فى رمضان فخاف إن صام ازداد مرضه أو قضى، وإن كان مسافراً لا يستضر بالصوم فصومه أفضل، وإن أفطر جاز، الخ ۔ (ہدایہ ۱/ ۲۲۱، کتاب الصوم، باب مایوجب القضاء والکفارۃ) مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی۔

☆ وإذا خاف الرجل وهو صائم إن هو لم يفطر تزداد عينه وجعاأو تزداد حماه شدة فينبغي أن يفطر لأن الله تعالىٰ رخص للمريض في الفطر بقوله (فمن كان منكم مريضاً أو على سفر فعدة من أيام أخر......الخ) ۔**المبسوط للسرخسی ۶/ ۱۳۷) مفتی شکیل منصور القاسمی۔**

سوال:۹۔کیا کرونا کی وجہ سے عام مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روکا جاسکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں دو طرح کی آراء پائی جاتی ہے:

(الف) بالکلیہ روکنا جس سے حج وعمرہ ہی معطل اور موقوف ہو جائے ، درست نہیں، البتہ تعداد محدود کی جاسکتی ہے، اور احتیاطی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں، لیکن متاثر افراد کے علاوہ صحت مند افراد کے لیے محض وہم اور اندیشہ اور پروپیگنڈہ سے متاثر ہوکر پابندی لگانا اور طواف وعمرہ، حج وزیارت کا موقع نہ دینا، یہ ارباب اقتدار کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے۔

اس رائے کے حاملین یہ حضرات ہیں:

مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی اختر امام عادل قاسمی، مفتی نذیر احمد قاسمی کشمیری، مفتی محمد عثمان بستوی، ڈاکٹر محمد علی ندوی، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، شیخ محمد احمد حسین، مفتی انور علی اعظمی، مفتی شمشیر احمد قاسمی، مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، مفتی محمد زید مظاہری ندوی۔

(ب) اختلاط اور ازدحام کی وجہ سے بیماری پھیلنے یا لوگوں کی ہلاکت کا قوی اندیشہ یا ظن غالب ہو تو حج وعمرہ پر پابندی عائد کی جاسکتی ہے، کیوں کہ حج کی ادائیگی کے لیے راستہ کا پرامن وسلامت ہونا شرط ہے، اسی طرح جان کی سلامتی اور صحت کا حفظان ادائیگی حج کی مصلحت پر مقدم ہے، تاریخ میں کم ازکم چالیس مرتبہ مختلف اسباب کی بناپر حج بیت اللہ معطل ہوا ہے۔

مذکورہ موقف اور رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

مفتی راشد حسین ندوی، مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی شکیل منصور القاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، قاضی محمد حسن ندوی، مفتی محمد جعفر ملی، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مفتی محمد ممتاز خان ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا خواجہ معین الدین اکرمی ندوی، مفتی محمد طاہر، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا محمد ادریس الرحمٰن کشمیری، ڈاکٹر محمد نصر اللہ ندوی، ڈاکٹر مفتی محمد مصطفی عبدالقدوس ندوی۔

جب کہ کچھ حضرات کے مقالات میں اس سوال کا جواب موجود نہیں ہے، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مولانا اکرام احمد ندوی، مولانا سلمان انور قاسمی۔

فریق (الف) کے دلائل:

☆ محض بیماری لگنے کے وہم کی وجہ سے صحت مند اور تندرست مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روکنا اور حرمین شریفین جانے پر پابندی لگانا جائز نہیں، کیوں کہ بیت اللہ رحمت، برکت، امن اور ثواب کی جگہ ہے''وإذ جعلنا البيت مثابة للناس وأمنا واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى......والركع السجود''(بقرہ:۱۲۵) **مفتی رفیق احمد بالاکوٹی**

☆ ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها۔

(مفتی شمشیر حیدر قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی)

☆ بعض تاریخ کے حوالوں سے وبائی امراض یا محاربہ وغیرہ کی وجہ سے حج موقوف ہونا جو نقل کیا جاتا ہے اس کو حج بند کرنے پر دلیل بنانا صحیح اور درست نہیں، کیوں کہ تاریخ کی کسی کتاب میں یہ نہیں ملتا ہے کہ اہل اسلام نے کسی زمانہ میں برضا ورغبت حج چھوڑ دیا ہو۔ **(مفتی محمد عثمان بستوی)**

☆ وأن المسلم يجب عليه أن يطيع أمره فى الأمور المباحة، فإن أمر الأمير بفعل مباح وجبت مباشرته وإن نهى عن أمر مباح حرم ارتكابه......الخ۔(تکملہ فتح الملہم ۳/۲۶۹)

☆ الإمام إذا منع أهل مصر أن يجتمعوا إن نهاهم مجتهدا بسبب من الأسباب ليس لهم أن يجمعوا بعد ذلك......وإن نهاهم متعنتا وإضرارا بهم كان لهم أن يجتمعوا على رجل يصلى بهم الجمعة لأن منعه على هذا الوجه معصية ولا طاعة فى المعصية۔(غنیۃ۳/۱۱۸) مفتی محمد عثمان بستوی

☆ اصول کے مطابق محض کرونا کے اندیشہ سے عام مسلمانوں کے لیے حج وعمرہ کا دروازہ بند کرنا درست نہیں ہے، البتہ متاثر اشخاص پر پابندی عائد کی جاسکتی ہے، جیسا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک جذامی عورت پر طواف اور حرم میں داخلے پر پابندی عائد کردی تھی۔

دراصل ایسے مریض پر حج ہی فرض نہیں ہے، حج کی فرضیت کے لیے بدن کی صحت وسلامتی بھی بنیادی شرط ہے: ومنها صحة البدن فلاحج على المريض والزمن والمفلوج والشيخ الكبير الذى لا يثبت على الراحلة بنفسه والمحبوس والممنوع من قبل السلطان الجائر من الخروج إلى الحج......الخ۔(بدائع ۲/۱۲۱)

مفتی اختر امام عادل قاسمی۔

موصوف نے حج کا احرام باندھنے کے بعد کرونا میں مبتلا ہوجانے والے شخص کا حکم بھی مدلل ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے ان کا مقالہ)

☆ خراب المساجد قد يكون حقيقةً كتخريب بخت نصروالنصارى بيت المقدس على ما ذكر أنهم غزوا بنى إسرائيل مع بعض ملوكهم......ويكون مجازاً كمنع المشركين المسلمين حين صدوا رسول الله ﷺ عن المسجد الحرام، وعلى الجملة، فتعطيل المساجد عن الصلاة وإظهار شعائر الإسلام فيها خراب لها۔(تفسیر القرطبی ۲/۷۷)

☆ المسئلة الخامسة: السعى فى تخريب المسجد قد يكون لوجهين: أحدهما: منع المصلين والمتعبدين والمتعهدين له فى دخوله فيكون ذلك تخريباً، والثانى: بالهدم والتخريب، وثانيها: قوله تعالى: إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر۔(التوبة:۱۸)فجعل عمارة المسجد دليلا على الإيمان، بل الآية تدل بظاهرها على حصر الإيمان فيهم، لأن كلمة إنما للحصر۔(تفسیر الرازی، مفاتیح الغیب أو تفسیر الکبیر ۴/۱۳) دیکھئے مقالہ: مفتی اقبال احمد قاسمی

فریق (ب) کے دلائل:

☆ حج کے دوران شدید ازدحام ہوتا ہے اور ایک دوسرے سے جسم مس ہونا عام بات ہے، اس سے ضرر اور نقصان لاحق ہونے کا امکان ہے، جس سے حدیث میں ممانعت آئی ہے: من ضار أضر الله به، ومن شاق شاق الله عليه۔(جامع الأصول فی أحادیث الرسول ۶۴۰۶، رقم: ۴۹۳۰)

☆ فقہ کا مشہور قاعدہ:

”لاضرر ولاضرار فى الإسلام“ اسی طرح ایک قاعدہ: ”درء المفاسد مقدم على جلب المنافع“۔

☆ حضرت عمر فاروق کا یہ اثر اور عمل:

عن ابن أبى مليكة أن عمر بن الخطاب رأى امرأة مجذومية تطوف بالبيت، فقال لها: يا أمة الله! لا تؤذى الناس، لوجلست فى بيتك فجلست، فمربها رجل بعد ذلك، فقال لها: إن الذى كان قد نهاك قد مات، فاخرجى، فقالت: ماكنت لأطيعه حيا وأعصيه ميتا۔(مؤطا مالک، کتاب العدوی والطیرۃ، رقم: ۹۶۱) دیکھئے مقالہ: ڈاکٹر محمد نصر اللہ ندوی، قاضی محمد حسن

ندوی، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری۔

☆ قال الله تعالی "ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا۔" (آل عمران:۹۷)

☆ ومنها أمن الطريق، قال ابو الليث: إن كان الغالب فى الطريق السلامة يجب ، وإن كان خلاف ذلك لا يجب، فعليه الاعتماد۔ (الهندیہ، کتاب المناسک ۳/۱۹۴)

☆ إذاأمرتكم بأمر فأتوا منه مااستطعتم۔ (بخاری:۷۲۸۸)

☆ إذا سمعتم بالطاعون بأرض فلا تدخلوها، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلاتخرجوا منها۔ (بخاری:۵۲۲۸)

☆ تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة۔ (الأشباہ والنظائر) دیکھئے مقالہ: مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری، مفتی راشد حسین ندوی۔

☆ ۸۶۵ عیسوی میں اسماعیل بن یوسف علوی نے حجاج پر حملہ کیا اور عرفہ میں قتل عام کیا، اس سال حج نہ ہوسکا تھا، اسی طرح ۹۳۰ء میں قرامطہ نے حجر اسود کو چوری کیا اور مسجد حرام پر حملہ کیا اس وقت بھی حج رکا رہا، امام سیوطی نے "حسن المحاضرۃ" میں لکھا ہے کہ ۴۳۰ھ میں فریضہ حج معطل ہوکر رہ گیا، لہٰذا مصر، شام، عراق، خراسان وغیرہ علاقوں سے کوئی حج نہ کرسکا۔

☆ بعض علماء نے صراحتاً تحریر کیا ہے کہ تاریخ میں کم ازکم چالیس مرتبہ حج بیت اللہ مختلف اسباب کی بنا پر معطل ہوگیا تھا۔

☆ الاتحاد العالمی لعلماء المسلمین کے امین عام ڈاکٹر علی القرۃ داغی کا فتوی کرونا سے متاثر ہونے کا ظن غالب ہو تو وقتی طور پر حج وعمرہ سے روکا جاسکتا ہے۔ (دیکھئے مقالہ: مولانا خواجہ معین الدین اکرمی ندوی وحافظ کلیم اللہ عمری مدنی)

☆ فالمحبوس والخائف من السلطان كالمريض لايجب عليهما أداء الحج بأنفسهما ولكن يجب عليهما الإحجاج أو الإيصاء به عند الموت عندهما۔ (غنیۃ:۲۴، فتح القدیر ۲/۴۱۷)

☆ إن أحصر المحرم بعدو أو مريض بعث المفرد دما، والقارن دمين، وعين يوما يذبح فيه ولو قبل يوم النحر ۔(شرح الوقایۃ ۱/۲۸۶) دیکھئے مقالہ: مفتی محمد ممتاز خان ندوی

☆ یورپی افتاء کونسل کا فتوی۔ (دیکھئے مقالہ: مفتی اقبال محمد ٹنکاروی)

☆ ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة۔ (بقرہ:۱۹۵) استدل بالآية على تحريم الإقدام على ما يخاف منه تلف النفس ۔(روح المعانی ۲/۱۱۸) مزید دلائل کے لیے دیکھیں مقالہ مفتی محمد جعفر ملی رحمانی اور ڈاکٹر محمد مصطفیٰ عبد القدوس ندوی۔

☆☆☆☆

محورسوم: کرونا کے زمانہ میں مساجد سے متعلق مسائل

محمد علی بن شفیق ندوی
استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
رفیق علمی مجلس تحقیقات شرعیہ

سوال:۱۔کرونا کے زمانہ میں مساجد کو بند کرنا کیسا ہے؟

جواب کئی شقوں میں ہے:

☆ اس سلسلہ میں مقالہ نگاروں کی بنیادی رائے یہ ہے کہ مساجد کو مکمل طور پر بند کرنا یا معطل کرنا ہرگز جائز نہیں۔

(دیکھئے مقالہ: محمد علی شفیق ندوی، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا اختر امام عادل، مفتی انور علی اعظمی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی محمد طاہر، مفتی صابر حسین ندوی، مفتی شکیل منصور قاسمی، مولانا خواجہ معین الدین اکرمی ندوی، مفتی جعفر علی ملی، مفتی محمد عثمان، مولانا خورشید اعظمی، مفتی ولی اللہ مجید قاسمی، مفتی نذیر احمد کشمیری، مولانا محمد ادریس الرحمٰن کشمیری، مفتی مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، مفتی محمد زید مظاہری ندوی۔)

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها﴾ [بقرہ:۱۱۴] دیکھئے التفسیر المظہری ۱/۱۳۰، فتح القدیر ۱/۱۵۳، تفسیر رازی وغیرہ۔(مفتی محمد عثمان، علی شفیق ندوی، مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی، حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی شکیل منصور القاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا ممتاز خان ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی رفیق بالاکوٹی، مولانا محمد ادریس کشمیری، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی ولی اللہ مجید قاسمی)۔

☆ وبائی بیماری میں مبتلا شخص پر مسجد میں نہ آنے کی پابندی کے جواز پر بھی اتفاق نظر آتا ہے، البتہ جس نے صراحت سے یہ بات لکھی وہ درج ذیل حضرات ہیں:

علی شفیق ندوی، مفتی شکیل منصور قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، اوّل الذکر دونوں حضرات نے کہا کہ مسجد میں آنا جائز نہیں۔

☆ جواب کی ایک اہم شق (جزوی طور پر مساجد میں) نمازیوں کی تخفیف کے تعلق سے ہے، کہ وہ جائز ہے، کیوں کہ مسجد کو آباد رکھنا فرض کفایہ ہے۔

تمام سابقہ مقالہ نگار اس پر متفق ہیں، سوائے بعض کے جنہوں نے کچھ تخصیص یا تفصیل لکھی ہے وہ درج ذیل شقوں میں ذکر کی جاتی ہیں:

(الف) جزوی تخفیف کی اجازت: جس محلّہ میں وباء پھیلی ہے اس محلّہ کی مساجد کے ساتھ خاص ہوگی، یہ دو مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے۔(مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری)

(ب) جزوی تخفیف میں بعض حضرات نے صرف مریضوں کے لیے مسجد نہ آنے کی اجازت خاص کی ہے، جو مرض میں مبتلا نہ ہو وہ مسجد میں حاضر ہوگا الا یہ کہ اس محلّہ میں وباء عام ہوگئی ہو۔(دیکھئے مقالہ: مفتی اقبال ٹنکاروی، مفتی نذیر احمد کشمیری، مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی)

دلائل بر جزوی تخفیف:

☆ جزوی تخفیف مسجد کی ویرانی (وسعی فی خرابها) میں داخل نہیں، بلکہ فقہاء نے امراض سے تحفظ کے لیے فرض عبادت کو بھی چھوڑ دینے کی گنجائش دی ہے، چنانچہ اگر روزہ رکھنے سے ظن غالب ہو کہ مرض کا شکار ہو جائے گا تو افطار کی رخصت ہوگی: والصحیح الذی یخشی المرض بالصوم فهو کالمریض ومراده بالخشیة غلبة الظن۔ (البحر الرائق ۲/۲۸۱) (مفتی محمد عثمان بستوی، علی شفیق ندوی)

مزید لکھتے ہیں: غلبۂ ظن خود رائی سے نہیں بلکہ ماہرین کے مشورہ کی بنیاد پر ہو، مزید یہ کہ احتیاطی تدابیر توکل کے منافی نہیں" لم یقدح فی توکل تعاطیه الأسباب، فقد ظاهر ﷺ بین درعین، ولبس علی رأسه مغفراً) [فتح الباری] (مفتی عثمان، علی شفیق)

☆ بدبودار چیز کھا کر آنا بھی جماعت سے نماز نہ پڑھنے کا ایک عذر ہے، (عمدۃ القاری ۶/۱۴۶)، تو بیماری میں بھی نہ آئے تا کہ کسی کو تکلیف نہ ہو۔ (مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی، علی شفیق ندوی، مفتی شکیل منصور القاسمی)

☆ قواعد فقہیہ متفق علیہا بھی جزوی تخفیف کی دلیل بنتے ہیں، مثلا:

☆ الضرورات تبیح المحظورات

☆ یجوز ارتکاب أهون البلیتین وأخف الضررین۔

☆ مالا یدرك كله لا يترك كله۔

☆ لا ضرر ولا ضرار

(علی شفیق ندوی، مفتی صابر حسین ندوی، مولانا اختر امام عادل قاسمی)

البتہ علی شفیق ندوی نے ایک قاعدہ (الضرورة تقدر بقدرها) کو اسی باب میں قید اور شرط مانا ہے کہ یہ تمام پابندیاں بقدر ضرورت ہی ہوں، جس پابندی یا رخصت کی ضرورت ختم ہو جائے فوراً اس کو ختم کر دیا جائے۔

۴۔ جذامی سے احتیاط (فرّ من المجذوم) اور طاعون والی احادیث سے بعض حضرات نے استدلال کیا۔

(علی شفیق ندوی، مولانا اقبال ٹنکاروی، مفتی شکیل منصور)

۵۔ بعض حضرات نے خارج اوقات الصلاۃ مسجد بند کرنے پر قیاس کیا ہے: (لابأس بإغلاق أبواب المساجد فی غیر أوقات الصلاة خشیة الضرر علی المسجد)، [ہدایہ، محیط برہانی، درمختار وغیرہ] لہٰذا ضرر کے زمانے میں بھی بند کرنا معقول ہے۔ (مفتی صابر حسین، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی راشد حسین ندوی)۔

جب مال کے لیے بند کر سکتے ہیں تو جان کے خطرہ کے لیے بدرجہ اوّل ی بند کر سکتے ہیں۔ (مفتی راشد حسین ندوی)

نوٹ: بعض حضرات نے بالکلیہ ممانعت ذکر کی لیکن جزوی بند کرنے سے تعرض نہیں کیا۔ وہ درج ذیل ہیں:

(ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مولانا انور اعظمی، مفتی محمد طاہر)

(۴) چوتھی شق:

☆ بعض حضرات نے کہا کہ اگر مساجد بالکلیہ یا ناجائز طور پر بند کی جائیں تو:

☆ لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔ (مفتی نذیر کشمیری)

☆ افہام وتفہیم، دعوت وتعلیم کے ذریعہ مسئلہ حل کریں پھر بھی نہ حل ہو تو صبر وضبط سے کام لیں، ظلم کے ڈر سے خاموشی کی رخصت ہے۔ (علی

شفیق ندوی، مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی، مفتی محمد زید مظاہری ندوی)

☆ ضرر اشد سے بچنے کے لیے اخف الضررین پر عمل ضروری ہے۔ (علی شفیق ندوی)

☆ احتجاج کرنا چاہئے۔ (مفتی انور علی اعظمی)

(۵) پانچویں شق بر جواب اشکال

جن حضرات نے یہ لکھا کہ مساجد جزوی طور پر بند نہ کی جائیں ان کا ایک بڑا اشکال یہ ہے کہ یہ توکل کے منافی ہے، دوسرا اعتراض یہ ہے کہ صحابہ و تابعین کے زمانہ میں مساجد بند نہیں کی گئیں۔

(مفتی محمد طاہر، مفتی ولی اللہ مجید قاسمی، مفتی محمد زید مظاہری ندوی)

یہ دونوں اشکال کرونا کے شروع دور سے ذکر کئے جا رہے تھے۔

پہلے اشکال کے جواب میں توکل کے تعلق سے بات دلائل کے ضمن میں آ گئی کہ منافی نہیں اور علی شفیق ندوی نے پہلے محور کے پہلے سوال کے جواب میں تفصیل سے جواب دیا ہے۔

دوسرے اشکال کے جواب میں علی شفیق ندوی نے یہاں پر یوں جواب دیا ہے کہ: فیہ نظر لأن السلف لم يقوموا بالإغلاق التام...... الخ۔ ترجمہ: یہ بات مخدوش ہے کیوں کہ صحابہ و سلف صالحین کے زمانہ میں کلی طور پر لاک ڈاؤن وباء کے زمانہ میں نہیں لگتا تھا، اس لیے تقدیر الٰہی کہ اس زمانہ میں اموات کی کثرت پر بھی کنٹرول کا کوئی تصور نہیں تھا سوائے اس تدبیر کے جو حضور نے بتائی کہ وباء زدہ علاقہ میں نہ کوئی جائے، نہ وہاں سے کوئی باہر آئے۔ یہ جزوی لاک ڈاؤن کی شکل تھی۔

ہمارے زمانہ میں لاک ڈاؤن کے ذریعہ وبائی بیماری پر کنٹرول کی تدبیریں ہوتی ہیں اگرچہ اربوں کی معیشت کا، ملک و افراد اور بڑے بڑے کاروباریوں کا خطرناک حد تک نقصان ہو جائے، کیوں کہ حفظ جان مقدم ہے حفظ مال پر۔

پرانے زمانہ میں ان کے پاس ایسے ذرائع و آلات بھی نہیں تھے جس سے وہ وباء کو آتے ہی سمجھ لیتے اور اس کی نوعیت، خطرناکی، علاج تک رسائی حاصل کر لیتے۔

أخرج الطحاوی والبیهقی بسند حسن عن أبی موسی أنه قال: إن هذا الطاعون قد وقع، فمن أراد أن يتنزه عنه فليفعل۔

[وفيه أنه] كتب عمرؓ إلى أبي عبيدةؓ: أما بعد فإنك نزلت بالمسلمين أرضا عميقة فارفعهم إلى أرض نزهة، فدعا أبو عبيدة أبا موسى فقال: أخرج فارتد المسلمين منزلا حتى انتقل لهم--- وأنه نزل بالناس فی مكان آخر فارتفع الطاعون ۔(فتح الباری، کتاب الطب، باب مایذکر فی الطاعون ۱۰/۲۳۲) والابتعاد عن الأحياء والدور يستلزم الابتعاد عن المساجد۔ (محمد علی شفیق ندوی)

اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات میں ماہرین کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے بشرط کہ وہ معتبر ہوں: (ولو ردوه إلى الرسول وإلى أولي الأمر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم) [النساء: ۸۳] (فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون) [سورۃ النحل: ۴۳] (محمد علی شفیق ندوی۔)

سوال: ۲۔ کیا جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان دی جائے گی؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ جماعت موقوف ہونے کی صورت میں مسجدوں میں اذان دی جاتی رہے گی۔

صرف مولانا محمد ممتاز خان ندوی صاحب کی رائے یہ ہے کہ جماعت موقوف ہونے کی صورت میں مسجد میں اذان نہیں دی جائے گی۔

اذان دیئے جانے کے دلائل:

☆ جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان دئے جانے کے قائلین حضرات کی مشترکہ دلیل ہے کہ اذان سنت مؤکدہ (قریب بواجب) ہونے کے ساتھ ساتھ شعار دین ہے۔

☆ اگر جماعت سے روکا جائے تو اذان اپنی جگہ برقرار رہے گی، لأن الميسور لا يسقط بالمعسور، ولا يكلف الله نفساً إلا وسعها۔ (علی شفیق ندوی)

لہٰذا پانچوں وقت اذان دینا ضروری ہوگا کیوں کہ ہم کو اتنی قدرت ہے، لہٰذا اتنے کے ہی مکلّف ہوں گے۔ (مفتی محمد زید مظاہری ندوی)۔

☆ نیز جماعت نہ ہونے پر بھی مسجد میں اذان دیئے جانے کا ثبوت حدیث پاک میں ہے، حضرت ابن عمرؓ کا سردرات میں اذان دینا ثابت ہے:

’’عن ابن عمر رضی الله عنه اذّن بالصلاة فی ليلة ذات برد وريح ثم قال: ألا! صلوا فی الرحال ورفعه إلى النبی‘‘ [بخاری ۶۳۲، مسلم ۶۹۷]

☆ اذان کا سنت مؤکدہ اور شعار دین ہونا فقہاء کی مختلف عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے، بلکہ علامہ کاسانی فرماتے ہیں: ذكر محمد ما يدل على الوجوب، فإنّه قال: إنّ أهل بلدة لو اجتمعوا على ترك الأذان لقاتلهم‘‘

[بدائع الصنائع ۱/۳۶۴، ذکریا، دیوبند]، وفی الدر المختار عن الخانية: ولو لم يكن لمسجد حيه مؤذن فإنه يذهب إليه ويؤذن ويصلی ولو كان وحده۔ (مع شامی ۱/۶۵۰)

☆ تاتارخانیہ میں ہے: سأل رجل محمداً رحمه الله وقال: إن لنا مسجدا ظاهرا على الطريق أأذن فيه وأقيم، ولا يجتمع فيه أحد إلا أنا وابن عمی، وربما كنت وحدی، ويقربنی مسجد، يجتمع فيه جمع عظيم، أترى أن أعطل هذا المسجد، قال: لا تعطله ما قدرت عليه۔ (تاتارخانیہ ۲/۲۸۱)

☆ شامی میں ہے، هو سنة مؤكدة للفرائض۔ (۲/۳۹، کتاب الصلاۃ، باب الاذان)۔

☆ اسی طرح دیکھئے: الاختيار لتعليل المختار۔ (۱/۵۸)، ہدایہ (۱/۸۴)، مراقی الفلاح (ص ۸۶، دار الکتب العلمیۃ)، البحر الرائق (کتاب الصلاۃ، باب الاذان ۱/۲۷۰)، تبیین الحقائق (۱/۹۰)، البنایہ میں ۲/۷۰)۔ حجۃ اللہ البالغہ (۲/۸۷)

☆ وقال السرخسی إذا أصر أهل المصر على ترك الأذان والإقامة أمروا بهما، فإن أبوا قوتلوا على ذلك بالسلاح كما يقاتلون عند الإصرار على ترك الفرائض والواجبات۔

(المبسوط، کتاب الصلاۃ، باب الأذان ۱/۱۲۴، بیروت، دار الفکر)

☆ عن أنس أن النبی ﷺ كان لا يغير حتى يصبح فيستمع، وإن سمع أذاناً أمسك وإن لم يسمع أذاناً أغار۔ (بخاری، رقم ۲۹۴۳)

دوسری دلیل محمد علی شفیق ندوی، مفتی صابر حسین ندوی نے یہ دی ہے کہ اذان وقت کا اعلان ہے، اور شریعت کی رفعت و بلندی کا اظہار ہے، جو ہر وقت ہونا چاہئے اگرچہ لوگ گھروں میں رہیں۔

☆ قال فی الفقه الإسلامی وأدلته: أمّا الأذان والإقامة فلأن المقصود منهما الإعلام بدخول وقت الصلاة المفروضة۔ (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۱/۵۳۵، ط: دار الفکر)۔

☆ تیسری دلیل محمد علی شفیق ندوی نے یہ بیان کی کہ اذان جماعت کے ساتھ خاص نہیں ہے، منفرد بھی اذان کہے گا، گھروں میں پڑھنے والے بھی اذان کے محتاج ہیں، جیسا کہ فقہاء نے فرمایا اسی ضمن میں وارد ہوا (أذان الحی یکفینا) قالہ ابن مسعود، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: فإن صلى فی بیته فی المصر بأذان وإقامة لیکون الأداء علی هیأة الجماعة وإن ترکهما جاز لقول ابن مسعود أذان الحی یکفینا۔ (ہدایہ ۱/۹۰)

اخیر میں علی شفیق ندوی نے دو باتوں کا اضافہ کیا:

☆ مسجد کی اذان کے ساتھ گھروں میں جماعت کرنے والے بھی اذان دیں تو بہتر ہے، لیکن نہ دیں تو حرج نہیں، لیکن مسجد میں ضرور دیں۔

☆ دوسری بات یہ کہ اگر مسجد کے مؤذن اکیلے پڑھیں تو (صلوا فی بیوتکم) یا (فی رحالکم) کہہ سکتے ہیں لیکن اذان ختم ہونے کے بعد۔

دلیل:

☆ عن نافع قال: أذن ابن عمر فی لیلة باردة: ثم قال: صلوا فی رحالکم، فاخبرنا أن رسول الله ﷺ کان یأمرمؤذنا یؤذن ثم یقول علی اثره "ألا صلوا فی الرحال" فی اللیلة الباردة أو المطیرة فی السفر۔ (رواہ البخاری، رقم الحدیث: ۶۱۶، مسلم ۶۹۹)

سوال: ۳۔ جماعت میں کتنے افراد شریک ہوں، اس بارے میں گورنمنٹ کی ہدایات کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

اس ضمن میں بیشتر مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ جماعت میں اتنے ہی افراد شریک ہوں گے، جتنے افراد کی اجازت حکومت کی طرف سے حاصل ہو، بشرطیکہ پنج وقتہ نمازوں میں امام کے علاوہ کم از کم دو اور جمعہ میں امام کے علاوہ کم از کم تین افراد ضرور رہوں۔

اس سلسلہ میں جو آراء سامنے آئی ہیں وہ چار طرح کی ہیں: وجوب، جواز، استحباب، عدم جواز۔

وجوب کے قائلین:

اکثر مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ افراد جماعت کی تعداد کے سلسلہ میں حکومتی ہدایات پر عمل کرنا لازم اور ضروری ہے البتہ اسباب ووجوہات کا ان کے درمیان اختلاف ہے۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ملک کے شہری ہونے کی حیثیت سے ہم نے یہاں کے قانون پر عمل آوری کا عہد کیا ہے اس عہد کے تحت انتظامی امور پر حکومتی ہدایات پر عمل واجب اور ضروری اور ایفاء عہد کے خلاف عمل گناہ ہوگا۔

(دیکھئے مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی جعفر ملی رحمانی)

وجوب کے قائلین بعض دوسرے حضرات بھی ہیں لیکن ان کے نزدیک حکومتی ہداہات پر عمل کرنا اس شرط کے ساتھ ضروری ہوگا کہ حکومت کی ہدایات واقعی عوام کو ضرر سے بچانے کے لیے ہوں، نیز تجربہ ومشاہدہ یا سائنسی تحقیق اور طبی تحقیق سے ثابت ہو چکا ہو کہ تکثیر جماعت سے وباء کے بڑھنے کا خطرہ ہے، اور حکومت کی ہدایات صرف مسجد کے لیے نہ ہوں بلکہ ہر جگہ کے لیے ہوں۔

اور اگر ایسا نہ ہو تو حتی الامکان حکومت سے مفاہمت کی کوشش کی جائے گی، اگر مفاہمت سے کوئی حل نہ نکلے تو مجبوراً اس پر عمل کیا جائے گا۔

(دیکھئے مقالہ: حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا محمد ادریس الرحمٰن کشمیری، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مفتی محمد عثمان، مفتی محمد اقبال قاسمی، مفتی محمد زید مظاہری ندوی)

مفتی محمد نصر اللہ ندوی صاحب اور مفتی شکیل منصور القاسمی صاحب نے حکومتی ہدایات پر عمل کو واجب قرار دینے کی وجہ بیان فرمائی کہ کورونا ایک متعدی بیماری ہے اس میں کم سے کم اختلاط ہی بچاؤ کی تدبیر ہے اور ہلاکت سے بچنے کی تدبیر واجب اور ضروری ہے، مولانا محمد صابر حسین ندوی اور مولانا ممتاز خان ندوی کی رائے کے مطابق حکومتی ہدایات پر عمل کرنا واجب ہوگا بشرطیکہ یہ ہدایات دباؤ میں ہوں اور عمل نہ کرنے کی صورت میں مسلمانوں کی ذلت اور مسجد کو بند کئے جانے کا اندیشہ ہو۔

جواز کے قائلین ودیگر آراء:

چند مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ حکومت کی ہدایات کی شرعی حیثیت جواز کی ہے۔(دیکھئے مقالہ: مفتی اقبال ٹنکاروی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی اشرف قاسمی، مفتی محمد طاہر، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی محمد علی بن شفیق ندوی، مولانا خواجہ معین الدین اکرمی ندوی۔)

ڈاکٹر شاہجہاں ندوی صاحب کے نزدیک حکومتی ہدایات پر عمل کرنا مستحب اور افضل ہے۔

☆ مفتی نذیر احمد کشمیری صاحب کے نزدیک حکومت کی ہدایات پر عمل کرنا ناجائز ہے۔

وجوب کے قائلین کے دلائل:

☆ يا أيّها الذين آمنوا أوفوا بالعقود، الآية [سورة المائده:۵/۱]

☆ المسلمون عند شروطهم ـ(بخارى، كتاب الإجارة، باب أجر السمسرة)

☆ تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة۔(الأشباه والنظائر)

☆ ومنها: الجماعة وأقله ثلاثة سوى الإمام۔(الهندية ، كتاب الصلاة)

☆ كمشقة الخوف على النفوس والأطراف ومنافع الأعضاء فهي موجبة للتخفيف۔ (الأشباہ والنظائر للسیوطی ۱/ ۱۶۸)

☆ طاعة الإمام فيما ليس بمعصية واجبة۔(تکملۃ فتح الملہم ۳/ ۲۶۸)

☆ لايوردن ممرض على مصح ـ(بخاری، کتاب الطب، رقم: ۶۷۷۰عن أبی ہریرۃ وكذا ايضا فى مسلم، باب الطاعون والطيرة، رقم ۵۹۰۵ عن اسامۃ وكذا ايضا فى مسند احمد، رقم: ۹۷۲۰ عن أبی ہریرۃ)

مفتی شکیل منصور القاسمی صاحب نے مزید دلائل دیئے ہیں:

☆ الضرر يزال، درء المفاسد مقدم على جلب المصالح.

☆ الضرورات تبيح المحظورات، لا واجب مع عجز.

☆ قال رسول الله ﷺ لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه، قالوا: وكيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء لما لا يطيق۔(ترمذی، کتاب الفتن، باب لایتعرض من البلاء لمالا یطیق ۲۲۵۴)

جواز کے قائلین کے دلائل:

☆ عن ابن عباس رضى الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ من سمع المنادى، فلم يمنعه من اتباعه عذر، قالوا: وما العذر؟ قال: خوف أو مرض۔(ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب التشدید فی ترک الجماعۃ، رقم: ۵۵۱)

☆ وخوف ظالم على نفسه أو ماله أو خوف ضياع ماله لو اشتغل بالصلاة جماعة۔(طحطاوی علی المراقی: ۱۶۲)

☆ ومنها أقل الجماعة فى غير صلاة الجمعة اثنان۔(تحفۃ الفقہاء ۱/ ۲۸۸، دار الکتب، بیروت، وکذا فی شرح الوقایۃ ۱/ ۳۲۱)

☆ من ابتلي ببليتين وهما متساويتان يأخذ بأيّتهما شاء وإن اختلفا يختار أهونهما۔
(الأشباہ والنظائر ۱/ ۸۹، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، وکذا فی غمز عیون البصائر ۲/ ۱۰۹)

☆ استحباب کے قائل ڈاکٹر شاہجہاں ندوی صاحب نے قاعدہ: تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة ـ(الأشباہ والنظائر: ۱۲۳، بیروت) سے استدلال کیا ہے۔

عدم جواز کے قائل مفتی نذیر احمد کشمیری صاحب کے دلائل:

☆ ومن أظلم ممن منع مساجد الله۔

☆ لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔

سوال:۴۔مساجد کے کسی حصہ یا اس کی ملحق جگہ کو کووڈ سینٹر بنانا کیسا ہے؟

اس سلسلہ میں مقالہ نگار حضرات کی جو آراء سامنے آئی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

☆ مسجد یا ملحق مسجد کسی بھی جگہ کو کووڈ سنٹر بنانا مطلقاً ناجائز ہے۔(مفتی صابر حسین ندوی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مفتی شکیل منصور قاسمی، مفتی جعفر ملی رحمانی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی نذیر احمد کشمیری، مولانا خواجہ معین الدین اکرمی ندوی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی اقبال ٹنکاروی)

☆ مسجد کو نہیں، حدود مسجد سے خارج ملحق جگہ کو کووڈ سینٹر بنانا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ نمازیوں کو خلل واقع نہ ہو۔(دیکھئے مقالہ: ڈاکٹر مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری، مفتی محمد نصر اللہ ندوی، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی محمد طاہر)

☆ عام حالات میں مسجد کو کووڈ سینٹر بنانا جائز نہیں۔اضطراری حالت میں جائز ہے، اضطراری حالت کا مطلب یہ ہے کہ مسجد کے علاوہ دیگر جگہیں اسکول، میرج ہال، کمیونٹی حال سب جگہیں کووڈ کے لیے استعمال ہو رہے ہوں مزید جگہ کی ضرورت ہو اور مسجد کے علاوہ کوئی جگہ نہ بچی ہو۔(نماز کے لیے جگہ چھوڑ کر) دیکھئے مقالہ مفتی اشرف قاسمی، ولی اللہ مجید قاسمی، علی شفیق ندوی۔

علی شفیق ندوی نے اضطراری حالت کی تفصیل چند مزید شرطوں کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔

۱۔ حکومتی/سرکاری عمارتوں میں جگہ نہ ہو، سب کووڈ جگہیں مریضوں سے بھر چکی ہوں۔

۲۔ تجارتی مراکز، کھیل کود کا اسٹیڈیم وغیرہ کووڈ مریضوں سے بھر چکے ہوں۔

۳۔ مساجد کے تابع زمینیں بھی خالی نہ بچی ہوں۔

ان تینوں شرطوں کے ساتھ، نمازیوں کے لیے جگہ چھوڑ کر دینا جائز ہے۔و دون ذلك خرط القتاد۔

عمومی عدم جواز کے قائلین کے دلائل:

☆ وأن المساجد لله فلا تدعو مع الله أحداً۔(جن:۱۴)
وکذا فی تفسیر هذه الآية: فی القرطبی ۲۱/ ۲۹۷)

☆ وطهر بيتی للطائفين والقائمين والركع السجود۔(حج:۲۲)

☆ جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وسل سيوفكم وإقامة حدودكم وشرائكم وبيعكم......الخ۔(مصنف عبدالرزاق ۱/ ۵۲۰، حدیث ۱۲۴۱، سنن ابن ماجہ ۵/ ۵۴، کتاب الصلاۃ، باب ما یکرہ فی المسجد)

☆ قال النبی ﷺ: من سمع رجلا ينشد ضالة فی المسجد فليقل: لا ردها الله عليك فإن المساجد لم تبن لهذا۔(صحیح مسلم، حدیث ۵۶۸) اس حدیث میں مسجد کے مقصد کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت ہے، اور لحاظ نہ رکھنے والے کے لیے بددعا ہے۔

☆ المسجد ما بنی إلّا لها۔(البحر الرائق ۲/ ۶۰-۶۱، الصلاۃ ما یفسد الصلاۃ) وکذا ایضا فی مرقاۃ المفاتیح ۲/ ۵۹۷، باب المساجد۔

☆ يكره النوم والأكل فيه۔(فتاوی ہندیہ ۵/ ۳۲۱، آداب المسجد)

محور چہارم: کرونا سے متاثر مریض کی تیمارداری

محمد علی بن شفیق ندوی
استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
رفیق علمی مجلس تحقیقات شرعیہ

سوال: ۱۔ کرونا سے متاثر مریض کو الگ تھلگ کر دینا اور اس کی تیماری داری نہ کرنا کیسا ہے؟

اس ضمن میں تمام مقالہ نگار حضرات کی متفقہ رائے یہ ہے کہ کووڈ مریض کو الگ تھلگ کر دینا اور اس کی تیمارداری نہ کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ احتیاطی تدابیر کرتے ہوئے تیماداری کرنا لازم ہے، نان، نفقہ کی ذمہ داری جن پر واجب ہے ان پر تیمارداری بھی واجب ہے۔ مفتی رفیق بالاکوٹی کا کہنا ہے الگ تھلگ رکھ کر علاج کرنا اس وقت جائز ہوگا جب بیماروں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی ہو، ورنہ تھوڑی تعداد ہو تو ایسا کرنا درست نہیں۔

تیمارداری کے دلائل:

☆ **حدیث:** حق المسلم على المسلم خمس...... إلى آخره۔ (**بخاری، رقم: ۱۲۴۰، کتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز**)

☆ **حدیث:** إذا دخلتم على المريض فنفسوا له فى أجله فإن...... إلى آخره۔ (**ترمذی، باب الاوّل ۲۸۲**)

☆ **آیت:** قل لن يصيبنا إلا ما كتب الله لنا هو مولانا وعلى الله فليتوكل المؤمنون۔ (**سورۃ التوبۃ: ۵۱**)

☆ ما أصاب من مصيبة...... (**سورۃ الحدید: ۲۲**) اس سے پتہ چلا کہ نقصان سے خواہ مخواہ نہ ڈرے۔

☆ **امام سرخسی فرماتے ہیں:** عيادة المريض قربة شرعا۔ (**المبسوط، کتاب نوادر الصوم ۳/ ۱۱۹، ط: بیروت**)

☆ ومنها أن الناس لو تواردوا على الخروج لصار من عجز عنه بالمرض المذكور أو بغيره ضائع المصلحة لفقد من يتعهده حيا وميتا۔ (**الموسوعۃ الفقہیۃ ۳۳۲/۲۷، طاعون**)

☆ عائد المريض فى مخرفة الجنة حتى يرجع۔ (**صحیح المسلم، حدیث: ۲۵۶۸ وکذا فی الترمذی: کتاب الجنائز، باب فضل عیادۃ المریض: ۲۵۶۹) وفی مسلم، کتاب البر: باب عیادۃ المرضی: ۲۵۶۸)**

البتہ یہ تیماری داری احتیاطی تدابیر کے ساتھ ہو تو ٹھیک ہے، اس سلسلہ میں حدیث عمرو بن الشرید عن اُبیہ آئی ہے: قال: كان فى وفد ثقيف رجل مجذوم، فأرسل إليه النبى ﷺ: إنا قد بايعناك فارجع۔ (**صحیح مسلم، حدیث ۲۲۱۳**) وذكر أبو نعيم فى الطب النبوى أنه ﷺ كان إذا رمدت عين امرأة من نسائه لم يأتها حتى تبرأ عينها۔ (**الطب النبوی، ص: ۱۱**)

یہ الگ تھلگ رہنا واجب نہیں، مستحب ہے اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ مشروط ہے۔ (مفتی محمد زید مظاہری ندوی)

سوال: ۲۔ کرونا سے متاثر مریض کے علاج کا خرچ اگر افراد خاندان برداشت نہ کرسکیں تو حکومت یا سماج کی کیا ذمہ داری ہوگی؟

افرادِ خاندان اگر کورونا سے متاثر مریض کا خرچ برداشت نہ کرسکیں تو حکومت اور سماجی ورفاہی تنظیموں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے علاج کا

بندوبست کریں۔(دیکھئے مقالات: ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی شکیل منصور القاسمی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مفتی محمد عثمان، مولانا خورشید احمد اعظمی ندوی، مفتی نذیر احمد کشمیری، مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری، مفتی اقبال قاسمی، علی شفیق ندوی، مولانا محمد نصر اللہ ندوی، مفتی محمد زید مظاہری ندوی۔

ان حضرات کے دلائل یہ ہیں:

☆ مثل الذين ينفقون أموالهم في سبيل الله كمثل حبة انبتت......(سورة البقرة:۲۶۱)

☆ الإمام راع ومسؤل عن رعيته۔(صحيح البخاري، باب العبد راع في مال سيده ولا يعمل إلا باذنه، رقم الحديث:۲۴۰۹)

☆ السلطان ولي من لا ولي له۔(مشكوة، باب الولي في النكاح ۲۷۰-۲۷۱)

☆ فالأمير الذى على الناس راع، وهو مسؤل عن رعيته۔(صحيح مسلم، باب فضيلة الامام العادل، رقم الحديث:۱۸۲۹)

☆ وإن لم يكن ثمة من تجب عليه نفقته ففي بيت المال، فإن لم يكن بيت المال معموراً أو منتظماً فعلى المسلمين تكفينه، فإن لم يقدروا سألوا الناس۔(الدر المختار ۱۱/ ۶۳۹ مع رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في كفن الزوجة على الزوج ۳/ ۱۰۱/ ۱۰۰، زكريا، ديوبند)

☆ أن على الإمام أن يجعل لكل نوع بيتاً يحفه، وله أن يستقرض من أحدها ليصرفه للآخر ويعطى بقدر الحاجة والفقه والفضل۔(رد المحتار ۳/ ۲۸۱، مطلب: في بيان بيوت المال ومصرفها، ط: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان۔

☆ أى نصيب وافر يستوجبه على أنفسهم تقربا إلى الله عزوجل وإشفاقا على الناس فهو غير الزكاة۔(۱۵/ ۱۴)

☆ ولو أن رجلاً ظهر به داء......الخ۔(ہندیہ ۵/ ۳۵۴)

☆ حضور پاک ﷺ سے حضرت سعد بن معاذ کے علاج کا بندوبست کرنا ثابت ہے۔(محمد علی شفیق ندوی)

☆ قال ﷺ: ما من أمير يلي أمر المسلمين ثم لا يجهد لهم وينصح، إلا لم يدخل معهم الجنة۔(صحيح مسلم ۱۸۲۹)

☆ ونقل ابن بطال عن بعض أهل العلم: فإنه ينبغي للإمام منع العائن إذا عرف بذلك من مداخلة الناس، وأن يلزم بيته، فإن كان فقيرا رزقه ما يقوم به، فإن ضرره أشد من ضرر المجذوم الذى أمر عمرؓ بمنعه من مخالطة الناس ......الخ۔(فتح الباري شرح بخاري، كتاب الطب، باب العين حق، جلد ۱۰، صفحہ ۲۱۶)(دیکھئے مقالہ مفتی محمد زید مظاہری ندوی)

یہ بیان حافظ ابن حجرؒ کا ہے جو ابن بطال سے انہوں نے نقل فرمایا ہے، امام نوویؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ قول بالکل صحیح اور متعین ہے، اس کے خلاف کوئی دوسرا قول نہیں، حضرت ملا علی قاریؒ نے بھی اس کو نقل فرمایا ہے۔

"قال النوويؒ : هذا القول صحيح متعين لا يعرف من غيره تصريح بخلافه۔"

(فتح الباري شرح بخاري، كتاب الطب، باب العين حق، جلد ۱۰، صفحہ ۲۱۶)

اس سلسلہ میں مفتی محمد زید مظاہری ندوی نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ متعدی بیماری میں مبتلا شخص دوسروں کو نقصان پہونچانے کی نیت سے اختلاط کرے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟ اگر نیت اضرار کی ہو، ضامن اور مستحق تعزیر ہوگا کہ نہیں؟ اگر نیت وارادہ کے بغیر کسی کو نقصان پہونچ جائے تو کیا حکم ہے، وغیرہ متعلقہ مسائل پر بھی گفتگو کی ہے۔

☆☆☆☆

محورپنجم: کرونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

منور سلطان ندوی
(رفیق علمی مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء)

سوال:۱۔کرونا سے انتقال کرنے والوں کوغسل کس طرح دیا جائے؟اگرغسل دینے کی اجازت نہ ہو یا غسل دینا ممکن نہ ہوتو کیا کیا جائے؟ کیا بلاغسل دفن کرنا جائز ہوگا؟

جواب:اس مسئلہ میں مقالہ نگاراں کی آراء درج ذیل ہیں:

(الف) غسل دینا ممکن ہوتو غسل دینے کی کوشش کی جائے، اگرغسل دینا ممکن نہیں ہے تو جسم پر کسی طرح پانی بہادیا جائے، اور یہ بھی ممکن نہ ہوتو دستانہ لپیٹ کر تیمّم کرایا جائے، اور اگر ایسا کرنا بھی ممکن نہ ہوتو غسل اور تیمّم کے بغیر ہی نماز پڑھی جائے۔

قائلین۔مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مفتی شکیل منصور قاسمی، مولانا خواجہ معین الدین اکرمی ندوی، مفتی محمد عثمان، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مفتی نذیر احمد کشمیری، مولانا محمد ادریس الرحمٰن کشمیری، مولانا نصر اللہ ندوی، مفتی رفیق احمد بالاکوٹی۔

ان حضرات کے دلائل اس طرح ہیں:

☆ لو كان الميت متفسخا يتعذر مسحه كفى صب الماء عليه۔(الفتاوى الهندية، ج ١، ص: ١٥٨)

☆ وإذا مات الرجل في السفر وليس هناك ماء طاهر ييمم ويصلى عليه هكذا في المحيط، رجل مات ولم يجدوا ماء فيمموه وصلوا عليه ثم وجدوا ماء غسل وصلى عليه ثانيا في قول أبي يوسف كذا في فتاوى قاضي خان۔

(الفتاوى الهندية، ج ١، ص: ١٦٠)

☆ لأن غسله واجب لا لرفع الحدث بل لتنجسه بالموت كسائر الحيوانات الدموية وإلا أن المسح بطورها لغسل كرامة له ويتمم لفقد ماء وصلى عليه ثم وجدوه غسلوه صلوا ثانيا وقيل لا. (درمختار، ج ٣، ص: ص ٨٤)

☆ ماتت بين رجال أو هو بين نساء يممه المحرم۔(ردالمحتار، ج ١، ص: ٦٣٥)

☆ جزم الدارمي وغيره أن من تعذر غسله صلى عليه، قال الدارمي: وإلا لزم أن من أحرق فصار رمادا أو أكله السبع لم يصل عليه ولا أعلم أحدا من أصحابنا قال ذلك۔(مغني المحتاج، ج ٢، ص: ٤٧)

☆ ذهب ابن حبيب من المالكية، الحنابلة وبعض المتاخرين من الشافعية إلى أنه يصلى عليه مع تعذرالغسل والتيمم،لأنه لا وجه لترك الصلاة عليه لان الميسور لا يسقط بالمعسور لماصح من قوله: واذا امرتكم بامر فاتوا منه مااستطعتم، ولان المقصود من هذه الصلاة الدعاء والشفاعة للميت ،أما عندالحنفية وجمهورالشافعية والمالكية فلا يصلى عليه لان بعضهم يشترط لصحة الصلاة على الجنازة تقدم غسل الميت وبعضهم يشترط حضوره أو اكثره فلما تعذر غسله و تيممه لم يصل عليه لفوات الشرط۔(الموسوعة الفقهية،ج۲،ص:۱۱۹)

☆ فلو دفن بلا غسل ولم يمكن إخراجه إلا بالنبش سقط الغسل وصلى على قبره بلاغسل للضرورة۔

(الموسوعة الفقهية، ج۱،ص:۳۲٤)

☆ فلومات لهدم ونحوه كان وقع فى بئر أو بحر عميق وتعذر اخراجه وغسله وتيممه لم يصل عليه لفوات الشرط كما نقله الشيخان عن المتولى واقراه وقال فى المجموع: لا خلاف فيه، قال بعض المتاخرين ولا وجه لترك الصلاة عليه لأن الميسور لا يسقط بالمعسور مما صح واذا امرتم فأتوا منه مااستطعتم. (مغنى المحتاج، ج۲،ص:۵۹)

☆ غسل الميت يسقط بأسباب: احدها: انعدام الغاسل، والثانى: انعدام مايغسل به، والثالث: الشهادة۔

(المحيط البرهانى،ج۲،ص:۲۸۵)

☆ مفتی اشرف قاسمی اورمفتی راشد حسین ندوی نے مذکورہ دلائل کے ساتھ فاقد الطہورین سے بھی استدلال کیا ہے،مفتی راشد حسین ندوی نے مقطوع الیدین سے استدلال کیا ہے۔

☆ بعض مقالہ نگاران نے درج ذیل آیت وحدیث سے بھی استدلال کیا ہے:

☆ لا يكلف الله نفسا إلا وسعها۔(بقرہ:۲۸٦)

☆ وان امرتكم بشئى فاتوا منه مااستطعتم۔

(صحيح البخارى،كتاب الاعتصام باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، حديث نمبر:۷۲۸۸)

☆ بعض مقالہ نگارنے یہ مشورہ دیا ہے کہ ہاسپٹل کا مسلم عملہ غسل کی نیت سے پائپ سے پانی بہادے تو کافی ہوگا۔

☆ بعض مقالہ نگاران نے درج ذیل فقہی قواعد کو بھی ذکر کیا ہے:

☆ الميسور لا يسقط بالمعسور

☆ درء المفاسد اوّل ی من جلب المنافع.(الأشباه والنظائر)

☆ الضرريزال

☆ لاضررولاضرار (سنن ابن ماجه)

مفتی محمد عثمان نے مزید یہ بھی ذکر کیا ہے کہ غسل پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں کور کے اوپر پانی بہانا بہتر صورت ہے، کیوں کہ اس میں غسل سے مشابہت ہے۔

مفتی نذیراحمد کشمیری کی رائے یہ ہے کہ غسل سے روکنے کے حکم میں طبی ہدایات سے زیادہ توہماتی خیالات اور غیر ضروری خطرات کا موہوم ظن فاسد ہے، یہ بدنیتی اور عناد کا غماز ہے۔

(ب) غسل دینا ممکن نہ ہونے کی صورت میں غسل کا حکم ختم ہوجائے گا، یعنی غسل ممکن نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کرانے یا میت کے اوپر پانی بہانے کی ضرورت نہیں ہے۔

قائلین: مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا محمد ادریس الرحمٰن کشمیری، مولانا اکرام احمد ندوی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی محمد زید مظاہری ندوی۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتے ہیں: چوں کہ تیمّم جسم کے ساتھ خاص ہے، جو کہ یہاں مفقود ہے، اس لیے جب غسل دینا ممکن نہ ہوتو تیمّم نہیں کرایا جائے گا، بلکہ بلا غسل نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

مفتی محمد جعفر ملی رحمانی لکھتے ہیں:

اگر کسی جگہ تیمّم کی بھی صورت نہ بن سکے، اور ہسپتال کی طرف سے میت کو مکمل پیک اور سیل کردیا گیا ہو اور اسے کھولنے کی قطعاً اجازت نہ ہو، بصورت دیگر مختلف ناقابل برداشت مسائل اور پریشانیوں کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں میت سے غسل کا حکم ساقط ہوجائے گا، جس طرح مصلی سے عذر و مجبوری کے وقت طہارت جزوی یا کلی ساقط ہوجاتی ہے، چنانچہ نماز پڑھ کر میت کو دفن کردیا جائے گا۔

مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی لکھتے ہیں:

ملفوف میت کے اوپر سے یعنی کور کے اوپر سے پانی بہادینا یا اوپر سے تیمّم کرادینا ہرگز کافی نہیں، کیوں کہ غسل کی حقیقت یہ ہے کہ پانی کا جسم سے لگ کر اس کا سیلان اور تقاطر ہو، اور یہاں سیلان اور تقاطر تو کیا پانی کا جسم سے مس بھی نہیں ہورہا ہے......اس لیے میت کو کور پر سے پانی بہانا یا اس کو تیمّم کرادینا ہرگز کافی نہیں ہوگا بلکہ تلعب کے مشابہ ہوگا۔

سوال:۲۔ اگر کرونا میت کو اسپتال کی طرف سے مخصوص کور میں لپیٹ کردیا جائے اور اسے کھولنے اور ہٹانے کی اجازت نہ ہوتو کیا وہ کور کفن کے حکم میں ہوگا؟ یا اس کے اوپر کفن لپیٹ کر دفن کیا جائے؟

جواب:

(الف) مخصوص کور کے اوپر کفن پہنانے کی اجازت ہوتو اوپر سے کفن پہنایا جائے، ورنہ اسی مخصوص کور پر اکتفا کرنا جائز ہے۔

قائلین: مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مفتی شکیل منصور القاسمی، خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مفتی نذیر احمد کشمیری، مولانا محمد ادریس الرحمٰن کشمیری، مولانا اکرام احمد ندوی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا نصر اللہ ندوی، مفتی رفیق احمد بالاکوٹی۔

دلائل:

كفن الرجل سنة: ازار وقميص ولفافة، وكفاية: إزار ولفافة وضرورة، ماوجد......(الفتاوى الهندية، ج١، ص: ١٦٠)

لايكلف الله نفسا الا وسعها. (بقره:٢٨٦)

فاتقوالله مااستطعتم. (التغابن:١٦)

مالا يدرك كله لا يتركله.(الأشباه والنظائر)

ويكره أقل من ذلك' وكفن الضرورة لهما مايوجد 'اقله ما يعم البدن وعندالشافعي ما يسترالعورة كالحى وفى الرد قوله: عندالشافعي مايستر العورة كالحى وظاهره انه لم يوجد له ذلك سألوا الناس ثوبا يعمه وإن مادون ذلك بمنزلة العدم ......

(درالمختارمع الرد، ج٣،ص:٩٨)

بعض مقالہ نگاران نے مولانا عبیداللہ اسعدی صاحب کی تحریر کا حوالہ دیا ہے،اسی طرح بعض نے یوپی افتاء کونسل کی تجویز کا بھی حوالہ دیا ہے۔

(ب)مخصوص کورکفن شرعی کے لیے کفایت نہیں کرتا،اس لیے الگ سے کفن دینا ہوگا۔

قائلین: مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی،مفتی انور علی اعظمی،مفتی محمد زید مظاہری

دلیل: چمڑے،اون،اوراون دار ملبوسات میں کفن دینا مکروہ ہے:

☆ يجوز أن يكفن الرجل من الكتان والصوف لكن الأوّل القطن وفى الناجية :يكره الصوف والشعر و الجلد ـ (ردالمحتار، ج١، ص:٦٣٨)

☆ فينزع مالا يصلح للكفن مثل الفرو والحشو والقلنسوة والخف والسلاح والدرع لاالسراويل فلا ينزع فى الأشبه كما فى الهندية عن الهندواني۔(درمختارمع الرد،ج١،ص:٦٧١)

☆ والكفن مايلبس للستروهذه الاشياء تلبس إما للتجمل والزينة أو لدفع البرد أولدفع معرة السلاح ولاحاجة للميت إلى شئى من ذلك فلم يكن شئى من ذلك كفنا۔(بدائع الصنائع،ج١،ص:٣٤٤)

عام طور پر کورا کہرا ہوتا ہے،اور کفن مسنون مردوں کے لیے تین چادر ہے۔

☆ مفتی محمد زید مظاہری ندوی لکھتے ہیں:

اوّل تو کفن کپڑے کا ہوتا ہے،دوسرے کفن دینے کا جن لوگوں کو مکلّف بنایا گیا ہے وہی اس کے مکلّف ہیں،انہیں کے کفن دینے سے یہ فریضہ ان کے ذمہ سے ساقط ہوگا ورنہ نہیں۔

اوربطور دلیل علامہ ابن نجیم اور علامہ حموی کی عبارت پیش کی ہے،علامہ ابن نجیم نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص پانی میں ڈوب کر مرجائے اوراس کو پانی سے نکالا جائے تو ایسی صورت میں اس غریق میت کو تین مرتبہ پانی میں ڈبکی دے دی جائے،تب غسل کا اعتبار ہوگا،ورنہ نہیں،(الاشباہ والنظائر،ص:۱۷)

☆ اس عبارت کے حاشیہ میں علامہ حموی لکھتے ہیں:

قال الحموی: وقد يفرق بينهما بان غسل الميت متعلق بفعل المكلفين من جانب الشارع ولم يوجد۔(شرح الاشباہ والنظائر للحموی،ص:۱۷)

(ج) کورکو پورا کفن نہیں مانا جائے گا (قائل: مفتی محمد عثمان)

سوال:۳۰۔اگر کرونا میت کی بغیر نماز جنازہ تدفین کے بعد گھر والوں کو اس کی اطلاع دی جائے تو ایسی صورت میں بعد تدفین قبر کے پاس نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

رائے: نعش کے پھولنے اور پھٹنے سے پہلے تک قبر کے پاس نماز جنازہ ادا کرنا جائز ہے، البتہ پھولنے اور پھٹنے کے بعد نماز پڑھنا جائز نہیں ہوگا۔

قائلین: مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مفتی شکیل منصور القاسمی، مولانا خواجہ معین الدین اکرمی ندوی، مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مفتی نذیر احمد کشمیری، مولانا محمد ادریس الرحمٰن کشمیری، مولانا اکرام احمد ندوی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا نصر اللہ ندوی، مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، مفتی محمد زید مظاہری ندوی۔

دلائل:

رسول اللہ ﷺ سے تدفین کے بعد جنازہ کی نماز پڑھنا ثابت ہے:

☆ صلى على قبرامرأة قد دفنت (صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب الصلاة على القبر، حديث نمبر: ٩٥٥)

☆ عن عقبة بن عامر أن النبى ﷺ خرج يوما فصلى على أهل أحد صلاته على الميت ثم انصرف إلى المنبر فقال: إنى فرط لكم وأنا شهيد عليكم (بخارى، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهيد)

☆ قال الشعبى أخبرنى من مرمع النبى ﷺ على قبر منبوذ فأمهم وصفوا عليه (بخارى، كتاب الاذان، باب وضوء الصبيان ومتى يجب عليهم الغسل)

☆ عن سعيد بن المسيب :أن أم سعد ماتت والنبى ﷺ غائب فلما قدم صلى عليها۔

(سنن الترمذى، ابواب الجنائز، باب ماجاء فى الصلاة على القبر، حديث نمبر: ١٠٣٨)

فتح الباری میں ہے:

☆ قال ابن المنذر قال بمشروعيته الجمهور ومنعه النخعي ومالك وأبوحنيفة وعنهم إن دفن قبل أن يصلى عليه شرع وإلا لا ۔(فتح البارى، ج٣، ص: ٤٤٨)

☆ وإن لم يمكن بان دفن قبل الغسل ولم يمكن اخراجه الا بالنبش تجوز الصلاة على قبره للضرورة، ولو صلى قبل الغسل تعاد الصلاة لفساد الاوّلى هكذا فى التبيين۔(الفتاوى الهندية ج١، ص: ١٦٣)

☆ ولم يقيد المصنف المدة لان الصحيح ان ذلك جائز الى ان يغلب على الظن تفسخه والمعتبر فيه اكبرالرائى على الصحيح من غير تقدير بمدة۔ (البحر الرائق، ج٢، ص: ١٩٦)

وإن دفن واهيل عليه التراب بلاصلاة او بها بلا غسل او ممن لا ولاية له ﷺصلى على قبره استحسانا ما لم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير هوالاصح۔(درمختارمع الرد، ج٣، ص: ١٢٥)

علامہ ابن رشد فرماتے ہیں:

☆ واتفق القائلون بإجازة الصلاة علـى القبر أن من شرط ذلك حدوث الدفن وهولاء اختلفوا فى هذه المدة وأكثرها شهر.
(بداية المجتهدو نهاية المقتصد) ج ۱،ص:۲۵۲)

سوال:۴ ا۔ گرمیت کی تدفین کی اطلاع ملے اور قبر کی جگہ معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

جواب:

(الف) اس صورت میں بھی غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت ہوگی۔

قائلین: مولانا شاہجہاں ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا خواجہ معین الدین اکرمی ندوی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مفتی نذیر احمد کشمیری، مولانا اکرام احمد ندوی، مولانا نصر اللہ ندوی۔

دلائل:

رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی ہے۔ (صحیح البخاری)

☆ حق المسلم على المسلم خمس :ردالسلام وعيادة المريض واتباع الجنائز(صحيح البخاری)

☆ إذا مـات الـمسلم ببلد من البلدان وقد قضى حقه من الصلاة عليه فانه لايصلى عليه من كان ببلد آخر غائبا عنه، فإن علم انـه لـم يـصـل عليه لعائق او مانع عذر كان السنة ان يصلى عليه ولا يترك ذلك لبعد المسافة فاذا صلوا عليه استقبلوا القبلة ولم يتوجهوا الى بلد الميت ان كان فى غير جهة القبلة۔ (عمدة القاری،ج۸،ص:۲۲)

بعض مقالہ نگاران نے ابن قیم کی عبارت اور اس کے حاشیہ میں شعیب ارناؤط کی عبارت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

متعدد مقالہ نگاران نے یورپی افتاء کونسل کا حوالہ دیا ہے۔

بعض مقالہ نگاران نے علامہ خطابی کی معالم السنن اور زاد المعاد کا بھی حوالہ دیا ہے۔

مفتی نذیر احمد کشمیری لکھتے ہیں:

اس صورت حال میں حنفیہ کے مسلک کے مطابق تو غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا درست نہیں، اور اس میں شک نہیں کہ یہ موقف دلائل کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے، مگر اس مخصوص صورتحال میں دیگر ائمہ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے اور نجاشی کے جنازہ کو مقیس علیہ بنا کر اس میت پر جنازہ پڑھنا درست ہونا چاہیے، یہ غائبانہ نماز میت کے پسماندگان کے لیے بہت اہم وجہ تسکین بھی ہوگی جس کی ان کو شدید ضرورت ہوتی ہے، اور یہ اس لیے کہ پسماندگان شرعی طور پر تکفین وتجہیز اور جنازہ وتدفین کر کے یک گونہ سکون محسوس کرتے ہیں، مگر جب میت کا نہ کفن ہو نہ جنازہ ہو، نہ مقام تدفین معلوم ہو تو ان کو زندگی بھر ایک خلش، حسرت اور افسوس رہتا ہے، اب یہ غائبانہ نماز جنازہ ان کے لیے کسی نہ کسی درجہ وجہ تسکین بن جاتی ہے، اگر یہ جنازہ ادا نہ بھی ہوا تو بھی میت کے لیے دعائے مغفرت ضرور ہوگا، اس صورت حال میں یہ غائبانہ جنازہ کسی امر ممنوع کا ارتکاب نہیں ہے، بلکہ صرف ایسا عمل ہوگا جو اگر حقیقی جنازہ کی ادائیگی قرار نہ پائے مگر یہ کسی گناہ کا صدور بھی نہیں کہلائے گا، خصوصا جب کہ غائبانہ جنازہ پڑھنے کا عمل چاہے ایک مرتبہ خود شارع اسلام سے ثابت ہے تو گناہ ہو ہی نہیں سکتا۔

(ب) اس صورت میں نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، البتہ میت کے لیے دعا واستغفار کا اہتمام کیا جائے گا۔

قائلین: مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی، مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی شکیل منصور القاسمی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مفتی محمد عثمان، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا محمد ادریس الرحمٰن کشمیری، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، مفتی محمد زید مظاہری ندوی۔

دلائل:

☆ وشرطها أيضا حضوره (ووضعه) وكونه هو او اكثره (أمام المصلى)

☆ قوله وشرطها اى شرط صحتها وهى سترالعورة وحضور الميت وكونه او اكثره أمام المصلى (ردالمحتار، ج۲، ص:۲۰۷)

☆ ومن الشروط حضورالميت ووضعه وكونه أمام المصلى فلا تصح على غائب۔ (الفتاوى الهندية، ج۱، ص:۱٦٤)

☆ اما الصلاة على الغائب فلم تثبت الا واقعة النجاشى اما واقعة ابن معاوية الليثى فاختلفوا فيها والظاهر انه منكر فاذا لم تثبت تلك الصلاة فى عهدالنبى مع أن كثيرا من المسلمين ماتوا فى دارغربة فى عهده ﷺ ناسب ان تختم بعهدالنبى ﷺ ولا سيما اذا لم يجر عليها توارث الامة ايضا، بخلاف الصلاة على القبر فان بعضهم عملوا بها فيمابعد ايضا۔ (فيض البارى، ج۲، ص:٤٦٩)

مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی لکھتے ہیں:

ذخیرہ احادیث میں شاہ حبشہ حضرت نجاشی رحمہ اللہ کی موت پر رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کو جمع کرنا اور غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے، ایک دو واقعات اور بھی ذکر کئے جاتے ہیں، مگر حنفیہ کے یہاں یہ تمام واقعات لغوی صلاۃ یعنی دعا پر محمول ہیں، یا ان تمام میں کشف میت کیا گیا ہے، جیسا روایات سے ثابت ہے،......اس لیے ان واقعات پر قیاس کر کے غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت نہیں دی جائے گی، کیوں کہ ان تینوں واقعات کے علاوہ بہت سی ایسی اموات ہوئیں جو بجا طور پر اس بات کی زیادہ مستحق تھیں کہ ان کی نماز جنازہ پڑھی جائیں، مگر غائبانہ ہونے کی وجہ سے نہیں پڑھی گئیں، اصحاب بئر معونہ اور اصحاب رجیع زمانہ نبوی کے ان ہی واقعات میں سے ہیں۔

مفتی راشد حسین ندوی کے نزدیک جذبات غالب ہونے کی صورت میں فقہ شافعی پر عمل کرنے کی گنجائش ہوگی، وہ لکھتے ہیں:

قبر کا پتہ نہ چلنے کی صورت میں بھی احناف کے یہاں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت نہیں ہے، مفتی بہ قول یہی ہے، لیکن اگر متعلقین پر جذبات کا غلبہ ہو تو مسلک شافعی پر عمل کرتے ہوئے پڑھ سکتے ہیں، مجتہد فیہ مسئلہ میں بہت شدت اختیار کرنا مناسب نہیں۔

مفتی محمد عثمان کی رائے یہ ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ کی مشروعیت میں اختلاف ہے، لہٰذا اختلاف کی وجہ سے یہ حکم ناجائز اور حرام نہیں ہے، اس لیے اگر کوئی شافعی یا حنبلی یا اہل حدیث غائبانہ نماز جنازہ پڑھے اور احناف اس کی اقتداء میں پڑھ لیں تو اس کی گنجائش ہے۔

بعض مقالہ نگاران نے یہ رائے دی ہے کہ ملی تنظیموں کی جانب سے کوشش کی جائے کہ تدفین کی اجازت مل جائے، تاکہ اسی دن یا دوسرے دن نماز ادا کی جاسکے، اجازت نہ ملنے کی صورت میں یہ قدرت واستطاعت سے خارج ہے۔

سوال:۵۔کیا کرونا سے انتقال کرنے والے مسلمان شہید کہلائیں گے؟

جواب:

کرونا سے انتقال کرنے والے شہید شمار کیے جائیں گے،اور یہ شہادت معنوی ہوگی۔

قائلین:مولانا شاہجہاں ندوی،مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی،حافظ کلیم اللہ عمری،مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی،مولانا اختر امام عادل قاسمی،مفتی محمد اشرف قاسمی،مفتی انورعلی اعظمی،مولانا محمد ممتاز خان ندوی،مفتی راشد حسین ندوی،،محمد صابر حسین ندوی،مفتی شکیل منصور القاسمی، مولانا خواجہ معین الدین اکرمی ندوی،مفتی محمد عثمان،خورشید احمد اعظمی مدنی،مولانا ولی اللہ مجید قاسمی،مفتی نذیر احمد کشمیری،مولانا محمد ادریس الرحمٰن کشمیری،مولانا اکرام احمد ندوی،مفتی اقبال احمد قاسمی،مولانا نصر اللہ ندوی،مفتی رفیق احمد بالاکوٹی،مفتی محمد زید مظاہری ندوی۔

دلائل:

کرونا طاعون کی طرح ایک وبائی مرض ہے،اور طاعون کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد موجود ہے:

☆ من قتل فی سبیل الله فهو شهید ومن مات فی سبیل الله فهوشهید ومن مات فی الطاعون فهو شهید ومن مات فی البطن فهو شهید والغریق شهید۔(صحیح مسلم،کتاب الامارة،باب بیان الشهداء، حدیث نمبر:۱۹۱۵)

☆ عن ابی هریرة ان النبی ﷺ قال :الشهداء خمسة:المطعون والمبطون والغرق وصاحب الهدم والشهید فی سبیل الله۔(صحیح البخاری،کتاب الجهاد،باب الشهادة سبع سوی القتل،حدیث نمبر:۲۸۳۰)

طاعون کی طرح کرونا سے مرنے والا بھی حکمی شہید کے درجہ میں ہوگا۔

☆ عن عائشة رضی الله عنها زوج النبی ﷺ قالت: سالت رسول الله ﷺ عن الطاعون فاخبرنی انه عذاب یبعثه الله علی من یشاء وإن الله جعله رحمة للمؤمنین، لیس من احد یقع الطاعون فیمکث فی بلده صابرا محتسبا یعلم انه لایصیبه الا ماکتب الله له کان مثل أجر شهید.

(الجامع الصحیح للبخاری،ج۳،ص:۱۲۸۱)

☆ عن عائشة ان رسول الله ﷺ قال: لا تفنی امتی الا بالطعن والطاعون، قلنا: یارسول الله قد عرفنا الطعن فما الطاعون؟قال غدة کغدة الإبل، المقیم بها کالشهید والفار منها کالفار من الزحف، قال حسین سلیم : إسناده حسن.

(مسند احمد بن حنبل،ج۳،ص:۳۵۲،حدیث نمبر:۱٤۸۳۵)

متعدد علماء نے طاعون کا مطلب وباء سے بیان کیا ہے،مثلا علامہ عینی لکھتے ہیں:

☆ أی الذی یموت فی الطاعون أی الوباء. (ارشادالساری شرح صحیح البخاری،ج۲،ص:۲۹)

☆ هوالذی یموت فی الطاعون ای الوباء ولم یردالمطعون بالسنان لانه الشهید فی سبیل الله والطاعون مرض عام فیفسد له الهواء فتفسد الأمزجة والأبدان. (عمدة القاری،ج۵،ص:۱۷۱)

☆☆☆☆

محور ششم: کرونا ویکسین سے متعلق مسائل

منور سلطان ندوی
(رفیق علمی مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء)

سوال: ا۔ الکوحل آمیز سینیٹائزر کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب:

(الف) الکوحل آمیز سینیٹائزر کا استعمال مطلقا درست ہے۔

قائلین: مولانا ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مفتی شکیل منصور القاسمی، مولانا خواجہ معین الدین اکرمی ندوی، مفتی محمد عثمان، مولانا خورشید احمد اعظمی، ولی اللہ مجید قاسمی، مفتی نذیر احمد کشمیری، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا نصر اللہ ندوی۔

دلائل:

☆ ما أسكر كثيره فقليله حرام۔(سنن ابی دائود، سنن ترمذی)

☆ كل شراب اسكر فهو حرام۔(صحيح البخاری، كتاب الأشربة، باب الخمر من العسل، حديث نمبر:۵۵۸۶)

بعض مقالہ نگاران نے مولانا ناظم ندوی کی کتاب کورونا وائرس عالمی وبا اور مسلمان، ص:۸۵ کا حوالہ دیا ہے۔

☆ مولانا ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی لکھتے ہیں:

خارجی استعمال کی بہت سی چیزوں میں الکوحل کی بڑی مقدار شامل کی جاتی ہے، مثلا صفائی ستھرائی کا سامان، رنگ وروغن کا سامان، ہوا کی صفائی والے اسپرے وغیرہ، فقہاء نے ایسی چیزوں کا استعمال جائز قرار دیا ہے، ان میں چاہے جتنی مقدار میں الکوحل کی آمیزش ہو۔

☆ مولانا نذیر احمد کشمیری لکھتے ہیں:

تحقیق کے نتیجہ میں واضح ہوتا ہے کہ ہر قسم کے سینٹائزر میں استعمال ہونے والا الکوحل یہ دوسری قسم کا ہے، اس لیے بلاتردد آج کل استعمال ہونے والا یہ سینیٹائزر اور قسم قسم کے جراثیم کش اسپرے پاک ہیں، اسپرے جو عموما روغن اور فرش وفروش کی صفائی میں استعمال ہوتے ہیں، اس لیے ضرورت شدیدہ، عموم بلوی کی وجہ سے حضرات شیخین کی رائے کے مطابق پاک ہیں، بلکہ اس پورے عالم اسلام میں عملا اس پر پوری طرح اجماع ہے۔

(ب) انگور، منقی اور کھجور کے علاوہ دیگر اشیاء سے تیارہ شدہ سینٹائزر کا استعمال درست ہے، اور انگور، کشمش یا کھجور سے تیار شدہ الکوحل کی

آمیزش ہوتو وہ ناپاک ہوگا، اور اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔

قائلین: مفتی راشد حسین ندوی، مفتی محمد جعفر ملی، مولانا محمد ادریس الرحمٰن کشمیری، مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، مفتی محمد زید مظاہری۔

دلائل

☆ وأما غير الأشربة الأربعة فليست نجسة عند الإمام أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ و بهذا يتبين حكم الكحول المسكرة (Alcohals) التى عمت بها البلوى اليوم فانها تستعمل فى كثير من الادوية والعطور والمركبات الاخرى فانها ان اتخذت من العنب أو التمر فلا سبيل الى حلتها او طهارتها وان اتخذت من غيرهما فالامر فيها سهل على مذهب ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ ولا يحرم استعمالها للتداوى او لاغراض مباحة اخرى مالم تبلغ حد الإسكار لانها انما تستعمل مركبة مع الموادالاخرى ولايحكم بنجاستها اخذا بقول ابى حنيفة۔(تكملة فتح الملهم،ج٣،ص:٦٠٨،كتاب الاشربة، حكم الكحول المسكرة)

☆ أما مستهلكة مع دواء آخر فيجوز التداوى بها كصرف بقية النجاسات ان كان عرف او اخبره عدل طب بنفعها وتعينها بان لايغنى عنها طاهر۔(تحفة المحتاج، ج٤، ص:٩١٥٨)

بعض مقالہ نگاران نے اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلے کا حوالہ دیا ہے، اور بعض نے مولانا عبیداللہ اسعدی کی کتاب کا حوالہ بھی دیا ہے۔

سوال:۲۔کرونا ویکسین لگوانے کا حکم کیا ہے؟ واجب یا مباح؟

جواب:

(الف) ویکسین لگوانا مباح ہے۔

قائلین: مولانا ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی شکیل منصور القاسمی، مولانا خواجہ معین الدین اکرمی ندوی، مفتی محمد عثمان، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مفتی نذیر احمد کشمیری، مولانا محمد ادریس الرحمٰن کشمیری، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا نصراللہ ندوی، مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، مفتی محمد زید مظاہری ندوی۔

دلائل:

☆ يا عباد الله تداوو، إفان الله لم يضع داء إلا وضع له شفاء، إلا دواء واحد، قالوا يارسول الله! وماهو؟قال: الهرم. (سنن أبى داؤد، حديث نمبر:٣٨٥٥)

☆ إن الله أنزل الداء والدواء وجعل لكل داء دواء، فتداووا ولاتتداووا بحرام۔(سنن أبى داؤد، كتاب فى الطب،باب الأمرفى الادوية المكروهة،حديث نمبر:٣٨٧٤)

☆ وأما التداوى فليس بواجب عند جماهيرالائمة وإنما أوجبه طائفة قليلة كما قال بعض أصحاب الشافعى وأحمد. (الفتاوى الكبرى، ج٣،ص:٧)

☆ الاشتغال بالتداوى لابأس به إذا اعتقد أن الشافى هوالله تعالى، وأنه جعل الدواء سببا. (الفتاوى الهندية، ج٥،ص:٣٥٤)

☆ حضرت تھانویؒ نے طاعون سے بچنے کے لیے پیشگی ٹیکہ لگانے کو جائز کہا ہے۔(امدادالفتاوی، ج۹ص:۴۶۶)

☆ اختلف فی التداوی بالمحرم وظاهرالمذهب المنع كما فی رضاع البحر لكن نقل المصنف ثمه وهنا عن الحاوی: وقيل يرخص اذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما رخص الخمر لعطشان وعليه الفتوی۔

☆ (قوله اختلف فی التداوی بالمحرم)ففی النهاية عن الذخيرة :يجوز ان عليه فيه شفاء ولم يعلم دواء آخر، وفی الخانية فی معنی قوله عليه الصلاة والسلام "ان لله لم يجعل شفاء كم فيما حرم عليكم" كما رواه البخاری ان ما فيه شفاء لا بأس به كما يحل الخمر للعطشان فی الضرورة وكذا اختاره صاحب الهداية فی التجنيس۔(الدرالمختاروحاشية ابن عابدين،ج۱،ص:۲۱۰)

مفتی محمدزید مظاہری ندوی لکھتے ہیں:

جب بیماری لاحق ہونے کے بعد علاج کرنا واجب نہیں بلکہ مباح ہے تو بیماری لاحق ہونے سے پہلے حفظ ماتقدم کے طور پر یعنی پیشگی علاج یعنی ویکسین لگوانا بدرجہ اوّلی واجب نہیں بلکہ مباح ہوگا،البتہ گورمنٹ نے اگر ایسا کوئی قانون بنادیا ہو جس کی وجہ سے خاص موقعوں میں کرونا ویکسین لگوانے کو ضروری قرار دیا گیا ہو،ایسی صورت میں گورمنٹ کے قانون کے مطابق عمل کرنا ضروری ہوگا،ایسی صورت میں اوراس عارض کی بناء پر ویکسین لگوانا بھی واجب ہوجائے گا ظاہراً لا باطناً۔

(ب)بعض مقالہ نگاران نے یہ تفصیل بھی ذکر کی ہے کہ اگر ویکسین میں حرام حیوانی اجزاء استعمال کئے گئے ہوں اوران میں کیمیکل اجزاء کے ذریعہ تبدیلی پیدا ہوگئی ہو تو اس کا استعمال جائز ہے،لیکن اگر ماہیت تبدیل نہیں ہوئی ہے،مگر ماہر اطباء کی تحقیق کے مطابق اس کا استعمال ضروری ہو تب بھی اس کا استعمال جائز ہوگا۔

مفتی شکیل منصور القاسمی نے کرونا ویکسین لگانے کے مختلف مدارج کا ذکر کرتے ہوئے ہر درجہ کا الگ حکم تحریر کردیا ہے،وہ لکھتے ہیں:

الف: اگر ویکسین حرام وناپاک چیز پر مشتمل نہ ہو اور ماہر اطباء اس کی افادیت اور نافعیت کی اور جسم انسانی کے لیے مضرت رساں نہ ہونے کی تصدیق کردیں تو ایسی ویکسین احتیاطی تدابیر کے طور پر عام لوگوں کو لگوانا جائز ہوگا اور ڈاکٹر مریض کے لیے تشخیص کردیں تو واجب ہوگا۔

ب: ویکسین میں حرام وناجائز چیزوں کی آمیزش نہ ہونے کا یقین یا گمان غالب تو ہو لیکن ماہر اطباء یا معتبر طبی تحقیق کے مطابق وہ جسم وصحت انسانی کے لیے ضرر رساں ثابت ہوتی ہو تو ایسی ویکسین لگوانا جائز نہ ہوگا۔

ج: ویکسین کے اجزاء ترکیبی خنزیر وخمر وغیرہ کے گوشت کے جلاٹین پر مشتمل ہوں،لیکن جلاٹین کی ماہیت تبدیل ہوگئی ہو اور ماہر اطباء اس کی افادیت کی تصدیق کردیں تو پھر دیکھا جائے گا کہ مباح اجزاء پر مشتمل والی کوئی متبادل ویکسین دستیاب ہے یا نہیں؟ حلال متبادل کی دستیابی کی صورت میں اس حرام آمیزش والی ویکسین کا استعمال جائز نہ ہوگا،لیکن حلال ویکسین کی عدم دستیابی کی صورت میں مجبوراً بطور دواء وعلاج بقدر ضرورت حرام اجزاء ملی انجکشن استعمال کی گنجائش ہوگی،اگر ماہر اطباء کہہ دیں جان کا تحفظ اس پر منحصر ہے تو اب ویکسین لگوا کر جان بچانا واجب ہوگا۔

د: ویکسین حرام ونجس چیزوں پر مشتمل ہو اور ماہر اطباء اس کی افادیت کی تصدیق نہ کریں،صحت انسانی کے لیے مضر ہو،تو ایسی ویکسین کا استعمال جائز نہ ہوگا۔

مفتی اقبال احمد قاسمی نے مرض سے بچاؤ کے لیے ویکسین لگوانے اور مرض کے بعد بطور دوا ویکسین لگوانے میں فرق کیا ہے،وہ لکھتے ہیں:

مرض سے بچاؤ کے لیے ویکسین کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی ماہر دیندار ڈاکٹر اس بات کی تصدیق کردے کہ یہ مضر صحت نہیں ہے،اور تجربہ سے اس کا

مفید ہونا ثابت ہوجائے نیز اس میں کوئی حرام یاناپاک چیز بھی نہیں ملی ہوئی ہو،تب اس کا لگانا جائز ہے، لیکن اس کے لیے کسی کومجبور کرنا جائز نہیں ہے،اوراگرحرام اجزاء یاناپاک چیز ملی ہوئی ہوتواس صورت میں پیشگی علاج کےطور پراس کااستعمال جائز نہیں ہوگا۔

اگر کروناوائرس کاانجکشن مریض کی دوا کے لیے ہواورکوئی ماہردیندارڈاکٹراس بات کی تصدیق کردے کہ یہ مضرصحت نہیں ہے،اورنہ ہی اس میں حرام اجزاء شامل ہیں،تومریض کے علاج کے لیے اس کولگانا جائز ہے،اوراگراس میں حرام اجزاء شامل ہیں تواس صورت میں اگر مسلمان ماہردین دارطبیب یہ کہہ دے کہ اس بیماری کاعلاج کسی حلال چیز سے ممکن نہیں ہے بلکہ یہی حرام اجزاءملی دواضروری ہے،اورتجربہ سے اس کامفید ہوناثابت ہوجائے تومجبوراًبطوردواوعلاج بقدرضرورت حرام اجزاءملی دوااستعمال کی گنجائش ہوگی ورنہ نہیں۔

☆☆☆☆

محور ہفتم: کروناوائرس کے پھیلاؤ کو روکنے سے متعلق اسلامی ہدایات

محمد نصر اللہ ندوی
استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
رفیق علمی مجلس تحقیقات شرعیہ

سوال: ۱۔ وباء کے دفعیہ کے لیے اذان دی جاسکتی ہے؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاروں کی دوطرح کی آراء ہیں:

ایک رائے یہ ہے کہ وباء کے دفعیہ کے لیے اذان کا ثبوت روایات سے نہیں ملتا ہے، اس لیے اذان دینا مناسب نہیں ہے۔

اس رائے کے حاملین میں حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری، مفتی نذیر احمد کشمیری، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا صابر حسین ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی اقبال ٹنکاروی، مفتی انور علی، ڈاکٹر محمد علی ندوی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی ہیں۔

ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

☆ قرآن وسنت، حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام سے وباء کے موقع پر اذان دینے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

☆ حضرات فقہاء احناف نے نماز کے علاوہ جن مواقع پر اذان دینے کو مستحب یا جائز قرار دیا ہے، ان میں بھی طاعون یا اس جیسی کسی اور وباء کے وقت اذان دینے کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔

☆ حضرات صحابہ کرام کے دور میں بھی نہایت شدید طاعون آیا، لیکن اس وباء کے موقع پر ان سے انفرادی یا اجتماعی اذان دینے یا اذان کی ترغیب دینے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اکثر مقالہ نگاروں نے اس خدشہ کا اظہار کیا ہے کہ عام طور پر عوام سنت، مستحب، مباح اور بدعت کے درمیان فرق نہیں کرپاتے ہیں، اس لیے اندیشہ ہے کہ اگر اذان کی اجازت دے دی جائے تو وہ اس کو اتنا رواج دیں گے کہ آخر کار وہ بدعت کی شکل اختیار کرلے گی، اس کو روکنا ہی بہتر اور قرین مصلحت ہے۔

بعض لوگوں نے چند شرطوں کے ساتھ اذان کی اجازت دی ہے، مثلاً:

☆ اس عمل کے سنت یا مستحب ہونے کا اعتقاد نہ ہو۔

☆ اس کو لازم اور ضروری سمجھ کر نہ کیا جائے۔

☆ مساجد میں یہ اذان نہ دی جائے

☆ اس کے لیے کسی مخصوص ہیئت اور اجتماعی کیفیت کا التزام نہ کیا جائے۔
اس رائے کے حاملین میں: مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی شکیل منصور القاسمی اور مولانا اختر امام عادل قاسمی شامل ہیں۔
ان حضرات کا خیال یہ ہے کہ احناف کے یہاں اس سلسلہ میں کوئی قول منقول نہیں ہے، لیکن فقہاء شوافع نے بعض احادیث کی بنیاد پر اس کو مستحب قرار دیا ہے، متاخرین حنفیہ نے بھی اس کے مطابق اجازت دی ہے، جن روایات سے شوافع نے استدلال کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

☆ حضور ﷺ نے ایک موقع پر حضرت علی کو بے حد غمگین دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ علی: تمہارے اہل خانہ میں سے کوئی تمہارے کان میں اذان دے، اس لیے کہ اذان رنج وغم کا علاج ہے، چنانچہ بہت سے اکابر نے اس کا تجربہ کیا اور اپنے حق میں مفید پایا۔

☆ ایک اور روایت میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا گیا ہے کہ کسی انسان یا جانور میں بدتمیزی اور شرارت دیکھو تو اس کے کان میں اذان دو۔ (کنز العمال: ۵۰۰۱، ۴۱۶۶۲)

متاخرین حنفیہ نے بھی ان احادیث کی بنیاد پر فقہ شافعی کے مطابق اذان دینے کو مستحب قرار دیا ہے، مذکورہ احادیث گو صحت کے لحاظ سے بلند پایہ نہیں ہیں، لیکن فضائل اعمال میں حدیث ضعیف سے بھی استدلال درست ہے، خصوصاً ایسے امور میں جن میں مذہب میں کوئی مخالف قول موجود نہ ہو۔

البتہ مذکورہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک اتفاقی امر تھا، اس لیے اس کو لازمی معمول نہ بنایا جائے اور نہ اس کو سنت قائمہ کا درجہ دیا جائے۔ (دیکھئے مقالہ: مولانا اختر امام عادل قاسمی)
مفتی محمد زید مظاہری ندوی مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

☆ آج کل بعض علماء کو اس کے بدعت ہونے میں شبہ پڑ گیا، حالانکہ یہ یقیناً بدعت ہے، اور اس کی کچھ اصلیت نہیں، یہ صرف اختراع ہے۔ (حسن العزیز: ۳/ ۲۸)

☆ دوسری رائے یہ ہے کہ وباء کے دفعیہ کے لیے اذان دینا درست ہے، اس رائے کے حاملین: ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی محمد اشرف قاسمی، اور مفتی ممتاز خاں ندوی ہیں۔
ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

☆ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کے کان میں اذان دینا مشروع ہے، عہد نبوت سے آج تک مسلمانوں کا اس پر تعامل ہے، اس سے ثابت ہوا کہ نماز کے علاوہ بھی اذان دے سکتے ہیں۔

☆ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: إذا أذن فی قریة أمنها الله من عذابه فی ذلك اليوم۔ (المعجم الکبیر، حدیث: ۷۴۶)

☆ أيما قوم نودی فيهم بالأذان صباحاً، إلا كانوا فی أمان الله حتى يمسوا، وأيما قوم نودی فيهم بالأذان مساءاً، إلا كانوا فی أمان الله حتى يصبحوا۔ (الترغیب والترہیب ۱/ ۱۱۳)
مفتی عثمان بستوی لکھتے ہیں:

جب معاشرہ اور ملکی حالات تھالی اور تالی کی طرف لے جارہے ہوں، تو ایسے حالات میں جاہل اور دین سے بے خبر امت کو اللہ کے ذکر کی دعوت دینا، خصوصاً ایسے اذکار کی جن کو دفع بلاء میں مؤثر مانا گیا ہو، اس کی افضلیت سے انکار کی کوئی وجہ نہیں، ابتلاء بدعت میں خطرہ اخف ہے اور اہون ہے، شرک وکفر کے خطرہ سے، لہٰذا دفع بلیہ کے لیے اذان اگرچہ مسنون نہ ہو، لیکن اس کے جواز میں کلام نہیں اور دیگر مصالح کے پیش نظر افضل اور بہتر بھی ہوسکتی ہے۔

سوال:۲۔ دفع وباء کے لیے اجتماعی نماز اور اجتماعی دعاء کا اہتمام کرنا کیسا ہے؟

اس سلسلہ میں ڈاکٹر شاہجہاں ندوی اور مفتی عثمان بستوی کے علاوہ تمام مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ ایسا کرنا درست نہیں ہے، دونوں حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

مفتی عثمان بستوی لکھتے ہیں:

☆ جب کوئی مصیبت اور آفت پیش آجائے تو اجتماعی دعا کا اہتمام ثابت ہے اور شریعت میں اس کے نظائر بھی موجود ہیں، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا يجتمع ملأ فيدعو يعضهم ويؤمن سائرهم إلا أصابهم الله۔ (حیاۃ الصحابہ ۳/ ۴۶۵، مجمع الزوائد ۱۰/ ۱۷۰)

☆ اسی طرح استسقاء کے موقع پر آپ ﷺ کا اجتماعی طور پر صرف دعا کرنا بھی ثابت ہے، نیز حضرت عمرؓ کا بھی استسقاء کے لیے اجتماعی طور پر دعا کرنا ثابت ہے۔ (حیاۃ الصحابہ ۳/ ۴۶۴)

ڈاکٹر مفتی شاہ جہاں ندوی لکھتے ہیں:

دفع وباء کے لیے انفرادی دعا بھی کی جاسکتی ہے، اور اجتماعی دعا بھی کی جاسکتی ہے، علامہ ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں:

☆ ولا شك أن الطاعون من قبيل عموم المرض فتسنّ له ركعتان فرادى فإن قلت: هل يشرع الاجتماع للدعاء برفعه؟ قلت: هو كخسوف القمر، وقد قال فی" خزانة المفتيين" والصلاة فی خسوف القمر تؤدى فرادى، وكذلك فی الظلمة والريح والفزع، لا بأس بأن يصلوا فرادى ويدعون ويتفرعون إلى أن يزول ذلك انتهى، فظاهره أنهم يجتمعون للدعاء والتضرع، لأنه أقرب إلى الإجابة۔ (الأشباہ والنظائر: ۳۸۳)

جو لوگ اجتماعی دعا کے قائل نہیں ہیں، ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

☆ مصیبت، پریشانی اور خطرات کے موقع پر حضور ﷺ سے نماز کا اہتمام تو ثابت ہے، لیکن اس کے لیے اجتماعی نماز کا ثبوت نہیں ہے، اور نہ ہی اجتماعی دعا کا کوئی تذکرہ ملتا ہے۔

☆ صحابہ کرام کے عہد میں طاعون کی وباء پھیلی مگر ان سے دفع طاعون کے لیے نہ اجتماعی نماز کا ثبوت منقول ہے اور نہ ہی اجتماعی دعا یا اذان کی مشروعیت ثابت ہے، غزوہ بدر کے موقع پر آپ ﷺ سے تنہا دعا میں مشغول ہونا منقول ہے، یا مصائب کے ازالہ کے لیے قنوت نازلہ کا ثبوت ہے۔

☆ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

فليس الدعاء برفع الوباء ممنوعا، وأما الاجتماع له كما فی الاستسقاء فبدعة، أنه لو كان مشروعا ما خفى على أهل السلف، ثم على فقهاء الأمصار وأتباعهم فی الأعصار الماضية، فلم يبلغنا فی ذلك خبر ولا أثر عن المحدثين، ولا فرع

مسطور عن أحد من الفقهاء، وألفاظ الدعاء وصفات الداعي لها خواص وأسرار يختص بها كل حادث بما يليق، والمعتمد في ذلك الاتباع، ولا مدخل للقياس في ذلك۔(**بذل الماعون في فضل الطاعون:۳۲۸-۳۳۰**)

☆ **علامہ شامی نے مختلف طرح کے وباء پھیلنے پر انفرادی نماز کا ذکر کیا ہے، تاہم کہیں بھی اجتماعی نماز اور دعاء کا ذکر نہیں ہے، وہ لکھتے ہیں:**

يصلي بالناس ركعتين، وان لم يحضر الإمام صلى الناس فرادى في منازلهم تحرزاً عن الفتنة۔ (كالخسوف للقمر) والريح الشديدة، أي وعموم الأمراض كالخسوف للقمر، أي حيث يصلون فرادى، سواء حضر الإمام أولا۔(ومنه الدعاء برفع الطاعون) فإذا اجتمعوا صلى كل واحد ركعتين ينوي بهما رفعه۔(**شامی ۱/۲۶۲-۲۶۳**)

☆ **عبادات میں اصل اتباع ہے، ابتداع نہیں۔**

عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله ﷺ: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد۔(**بخاری و مسلم**)

بعض مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ اگر لوگ انفرادی طور پر دعا کریں تو اس کی گنجائش ہے، روایت میں آتا ہے کہ آپ جب تیز ہوا، یا طوفان باد باراں کے آثار دیکھتے تو مسجد تشریف لے جاتے اور دعا و استغفار میں مشغول ہو جاتے، ظاہر ہے کہ آپ کی اتباع میں صحابہ بھی یہی کرتے ہوں گے، اس لیے اسوہ نبوی کو سامنے رکھتے ہوئے کسی وباء یا بلا کے موقع پر دعا و استغفار کرنا چاہئے، بالخصوص ماثور دعاؤں کا، انفرادی نمازیں پڑھی جائیں، اجتماعی نماز ثابت نہیں۔(دیکھئے مقالہ: مفتی اختر امام عادل قاسمی)

مفتی محمد زید مظاہری ندوی لکھتے ہیں:

کسی خاص مقصد کے لیے انفرادی و اجتماعی دعا کرنا جائز ہے، لیکن یہ جواز اس وقت تک ہے جب کہ احیاناً یعنی کبھی کبھی ہو، اعتیاداً و التزاماً نہ ہو یعنی لازمی طور پر اس کو معمول نہ بنالیا جائے، ورنہ بدعت کے دائرہ میں آجائے گا۔

البتہ ایسے موقع پر قنوت نازلہ پڑھنے کی گنجائش ہے، اسی طرح اگر اتفاقاً لوگ جمع ہو جائیں اور سب مل کر دعا کا اہتمام کریں تو یہ بھی شرعاً جائز ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يا أيها الذين آمنوا استعينوا بالصبر والصلاة، ان الله مع الصابرين۔(**البقرة:۱۵۳**)

سنن أبوداؤد میں ہے:

عن حذيفة قال: كان النبي ﷺ إذا حزبه أمر صلى۔(**ابوداؤد، باب قیام اللیل، حدیث:۱۳۱۹**)

☆☆☆☆

عرض مسئلہ

محور اوّل اور محور ہفتم

مولانا محمد ظفر عالم ندوی
(استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

الحمد لله رب العالمين والصلاة، والسلام على سيد المرسلين، أما بعد!

میرے ذمہ کرونا وباء سے متعلق مسائل کے محور اوّل اور محور ہفتم کا عرض مسئلہ ہے مجھے جو مقالات موصول ہوئے وہ ۳۲ ہیں، مقالہ نگاروں کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی (۲) ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی (۳) مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی (۴) حافظ کلیم اللہ عمری مدنی (۵) مولانا سلمان انور قاسمی (۶) مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی (۷) مولانا اختر عادل امام قاسمی (۸) مفتی محمد اشرف قاسمی (۹) مفتی انور علی اعظمی (۱۰) مفتی محمد ممتاز خان ندوی (۱۱) مفتی راشد حسین ندوی (۱۲) مفتی محمد طاہر (۱۳) مفتی عبید اللہ ندوی (۱۴) مفتی محمد صابر حسین ندوی (۱۵) مفتی شکیل منصور القاسمی (۱۶) خواجہ معین الدین اکرمی ندوی مدنی (۱۷) مفتی محمد عثمان بستوی (۱۸) مولانا خورشید احمد اعظمی (۱۹) مفتی ولی اللہ مجید قاسمی (۲۰) قاضی محمد حسن ندوی (۲۱) مفتی نذیر احمد کشمیری (۲۲) مفتی شمشیر حیدر قاسمی (۲۳) مولانا محمد ادریس الرحمٰن قاسمی (۲۴) مفتی مصطفیٰ عبد القدوس ندوی (۲۵) مولانا اکرام احمد ندوی (۲۶) مفتی اقبال احمد قاسمی (۲۷) الشیخ محمد احمد حسین (فلسطین) (۲۸) الدکتور محمد بن علی شفیق الندوی (۲۹) مولانا محمد نصر اللہ ندوی (۳۰) مفتی رفیق احمد بالاکوٹی (۳۱) مفتی محمد زید مظاہری ندوی۔

ذیل میں بالترتیب سوالات اور مقالہ نگاروں کی آراء، نکات اور بنیادی دلائل پیش ہیں۔

سوال: (۱) وباء کیا ہے؟ اور شریعت میں اس کے بارے میں کیا تصور ہے؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ وباء ایسی بیماری ہے جو تیزی کے ساتھ پھیلتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری آبادی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے، اور اکثر و بیشتر یہ جان لیوا بھی ہوتی ہے، اکثر مقالہ نگاروں نے وباء کی تشریح مستند کتب لغات کے حوالے سے کی ہے اور بعض حضرات نے شروح احادیث سے بھی حوالے دیئے ہیں، وباء سے متعلق ڈاکٹر محمد بن علی شفیق ندوی نے بڑی علمی اور تحقیقی گفتگو عرب علماء اور محققین کی تحقیقات کی روشنی میں پیش کی ہے، ان کے علاوہ دیگر مقالہ نگاروں نے بھی مختلف معاجم کے حوالے سے مدلل گفتگو کی ہے، مولانا خورشید اعظمی، خواجہ معین الدین اکرمی ندوی، مفتی محمد طاہر، مفتی شمشیر حیدر قاسمی وغیرہ نے معجم اللغۃ المعاصرۃ ۲۳۹۲/۳ کی درج ذیل عبارت پیش کی ہے:

”الوباء: كل مرض شديد العدوى، سريع الانتشار من مكان إلى مكان، يصيب الإنسان، والحيوان، والنبات، وعادة يكون قاتلا كالطاعون كثيرا ما تنتشر الأوباء بعد الحرب۔“ [معجم اللغة المعاصرہ ۲۳۹۲/۳]

ڈاکٹر محمد علی شفیق ندوی نے WHO کے ویب سائٹ کے حوالہ سے لکھا ہے: ”الوباء حالة انتشار المرض معين، حيث يكون عدد حالات الإصابة اكثر مما هو متوقع فى مجتمع محدد أو أكثر مساحة جغرافية معينة أو موسم أو مدة زمينة“ (موقع المنظمة الصحة العالمية)

انہوں نے اپنی تفصیلی گفتگو میں یہ بھی وضاحت کی ہے کہ طاعون وباء میں داخل ہے اور احادیث وشراح احادیث کے کلام سے تفصیلی دلائل بھی پیش کیے ہیں، اور کرونا وائرس کو طاعون کے زمرہ میں شامل کیا ہے۔

اس موضوع پر ایک اہم اور قیمتی مقالہ مسجد اقصی کے خطیب قدس اور دیار فلسطین کے مفتی اعظم شیخ محمد احمد حسین حفظہ اللہ کا بھی ہے، انہوں نے طاعون اور کرونا وائرس کی طبی اور شرعی حیثیت پر آیات اور روایات کی روشنی میں بڑی پر مغز بحث کی اور کرونا وائرس کو وباء اور طاعون میں شامل کیا اور اس کے دعوتی پہلو کو بھی اجاگر کیا ہے۔

مفتی راشد حسین ندوی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی اور مفتی شکیل وغیرہ نے امام نووی کی تحقیق پیش کرتے ہوئے شرح مسلم للنووی کی یہ عبارت درج کی ہے:

’’والصحيح الذى قاله المحققون: إن الوباء مرض الكثيرين من الناس فى جهة من الأرض دون سائر الجهات، ويكون مخالفاً للمعتاد من أمراض فى الكثير وغيرها، ويكون مرضهم نوعا واحدا بخلاف سائر الأوقات فإن أمراضهم فيها مختلفة۔‘‘

[شرح مسلم للنووی ۱۴/۲۰۴]

حاصل یہ کہ تمام مقالہ نگاروں کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ وباء ایک ایسی بیماری ہے جو تیزی کے ساتھ پھیلتی اور پوری آبادی کو اپنے لپیٹ میں لے لیتی ہے جس کے سبب بڑی ہلاکتیں وجود میں آتی ہیں اور کرونا وائرس بھی اسی وباء میں شامل ہے اور عالمی ادارہ صحت **WHO** کی طرف سے جو رپوٹیں آئی ہیں وہ بھی اسی کی تائید میں ہیں۔

وباء کے بارے میں شریعت میں کیا تصور ہے؟

اس بارے میں مقالہ نگاروں نے مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے، اکثر مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ قدرتی آفات انسانوں کے گناہوں کا نتیجہ ہوتی ہیں، مفتی محمد عثمان بستوی لکھتے ہیں کہ آیات وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وباء، عمومی امراض اور دیگر آفات وبلیات سب انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں، ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی لکھتے ہیں کہ دنیا میں جو آفتیں، مصیبتیں، بلائیں، اور متعدی امراض پیدا ہوتے ہیں، اور مرگ عام کا سبب بنتے ہیں جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ اور موجودہ دور میں کرونا وائرس یہ سب دراصل انسانی کرتوت کا نتیجہ ہوتے ہیں، مفتی محمد زید صاحب ندوی مظاہری نے وباء کے پھیلنے سے متعلق اسلامی تصور کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اور وبائی امراض کے آنے کے ظاہری وباطنی اسباب پر مختلف احادیث کی روشنی میں تفصیلات پیش کی ہیں اور بڑے اہتمام سے حوالہ جات درج کیے ہیں۔

وباء کے شرعی تصور کے سلسلہ میں دوسری رائے مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ بیماریاں اللہ کی طرف سے آتی ہیں جو نعمت بھی ہوتی ہیں اور زحمت بھی، مؤمن کے لیے درس عبرت اور کافر کے لیے تازیانہ عقوبت ہے۔

ایک تیسری رائے متعدد مقالہ نگاروں کی یہ ہے کہ وباء اور آفتیں عذاب الٰہی کے طور پر آتی ہیں تاہم ایک مؤمن کے لیے اس بات کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی بیماری مؤثر نہیں ہوسکتی، ہر چیز کے بارے میں اسلام کا تصور یہی ہے کہ اس کا خالق صرف اللہ ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے حکم کے تابع ہے اور اس کی منشاء کے بغیر کچھ نہیں ہوتا، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا شکیل منصور القاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، اور مولانا صابر حسین ندوی وغیرہ نے اپنے مقالات میں یہی بنیادی تصور پیش کیا ہے نیز ڈاکٹر مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی نے تقریباً یہی خیال اپنے مقالہ میں پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ وباء بھی دیگر مخلوقات کی طرح ایک مخلوق ہے اور حادث ہے، دراصل اللہ تعالیٰ اسے عذابِ الٰہی اور تنبیہ

الٰہی کی حیثیت سے دنیا میں رونما کرتا ہے اور لوگوں کے لیے آزمائش اور درس عبرت بناتا ہے، اس بارے میں ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کا خیال مختلف ہے، وہ اپنے مقالہ میں اس خیال کو پیش کرتے ہیں کہ کسی آفت کو عذاب الٰہی سے تعبیر کرنے کا حق صرف نبی اور رسول کو ہے کسی دوسرے انسان کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اسے عذاب قرار دے، آپ لکھتے ہیں کہ کسی متعدی آفت کو عذاب متعین طور پر یا تو وحی قرار دے سکتی ہے یا زبان رسالت اس کی صراحت کرسکتی ہے۔

نتیجۂ فکر

وباء کیا ہے اور اس کا شریعت میں کیا تصور ہے؟ اس سلسلہ میں ناچیز عارض اس نتیجہ پر پہونچا ہے کہ بلاشبہ وباء ایک ایسی بیماری ہے جو تیزی سے پھیلتی اور پوری آبادی کو اپنے لپیٹ میں لے لیتی ہے اور کثرت سے اموات بھی ہوتی ہیں، کتاب وسنت میں اس کے تصورات واضح طور پر ملتے ہیں اور اس سے بچنے وتحفظ کی ہدایات بھی ملتی ہیں، جہاں تک اس کے نزول کے اسباب کی بات ہے تو کتاب وسنت اور صاحب نظر علماء کی تحقیقات سے یہ واضح ہے کہ یہ بنوآدم کی گناہوں کے نتائج بھی ہوتے ہیں، آزمائش وابتلاء بھی، اور تنبیہ الٰہی بھی۔

سوال: (۲) وباء سے تحفظ کے لیے شرعی رہنمائی اور اسلامی ہدایات کیا ہے؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ دنیا دارالاسباب ہے یہاں ہر چیز کا ایک نظام ہے جس کو اختیار کرنا ضروری ہے، اسی نظام کے تحت وباء کے موقع سے شریعت اسلامی کی طرف سے تحفظ کی واضح ہدایات ملتی ہیں، تاکہ انسان ان ہدایات پر عمل کرکے زندگی کو خطرہ میں پڑنے سے بچائے اور شریعت کی طرف سے بتائے ہوئے تدابیر کو اختیار کرے اور تدابیر اختیار کرنا توکل وایمانی تقاضے کے منافی نہیں ہے، تقریباً تمام مقالہ نگاروں نے طاعون سے متعلق روایات کو مستند حوالوں سے نقل کیا ہے اور ان میں طاعون کے متعلق نبی کریم ﷺ نے جو ہدایات دی ہیں ان کو نقل کیا ہے اور خلیفۂ راشد حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں پھیلے ہوئے طاعون سے بچنے کے لیے لوگوں کو جو ہدایات جاری کی تھیں مقالہ نگاروں نے ان کو بھی بیان کیا ہے، عام طور پر مقالہ نگاروں نے بخاری شریف کی اس روایت کو نقل کیا ہے ”قال رسول الله ﷺ الطاعون رجس أرسل علی طائفة من بنی اسرائیل أو علی من كان قبلكم فإذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه۔“ [الجامع الصحیح للبخاری ۳/۱۲۸۱، بیروت]

اس روایت کے علاوہ اور دیگر روایتوں کو سامنے رکھ کر مقالہ نگاروں نے یہ بات کہی ہے کہ جس علاقہ، شہر، اور ملک میں وباء پھیل جائے وہاں جانا، اور جو وہاں موجود ہیں ان کا وہاں سے نکلنا ممنوع ہے، اور علماء نے اس کی حکمتیں بھی بیان کی ہیں، مفتی محمد عثمان بستوی صاحب نے اپنے مقالہ میں یہ بات لکھی ہے بعض علماء نے طاعون زدہ علاقہ میں جانے اور وہاں سے نکلنے کے حکمت ومصالح کے سلسلہ میں درج ذیل نکات بیان کیے ہیں:

(۱) نکلنے والے کے ذریعہ دوسرے تک بیماری متعدی نہ ہو۔ (۲) طاعون زدہ لوگوں کی تیمارداری وعیادت کی جائے، ورنہ سب نکل جائیں گے تو بیماروں کا کیا حال ہوگا۔ (۳) دخول سے منع کی وجہ یہ ہے کہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالنے سے احتیاط کرے، مفتی محمد زید صاحب ندوی مظاہری نے اس سلسلہ میں حدیث کی تشریحات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات کہی ہے کہ طاعون زدہ علاقہ سے باہر جانے اور باہر والوں کو اندر داخل ہونے کی ممانعت کے اسباب کیا ہیں؟ اگر علت پائی جائے تو ممانعت بھی ہوگی ورنہ نہیں، سو بھاگنے کی ممانعت کی علت تو یہ ہے کہ اس سے مریضوں اور مردوں کی حق تلفی اور ان کا ضیاع لازم آئے گا، نہ کوئی مریض کی تیمارداری کرنے والا ہوگا اور نہ مردوں کی تجہیز وتکفین کرنے والا، حافظ ابن حجر، ملا علی قاری، اور ابن العربی نے یہی وجہ ذکر فرمائی ہے، اور باہر والوں کو اندر داخل ہونے کی ممانعت کے مختلف اسباب ہیں ایک تو یہی ہے کہ اس میں اعتقاد بگڑنے

کا اندیشہ ہے، خدانخواستہ وہاں جانے کے بعد یہ مرض لاحق ہوگیا تو وہ یہی کہے گا کہ اگر میں یہاں نہ آتا تو مرض مجھ کو نہ لاحق ہوتا نیز یہ بھی علت ہے کہ طاعون اوراس جیسے وبائی امراض اللہ کے عذاب بن کر نازل ہوتے ہیں جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے (گوصلحاء کے لیے رحمت بن جاتے ہیں) تو نزول عذاب کے وقت ایسے علاقوں میں جہاں اللہ کا قہر ہو بلاضرورت قصداً جانا عقل ونقل دونوں ہی کے خلاف ہے۔

موصوف آگے چل کر تفسیر قرطبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حدیث پاک میں طاعون زدہ علاقوں سے بھاگنے کی ممانعت ہے، لہٰذا اگر بھاگنے کے طور پر نہ ہو بلکہ کسی ضرورت سے باہر جانا ہو تو اسی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خروج جائز ہے، اگر کسی شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ جو مقدر ہوگا وہی ہوکر رہے گا طاعون زدہ علاقوں میں داخل ہونے سے ایسا نہیں کہ تقدیر کے خلاف بھی مرض لاحق ہوجائے ایسے پختہ عقیدہ والے شخص کے لیے اس علاقہ میں آنا جانا جائز ہے، قرطبی کی عبارت ذیل میں درج ہے۔

’’قال القرطبی: فیه دلیل علی أنه یجوز الخروج من بلدة الطاعون علی غیر سبیل الفرار منه، إذا اعتقد ما أصابه لا یکن لیخطئه، وکذلك حکم الداخل إذا أیقن أن دخوله له لا یجلب إلیه قدرا لم یکن الله قدره له فمباح له الدخول إلیه والخروج منه علی هذا الذی ذکرناه۔‘‘ [تفسیر قرطبی ۳/۲۳۴]

اس سلسلہ میں مسلم شریف کی اس روایت سے پوری رہنمائی ملتی ہے جس کو امام مسلم نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے اور کئی مقالہ نگاروں نے ذکر بھی کیا ہے کہ حضرت عمرؓ شام کے سفر پر جارہے تھے، سرغ نامی بستی سے ان کا گذر ہوا، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اوران کے ساتھیوں نے بتایا کہ اس بستی میں طاعون کی وباء پھیل گئی ہے حضرت عمرؓ نے مہاجرین وانصار صحابہ اور فتح مکہ میں شریک اکابر قریش سے مشورہ کیا پھر اجتماعی مشاورت سے انہوں نے بستی میں داخل نہ ہونے کا فیصلہ کیا، حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح نے کہا امیر المؤمنین آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں، انہوں نے جواب دیا ’’ہاں اللہ کی تقدیر سے بھاگ کر اللہ کی تقدیر کی آغوش میں پناہ لے رہا ہوں‘‘ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف آئے اور انہوں نے کہا اس بارے میں میرے پاس آپ ﷺ کی ہدایت موجود ہے میں نے آپ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ’’إذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا علیها وإذا وقع بأرض وأنتم فیها فلا تخرجوا فراراً منه‘‘ مسلم شریف کی ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ قبیلۂ ثقیف کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس میں کوڑھ سے متاثر ایک شخص تھا آپ ﷺ نے بیعت میں دوسرے لوگوں سے ہاتھ ملایا مگر اس شخص سے یہ کہلا بھیجا ’’إنا قد بایعناك‘‘ یعنی ہم نے آپ سے بیعت لے لی۔ [مسلم شریف، حدیث ۲۲۳۱]

بخاری شریف کی ایک روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیمار اونٹ کو تندرست اونٹ کے پاس لے جانے سے منع فرمایا، ارشاد نبوی ﷺ ہے: ’’لایُورَدَنَّ ممرض علی مصح‘‘ دوسری روایت جو بخاری اور مسلم اور دیگر کتب حدیث میں بھی ملتی ہے ’’لا عدوی ولا طیرة ولا صفر ولا هامة‘‘ اس قسم کی روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیماری متعدی نہیں ہوتی ہے، اس لیے اس سے بچنے اور احتیاط کی ضرورت نہیں، امام نووی نے دونوں طرح کی روایتوں میں جمع وتطبیق کی کوشش فرمائی ہے اور لکھا ہے ’’وجه الجمع أن الأمراض لا تعدی بطبعها ولکن جعل الله سبحانه وتعالیٰ مخالطتها سببا للإعداء فنفی فی الحدیث الأول ما یعتقده الجاهلیة من العدوی بطبعها وأرشد فی الثانی إلی مجانبة ما یحصل عنده الضرر عادة بقضاء الله وقدره وفعله۔‘‘

ترجیح

وباء سے بچنے اور محفوظ رہنے کے سلسلہ میں احادیث نبوی کو سامنے رکھتے ہوئے مقالہ نگار حضرات نے بڑی تفصیلی اور علمی بحثیں کی ہیں اس

جگہ مولانا اختر امام عادل قاسمی کی یہ رائے نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں، موصوف نے لکھا ہے اس طرح کی متعدد روایات کو سامنے رکھ کر علماء محققین کا موقف عدل یہ ہے کہ بعض بیماریوں میں متعدی ہونے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے مگر وہ حکم خداوندی کے بغیر متعدی نہیں ہوسکتی اس لیے سبب کے درجہ میں تو ان سے احتیاط ضروری ہے، لیکن اس اعتقاد کا دامن ہرگز ہاتھ سے نہ چھوٹے کہ اللہ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، موصوف نے اپنی رائے کی تائید میں امام طحاوی، امام نووی، حافظ ابن حجر کی تحریروں اور خیالات سے استفادہ کیا ہے، موصوف کے علاوہ دیگر مقالہ نگاروں نے بھی تقریباً اسی خیال کا اظہار کیا ہے، ناچیز وباء سے تحفظ کے سلسلہ میں شرعی تصور اور ہدایت کی وضاحت کے لیے اس رائے کو کافی سمجھتا ہے۔

بعض مقالہ نگاروں نے وباء زدہ علاقوں سے دور رہنے کی عقلی اور طبی حکمتیں بھی بیان کی ہیں، قاضی محمد حسن ندوی نے علامہ ابن قیم کے حوالہ سے بعض حکمتوں کو بیان کیا ہے، اسی طرح مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا محمد صابر حسین ندوی وغیرہ نے قواعد فقہیہ اور موسوعہ فقہیہ کویت کے حوالے سے فقہاء کے خیالات کی بھی ترجمانی کی۔

بعض مقالہ نگاروں نے وباء سے تحفظ کے لیے، دوا، علاج، اور سوشل ڈسٹینسگ (Social Distancing) کے علاوہ دعاؤں کے اہتمام، صدقہ کی کثرت، عوامی مقامات میں گندگی پھیلانے سے اجتناب، کھانے پینے سے حلال وحرام کی تمیز کا التزام، نظافت وصفائی، مسواک کی کثرت جیسے پاکیزہ عادات اپنانے پر زور دیا ہے، مفتی محمد طاہر، قاضی محمد حسن، مولانا محمد اقبال احمد قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا فروغ احمد قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، اور ڈاکٹر مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی وغیرہ کے مقالوں میں یہ خیالات درج ہیں۔

ناچیز کے نزدیک مقالہ نگاروں کی یہ تمام تر گفتگو اور آراء تحفظ وباء کے باب میں شرعی ہدایات وتعلیمات کی اچھی ترجمانی کرتی ہیں۔

سوال: (۳) کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے اور اس سے بچنے کے سلسلہ میں حکومت کی گائیڈ لائن پر عمل اور دیگر احتیاطی تدابیر کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا ایسا کرنا توکل علی اللہ اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہے؟

اس سوال کے جواب میں عام طور پر مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ حکومت کی گائنڈ لائن پر عمل کرنا اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنا شرعاً درست ہے اور یہ توکل علی اللہ اور ایمانی تقاضوں کے خلاف نہیں ہے مفتی نذیر احمد کشمیری لکھتے ہیں: ایسے تمام معاملات کے متعلق شریعت کا ضابطہ ہے کہ جو امور شرعاً درست ہوں یعنی وہ منہیات شرعیہ میں نہ آتے ہوں اور مصلحت عامہ کی قبیل سے ہوں ان کی بجا آوری درست ہے، چاہے وہ کسی مسلم حکمراں کی طرف سے ہو یا کسی غیر مسلم حکومت کی طرف سے۔

مفتی عثمان بستوی لکھتے ہیں وباء اور متعدی امراض سے بچاؤ کے لیے جتنی بھی مباح اور جائز تدابیر اور سائنس دانوں کی طرف سے بتلائی جاتی ہیں ان کا درجہ کم سے کم اسباب ظنیہ کے برابر ہوگا لہٰذا ان پر عمل کرنا اور وائرس و بیماری سے تحفظ کے لیے ان کو اختیار کرنا توکل علی اللہ اور ایمانی تقاضوں کے خلاف نہیں بلکہ کتاب وسنت کی تعلیم کی روشنی میں یہ توکل کے عین مطابق ہے بشرطیکہ ان کو موثر یا حقیقی خیال نہ کیا جائے، ڈاکٹر محمد علی شفیق الندوی نے اس موضوع پر کتاب وسنت، اصول شرع، اور فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں یہ بات کہی ہے کہ حکومت کی طرف سے جاری کردہ گائیڈ لائن اور ہدایات پر عمل کرنا درست ہے، بلکہ لازم ہے اور توکل کے منافی نہیں، موصوف نے اپنی طویل گفتگو میں یہ بات بھی کہی ہے کہ حکومت کی گائیڈ لائن اور ہدایات اگر شرعاً مباح ہیں تو ان پر عمل کرنے میں کوئی اشکال نہیں جیسے ماسک لگانا، کورین ٹائن ہونا (Quarantine) لیکن اگر یہ ہدایات شرعاً خلاف سنت یا مکروہ یا حرام ہوں تو اس میں اشکال ہے تاہم اس پر عمل کیا جائے گا یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعلان اور ہدایات اطباء اور ماہرین کے مشورہ سے ہے تو اس پر عمل کرنا درست ہے، موصوف کے الفاظ درج ذیل ہیں: 'الإجراءات الإحترازية والتعليمات الحكومية

الـراهـنة فـحـكـمـهـا أنهـا إذا كـانـت مباحة فى أصلها فلا إشكال، كالتزام بلبس الكمامات، والمكث فى الحجر الصحي لكن الإشـكـال حيـن تكون التعليمات خلاف السنة أو مكروهة أو محرمة'' **خلاف سنت، مکروہ اور حرام چیزوں کے اختیار کرنے سے متعلق جو ہدایت ہیں ان کا کیا حکم ہوگا؟ اس کے جواب میں آپ لکھتے ہیں:**'' الجواب أن ذلك إن كان ذلك إجراءاً إحترازيا موقتا بوصية من الأطباء وأهل الخبرة المتخصصين فيجوز العمل به۔'' **(از مقالہ محمد علی شفیق)**۔

بعض مقالہ نگاروں نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ حکومتی گائیڈ لائن اور ہدایات میں جو چیزیں غیر شرعی ہوں جب تک اضطرار کی حالت نہ ہو ان پر عمل کرنا کسی مسلمان کے لیے گنجائش نہیں، مفتی اقبال احمد کانپوری لکھتے ہیں کہ حکومت کی طرف سے جاری کردہ گائیڈ لائن اگر ہندو تہذیب کا حصہ ہو جیسے تھالی بجانا، دیئے جلانا تو جب تک اضطرار نہ ہو اس کی گنجائش ایک مسلمان کے لیے نہیں ہوسکتی، اسی طرح مسجد کو بالکل بند کردینے، یا جمعہ یا جماعت ترک کردینے یا اذان نہ دینے کا حکم ہو تو یہ ہدایات شریعت سے میل نہیں کھاتیں شریعت کا اصول ہے '' لا طاعة لمخلوق فى معصية الخالق''۔

اس موضوع پر مفتی اقبال محمد احمد ٹنکاروی اور کئی مقالہ نگاروں نے مولانا مفتی تقی عثمانی حفظہ اللہ کا ایک اقتباس نقل کیا ہے جس سے زیر بحث مسئلہ پر اچھی طرح روشنی پڑتی ہے ذیل میں یہ اقتباس درج کیا جاتا ہے:

'' اسلامی شریعت نے حکومت وقت کو یہ اختیار بھی دیا ہے کہ وہ کسی عمومی مصلحت کے تحت کسی ایسی چیز یا ایسے فعل پر پابندی عائد کرسکتی ہے، جو بذات خود حرام نہیں، بلکہ مباحات کے دائرے میں آتی ہے، لیکن اس سے کوئی اجتماعی خرابی لازم آتی ہے، یہ پابندی ابدی نوعیت کی نہیں ہوتی، جو ہر زمانہ میں اور ہر جگہ نافذ العمل ہو بلکہ اس کی حیثیت وقتی حکم کی ہوتی ہے، جو وقتی مصلحت کے تابع ہوتا ہے، اس کی سادہ سی مثال یہ ہے کہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جب ہیضہ کی وباء پھوٹ رہی ہو تو حکومت یہ پابندی لگاسکتی ہے کہ خربوزے کی خرید و فروخت اور اس کا کھانا ممنوع ہے، جب تک حکومت کی طرف سے عائد کردہ یہ پابندی باقی رہے، خربوزہ کھانا اور اس وقت تک بیچنا شرعاً ناجائز ہو جائے گا، اسی طرح اصول فقہ میں سد ذرائع کے نام سے ایک مستقل باب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک کام فی نفسہ جائز ہے لیکن اس کی کثرت معصیت یا مفسدے کا سبب بن جائے تو حکومت کے لیے جائز ہے کہ وہ اس جائز کام کو بھی ممنوع قرار دے۔''

نتیجۂ فکر

مقالہ نگاروں کی آراء، دلائل، اور بحث و تحقیق سے عارض اس نتیجہ پر پہونچا ہے کہ حکومت کی طرف سے گائیڈ لائن اور ہدایات (WHO) عالمی ادارۂ صحت، طبی ماہرین، اور اس شعبہ کے ذمہ داران کے مشورہ سے جاری ہوں، ان میں جو حصہ شرعی نقطۂ نظر سے مباح ہو ان پر بلا دریغ عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ تحفظ جان و حفظان صحت کے پیش نظر ان پر عمل کرنا ایک حد تک ضروری ہے، لیکن گائیڈ لائن کا وہ حصہ جو شرعاً ممنوع ہو یا معصیت پر مبنی ہو ان پر بحالت اضطرار جب کہ حکومت اور اس کے عملہ عمل کرنے پر مجبور کردیں تو وقتی طور پر مجبوراً عمل کرنے کی گنجائش ہوگی تاہم ممنوع ہدایات سے اجتناب اور گریز کرنے کی ہر ممکن جدوجہد جاری رکھنی چاہئے کیوں کہ غیر شرعی احکام پر عمل کرنا سوائے حالت اضطرار کے شریعت اسلامی میں کسی طرح روا نہیں۔

رہا مسئلہ ان ہدایات پر عمل کرنا یا دیگر اسباب علاج اختیار کرنا کہیں توکل علی اللہ اور ایمانی تقاضوں کے خلاف تو نہیں ہے؟

اس بارے میں تمام مقالہ نگاروں نے صراحت کی ہے کہ باری تعالیٰ کو مؤثر حقیقی سمجھتے ہوئے ان ہدایات اور گائیڈ لائن پر عمل کرنا توکل اور ایمانی تقاضوں کے منافی نہیں ہے، اس نقطۂ نظر کی تائید میں کتب احادیث کے کافی حوالے بھی پیش کیے ہیں، ان تمام دلائل اور حوالوں کو یہاں نقل

کرنا ممکن نہیں، البتہ امام ابن تیمیہ کے شاگرد ابن قیم کی اس عبارت کو نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں:

''وفی الأحادیث الصحیحة: الأمر بالتداوی أنه لا ینافی التوکل، کما لا ینافی دفع الجوع، والعطش، والحر، والبرد بأضدادها، بل لا تتم حقیقة التوحید إلا بمباشرة الأسباب التی نصبها الله متقضیات لمسبباتها قدرا و شرعاً'' [زاد المعاد ۴/۱۰]

سوال: (۴) بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے؟

اس سوال کا جواب سوال نمبر ۲ میں اگرچہ ضمناً آ گیا ہے اسی لیے بعض مقالہ نگاروں نے اسی پر اکتفا کیا ہے، لیکن بعض حضرات نے بخاری و مسلم اور دیگر کتب صحاح میں موجود احادیث اور شراح حدیث کے کلام کی روشنی میں بڑی طویل گفتگو فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ بیمار کے سلسلہ میں جو احادیث کتب حدیث میں منقول ہیں، وہ متعارض ہیں اور دو طرح کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتی ہیں، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض بیماریاں متعدی ہوتی ہیں اور دیگر متعارض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی، مقالہ نگاروں نے دونوں طرح کی روایتوں کو نقل کیا ہے اور شراح حدیث کے کلام کی مدد سے تشریح اور تطبیق کا کامیاب مظاہرہ کیا ہے، جن روایات سے مرض کے متعدی ہونے کی نفی معلوم ہوتی ہے ان کو اس پر محمول کیا ہے کہ یہ دراصل اس عقیدہ کی نفی ہے جو دور جاہلیت میں پایا جاتا تھا، اس دور میں عامۃ الناس کا عقیدہ یہ تھا کہ مرض کے اندر بذات خود متعدی ہونے کی صلاحیت ہے اور یہ اس کی طبعی ولازمی خصوصیت ہے، رسول اکرم ﷺ نے اس عقیدہ کی تردید فرمائی اور واضح فرمایا کہ مرض میں بذات خود متعدی ہونے کی صلاحیت نہیں ہوتی جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہو مرض متعدی نہیں ہوسکتا، آپ ﷺ نے اس جاہلی عقیدہ کو ختم کرنے اور اسلامی عقیدہ کو ذہنوں میں راسخ کرنے کے لیے ایک جذامی کے ساتھ کھانا تناوّل فرمایا، ترمذی شریف کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے۔ (ترمذی حدیث نمبر ۱۸۱۷)

أن رسول الله ﷺ أخذ بید مجذوم فأدخله معه فی القصعة، ثم قال: ''کل باسم الله، ثقة بالله و توکلاً علیه۔''

بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے ''لا عدوی ولا طیرة ولا هامة ولا صفر'' بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے: ''أن رسول الله ﷺ قال: لاعدوی، فقام أعرابي فقال أرأیت تکون فی الرمال أمثال الظّباء فیأتیه البعیر الأجرب فَتَجْرَبُ، فقال النبی ﷺ: فمن أعدی الأول''۔

اس قسم کی احادیث کی روح یہی ہے کہ جن ذہنوں میں مرض کے بذات خود متعدی ہونے کا تصور تھا آپ ﷺ نے قول و عمل دونوں طرح سے اس تصور کا ازالہ فرمایا اور دوسری روایتوں میں اس کے برعکس احتیاط و تدبیر کے طور پر یہ تعلیم بھی دی ''لا یوردن ممرض علی مصح'' اسی طرح آپ ﷺ نے طاعون زدہ علاقوں میں نہ جانے اور وہاں موجود لوگوں کو نہ نکلنے کی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا: ''فإذا اسمعتم بالطاعون بأرض فلا تدخلوها وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا منها'' [بخاری حدیث نمبر: ۵۷۲۸]

دوسری جگہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''فِرّ من المجذوم فرارك من الأسد'' اور ایک جگہ ہے ''لا عدوی ولا طیرة ولا هامة ولا صفر وفر من المجذوم کما تفر من الأسد'' ایک موقعہ سے قبیلہ بنو ثقیف کا وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا جس میں ایک جذامی بھی تھا تو آپ ﷺ نے بیعت کے لیے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے سے گریز فرمایا اور یہ فرمایا کہ میں نے آپ سے بیعت کرلی اور اب آپ چلے جائیں ''کان فی وفد ثقیف رجل مجذوم فأرسل إلیه النبی ﷺ إنا قد بایعناك فارجع''۔

ان روایات کا حاصل یہ ہے کہ بعض امراض سبب کے درجہ میں متعدی ہوتے ہیں اور ان کے اندر انفیکشن پایا جاتا ہے اس لیے احتیاطاً ایسے

مریضوں کے ساتھ اختلاط سے منع فرمایا گیا،لیکن مرض کا متعدی ہونا یا انفیکشن کا پھیلنا مشیت الٰہی کے تابع ہوتا ہے،اور مشاہدہ بتاتا بھی ہے بہت سے لوگوں کو اختلاط کے باوجود انفیکشن نہیں ہوتا،علامہ ابن حجر اور حافظ ابن صلاح اور امام نووی نے متعدی امراض سے متعلق روایات کا حاصل یہی بتایا ہے، مقالہ نگاروں کے مقالوں میں حوالہ جات موجود ہیں،اس جگہ امام نووی کے کلام کو نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

’’طريق الجمع أن الحديث لا عدوى المراد به نفى ما كانت الجاهلية تزعمه وتعتقده أن المرض والعاهة تعدى بطبعهما لا بفعل الله تعالىٰ وقدره، فنفى فى الحديث الأول بطبعها،ولم ينف حصول الضرر عند ذلك بقدر الله وفعله، وأرشد فى الثانى إلى الاحتراز مما يحصل عنده الضرر بفعل الله تعالىٰ وقدره‘‘[شرح مسلم للنووی بہامش صحیح مسلم ۲/۲۳]

ترجیح

جواب نمبر ۴ کی تمام گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ جن حدیثوں میں تعدیہ کی نفی ہے وہ اہل جاہلیت کے عقیدہ کی نفی ہے، اہل جاہلیت بعض بیماریوں کو طبعاً اور لازماً متعدی سمجھتے تھے،اور ان میں مشیت خداوندی کا کوئی دخل تصور نہیں کرتے تھے، حدیث میں اسی عقیدہ کا ازالہ اور نفی ہے اور جن حدیثوں سے بیماریوں کے اثبات کا علم ہوتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بیماریاں بذات خود ایک دوسرے میں منتقل نہیں ہوتیں بلکہ بیماریوں کے اسباب بحکم الٰہی دوسروں میں منتقل ہوتے ہیں،امام نووی نے اس توجیہ کو سب سے زیادہ درست قرار دیا ہے،اور اسی پر جمہور علماء کا رجحان بتایا ہے، موصوف کے الفاظ ہیں’’ فهذا الذى ذكرناه من تصحيح الحديثين والجمع بينهما هو الصواب الذى عليه جمهور العلماء ويتعين المصير إليه۔‘‘[مسلم ۲/۲۳۰]

راقم جمہور علماء کی بات کو حق وصواب سے قریب تر سمجھتے ہوئے اسی کو ترجیح دیتا ہے اور اسی پر اپنی بات ختم کرتا ہے۔

محور ہفتم

سوال:(۱) وباء کے دفعیہ کے لیے کیا اذان دی جاسکتی ہے؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاروں کی آراء دو طرح کی ہیں،اور دونوں آراء کے حاملین نے کتاب وسنت اور محدثین وفقہاء کے کلام روشنی میں بڑی طویل گفتگو کی ہے اور کافی دلائل بھی دیے ہیں،پہلی رائے کے حاملین کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ وباء کے موقع پر اذان دینا سنت یا مستحب نہیں اور نا ہی کوئی حکم شرعی ہے اس لیے بطور سنت یا مستحب اذان دینے کی گنجائش نہیں، البتہ کچھ شرائط کے ساتھ بطور علاج اذان دینے کو مباح قرار دیا جاسکتا ہے،لیکن عوام ان شرعی حدود اور شرائط کی رعایت نہیں کرسکتے اس لیے وباء کے موقع پر اذان دینے سے اجتناب کیا جانا چاہئے،اس رائے کے حاملین میں مفتی اقبال ٹنکاروی، حافظ کلیم اللہ عمری، ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری، مفتی نذیر احمد کشمیری، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا صابر حسین ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی انور علی ڈاکٹر محمد علی شفیق ندوی، مفتی جعفر ملی رحمانی وغیرہ ہیں،ان حضرات نے جو دلائل پیش کیے ہیں ان کا حاصل درج ذیل ہے:

۱۔ کتاب وسنت، آثار صحابہ اور تبع تابعین سے وباء کے موقع پر اذان دینے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

۲۔ فقہاء احناف نے نماز کے علاوہ جن مواقع پر اذان دینے کو جائز یا مستحب قرار دیا ہے ان میں طاعون یا اس جیسی وباء کے وقت اذان دینے کا کوئی ذکر موجود نہیں۔

۳۔ حضرات صحابہ کرام کے دور میں بھی نہایت شدید طاعون کی وباء پھیلی لیکن اس وباء کے موقع پر ان حضرات سے انفرادی یا اجتماعی طور پر اذان دینے یا اذان کی ترغیب کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

ان دلائل کے علاوہ اکثر مقالہ نگاروں نے اس خدشہ کا اظہار بھی کیا ہے کہ شرعی حدود وقیود کو سامنے رکھ کر اگر مباح کا پہلو اختیار کیا جائے تو اس میں یہ خرابی آسکتی ہے کہ عوام ان چیزوں کا لحاظ نہ کر پائیں اور اس مباح عمل کو کہیں سنت کا درجہ نہ دے دیں اس لیے مصلحتاً اذان نہ دینا ہی بہتر ہے، جن حضرات نے کچھ شرعی حدود وقیود کی روشنی میں وباء کے وقت اذان دینے کو مباح سمجھا ہے انہوں نے درج ذیل شرائط درج کیے ہیں:

(۱) اس عمل کے سنت ومستحب ہونے کا اعتقاد نہ ہو۔ (۲) اس کو لازم اور ضروری سمجھ کر نہ کیا جارہا ہو۔ (۳) مساجد میں یہ اذان نہ دی جائے۔ (۴) اس کے لیے کسی مخصوص ہیئت اور اجتماعی کیفیت کا التزام نہ کیا گیا ہو۔

مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی شکیل منصور القاسمی وغیرہ نے یہ صراحت کی ہے کہ احناف کے یہاں اس سلسلہ میں کوئی قول منقول نہیں، البتہ فقہاء شوافع نے بعض احادیث کی بنیاد پر اس کو مستحب قرار دیا ہے، متاخرین احناف نے بطور علاج کچھ شرائط اور حدود کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے، مولانا اختر امام عادل قاسمی نے اپنے مقالہ میں فقہاء شوافع کے دلائل بھی درج کیے ہیں۔

اور مزید لکھا ہے کہ:

متاخرین حنفیہ نے ان احادیث کی بنیاد پر فقہ شافعی کے مطابق اذان دینے کو مستحب قرار دیا ہے، مذکورہ احادیث گو صحت کے لحاظ سے بلند پایہ نہیں ہیں، لیکن فضائل اعمال میں حدیث ضعیف سے بھی استدلال درست ہے، خصوصاً ایسے امور میں جن میں مذہب میں کوئی مخالف قول موجود نہ ہو، البتہ مذکورہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اتفاقی امر تھا اس لیے اس کو لازمی معمول نہ بنایا جائے اور نہ ہی اس کو سنت قائمہ کا درجہ دیا جائے، مفتی محمد زید مظاہری ندوی حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

’’آج کل بعض علماء کو اس کے بدعت ہونے میں شبہ ہو گیا حالانکہ یہ یقیناً بدعت ہے، اس کی کچھ اصلیت نہیں یہ صرف اختراع ہے۔‘‘ (بحوالہ حسن العزیز: ۳/ ۲۸)

دوسری رائے کے حاملین میں ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی اشرف علی قاسمی اور مفتی محمد ممتاز خان ندوی ہیں، ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں: (۱) احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ کے کان میں اذان دینا مشروع ہے آج تک مسلمانوں کا اس پر تعامل رہا ہے اور اوقات نماز کے علاوہ مواقع میں سے اس موقع پر اذان کی مشروعیت اور امت کا تعامل بتاتا ہے کہ کسی دوسرے موقع پر بھی اذان دی جاسکتی ہے (۲) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’إذا أذن في قرية أمنها الله من عذابه في ذلك اليوم‘‘ [المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۷۴۶] (۳) أیُّما قوم نودی فیهم بالأذان صباحا إلا كانوا في أمان الله حتى يمسوا وأيما قوم نودی فيهم بالأذان مساءاً إلا كانوا في أمان الله حتى يصبحوا۔ [الترغیب والترہیب ۱۱۳]

اس رائے کے حاملین کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ دفع بلیہ کے لیے اذان اگرچہ مسنون نہ ہو لیکن اس کے جواز میں کلام نہیں اور دیگر مصالح کے پیش نظر یہ افضل اور بہتر ہوسکتی ہے۔

قول راجح

وباء کے دفعیہ کے لیے اذان دینے کے سلسلہ میں راقم بعض مقالہ نگاروں کی اس رائے سے اتفاق کرتا ہے کہ ایسے موقع سے اذان دینا

مسنون یا مستحب تو نہیں ہے لیکن اوقات صلوۃ کے علاوہ بعض مواقع پر بالجملہ ثبوت ملتا ہے، اس لیے بطور علاج و دفع بلاء کے لیے اگر اذان دی جائے تو یہ خلاف شرع نہیں بلکہ دیگر فاسد طریقوں اور مشرکانہ تدابیر سے تحفظ کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

سوال: (۲) دفع وباء کے لیے اجتماعی نماز اور اجتماعی دعاء کا اہتمام کرنا کیسا ہے؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ دفع وباء کے لیے اجتماعی نماز اور اجتماعی دعاء کا اہتمام کرنا درست نہیں، البتہ اجتماعی دعاء کے بارے میں ڈاکٹر شاہجہاں ندوی اور مفتی عثمان بستوی کی رائے ہے کہ اجتماعی دعاء کی ایسے موقع پر گنجائش ہے، جو لوگ اجتماعی دعاء کے قائل نہیں ہیں ان کے دلائل کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) مصیبت، پریشانی اور خطرات کے موقع پر آنحضرت ﷺ سے نماز کے لیے اہتمام تو ثابت ہے لیکن اس کے لیے اجتماعی نماز کا ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی اجتماعی دعاء کا کوئی تذکرہ ملتا ہے، (۲) صحابۂ کرام کے عہد میں طاعون کی وباء پھیلی مگران سے دفع طاعون کے لیے نہ اجتماعی نماز کا ثبوت منقول ہے اور نہ ہی اجتماعی دعاء یا اذان کی مشروعیت ثابت ہے، غزوۂ بدر کے موقع پر آپ ﷺ سے تنہا دعاء میں مشغول ہونا منقول ہے نہ کہ اجتماعی دعاء، بعض حضرات نے حافظ ابن حجر کی یہ عبارت بھی نقل کی ہے: ''فليس الدعاء برفع الوباء ممنوعاً، وأما الاجتماع له كما في الاستسقاء فبدعة، أنه لو كان مشروعا ما خفي على أهل السلف، ثم على فقهاء الأمصار وأتباعهم في الأعصار الماضية، فلم يبلغنا في ذلك خبر ولا أثر على المحدثين ولا فرع مسطور عن أحد من الفقهاء وألفاظ الدعاء وصفات الداعي لها خواص وأسرار يختص بها كل حادث بما يليق، والمعتمد في ذلك الاتباع ولا مدخل للقياس في ذلك۔ [**بذل الماعون فی فضل الطاعون ۳۳۰-۳۳۸**] (۳) علامہ ابن عابدین نے مختلف طرح کی وباء پھیلنے پر انفرادی طور پر نماز کا ذکر کیا ہے، لیکن اجتماعی نماز اور دعاء کا ذکر نہیں کیا، وہ لکھتے ہیں: ويصلي بالناس ركعتين، وإن لم يحضر الإمام صلى الناس فرادى في منازلهم تحرزا عن الفتنة (كالخسوف للقمر) والريح الشديدة أي وعموم الأمراض كالخسوف للقمر، أي حيث يصلون فرادى، سواء حضر الإمام أم لا، (ومنه الدعاء برفع الطاعون) فإذا اجتمعوا صلى كل واحد ركعتين ينوي بهما دفعه۔ (شامی ۱/۲۶۲-۲۶۳)

مفتی عثمان صاحب بستوی اپنی رائے کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں: دفع بلاء کے لیے جماعت سے اجتماعی نماز ثابت نہیں، لہٰذا یہ بدعت میں داخل ہے، البتہ انفرادی طور پر اجتماعاً نماز و دعا کے اہتمام میں شرعاً کوئی حرج نہیں، دفع بلاء کے لیے اجتماعی دعاء ثابت ہے اور اجابت دعاء کے لیے نماز کا اہتمام بھی ثابت ہے بس جماعت منع ہے، انہوں نے حیاۃ الصحابہ اور مجمع الزوائد کے حوالے بھی پیش کیے ہیں۔

ڈاکٹر شاہجہاں ندوی الاشباہ والنظائر کے حوالہ سے علامہ ابن نجیم کی یہ تحریر پیش کرتے ہیں:

''ولا شك أن الطاعون من قبيل عموم المرض فتسن له ركعتان فرادى فإذا قلت: هل يشرع الاجتماع للدعاء برفعه، قلت هو كخسوف القمر، وقد قال في "خزانة المفتيين" والصلاة في خسوف القمر تؤدى فرادى، وكذلك في الظلمة والريح والفزع، لابأس بأن يصلوا فرادى ويدعون ويتفرعون إلى أن يزول ذلك انتهى، فظاهره أنهم يجتمعون للدعاء والتضرع لأنه أقرب إلى الإجابة۔'' [الاشباہ والنظائر ۳۸۳]

مفتی زید مظاہری ندوی لکھتے ہیں:

کسی خاص مقصد کے لیے انفرادی و اجتماعی دعاء کرنا جائز ہے لیکن یہ جواز اس وقت تک ہے جب کہ احیاناً یعنی کبھی کبھی ہو، اعتیاداً و التزاماً نہ

ہویعنی لازمی طور پراس کومعمول نہ بنالیا جائے، ورنہ یہ بدعت کے دائرہ میں آجائے گا،البتہ ایسے موقع پر قنوت نازلہ پڑھنے کی گنجائش ہے،اسی طرح اگرلوگ اتفاقاً جمع ہوجائیں اور سب مل کر دعاء کا اہتمام کریں تو یہ بھی شرعاً جائز ہے۔

نتیجۂ بحث

راقم کا خیال ہے کہ وباء اور بلاء کے موقع سے اجتماعی نماز کے اہتمام کا مسئلہ بہت واضح ہے کہ یہ درست نہیں،تقریباً تمام مقالہ نگاراس پر متفق ہیں،البتہ مفتی محمد عثمان بستوی نے مزید یہ رائے بھی دی ہے کہ انفرادی نماز اجتماعاً پڑھنے میں کوئی حرج نہیں،حالانکہ انہوں نے اپنے مقالہ میں خود صراحت کی ہے کہ شریعت وسنت اور دین وعبادات اجتہادی وقیاسی نہیں،سب توقیفی ہیں،موصوف کی صراحت سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس میں دیگر عبادات پر اجتہاد وقیاس کی ضرورت نہیں،ہاں! اجتماعی دعاء میں اس کی گنجائش موجود ہے،اوراس کے نظائر بھی ہیں جیسا کہ آپ نے اپنے مقالہ میں دلائل وثبوت پیش کیے ہیں۔

رہا مسئلہ اجتماعی دعاء کا تو راقم اس نتیجہ پر پہونچا ہے کہ وباء کے دفعیہ کے لیے لوگ جمع ہوکر دعا کریں تو یہ صورت ممنوع نہیں ہونی چاہئے، شریعت میں اس کے نظائر ملتے ہیں،مفتی زید صاحب مظاہری ندوی نے حدود وقیود کے ساتھ جو بات کہی ہے وہ قابل قبول معلوم ہوتی ہے،یعنی کسی خاص مقصد کے لیے انفرادی واجتماعی دعاء کرنا جائز ہے،لیکن یہ جواز احیاناً ہو نہ کہ اعتیاداً والتزاماً۔بس انہی گزارشات پر اکتفا کرتا ہوں،اوراس طویل خامہ فرسائی کے لیے معذرت خواہ ہوں اور اللہ رب العزت سے حق وصواب اور خیر کی دعاء کرتا ہوں۔اللھم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه، وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه.

☆☆☆☆☆

عرض مسئلہ

محور دوم

راشد حسین ندوی
مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی

نحمده و نصلی علی رسوله الكريم، أما بعد!

مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء کے زیر انتظام کرونا وبا کے متعلق پیدا ہونے والے مختلف سوالات کے شرعی جوابات کے لیے اہل علم کی خدمت میں جو سوال نامہ بھیجا گیا تھا، ۲۳ علمائے کرام کی طرف سے اس کے جوابات موصول ہوئے، اس سوال نامہ کے محور دوم یعنی ''کرونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف'' کے نو سوالات کے عرض مسئلہ کا حکم راقم کو دیا گیا ہے۔

محور دوم کا پہلا سوال یہ تھا کہ کیا کرونا کے زمانہ میں مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنے یا انفرادی نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

تقریباً تمام مقالہ نگار اس پر متفق ہیں کہ جتنے افراد کو مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے وہ مسجد میں نماز پڑھیں گے، بقیہ لوگوں کے لیے اس طرح کے خاص حالات میں مسجد میں باجماعت نماز کو ترک کرنا جائز ہوگا، ان حضرات نے مندرجہ ذیل نصوص سے استدلال کیا ہے:

(۱) بارش جیسی چیزوں میں ترک جماعت کی اجازت دی جاتی تھی، یہ صورت حال اس سے بڑھ کر ہے، حدیث میں آیا ہے:

''ألا صلوا في رحالكم'' (متفق عليه) (اکثر مقالہ نگار)

(۲) ''عن أبي بكر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقبل من نواحي المدينة يريد الصلاة، فوجد الناس قد صلوا، فمال إلى منزله فجمع أهله فصلى بهم.'' (مجمع الزوائد)

(مولانا اکرام احمد ندوی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)

(۳) ''وأكل ثوم يمنع منه وكذا كل مؤذ ولو بلسان.'' (در مختار)

''وكذلك ألحق بعضهم من بفيه بخر أو به جرح له رائحة، وكذلك القصاب والسماك والمجذوم والأبرص.'' (رد المحتار)

(مولانا محمد اشرف قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری)

(۴) ''والصحيح أنها تسقط بالمطر والطين.. الخ'' (ہندیہ، شامی، طحطاوی علی مراقی الفلاح)

(مفتی شاہ جہاں ندوی، مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری، مفتی شکیل منصور قاسمی، راشد حسین ندوی)

(۵) ''فمن الأعذار المرض.. الخ'' (فتح القدير) (مفتی اقبال ٹنکاروی، مولانا نصر اللہ ندوی)

(۶) ''إذا فاتته الجماعة جمع بأهله في منزله، وإن صلى وحده جاز.. الخ'' (بدائع)

(مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا محمد ادریس الرحمٰن کشمیری)

(۷) کئی حضرات نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ اس طرح کے اعذار کے سبب اگر مسجد کی جماعت چھوڑی تو ان شاء اللہ جماعت کے ثواب سے محروم نہیں رہے گا:

”وإذا انقطع عن الجماعة لعذر من أعذارها المبيحة للتخلف و كانت نيته حضورها لو لا العذر الحاصل يحصل له ثوابها.“ (مراقي الفلاح، شامی) (مفتی شمشیر حیدر قاسمی، مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری)

البتہ مفتی زید صاحب مظاہری کی رائے ہے کہ حکومت کی طرف سے سختی ہو تو جماعت ترک کی جاسکتی ہے ورنہ نہیں اور مفتی طاہر صاحب کی رائے یہ ہے کہ اگر بالفعل وبا سے متاثر ہو یا متاثر ہونے کا ظن غالب ہو تبھی اجازت ہوگی، ورنہ اجتماعی طور سے جماعت ترک کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، بظاہر مفتی صاحب کی رائے بقیہ حضرات سے مختلف نظر آتی ہے، لیکن درحقیقت ان کے درمیان اور بقیہ حضرات کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، ان حضرات نے جو اجازت دی ہے وہ بھی دوسروں کے وبا سے متاثر ہوجانے کے اندیشہ سے دی ہے اور اس اندیشہ کے پیش آنے پر مفتی صاحب کی رائے بھی جواز کی ہے، پھر حکومت کی پابندیوں کو بھی پیش نظر رکھا جائے تو عملاً جواز کا قول اختیار کرنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہے، جب کہ مذکورہ بالا نصوص سے اس کی اجازت بھی ظاہر ہو رہی ہے۔ واللہ اَعلم

سوال (۲): محور دوم کا سوال نمبر ۲ یہ تھا کہ کرونا کے زمانہ میں ایک مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ پنج وقتہ نمازیں پڑھنے اور متعدد بار جمعہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

اس کا جواب دیتے ہوئے اکثر حضرات نے دونوں کا ایک حکم بیان کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ عام حالات میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے، لیکن سخت مجبوری کی حالت میں امام ابو یوسف کا قول اختیار کرنے اور پہلی جماعت کی ہیئت میں تبدیلی کر کے دوسرے امام کے ساتھ دوسری جماعت یا جمعہ قائم کرنے کی جب تک مجبوری رہے اجازت ہوگی، اکثر حضرات کی یہی رائے ہے اور ان کا استدلال مندرجہ ذیل عبارات سے ہے:

(۱)”عن أبی یوسف اذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولى لا تكره... وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة.“(شامی)

(مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری، مولانا نصر اللہ ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی و دیگر حضرات)

(۲)”جاء أنس بن مالك إلى مسجد قد صلى فيه بأذان و إقامة فصلى جماعة.“(صحیح البخاری)

(مولانا ممتاز خاں ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی)

(۳)”أما إذا صلوا بجماعة بغير أذان واقامة فی ناحية المسجد لا يكره.“(ہندیہ)(مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری و دیگر حضرات)

(۴)”الضرورات تبيح المحذورات.“

البتہ مفتی انور علی اعظمی کی رائے ہے کہ متعدد بار جمعہ ادا کرنا جمعہ کی اہمیت کے خلاف ہے، اس لیے اگر بہت مجبوری نہ ہو تو جمعہ کی نماز ایک ہی بار ادا کی جائے، جب کہ مفتی شمشیر حیدر قاسمی صاحب کی رائے ہے کہ دوسری جماعت مسجد میں قائم کرنے کے بجائے گھروں اور محلوں ہی میں جماعت کی جائے، دلیل میں انہوں نے یوپی افتاء کونسل کا فتویٰ نقل کرنے کے ساتھ ساتھ یہ اثر بھی نقل کیا ہے:

”عن الحسن قال: كان أصحاب محمد صلى الله عليه و سلم إذا دخلوا المسجد وقد صلى فيه صلوا فرادى.“

لیکن اس سلسلہ میں جو رائے اکثر حضرات نے قائم کی ہے اور ضرورت کے وقت تعدد جمعہ و جماعت کی اجازت دی ہے، وہ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ پہلی ہیئت بدل کر امام ابو یوسف نے جماعت ثانیہ کی اجازت دی ہے اور علماء نے طرفین اور امام ابو یوسف کے قول کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے کہا ہے کہ دونوں اقوال کا حاصل یہ ہے کہ کراہت تنزیہی کے ساتھ جائز ہے، ہندیہ کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسجد کے کسی

گوشہ میں بغیر اذان واقامت کے جماعت ثانیہ کی جاسکتی ہے، پھر کراہت کی اصل وجہ پہلی جماعت سے اعراض کو بتایا گیا ہے اور موجودہ صورت حال میں تعدد جمعہ و جماعت مجبوری کے تحت کیا جارہا ہے، لہٰذا کراہیت کے بغیر اس کی اجازت ہونی چاہیے۔ واللہ اعلم

اور محور دوم کا تیسرا سوال یہ تھا کہ وبا کے زمانہ میں گھروں میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی کیا شرطیں ہیں؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مقالہ نگار حضرات تین آراء پر تقسیم ہوگئے ہیں:

پہلی رائے: مفتی اشرف قاسمی صاحب کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی امامت کے لیے وہی افراد اہل ہوں گے جن کو شہر یا محلّہ مسجد کی پنچایتیں یا مساجد جمعہ کے ائمہ اور شہر کے علماء مقرر کریں، اگر اس طرح اہتمام نہ ہوسکے تو مسلمان بغیر جماعت کے تنہا تنہا ظہر پڑھیں، ان کا استدلال شامی کی اس عبارت سے ہے:

”لو تعذر الاستيذان من السلطان (الى) فاجتمع الناس على شخص واحد يصلي بهم جاز.“

دوسری رائے: یہ ہے کہ جمعہ اور عیدین کا گھروں میں پڑھنا درست نہیں ہے، یہ جمعہ اور عیدین کی شان کے خلاف ہے۔ یہ رائے مفتی انور علی اعظمی، مولانا سلمان انور قاسمی، مفتی محمد طاہر، خواجہ معین الدین اکرمی ندوی، مفتی نذیر احمد کشمیری اور ڈاکٹر مفتی محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی کی ہے، ان حضرات کا عمومی استدلال اس بات سے ہے کہ جمعہ کی ایک شرط اذن عام ہے، جو کہ گھر میں جمعہ قائم کرنے میں مفقود ہے۔

تیسری رائے: یہ ہے کہ جب تک حکومت کی طرف سے پابندی ہے اس وقت تک شہر، فناء شہر یا بڑی بستی میں جمعہ کی نماز کا گھروں میں اہتمام کرنا جائز ہے، جب کہ فقہاء نے جمعہ کی نماز کے لیے جو شرائط بیان کی ہیں وہ پائی جارہی ہوں، یعنی امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مرد مقتدی ہوں، خطبہ دیا جائے اور نماز کسی ایسے کمرے میں ہو جس میں کوئی بھی آسکتا ہو خواہ اسے مصلحت کے تحت بند ہی کیوں نہ کردیا جائے، ان میں سے کئی حضرات نے مختلف حوالوں سے یہ بھی لکھا ہے کہ مصلحت کے تحت زیادہ لوگوں کو نہ آنے دینا اذن عام کے منافی نہیں ہوگا، یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

(مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، حافظ مولانا کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا ممتاز ندوی، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا اکرام احمد ندوی، مفتی شمشیر حیدر قاسمی، مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، ڈاکٹر محمد علی بن شفیق ندوی، ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، راقم راشد حسین ندوی، مفتی شکیل منصور قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری، مفتی زید صاحب مظاہری)

ان حضرات کا استدلال مندرجہ ذیل نصوص سے ہے:

(۱) جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لیے مسجد شرط نہیں ہے، لہٰذا فقہاء نے جمعہ کی صحت کے لیے جو شرائط بتائی ہیں وہ پائی جائیں تو گھروں میں جمعہ جائز ہوگا:

”ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر ..... أو فناء ه والثاني السلطان (إلى) والثالث: وقت الظهر، والرابع: الخطبة فيه والخامس كونها قبلها والسادس الجماعة وأقلها ثلاثة رجال... سوى الإمام.“ (الدر المختار مختصرا)

(مفتی رفیق احمد بالاکوٹی ودیگر حضرات)

(۲) ”أما الشرائط التي ترجع إلى غير المصلي فخمسة في ظاهر الروايات: المصر الجامع والسلطان والجماعة والوقت.“ (بدائع) (مولانا صابر حسین ندوی)

(۳)"فتوی الأزهر بجواز صلاة الجمعة فی المنزل." (مولانا صابر حسین ندوی)

ڈاکٹر رضی الاسلام صاحب ندوی کی رائے یہ ہے کہ اس طرح کی صورت حال میں جمعہ اور ظہر دونوں پڑھ سکتے ہیں۔

ان آراء میں جواز کی رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ جب جمعہ میں تعدد کی اجازت دے دی گئی اور گھروں میں تمام شرائط بھی متحقق ہو رہی ہوں تو اس کی اجازت نہ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اذن عام نہ ہونے کی وجہ ہو سکتی ہے، لیکن یہاں کسی کو آنے نہ دینا خاص وجوہات سے ہے، اگر اس کی بنیاد پر گھروں میں اجازت نہ دی جائے تو مسجدوں میں بھی اذن عام نہیں پایا جاتا، لہٰذا وہاں بھی اجازت نہ ہونی چاہیے، اسی لیے بہت سے معتبر اصحاب فتاویٰ نے جواز کا فتویٰ دیا۔ واللہ أعلم

اور محور دوم کا چوتھا سوال یہ تھا کہ ظہر پڑھنے کی صورت میں با جماعت پڑھیں یا تنہا؟

مقالہ نگاروں کی اس بارے میں چار آراء ہیں:

پہلی رائے: با جماعت بھی درست ہے اور انفرادی طور پر بھی درست ہے، یہ رائے مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری اور مفتی شکیل منصور قاسمی کی ہے، ان حضرات نے مندرجہ ذیل دلائل دیے ہیں:

(۱)"قوم لا تجب علیهم أن یحضروا الجمعة لبعد المواضع صلوا الظهر جماعة لأنه لا یؤدی إلی تقلیل الجماعة."(البحر الرائق)

(۲) ممانعت کی علت صورت معارضہ ہے اور موجودہ حالات میں وہ موجود نہیں ہے:

"لتقلیل الجماعة وصورة المعارضة."(الدر المختار)

(۳) مولانا تقی عثمانی اور کئی بڑے مفتیان کرام کا یہی موقف ہے۔

دوسری رائے: ظہر کی جماعت بلا کراہت جائز ہوگی۔

(مولانا اکرام احمد ندوی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مفتی انور علی اعظمی)

تیسری رائے: جماعت سے پڑھنا نہ صرف جائز بلکہ بہتر اور افضل و مستحب ہوگا۔

(مولانا نصر اللہ ندوی، ڈاکٹر مفتی مصطفیٰ عبد القدوس ندوی، ڈاکٹر محمد شاہ جہاں ندوی، مولانا صابر حسین ندوی، ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، خواجہ معین الدین اکرمی ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا سلمان انور قاسمی)

دوسری اور تیسری رائے والوں کے دلائل تقریباً وہی ہیں جو پہلی رائے والوں کے ہیں۔ مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی نے "فیض الباری" کی ایک عبارت بھی نقل کی ہے:

"وقد ثبتت الجماعات فی البیوت فی زمن أمراء الجور وعند أعذار أخری."

چوتھی رائے: یہ ہے کہ ظہر کی نماز انفرادی طور پر پڑھی جائے، جماعت سے پڑھنا مکروہ ہوگا، یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے۔

(مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، ڈاکٹر محمد علی بن شفیق ندوی، مفتی نذیر احمد کشمیری، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، قاضی محمد حسن ندوی، مفتی اقبال ٹنکاروی، مفتی شمشیر حیدر قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مولانا ممتاز خاں ندوی، مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، مفتی زید صاحب مظاہری)

ان حضرات کے دلائل وہ تمام فقہی نصوص ہیں جن میں جمعہ کے دن ظہر کی جماعت کو مکروہ قرار دیا گیا ہے، مثلاً تاتارخانیہ میں ہے:

"فقال یکره لهم ذلك ویستحب أن یصلوا وحدانا."

بدائع میں ہے:"ولأن ساكن المصر مأمور بشيئين فى هذا الوقت، بترك الجماعات وشهود الجمعة والمعذور قدر على أحدهما وهو ترك الجماعات، فيؤمر بالترك."

اور ہندیہ میں ہے:"وكره جماعة الظهر لأهل المصر اذا لم يجمعوا لمانع."

لیکن ان تمام آراء پر تفصیلی نظر ڈالنے کے بعد جواز کا قول راجح محسوس ہوتا ہے، اس لیے کہ ظہر کی جماعت کی کراہت عام حالات میں صورت معارضہ ہونے اور لوگوں کو نماز جمعہ سے سستی برتنے سے روکنے کے لیے ہے، پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لاک ڈاؤن جیسے سخت حالات میں حکومت کی ممانعت ہونے کی وجہ سے جو لوگ گھروں میں ظہر کی جماعت کررہے ہیں، کیا ان کی جماعت سے بھی موجودہ حالات میں معارضہ کی شکل پیدا ہورہی ہے؟ کیا جمعہ کے لیے ان کا نہ جانا غفلت کے سبب ہے، کیا یہ عجیب بات نہیں کہ روز وہ ظہر جماعت سے پڑھیں، جمعہ کے دن بھی بقیہ نمازیں جماعت سے پڑھیں، صرف ظہر تنہا تنہا پڑھیں، پھر اگر جمعہ الگ الگ پڑھا جائے تو معارضہ نہیں ہے اور ظہر پڑھنے سے معارضہ ہے؟ لگتا ایسا ہے کہ یہ حکم فقہاء نے اس زمانہ میں لکھا تھا جب شہر میں تعدد جمعہ کی ممانعت تھی، اسی لیے مساجد کے بند کرنے کا بھی ذکر موجود ہے، لہٰذا عام حالات میں تو گھر میں نہ جمعہ کی جماعت قائم کرنی چاہیے نہ ظہر کی، لیکن خاص حالات میں اس کی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے، جب کہ اجازت کے لیے وہ تمام آیات اور احادیث ذکر کی جاسکتی ہیں جو جماعت کی فضیلت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، اسی لیے مولانا عبیداللہ اسعدی صاحب نے''کرونا مسائل واحکام'' میں اس کی اجازت دی ہے اور اس کے جواز کی نسبت مولانا تقی عثمانی صاحب اور پاکستان کے دیگر علماء کی طرف کی ہے، لہٰذا راقم کے نزدیک کتب فقہیہ کی ظاہری عبارات کے اعتبار سے اگرچہ مانعین کا موقف زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، لیکن ان عبارات کی اصل علت اور حالات کی نزاکت نیز مصلحت کے تقاضوں اور جماعت کی فضیلت کے بارے میں وارد نصوص کے پیش نظر مجوزین کی رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

اور محور دوم کا پانچواں سوال یہ تھا کہ کیا وبا کے زمانہ میں عیدین کی نماز گھروں میں پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مقالہ نگاروں کا دو آراء پر اختلاف ہوگیا ہے:

پہلی رائے: یہ ہے کہ گھروں میں عیدین کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، یہ عیدین اور جمعہ کی شان کے خلاف ہے۔

(مفتی انور علی اعظمی، مفتی محمد طاہر، مفتی نذیر احمد کشمیری)

ان حضرات نے مزید یہ دلیل دی ہے کہ گھروں میں اذن عام کی شرط مفقود ہوتی ہے، اسی لیے مفتی محمد طاہر اور مفتی نذیر احمد کشمیری نے فرمایا کہ کسی بڑے ہال وغیرہ میں اذن عام کے ساتھ ہو تو کئی جگہ اجتماعی طور سے پڑھی جاسکتی ہے۔

دوسری رائے: بقیہ مقالہ نگاروں کی ہے کہ اس طرح کے خاص حالات میں، گھروں کی بیٹھکوں میں، ان کی چھتوں میں یا کسی ہال وغیرہ میں عیدین کی نماز پڑھنا جائز ہے، ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)"وأمر أنس بن مالك مولاهم ابن أبى عتبة بالزاوية فجمع أهله وبنيه وصلى كصلاة أهل المصر وتكبيرهم."(البخارى)

(مولانا اکرام احمد ندوی، ڈاکٹر مصطفی عبدالقدوس ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)

(۲) عیدین کے لیے وہی شرائط ہیں جو جمعہ کے لیے ہیں، لہٰذا جب جمعہ جائز ہے تو عیدین کی نماز بھی جائز ہے:

"أفاد أن جميع شرائط الجمعة وجوبا وصحة شرائط العيد إلا الخطبة فإنها ليست بشرط."(البحر الرائق وكذا فى البدائع وغيره من الكتب الفقهية)

(مولانا خورشید احمد اعظمی ندوی، مولانا ممتاز خاں ندوی، مولانا اختر امام عادل، مفتی شکیل منصور قاسمی، مولانا محمد ادریس الرحمٰن کشمیری)

(۳) جمعہ کے مقابلہ میں عیدین کی شرائط میں نرمی ہے، لہٰذا جب جمعہ جائز ہے تو عیدین بدرجۂ اولیٰ جائز ہوں گی:

"ولو ترك الخطبة فی صلاة العيد تجوز صلاة العيد." (الفتاوی التاتارخانية) (مولانا اکرام احمد ندوی)

(۴) شوافع کے نزدیک عیدین کی نماز انفرادی طور پر بھی جائز ہے:

"تسن صلاة العيدين جماعة، فلو صلاها المنفرد فالمذهب صحتها..الخ" (المجموع)

"وتسن جماعة وفرادى." (حاشية البجيرمی علی شرح المنهج) (خواجہ معین الدین اکرمی ندوی، مولانا صابر حسین ندوی)

ان دونوں آراء میں جواز کی رائے اس صورت میں زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے، جب جواز کی تمام شرطیں پائی جا رہی ہوں، خاص طور سے اس لیے بھی کہ بقول ڈاکٹر مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی عیدین کی نماز اپنی اصل کے اعتبار سے مسجدوں کے باہر ہی مشروع ہے، لہٰذا تمام شرائط پائے جانے پر اس کی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے، البتہ شرائط مفقود ہوں تو جیسا کہ ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی اور بعض دیگر مقالہ نگاروں کی رائے ہے چاشت کی نیت سے انفرادی طور پر چار رکعات پڑھی جاسکتی ہیں، جیسا کہ شامی میں ہے:

"فإن عجز صلى أربعا كالضحى (قوله صلى أربعا) أی استحبابا..الخ"

اور محور دوم کا چھٹا سوال یہ تھا کہ ماسک لگا کر نماز پڑھنے اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟

اس سوال کے دو اجزاء ہیں: پہلا جزء ماسک لگا کر نماز پڑھنے سے متعلق ہے اور دوسرا صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کے متعلق۔

ماسک لگا کر نماز: اکثر مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ کرونا وائرس سے بچاؤ کی خاطر ماسک لگا کر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱-عن قتادة أن الحسن كان يرخص أن يصلی الرجل وهو متلثم. (مصنف عبد الرزاق، مصنف ابن أبی شيبة)

(مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری، مفتی نذیر احمد کشمیری، مفتی عبیداللہ ندوی)

۲-آیت کریمہ: "ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة" (مولانا نصراللہ ندوی)

۳-"ويكره أن يغطی فاه فی الصلاة إلا إذا كانت التغطية لدفع التثاؤب فلا بأس به." (تحفة الفقهاء، بدائع وغيره)

(مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری، ڈاکٹر مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مفتی نذیر احمد کشمیری، مولانا اکرام احمد ندوی)

۴-"ويكره اشتمال الصماء والاعتجار والتلثم والتنخم وكل عمل قليل بلا عذر (قوله التلثم) وهو تغطية الأنف والفم فی الصلاة." اس عبارت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ عذر ہو تو جائز ہے۔

(مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی، مولانا صابر حسین ندوی، مفتی محمد طاہر، مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، راشد حسین ندوی)

۵-"إنها كراهة تنزيه لا تمنع صحة الصلاة." (المجموع) (خواجہ معین الدین اکرمی ندوی)

البتہ مفتی انور علی اعظمی کی رائے ہے کہ ان دونوں چیزوں کی زیادہ ضرورت نہیں ہے، لہٰذا ہمیں زیادہ سختی نہیں کرنی چاہیے اور مفتی شمشیر حیدر قاسمی صاحب کی رائے ہے کہ حکومت کے ظالمانہ رویہ کی وجہ سے ضرورتاً جائز تو ہے، لیکن نماز کے وقت منھ ناک سے ماسک ہٹالیا جائے، سلام کے بعد لگالیا جائے۔

ان دونوں حضرات کے قول سے بھی جواز ہی کی رائے ظاہر ہو رہی ہے، لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ نماز کے دوران ماسک کے جواز پر مقالہ نگار

حضرات متفق ہیں۔

دوسرا جزء: صفوں میں فاصلہ رکھنا: جن مقالہ نگاروں نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے، سبھی نے یہ وضاحت کی ہے کہ یہ عمل سنت متواترہ کے خلاف ہے، احادیث میں سخت ہدایات دی گئی ہیں کہ صفیں متصل ہونی چاہیے اور درمیان میں فاصلہ نہ ہونا چاہیے، لیکن موجودہ حالات میں اگر ڈاکٹر یا محکمہ صحت وائرس سے بچاؤ کے لیے کچھ فاصلہ کو لازمی قرار دیں اور خاص طور سے حکومتی دباؤ بھی ہو تو فاصلہ رکھنے کی گنجائش ہوگی اور نماز صحیح ہو جائے گی، اس کے لیے مقالہ نگاروں نے مندرجہ ذیل نصوص پیش کیے ہیں:

۱-"عن أبی بکرة أنه انتهى إلى النبي صلى الله عليه وسلم وهو راكع قبل أن يصل إلى الصف، فذكر ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فقال: زاد الله حرصا ولا تعد."(البخاری) (مفتی نذیر احمد کشمیری ودیگر حضرات)

۲-"ولو اقتدى بالإمام فی أقصى المسجد والإمام فی المحراب فإنه يجوز."(هندية) (مولانا اکرام احمد ندوی، مفتی نذیر احمد کشمیری)

۳-"والمسجد وإن كبر لا يمنع الفاصل فيه." (هندية) (مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری)

۴-"الضرر يزال. والضرورات تبيح المحظورات." (مولانا نصر اللہ ندوی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مولانا ممتاز خاں ندوی)

۵-"وتنتفی الكراهة لوجود العذر."(موسوعہ فقہیہ)(مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی)

۶-"لا ضرر ولا ضرار." (مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی)

۷-فقہ شافعی کی مختلف عبارات۔(مولانا صابر حسین ندوی)

اور محور دوم کا سوال نمبر ۷ یہ تھا کہ کرونا سے متاثر افراد کا مسجد آنا کیسا ہے؟

سبھی مقالہ نگار اس پر متفق ہیں کہ چوں کہ کرونا ایک مہلک اور متعدی مرض ہے، اس لیے اس سے متاثر افراد کو مسجد آنا ممنوع ہوگا، اگر نہ مانیں تو ان کو روکا بھی جا سکتا ہے، ان حضرات کے چند دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱-"والذين يؤذون المؤمنين والمؤمنات..الآية" (خواجہ معین الدین اکرمی ندوی، ڈاکٹر محمد علی بن شفیق ندوی، مفتی عبیداللہ ندوی)

۲-"من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا."(متفق عليه)

(مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، خواجہ معین الدین اکرمی ندوی، مفتی ممتاز خاں ندوی، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا اکرام احمد ندوی، مولانا اختر امام عادل، مفتی نذیر احمد کشمیری، ڈاکٹر محمد علی بن شفیق ندوی، مفتی شاہ جہاں ندوی، راشد حسین ندوی، مفتی شکیل منصور قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا نصر اللہ ندوی، مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری، مفتی عبیداللہ ندوی)

۳-"وكذا كل مؤذ ولو بلسانه، وكذلك ألحق بعضهم من بفيه بخر أو به جرح له رائحة."(اکثر مقالہ نگار)

۴-"لا يوردن ممرض على مصح." (البخاری)

(ڈاکٹر محمد علی بن شفیق ندوی، مفتی مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مفتی عبیداللہ ندوی وغیرہ)

۵-"الثانی التی تبيح التخلف عن الجماعة فمنها المريض."(کبیری)(مفتی نذیر احمد کشمیری وغیرہ)

۶-"لا ضرر ولا ضرار." (مفتی محمد علی بن شفیق ندوی، مفتی عبیداللہ ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی وغیرہ)

۷-برصغیر کے مشہور اداروں اور عالم عرب کے چوٹی کے علماء کے فتاویٰ۔(مختلف حضرات)

اورمحوردوم کاسوال نمبر۸ یہ تھا کہ کرونا سے متاثر کے لیے روزہ کا کیا حکم ہے؟

سبھی مقالہ نگاراس پرمتفق ہیں کہ جن لوگوں کا کرونا ٹیسٹ مثبت ہےاور وہ بیماری کی ایسی حالت میں ہوں کہ دوااور خوراک کے بغیر مرض کے بڑھنے یاجان کےتلف ہونے کاقوی اندیشہ ہو،توانہیں طبیب کی رائے پرروزہ رکھنے کی اجازت ہوگی،صحت ہونے کے بعدوہ ان روزوں کی قضا کریں،ان حضرات نے مندرجہ ذیل دلائل دیے ہیں:

۱-آیت کریمہ:"فمن کان منکم مریضا أو علی سفر فعدة من أیام أخر."

(مفتی رفیق احمد بالاکوٹی،مولاناادریس الرحمٰن کشمیری،مولانانصراللہ ندوی،مولانامحبوب فروغ احمد قاسمی،مفتی شکیل منصور قاسمی،راشد حسین ندوی،مولانامصطفیٰ عبدالقدوس ندوی،مفتی نذیراحمد کشمیری،مفتی اقبال احمد قاسمی،قاضی محمدحسن ندوی،مفتی اقبال بن محمدٹنکاروی،مفتی شمشیر حیدر قاسمی،مولانااکرام احمدندوی،مفتی محمداشرف قاسمی،مولاناولی اللہ مجیدقاسمی،مولاناصابرحسین ندوی،ڈاکٹررضی الاسلام ندوی،حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، خواجہ معین الدین اکرمی ندوی)

۲-ہدایہ،فتاویٰ ہندیہ،ردالمختار،البحرالرائق اور مختلف کتب فقہیہ کی وہ عبارتیں جومریض کوروزہ نہ رکھنےاور بعد میں قضا کرنے سے متعلق ہیں،مثلاً:

"وإذا خاف الرجل وھو صائم إن لم یفطر تزداد عینه وجعا أو تزداد حماہ شدة فینبغی أن یفطر."(المبسوط للسرخسی)

(مفتی رفیق احمد بالاکوٹی،مفتی عبیداللہ ندوی،مولاناادریس الرحمٰن کشمیری،مفتی نصراللہ ندوی،مولانامحبوب فروغ احمد قاسمی،مفتی شکیل منصور قاسمی،راشدحسین ندوی،مفتی مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی،مفتی شاہ جہاں ندوی،مفتی اقبال احمد قاسمی،مولانااختر امام عادل،قاضی محمدحسن ندوی،مفتی محمد جعفرملی رحمانی،مفتی اقبال بن محمدٹنکاروی،مفتی شمشیر حیدرقاسمی،مولانااکرام احمد ندوی،مفتی محمداشرف قاسمی،مولانامحمد صابرحسین ندوی،مولاناممتاز خاں ندوی وغیرہ)

اورمحوردوم کانواں اورآخری سوال یہ تھا کہ کیا کرونا کی وجہ سے عام مسلمانوں کوحج وعمرہ سے روکا جاسکتا ہے؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مقالہ نگارحضرات نے دوالگ الگ آراء کااظہار کیا ہے۔

پہلی رائے: یہ ہے کہ جوحضرات کرونا سے متاثر ہیں،ان پر پابندی لگائی جاسکتی ہےاور جواس سے متاثرنہیں ہیں،صرف موہوم خطرے کی وجہ سےان کوایک لازمی فریضہ کی ادائیگی سے روک دیناشرعاً درست نہیں ہے،یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

(مفتی شمشیر حیدرقاسمی،مولانااختر امام عادل،مفتی نذیراحمد کشمیری،مفتی انورعلی اعظمی،مفتی رفیق احمد بالاکوٹی،مفتی اقبال احمد قاسمی،مفتی زیدصاحب مظاہری)

ان حضرات نے مندرجہ ذیل دلائل پیش فرمائے ہیں:

۱-آیت کریمہ:"ومن أظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیھا اسمه وسعی فی خرابھا" کےتحت تفسیر قرطبی کی یہ عبارت:

"وعلی الجملة فتعطیل المساجد عن الصلاۃ واظھار شعائر الاسلام فیھا خراب لھا." (مفتی اقبال احمد قاسمی وغیرہ)

۲-"ومنھا صحة البدن فلا حج علی المریض والزمن..الخ" (مولانااختر امام عادل)

دوسری رائے: بقیہ تمام مقالہ نگاروں کی ہے،ان حضرات نے مختلف الفاظ اورصیغوں میں لکھا ہے کہ چوں کہ کرونا ایک متعدی اور مہلک بیماری ہے،لہٰذاجب تک اس مرض کا خطرہ ہو،یااس سے متاثر ہوجانے کاظن غالب ہو،ولی الامر کویہ حق حاصل ہے کہ وہ بیرونی لوگوں کوروک دے یا

جانچ اور ٹسٹ کے بعد ہی اجازت دے، ان میں سے کئی حضرات نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ حرم اور کعبہ کے طواف کو مکمل طور سے معطل کرنا درست نہیں ہوگا، کچھ لوگوں کو جانے کی اجازت ہونی چاہیے، ان حضرات کا استدلال مندرجہ ذیل نصوص سے ہے:

۱- آیت کریمہ:"ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة" (مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مفتی شاہ جہاں ندوی، مفتی عبدالقدوس ندوی)

۲-"ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا." (مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری)

۳-"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الطاعون رجس أرسل على طائفة من بني إسرائيل فإذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا."(البخاری) (مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری)

۴-"إن عمر بن الخطاب مر بامرأة مجذومية، فقال لها: يا أمة الله! لا تؤذي الناس لو جلست في بيتك فجلست."(تنوير الحوالك) (قاضی محمد حسن ندوی، مولانا نصر اللہ ندوی، مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری)

۵-"وكذا إذا لم يكن للحج طريق الا من البحر وكان الغالب عدم السلامة لم يجب."(الأشباه لابن نجيم)
(مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی)

۶- وہ تمام فقہی عبارات جن میں ادائے حج کے وجوب کے لیے راستہ کے مامون ہونے کی شرط لگائی گئی ہے، مثلاً ہندیہ میں ہے:
"ومنها أمن الطريق." (مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری، مولانا ممتاز ندوی، راشد حسین ندوی)

۷- قاعدہ فقہیہ "تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة."(مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری، مفتی شاہ جہاں ندوی، راشد حسین ندوی)

۸-"لا ضرر ولا ضرار في الإسلام." (مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مفتی نصر اللہ ندوی)

۹- یورپی افتاء کونسل اور الاتحاد العالمی لعلماء المسلمین کے امین عام علی قرہ داغی نے اس کا فتویٰ دیا ہے۔ (خواجہ معین الدین ندوی، مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی)

۱۰- تاریخ میں اس طرح کی وباؤں کے پیش آنے پر چالیس بار حج سے روکنے کی مثالیں ملتی ہیں۔ (خواجہ معین الدین، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی)
مفتی محمد اشرف قاسمی صاحب نے بھی پابندی لگائے جانے کو جائز قرار دیا ہے۔

دلائل کے اعتبار سے راقم کو ممانعت کی اجازت کی رائے راجح معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ حدیث میں ارض طاعون میں داخل ہونے اور ارض طاعون سے باہر نکلنے کی ممانعت مطلقاً ہے، صرف طاعون میں مبتلا کے لیے نہیں ہے، مزید برآں فقہاء نے صراحت کی ہے کہ راستہ مامون نہ ہوتو حج کی ادائیگی فرض نہیں رہتی، ظاہر ہے اس طرح کی وبا کے زمانہ میں بھی سفر مامون نہیں ہوتا، پھر تاریخی طور سے ثابت ہے کہ اس طرح کی پابندیاں پہلے بھی لگتی رہی ہیں، اسی لیے پابندی کے جواز پر کبار علمائے عرب کے فتوے بھی آچکے ہیں اور پابندی کو ناجائز قرار دینے والے حضرات نے جن دلائل کو پیش کیا ہے ان کا اطلاق اس وقت ہوسکتا ہے جب بالکل حج موقوف کر دیا جائے اور حرم میں کلی طور پر طواف اور نماز پر پابندی لگا دی جائے، ظاہر ہے عملاً ایسا نہیں ہوا اور اس طرح کی پابندی کو مجوزین بھی ناجائز کہیں گے، جہاں تک مفتی اشرف صاحب کی رائے کا تعلق ہے، شاید عملی طور پر اس کو اختیار کرنا موجودہ حالات میں ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ واللہ اعلم!

عرض مسئلہ

محور سوم/ چہارم

ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی
جامعہ سید احمد شہید، کٹولی، ملیح آباد، لکھنؤ

''مجلس تحقیقات شرعیہ'' ندوۃ العلماء لکھنؤ نے ''کرونا وبا'' سے متعلق مسائل کو اپنے سمینار کا موضوع بنایا ہے، اور محور سوم و چہارم کا عرض تیار کرنے کی ذمہ داری احقر پر ڈالی ہے، اس سلسلہ میں مجلس کے توسط سے راقم سطور کو ۳۲ مقالات دستیاب ہوئے۔

محور سوم کا پہلا سوال ہے: کرونا کے زمانہ میں مساجد کو بند کرنا کیسا ہے؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نویس حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ کرونا یا کسی بھی عام وبا کے زمانہ میں مساجد کو بالکل معطل اور ویران کر دینا کہ محدود پیمانہ پر بھی جمعہ اور جماعت کا اہتمام باقی نہ رہے، درست نہیں ہے۔ البتہ کورونا وائرس سے متاثر افراد مسجد میں نہ آئیں، لیکن حکومت کی طرف سے جتنے لوگوں کی اجازت ہو اتنی تعداد میں صحت مند افراد احتیاطی تدابیر کے ساتھ جمعہ اور پنج وقتہ نمازوں سے مسجدوں کو آباد رکھیں۔

اس رائے کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى فى خرابها، أولئك ما كان لهم أن يدخلوها إلا خائفين، لهم فى الدنيا خزى ولهم فى الآخرة عذاب عظيم﴾ [بقرہ:۱۱۴] (مقالہ: مولانا اختر امام عادل قاسمی ومفتی راشد حسین ندوی وغیرہما)

وجہ استدلال یہ ہے کہ مسجد کی ویرانی کی کوشش میں مسجد کو منہدم کرنا اور مسجد میں نماز پڑھنے اور اسلامی شعائر ظاہر کرنے سے روک دینا سب شامل ہے، لہٰذا وبا کے زمانہ میں بھی مسجد کو بالکلیہ بند کر دینا درست نہیں ہے: وعلى الجملة فتعطيل المساجد عن الصلاة وإظهار الشعائر فيها خراب لها'' (مقالہ: مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، مفتی راشد حسین ندوی، بحوالہ: قرطبی، الجامع لأحکام القرآن ۲/ ۷۷)

۲۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿إنما يعمر مساجد الله مَن آمن بالله واليوم الآخر وأقام الصلاة وآتى الزكاة ولم يخش إلا الله، فعسىٰ أولئك أن يكونوا من المهتدين﴾ [توبہ:۱۸] (مقالہ: راقم الحروف)

وجہ استدلال یہ ہے کہ اہل ایمان جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نماز کا اہتمام کرتے ہیں، زکوۃ ادا کرتے ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، ان کی شان مسجدوں کو آباد کرنا ہے، لہٰذا محض کسی بیماری کے ڈر سے مسجدوں کو ویران رکھنا، ان کی شان نہیں ہوسکتی ہے، بلکہ یہ توہم پرستی ہے جس سے وہ دور رہتے ہیں۔

۳۔ عن جبير بن مطعمؓ أن النبي ﷺ قال: يا بني عبد مناف لا تمنعوا أحدا طاف عند البيت وصلى أية ساعة شاء من ليل أو نهار۔ [سنن ترمذی، حدیث نمبر ۸۶۸، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے] (دیکھئے: مقالہ: مولانا اختر امام عادل قاسمی۔)

اس حدیث میں اگرچہ خانہ کعبہ کے طواف اور وہاں نماز پڑھنے سے روکنے سے منع کیا گیا ہے، لیکن دیگر مسجدوں کا بھی یہی حکم ہے، کیوں کہ مسجد میں پابندی سے حاضر ہونا ایمان کی علامت ہے، حدیث پاک میں ہے: ''إذا رأیتم الرجل یعتاد المساجد فاشھدوا لہ بالإیمان'' [سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۲۶۱۷، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے] (دیکھئے مقالہ: راقم الحروف)

۴۔ فقہی اقوال سے استیناس:

فقہاء اسلام کے یہاں بھی اوقات نماز میں کسی بھی عذر سے مسجد کو بالکلیہ بند کرنے کی کسی گنجائش کا ذکر نہیں ملتا ہے، البتہ غیر اوقات نماز میں مسجد کے سامان کی چوری وغیرہ کے خوف سے مسجد کو مقفل کرنے کا تذکرہ ملتا ہے، علامہ حصکفیؒ رقمطراز ہیں: ''کُرِہ غَلقُ باب المسجد إلا لخوف علی متاعہ، بہ یفتی'' [حصکفی، الدر المختار، کتاب الصلاۃ، مطلب فی أحکام المسجد ۲/۳۷۰] (دیکھئے مقالہ: مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مفتی راشد حسین ندوی اور مولانا محمد صابر حسین ندوی وغیرہم)

فقہاء کے یہاں اس بات کی صراحت ملتی ہے کہ ایسا مریض جس سے لوگوں کو طبعی طور پر کراہت ونفرت ہوتی ہے، جیسے: جذامی وغیرہ اسے مسجد سے روکا جاسکتا ہے، یہی حکم کورونا وائرس کے مریض کا ہے، کیوں کہ دوسرے کو اپنی بیماری کے انفکشن سے ضرر پہنچانا شرعاً جائز نہیں ہے، اور چوں کہ کرونا سے متاثر افراد کی شناخت بہ آسانی ممکن نہیں ہے، لہٰذا مسجد میں لوگوں کے داخلے کو عارضی طور پر نسبتاً محدود کیا جاسکتا ہے، علامہ عینیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''وکذلك ألحق بذلك بعضھم من بفیہ بخر، أو بہ جرح لہ رائحۃ، وکذلك القصاب والسماك والمجذوم والأبرص أولی بالإلحاق، وصرح بالمجذوم ابن بطال، ونقل عن سحنون: لا أری الجمعۃ علیہ، واحتج بالحدیث، وألحق بالحدیث: کل من أذی الناس بلسانہ فی المسجد، وبہ أفتی ابن عمرؓ، وھو أصح فی نفی کل ما یُتأذیٰ بہ'' [عینی، بدر الدین، عمدۃ القاری، کتاب الأذان، باب ماجاء فی الثوم النیئ ۶/۴۶، بیروت، دار الفکر] (دیکھئے مقالہ: مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی)

تاریخ اسلامی سے استیناس:

تاریخ اسلامی کے کسی دور میں خاص طور سے خیر القرون وسلف صالحین کے ادوار میں وبائی صورت حال میں مساجد بند کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس مسجدوں کی طرف رجوع اور زیادہ سے زیادہ عبادات کا اہتمام بڑھ جاتا تھا، چنانچہ قاضی عبدالرحمٰن قرشی دمشقی شافعیؒ اپنے زمانہ میں ۷۶۴ھ کے طاعون کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں: ''وکان ھذا کالطاعون الأول عم البلاد وأفنی العباد، وکان الناس بہ علی خیر عظیم، من إحیاء اللیل، وصوم النھار، والصدقۃ والتوبۃ، فھجرنا البیوت، ولزمنا المساجد، رجالنا وأطفالنا ونساء نا، فکان الناس بہ علی خیر'' [محمد قرشی ت: بعد ۷۸۰ھ، شفاء القلب المحزون فی بیان ما یتعلق بالطاعون/مخطوط] (دیکھئے مقالہ: مفتی شکیل منصور قاسمی، بحوالہ: فتاوی بنوری ٹاؤن)

البتہ ایک مقالہ نگار ڈاکٹر محمد علی بن شفیق ندوی کی رائے ہے کہ اضطراری حالت میں جب کہ وبا پر قابو پانے کے لیے مسجد کو وقتی طور پر بند کرنے کی ضرورت ہو تو اس کی گنجائش ہے اور دور سلف کو نظیر بنا کر اسے ناجائز قرار دینا محل نظر ہے، کیوں کہ موجودہ دور کی طرح اس دور میں میڈیکل سائنس ترقی یافتہ نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ اس دور میں بڑی تعداد میں لوگ مرجاتے تھے، جب کہ موجودہ وقت میں حالات کی سنگینی کا فوری علم ہوجاتا ہے، چنانچہ ارباب اقتدار فوری حلول کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں، خواہ اس کے نتیجہ میں معاشی نقصانات ہی کیوں نہ برداشت کرنا پڑے۔

مناقشہ:

اس رائے کی کمزوری عیاں ہے، کیوں کہ کورونا یا اس جیسی کسی وبا میں گھروں کے اندر عام طور سے چار پانچ افراد رہتے ہیں ان کا باہم اختلاط بھی رہتا ہے، لیکن مرض کا پھیلاؤ نہیں ہوتا ہے، اسی طرح عارضی طور پر مسجدوں میں محدود پیمانہ پر جمعہ وجماعت ہونے سے مرض کا کوئی پھیلاؤ

نہیں ہوگا، لہٰذا مسجدوں کو بالکلیہ بند کرنے کی اجازت کسی حالت میں نہیں دی جاسکتی ہے۔

محور سوم کا دوسرا سوال ہے: کیا جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان دی جائے گی؟

اس سوال کے جواب میں بھی تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ جماعت موقوف ہونے کی صورت میں بھی اذان دی جائے گی، کیوں کہ تمام فرض نمازوں کے لیے ''اذان'' سنت مؤکدہ کفائی ہے، ساتھ ہی اہم دینی شعار بھی ہے، نیز جماعت خیر وبرکت بھی ہے، اس کے بنیادی مقاصد میں سے: اعلاء کلمۃ اللہ، اظہار شریعت اور اعلان رفعت رسول اکرم ﷺ کے علاوہ اوقات نماز کی اطلاع دینا بھی ہے، جو جماعت نہ ہونے کی صورت میں بھی حاصل ہیں: ''شرع الأذان للإعلام بدخول وقت الصلاة، وبإعلاء اسم الله بالتكبير، وبإظهار شرعه ورفعة رسوله، ونداء الناس إلى الفلاح والنجاح'' [الموسوعۃ الفقہیۃ ۲/۳۶۹] (دیکھئے مقالہ: مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا محمد صابر حسین ندوی)

یہی وجہ ہے کہ امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر کسی شہر کے رہنے والے اجتماعی طور پر اذان دینا چھوڑ دیں تو امیر المؤمنین ان سے جہاد کرے گا: ''إذا أصر أهل المصر على ترك الأذان والإقامة أمروا بها، فإن أبوا قوتلوا على ذلك بالسلاح'' [سرخسی، المبسوط ۱/۱۲۴] (دیکھئے مقالہ: مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی اور راقم الحروف)

نیز پوری اذان دی جائے گی، جیسا کہ عہد نبوت میں حالتِ سفر میں موسم کی خرابی یعنی سخت ٹھنڈ یا شدید بارش کی صورت میں اذان کے بعد رسول کریم ﷺ نے ''ألا صلوا في رحالكم'' کے اعلان کا حکم فرمایا۔ (دیکھئے: صحیح البخاری، حدیث: ۶۳۲)

البتہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ''حي على الصلاة کی جگہ الصلاة في الرحال'' کہنے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۶۱۶)

لیکن زیادہ تر روایتوں کا اعتبار کرتے ہوئے یہی بات کہی جائے گی کہ وبا کے زمانہ میں بھی باضابطہ جماعت موقوف ہونے کی صورت میں بھی پوری اذان دی جائے گی اور کسی کلمہ کو ساقط نہیں کیا جائے گا۔

البتہ ایک مقالہ نگار مولانا محمد ممتاز خان ندوی کی رائے ہے کہ اگر مسجدیں بند ہیں، کسی کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، تو ایسی صورت میں اذان دینے کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے، لہٰذا ایسی صورت میں اذان نہیں دی جائے گی، بلکہ ایسی صورت میں اذان ہونے کی وجہ سے لوگوں کو اشتباہ ہوجائے گا کہ مسجد میں نماز ہورہی ہے اور جس چیز سے اشتباہ ہو، اس سے منع کیا گیا ہے۔

مناقشہ:

اس رائے کی کمزوری محتاج بیان نہیں ہے، کیوں کہ اذان اسلام کا ایک اہم شعار ہے، لہٰذا ہر حال میں اسے باقی رکھا جائے گا، نیز اذان کی آواز ایک بڑی یاددہانی کا کام دیتی ہے، لہٰذا وہ بے فائدہ نہیں، بلکہ اللہ کی کبریائی اور اس کے رسول کی عظمت کے اعلان کے ساتھ اذان سن کر لوگ گھروں میں نماز کا اہتمام کریں گے اور روزہ داروں کو بھی اس سے مدد ملے گی، نیز حالتِ انفراد میں بھی اذان کے ساتھ نماز پڑھنا مشروع ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے سفر اور جنگل وبیاباں میں بھی اذان دینے کا حکم فرمایا، لہٰذا اگر بالفرض مسجد میں محدود افراد بھی نہ پہنچ سکیں تو کم از کم مؤذن اذان کے ساتھ اپنی نماز ادا کرلے گا۔

محور سوم کا تیسرا سوال ہے: جماعت میں کتنے افراد شریک ہوں؟ اس بارے میں گورنمنٹ کی ہدایات کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نویس حضرات کی آراء مختلف ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(ا) کورونا وبا کے بڑھتے اثرات پر قابو پانے کے مقصد سے طبی وحفاظتی تدابیر کی بنیاد پر حکومت کی طرف سے جماعت ودیگر اجتماعات کو محدود کرنے کی گائیڈ لائن کی پابندی ضروری ہے، بشرطیکہ حکومت کی نیت خیر خواہی اور وبائی امراض کی روک تھام ہو، نیز اس سلسلہ میں دوہرا معیار

اپنایانہیں جارہا ہو۔

یہ رائے ہے مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی شکیل منصور قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا ممتاز خان ندوی، مفتی محمد اشرف قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا محمد ادریس الرحمٰن کشمیری، ڈاکٹر مفتی محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی اور مولانا محمد نصراللہ ندوی کی، ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

(الف) مسلمان اس ملک کے باشندہ ہونے کی حیثیت سے یہاں پر شہری ہیں اور شہری ہونے کی حیثیت سے ہم نے یہاں کے قانون پر عمل آوری کا عہد کیا ہے، اور اس رو سے ہم یہاں کے قانون کی پاسداری اور اس پر عمل کے پابند ہیں، اور شرعی نقطۂ نظر سے بھی ہم پر یہاں کے قانون پر عمل کرنا واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يأيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود﴾ [مائدہ:۱] اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "المسلمون عند شروطهم" [صحیح البخاری، کتاب الإجارۃ، باب أجر السمسرۃ]

اس کے بعد بھی اگر مسلمان قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں، یا اس کے علاوہ کوئی متبادل صورت پر عمل کرتے ہیں، تو یہ ایفاء عہد کے خلاف عمل ہوگا، اور عہد کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا۔ (دیکھئے مقالہ: مفتی محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی)

(ب) قانون پر عمل نہ کرنے کی صورت میں مسلمانوں کو ذلیل کیا جاسکتا ہے، جب کہ ذلیل ہونے سے خود کو بچانا ضروری ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "لاينبغي للمؤمن أن يذل نفسه، قالوا: كيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء لمالا يطيق" [سنن ترمذی، حدیث ۲۲۵۴] (دیکھئے مقالہ: مولانا محمد ممتاز خان ندوی)

(ج) فقہاء نے بھی اس بات کی صراحت کی ہے کہ غیر معصیت میں حاکم وقت کی اطاعت ضروری ہے، "طاعة الإمام فيما ليس بمعصية واجبة، قال ابن عابدين: إذا أمر الإمام بالصيام في غير الأيام المنهية وجب" [عثمانی، تکملہ فتح الملہم ۳/ ۲۶۸] (دیکھئے مقالہ: مفتی محمد عثمان بستوی) رد المحتار میں ہے: "وتجب طاعة الإمام عادلا كان أو جائرا إذا لم يخالف الشرع" [رد المحتار، کتاب الجہاد، باب البغاۃ ۶/ ۴۱۴] (دیکھئے مقالہ: مفتی محمد جعفر ملی رحمانی)

(۲)۔ جماعت کی تحدید کے سلسلہ میں حکومت کی ہدایات پر عمل کی شرعی حیثیت اباحت کی ہے، یہ رائے ہے مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی محمد طاہر اور ڈاکٹر محمد علی بن شفیق ندوی کی۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ نفس جماعت جمعہ امام کے علاوہ کم از کم تین آدمی سے اور دیگر نمازوں کی جماعت امام کے علاوہ ایک شخص سے بھی قائم ہو جاتی ہے، اور چوں کہ مرض اور خوف بھی ایک عذر ہے، نیز وبائی صورت حال میں یہ خطرہ بھی رہتا ہے کہ فضا مسموم ہو اور لوگ اس کی زد میں آجائیں، اس لیے ایسی صورت میں جماعت میں حاضر نہ ہونے کی گنجائش ہے، جیسا کہ طحاوی میں مذکور ہے: "وخوف ظالم أي على نفسه أو ماله، أو خوف ضياع ماله، لو اشتغل بالصلاة جماعة" [طحطاوی علی المراقی، ص ۱۶۲] لہٰذا حکومت کی جو ہدایات شریعت کے مطابق ہیں ان پر تو عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور جو شریعت کے مطابق نہیں ہیں مگر مجبوری اور عذر کی وجہ سے عمل کرنا پڑتا ہے، اور اس صورت میں نقصان کم ہے، تو ان پر عمل کرنا احوط ہے۔ (دیکھئے مقالہ: مفتی اقبال ٹنکاروی اور مولانا اختر امام عادل قاسمی)

(۳)۔ مسجدوں میں حکومت کی گائیڈ لائن کی پابندی کی جائے کہ پولیس کبھی کبھار معائنہ کے لیے پہنچ جاتی ہے، لیکن گھروں اور دوسری جگہوں پر جماعت کرنے کی صورت میں زیادہ افراد کی شرکت میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

یہ رائے ہے مفتی انور علی اعظمی کی، ان کی دلیل یہ ہے کہ قانون کی رعایت کرنا ایک شہری کی ذمہ داری ہے، لیکن مختلف جگہوں کے حالات

الگ الگ ہوتے ہیں، لہٰذا حالات کے پس منظر میں قانون پر عمل ہوگا۔

(۴)۔ دوران وبا زیادہ سے زیادہ مساجد کو آباد کرنا مطلوب ہے، تاہم مریض احباب کو مسجد میں آنے سے با اخلاق طریقے سے روکا جاسکتا ہے، لیکن صحت مند افراد کو کسی صورت مسجد میں آنے سے نہیں روکا جاسکتا ہے، لہٰذا دوران وبا بھی تمام لوگوں کو مسجد میں باجماعت نمازوں کا اہتمام کرنا ہوگا، کیوں کہ مسجد کو اس کے اعمال سے آباد رکھنا فرض کفایہ ہے، اس لیے حکومت کو مسجد کی اس حیثیت کو سمجھایا جائے، اور عوامی سطح کا دباؤ بنایا جائے، اگر وہ تسلیم نہ کریں تو صاف صاف اعلان کردیا جائے کہ یہ قانون قابل قبول نہیں ہے۔

یہ رائے ہے مفتی نذیر احمد قاسمی کشمیری اور مفتی رفیق احمد بالاکوٹی کی۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مساجد کو جمعہ وجماعت سے تمام احتیاطی تدابیر، مثلاً ماسک، فاصلہ اور سینیٹائزر کے استعمال کے ساتھ آباد رکھنا ضروری ہے۔

(۵)۔ جماعت کی تحدید کے سلسلہ میں گورنمنٹ کی ہدایات پر عمل کی شرعی حیثیت ندب واستحباب کی ہے، یعنی بہتر ہے کہ ان ہدایات کی پابندی کی جائے۔

یہ رائے ہے مولانا ولی اللہ مجید قاسمی اور راقم الحروف کی۔

اس رائے کی دلیل ہے کہ بیماری کی روک تھام کے لیے حکومت مصلحت کے مطابق تصرف کرنے کی پابند ہے، مشہور شرعی قاعدہ ہے: ''تصرف الإمام علی الرعیة منوط بالمصلحة'' [ابن نجیم، الأشباہ والنظائر، ص۱۳۲]

لہٰذا اختلاط اور بھیڑ بھاڑ کی صورت میں مرض کو انتشار سے روکنے کے سلسلہ میں مصلحت کے مطابق حکومت کی وضع کردہ ہدایات پر عمل کرنا مستحب ہوگا۔

مناقشہ وترجیح:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ غیر معصیت میں حکومت کے انتظامی اور مرض کی روک تھام کے لیے وضع کردہ قوانین کی پابندی ضروری ہے، لیکن چوں کہ عام طور سے اس طرح کی ہدایات ظن وتخمین پر مبنی ہوتی ہیں، لہٰذا ان پر عمل کی حیثیت وجوب کی نہ ہوکر استحباب کی ہوگی، محض اباحت کی بھی نہیں ہوگی، کیوں کہ بڑی حد تک ان کی کچھ نہ کچھ بنیاد بھی ہوتی ہے، اور مرض کی روک تھام میں ان ہدایات پر عمل مؤثر بھی ہوتا ہے، اور جب ان کی کچھ نہ کچھ بنیاد ہے تو ان پر عمل حالات کے تابع بھی نہیں ہوگا، اور نہ ہی ان کو ناقابل قبول قرار دیا جاسکتا ہے۔

محور سوم کا آخری سوال ہے: مساجد کے کسی حصہ یا اس کے ملحق جگہ کو کووڈ سینٹر بنانا کیسا ہے؟

اس سوال کے جواب میں بیشتر مقالہ نویس حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مساجد کو کووڈ سینٹر بنانا جائز نہیں ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ یہ مسجد کے مقاصد کے خلاف ہے، کیوں کہ مسجد کی تعمیر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر وتلاوت کے لیے ہوتی ہے، رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''إن ھذہ المساجد لا تصلح لشيء من ھذا البول ولا القذر، إنما ھي لذکر اللہ عزوجل، والصلاة، وقراءة القرآن۔'' [صحیح البخاری، حدیث: ۶۵۱] (دیکھئے مقالہ: راقم الحروف)

۲۔ مسجد میں غیر اللہ کو پکارنا درست نہیں ہے، جب کہ کووڈ سینٹر بننے کے بعد مسلم وغیر مسلم ہر طرح کے مریض وہاں لائے جائیں گے، اور حالت تکلیف میں غیر مسلم اپنے معبودوں کو پکاریں گے، جو قرآن کریم کے حکم کے خلاف ہے: ﴿وأن المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ أحدا﴾ [جن: ۱۸]

۳۔کووڈ سینٹر بننے کے بعد پاک وناپاک ہر قسم کے مریض یہاں لائے جائیں گے، بعض مریض بول وبراز بھی کردیں گے، ریاح خارج کریں گے، ان میں حیض واستحاضہ والی مریض خواتین بھی ہوں گی، جن کو مسجد میں داخل ہونے کی شرعاً اجازت نہیں ہے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:''فإنی لا أحلّ المسجد لحائض ولاجنب''[سنن ابی داود، حدیث:۲۳۲] (دیکھئے مقالہ:مفتی اقبال احمد ٹنکاروی)

۴۔مساجد کو کووڈ سینٹر بنانا اس کے تقدس کے خلاف ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مساجد کو صاف ستھرا رکھنے کا حکم دیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:﴿وطھر بیتی للطائفین والقائمین والرکع السجود﴾[حج:۲۲]

۵۔مساجد میں بیع وشراء اور گمشدہ سامان کا اعلان کرنے سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا، اور اعلان کرنے والے کو بددعا دینے کا حکم دیا کہ تمہارا کھویا ہوا سامان تم کو واپس نہ ملے، کیوں کہ مسجدیں اس کے لیے نہیں بنائی گئی ہیں:''وجنبوا مساجدکم صبیانکم......وشرائکم وبیعکم''[مصنف عبدالرزاق، حدیث:۱۷۴۱] وفی حدیث:''ومن سمع رجلا ینشد ضالة فی المسجد، فلیقل: لا ردّھا الله علیك، فإن المساجد لم تبن لھذا''[صحیح مسلم، کتاب المساجد، حدیث:۵۶۸] (دیکھئے مقالہ:مفتی محمد زید مظاہری) تو پھر مساجد کو کووڈ سینٹر بنانا کیوں کر جائز ہوسکتا ہے؟

ایک اشکال اور اس کا جواب:

بعض مقالہ نگار حضرات نے اس سے بھی بحث کی ہے کہ حضرت سعد بن معاذ بن نعمان انصاری اشہلی اوسیؓ کے علاج کے لیے مسجد میں جو خیمہ لگایا گیا تھا، کیا یہ مسجد نبوی کا واقعہ تھا؟ اگر یہ مسجد نبوی کا واقعہ تھا تو مراد فناء مسجد ہوگا، کیوں کہ مسجد میں خون بہنے کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اور اگر اسے مسجد نبوی کا واقعہ ہی مان لیا جائے تو یہ ایک انفرادی اور مجبوری کی صورت حال تھی، جیسے مجبوری کی حالت میں قیدی کو مسجد کے ستون سے باندھا گیا، نیز یہ واقعہ جنگ کے دوران پیش آیا تھا، اور یہ امر مخفی نہیں ہے کہ جنگ کے حالات امن کے حالات سے مختلف ہوتے ہیں۔

ساتھ ہی بہت سے محققین جن میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ بھی ہیں یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ اصطلاحی مسجد کا واقعہ نہیں ہے، بلکہ بنو قریظہ میں جنگ کے موقع پر نماز پڑھنے کے لیے عارضی جگہ بنائی گئی تھی، جیسا کہ آپ ﷺ کی عادتِ شریفہ تھی کہ جنگ کے موقع پر نماز کے لیے عارضی جگہ بنا لیتے تھے، اور اسی کے قریب رسول اکرم ﷺ کا بھی قیام تھا، اور وہیں کچھ ہٹ کر حضرت رفیدہؓ کا بھی خیمہ تھا، اس لیے حضرت سعد کو وہاں ٹھہرا دیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ خود نگرانی فرماسکیں اور رُفیدہؓ کی خدمات بھی حاصل ہوں۔ (دیکھئے مقالہ:مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا اختر امام عادل قاسمی اور راقم الحروف)

مسجد سے ملحق حصہ کا حکم:

بعض مقالہ نویس حضرات نے اس سے بھی بحث کی ہے کہ مسجد سے ملحق کسی حصہ میں جو مسجد سے خارج ہو، کووڈ سینٹر بنانے سے مسجد کی حرمت پامال ہو اور مسجد میں خلل پیدا ہو، تو اس کی بھی اجازت نہیں ہوگی، اور اگر مسجد کے مقاصد میں خلل نہ ہو تو اس کی گنجائش ہوگی، البتہ مفتی راشد حسین ندوی اور ڈاکٹر مفتی محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی کی رائے ہے کہ مسجد کو اس کا کرایہ دینا ضروری ہوگا، کیوں کہ وہ مسجد کی ملکیت ہے:''ولا تجوز إعارة الوقف والإسکان فیه''[ہندیہ۲/۴۲۰] جب کہ ڈاکٹر محمد علی بن شفیق ندوی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مفتی محمد طاہر اور حافظ کلیم اللہ عمری مدنی کی رائے ہے کہ مجبوری کی حالت میں جمعہ اور پنج وقتہ نماز کی جگہ کو چھوڑ کر مسجد کے باقی حصہ کو کووڈ سینٹر بنانے کی گنجائش ہے، چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے:''جعل شيءٍ من الطریق مسجدا لضیقه جاز، لأنھا للمسلمین کعکسه، أي کجواز عکسه، وھو ما إذا جُعل فی المسجد ممر لتعارف أھل الأمصار فی الجوامع، وجاز لکل أحد أن یمر فیه حتی الکافر إلا الجنب والحائض والدواب''[ابن عابدین، ردالمحتار۶/۵۷۴]

جب کہ ان میں سے بعض نے ان شرطوں کے ساتھ گنجائش کی بات کی ہے،: تمام حکومتی عمارتیں، مدارس، اسکول کالج، ہوٹل، اسٹیڈیم اور مسجد سے ملحق حصے کورونا کے مریض سے بھر جائیں اور جمعہ اور پنج وقتہ نماز کی جگہ چھوڑ دی جائے تو گنجائش ہے، ورنہ نہیں۔

مناقشہ:

یہ ظاہر ہے کہ دنیا کے کسی خطہ میں ایسی صورت حال پیدا نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی یہ چیز کبھی مسلمانوں میں متعارف رہی ہے، لہٰذا علامہ ابن عابدین شامیؒ کے ذکر کردہ جزئیہ سے استدلال کرنا درست نہیں ہے، اور چوں کہ یہ مسجد کے تقدس کے خلاف ہے، اس لیے یہ ایک فرضی اور کمزور رائے ہے، ایسی حالت میں بھی مسجد کے استعمال کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، بلکہ مختلف میدانوں میں خیمے لگا کر علاج ومعالجہ کیا جائے گا۔

اس کے برعکس مولانا اختر امام عادل قاسمی صاحب کی رائے ہے کہ یہی خرابیاں مسجد سے ملحق حصہ پر سینٹر کھولنے میں بھی پیش آئیں گی، اس لیے وہاں بھی اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، نیز فناء مسجد کئی امور میں مسجد کے حکم میں ہے، اس لیے اس کا بھی احترام اسی طرح فرض ہے، ''وفی المجتبی: وفناء المسجد له حکم المسجد یجوز الاقتداء فیه، وإن لم تکن الصفوف متصلة، ولا تصح فی دار الضیافة إلا إذا اتصلت الصفوف''[ابن نجیم، البحر الرائق ۱/ ۳۸۵]۔

محور چہارم کا پہلا سوال: کرونا سے متأثر مریض کو الگ تھلگ کر دینا اور اس کی تیمارداری نہ کرنا کیسا ہے؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نویس حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ عام مریضوں کی طرح کورونا سے متاثر مریضوں کی تیمارداری بھی ضروری ہے، اور اس معاملہ میں کوتاہی گناہ ہے، البتہ کسی وائرس کے مریض سے منتقل ہونے کا گمان غالب ہو، تو اس سے بچاؤ کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے اس کی تیمارداری کی جائے گی، لیکن ایسے مریض کو بالکل الگ تھلگ کر دینا کہ اسے اجنبیت کا احساس ہونے لگے اور کوئی اس کا پرسان حال نہ ہو، درست نہیں ہے، کیوں کہ بعض امراض کا جراثیم کے ذریعہ متعدی ہونا اگرچہ امر مسلم ہے، البتہ یہ من جملہ اسباب کے ہیں، نہ بیماری کا پیدا ہونا کسی بیمار سے میل جول پر موقوف ہے، اور نہ یہ ضروری ہے کہ بیمار شخص سے میل جول لازمی طور پر بیماری کو پیدا کر دے، لہٰذا ان اسباب سے متاثر ہونا اور نہ ہونا بہر حال مشیت خداوندی اور تقدیر الٰہی کے تابع ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿قل لن یصیبنا إلا ما کتب الله لنا، هو مولانا وعلی الله فلیتوکل المؤمنون﴾[توبہ:۵۱] (کہہ دیجیے کہ ہمارے ساتھ وہی ہوتا ہے جو ہماری تقدیر میں ہے، اور اللہ ہی پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہئے) (دیکھئے مقالہ: مفتی اقبال محمد ٹنکاروی وراقم الحروف) لیکن اصلاً مریض کی تیمارداری کرنا اس کے رشتہ داروں کی ذمہ داری ہے، پھر درجہ بدرجہ دوسرے لوگوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، چنانچہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ مریض کی تیمارداری فرض کفایہ ہے، جس کی ذمہ داری رشتہ داروں، دوستوں، پڑوسیوں اور پھر عام انسانوں پر عائد ہوتی ہے: ''صرح الفقهاء بأن التمریض فرض کفایة، فیقوم به القریب، ثم الصاحب، ثم الجار، ثم سائر الناس''[الموسوعة الفقهیة۱۴/ ۱۸] (دیکھئے مقالہ: مولانا اختر امام عادل قاسمی)۔

اور ہر طرح کے مریض کی تیمارداری ضروری ہے، کسی مریض کی تیمارداری میں کوتاہی جائز نہیں، جس طرح ہر قسم کے مرض میں مبتلا مریض کی عیادت مشروع ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''عودوا المریض''[صحیح البخاری، حدیث: ۵۶۴۹]

اور علامہ بدر الدین عینیؒ اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں: ''وأطلق الوجوب علی عیادة المریض لظاهر الحدیث فیحتمل أن یکون من فروض الکفایة، ویحتمل أن یکون ندبا، ویتأکد فی حق بعض الناس، وقال الداودی: هو فرض یحمله بعض الناس عن بعض واستدل بعموم قوله: "وعودوا المریض" علی مشروعیة العیادة فی کل مرض''[عینی، عمدة القاری ۲۱/ ۲۱۳] (دیکھئے مقالہ: مفتی محمد زید مظاہری ومفتی اقبال محمد ٹنکاروی)

لہٰذا مریض کے رشتہ داروں کی کوشش ہونی چاہئے کہ احتیاطی تدابیر کے ساتھ خود ہی تیمارداری کرے، لیکن ہسپتال کے عملہ کی طرف سے اگر وائرس کے انتشار کی وجہ سے اس کی ممانعت ہو اور عملہ ہی مناسب تیمارداری انجام دے رہے ہوں اور کوئی کوتاہی نہ کر رہے ہوں تو یہ بھی کافی ہے،

البتہ ڈاکٹروں کو چاہئے کہ ایک دو قریبی رشتہ داروں کو احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی تاکید کے ساتھ تیمارداری کی اجازت دے دیں، کیوں کہ طاعون اور دیگر وبائی امراض کے موقع پر وبا کی جگہ سے بھاگنے کی ممانعت کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مرض سے متاثر افراد بے یار و مددگار نہ رہ جائیں۔(دیکھئے مقالہ: مفتی محمد عثمان بستوی)

امام غزالیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''لو رخص للأصحاء في الخروج لما بقي في البلد إلا المرضى الذين أقعدهم الطاعون، فانكسرت قلوبهم، وفقدوا المتعهدين''[غزالی، إحیاء علوم الدین، بیان الرد علی من قال: ترک التداوی أفضل بکل حال ۴/۲۹۱]۔

محور چہارم کا آخری سوال ہے: کرونا سے متاثر مریض کے علاج کا خرچ اگر افراد خاندان برداشت نہ کرسکیں تو حکومت یا سماج کی کیا ذمہ داری ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں بھی تمام مقالہ نگار حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ کرونا سے متاثر مریض کے علاج وخرچ افراد خاندان، جن کے ذمہ نان نفقہ واجب ہوتا ہے برداشت نہ کرسکیں، تو پھر ایسی صورت میں حکومت پر فرض ہے کہ اس کے علاج کا بندوبست کرے، کیوں کہ حکومت سماج کی نمائندہ ہے، لہٰذا سماج کی نیابت میں اس پر واجب ہے کہ کرونا سے متاثر محتاج مریض کے علاج و معالجہ کے سلسلہ میں مدد کرے، ایک حدیث میں حکومت کی اس ذمہ داری کو اس طرح واضح کیا گیا ہے: ''أنا أولى بكل مؤمن من نفسه، فمن ترك دينا أو ضيعة فإليّ، ومن ترك مالا فلورثته، وأنا مولى من لا مولى له''[سنن ابی داود، حدیث: ۲۹۰۰، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے](دیکھئے مقالہ: مولانا ولی اللہ مجید قاسمی وراقم الحروف)

فقہاء نے بھی بے سہارا مریضوں کے مصارف کے لیے بیت المال میں جمع مال کی ایک مد کا مستقل طور سے ذکر کیا ہے: ''الرابع: اللقطات ...... وما أخذ من تركة الميت الذي مات ولم يترك وارثا......وهذا النوع يصرف إلى نفقة المرضى وأدويتهم وهم فقراء......فإن لم يكن في بعضها شيئ فللإمام أن يستقرض عليه مما فيه مال''[ہندیہ ۱/۱۹۱]

(دیکھئے مقالہ: مولانا محمد ادریس الرحمٰن کشمیری ومفتی راشد حسین ندوی)

اگر حکومت اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کرے تو ایسے محتاج مریض کا علم رکھنے والے سماج کی ذمہ داری ہے کہ اس کی مدد کرے تاکہ اس کا علاج ہوسکے اور یہ نوبت نہ آئے کہ وہ ہلاک ہوجائے، کیوں کہ جو شخص بھی تعاون کا اس طرح محتاج ہو کہ تعاون نہ کرنے کی صورت میں جان کا خطرہ ہو اور تعاون مل جانے سے جان بچ جانے کا ظن غالب ہو تو تعاون کرنا شرعاً واجب ہوجاتا ہے، علامہ شامی رقمطراز ہیں: ''قوله: فإن لم يكن بيت المال معموراً، أي: بأن لم يكن فيه شيئ، أو منتظما أي: مستقيما بأن كان عامرا، ولا يصرف مصارفه، قوله: فعلى المسلمين،أي العالمين به، وهو فرض كفاية يأثم بتركه جميع من علم به ـ''[ابن عابدین، رد المحتار، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب فی کفن الزوجۃ علی الزوج ۳/۱۰۱](دیکھئے مقالہ: مفتی اقبال احمد ٹنکاروی)۔

ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: ''وما يحتاج إليه من نفقة وكسوة وسكنى ودواء ومهر ففي بيت المال، وإن كان له مال أو قرابة ففي ماله أو على قرابته''[مرجع سابق، کتاب اللقیط ۶/۴۲۴](دیکھئے مقالہ: مفتی محمد عثمان بستوی)

حاصل یہ کہ بے سہارا افراد کی مدد کرنا سماج کی ذمہ داری ہے، لہٰذا کورونا سے متاثر مریض کے علاج کا انتظام اس کے اعزہ واقرباء نہ کرسکیں، اور حکومت بھی اپنی ذمہ داری میں کوتاہی برتے تو سماج کی ذمہ داری ہے کہ ایسے حاجتمندوں کی مدد کرے، کیوں کہ مالی فرض صرف زکوۃ سے پورا نہیں ہوتا ہے، زکوۃ کے علاوہ بھی بہت جگہ پر مال خرچ کرنا فرض وواجب ہوتا ہے، جیسے کوئی مسکین غریب مر رہا ہے اور آپ اپنی زکوۃ ادا کرچکے ہیں، مگر اس وقت مال خرچ کرکے اس کی جان بچانا فرض ہے۔(مقالہ: مفتی محمد اشرف قاسمی بحوالہ معارف القرآن ۱/۴۲۳)۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب۔

عرض مسئلہ

محور پنجم وششم

اقبال احمد قاسمی
صدر مدرس ومفتی مدرسہ مظہر العلوم

کرونا وبا کے سبب پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے ارسال کردہ سوالات کے جوابات پر مشتمل ۳۱ رحضرات اہل علم کے مفصل ومختصر مقالات احقر کے پیش نظر ہیں جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱	ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی	دہلی
۲	ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی	جامعہ سید احمد شہید کٹولی، لکھنؤ
۳	مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی	دار العلوم ماٹلی والا، بھروچ، گجرات
۴	حافظ کلیم اللہ عمری مدنی	جامعہ دار العلوم، عمرآباد
۵	مولانا سلمان انور قاسمی	گوپا گنج، مئو
۶	مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی	کیرلا
۷	مولانا اختر عادل امام قاسمی	جامعہ امام ربانی، سمستی پور، بہار
۸	ڈاکٹر مفتی محمد اشرف قاسمی	اجین۔ مدھیہ پردیش
۹	مفتی انور علی اعظمی	مئو
۱۰	محمد ممتاز خان ندوی	مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی
۱۱	مفتی راشد حسین ندوی	مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی
۱۲	مفتی محمد طاہر	مظاہر علوم جدید
۱۳	مفتی عبید اللہ ندوی	دار العلوم ماٹلی والا، بھروچ، گجرات
۱۴	مفتی محمد صابر حسین ندوی	جامعہ ضیاء العلوم، کرناٹک
۱۵	مفتی شکیل منصور القاسمی	امریکہ
۱۶	خواجہ معین الدین اکرامی ندوی مدنی	جامعہ اسلامیہ، بھٹکل

۱۷	مفتی محمد عثمان بستوی	مدرسہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور
۱۸	مولانا خورشید احمد اعظمی	مئو
۱۹	مفتی ولی اللہ مجید قاسمی	مئو
۲۰	قاضی محمد حسن ندوی	دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ، گجرات
۲۱	مفتی نذیر احمد کشمیری	دارالعلوم رحیمیہ، باندی پورہ، کشمیر
۲۲	مفتی شمشیر حیدر قاسمی	رانی گنج، ارریہ، بہار
۲۳	مولانا محمد ادریس الرحمٰن قاسمی	کشمیر
۲۴	مفتی مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی	دارالعلوم، گڑھا، گجرات
۲۵	مولانا اکرام احمد ندوی	المعہد العالی للدراسات الاسلامیہ لکھنؤ
۲۶	مفتی اقبال احمد قاسمی	کانپور
۲۷	الشیخ محمد احسن	فلسطین عربی مقالہ
۲۸	الدکتور محمد علی بن شفیق ندوی	عربی مقالہ
۲۹	مولانا محمد نصر اللہ ندوی	دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۳۰	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی	پاکستان

کرونا وبا سے متعلق سوالات کا پانچواں محور کرونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل ہیں۔اس پانچویں محور میں پانچ سوالات قائم کئے گئے ہیں۔

پہلا سوال: کرونا سے انتقال کرنے والوں کو غسل کس طرح دیا جائے، اگر غسل دینے کی اجازت نہ ہو یا غسل ممکن نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ کیا بلا غسل دفن کرنا جائز ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں اس پر تو سبھوں کا اتفاق ہے کہ کرونا سے فوت ہونے والے شخص کو اگر شرعی طریقہ پر غسل دینا ممکن ہو تو عام مسلمان میت کی طرح مسنون طریقہ پر اس کو غسل دیا جائے، پوری طرح غسل کی آزادی نہ ہو اور صرف میت کے بدن پر پانی بہادینے کی کوئی سبیل ہو یا مثلاً اسپتال کا عملہ ہی ایک بار پائپ کے ذریعہ پورے بدن پر پانی بہادے تو غسل کا فریضہ ادا ہو جائے گا لیکن جب غسل کسی طرح ممکن نہ ہو تو میت کو باڈی کور میں پیک کئے جانے سے پہلے براہ راست ہاتھ میں گلپس، دستانہ پہن کر میت کے چہرہ وہاتھوں پر تیمّم کرادیا جائے نیز میت کے پیک کئے جانے کے بعد بھی اگر ہاتھ وچہرہ کھولنا ممکن ہو تو غسل کی جگہ تیمّم کرانا لازم ہے، مجبوری میں یہ تیمّم غسل کا بدل ہو جائے گا، اگر غسل وتیمّم کی کوئی صورت نہ ہو اور باڈی کور کو ہٹانے یا کھولنے کی بالکل اجازت نہ ہو تو اب باڈی کور کے اوپر پانی بہانے یا مسح وتیمّم کرانے کا حکم ہوگا یا اب بلا غسل و تیمّم کے نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جائے گا؟ مقالہ نگار حضرات میں سے اکثر نے کور پیک پر پانی بہانے یا مسح کرانے کی بحث سے اثباتاً یا نفیاً تعرض نہیں کیا اور صرف عام حکم کے بیان پر اکتفا کیا ہے کہ غسل وتیمّم پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں بلا غسل وتیمّم نماز جنازہ پڑھ کر میت کو دفن کر دیا

جائے۔البتہ مفتی محمد عثمان قاسمی بستوی، خواجہ معین الدین ندوی، مفتی ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی کی رائے اثبات میں ہے یعنی جب میت کو غسل وتیمّم کی صورت نہ بن سکے تو باڈی کور کو جبیرہ کے حکم میں رکھ کر اس کے اوپر سے پانی بہادیا جائے یا کم از کم تر ہاتھ سے پوری باڈی پر مسح کر دیا جائے۔جب کہ مفتی اقبال ٹنکاروی، مفتی شکیل منصور قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری، مولانا اکرام احمد ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی کی رائے نفی میں ہے، یعنی کور پر پانی بہانا یا اس پر مسح وتیمّم کرنا درست نہیں ہے۔

مفتی عثمان قاسمی لکھتے ہیں:

حضرات فقہاء نے غسل میت کے اسقاط کے لیے تین اسباب بیان فرمائے ہیں:

(١) انعدام الغاسل (٢) انعدام ما يغسل به (٣)شهادت

اوّل الذکر دونوں اسباب پائے جانے کی صورت میں تیمّم کا حکم ہے اور تیمّم بھی ممکن نہ ہو تو غسل ساقط ہے، البتہ مذکورہ صورت کو جبیرہ سے بھی بہت مشابہت حاصل ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ جبیرہ پر مسح کیا جائے یا جبیرہ کو دھلا جائے لہٰذا مذکورہ صورت میں اگر تیمّم ممکن نہ ہو تو تیمّم کرایا جائے گا ورنہ اسی کور کے اوپر پانی بہادیا جائے یا مسح کرادیا جائے۔ غسل الميت يسقط بأسباب أحد ها إنعدام الغاسل، والثاني: إنعدام مايغسل بـه والثـالـث: الشهادة (المحيط البرهاني ـ ج:٢، ص: ٢٨٥) ولو أدخل رأسه، الإناء أوخفه، أو جبيرته وهو محدث اجزأ ه، ولم يـصـر الـماء مستعملا و إن نوى، (شامي۔ج:١،ص: ٢١٤) ويمسح نحو مفتصد و جريح على كل عصابة إن ضره الماء أو حلها انكسر ظفره فجعل عليه دواء أو وضعه على شقوق رجله أجرى الماء عليه إن قدر و الإمسحه والإ تركه(شامي۔ ١/ص:٤٧٢)

مفتی ولی اللہ مجید قاسمی نے بھی انہیں عبارتوں کے حوالہ سے فرمایا ہے کہ اگر کور کو جبیرہ کے حکم میں رکھ کر اس کے اوپر سے پانی بہادیا جائے یا مسح کر دیا جائے تو بہتر ہے۔

خواجہ معین الدین ندوی نے تحفۃ المحتاج لابن حجر ھیتمی کی عبارت سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہاتھ گیلا کرکے یا کپڑے یا دستانے سے سارے پلاسٹک پر ہاتھ پھیر دے، یہ مسح مکمل پلاسٹک پر اس طرح کیا جائے کہ کوئی جگہ خالی نہ بچے تو یہ اس صورت میں غسل مانا جائے گا۔

وإن كـان عـلـى الـعـليل ساتر كجبيرة ولايمكن نزعها عنه لخوف محذور لامر، غسل الصحيح ويتلطف بغسل أخذته الجبيرة مـن الـصـحيـح بحسب الإمكان ، وما تعذر غسله مما تحتها وأمكنه، مسه الماء بلا إفاضة لزمه وإن لم توجد فيه حقيقة الـغسـل لأنـه أقـرب إليهـا مـن المسح تتعين و يجب مع ذلك السابق مسح كل جبيرته أو نحوها وقت غسل عليه بماء، أما أصل الـمسـح فلخبرالمشجوج السابق وأماتعميمه فلأنه مسح أبيح للعجز عن الأصل كالمسح فى التيمم و به فارقت الخف ـ (تحفة المحتاج لابن حجر الهيتمي، ص:١١٩، (إعانة الطالبين ص: ٩٦/١)

مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں کہ اگر غسل دینا قانونی ممانعت کی وجہ سے ممکن نہ ہو تو کور پر ہی پانی بہادینا غسل کے لیے کافی ہوگا۔ لـو كـان الميت متفسخايتعذر مسحه كفى صب الماء عليه (هنديه ـ ج:١،ص:١٥٨، باب الجنائز، الفصل الثاني غسل الميت)

اس رائے کے برعکس دوسری رائے کے قائلین کے دلائل یہ ہیں۔

مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی، محمود الفتاوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

’’میت پلاسٹک میں سیل پیک ہے تو غسل کا پانی اس کے جسم کو نہیں لگے گا اور غسل درست نہ ہوگا۔‘‘

نیز مفتی صاحب نے یوپی افتاء کونسل کی تجویز بھی ذکر کی ہے کہ یوپی افتاء کونسل نے ۲۵۔۲۸ مارچ ۲۰۲۰ء زوم ایپ پر ’’ الـمستـجـدات

الفقهية لنازلة فيروس كورنا كو فيد١٩" عنوان پر جو مجلس کا انعقاد کیا اس میں تیس سوالات کے جوابات جاری کئے۔اس میں سوال نمبر۱۹ کے تحت میت کے غسل وتیمّم کے سلسلے میں متفقہ جواب یہی رہا کہ ایسی صورت میں غسل وتیمّم ساقط ہے۔(دیکھئے فتاوی العلماء حولة فيروس كورونا : البيان الختامي للمجلس الأوروبي للإفتاء والبحوث المنعقدة بتقنية زوم التواصلية۔ رقم الفتوى ۔ج:٣٠، ص: ١٩، ٧٤: ، دارالبشير القاهرة)

مفتی راشد حسین ندوی اور مولانا محمد صابر حسین ندوی نے ایسی میت کو شہید پر اسی طرح وہ شخص جو غسل ونماز کے بغیر دفن کردیا گیا ہو یا کسی چیز کے نیچے دب کر مرجائے یا گہرے پانی میں ڈوب کر مرجائے اور نکالا نہ ج اس کے اس پر قیاس کیا ہے کہ بلا غسل وتیمّم کے ہی اس پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔مولانا صابر حسین نے مغنی المحتاج ج:۲،ص:۵۸،۵۹ عمدۃ المفتی والمستفتی ص:۲۴۰،ج:۱ کی مفصل عبارت بھی نقل کی ہے۔

مولانا راشد حسین ندوی، مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری، مفتی شکیل احمد قاسمی، نے شامی کا جزئیہ: مقطوع اليدين والرجلين إذا كان بوجهه جراحة يصلي بغير طهارة ولاتيمم ولايعيد على الأصح۔(شامي۔ص:١٥٨، ج:١، باب التيمم ، هنديه، ج:١،ص:٣١) سے استدلال کیا ہے۔مولانا محبوب فروغ قاسمی اس کے تحت لکھتے ہیں جو حکم نمازی کے لیے نماز پڑھنے کی بابت ہے وہی حکم میت کے لیے اس پر نماز پڑھنے کی بابت ہوا کرتا ہے۔

مفتی شکیل منصور قاسمی تحریر فرماتے ہیں: اسپتال یا انتظامیہ کی طرف سے فراہم کردہ پیکنگ پر ہاتھ پھیرنے یا اس کے اوپر سے تیمّم کرانے کی قطعی ضرورت نہیں کیوں کہ شریعت میں غسل یا تیمّم کا حکم براہ راست بدن سے متعلق ہوتا ہے، کسی پیک کردہ چیز سے نہیں۔اور پانی بہانے یا مسح کرنے کو مسح علی الجبیرہ پر قیاس کرنا بھی اس لیے غلط ہے کہ جبیرہ یا جبیرہ جیسی چیز پر مسح اس وقت جائز ہوتا ہے جب وہ عضو پر بندھی ہوئی ہو۔یعنی جسم سے اچھی طرح چپکی ہوئی ہو۔ (ولو على جبيرة) ويجب شدها إن لم تكن مشدودة (طحطاوی علی الدر المختار ج:۱ص:۱۳۷،دیوبند)اور باڈی بیگ جسم سے منفصل ہوتا ہے لہٰذا باڈی بیگ، ڈبل باڈی بیگ یا کافین یعنی تابوت وغیرہ پر بھیگا ہاتھ یا بھیگا کپڑا پھیر کر مسح کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ عذر ومجبوری کی وجہ سے طہارت کا حکم سرے سے ساقط ہوجائے گا اور اسی حالت میں نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کردی جائے گی۔دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے اس بابت تفصیلی فتوی مرقومہ: ۷۴۸ـNـ۹ـTـ۱۱۳ـ۱۴۴۱ھ جاری ہوچکا ہے۔مفتی شکیل منصور قاسمی نے الضیاء المعنوی مخطوطہ ص:۱۸۲ سے بھی ایک جزئیہ نقل کیا ہے:

بخلاف المريض إذا لم يستطيع غسل الأعضاء ولا التيمم فإن الأعضاء يجعل كالذاهبة أصلاً للعذر فلهذا يصلي بغير طهارة كذا في الإيضاح۔

مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی نے بھی باڈی کے اوپر مسح یا تیمّم کو غلط ثابت کیا ہے لکھتے ہیں تیمّم کرانے کا حکم بظاہر سمجھ میں نہیں آتا ہے اس لیے کہ تیمّم کا تعلق جسم سے ہوا کرتا ہے باڈی بیگ کی وجہ سے میت کا جسم مستور ومحجوب ہوجاتا ہے جس سے جسم پر مسح کے بجائے کور اور تھیلے پر مسح ہو پاتا ہے۔

والتأمن منها (من شروط التيمم) زوال ما يمنع (المسح على البشرة كشمع وشحم، لأنه يصير به المسح عليه لاعلى الجسد۔(مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي باب التيمم ۔ص: ١٢١)

اسی طرح ایسا لگتا ہے کہ اس باڈی بیگ کا حکم جبیرہ کا نہ ہو کیوں کہ جبیرہ کے عمومی احوال سے ایسا لگتا ہے کہ یہ اس وقت ممسوح ہوتا ہے جب کہ اس کا کچھ حصہ بلکہ اکثر حصہ نا قابل غسل ہے تو حکم تیمّم کا ہوتا ہے، اکثر حصہ قابل غسل ہے بعض حصہ نا قابل غسل ہے تو حکم مسح علی الجبیرہ کا ہوتا ہے۔

ولو كان أكثر البدن أو نصفه جريحا تيمم ، وإن كان أكثره صحيحا غسل و مسح الجريح ولايجمع بين الغسل و التيمم۔ (مراقي الفلاح ۔ ص ١٢١، باب التيمم)

عارض کے خیال میں فقہی جزئیات ودلائل کی روشنی میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پلاسٹر یا پٹی وغیرہ پہ مسح کا مسئلہ زندہ لوگوں کے ساتھ خاص ہے، مرحومین کے لیے غسل میں پلاسٹر یا پٹی پر مسح نہیں ہے، فقہاء نے میت کے لیے جبائر پر مسح کا تذکرہ اسی لیے نہیں کیا ہے کیوں کہ غسل میت میں مسح علی الجبائر جائز ہوتا تو کفن پر بھی مسح درست ہوتا جب کہ کفن پر مسح تو ارث امت کے خلاف ہے، شیخ محمد علیش مالکی فرماتے ہیں: ولم یذکروا هنا مسحاً علی الجبائر ولا المسح علی الکفن ولیس من عمل الناس ۔ (التقریرات علی حاشیة الدسوقی علی الشرح الکبیر۔ ج:۱، ص:۴۱۰)

اس لیے احقر بھی اسی کو راجح سمجھتا ہے کہ جب تمام تر کوشش کے باوجود غسل دینے یا تیمّم کرانے کی کوئی صورت نہ بن سکے تو ایسی مجبوری میں غسل یا تیمّم کا حکم ساقط ہو جائے گا اور غسل وتیمّم کی جگہ کور یا باڈی پر بھیگا ہاتھ پھیرنے یا بھیگا کپڑا پھیر کر مسح کرنے یا اوپر سے تیمّم کرانے کے تکلف یا تکلیف کی کوئی ضرورت اور بنیاد نہیں ہے بلکہ اب بلا غسل وتیمّم کے اسی حالت میں نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کر دی جائے گی۔ جیسا کہ دارالعلوم دیوبند کا یہی فتوی ہے یہ تو اصل حکم سے متعلق بحث تھی، باقی یہ کہ کرونا میت کو غسل دینا کیا واقعۃً کسی نقصان کا سبب ہوسکتا ہے؟ اس بحث کو مفتی نذیر احمد کشمیری صاحب نے عقلی وطبی اعتبار سے مدلل طور پر لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ کرونا میت کو غسل دینے میں ضرر کا کوئی پہلو نہیں ہوتا، اس لیے حتی الامکان ایسی میت کو بھرپور مسنون غسل دینے کی سعی کرنی چاہئے۔

سوال: (۲) محور پنجم کا سوال نمبر ۲ یہ ہے کہ

اگر کرونا کے میت کو اسپتال کی طرف سے مخصوص کور میں لپیٹ دیا جائے اور اسے کھولنے اور ہٹانے کی اجازت نہ ہو تو کیا وہ کور کفن کے حکم میں ہوگا؟ یا اس کے اوپر کفن لپیٹ کر دفن کیا جائے گا؟

اس کے متعلق مقالہ نگاروں نے اپنے اپنے انداز میں یہی بات لکھی ہے کہ کفن کا مقصد ستر ہے جو اس غلاف سے حاصل ہو جاتا ہے لہٰذا جب مسنون طریقہ پر کفن دینا متعذر رہو تو یہ کور ہی کفن کے حکم میں ہوگا البتہ مخصوص کور کے اوپر کفن پہنانے کی اجازت ہو تو اسی کور پر مزید کفن لپیٹ دینا چاہئے بغیر مجبوری کے کفن مسنون سے کم کفن دینا مکروہ ہے۔

اکثر حضرات نے استدلال میں یہ جزئیہ ذکر کیا ہے: ”أما کفن الضرورة أن یکفن فیما یوجد.“

(المحیط البرهانی ۔ ج:۲، ص:۳۱۶)

بعض حضرات نے غزوۂ احد میں حضرت مصعب بن عمیر کے ایک کپڑے میں کفن دیئے جانے کے واقعہ سے استدلال کیا ہے۔ (مقالہ مفتی شکیل منصور قاسمی ادریس الرحمٰن کشمیری) نیز بعض حضرات نے بعض دیگر شہداء کے کفن کو بطور مثال پیش کیا ہے۔

مفتی محمد عثمان گورینی لکھتے ہیں:

جب میت کے اوپر سے کور کو ہٹانا ممکن نہ ہو اور میت کے بدن پر پہلے سے لباس موجود ہو اور کور اس کے اوپر پہنایا گیا ہو، تو ایسی صورت میں ضابطہ کا تقاضا یہ ہے کہ اگر میت مرد ہو تو اس کے اوپر ایک سفید چادر ڈال کر اس میں لپیٹ دیا جائے تو کل تین کپڑے ہو جائیں گے ایک اسکا اپنا لباس ایک کور اوپر سے کفنی اور اگر میت عورت ہو تو ایسی صورت میں اس کو مزید تین کپڑے دیئے جائیں تاکہ کفن مسنون کی تعداد پوری ہو جائے یہ میت کا حق ہے لہٰذا ورثا اگر چہ نابالغ ہوں تو بھی اس کے ترکہ سے کفن کی یہ تعداد پوری کرنا شرعاً مسنون ہے۔

حاصل یہ ہے کہ کور کو پورا کفن نہیں مانا جائے گا، کفن کے ایک کپڑے یعنی ازار یا کرتہ کے حکم میں ہوگا اب جتنی تعداد کفن مسنون سے کم ہو وہ پوری کی جائے اس سے بحث نہیں کہ نیچے کے کپڑے رنگین ہیں یا سفید، نئے ہیں یا پرانے، پاک ہیں یا ناپاک کیوں کہ جب ان کو اتارنا ممکن نہیں تو جس طرح سے شہداء کے بدن پر موجود کپڑوں کو بھی کفن کا درجہ دیدیا جاتا ہے، اسی طرح سے ایسے میت کے بدن پر موجود کپڑوں کو بھی کفن کا درجہ دیدیا جائے گا۔

تمام مقالہ نگاران میں سے صرف مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی نے اپنا یہ رجحان ظاہر کیا ہے کہ کرونا سے مرنے والے کا جو باڈی بیگ ہے چوں کہ وہ ستر کے کے لیے استعمال نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی زندگی میں اس کو انسان لباس کے طور پر استعمال کرتا ہے بعض طبی نقطۂ نظر اور کرونا ضرورت کے لیے چسپاں کر دیا جاتا ہے لہٰذا وہ کفن کے مفہوم سے خارج ہے اور شرعی طور پر کفن کی نیابت نہیں کرتا ہے اس لیے وہ کفن کے لیے کفایت نہیں کرے گا۔ اس لیے الگ سے کفن دینا ہوگا وارثین پر لازم ہے کہ شرعی کفن کا انتظام کریں۔ لیکن مولانا کی یہ بات اختیاری حالت میں تو قابل عمل ہے جب کہ یہاں گفتگو حالت اختیار کی نہیں حالت اضطرار کی ہے جب کہ وہ ہٹانا ممکن نہیں تو اسی پر اکتفاء لازم ہے، اور وہی کفنِ ضرورت ہے زائد سے زائد یہ کہ اجازت ملنے پر مزید کفن شامل کیا جاسکتا ہے جیسا کہ اوپر ذکر آیا ہے۔

محور پنجم کا تیسرا سوال یہ ہے کہ

اگر کرونا میت کی بغیر نماز جنازہ تدفین کے بعد گھر والوں کو اسکی اطلاع دی جائے تو ایسی صورت میں بعد تدفین قبر کے پاس نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

اس کے جواب میں سبھی مقالہ نگار متفق ہیں کہ کرونا سے وفات یافتہ شخص کو اگر جنازہ کے بغیر دفن کر دیا گیا ہو اور تدفین کے بعد گھر والوں کو اسکی اطلاع ملی تو اسکی نماز جنازہ ساقط نہ ہوگی خواہ اس کو غسل دے کر دفنایا گیا ہو یا بلا غسل کے بہرحال اسکی قبر پر نماز جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے، البتہ اگر تدفین کی اطلاع اتنی تاخیر سے ملی کہ اب اس بات کا گمان غالب ہو کہ قبر میں میت پھٹ چکی ہوگی تو اب قبر پر بھی نماز جنازہ پڑھنا درست نہ رہے گا۔ اسی طرح اگر میت کے ولی نے قبر پر ایک بار نماز جماعت سے پڑھ لی تو اب دوبارہ دیگر لوگوں کے لیے جنازہ پڑھنے کی شرعاً اجازت نہیں، اب دعاء مغفرت اور ایصالِ ثواب پر ہی اکتفا کرنا لازم ہے۔

مذکورہ مسئلہ کے دلائل میں شرکاء نے احادیث مبارکہ کے واقعات اپنے اپنے مقالات میں ذکر کئے ہیں اور فقہاء کی عبارات بھی۔ مثلاً:

☆ عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مربقبر دفن ليلا فقال: متى دفن هنا؟ فقالوا البارحة قال: ألا آذنتموني، قالوا: دفناه في ظلمة الليل فكرهنا أن نوقظك، فقام فصففنا خلفه (بخاری ـ ج١،ص:١٧٦، كتاب الجنائز باب صفوف الصبيان مع الرجال)

☆ عن أبي هريرة أن امرأة سو داء كانت تقم المسجد ففقدهارسول الله صلى الله عليه وسلم، فسأل عنها بعد أيام فقيل له، إنها ماتت، قال: فهلا آذنتموني؟ فأتى قبرها فصلى عليها ـ (ابن ماجه: كتاب الجنائز، باب ماجاء في الصلاة على القبر ـ ١٥٢٧)

فقہاء لکھتے ہیں:

☆ وإن دفن و أهيل عليه التراب بغير صلاة أوبها بلاغسل، أومن لاوّل اية له صلى على قبره استحساناً أى افترا ضافي الأولين وجوازاً في الثالثة لأنها لحق الولي۔ (رد المحتار مع الدرالمختار۔ ج:١،ص:٦٥٢، كتاب الجنائز)

☆ مالم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير هو الأصح لأنه يختلف بإختلاف الأوقات حراً و برداً، و الميت سمنا وهزال، أو الأمكنة، وقيل يقدر بثلاثة أيام، قيل: عشرة، وقيل: شهر، وظاهره انه لو شك في تفسخه صلى عليه، لكن في النهر عن محمد لا، كانه تقديما للمانع (رد المحتار مع الدر ـ ج١، ص: ٦٥٢ ـ جنائز)

مولانا جعفر ملی رحمانی، مولانا محبوب فروغ قاسمی، مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی نے دیگر مزید متعدد عبارات ذکر کی ہیں چوں کہ مذکورہ مسئلے میں نہ شرکاء میں اختلاف ہے، نہ ایک سے زائد آراء، نہ ہی ترجیح کی حاجت، اس لیے اختصار کی بنا پر سب کے دلائل کے ذکر کی بھی حاجت باقی نہیں رہی، فترکناها۔

محور پنجم کا چوتھا سوال یہ ہے کہ

اگر میت کی تدفین کی اطلاع ملے اور قبر کی جگہ معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

اس مسئلہ میں قدیم سے اختلاف چلا آتا ہے، احناف و مالکیہ کے نزدیک غائب میت کی نماز جنازہ مشروع نہیں ہے، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی رائے کے مطابق غائبانہ بھی نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔

للفقهاء رأيان في الصلوة على الغائب عن البلد، رأى الحنفية والمالكية عدم جواز الصلوة على الغائب، ورأى الشافعية والحنابلة جواز الصلاة على الغائب عن البلد۔ (الفقه الإسلامي وأدلته، صلاة الجنائز ۔ ج:٢،ص:٥٠٤)

کرونا سے فوت ہونے والے ایسے مرحومین جنکا مدفن اور قبر کا بھی علم نہ ہوسکے ان کی غائبانہ نماز جنازہ کے سلسلہ میں موجودہ مقالات میں سے بیشتر میں حنفیہ کے قول پر عمل کو ترجیح دیتے ہوئے مفتی بہ قول کو اختیار کیا ہے یعنی میت جس پر جنازہ پڑھنا ہے وہ امام کے سامنے موجود نہ ہو تو مکلفین سے جنازہ کا فریضہ ساقط ہے اور وہ معذور سمجھے جائیں گے، ان کے لیے غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا حکم نہ ہوگا۔

یہ رائے ہے: مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی محمد عثمان قاسمی بستوی، مفتی محبوب فروغ قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مفتی شکیل منصور قاسمی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی کی۔ محمد ادریس الرحمٰن کشمیری اور احقر اقبال قاسمی کی۔

مولانا خورشید اعظمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا ممتاز خان ندوی، مفتی شکیل منصور قاسمی، مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری وغیرہ نے دلیل میں فقہاء کی عبارت نقل کی ہے۔ ومن الشروط حضور الميت ووضعه وكونه أمام المصلي فلاتصح على غائب ۔ (هندية: الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت ۔ ج:١،ص:١٦٤)

مفتی محمد اشرف قاسمی، مفتی رفیق احمد بالاکوٹی نے اسی مضمون کی مفصل عبارت شامی کے حوالہ سے ذکر فرمائی ہے۔

(شامی ج:۲،ص:۲۰۷) شامی۔ ج:۳،ص:۱۰۴، زکریا)

مذکور بالا رائے کے برعکس ۵؍مقالوں میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھے جانے کو ترجیح دی ہے اور اس مسئلہ میں شوافع وحنابلہ کے مسلک کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر مفتی شاہ جہاں ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا محمد نصر اللہ ندوی، خواجہ معین الدین ندوی کی یہی رائے ہے۔

مولانا صابر حسین ندوی اور خواجہ معین الدین ندوی، نہایۃ المحتاج ابن حجر ہیثمی۔ ج:۲،ص:۴۸۵، کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ متاخرین شافعیہ نے حاضر میت کے جنازہ میں مرض یا قید و بند کے عذر کی وجہ سے شرکت ناممکن ہونے کی صورت میں نماز غائبانہ کو جائز قرار دیا ہے، لہٰذا حکومت کی طرف سے پانچ سے زائد افراد کے جنازہ میں شرکت کی ممانعت بھی ایک عذر ہے، بقیہ افراد اپنے اپنے گھروں میں اس میت پر غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنا چاہیں تو گنجائش ہے۔

حافظ کلیم اللہ عمری مدنی اور مفتی شاہ جہاں ندوی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ملک حبشہ نجاشی پر غائبانہ نماز پڑھنے کے عمل سے استدلال کیا ہے۔ نیز مفتی شاہ جہاں ندوی نے حدیث حق المسلم على المسلم (بخاری، کتاب الجنائز و مسلم کتاب السلام) کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ جب مردہ کو سامنے رکھ کر یا قبر پر نماز جنازہ پڑھنا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں مسلم بھائی کے حق کی ادائیگی غائبانہ نماز جنازہ پڑھ کر ہوگی۔

مولانا نصر اللہ ندوی لکھتے ہیں:

انصاف کی بات یہ ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ کے مسئلہ میں احناف کی تاویلات میں بہت دور کے احتمالات ہیں، مثلاً یہ کہ اس کو حضور ﷺ کی

خصوصیت قرار دینا، حالانکہ خصوصیت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ نجاشی پر حضور ﷺ کی نماز جنازہ کو لغوی مفہوم میں لیا گیا ہے یعنی اس سے دعاء مغفرت مراد ہے، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ نماز جنازہ کو ہم بھی اصلا دعاء ہی مانتے ہیں، لہٰذا اس سے بھی غائبانہ نماز کا ثبوت ملتا ہے اور جو تاویلات ذکر کی گئی ہیں وہ دور از کار ہیں جنکی ضرورت نہیں ہے کہ یہاں نہ حقیقت متروک ہے، نہ متعذر پھر مجازی معنی یعنی لغوی دعاء کیوں مراد لیں؟

خلاصہ یہ کہ اگر کرونا کے مریض کا انتقال ہوگیا اور اس کو دفن کر دیا گیا لیکن اسکی قبر کا علم کسی کو نہیں ہے تو ایسی صورت میں اسکی غائبانہ نماز پڑھی جائے گی روایتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

مولانا نصر اللہ ندوی کے مذکورہ بالا شبہات اور احناف پر اعتراضات کے جوابات مولانا محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری مولانا محبوب فروغ قاسمی کے مقالات میں بھرپور موجود ہیں۔

مولانا محبوب فروغ لکھتے ہیں:

عہد نبوت میں بہت سی ایسی اموات ہوئیں ہیں جو بجا طورر پر اس بات کی زیادہ مستحق تھیں کہ ان کی نماز جنازہ پڑھی جائیں مگر غائبانہ ہونے کی وجہ سے نہیں پڑھی گئیں۔ اصحاب بیر معونہ اور اصحاب رجیع زمانہ نبوی کے ان ہی واقعات میں سے ہیں جن کی شہادت نے رسول اللہ ﷺ کو آبدیدہ کر دیا تھا، حزن وملال کا صاف اثر چہرہ پر عیاں تھا، ان کی نماز جنازہ ہوئی بھی نہیں تھی، اللہ کے رسول نے ایک ماہ تک قنوت نازلہ تو پڑھی مگر انکی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی، ان شہداء کے علاوہ بھی بہت سی اموات ہوئیں جن کی نماز کسی نے نہیں پڑھی، یہ سب بین ثبوت ہیں کہ اگر میت کی قبر کا اتا پتا نہ ہو تو نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی جائے گی، ہاں اس کے علاوہ ایصال ثواب کے جتنے طریقے ہیں ان میں سے جو ممکن ومیسر ہو اختیار کر کے میت کی روح کو ثواب پہنچایا جائے گا۔

مولانا خورشید احمد اعظمی نے تفصیلی کلام کرتے ہوئے لکھا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز جنازہ غائبانہ کا ثبوت محض نجاشی کے بارے میں کتب حدیث میں منقول ہے اور آپ ﷺ نے ان کی نماز غائبانہ جو پڑھی ہے اس میں متعدد احتمالات ہیں، ان میں سے ایک قوی احتمال یہ ہے کہ ان کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے حاضر کیا گیا ہو، کیوں کہ آپ ﷺ کے حق میں یہ بعید نہیں ہیں، کفار نے جب اسراء کی تکذیب کی، اور آپ ﷺ سے بیت المقدس کے متعلق کچھ سوالات کئے، تو آپ ﷺ کے لیے درمیان سے تمام اجزا کو اٹھا دیا گیا، اور آپ ﷺ نے اپنے سامنے بیت المقدس کو دیکھ کر ان کے جوابات دیئے، اس کا ذکر صحاح میں موجود ہے۔

نجاشی کے علاوہ نماز جنازہ غائبانہ کا ذکر معاویہ بن معاویہ لیثی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی بعض کتب حدیث میں ملتا ہے، جس کو محدثین نے ضعیف اور منکر بھی کہا ہے،" قال: إن معاوية بن معاوية الليثي مات بالمدينة اليوم، فبعث الله إليه ألف ملك يصلون عليه، قال: وفيم ذاك؟ قال: قال: كان يكثر قراءة قل هو الله أحد في الليل والنهار، وفي ممشاه، وقيامه وقعوده فهل لك يارسول الله ان أقبض لك الأرض فتصلي عليه؟ قال: نعم، فصلى عليه، "جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ اس لیے ہے کہ آج مدینہ میں معاویہ بن معاویہ لیثی کی وفات ہوگئی ہے، تو اللہ نے ان کے لیے ہزار فرشتوں کو اتارا جو ان کی نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: اور یہ کس وجہ سے؟ تو فرمایا کہ، رات ودن چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے قل هو الله احد کی قرأت کثرت سے کرتے تھے، تو اے اللہ کے رسول! کیا آپ کی خواہش ہے کہ یہاں آپ کے لیے زمین کو سمیٹ دوں تاکہ آپ ان کی نماز جنازہ پڑھ لیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔(مسند ابویعلی موصلی: ۷/۲۵۶، حدیث: ۴۲۶۷) اس کے محقق حسین سلیم اسد نے اسے "ضعیف جدا" کہا ہے، اور ان کے علاوہ لوگوں نے منکر بھی کہا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے: " وقد ذكرته في ترجمته في الصحابة أن خبره قوي بالنظر إلى مجموع طرقه" اور میں نے اس

کا ذکر صحابہ میں ان کے تذکرہ میں کیا ہے کہ ان کی خبر اس کی تمام سندوں پر نظر کرتے ہوئے قوی ہے، (کتاب الجنائز ۳/ ۱۸۸) اگر حافظ ابن حجرؒ کے بقول اسے قوی مان لیا جاتا ہے تو اس حدیث سے اس احتمال کی تائید ہوتی ہے کہ درمیان سے تمام حواجز اٹھا دیئے گئے تھے اور نجاشی کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے کر دیا گیا، کیوں کہ اس حدیث میں "إن أقبض لك الأرض فتصلي عليه؟" کے الفاظ صراحۃً مذکور ہیں، یا آپ ﷺ کے سامنے ان کا جنازہ لایا گیا ہو جیسا کہ بعض روایات میں مذکور ہے۔ عن عمران بن حصين أن النبي ﷺ قال: إن أخاكم النجاشي قد مات، فصلوا عليه" قال: و نحن نرى أن الجنازة قد أتت، قال: فصففنا فصلينا عليه، "عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے بھائی نجاشی وفات پا گئے ہیں، لہٰذا ان کی نماز جنازہ پڑھو، عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اور ہم دیکھ رہے تھے کہ جنازہ آ گیا ہے، چنانچہ ہم نے صفیں لگائیں، اور ان کی نماز پڑھی، (شرح مشکل الآثار: حدیث: ۴۸۵۰)، وما نحسب الجنازة إلا موضوعة بين يديه" اور ہم یہی سمجھ رہے تھے کہ جنازہ آپ کے سامنے رکھا ہوا ہے (مسند احمد: عمران بن حصین، حدیث: ۲۰۰۰۵)، رسول اللہ ﷺ سے ان دو کے سوا کسی کی نماز غائبانہ کا ثبوت نہیں ملتا، جب کہ آپ کے عہد مبارک میں دیگر کئی کبار صحابہ کی غزوات میں شہادت ہوئی جن میں آپ شریک نہیں تھے، غزوۂ مؤتہ میں آپ ﷺ کے انتہائی عزیزوں کی شہادت ہوئی، زید بن حارثہ، جعفر طیار بن ابوطالب رضی اللہ عنہما، ان کی وفات کی خبر سن کر آپ ﷺ آبدیدہ ہو گئے، مگر ان کی نماز جنازہ غائبانہ کا بھی آپ سے ثبوت نہیں ملتا، اور نہ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام سے اس کا ثبوت ملتا ہے، لہٰذا یہ توارث کے بھی خلاف ہے۔

امام العصر علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: أما الصلاة على الغائب فلم تثبت إلا واقعة النجاشي، أما واقعة ابن معاوية الليثي فاختلفوا فيها، والظاهر أنه منكر۔ فإذا لم تثبت تلك الصلاة في عهد النبي ﷺ مع أن كثيراً من المسلمين ماتوا في دار غربة في عهده ﷺ ناسب أن تختم بعهد النبي ﷺ ولاسيما إذا لم يجر عليها توارث الأمة أيضا، بخلاف الصلاة على القبر فإن بعضهم عملوا بها فيما بعد أيضا۔ بہر حال غائب پر نماز تو سوائے واقعہ نجاشی کے ثابت نہیں ہے، رہا واقعہ معاویہ بن معاویہ لیثی کا تو مختلف فیہ ہے، اور ظاہر یہ ہے وہ منکر ہے، لہٰذا جب یہ نماز رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ثابت نہیں باوجودے کہ بہت سارے مسلمان آپ ﷺ کے عہد میں (وطن سے دور) دارِ غربت میں وفات پائے، مناسب یہ ہے کہ عہد نبی ﷺ کے ساتھ ہی اسے ختم مانا جائے، اور خاص طور سے جب کہ اس پر امت کا توارث بھی نہیں رہا، برخلاف قبر پر نماز کے، کیوں کہ بعض نے بعد میں بھی اس پر عمل کیا ہے، (فیض الباری: ۲/ ۴۶۹) لہٰذا راقم السطور کی رائے یہی ہے کہ کرونا کے ماحول میں بھی نماز جنازہ غائبانہ کا فتوی نہ دیا جائے، اور یہ بے مایہ اپنی کم علمی کے اعتراف کے ساتھ امام العصر کے اس قول کی تائید کرتا ہے کہ "وبالجملة لاتترك سنة فاشية مستمرة لأجل الوقائع الجزئية التي لم تنكشف وجوهها ولم تدرأسبابها۔" خلاصہ کلام یہ کہ جزئی حوادث، جن کی وجوہات بھی ظاہر نہیں ہوئیں، اور نہ ان کے اسباب معلوم ہوئے، ان کو دلیل بنا کر ایک ظاہر جاری سنت کو ترک نہ کیا جائے۔

البتہ ان دونوں رایوں کے درمیان ایک تیسری رائے کرونا کے حالات میں بعض اہل علم نے اختیار کی ہے کہ عام حالات میں اگرچہ غائبانہ جنازہ درست نہیں لیکن کرونا سے فوت ہونے والی میت جسکی نماز جنازہ ہوئی ہی نہیں اور اسکی قبر کا بھی علم نہیں تو اسکی نماز جنازہ غائبانہ ادا کر لینے میں حرج نہیں۔ اس رائے کے قائلین ہیں مفتی نذیر احمد کشمیری، مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی مولانا اکرام احمد ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی ولی اللہ مجید قاسمی۔

مفتی ولی اللہ مجید قاسمی لکھتے ہیں:

"فقہاءِ حنفیہ کے یہاں اگرچہ غائبانہ نماز جنازہ غیر مشروع ہے لیکن غالباً اس سے مراد یہ ہے کہ نماز پڑھ کر اسے دفن کیا گیا ہو اور پھر کچھ لوگ دوبارہ غائبانہ نماز پڑھنا چاہتے ہوں لیکن جہاں سرے سے جنازہ کی نماز ہی نہ ہوئی وہ ایک الگ شکل ہے اور وہاں ضرورت داعی ہے کہ اس کی غائبانہ نماز پڑھی جائے۔"

چنانچہ علامہ عینی حنفیہ کی طرف سے نجاشی کے واقعہ کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وجواب آخر أنه من باب الضرورة لأنه مات بأرض لم تقم فيها عليه فريضة الصلاة فتعين فرض الصلاة عليه لعدم من يصلي عليه ثمة۔“(عمدة القاری ۔ ج:۸، ص:۲۲)

مفتی راشد حسین ندوی لکھتے ہیں:

قبر کا پتہ نہ چلنے کی صورت میں بھی احناف کے یہاں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت نہیں ہے، مفتیٰ بہ قول یہی ہے، لیکن اگر متعلقین پر جذبات کا غلبہ ہو تو مسلک شافعی پر عمل کرتے ہوئے پڑھ سکتے ہیں۔ مجتہد فیہ مسئلہ میں بہت شدت اختیار کرنا مناسب نہیں۔

مولانا اکرام احمد ندوی لکھتے ہیں:

اگر کسی میت کی ایک بھی مرتبہ نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو جیسا کہ مذکورہ صورت میں ہے تو شوافع وحنابلہ کے مطابق غائبانہ نماز جنازہ پڑھ لی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی نے لکھا کہ احناف کے یہاں راجح یہی ہے کہ جہاں میت پر صلوۃ جنازہ پڑھنا ممکن نہ ہو تو مکلفین سے فریضہ ساقط ہو جائے گا وہ معذور سمجھے جائیں گے اور غائبانہ نماز نہ پڑھی جائے گی۔ ساتھ ہی یورپی افتاء کونسل کے فتوی کو بھی نقل کیا ہے جس میں غائبانہ نماز جنازہ کی گنجائش مرقوم ہے۔ (فتاوی العلماء حول فیروس کرونا۔ ۵۷۔ رقم الفتوی۔ ۱۹/۳۰)

مفتی نذیر احمد کشمیری لکھتے ہیں:

اس صورت حال میں حنفیہ کے مسلک کے مطابق تو غائبانہ جنازہ پڑھنا درست نہیں اور اس میں شک نہیں کہ یہ موقوف دلائل کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔ مگر اس مخصوص صورت حال میں دیگر آئمہ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے اور نجاشی کے جنازہ کو مقیس علیہ بنا کر اس میت پر جنازہ پڑھنا درست ہونا چاہئے۔ یہ غائبانہ جنازہ میت کے پسماندگان کے لیے بہت اہم وجہ تسکین بھی ہوگی جس کی ان کو شدید ضرورت ہوتی ہے اور یہ اس لیے کہ پسماندگان شرعی طور پر تکفین وتجہیز اور جنازہ وتدفین کر کے یک گونہ سکون محسوس کرتے ہیں مگر جب میت کا نہ کفن ہو نہ جنازہ نہ مقام تدفین معلوم ہو تو ان کو زندگی بھر ایک خلش، حسرت اور افسوس رہتا ہے۔ اگر یہ جنازہ ادا بھی نہ ہوا تو میت کے لیے دعائے مغفرت ضرور ہوگا اور یہ کسی امر ممنوع کا ارتکاب نہیں کہلائے گا۔ خصوصا جب کہ غائبانہ جنازہ پڑھنے کا عمل چاہے ایک ہی مرتبہ ہے خود شارع علیہ السلام سے ثابت ہے تو یہ گناہ ہو ہی نہیں سکتا۔

لیکن احقر عرض کرتا ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کے عمل سے جب استدلال آپ کی خصوصیات اور بعض مخفی وجوہات کے سبب محل نظر ہو گیا تو اس پر غائبانہ نماز کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی نیز نماز جنازہ کی مشروعیت کا مقصد صلوۃ علی المیت یعنی میت کے لیے دعاء اور استغفار کرنا ہے، ظاہر ہے کہ یہ نماز جنازہ پر موقوف نہیں بلکہ جنازہ ہو یا نہ ہو مقصد جنازہ کے بغیر بھی دعاء واستغفار اور ایصال ثواب سے حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے ایسے موقع پر غائبانہ نماز جنازہ نہ ادا کر کے میت کے لیے استغفار، دعاء اور ایصال ثواب کے اہتمام پر اکتفا کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

البتہ مفتی محمد عثمان قاسمی بستوی نے ایک مفید بات یہ لکھی ہے کہ اگر میت کی قبر معلوم نہ ہو لیکن قبرستان معلوم ہو تو ایسی صورت میں علامت اور قرائن کے ذریعہ سے قبر پر نماز جنازہ کی اجازت معلوم ہوتی ہے اگر چہ اسکا جزئیہ صراحتا نہیں ملا لیکن کتب فقہ میں یہ مسئلہ مصرح ہے کہ جب مسلم وغیر مسلم دونوں طرح کی اموات جمع ہوں اور کوئی شناخت نہ ہو تو ایسی صورت میں اگر قرائن اور علامات سے مسلم کی شناخت ہوسکتی ہو تو اس کو علیحدہ کر کے نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اسی طرح اگر شناخت نہ ہوسکے تو مسلم اموات زیادہ ہیں تو بھی مسلم کی نیت سے سب پر اجتماعا نماز جنازہ ادا کر دی جائے گی۔ (المحیط البرہانی۔ ج:۲۔ ص:۳۳۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی میت بلا جنازہ کے دفن ہوگئی ہے تو علامت وقرائن سے قبر کی شناخت ہوسکتی ہو مثلاً قبرستان میں کوئی قبرنئی اورتازہ ہوتو اس پر یا اسی طرح اگر بہت سی قبورنئی اور تازہ ہوں جیسا کہ وبائی امراض وغیرہ میں ایسا ہوتا ہے تو تازی قبروں کو سامنے رکھتے ہوئے جنکی جنازہ نہیں پڑھی گئی اسکی نیت سے نماز جنازہ پڑھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے جیسا کہ کوئی میت ملبہ وغیرہ میں دب جائے اور نکالنا ممکن نہ ہوتو اسی ملبے پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم ہے اور ملبے کو قبر مان لیا جائے گا، اسی طرح جب تعین دشوار ہوتو ممکنہ قبروں میں سے کسی ایک کو سامنے رکھتے ہوئے نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے۔اسی وجہ سے موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب غائبانہ نماز جنازہ کی مشروعیت میں اختلاف ہوگیا تو اگر کوئی شافعی یا حنبلی یا اہل حدیث غائبانہ نماز جنازہ پڑھے اور احناف اسکی اقتداء میں پڑھ لیں تو اسکی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔اقتداء بالمخالف کے جواز سے بھی اس مسئلہ پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

محور پنجم کا پانچواں سوال ہے:

کیا کرونا سے انتقال کرنے والے مسلمان شہید کہلائیں گے؟

اس کے جواب میں سارے مقالہ نگار نے کرونا وائرس سے انتقال کرنے والے مسلمان کو حکماً شہید قرار دیا ہے یعنی عنداللہ وہ آخرت میں شہداء کے حکم میں شمار کئے جائیں گے۔اگر چہ اصل شہادت اور حقیقی شہید جو دنیا وآخرت میں ہر اعتبار سے شہید کہلائے وہ ہے جو اللہ کے راستہ میں اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جاں بحق ہوجائے یا ظلماً اس طور پر قتل کردیا جائے کہ اس کے قتل کے بدلہ اصلاً قصاص واجب ہو،ایسے شہید کو نہ تو غسل دیا جاتا ہے اور نہ ہی کفن بلکہ ان ہی کپڑوں میں اسکی صلاۃ جنازہ پڑھ کر دفن کردیا جاتا ہے۔یہ شہادت کی حقیقی اور سب سے اعلیٰ قسم ہے۔ اس کے علاوہ موت کی بہت سی صورتوں کو شہادت کی فضیلت میں شمار کیا گیا ہے جو حقیقی شہید نہ ہونے کے باوجود شہید کے حکم میں ہیں اور شہادت کے درجات اور شہید دون شہید کے اعتبار سے آخرت میں ان کو شہادت کا اعزاز حاصل ہوگا۔اگر چہ دنیا میں غسل، جنازہ اور کفن دفن میں یہ عام مردوں کے حکم میں ہیں۔

کرونا وائرس سے انتقال کرنے والے پر شہادت اُخروی کا حکم لگانے کی مختلف وجوہات مقالہ نگار حضرات نے لکھی ہیں، اکثر حضرات نے حدیث:''الشهداء خمسة: المبطون والمطعون والغرق وصاحب المعدوم والشهيد في سبيل الله.'' (بخاری:ص۲۶۷۵۔ مسلم ص:۱۹۱۶) کی روشنی میں کرونا میت کو مطعون یعنی طاعون میں مبتلا ہوکر یا مبطون یعنی پیٹ یا کسی اندرونی مرض میں مبتلا ہوکر وفات پانے والوں میں شامل مانا ہے۔مفتی محمد عثمان گورینی، مولانا محبوب فروغ قاسمی نے کرونا کو بخار، نمونیہ یا سِل وغیرہ کے سبب مرنے والے کے حکم میں رکھ کر شہداء میں شمار کیا ہے۔(شامی ج:۱،ص:۶۷۳ باب الشہید)

مفتی جعفر ملی رحمانی نے ان حضرات کی سختی سے تردید کی ہے جنہوں نے کرونا وائرس کو طاعون اور اس سے مرنے والے کو شہید طاعون مانا ہے۔لکھتے ہیں:

''کرونا وائرس سے انتقال کرنے والے مسلمان شہید ہیں لیکن اس وجہ سے نہیں کہ کرونا وائرس طاعون ہے اور اس سے مرنے والے مسلمان شہید طاعون ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ''من مات مريضا مات شهيداً'' کہ جو مریض ہوکر مرا وہ شہید بن کر مرا، چنانچہ کرونا وائرس سے مرنے والے مسلمان شہید مرض ہے شہید طاعون نہیں۔پھر موصوف نے کرونا کو طاعون میں داخل نہ ماننے کے کئی دلائل ذکر کئے ہیں،جس کا خلاصہ یہ ہے کہ طاعون ظاہر جسم پر ابھرنے والی گلٹھی کی مانند ایک وبائی بیماری ہے جب کہ کرونا ظاہر جلد پر اثر انداز ہی نہیں ہوتا بلکہ مریض کی اندرونی کیفیت سے متعلق ہے۔لہٰذا دونوں میں بہت فرق ہے۔

دوسرے حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق مدینہ پاک میں طاعون داخل نہ ہوگا جب کہ کرونا مدینہ پاک میں بھی پہونچا لہٰذا کرونا طاعون نہیں ہوسکتا۔

بہر حال سب شرکاء کا اس پر اتفاق ہے کہ کرونا سے فوت شدہ شخص یقیناً شہید آخرت ہے اس کے شہید ہونے کا سبب خواہ بیماری کی کوئی بھی نوعیت قرار دی جائے۔

محور ششم: کرونا ویکسین سے متعلق مسائل

اس کے تحت دو سوال ہیں:

سوال: (ا) الکوہل آمیز سینٹا ئزر کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

الکوحل آمیز سینٹا ئزر کے حکم پر بحث کرتے ہوئے مقالہ نگاروں نے سینٹا ئزر میں پڑنے والے الکوحل کی حقیقت اور اسکی مختلف قسموں کی مفصل و مختصر بحثیں کی ہیں اور ائمہ کے اختلافات کو بھی اکثر حضرات نے ذکر کیا ہے لیکن آخر میں سب کا نتیجہ ایک ہی سامنے آیا کہ الکوحل آمیز سینٹا ئزر کا استعمال جائز ہے اور جو الکوحل اس میں شامل ہوتا ہے وہ کھجور وانگور کے علاوہ سے تیار شدہ ہوتا ہے جو کہ شیخین کے نزدیک ناپاک و ناجائز نہیں ہے اور بطور دوا کے استعمال میں دیگر ائمہ کے یہاں بھی گنجائش ہے نیز الکوحل کا دواؤں وغیرہ میں ملنے کے بعد انقلاب ماہیت ہو جانے کا بھی احتمال ہے اور ضرورت و کثرت استعمال بھی اس کے جواز کا مقتضی ہے، اس لیے اس کے استعمال کے جواز پر تقریباً سبھی کا اتفاق ہے بلکہ پورے عالم میں عملاً یہ بلا اختلاف رائج ہے۔ مفتی انور علی اعظمی، مفتی ولی اللہ مجید قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی شکیل منصور قاسمی مولانا ادریس الرحمٰن کشمیری، مولانا نصر اللہ ندوی، مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، خواجہ معین الدین اکرامی ندوی، مولانا صابر حسین ندوی، مفتی خورشید احمد اعظمی مدنی، مفتی نذیر احمد کشمیر، مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی، مفتی اشرف قاسمی، حضرات نے مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی تحقیق کو تکملہ فتح الملہم ج:۱ص:۵۵۱ نیز ج۳ص:۶۰۸، ج:۹،ص:۶۰۶ وغیرہ حوالوں سے پیش کیا ہے۔

مفتی انور علی اعظمی نے اپنے مقالہ میں مفتی تقی عثمانی صاحب کے حوالہ سے یہ بات لکھی ہے کہ مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''برطانوی انسائیکلو پیڈیا جو ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی ہے، میں نے اس میں جو تفصیل دیکھی، وہ یہ ہے کہ زیادہ تر الکوحل شہد، پنیر، مختلف قسم کے دانے، جو، اناس، تیزاب (سلفات) پٹرول وغیرہ سے بنتے ہیں، اور اس میں عنب اور تمر کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا ان چیزوں سے بننے والے الکوحل کا استعمال کرنا امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے یہاں دوا کے لیے اور جائز مقاصد کے لیے جائز ہے۔

”وراجعت له دائرة المعارف البريطانية المطبوعة (١٩٥٠) فوجدت فيها جدولا للمواد التی نضع منهاهذه الكوحل فذكر فی جملتها العسل والدبس والحب والشعير والجوادر وعصر اناس والسلفات والكبريات ولم يذكر فيها العنب والتمر۔“ (تکملہ فتح الملہم ج:۱،ص:۵۵۱)

نیز مفتی صاحب الکوحل کی بحث میں تیسری جلد میں یہ تحریر کرتے ہیں:

وبهـذايتبين حكم الكحول المسكره **(Alchohals)** التی عـمـت بها البلوی اليوم فإنها إن اتخذ من العنب أوالتمر فلا سبيـل إلـى حلتها و طهارتها وإن اتخذت من غيرهما فالأمر فيها سهل على مذهب أبى حنيفة رحمة الله تعالى، ولايحرم استعمالها لـلتـداوی ولأغـراض مبـاحة أخـری مالم تبلغ حد الإسكار، لأنها إنماتستعمل مركبة مع المواد الأخرى، ولايحكم بنجاستها أخذا

بقول أبى حنيفة رحمة الله، وإنماالكحول التى تستعمل اليوم فى الأدوية وغيرها لاتتخذ من العنب أو التمر، إنما تتخذ من الحبوب أوالقشور أو بترول وغيره، كما ذكرنا فى باب بيع الخمر من كتاب البيوع، وحينئذ هناك فسحة فى الأخذ بقول أبى حنيفة عند عموم البلوى والله سبحانه أعلم۔ (تکملہ فتح الملھم ۔ ج:۳،ص:۶۰۸)

مفتی نذیر احمد کشمیری ومفتی جعفر ملی رحمانی نے احسن الفتاوی کا حوالہ بھی دیا ہے حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی نے لکھا ہے کہ:

''حضرات فقہاء نے فسادِ زمان کی حکمت کی بنا پر امام محمد کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے، مگر اب عموم بلوی اور ضرورت تداوی کے پیش نظر اصل مذہب حنفیہ یعنی مذہب شیخین کے مطابق جواز کا فتوی دیا جاتا ہے۔'' (احسن الفتاوی۔ج:۸،ص:۴۸۱)

مفتی محمد عثمان قاسمی بستوی نے مفتی تقی عثمانی کی انعام الباری شرح بخاری سے طویل اقتباس نقل کیا ہے، مفتی تقی عثمانی ایک واقعہ نقل کرکے لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ جب پانی کا احتمال پاکی کے فتوے کا باعث ہوسکتا ہے تو اس مسئلے میں تو احتمال بڑھا ہوا ہے کیوں کہ ایک تو الکوحل کا نجس ہونا بھی متیقن نہیں: بلکہ مختلف فیہ ومشتبہ ہے نیز الکوحل کا دواؤں میں ملنے کے بعد انقلاب ماہیت ہوجانے کا بھی احتمال ہے تو جس چیز میں احتمال در احتمال ہو اس کو نجس نہیں کہا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر میں اس موضوع پر بہت سی تحریریں لکھی گئیں بہت ریسرچ ہوا اور بہت سی تجاویز پاس ہوئیں، جو سب کی سب طہارت اور استعمال کے جواز پر مشتمل ہیں، البتہ جب الکحل کا استعمال ہوتا ہے اور حضرت امام محمد اور امام مالک وشافعی کے مطابق وہ نجس بھی ہے تو ایسی صورت میں اگر کوئی شخص الکحل آمیز ادویہ کے استعمال سے احتراز کرے، تو یہ افضل وبہتر ہے۔ فتوی نہیں ہوسکتا، البتہ احتیاط اور ورع میں داخل ہوگا۔ اس لیے کہ جہاں اصل اشیاء میں اباحت ہو حرمت کا شبہ پیدا ہوجائے وہاں اس سے بچنا مستحب ہے۔ حرام نہیں۔ (انعام الباری۔ ۹۶/۶)

خلاصہ یہ کہ الکحل آمیز سینٹائزر کا استعمال بہرحال جائز ہے۔

محور ششم کا دوسرا سوال ہے کہ کرونا ویکسین لگوانے کا حکم کیا ہے: واجب یا مباح؟

تین مقالہ نگار حضرات کے علاوہ باقی جملہ مقالہ نگاران نے ویکسین لگوانے کو صرف مباح کے درجہ میں رکھا ہے۔ مفتی شاہ جہاں ندوی، مفتی شکیل منصور قاسمی، مولانا نصر اللہ ندوی ویکسین لگوانے کو واجب قرار دیتے ہیں۔ مفتی شکیل منصور قاسمی لکھتے ہیں ''انسانی جان کا تحفظ مقصد شرع ہے اور واجب ہے، بیماریوں سے بچاؤ کے لیے احتیاطی تدابیر کرنا اور علاج معالجہ کرانا واجب شرعی ہے، البتہ موصوف نے ویکسین لگوانے کے حکم سے متعلق خاصی تفصیل کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ویکسینز کئی طرح کی دستیاب ہیں، ویکسین کی اجزاء ترکیبی اور لگوانے والے کی حالتوں کے اختلاف کے باعث اس بابت شرعی حکم بھی مختلف ہوگا۔ مفتی شاہ جہاں ندوی لکھتے ہیں، ویکسین لگوانا مباح ہے البتہ جب بار بار کے تجربہ سے یہ بات ثابت ہوجائے کہ ویکسین لگائے بغیر کرونا وائرس سے بچنا ممکن ہی نہیں تو اس وقت ویکسین لگوانا واجب ہوگا۔ کیوں کہ نفس انسانی کا تحفظ مقاصد شریعت میں سے ہے نیز خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج کروایا ہے اور دوسروں کو علاج کرانے کا حکم دیا ہے۔ مفتی شکیل ومفتی شاہ جہاں دونوں حضرات نے اپنی دلیل میں یہ حدیث بھی پیش کی ہے۔

''تداووا فإن الله عزوجل لم يضع داءً إلا وضع له دواءً غير داءٍ واحد الهرم۔ (ابو داؤد۔ ۳۸۵۵)

مفتی شاہ جہاں ندوی نے حدیث کے متعدد حوالوں ترمذی، ص: ۲۰۳۸، ابن ماجہ ۳۴۳۶، ابن حبان ۶۰۶۱، مسند احمد: ۱۸۴۵۴، کے بعد ابن حزم ظاہریؒ کی عبارت '' وأمره عليه السلام بالتداوى نهى عن تركه'' ذکر کی ہے۔

یعنی نبی کریم علیہ السلام کا علاج کرانے کا حکم دینا، علاج چھوڑنے سے منع کرنا ہے۔ (المحلی ج۔۷، ص: ۴۱۸، مسئلہ۔۱۰۱۳ بیروت)

مفتی راشد حسین ندوی نے وجوب شرعی کے بجائے اس کو حالات کے تحت سماجی طور پر واجب کہا ہے۔

مفتی انور علی اعظمی لکھتے ہیں:

کورونا ویکسین لگوانا واجب نہیں مباح ہے، نہ لگوانے والا گنہگار نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ بھی ایک قسم کا پیشگی احتیاطی علاج ہے اور علاج معالجہ کے بارے میں فقہاء نے عام طور پر لابأس کا لفظ استعمال کیا ہے۔ عالمگیری میں ہے: الاشتغال بالتداوی لا بأس به إذا اعتقد أن الشافی هو الله تعالیٰ و أنه جعل الدواء سبباً أما إذا اعتقد أن الشافی هو الدواء فلا، كذا فی السراجية۔ (فتاوی عالمگیری ۔ ج:٤، ص:١١١)

حدیث میں دوا علاج کرنے کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دی ہے، لہٰذا اس کو مباح سے آگے بڑھ کر مستحب کہہ سکتے ہیں۔ واجب نہیں کہا جا سکتا۔

امداد الفتاوی میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی طاعون کے پیشگی ٹیکہ اور دواء کو جائز لکھا ہے: (امداد الفتاویٰ، ج:۹ص:۴۲۶ زکریا)

مفتی اشرف قاسمی نے بھی امداد الفتاوی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ کورونا ویکسین حفظ ماتقدم کے طور پر ہے، اس سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ حفظ ماتقدم کے طور پر علاج لینا جائز ہے، حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمہ ''حفظ ماتقدم کے لیے طاعون کی دوا کرنا'' عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''تداوی بالمباح قبل سے بھی جائز ہے۔'' (امداد الفتاوی۔ ج:۴، ص:۲۸۴، زکریا)

مولانا اختر امام عادل قاسمی لکھتے ہیں:

انسان اگر بیمار ہو جائے تو بیماری خواہ کیسی ہی شدید ہو شریعت میں اسکا علاج واجب نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ مستحب یا مباح ہے، اس لیے کہ علاج سے شفاء ملنا یقینی نہیں، پھر جو انسان ابھی بیمار نہیں ہوا اس پر کرونا ویکسین لگانے کا لزوم کیوں کر ہو سکتا ہے، ویکسین بیماری کا علاج نہیں ہے بلکہ حفظ ماتقدم کی ایک تدبیر ہے جس کی کامیابی کی ضمانت نہیں ہے۔ اس لیے ویکسین لگانے کو زیادہ سے زیادہ مباح قرار دیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اسکی افادیت ثابت ہو اور منفی نقصانات ومضرات سے پاک ہو۔

موصوف نے اپنے استدلال میں تبیین الحقائق شرح کنز ج:۶: ص:۳۳۳۔ اور شامی کی مختلف عبارات نقل کی ہیں، مولانا اقبال بن محمد ٹنکاروی، مفتی نذیر احمد کشمیری نے ویکسین دوا کے ترکیبی اجزاء پر بھی تفصیلی بحث کرتے ہوئے بالآخر جواز کا ہی حکم لگایا ہے۔ مفتی محمد عثمان قاسمی گورینی نے لکھا ہے کہ:

کورونا ویکسین ایک دوا ہے لہٰذا اس کا لگوانا جائز ہے، اس کو اسباب قطعیہ میں رکھ کر واجب اور لازم اور اشیاء نجس وغیرہ میں داخل مان کر حرام نہیں کہا جا سکتا۔ اسباب قطعیہ میں اس لیے داخل نہیں کہ ویکسین لگوانے کے بعد بھی مرض سے تحفظ یقینی نہیں بلکہ ظنی ہے اور مشاہدہ وتجربہ سے یہ متحقق ہے کہ ویکسین لگوانے والے پر مرض کا حملہ ہوتا ہے۔ وہ یقینی طور پر اس سے محفوظ نہیں۔ لہٰذا اس کو سبب قطعی کے درجے میں مان کر واجب نہیں کہا جا سکتا، اسی طرح اس کو نجس مان کر حرمت کا بھی حکم نہیں لگایا جا سکتا، کیوں کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور جس چیز کے نجس وحرام ہونے کا علم نہ ہو، اس کو پاک وحلال ہی کہا جائے گا اور ویکسین کے اجزاء ترکیبیہ کا علم بہت کم لوگوں کو ہے اور اگر تحقیق کے بعد اس کا پتہ چل جائے کہ اس میں نجس یا حرام اجزاء شامل کئے گئے ہیں تو بھی اس کی اجازت وگنجائش اس طرح نکلتی ہے کہ تبدیل ماہیت کا امکان ہے اور اگر تبدیل ماہیت نہ بھی مانی جائے تو چوں کہ اس کا کوئی متبادل موجود نہیں اور جب نجس دوا کے علاوہ کوئی پاک وطیب دوا دستیاب نہ ہو تو حضرت امام ابو یوسف کے قول کے مطابق نجس ادویہ سے علاج ومعالجہ کی گنجائش نکلتی ہے۔

احقر کا بھی یہی خیال ہے کہ ویکسین لگوانا اگرچہ واجب نہ ہو لیکن مختلف مقاصد ومصالح کی بنا پر اس کا لگوا لینا بہر حال بہتر ہے۔

فقط

العارض: اقبال احمد قاسمی، کانپور

۱۳؍جولائی ۲۰۲۲ء

کلیدی مقالہ

کرونا وائرس اور ہماری ذمہ داریاں

مفتی عتیق احمد صاحب قاسمی بستوی
استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على خاتم الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين.

کرونا وائرس نے پوری دنیا میں تباہی مچا رکھی ہے، دنیا کے تقریباً تمام ہی ممالک اس وائرس کی تباہ کاریوں سے پریشان ہیں، کہیں اس کی تباہ کاری زیادہ ہے اور کہیں کم، صورت حال یہ ہے کہ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک جنھیں اپنی ترقیات پر ناز ہے اور جن میں میڈیکل سہولیات سب سے زیادہ ہیں وہاں کرونا وائرس کی تباہ کاری زیادہ ہی ہے، شمالی امریکہ جو دنیا کا سپر پاور کہا جاتا ہے جو اپنی طاقت کے غرور میں دنیا کے ملکوں میں جو چاہتا ہے کرتا ہے، کرونا وائرس سے وہ سب سے زیادہ بدحال ہے، اگر ہلاکتوں کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو کم وبیش ایک دو لاکھ ہلاکتیں امریکہ ہی میں ہو سکتی ہیں، امریکہ کے بعد یورپین ممالک کا حال ابتر ہے اٹلی، اسپین، فرانس، برطانیہ وغیرہ کرونا کی مار سے بری طرح کراہ رہے ہیں، اور میڈیکل سائنس کی تمام ترقیات کے باوجود اب تک کرونا وائرس کی دوا تیار نہیں ہو سکی مسلم ممالک بھی کرونا سے متاثر ہیں، مسلم ممالک میں سب سے زیادہ اموات ایران میں ہوئیں، ہندوستان میں بھی اموات کی تعداد بڑھتی جارہی ہے اور ساری تدبیریں کرونا کو روکنے میں غیر مؤثر ثابت ہو رہی ہیں۔

کرونا کا آغاز چین کے صنعتی شہر ووہان سے ہوا، تین چار ہزار ہلاکتیں وہاں ہوئیں لیکن الحمدللہ اب وہاں اس وائرس کی تباہ کاری تھم چکی ہے اکا دکا لوگ اب بھی کرونا وائرس کی زد میں آرہے ہیں لیکن چین میں کرونا کے متاثرین کی تعداد میں اضافہ بہت معمولی ہے۔

کرونا کی اس عالمگیر تباہ کاری کے دوران امریکہ اور چین کے درمیان الزام اور جواب الزام کا سلسلہ جاری ہے، امریکہ نے چین پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ چین نے کرونا وائرس اپنی طبی تجربہ گاہ میں تیار کیا ہے اور اسے دنیا میں پھیلایا ہے، امریکہ اور اس کے بعض ہمنوا ملکوں کی طرف سے یہ بھی کہا جانے لگا ہے کہ کرونا وائرس کو بنانے اور پھیلانے کی ذمہ داری چین پر ہے لہٰذا کرونا وائرس سے دنیا کو جو جانی اور مالی نقصان پہونچا ہے اس کی بھرپائی چین کے ذمہ لازم ہے، چین اس الزام سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ ایک قدرتی وائرس ہے۔

چین کا تیار کردہ نہیں ہے اس لیے چین کو مورد الزام قرار دینا اور اس سے تاوان کا مطالبہ کرنا سراسر ظلم اور جھوٹ ہے۔ انسانوں کو مختلف میدانوں میں جو ترقیاں نصیب ہوئی ہیں اور صنعت وسائنس کی دنیا میں جو حیرت انگیز انقلابات آئے ہیں ان کی سے انسان اس غلط فہمی میں مبتلاء ہو گئے ہیں کہ نعوذ باللہ خود انسان اس دنیا کا خالق ومالک ہے اور دنیا میں جو کچھ پیش آرہا ہے سب انسانوں ہی کا عمل اور اس کی کارستانی ہے، انسان اس بات کو بھول گیا کہ زمین وآسمان اور پوری کائنات کا خالق ومالک اللہ تعالیٰ وجہ سے بہت سے ہے، اللہ ہی نے ساری کائنات بنائی ہے اور کائنات میں جو کچھ پیش آرہا ہے اس کی مشیت سے ہے۔ انسان اگرچہ تخلیق الٰہی کا عظیم شاہکار ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات کا مالک ومختار نہیں بنایا ہے کہ وہ جو چاہے کرے اور جس طرح چاہے اس دنیا میں رہے، کائنات کا ذرہ ذرہ رب العالمین کا پیدا کیا ہوا ہے ہر چیز پر اس کو اختیار ہے، اس کی مرضی کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا، دنیا میں جو کچھ اچھے یا برے واقعات پیش آتے ہیں، جو حوادث، امراض اور مصائب رونما ہوتے ہیں سب اللہ

ہی کی طرف سے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے کائنات کی لگام کسی کے حوالہ نہیں کر دی ہے کہ وہ اس کائنات سے بے دخل ہو گیا ہو اور سارے اختیارات کسی ولی، نبی، بادشاہ یا کسی سپر پاور کو سونپ دیا ہو، وہ قادر مطلق ہے، بڑا زبردست اور انتہائی قوت والا ہے، پلک جھپکتے دنیا کو تباہ کر سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کی فوجیں بے شمار ہیں، یہ وائرس، بیکٹیریا زبھی اللہ کی فوج ہیں، ان کے ذریعہ بھی اللہ تعالیٰ انسانوں کو عذاب دیتا ہے، اور آزمائش میں مبتلا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت صراحت کے ساتھ فرمادیا ہے وللہ جنود السموات والارض وکان اللہ عزیزاحکیما) (اللہ ہی کی ملک آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں اور اللہ بڑا ازبردست ہے حکمت والا ہے۔) (سورۃ الفتح آیت:۴۱)

اسی سورت کی آیت نمبرے میں ہے هو الذی أنزل السکینة فی قلوب المؤمنین لیزدادوا ایمانا مع ایمانهم ولله جنود السموات والارض وکان الله علیما حکیما) وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے دلوں میں سکون پیدا کیا اہل ایمان کے تاکہ (اپنے) پہلے ایمان کے ساتھ (ان کا) ایمان اور زیادہ ہو جائے، اور اللہ ہی کی ملک آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں اور اللہ بڑا جاننے والا اور بڑا حکمت والا ہے۔)

میڈیکل سائنس کی بے پناہ ترقیات کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ زندگی اور موت صحت اور مرض سب اللہ کے ہاتھوں میں ہے، اللہ کی قدرت وطاقت کے مظاہرے اس کائنات میں ہوتے رہتے ہیں تاکہ عاقل انسان کی آنکھیں کھلیں، اور اپنے رب کو پہچانے اس کے احکام کو جاننے کی کوشش کرے، اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کا تہیا کرے، انسان کتنا ناشکرا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو نہیں پہچانتا، کائنات میں بکھری ہوئی اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے باوجود اللہ جل شانہ کے وجود کا منکر ہے، صاف صاف کہتا ہے کہ اس دنیا کا کوئی خالق و مالک نہیں یہ دنیا ازخود پیدا ہوگئی ہے یا پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ دوسری چیزوں کو اللہ کی صفات واختیارات میں شریک ٹھہراتا ہے، اور شرک جیسے جرم کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

اللہ جل شانہ کی ذات وصفات کا انکار یا اللہ کی صفات واختیارات میں غیر اللہ کو شریک ٹھہرانا اللہ جل شانہ کے خلاف کھلی بغاوت ہے، اور بغاوت کی سزا پوری دنیا میں کتنی سخت ہے یہ ہم سب جانتے ہیں لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی بردباری ہے کہ وہ کفر وشرک پر فوری طور سے پکڑ نہیں کرتا، بندوں کو راہ راست پر آنے کے لیے موقع ومہلت دیتا ہے، اس نے انسانوں کو صحیح عقیدہ وفکر پر لانے کے لیے انبیاء کرام بھیجے، آسمانی کتابیں نازل فرمائیں، ایسے بندوں کو پیدا کیا جو خیر خواہی اور سمجھداری کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور شرک وکفر کی سنگینی وشناعت کو دو دو چار کی طرح واضح کرتے ہیں، اللہ نے اپنی حکمت کے پیش نظر جزا وسزا کا معاملہ آخرت پر چھوڑ دیا ہے، بندوں کا حسا بآخرت میں ہوگا جب قیامت آنے کے بعد حشر برپا ہوگا اور سارے انسانوں کے اعمال کا جائزہ لیکران کے لیے جنت یا جہنم کا فیصلہ ہوگا۔

اگر کفر وشرک پر فوری پکڑ ہو جاتی اور کفار ومشرکین پر کفر وشرک کرتے ہی عذاب نازل ہو جاتا تو دنیا میں خیر وشر کی کشمکش نہ ہوتی حق وباطل کے جھگڑے نہ ہوتے، دنیا دارالاعمال نہیں بلکہ دارالجزاء ہو جاتی، اللہ تعالیٰ نے چوں کہ جزاء وسزاء کے لیے آخرت کو متعین کیا ہے اس لیے دنیا میں اہل ایمان بھی ہیں اور اہل کفر وشرک بھی ہیں، سب لوگ اللہ کی نعمتوں سے فیضیاب ہو رہے ہیں اور اللہ کی نعمتیں اور رحمتیں اس دنیا میں بارش کی طرح برس رہی ہیں۔

یہ کائنات اللہ جل شانہ کی ملک ہے، کائنات کا سارا نظام اللہ کے حکم کے تابع ہے، اللہ تعالیٰ اس کائنات میں ظلم وجبر کو پسند نہیں کرتا سارے انسان اللہ کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں، سب کے ساتھ عدل وانصاف، رحم وکرم کا معاملہ ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے دنیا کے مختلف ملکوں میں حکمرانی عطا فرماتا ہے، وہی حکومت دینے والا اور حکومت چھیننے والا ہے، بڑے بڑے ظالم وجابر، طاقت وجبروت والے اس کے سامنے بے بس اور لاچار ہیں، جب وہ چاہتا ہے منٹوں اور سکنڈوں میں بڑی سے بڑی حکومت تہ وبالا ہو جاتی ہے، دنیا کے حکمرانوں، کو خواہ کتنے طاقتور اور مضبوط

ہوں اور اپنے کو سپر پاور سمجھنے لگے ہوں یہ بات جان لینی چاہئے کہ سلطنت وحکومت، جبروت وطاقت اللہ کی عطا کردہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنی کائنات میں ظلم برداشت نہیں کرتا، جب ظلم حد سے گزرنے لگتا ہے تو اللہ کی تعالی پکڑ آتی ہے اور بڑی سے بڑی مضبوط حکومتیں دیکھتے دیکھتے تہ وبالا ہوجاتی ہیں۔

بلاشبہ دور حاضر میں انسان نے مختلف میدانوں میں بہت ترقیاں کی ہیں، سمندروں، دریاؤں اور فضاؤں کو مسخر کیا ہے، نئی نئی ایجادات کے ذریعہ زندگی میں سہولتیں بڑھی ہیں، موجودہ دور کی صنعتی اور سائنسی ترقیات کا انکار نہیں لیکن انسان نے بہت سے میدانوں میں نظام فطرت سے چھیڑ خانی کی ہے، دولت کمانے اور دنیا پر کنٹرول کرنے کے مقصد سے ہلاکت آفریں ہتھیاروں، تباہ کن بموں میزائیلوں اور کیمیاوی ہتھیاروں کا اتنا بڑا ذخیرہ کرلیا ہے جو اس دنیا کو کئی بار تباہ کرنے کے لیے کافی ہے اور اس زمانہ میں جب کہ انسان تہذیب وتمدن کا شور مچاتا ہے عدل ومساوات کے نعرے لگاتا ہے اور انسانی حقوق کی بڑھ بڑھ کر باتیں کرتا ہے، اس کائنات میں اس کا رویہ سراسر ظالمانہ اور غیر منصفانہ ہے، جنگ عظیم اوّل اور جنگ عظیم دوم کو چھوڑیے اس کے بعد حضرت انسان کے ہاتھوں اس دنیا میں جو ظلم وستم ہوتا رہا ہے اس کی طرف اشارہ کرنا بھی طوالت کا باعث ہوگا۔

افغانستان میں وحشیانہ بمباری، لاکھوں انسانوں کی شہادت، شام وعراق میں انسانی خون کی ارزانی، اور کروڑوں انسانوں کو فنا کے گھاٹ اتارنا، گھر سے بے گھر کرنا، وطن چھوڑ کر فوجی بن کر رہنے پر مجبور کرنا، روہنگیا کے لاکھوں انسانوں کو صرف اس جرم میں قتل کرنا کہ وہ مسلمان ہیں، روس اور چین کی مسلم ریاستوں میں وحشیانہ مظالم ڈھانا، وہاں کے مسلمانوں کی نسل کشی کرنا سب اسی دور ترقی کی یادگاریں ہیں ظلم وبربریت کے ایسے شرمناک واقعات ہیں جن کی مثالیں انسانی تاریخ میں مشکل سے ملیں گی، وادی کشمیر کو فوجی چھاونی بنا کر وہاں کے باشندوں کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم کردینا اور ان پر ایسا طویل لاک ڈاؤن مسلط کردینا کہ وہ ضروریات زندگی اور کھلی آب وہوا سے محروم ہوجائیں اور اپنے مکانوں میں خوف وہراس کی حالت میں بند رہیں اتنا بڑا انسانی المیہ ہے جس کی مثال انسانی تاریخ میں مشکل سے ملے گی، حیرت اس بات پر ہے کہ دنیا میں یہ سب ظلم وستم ہوتے رہے اور اس کی خبریں ذرائع ابلاغ کے ذریعہ گھر گھر پہونچتی رہیں لیکن عالمی اداروں، (اقوام متحدہ، سلامتی کونسل) کے کان پر جوں نہیں رینگی، ظالم حکومتیں بدترین ظلم کرتی رہیں اور ظالم حکومتوں نے اپنے مظالم پر پردہ ڈالنے کے لیے دوسری ظالم حکومتوں کا ساتھ دیا، کم ازکم خاموشی اختیار کی اور ظلم کے خلاف آواز نہیں اٹھائی خود مسلم ممالک میں حکمرانوں کے ہاتھوں ظلم وستم کے جو پہاڑ توڑے گئے اور توڑے جارہے ہیں، وہ کم اندوہناک اور شرمناک نہیں ہیں، خاص طور سے عالم عربی کے مسلم حکمرانوں کا ریکارڈ سب سے زیادہ شرمناک اور گھناؤنا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کرونا کی وبا عالمی اور ملکی سطح پر انسانوں پر ہونے والے ظلم وستم کی ایک خداوندی سزا ہے، یہ سزا ان ملکوں کو بھی مل رہی ہے جو براہ راست انسانوں کے ظلم وستم میں شریک تھے بلکہ اس کی پیشوائی کررہے تھے اور ان ملکوں کو بھی مل رہی ہے جو دنیا میں ہونے والے ظلم وستم کے خاموش تماشائی تھے اور ظلم وستم کو روکنے کے لیے کچھ نہیں کررہے تھے، کرونا وائرس اللہ کا ایک عذاب ہے جو دنیا میں حد سے بڑھے ہوئے ظلم وستم کی ایک ادنی سزا ہے، دنیا کے سارے انسانوں کو اس کائنات کو پیدا کرنے والی ذات سے معافی مانگنی چاہئے اپنے ظلم وستم، نافرمانی اور گناہوں پر شرمندہ ہونا چاہئے، صدق دل سے توبہ کرنی چاہئے کہ اے اللہ ہم آپ کی نافرمانی ترک کرتے ہیں، نہ ظلم وستم کریں گے نہ ظلم وستم ہونے دیں گے، اور دنیا کو عدل وانصاف، امن وامان کا گہوارہ بنائیں گے۔

اگر دنیا کے انسانوں نے اپنا محاسبہ کرکے دنیا میں ہونے والے ظلم وستم کو نہیں روکا، برائیوں اور بے حیائیوں کو ختم کرنے کوشش نہیں کی اللہ کو ناراض کرنے والی چیزوں کو نہیں چھوڑا تو یہ کرونا وائرس پوری دنیا کو تباہ کرسکتا ہے اور صرف کرونا وائرس کی کیا بات اللہ کے لشکر تو بے شمار ہیں، اپنی کسی چھوٹی سے چھوٹی مخلوق کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سارے انسانوں کو تباہ کرسکتے ہیں سخت سے سخت سزا دے سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وظهر الفساد فی البر والبحر بما كسبت ايدى الناس ليذيقهم بعض الذى عملوا لعلهم يرجعون. [سورة الروم ۱۲] (بگاڑ پھیل پڑا ہے خشکی وتری میں لوگوں کے کرتوت سے، اس غرض سے کہ اللہ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چھکائے تاکہ وہ لوگ باز آجائیں)

کروناوائرس پر کنٹرول کرنے کے لیے جو میڈیکل تدابیر کی جارہی ہیں وہ اپنی جگہ پر لیکن دنیا میں بسنے والے انسانوں کو اگر اللہ کی پیدا کی ہوئی زمین اور کائنات میں عزت وآرام کے ساتھ رہنا ہے تو ان کی ذمہ داری ہے کہ اس دنیا میں نہ ظلم وستم کریں ظلم وستم ہونے دیں، آج صورت حال یہ ہے کہ دنیا کے مختلف ممالک اور مختلف قومیں حقیر مادی فائدوں کے لیے دنیا کو ظلم وستم کی آماجگاہ بنارہی ہیں، ایک طرف دنیا میں اپنی فوجی طاقت بڑھانے اور اپنی سیاسی دادا گیری کو چمکانے کے لیے خوفناک ایٹمی تجربات کئے جارہے ہیں، دوسری طرف قانون فطرت کے ساتھ کھلواڑ کیا جارہا ہے، غذائی پیداوار کو بڑھانے کے لیے ایسی جراثیم کش دوائیں اور کھادیں تیار کی جارہی ہیں جو انسانی صحت کے لیے حد درجہ نقصان دہ ہیں، پھلوں اور سبزیوں کی کاشت میں نیز غذائی پرندوں اور جانوروں کی افزائش وزراعت میں وہ طریقے اختیار کئے جارہے ہیں جو انسانی جسم کے لیے تباہ کن اور موسم اور فضاء کو زہر سے بھرنے والے ہیں، ان تمام چیزوں پر نگرانی رکھنا اور تباہ کن تجربات اور طریقوں سے انسان کو روکنا تمام انسانوں کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔

افسوس ناک بات یہ ہے جو ادارے عالمی سطح پر ان چیزوں پر کنٹرول کرنے لیے ہیں اور ان تجربات کو صحیح رخ دینے کے لیے بنائے گئے ہیں، اب وہ اپنا کام صحیح طور سے انجام نہیں دے پارہے ہیں، بڑے صنعتی ممالک اور دنیا کی وہ طاقتیں جو پوری دنیا کو چراہ گاہ سمجھتی ہیں اور پوری دنیا میں اپنا آرڈر نافذ کرنا چاہتی ہیں وہ ایسے عالمی اداروں کو کام نہیں کرنے دیتیں، اپنے مفاد پر اگر تھوڑی سی آنچ محسوس کرتی ہیں تو کنٹرول اور رہنمائی کرنے والے عالمی اداروں کے کام میں رکاوٹ ڈالتی ہیں، بلکہ انھیں اپنے آلہ کار کی طرح استعمال کرتی ہیں، اس لیے دنیا میں عدل وانصاف اور انسانی اقدار کی پامالی آخری حد تک پہونچ چکی ہے اللہ جل شانہ جو اس کائنات کا خالق اور مالک ہے، کائنات کی کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے، دنیا کے موجودہ حالات سے (جو ظلم وستم ناانصافی نابرابری سے پر ہیں) انتہائی ناراض ہے، کروناوائرس اور اس طرح کی وبائی بیماریاں اس کی ناراضگی کا ادنی اظہار ہیں، سارے انسانوں کو دنیا سے ظلم وستم ختم کرنے کے لیے کمر بستہ ہونا پڑے گا اور اس وقت جو ناانصافیاں سیاسی سماجی اور اقتصادی میدانوں میں پائی جارہی ہیں ان کے ازالہ کے لیے مل کر کوشش کرنی پڑے گی اور دنیا کا نظم وانتظام خالق ارض وسماء کی مرضی کے موافق بنانا ہوگا، تب اللہ کی ناراضگی ختم ہوگی، وباؤں اور مہلک بیماریوں سے نجات ملے گی اور دنیا اپنے معمول کی زندگی پر واپس آسکے گی ورنہ کروناوائرس کی تباہ کاریاں اس قدر بڑھ سکتی ہیں کہ دنیا کا پورا نظام درہم برہم ہوجائے، دنیا کی اقتصادیات تباہ ہوکر رہ جائے، لوگ دانے دانے کو ترسنے لگیں اور دنیا میں قیامت کے مناظر برپا ہوجائیں۔ اس وقت دنیا کے طاقتور ترین ممالک کرونا کی تباہ کاریوں سے جتنا بے دم ہیں اور بے بس ہیں وہ عبرت کا مقام ہے اس سے انسان کی مجبوری اور ناطاقتی دو دو چار کی طرح واضح ہوجاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس دنیا سے ظلم وستم ختم کرکے امن وامان قائم فرمائے اور تمام انسانوں کی وبائی امراض، آفتوں اور ہلاکتوں سے حفاظت فرمائے۔

کروناوائرس اور مسلمان

اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ وبائی امراض رنگ ونسل اور مذہب نہیں دیکھتے، جس ملک یا علاقہ میں وبائی مرض پھیل جائے وہاں کے تمام باشندے خواہ ان کا تعلق کسی رنگ ونسل اور مذہب سے ہو اس سے متاثر ہوتے ہیں اور ہر مذہب اور نسل والوں کی اموات ہوتی ہیں، کروناوائرس کی وباء پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، شاید کوئی ملک ہو جو اس سے پورے طور سے محفوظ ہو، مسلم اکثریتی ممالک بھی اس وبا سے متاثر ہیں اور غیر مسلم ممالک میں آباد بہت سے مسلمان بھی اس مرض کا شکار ہیں، اس لیے یہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کو یہ بتایا جائے کہ انھیں قرآن وسنت کی روشنی میں اس مرض کو کس نظر سے دیکھنا چاہیے اور اس کے ازالہ کی کیا تدبیریں کرنی چاہیے، اور اپنی زندگی میں کیا تبدیلیاں لانی چاہئیں۔

وبائی امراض، ہلاکت خیز بیماریاں اور حوادث اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور عذاب ہوتے ہیں، ان کا ایک بڑا مقصد بندوں کو اللہ کی

طرف متوجہ کرنا اورانھیں توبہ واستغفار کی طرف مائل کرنا اوراعمال درست کرنے کی توفیق دینا ہوتا ہے اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: وما أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم ويعفو عن كثير. (سورة الشورىٰ: ۳۰) (اور جو مصیبت تمھیں پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے ہی سے پہونچتی ہے اور (اللہ بہت سے گناہوں کو) درگزر کردیتا ہے) اللہ جل شانہ نے قرآن میں بار بار متوجہ فرمایا ہے کہ اللہ جل شانہ کی پکڑ مختلف شکلوں میں آسکتی ہے، انسان کو مطمئن نہیں رہنا چاہیے بلکہ اپنی بداعمالیوں پر اللہ کی پکڑ اور عذاب سے ڈرنا چاہیے اور اگر اللہ کا عذاب اور اس کی طرف سے آنے والی مصیبت آنکھیں نہ کھول سکے اور وہ خواب غفلت میں پڑا رہے، بدکاریوں بدعنوانیوں کی زندگی گزارتا رہے تو یہ بڑی خطرناک بات ہے اور انسان کی دنیا اور آخرت تباہ کرنے والی چیز ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"فلولا اذ جاء هم باسنا تضرعو او لكن قست قلوبهم وزين لهم الشيطن ما كانوا يعملون " [سورۃ انعام] (سوجب انھیں ہماری طرف سے سزا پہونچی تو وہ کیوں نہ ڈھیلے پڑ گئے، بلکہ ان کے دل تو ویسے ہی) سخت رہے اور جو کچھ کرتے رہے شیطان اسے ان کی نظر میں خوشنما کرکے دکھاتا رہا۔

أم أمنتم من فى السماء ان يخسف بكم الارض فاذا هي تمور ام امنتم من فى السماء ان يرسل عليكم حاصبا فستعلمون كيف نذير (سورة الملك (۱۷۱ ٦) کیا تم اس سے نڈر ہوگئے کہ وہ جو آسمان میں ہے کہیں وہ تم کو زمین میں دھنسا نہ دے اور وہ تھرتھرانے لگے، کیا تم اس سے نڈر ہوگئے کہ وہ جو آسمان میں ہے، وہ کہیں تم پر ہوائے تند نہ بھیج دے، ہو عنقریب تمھیں معلوم ہوجائے گا کہ وہ میرا ڈرانا کیسا تھا؟)

أفأمنتم أن يخسف بكم جانب البر او يرسل عليكم حاصبا ثم لا تجدولكم وكيلا ام امنتم ان يعيدكم فيه تارة أخرى فيرسل عليكم قاصفا من الريح فيغر قكم بما كفرتم ثم لا تجدولك علينا به تبيعا. [سورة الاسرء ۸۶،۰ ۹۲] کیا تم اس سے بے فکر ہوگئے ہو کہ وہ تم کو خشکی کی طرف لاکر زمین میں دھنسادے یا تم پر کوئی تند ہوا بھیج دے تو تم کسی کو بھی نہ پاؤ اپنا کارساز، کیا تم اس سے مطمئن ہوگئے کہ وہ تمہیں ایک بار پھر اسی (یعنی سمندر) کی طرف لے جائے اور تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے، پھر تمہیں تمہاری ناشکری کے باعث غرق کردے اور تم کو اس بات پر ہمارا کوئی پیچھا کرنے والا نہیں ملے گا۔مسلمانوں کو چاہیے کہ اللہ کی طرف رجوع کریں، استغفار و توبہ کریں، اپنے گناہوں پر اللہ تعالیٰ کے سامنے روئیں گڑگڑائیں، اپنے زندگی کا جائزہ لیں کہ ہم سے کیا کیا خلاف سنت وخلاف شریعت باتیں ہورہی ہیں، ایسی تمام چیزوں کو ترک کریں اور دینی فرائض وواجبات کی ادائیگی میں جو کوتاہیاں ہورہی ہیں اس کی تلافی کریں اور جن باتوں کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے اس پر عمل پیرا ہوں افسوس ناک صورت حال یہ ہے کہ بہت سے مسلمان صرف نسلی اور قومی مسلمان ہیں، انھیں بنیادی دینی عقیدہ بھی نہیں معلوم، وہ توحید و کفر کا فرق نہیں سمجھتے، اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتے، بہت سے لوگ مسلمان کہلانے کے باوجود کھلا ہوا شرک کرتے ہیں، غیر اللہ سے مدد مانگتے ہیں اور اللہ کے خصوصی اختیارات میں غیر اللہ کو شریک ٹھہراتے ہیں، مسلمان، علماء اور اہل دانش کی یہ ذمہ داری ہے کہ مسلمانوں کو دینی عقائد سے واقف کرائیں، توحید و شرک کا فرق بتائیں اور مسلمانوں کو قرآن وسنت کی تعلیمات کی طرف لائیں۔

اپنا جائزہ کون سی برائی ہے جو مسلمانوں میں نہیں؟، زنا کاری، شراب نوشی، دوسروں پر ظلم وزیادتی، والدین اور رشتہ داروں کے حقوق کی پامالی جھوٹ بولنا غیبت کرنا، چوری، ڈاکہ زنی، رشوت ستائی پڑوسیوں کی حق تلفی کون سا ایسا روگ ہے جو ان میں نہیں ہے؟ ہم سلمانوں کو اللہ کی پکڑ اور عذاب سے بچنے کے لیے ان سب برائیوں کو چھوڑنا ہوگا اور اپنے معاشرہ کو معیاری اسلامی معاشرہ بنانا ہوگا، جسے دیکھ کر غیر مسلم اسلام کی طرف مائل ہوں اور دین حق کو اختیار کرنے کی کوشش کریں، کاش کرونا وائرس ہمیں اپنی زندگیاں تبدیل کرنے پر آمادہ کرسکے اور ہمیں صحیح معنی میں مسلمان بنادے، اگر ہم اللہ کے اس عذاب سے ڈر کر اور اس سے بچنے کے لیے سچے مسلمان بن جائیں تو یہ خطرناک بیماری ہمارے لیے نسخہ شفا بن جائے گی اور دنیا وآخرت کی کامیابی کا زینہ ثابت ہوگی۔

مسلمان اور وبائی امراض

مسلمان غلط فہمیوں میں نہ رہیں کہ ہم تو ایمان والے ہیں ہم کو یہ بیماری نہیں لگے گی، ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور یہ خبریں سن رہے ہیں کہ مسلمان بھی بڑی تعداد میں اس مرض کا شکار ہورہے ہیں، اگرچہ کرونا وائرس کی تباہ کاری امریکہ اور یورپ میں زیادہ ہے لیکن ان ملکوں میں بھی اس مرض کی زد میں آنے والے بہت سے مسلمان ہیں، اس لیے بے خبر مسلمانوں کو اپنے دل ودماغ سے یہ خیال نکال دینا چاہیے اور اس سچائی کو تسلیم کرلینا چاہیے کہ کرونا وائرس مذہب رنگ ونسل نہیں دیکھتا، یہ بیماری تمام مذاہب والوں کو اور تمام رنگ ونسل والوں کو ہلاک کررہی ہے، ہلاک ہونے والوں میں مسلمانوں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے اس مہاماری کے نقصانات تمام قوموں کو جھیلنے پڑرہے ہیں اس لیے اس سے بچنے کی میڈیکل تدبیریں مسلمانوں کو بھی پوری مستعدی اور چوکسی کے ساتھ اختیار کرنی چاہیے۔ اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں عالم اسلام میں وبائی امراض پھیلے اور ان کی وجہ سے بہت بڑی تعداد میں اموات ہوئی ہیں، خلیفہ دوم حضرت عمر کے دور خلافت میں ملک شام میں طاعون کا وبائی مرض پھیلا اور اس میں بہت سے بڑے بڑے صحابہ وفات پا گئے تاریخ اسلام میں طاعون کے وبائی مرض کی تباہ کاریوں کا ذکر پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

مشہور محدث حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۳۵۸ نے ایک کتاب لکھی بذل الماعون فی فضل الطاعون اس میں انھوں نے بہت تفصیل سے طاعون کے شرعی اور تاریخی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، اسلامی تاریخ کا ایک بڑا طاعون، طاعون عمواس ہے، عمواس اس لیے کہا جاتا ہے کہ بیت المقدس کے قریب ایک گاؤں جس کا نام عمواس ہے وہیں سے اس کا آغاز ہو۔

امیہ واقعہ اھ مطابق ۵۳۱ء کا ہے یہ طاعون ایک ماہ تک رہا جس کے نتیجہ میں پچیس ہزار مسلمانوں کی وفات ہوئی اور ایک روایت کے مطابق تمیں ہزار مسلمان اس طاعون میں فوت ہوئے، ان میں چند بڑے صحابہ بھی تھے مثلاً حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح، حضرت معاذ بن جبل حضرت یزید بن ابی سفیان، حضرت شرحبیل بن حسنہ، حضرت فضل بن عباس، حضرت ابوجندل بن ابی سہیل رضی اللہ عنہم (١٤١٤ عن انس قال قال رسول الله الا الله: الطاعون شهادة لكل مسلم) صحيح بخارى ٣٨٢٠ صحيح ما أجمعين وغیرہم، یہ طاعون حضرت عمر فاروق کے دور خلافت میں پیش آیا۔

کرونا وائرس میں وفات پانے والا مسلمان شہید ہے

وبائی امراض میں وفات پانے والے مسلمانوں کو شہید کا مقام حاصل ہوتا ہے، مرض طاعون میں وفات پانے والے مسلمانوں کے شہید ہونے کی صراحت حدیث نبوی میں موجود ہے، حضرت انس نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے طاعون ہر مسلمان کے لیے شہادت ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ کی روایت ہے:

”سألت رسول الله عال الله عن الطاعون فاخبرني انه عذاب يبعثه الله على من يشاء وان الله جعله رحمة للمؤمنين وليس من احد يقع في الطاعون فيمكث في بلده صابرا محتسبا، يعلم انه لا يصيبه الا ما كتب الله له الا كان له مثل أجر شهيد.“ (صحيح بخارى ٤٧٤٣١)

ام المؤمنین حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے طاعون کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ بتایا کہ طاعون ایک عذاب ہے جسے اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے بھیجتا ہے اور اللہ نے طاعون کو مسلمانوں کے لیے رحمت بنا دیا ہے، جو کوئی مسلمان طاعون میں مبتلا ہوا اور اپنے شہر میں صبر کے ساتھ ثواب کی امید میں ٹھہرا رہے اس یقین کے ساتھ کہ اسے وہی چیز پہونچے گی جو اللہ نے اس کے لیے لکھ رکھا ہو تو اس کو شہید

کے اجر کے برابر اجر ملے گا۔

اسی پر قیاس کرتے ہوئے شارحین حدیث اور فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی بھی ہلاکت آفریں وبائی مرض میں وفات پانے والا مسلمان اللہ کے نزدیک شہید ہے، اسے آخرت میں شہید کا مقام ملے گا، اس لیے اگر کسی مسلمان کی کرونا وائرس میں موت ہوتی ہے تو اس کو ذلت وحقارت کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے اور اس کی نعش کے ساتھ بے حرمتی کا معاملہ نہ کیا جائے کیوں کہ عنداللہ وہ شہید ہے اس کا احترام کرنا اور پوری عزت کے ساتھ اس کی تدفین کرنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔

کئی ملکوں میں ایسے اندوہناک واقعات پیش آئے ہیں کہ مسلمان نے اپنے قبرستان میں کرونا وائرس میں وفات پانے والے مسلمانوں کو دفن نہیں ہونے دیا، دفن کئے جانے کی مزاحمت کی اور مرنے والے کے ورثاء کو مجبور کیا کہ میت کو کہیں اور لے جا کر ٹھکانے لگائیں، یہ بڑی شرمناک بات ہے، سراسر حرام وناجائز ہے، مسلمان میت کو عزت کے ساتھ شرعی طریقے پر دفن کرنا مسلمانوں کا فریضہ ہے، لہٰذا جو لوگ دفن کرنے کی مزاحمت کریں اور تدفین کو روکنے کے لیے کسی طرح کی کوشش کریں ایسے لوگ بدترین گناہ کے مرتکب ہیں، ایسے لوگ اللہ سے ڈریں کہیں انھیں بھی اس طرح کی موت نہ پیش آئے کہ لوگ ان کی نعش کے قریب نہ جائیں، شہید کی توہین کرنا اللہ تعالیٰ سے جنگ لڑنا ہے ایسی گھناؤنی حرکت سے باز آنا ضروری ہے۔

اللہ کے فیصلے پر راضی رہیں ایمان کا لازمی تقاضہ ہے کہ انسان اللہ کے فیصلہ پر راضی رہے اللہ تعالیٰ سے صحت وعافیت کی دعا تو ضرور مانگے اور کسی پریشانی یا بیماری میں مبتلا ہونے کی صورت میں اللہ کی طرف رجوع کرے، اور یہ سمجھے کہ میری کوتاہی اور بدعملی کی وجہ سے غالباً مجھ پر یہ وقت آیا ہے اور اس مرض یا پریشانی میں مبتلا ہوا ہوں، اللہ جل شانہ سے خوب خوب توبہ واستغفار کرے، روکر گڑگڑا کر تنہائی میں اللہ سے معافی مانگے، خیر وعافیت کی دعا کرے لیکن سخت سے سخت پریشانی یا بیماری میں مبتلا ہو گیا ہے تو شکوہ شکایت نہ کرے اللہ کے فیصلہ پر راضی رہے اور صبر کرے اس کا یہ رویہ ذخیرہ آخرت بنے گا اور اس کی نیکی اور ثواب میں اضافہ کا سبب بنے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: عجبا لامر المؤمن، وليس ذلك لأحد إلا للمؤمن، ان اصابته سراء شكر فكان خيرا له، وان اصابته ضراء صبر فكان خيرا له مسلم كتاب الزهد والرقاق باب المؤمن امره كله خير ۷۲۲۹۹۰ مؤمن کا معاملہ حیرت انگیز ہے، یہ بات صرف مؤمن کے لیے ہے، اگر اسے کوئی نعمت حاصل ہوئی اس پر اسے اللہ کا شکر ادا کیا تو یہ اس کے لیے خیر ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت لاحق ہوئی اور اس نے صبر کیا تو اس کے لیے خیر ہے۔

علاج کرنا اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنا

مؤمن کا یہ عقیدہ ہے کہ موت وحیات اللہ کے ہاتھ میں ہے اس نے پیدا کیا ہے اور وہی موت دے گا، مرض سے شفاء بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے، مرد مؤمن اسباب کا انکار نہیں کرتا، اسباب کو اسباب کی حد تک مانتا ہے اسے اختیار بھی کرتا ہے لیکن اس کی نگاہیں خالق اسباب اور خالق کائنات کی طرف ہوتی ہیں، انسانوں کا بیمار ہونا، شفایاب ہونا اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے، اللہ نے بیماریاں پیدا کی ہیں اور ان بیماریوں کی دوائیں بھی پیدا کی ہے، جنھیں انسان تجربہ سے معلوم کرتا ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ نے جو بھی مرض پیدا فرمایا ہے اس کی دوا بھی پیدا فرمائی ہے، سوائے موت کے کہ موت کی کوئی دوا نہیں ہے۔

بیماریوں کی دوا کی جائے یہ سمجھ کر کہ ہم دوا اس لیے کرتے ہیں اور طبی تدابیر کو اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے، کرونا وائرس ایک ایسی بیماری ہے جس کا علاج اب تک دریافت نہیں ہو سکا لیکن انشاء اللہ دریافت ہو جائے گا اس لیے اس مرض سے بچنے کے لیے جو احتیاطی تدابیر میڈیکل سائنس کے ماہرین بتاتے ہیں انھیں اختیار کرنا ضروری ہے، توکل کا غلط معنی ذہن میں لے کر احتیاطی تدابیر کو اہمیت نہ دینا اور

ان پر عمل نہ کرنا اپنی جان اور دوسروں کی جان کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، اور شریعت کے حکم کی خلاف ورزی ہے، متعدد وبائی امراض کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایت ہے کہ اگر کسی آبادی میں وہ وبا پھیل جائے تو وہاں کے باشندے دوسرے علاقوں میں نہ جائیں اور دوسرے مقامات کے لوگ اس وبازدہ آبادی میں نہ آئیں یہی تو لاک ڈاؤن ہے جس کی ہدایت رسول اللہ ﷺ نے چودہ سو سال پہلے دے دی تھی اس لیے امراض کی روک تھام کے لیے اس طرح کی احتیاطی تدابیر، بندشوں پر عمل کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے تاکہ یہ بیماری زیادہ نہ پھیل سکے اور جلد اس پر کنٹرول ہو جائے۔

نماز جمعہ اور مساجد کی حاضری سے محرومی

بلا شبہ کرونا وائرس کے اس دور میں جمعہ اور جماعت سے محرومی اور مساجد سے دوری بڑی تکلیف دہ بات ہے اور احساس محرومی پیدا کرنے والی ہے، اس سے اگر ہم یہ سبق لیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے ہم سے سخت ناراض ہے، اسی لیے اس نے اپنے در کی حاضری سے روک دیا ہے، تو ہمارے اندر ندامت کا احساس بڑھے گا، توبہ واستغفار کی توفیق ہوگی اور تنہائی میں اللہ کے حضور گڑگڑا کر آنسو بہانے کی سعادت حاصل ہوگی جس کے نتیجہ میں ان شاء اللہ اللہ کا قرب حاصل ہوگا، اس کی رحمتیں متوجہ ہونگیں اور ہماری زندگیوں میں بڑی خوشگوار تبدیلیاں آجائیں گی، مساجد سے دور کئے جانے کے بعد جب ہمیں دوبارہ مساجد کی حاضری نصیب ہوگی تو ہمارا دل اللہ کا شکر ادا کر رہا ہوگا اور ہماری انابت الی اللہ اور تضرع کی کیفیت دوچند ہو جائے گی۔

ہمارے وہ مسلمان بھائی خاص طور سے سبق لیں جو عام حالات میں بھی مسجد نہیں جاتے تھے جمعہ اور جماعت کے پابند نہیں تھے، بلکہ ایک بڑی تعداد نماز ہی نہیں پڑھتی تھی، میں سمجھتا ہوں کہ عملا مساجد کے بند ہونے سے ان کے دل پر بھی چرکہ لگے گا، وہ بھی اپنے رب کریم کے سامنے گڑ گڑا کر یہ عہد کریں گے کہ انشاء اللہ آئندہ زندگی میں وہ نماز کی پابندی کریں گے اور فوت شدہ نمازوں کی جلد سے جلد قضا کریں گے، اور حتی الامکان مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کریں گے۔

لاک ڈاؤن کی پابندیوں کی وجہ سے اگر مسجدوں میں حاضر ہونا وہاں جماعت سے نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو اپنے اپنے گھروں میں پنج وقتہ نمازوں اور تراویح کا اہتمام کریں، ہر گھر میں اتنے افراد تو ہوتے ہی ہیں کہ جماعت سے نماز ادا کی جاسکے، اگر آدمی تنہا ہے تو تنہا ہی نمازوں کی پابندی کرے، ہم لوگوں کو اپنی مصروف زندگی میں عام طور سے اس کا موقع نہیں ملتا کہ کچھ وقت اللہ کے لیے خاص کر لیں اور اس کے بے پایاں احسانات کو سوچ کر اس کے ذکر وتسبیح میں مشغول رہیں، ذکر واذکار کا اہتمام کریں نفلی نمازوں کی کثرت کریں، اللہ جل شانہ سے خصوصی قرب حاصل کریں، غالبا الہ کو اپنے بندوں پر ترس آیا ہے، اس نے انھیں جبری تنہائی عطا فرمائی ہے تاکہ وہ اپنے گھروں میں تنہائی میں بیٹھ کر اسے یاد کریں، اس سے لو لگائیں اور اس سے بندگی اور محبت کا رشتہ مضبوط کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو تنہائی کے ان اوقات کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے اور اس زمانہ میں اپنے خالق و مالک سے اپنا رشتہ بندگی اور رشتہ الفت ومحبت کو اتنا مضبوط کر لیں کہ والذین آمنوا اشد حبا للہ (ایمان والے اللہ سے حد درجہ محبت کرنے والے ہوتے ہیں) کا مصداق بن جائیں، اللہ کی محبت پیدا ہونے سے اس کی طاعت آسان ہو جاتی ہے اور شریعت وسنت پر چلنا شاق نہیں گزرتا بلکہ اس میں راحت محسوس ہوتی ہے، انسان اللہ کے بھیجے ہوئے دین کا داعی اور سپاہی بن جاتا ہے۔

اپنے اہل خانہ اور بچوں کی تربیت کریں

کرونا وائرس کے زمانہ میں لاک ڈاؤن کی وجہ سے لوگ اپنے گھروں میں بند رہنے پر مجبور ہیں، اپنی بیوی بچوں کے ساتھ اتنا وقت گزارنے کا اور انھیں قریب سے دیکھنے اور پرکھنے کا موقع شاید ہی کبھی آیا ہو، اور لاک ڈاؤن ختم ہونے کے بعد اپنے اہل خانہ کے ساتھ اتنی یکجائی شاید ہی میسر ہو، ہم

لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ اس زمانہ میں خاص طور سے اپنے بچوں اور افراد خانہ کی صحیح تربیت کریں، اس وقت کو بے فائدہ باتوں اور غفلتوں میں نہ گنوادیں، بلکہ ایک نظام بنا کر اس مدت میں بچوں کی ضروری تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ مبذول کریں، انھیں اپنی شفقتوں ومحبتوں سے نہال کریں، نرمی اور حکمت کے ساتھ انھیں بہتر سے بہتر انسان بنانے کی کوشش کریں، اگر تنہائی کے ان دنوں میں گھر کے اندر بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کا کوئی نظام ہم قائم کرسکیں تو بہت مفید اور دوررس کام ہوگا، اس کے اچھے نتائج آپ اپنی نسلوں پر محسوس کریں گے۔

ضرورت مندوں اور محتاجوں کی مدد

کرونا وائرس بیماری اور وفات تک محدود نہیں ہے بلکہ اس پر کنٹرول کرنے کے لیے لاک ڈاؤن کے جو اقدامات کئے گئے ہیں ان سے معیشت تباہ ہوکر رہ گئی ہے، کروڑوں لوگ بے روزگار ہوگئے ہیں، کروڑوں انسانوں کی نوکریاں ختم ہوگئی ہیں، عام طور پر مزدوروں اور ہنرمندوں کا وہ طبقہ جو روز کماتا اور اسی کمائی سے گزربسر کیا کرتا ہے وہ نان شبینہ کا محتاج ہوگیا ہے، انسانیت بھکمری کے کگار پر پہونچ چکی ہے، ان حالات میں ہماری ذمہ داری ہے کہ پاس پڑوس میں یا تعلق والوں میں جو لوگ بھی معاشی بدحالی کا شکار ہیں اور کھانے پینے کے محتاج ہیں، ان سب کی خاموشی کے ساتھ مدد کی جائے اور ان کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کیا جائے، اس میں مذہب نسل اور خاندان کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہ برتا جائے، سارے انسان حضرت آدم کی اولاد ہیں، ساری انسانی آبادی اللہ کا کنبہ ہے، ہر ایک ضرورت مند انسان کی مدد کرنا خاص طور سے اس کی غذائی ضروریات پورا کرنا ہم سب کی اسلامی اور انسانی ذمہ داری ہے، اس میں کوتاہی برتنا سنگین جرم ہوگا، جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مال ودولت سے نوازا ہے ان کا فریضہ ہے کہ موجودہ حالات میں صرف زکوۃ نکالنے پر اکتفانہ کریں بلکہ صدقات نافلہ وغیرہ کے ذریعہ اپنا مال اللہ کے راستہ میں خرچ کریں، بھوکوں کو کھانا کھلائیں، لوگوں کے لیے خوراک وپوشاک مہیا کریں، یہ خوف دل میں نہ لائیں کہ اگر ہم نے مال روک کر نہیں رکھا بلکہ خرچ کرتے رہے تو ہم محتاج ہوجائیں گے اور کوئی ہماری مدد کرنے والا نہیں ہوگا۔ سب انسانوں اور حیوانوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے، وہی ان کے رزق کا ذمہ دار ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو بندوں تک رزق رسانی میں استعمال کرلیتا ہے تو یہ آپ کے لیے سعادت اور ذخیرہ آخرت ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ ضرورت مندوں پر خرچ کرنے سے آپ کے مال میں اضافہ ہوگا مال میں برکت بڑھے گی، صدقہ خیرات کرنے سے بیماریاں اور بلائیں آپ اور آپ کے اہل خانہ سے دور ہوجائیں گی، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی حفظ وامان میں رکھیں گے۔

حدیث قدسی ہے: "الرحمون يرحمهم الرحمن أرحمو من في الأرض يرحمكم من في السماء" رحم کرنے والوں پر رحمان رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا) اللہ تعالیٰ ہم سب کو مصیبت کی اس گھڑی میں دوسروں کے کام آنے کی توفیق عطا فرمائے، اور پوری انسانی آبادی کو کرونا وائرس کی ہلاکت خیزیوں سے نجات دے۔ آمین!

کرونا وائرس کا سبب ہماری نافرمانیاں ہیں

مسلمان یہ بات نہ سوچیں کہ کرونا وائرس کی یہ ہلاکت خیز بیماری صرف کفار ومشرکین کی وجہ سے ہے، ہمارے برے اعمال وکرتوتوں کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے، ہمیں اپنے اعمال اور اپنی زندگی کا گہرائی سے جائزہ لینا چاہیے کہ ہم سب سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے میں اور شریعت وسنت پر چلنے میں کسی قدر کوتاہیاں ہورہی ہیں اور وہ کون سے بڑے گناہ ہیں جو خود ہم سے صادر ہورہے ہیں یا ہمارے ماحول میں پنپ رہے ہیں ہمیں اپنی بداعمالیوں کو اس وبا کا سبب ماننا چاہیے بھی استغفار وتوبہ کی توفیق ہوگی، اللہ کی طرف انابت بڑھے گی اور اپنی زندگیوں میں اچھی تبدیلیاں لانے کا ہم فیصلہ کرپائیں گے۔ یہ دنیا تو کفار ومشرکین کے لیے عیش گاہ ہے، ان کو تو جو بھی عیش وآرام ملنا ہے اس دنیا میں ملنا ہے، ان کی

آخرت کی زندگی تو بالکل اکارت ہے وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں ڈال دیے جائیں گے اور بدترین عذاب میں مبتلا رہیں گے قرآن کریم کی اس آیت کو آپ ذرا غور سے پڑھیے اور اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کیجیے۔

ولـولا أن يـكون الناس امة واحدة لجعلنا لمن يكفر بالرحمن لبيوتهم سقفا من فضة ومعارج عليها يظهرون، ولبيُوتهُم ابُوابًاوسُررا عليها يتكئون، وزخرفا وان كل ذالك لما متاع الحيوة الدنيا والآخرة عند ربك للمتقينَ]سورة الزخرف ۳۳ تا ۳۵)

(اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک طریقہ کے ہو جائیں گے تو ہم کر دیتے ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی جو لوگ (خدائے) رحمٰن سے کفر کرتے ہیں، اور زینے بھی (چاندی کی کر دیتے) جن پر یہ چڑھا کرتے، اور ان کے مکانوں کے دروازے (تک بھی) اور وہ تخت بھی جس پر یہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں، اور سونے کی (بھی یہ چیزیں کر دیتے) لیکن یہ سب سامان صرف دنیاوی زندگی کی چندروزہ کامرانی ہے اور آخرت تو آپ کے پروردگار کے یہاں خداترسوں کے لیے ہے) ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی نعمتوں اور یہاں کے عیش وآرام، ساز وسامان کی کوئی اہمیت و قیمت نہیں ہے، اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ سارے ہی انسان شرک وکفر کی راہ پر چل پڑیں گے تو اللہ تعالیٰ مشرکین کو اس سے کہیں زیادہ دنیاوی نعمتیں اور عیش وآرام عطا کرتا جو ان کو دنیا میں حاصل ہیں، ان کے گھروں کی چھتیں، سیڑھیاں، پلنگ وغیرہ چاندی اور سونے کے بنا دیتا، دولت وثروت سے خوب خوب مالا مال کر دیتا اللہ تعالیٰ نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ اگر ایسا ہوتا تو لوگ ایک طرح کے ہو جاتے سب کفر وشرک اختیار کر لیتے۔

غیر مسلموں کے بارے میں ہماری سوچ اور ذمہ داری

ہمیں تو یہ سوچنا چاہیے کہ ہمارے گناہوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے طرح طرح کی بیماریاں اور مشکلات نوع انسانی پر آ رہی ہیں، ہماری وجہ سے غیر مسلم بھی پریشان ہو رہے ہیں، اگر اسلامی تعلیمات پر چلتے، سچے مسلمان بنتے قرآن وسنت کی تعلیمات پر عمل کرتے، تو اللہ جل شانہ کی طرف سے یہ آفتیں اور آزمائشیں نہ آئیں، اور کفار ومشرکین کا عیش وآرام متاثر نہ ہوتا، جس طرح گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے ایسی ہی ہماری کوتاہیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ کی طرف سے جو آزمائش آ رہی ہے ان کا شکار غیر مسلم بھی ہو رہے ہیں ہم ان کی پریشانی کا سبب بن رہے ہیں، اگر ہمارے سوچنے کا یہ انداز ہو تو ہمیں غیر مسلموں پر غصہ نہ آئے گا بلکہ ترس آئے گا کہ آخرت میں ان کے لیے تباہ وبربادی ہے ہی، دنیا میں ان کے لیے جو عیش و آرام کا موقع ہے، وہ بھی ہماری وجہ سے مکدر ہو رہا ہے اور وہ بھی تکلیفوں سے گزر رہے ہیں۔

ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ہم دنیا میں صرف کھانے جینے اور آرام کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے، بلکہ ہم مسلمانوں کی زندگی کا مقصد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے مذہب اور پیغام پر چلنا اور غیر مسلموں تک اسے پہونچانا ہے، قرآن کریم اللہ کی اتاری ہوئی آخری کتاب ہدایت ہے، صرف اس کی تلاوت ہی کرنا ہماری ذمہ داری نہیں، بلکہ اس کو سمجھنا اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنا اور اللہ کے اس آخری پیغام کو سارے انسانوں تک پہونچانا امت مسلمہ کا فریضہ ہے، نبی آخر الزماں ﷺ کی وفات کے بعد غیر مسلموں میں دین کی دعوت پہونچانے توحید کا پرچار کرنے اور شرک کی خطرناکی اور شناعت غیر مسلموں پر واضح کرنے کی ذمہ داری مسلمانوں ہی کے سر ہے جو اپنے کو خاتم انہبین ے کا امتی کہتے ہیں اور قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، اسے کتاب ہدایت اور اللہ کی نازل کردہ آخری کتاب قرار دیتے ہیں۔

ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ کیا ہم اپنی اس ذمہ داری کو ادا کر رہے ہیں؟ کیا ہم غیر مسلموں تک اللہ کا پیغام پہونچانے اور قرآن کی تعلیمات سے انھیں واقف کرانے کی کوشش کر رہے ہیں؟ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ ناراضگی اور پکڑ ہماری اس کوتاہی کی وجہ سے ہوئی ہو اس لیے غیر مسلم بھائیوں کا ہم پر یہ حق ہے اور ہماری ذمہ داری ہے کہ توحید کے پیغام کو اور قرآن کریم کی تعلیمات کو حکمت اور خیر خواہی کے ساتھ پہونچانے کی

پوری کوشش کریں، ہمارے غیر مسلم بھائی بھی ہماری ہمدردی کے مستحق ہیں، وہ بھی حضرت آدم اور حضرت حوا کی اوّل اد ہیں، ہمارے انسانی بھائی ہیں، اگر مشکلات اور پریشانیوں میں ان کی مدد کرنا ہماری ذمہ داری ہے تو انھیں آخرت کے دائمی عذاب سے بچانے کی کوشش کرنا کہیں بڑی ذمہ داری ہے، اور اس کی صورت یہی ہے کہ ہم توحید کے پیغام کو، کفر وشرک کے نقصانات اور ہلاکتوں کو اللہ کے آخری پیغام قرآن مجید کو ان تک پوری ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ پہونچانے کی بھرپور کوشش کریں، اور اپنی زندگی اور سماج کو اس طرح بنائیں کہ ہمیں دیکھ کر انھیں اسلام کی طرف کشش ہو اور وہ ہماری دینی تعلیمات کو پڑھنے اور سیکھنے کے شائق بن جائیں۔

رمضان المبارک اور قرآن مجید

رمضان المبارک کا مبارک مہینہ چل رہا ہے، اس مہینہ کو قرآن کریم سے خصوصی مناسبت ہے، اسی مہینہ میں قرآن کریم لوح محفوظ سے دنیا والے آسمان پر اترا اور اس مہینہ میں قرآن کریم کی تلاوت کا خصوصی اہتمام ہوتا ہے، تراویح کی نماز میں قرآن ختم کیا جاتا ہے، اس مہنیہ کو خاص طور سے قرآن کریم کی تلاوت قرآن کے معانی ومطالب تعلیم اور پیغام کو پڑھنے اور جاننے میں صرف کریں، درس قرآن کا اہتمام کریں، غیر مسلم بھائیوں تک قرآن کریم کے پیغام کو پہونچانے کی موثر شکلیں اختیار کریں، ان شاء اللہ اس کی برکت سے بیماریاں اور آفتیں دور ہونگی، دنیائے انسانیت کرونا کی ہلاکت آفرینی سے آزاد ہوگی اور اس وبائی مرض سے نجات کے بعد جو انسانی سماج تشکیل پائے گا وہ پہلے سے بہتر ہوگا ظلم وستم کا اندھیرا چھٹے گا، عدل وانصاف کی حکمرانی ہوگی، سماج میں جو ناہمواریاں اور برائیاں پھیل رہی ہیں ان کا ازالہ ہوگا، اور نوع انسانی اپنے خالق ومالک کو پہچانے گی، توحید کا پیغام پوری دنیا میں عام ہوگا، کفر وشرک کی ظلمتیں کم ہونگی اور خیر خواہی، ہمدردی، اور انسان دوستی کا ماحول عام ہوگا، اللہ ہمیں سچا مسلمان بنائے، اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے اور قرآن کے پیغام کو سارے انسانوں تک پہونچانے کی توفیق عطا فرمائے اور کرونا وائرس کی تباہ کاری سے سارے انسانوں کو محفوظ کردے۔

چند قرآنی آیات پیش خدمت ہیں، جن سے مسلمانوں کی ذمہ داریوں پر روشنی پڑتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”إن هـذا القرآن يهدى للتى هى اقوم ويبشر المؤمنين الذين يعملون الصلحت ان لهم اجرا كبيرا، وان الذين لا يؤ منوان بـالآخـرة اعتدنا لهم عذابا أليما.“ [سورة الاسراء ۹ ۱۰] (بے شک یہ قرآن ایسے (طریقہ) کی رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے، اور ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے رہتے ہیں خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لیے بھاری اجر ہے، یہ بھی بتاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے)

ولتـكـن منكم أمة يدعون الى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر وأولئك هم المفلحون. [سورة آل عمران: ۱۰۴] (اور ضرور ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے جو تم کو نیکی کی طرف بلایا کرے اور بھلائی کا حکم دیا کرے اور بدی سے روکا کرے اور پورے کامیاب یہی تو ہیں۔)

کـنـتـم خيـر أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله، ولو آمن أهل الكتاب لكان خيرا لهم: منهم المؤمنون واكثرهم الفسقون. [سورة آل عمران: ۱۱۰] تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اہل کتاب بھی اگر ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہت خوب ہوتا، ان میں سے کچھ تو ایمان والے ہیں مگر اکثر ان میں سے نافرمان ہیں) ایک حدیث قدسی جو کسی قدر مفصل ہے اس میں اللہ جل شانہ کے مرتبہ ومقام اور جاہ وجلال

نیز بندوں کے فقر و احتیاج کو انتہائی بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے، رب کائنات اور مخلوق کے رشتہ کو واضح کیا گیا ہے، اللہ جل شانہ کی شان بے نیازی کو انتہائی مؤثر اور خوبصورت پیرائے میں واضح کیا گیا ہے حدیث قدسی کے الفاظ اور اس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

عن أبی ذررضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ فیماروی عن اللہ تبارك و تعالی أنہ: وقال: یا عبادی! حرمت الظلم علی نفسی وجعلتہ بینکم محرما، فلا تظالموا، یا عبادی! کلکم ضال الامن ھدیتہ، فاستھدونی اھدکم: یا عبادی! کلکم جائع الا من اطعمتہ، فاستطعمونی أطعمکم، یا عبادی کلکم عار الا من کسوتہ، فاستکسونی اکسکم، یاعبادی انکم تخطئون باللیل والنھار وانا اغفر الذنوب جمیعا، فاستغفرونی أغفر لکم، یا عبادی لن تبلغوا ضری فتضرونی، ولن تبلغوا نفعی فتنفعونی، یا عبادی لو أن أوّلکم و آخر کم،انسکم وجنکم، کانوا علی اتقی قلب رجل واحد منکم، مازاد ذلك فی ملکی شیئا، یا عبادی لو أن أوّلکم وآخرکم، انسکم وجنکم کانوا علی افجر قلب رجل واحد، ما نقص ذلك من ملکی شیئا یا عبادی لو أن أوّلکم وآخرکم، وانسکم وجنکم، قاموا فی صعید واحد فسألونی فأعطیت کل إنسان مسألتہ، ما نقص ذلك مماعندی شیئا، الا کما ینقص المخیط اذا یدخل البحر، یا عبادی انما ھی أعمالکم احصیھا لکم ثم أو فیکم ایاھا، فمن وجد خیر افلیحمد اللہ ومن وجد غیر ذلك فلا یلو من الا نفسہ – [مسلم، کتاب البرو الصلة والآداب، باب تحریم الظلم].

حضرت ابوذرؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تبارک وتعالی سے روایت کرتے ہوئے فرمایا:

کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے اے میرے بندو بے شک میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کیا ہے اور تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام قرار دیا ہے، لہٰذا ایک دوسروں پر ظلم نہ کرو، اے میرے بندو! تم میں سے ہر شخص گمراہ ہے سوائے اس کے جس کو میں نے ہدایت دی لہٰذا تم مجھے سے ہدایت طلب کرو میں تمہیں ہدایت دوں گا، اے میرے بندو! تم میں سے ہر شخص بھوکا ہے سوائے اس کے جس کو میں نے کھانا کھلایا تم مجھ سے کھانا مانگو میں تم کو کھانا کھلاؤں گا، اے میرے بندو! تم میں سے ہر شخص برہنہ ہے سوائے اس کے جسے میں کپڑا پہناؤں تم مجھ سے لباس مانگو میں تمہیں کپڑا پہناؤں گا، اے میرے بندو! بے شک تم سب رات دن غلطیاں کرتے رہتے ہو اور میں ہی تمام گناہوں کو بخشتا ہوں، لہٰذا تم مجھ سے بخشش طلب کرو میں تم کو بخش دوں گا، اے میرے بندو! بے شک تم میں مجھے نقصان پہونچانے کی سکت نہیں کہ مجھے نقصان پہونچا اور تم میں ہرگز مجھے نفع پہونچانے کی طاقت نہیں ہے کہ تم مجھے نفع پہونچاؤ، اے میرے بندو! اگر تمہارا پہلا اور آخری شخص (یعنی سارے انسان) اور تم سب کے سب انسان اور جنات تم میں۔ اسے سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے شخص کی طرح ہو جائیں تو اس سے میری حکومت میں ذرا بھی کوئی اضافہ نہیں ہوگا، اے میرے بندو! اگر تم میں سے پہلا شخص اور آخری شخص (یعنی سارے انسان اور سارے انس وجن سب سے زیادہ فاسق وفاجر شخص کی طرح ہو جائیں تو اس سے میری حکومت میں ذرا بھی کمی نہیں آئے گی، اے میرے بندو! اگر تم میں سے پہلا شخص اور آخری شخص اور سارے انسان اور جن ایک جگہ کھڑے ہو کر مجھ سے مانگیں اور میں ہر شخص کی مانگی ہوئی چیز دے دوں تو اس سے میرے خزانے میں کوئی کمی نہیں آئے گی مگر ایسے ہی جیسے کوئی شخص سمندر میں سوئی داخل کر کے نکال لے (تو سمندر میں کوئی کمی نہیں آتی)، اے میرے بندو! میں تمہارے اعمال کو تمہارے لیے گن رہا ہوں پھر میں ان سب اعمال کا پورا بدلہ دوں گا، لہٰذا جو شخص کوئی خیر پائے تو اللہ کی تعریف کرے اور جو شخص خیر کے علاوہ کچھ اور پائے تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔ (حدیث مکمل ہوئی)

اے ہمارے آقا و مولی! ہمیں معلوم ہے کہ آپ دنیا والوں سے ناراض ہیں، اس وقت دنیا ظلم وستم سے بھری ہوئی ہے، علم ودانش، تہذیب وتمدن کے بلند بانگ دعووں کے باوجود دنیا کے حکمراں کمزوروں اور مجبوروں پر ظلم وستم کا پہاڑ توڑ رہے ہیں، دنیا کے مختلف ملکوں میں تیرے لاکھوں بندے اور بندیاں قتل کئے جا رہے ہیں، انھیں بموں ٹینکوں اور انتہائی مہلک ہتھیاروں کے ذریعہ قتل اور زخمی کیا جا رہا ہے، کروڑوں انسان ظلم وستم سے

تنگ آکر اپنے وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور ہیں اور انھیں پر امن پناہ گاہیں بھی نہیں مل رہی ہیں، اے کائنات کے مالک! اس ظلم وستم کو ختم فرما دیجئے، ظالموں کو ہدایت دیکھیئے کہ ظلم وستم سے باز آئیں یا انھیں ہلاک کر دیجئے اور حکومت مملکت انصاف کرنے والے حکمرانوں کے سپرد فرمائیے۔

اے مولائے کریم! ہمیں معلوم ہے کہ آپ کی ناراضگی مسلمانوں پر کم نہیں ہے، بلکہ کچھ زیادہ ہی ہے، ہم نے آپ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا چھوڑ دیا اور آپ کے پیغام کو پہونچانا چھوڑ دیا ہے، اے اللہ! مسلمانوں کو ہدایت دیجئے کہ وہ سچے مسلمان بن جائیں، شریعت وسنت کے پیروکار بن جائیں، قرآن کریم کو اپنی کتاب زندگی بنالیں اور قرآن کریم کے پیغام کو پوری محنت اور جانفشانی کے ساتھ ساری دنیا میں پھیلائیں۔

اے بارالٰہ! ہمیں اپنے کو مسلمان کہتے اور نبی آخرالزماں ﷺ کا امتی قرار دیتے ہوئے شرم آرہی ہے، ہماری زندگیاں قرآن وسنت کی تعلیمات سے بہت دور ہوچکیں ہیں، اے اللہ ہمیں کتاب وسنت کا پابند بنائیے اور اپنی محبت سے اور خاتم النبین ؑ کی محبت سے ہمارے دلوں کو معمور فرما دیجیے۔

اے اللہ! آپ کو ہماری عبادت واطاعت کی ضرورت نہیں ہے، اگر دنیا کے سارے انسان مطیع وفرماں بردار بن جائیں تو آپ کی مملکت میں اور آپ کی شان میں ذرا بھی اضافہ نہ ہوگا اور اگر ساری مخلوق کفروشرک میں ڈوب جائے اور تیری نافرمان ہوجائے تو تیری عظمت وشان میں ذرا بھی کمی نہیں آئے گی اور تیرا ادنی سا بھی نقصان نہیں ہوگا۔

اے رب کریم ورحیم! کرونا وائرس تیرے لاکھوں کروڑوں لشکروں میں سے ایک معمولی لشکر ہے، آپ نے انسانوں کو متنبہ کرنے اور راہ راست پر لانے کے لیے اسے دنیا والوں پر مسلط فرما دیا ہے، اے اللہ اس ہلاکت آفریں وائرس سے دنیا کو نجات دے دے، سارے انسان اس سے لاچار و بے بس ہیں، اے اللہ اس وائرس سے اور تمام مہلک بیماریوں سے انسانوں کو اور اپنی تمام مخلوقات کو نجات دیجیے، دنیا میں صحت وعافیت، امن و سلامتی، عدل وانصاف کا ماحول پیدا فرمائیے۔

اے رب کریم! ہماری بداعمالیوں اور گناہوں کی وجہ سے ہم جمعہ وجماعت سے محروم کر دئے گئے، مسجدوں سے دور کر دئے گئے، تیرے بندے پروانہ وار پوری دنیا سے خاص طور سے ماہ رمضان میں حرمین شریفین حاضر ہوتے تھے، عمرہ وزیارت سے مشرف ہوتے تھے، خانہ کعبہ کا طواف اور مسجد حرام کی نمازوں سے اپنا دامن مراد بھرتے تھے، مدینہ منورہ حاضر ہو کر مسجد نبوی میں عبادت کیا کرتے تھے اور خاتم الانبیا محمد مصطفیٰ نے کے مواجہ شریفہ میں حاضر ہو کر درود وسلام کا نذرانہ پیش کیا کرتے تھے اور شفاعت کی درخواست کرتے تھے، اے اللہ حرمین کے خالی ہونے سے تیرا ادنی نقصان نہیں ہے، یہ تیری شان بے نیازی ہے جس کا دنیا مشاہدہ کر رہی ہے لیکن اے رب کریم سیہ امت مسلمہ اور ساری انسانیت کی بڑی محرومی ہے۔

اے اللہ! حرمین شریفین کو انسانوں سے خالی دیکھ کر دل کا عجیب حال ہوتا ہے، اپنی محرومی کا احساس ہوتا ہے، اسے بارالٰہ کرونا کی وبا کو ختم کر دے اور حرمین شریفین کو پھر آباد فرما دے، تمام مسجد میں اپنے بندوں کے لیے کھول دے، اے اللہ ہم سے راضی ہوجا، ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے، سارے انسانوں کو صراط مستقیم پر چلا، حکمرانوں کو عدل وانصاف کی توفیق دے ظلم وستم کا خاتمہ فرما دے۔

اے رب کریم! لاک ڈاؤن کی وجہ سے لوگ اپنے اپنے گھروں میں بند ہیں، ضرورت مند ضرورت کی اشیاء نہیں خرید سکتے، مریض دوا علاج نہیں کرا سکتے، کروڑوں انسان بے روزگار ہو چکے ہیں اور فقر وفاقہ میں مبتلاء ہیں، اے اللہ انسان ہی نہیں حیوانات بھی پریشان ہیں، اپنی غذا اور روزی کے محتاج ہیں، اے رب کریم محض اپنے فضل وکرم سے حالات کو تبدیل فرما دیجیے، اس بیماری کو ختم فرما دیجیے معمول کی زندگی واپس لائیے اور سارے انسانوں کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ فرمائیے، آپ کے سوا کوئی رحم وکرم کرنے والا نہیں، اے اللہ ہماری دعاؤں کو قبول فرمائیے اور ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمائیے۔ (آمین)

کرونا وباء سے متعلق چند اہم سوالات اور ان کے جوابات

بقلم: مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
استاذ ونگراں
تخصص في الفقه الإسلامي
جامعة العلوم الاسلامیه
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

محورِ اوّل

سوال(۱) وباء کیا ہے؟ اور شریعت میں اس کے بارے میں کیا تصور ہے؟

جواب(۱) وباء لغت میں تین مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(الف) وباء بمعنی طاعون۔ (ب) وباء بمعنی ہر وہ مرض جو عام ہو۔

(ج) وباء بمعنی آسمانی یا زمینی آفت کی وجہ سے ہوا کو لاحق ہونے والا فساد۔

مذکورہ بالا تینوں صورتوں پر وباء کا اطلاق ہوتا ہے۔

لہٰذا مذکورہ بالا لغوی معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے وباء کی اصطلاحی تعریف یہ ہوئی کہ وباء ہر اس مرض عام کو کہا جاتا ہے جو کسی آسمانی یا زمینی آفت کی وجہ سے زمین میں بسنے والی مخلوق کو لاحق ہو جائے اور عمومی طور پر سب میں پھیل جائے۔

چنانچہ لسان العرب میں ہے: وَبَأَ الوَبَأُ: الطَّاعُونُ بالقصر والمد والهمز وَقِيلَ هُوَ كُلُّ مَرَض عام، وَفِي الْحَدِيثِ: إِن هَذَا الوَبَاءَ رجز.

وبا کے متعلق شرعی تصور

قرآن مجید کی آیات واحادیث نبویہ کے ذخیرہ میں وباؤں کے آنے کے مختلف اسباب بیان کئے ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

. گناہوں کا عام ہو جانا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کوتاہی کرنا، ناپ تول میں کمی کرنا، زکوۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا۔

وعدہ خلافی کرنا، گناہوں کا عام ہو جانا، حکمرانوں کا کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کرنا۔

وباؤں کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ کھلے عام اللہ تعالی کی نافرمانی اور اعلانیہ اجتماعی گناہ کیا جائے۔ قرآن مجید میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ بحر وبر کے فساد میں انسان کے اعمال کا بڑا دخل ہے، جب انسان رب کی نافرمانی کرنے لگتا ہے تو اللہ تعالی بطور تادیب اس کے بعض اعمال کا بدلہ اس دنیا میں ہی دیتے ہیں لیکن اس سے مقصود غافل۔

انسان کو تنبیہ کرنا ہوتی ہے کہ وہ اعمال بد سے باز آجائے اور رب کی طرف رجوع کرے، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر جو وبائیں آتی

ہیں وہ رب کی طرف سے رحمت ہوتی ہیں۔

قرآنِ کریم میں ہے: فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُون. (البقرة)

ترجمہ: ہم نے نازل کی ان ظالموں پر ایک آفت سماوی، اس وجہ سے کہ وہ عدول حکمی (نافرمانی) کرتے تھے۔

امام بغوی اس آیت کے ذیل میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں:

قَالَ الْحَسَنُ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ – صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ مَا مِن خَدْشِ عُودٍ وَلَا عَثْرَة قَدَمٍ، وَلَا اخْتِلَاجِ عِرْقٍ إِلَّا بِذَنْبٍ، وَمَا يعفو الله عنه أكثر." (تفسير البغوى المسمى بمعالم التنزيل، سورة الشورى، الآية: ۳۰، دار السلام)

امر بالعروف اور نہی عن المنکر میں کوتاہی کرنا

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کوتاہی کرنا بھی اجتماعی وباء کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ بنی اسرائیل نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کوتاہی کی تو اللہ تعالی نے رسولوں کے زبانوں سے ان کو لعنتیں دلوائیں۔

ناپ تول میں کمی کرنا۔ زکوۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا۔ وعدہ خلافی کرنا۔

دوسری بات کہ شرعی نقطۂ نظر سے وبائیں آزمائش ہیں یا عذاب؟

اگر قرآن وحدیث کے نصوص میں غور وفکر کیا جائے تو واضح ہوگا کہ وباؤں میں آزمائش اور عذاب دونوں کے پہلو موجود ہوتے ہیں، کہیں وباؤں کو آزمائش سے تعبیر کیا اور کہیں عذاب سے، البتہ مسلمانوں کے لئے وبائیں آزمائش اور تنبیہ کے لئے ہوتی ہیں اور کافروں کے لئے بڑے عذاب سے پہلے عذاب کا ایک نمونہ ہوتی ہیں لیکن اس عذاب میں بھی تنبیہ کا پہلو راجح ہوتا ہے، اور اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ ان عذابات کو دیکھ کر بڑے عذاب سے ڈر جائیں اور اللہ کی طرف رجوع کر لیں۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتے ہیں: وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَى دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (سورة السجدة الآية) سنن الترمذی میں موجود اسامہ بن زید کی روایت میں طاعون کو عذاب سے تعبیر کیا عن أسامة بن زيد، أن النبي صلى الله عليه وسلم ذكر الطاعون، فقال: »بقية رجز، أو عذاب أرسل على طائفة من بني إسرائيل. (۱)

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی روایت ہے کہ: عن عائشة رضي الله عنها، قالت: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الطاعون، فأخبرني »أنه عذاب يبعثه الله على من يشاء، وأن الله جعله رحمة للمؤمنين، ليس من أحد يقع الطاعون، فيمكث في بلده صابرًا محتسبا، يعلم أنه لا يصيبه إلا ما كتب الله له، إلا كان له مثل أجر شهيد ."

(حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کی حقیقت دریافت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ (ویسے تو) یہ عذاب ہے جسے اللہ تعالیٰ جس پر چاہے بھیجتا ہے (لیکن) اللہ تعالی نے اسے (ان) مؤمنین کے لیے (باعث) رحمت قرار دیا ہے (جو اس میں ابتلا کے وقت صبر کرتے ہیں) اور جس شہر یا جس جگہ طاعون ہو اور (کوئی مؤمن) اپنے اس شہر میں ٹھہرا رہے اور صبر کرنے والا اور اللہ سے ثواب کا طالب رہے (یعنی اس طاعون زدہ علاقہ میں کسی اور غرض ومصلحت سے نہیں، بلکہ محض ثواب کی خاطر ٹھہرا رہے) نیز یہ جانتا ہو کہ اسے کوئی چیز (یعنی کوئی اذیت ومصیبت) نہیں پہنچے گی مگر صرف وہی جو اللہ نے (اس کے مقدر میں لکھ دی اور جس سے کہیں مفر نہیں) تو اس مؤمن کو شہید کے مانند ثواب ملے گا۔ مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ وباء میں آزمائش اور عذاب دونوں پہلو موجود ہوتے ہیں لیکن مقصود دونوں میں تنبیہ وتادیب ہوتی ہے

کہ مالک الملک کی طرف رجوع کیا جائے، اور اس کی قدرت وسلطنت کو تسلیم کر لیا جائے۔کبھی یہ وبائیں، بیماریاں، پریشانیاں، رفع درجات اور گناہوں کی بخشش اور اجر وثواب میں اضافہ کا ذریعہ بھی بنتی ہیں جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کی روایت کہ:عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وأَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عن النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هُمٍ وَلَا حَزَنٍ وَلَا أَذًى وَلَا غم، حتَّى الشَّوْكَةُ يُشَاكُهَا إِلَّا كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهِ".

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان جب بھی کسی پریشانی، بیماری، رنج و ملال، تکلیف اور غم میں مبتلا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر اسے کوئی کانٹا بھی چبھ جائے تو اللہ تعالی اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

(۱) سنن الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء فی کراهية الفرار من الطاعون، ج 2 / 369، رقم الحديث (1065) ط: دار الغرب الإسلامی.

سوال نمبر (۲) وبا سے تحفظ کے لئے شرعی رہنمائی اور اسلامی ہدایات کیا ہیں؟

جواب: (۲) اسلام نے وباؤں اور مختلف قسم کے موذی امراض سے بچنے کے لئے طہارت و پاکیزگی کے اہتمام کا حکم دیا ہے۔

قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں بکثرت نصوص موجود ہیں جس میں طہارت و پاکیزگی کا حکم دیا گیا ہے، کہیں جسمانی طہارت کا حکم دیا، کہیں جگہ کی پاکیزگی کا حکم دیا، کہیں کھانے کی پاکیزگی کا حکم دیا، اسی طرح صحابہ کا قول وفعل بھی اس پر شاہد ہے کہ انہوں نے کس قدر پاکیزگی کا اہتمام کیا اور پاکیزگی کی تاکید فرمائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاکیزگی کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے:عن أبی مالك الأشعری قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: »الطهور شطر الإيمان " (صحيح مسلم، باب فضل الوضوء، ۱ / ۲۰۳، رقم الحديث (۲۲۳)، ط: دار إحياء التراث العربی)

وباؤں سے تحفظ کے لئے اسلام نے جو ہدایات دی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

جسمانی پاکیزگی اختیار کرنا۔

جگہ کی پاکیزگی اختیار کرنا۔کھانے کی پاکیزگی۔•مقام وباء سے رابطہ منقطع کرنا۔

(۱) جسمانی طہارت و پاکیزگی اختیار کرنا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے اہل قباء کی اس بنیاد پر تعریف کی ہے وہ لوگ نظافت کا اہتمام کرتے تھے اور استنجاء میں ڈھیلے کے بعد پانی کا استعمال کیا کرتے تھے"فيه رجال يحبون أن يتطهروا."

اسی طرح منہ کی صفائی کے لئے مسواک کو لازم قرار دیا: عن عائشة، عن النبی صلى الله عليه و سلم قال: السواك مطهرة للفم مرضاة للرب ۔ (سنن الترمذی، ابواب الادب، باب ما جاء فی النظافة، ٤/٤٠٩، رقم الحديث (۲۷۹۹) ط: دار الغرب الإسلامی.)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے پاک رکھنے اور صاف ستھرا پہنے کا حکم دیا ہے، اس لئے کپڑوں کی صفائی جراثیم کے روکنے اور بیماری سے تحفظ کا ذریعہ ہے، کیونکہ کپڑے جسم کے ساتھ ملحق ہوتے ہے، کپڑوں پر گندگی کا اثر جسم انسانی پر پڑتا ہے اس وجہ سے کپڑوں کو بھی پاک رکھنے کا حکم دیا ہے۔"وثيابك فطهر"۔یعنی اپنے کپڑوں کو صاف رکھو۔

(حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح باب شروط الصلاة، ص: ۲۰۹، ط: دار الكتب العلمية.)

(۲) جگہ کو پاک رکھنا جگہ کی پاکیزگی بھی بیماریوں سے روکنے میں مؤثر ہے۔اس وجہ سے اس کی پاکیزگی کا بھی حکم دیا ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:"إن الله طيب يحب الطيب."
(۳) کھانے کی پاکیزگی بیماری کو روکنے کے لئے کھانے کی پاکیزگی اور اس کی حفاظت کا بھی حکم دیا ہے۔خنزیر کے گوشت سے منع فرمایا ہے۔گھروں میں کتوں کے رکھنے پر پابندی عائد کی گئی،اسی طرح اگر کوئی جانور برتن میں منہ ڈالے تو اس کو اچھی طرح دھونے کا حکم دیا ہے۔
(۴) مقام وباء میں آمدورفت منقطع کردینا وبا سے تحفظ کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ جس جگہ بیماری پھیلی ہو اس جگہ کی آمدورفت روک دی جائے وہاں سے کوئی باہر نہ نکلے اور نہ ہی باہر کا کوئی فرد اس بیماری والی جگہ پر جا سکے۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہاں جانے والا ضرور بیماری میں مبتلاء ہوگا اور وہاں سے نہ جانے والا صحت یابی پالے گا۔ بلکہ یہ تمام امور اللہ کے قبضہ وقدرت میں ہیں، جسے چاہے وباء میں مبتلاء کردے اور جسے چاہے مبتلاء نہ کرے۔

جسے موجودہ کرونا وائرس وباء میں قرنطینہ سے تعبیر کیا گیا ہے،قرنطینہ کا معنی ہے مریض کو کسی مخصوص جگہ پر مخصوص ایام کے لئے ممکنہ بیماری سے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے ایک جگہ محبوس کرنا۔قرنطینہ کے دوران مریض کے پاس نہ کسی کو آنے دیا جاتا ہے اور نہ مریض کو کسی کے پاس جانے دیا جاتا ہے۔شریعت میں بھی اس عمل کا ثبوت موجود ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ متعدی بیماریوں کے مؤثر ہونے اور حکم الٰہی کے بغیر اثر اندازی کی نفی والے نصوص بھی پیش نظر رکھے جائیں تاکہ مسلمانوں میں ضعیف الاعتقادی اور اس کے اسباب کے ہر حال میں مؤثر ہونے کے مادی افکار سے اجتناب بھی ہو سکے، نیز قرنطینہ کے عنوان سے عام صحت مند مسافروں کو محبوس رکھنے کا عمل اس شرعی احتیاط کے زمرے میں نہیں آتا، جو مسافر مریضوں کے پاس نہ جا رہے ہوں، بلکہ کسی اور رخ پر احتیاطی تدابیر کے ساتھ جا رہے ہوں، انہیں ہر حال میں قرنطینہ کرنا شرعاً واخلاقاً درست معلوم نہیں ہوتا۔واللہ اعلم۔

سوال نمبر (۳) کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے اور اس سے بچنے کے سلسلے میں حکومت کی گائڈ لائن (تدابیر) پر عمل اور دیگر احتیاطی تدابیر کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا ایسا کرنا توکل علی اللہ اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہے؟

جواب (۳) وباؤں سے تحفظ کے لئے اگر حکومتی تدابیر شریعت سے متصادم نہ ہوں تو ان پر عمل کرنا جائز ہے،لیکن اگر شرعی احکامات سے متصادم ہوں تو پھر اس صورت میں اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

باقی جائز شرعی تدابیر اختیار کرنا جائز ہے، اور شرعی تدابیر اختیار کرنا ہرگز توکل علی اللہ اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف نہیں ہے، لیکن احتیاطی تدابیر کو ہی مؤثر اور نجات کا ذریعہ سمجھنا درست نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالی کی ذات پر مکمل بھروسہ واعتماد کر کے اس یقین کے ساتھ اسباب اختیار کرنا ہے کہ دنیوی واخروی تمام معاملات میں نفع ونقصان کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالی کی ذات ہے، ہر چھوٹی بڑی چیز اپنے وجود اور بقا کے لیے اللہ کی محتاج ہے، اللہ تعالی کی منشاء کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا، اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے تو اسے مرض سے شفایابی کے لیے دوا کا استعمال تو کرنا ہے، لیکن اس یقین کے ساتھ کہ جب تک اللہ تعالی شفا نہیں دے گا، دوا اثر نہیں کر سکتی۔یعنی دنیاوی اسباب کو اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں، بلکہ اللہ تعالی کا نظام یہی ہے کہ بندہ دنیاوی اسباب اختیار کر کے اللہ تعالی کی ذات پر پورا بھروسہ کرے، یعنی یہ یقین رکھے کہ جب تک حکم خداوندی نہیں ہوگا، اسباب اختیار کرنے کے باوجود شفا نہیں مل سکتی، غرض یہ ہے کہ اسباب اختیار کرنے کے ساتھ اللہ تعالی پر بھروسہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔
حدیث شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَعْقِلُهَا وَأَتَوَكَّلُ، أَوْ أُطْلِقُهَا وَأَتَوَكَّلُ؟

قَالَ: اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ. ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا بغیر باندھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: باندھو اور اللہ پر بھروسہ کرو۔ (سنن الترمذی، أبواب صفة القيامة، ط: دار الغرب الإسلامی.)

اسی طرح امام بخاری نے صحیح البخاری میں ایک اور حدیث حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: كان أهل اليمن يحجون ولا يتزودون، ويقولون: نحن المتوكلون، فإذا قدموا مكة سألوا الناس، فأنزل الله تعالى: "وتزودوا فإن خير الزاد التقوى." [البقرة: ۷۹۱]

(صحيح البخاري، كتاب الحج، باب قول الله تعالى: [وتزودوا فإن خير الزاد التقوى] (۲ / ۱۳۳)، ط: دار طوق النجاة)

(اہل یمن بغیر ساز وسامان کے حج کرنے کے لیے آتے اور کہتے کہ ہم اللہ پر توکل کرتے ہیں، لیکن جب مکہ مکرمہ پہنچتے تو لوگوں سے سوال کرنا شروع کر دیتے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی سورۃ البقرۃ میں آیت: ۱۹۷ نازل فرمائی کہ حج کے سفر میں زادِ راہ ساتھ لے جایا کرو۔)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے ساتھ ساتھ بیماری کا علاج کرنے کا حکم بھی دیا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لكل داء دواء، فإذا أصيب دواء الداء برأ بإذن الله عز وجل" ہر بیماری کی دوا ہے، جب بیماری کو اس کی اصل دوا میسر ہو جائے تو انسان اللہ کے حکم سے شفایاب ہو جاتا ہے۔"

(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب لكل داء دواء، ط: دار إحياء التراث العربي)

مذکورہ بالا تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ وباء سے بچنے کے لئے جائز تدابیر اختیار کرنا توکل اور ایمان کے تقاضے کے خلاف نہیں ہے، بلکہ توکل کی حقیقت یہی ہے کہ اسباب کو اختیار کرتے ہوئے ان کو مؤثر بالذات نہ مانا جائے، اور خداوند مسبب الاسباب پر ایمان رکھا جائے۔

سوال نمبر: (۴) بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر

جواب (۴) بیماری کے متعدی ہونے یا نہ ہونے کے متعلق دو قسم کی روایات ملتی ہیں: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماریاں متعدی نہیں ہوتی، یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ اختلاط یا کسی اور سبب سے کسی ایک مریض کی بیماری کسی دوسرے تندرست شخص میں منتقل ہو جائے، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماریاں متعدی ہوتی ہیں۔

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ عن أبي هريرة، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا عدوى ولا طيرة، ولا هامة ولا صفر، وفر من المجذوم كما تفر من الأسد."

(صحيح البخاري، كتاب الطب، باب الجذام، ط: دار طوق النجاة الطبعة: الأولى)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جذام کے مریض کے ساتھ بیٹھ کر ایک ساتھ کھانا کھایا حالانکہ اس وقت یہ بات مشہور تھی کہ جذام کا مرض یقینی طور پر منتقل ہوتا ہے۔

علماء کرام نے بظاہر دونوں متعارض روایات کے درمیان تطبیق کی کوشش کی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن روایات میں مرض کے متعدی ہونے کی نفی ہے اس سے مراد جاہلیت کے اس عقیدے کی نفی ہے جس میں وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ مرض بذاتہ یقینی طور پر دوسرے کو متعدی ہوتا ہے، اور اس میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا تو حدیث نفی میں اس اعتقاد کو رد کیا کہ کسی مرض میں بذات خود متعدی ہونے کی صلاحیت نہیں ہے، بلکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو مرض متعدی ہوگا، اور اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو

متعدی نہیں ہو سکے گا۔

اور جن روایات میں بیماری متعدی ہونے یا مریض سے دور رہنے کا حکم ہے وہ بطور احتیاط اور ماتحت الاسباب کے درجے میں منع کرنا ہے۔

بعض محدثین نے ان دونوں احادیث متعارضہ کی تطبیق یوں بیان کی ہے کہ حدیث لا عدوی میں بالذات مرض متعدی ہونے کی نفی ہے، یعنی کوئی مرض بذاتہ متعدی نہیں ہوتا، جو کہ ایام جاہلیت کا عقیدہ تھا۔ اور دوسری حدیث "فرّ من المجذوم" یا دیگر روایات کا حکم اس لئے دیا، کہ بعض مرض سبب کے درجے میں متعدی ہوتے ہیں یعنی بسا اوقات تندرست آدمی کسی وبائی مرض سے متاثر شخص کے ساتھ اختلاط کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ بھی اس مرض کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ بسا اوقات بیمار کے ساتھ اختلاط کے باوجود تندرست آدمی کو اس کا مرض لاحق نہیں ہوتا۔

كما في شرح نخبة الفكر:

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر احتیاطا اور ظاہری طور پر بیماری کی جگہ سے یا بیماری میں مبتلا شخص سے بچنا چاہیے تو یہ جائز ہے، تاہم یہ عقیدہ نہ ہو کہ ایسی جگہ میں جانے سے یا رہنے سے یا ایسے شخص کے قرب سے بیماری کا لگنا یقینی ہے، بلکہ عقیدہ یہ ہو کہ تمام بیماریاں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں۔ جہاں اللہ کا حکم ہوتا ہے بیماری وہاں چلی جاتی ہے۔

(تحقيق الرغبه فى توضيح النخبه، عبد الكريم بن عبد الله بن عبد الرحمن الخضير). ط: دار المنهاج)

محور دوم: کرونا کے زمانے میں عبادات میں تخفیف

سوال: (۱) کیا کرونا کے زمانے میں مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنے یا انفرادی نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

جواب: (۱) واضح رہے کہ پنج وقتہ نمازوں کی جماعت کے لیے مسجد مخصوص کی گئی ہے، لہٰذا مردوں کے لیے مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا سنتِ مؤکدہ (حکماً واجب) ہے، اس لیے جو لوگ بظاہر صحت مند ہوں، اور ان میں کسی قسم کی بیماری کے اثرات ظاہر نہ ہوں، تو ایسے لوگوں کو بغیر کسی عذر کے گھروں میں جماعت قائم کرنا یا انفرادی نماز پڑھنا شرعاً جائز نہیں ہے، البتہ جہاں مساجد میں باجماعت نماز پڑھنے پر پابندی ہو، تو اس صورت میں گھروں میں جماعت قائم کرنے یا انفرادی نماز پڑھنے کی گنجائش ہوگی، اور گھروں میں نماز ادا کرنے پر گناہ گار نہیں ہوں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

من سمع المنادى فلم يمنعه من اتباعه، عذر قالوا: وما العذر، قال: خوف أو مرض، لم تقبل منه الصلاة التى صلى)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جو مؤذن کی آواز سنے اور بلا عذر مسجد کو نہ جائے (بلکہ گھر میں ہی نماز پڑھ لے) تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ صحابہ نے پوچھا: عذر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: خوف (یعنی دشمن کا) یا مرض۔

[سنن أبى داؤد، كتاب الصلوة، باب التشديد فى ترك الجماعة.]

سوال: (۲) کرونا کے زمانے میں ایک مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ پنج وقتہ نمازیں پڑھنے اور متعدد بار نماز جمعہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: (۲) اگر کسی ایسے محلے کی مسجد میں جہاں امام و مؤذن مقرر ہوں اور وہاں اہل محلّہ با قاعدہ اذان و اقامت کے ساتھ جماعت کرا چکے ہوں، تو اس صورت میں مسجد کی حدود کے اندر دوسری جماعت کرانا مکروہ تحریمی یعنی ناجائز ہے، لیکن جہاں سخت مجبوری ہو، اور عام حالات نہ ہوں جیسا کہ موجودہ حالات میں کرونا کی وجہ سے حکومت کی طرف سے مسجد میں زیادہ افراد جمع ہونے اور اجتماعات پر پابندی ہے۔ اور نمازیوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کو لازم قرار دیا ہے، جس کی وجہ سے مسجد بھر جاتی ہے، اور اکثر لوگ جماعت یا جمعہ سے محروم ہو جاتے ہیں تو اس صورت میں درج

ذیل شرائط کے ساتھ ہمارے بعض اہل افتاء مسجد میں ایک سے زائد بار نماز باجماعت کی ادائیگی کی اجازت دیتے ہیں۔ وہ شرائط درج ذیل ہیں:

پہلی جماعت ادا کرتے وقت مسجد اچھی طرح بھر جائے، اور مزید لوگوں کی گنجائش نہ رہے۔

دونوں جماعت ادا کرنے والے امام مختلف ہوں، اور مقتدی بھی الگ ہوں، یعنی پہلی جماعت کے لوگ نہ ہوں۔ اور بہتر یہ ہے جمعہ کی نماز میں خطبہ دینے والے بھی الگ الگ ہوں تاکہ نماز پڑھانے کی صورت میں خلاف اوّلی لازم نہ آئے۔ کیوں کہ اصل یہی ہے کہ جو امام ہو وہی خطبہ دے۔

دوسری جماعت پہلی ہیئت پر نہ کی جائے، یعنی دوسری نماز میں امام صاحب پہلی جماعت والی جگہ سے ذرا ہٹ کر کھڑے ہوں۔

مجمع الزوائد میں ہے:

عن أبي بكرة أن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – أقبل من نواحي المدينة يريد الصلاة فوجد الناس قد صلوا فمال إلى منزله فجمع أهله فصلى بهم . [مجمع الزوائد: باب فيمن تحصل بهم فضيلة الجماعة، رقم الحديث (٧٧١٢)،ط: مكتبة القدسي) ليس له قوم معلومون فكل من حضر يصلي فيه فإعادة الجماعة فيه مرة بعد مرة لا تؤدي إلى تقليل الجماعات]

لیکن ہمارے ہی دوسرے اہل افتاء بغیر اعذار والے لوگوں کے حق میں اس قسم کے احکامات اور اس کے التزامات کو شرعی احکام سے معارض قرار دیتے ہیں، اس لیے وہ جماعت ثانیہ کی اجازت نہیں دیتے، اس لیے جہاں مسلمان شوکت میں ہوں، وہاں یہی رائے راجح ہوگی۔

سوال: (۳) وباء کے زمانے میں گھروں میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی کیا شرطیں ہیں؟

جواب: (۳) جو افراد صحت مند ہیں اور یقینی طور پر کرونا وائرس کا شکار نہیں ہیں، ایسے افراد کے لیے جمعہ کی نماز مسجد میں پڑھنا ضروری ولازم ہے، موہوم اندیشے کے پیش نظر صحت مند افراد کے لیے گھروں میں جمعہ کی نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ ریاست کا ایک موہوم بیماری کے پیش نظر جمعہ پر پابندی لگانا جائز نہیں ہے، لوگوں کو چاہئے کہ جمعہ کے اجتماعات میں بھرپور شریک ہوں، تاکہ اللہ کی طرف اجتماعی رجوع کیا جائے، اور اپنے گناہوں کی معافی اور رب کی رحمت کو متوجہ کیا جائے۔

لیکن اگر کسی ملک کی حکومت یا مقامی انتظامیہ کی جانب سے باجماعت نمازوں پر پابندی لگادی جائے تو حکمت وتدبیر کے ساتھ پُرامن انداز میں انہیں اسلامی احکام سے آگاہ کریں اور ہر ممکن کوشش کریں کہ وہ اس پابندی کو ہٹادیں۔ اور جب تک پابندی رہے تب تک گھر پر بھی باجماعت نماز جمعہ کا اہتمام کرنا جائز ہے، اور جمعہ کی نماز میں چوں کہ مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے؛ لہٰذا شہر، فنائے شہر یا بڑی بستی میں اگر امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مرد مقتدی ہوں اور نماز پڑھنے والوں کی طرف سے دوسرے لوگوں کو نماز میں شرکت کی ممانعت نہ ہو تو جمعہ کی نماز قائم کی جائے؛ لہٰذا جمعہ کا وقت ہوجانے کے بعد پہلی اذان دی جائے اور سنتیں ادا کر کے دوسری اذان دی جائے اور امام خطبہ مسنونہ پڑھ کر دو رکعت نماز پڑھادے، چاہے گھر میں ہوں یا کسی اور جگہ جمع ہو کر پڑھ لیں۔ [المبسوط للسرخسي، باب الأذان، ط: دار المعرفة]

سوى الإمام) هذا عند أبي حنيفة، ورجح الشارحون دليله، واختاره المحبوبي والنسفي، كذا في تصحيح الشيخ قاسم (قوله: بنص (فاسعوا) [الجمعة] لأن طلب الحضور إلى الذكر متعلقا بلفظ الجمع وهو الواو يستلزم ذاكراً فلزم أن يكون مع الإمام جمع، وتمامه في شرح المنية. [رد المحتار على الدر المختار، باب الجمعة، ١/ ١٥١، ط: دار الفكر]

سوال (۴) ظہر پڑھنے کی صورت میں باجماعت پڑھیں یا تنہا؟

جواب (۴) جمعہ کی شرائط موجود ہونے کی صورت میں بغیر عذر کے جمعہ چھوڑ کر ظہر کی نماز پڑھنا گناہ ہے، اور اگر کسی نے ظہر پڑھ ہی لی تو

اس سے وقت کا فریضہ ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر جمعہ کی شرائط مکمل نہ ہوں تو شہر، فنائے شہر یا بڑی بستی میں ظہر کی نماز تنہا ادا کریں۔

المحیط البرھانی میں ہے:

قال محمد رحمه الله: ويكره أن يصلي الظهر يوم الجمعة في المصر بجماعة في سجن وغير سجن، هكذا روى عن علي رضي الله عنه، والمعنى فيه: أن المأمور به في حق من يسكن المصر في هذا الوقت شيآن، ترك الجماعة وشهود الجمعة، فأصحاب السجون قدروا على أحدها وهو ترك الجماعة، فيأتون بذلك ولو جوزنا للمعذور إقامة الظهر بالجماعة ربما يقتدى بهم غير المعذور، وفيه تقليل الناس في الجامع.

بخلاف القرى حيث يصلي أهلها الظهر بالجماعة؛ لأنه ليس على من يسكنها شهود الجمعة، فكان هذا اليوم في حقهم كسائر الأيام، والمسافرون.

(المحيط البرهاني للإمام برهان الدين، الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة ط: دار إحياء التراث العربي.)

سوال: (۵) کیا وبا کے زمانے میں عیدین کی نماز گھروں میں پڑھنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

جواب: (۵) دین میں چند امور ایسے ہیں جو اسلام کے شعائر میں سے ہیں، ان میں سے ایک عیدین کی نماز ادا کرنا بھی ہے، اگر کسی ملک یا علاقہ میں کرونا وائرس یا کسی وبائی مرض کی وجہ سے حکومت عیدگاہ یا مسجد میں عید کی نماز پڑھنے سے منع کرے اور عید کی نماز پڑھنے پر پابندی لگا دے تو اس صورت میں شہر، فنائے شہر یا بڑے گاؤں کے رہنے والے مسلمان ممکنہ حد تک کوشش کریں کہ وہ عید کی نماز عیدگاہ میں یا مسجد میں پڑھیں، تاکہ شعائر اسلام کا اظہار ہو سکے، لیکن اگر کسی علاقے میں عید کی نماز عیدگاہ یا مسجد میں پڑھنا ممکن نہ ہو تو کم از کم افراد گھر میں، یا گھر کی چھت پر، صحن یا بلڈنگ کی پارکنگ وغیرہ میں جمع ہو کر پڑھیں۔

بدائع الصنائع میں ہے:

ولأنها من شعائر الإسلام فلو كانت سنة فربما اجتمع الناس على تركها فيفوت ما هو من شعائر الإسلام؛ فكانت واجبة؛ صيانة لما هو من شعائر الإسلام عن الفوت.

[بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، فصل في صلاة العيدين، ط: دار الكتب العلمية]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بخاری کی شرح فتح الباری میں مذکورہ حدیث کے تحت لکھتے ہیں: عن أبي سعيد الخدري، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى فأول شيء يبدأ به الصلاة ثم ينصرف واستدل به على استحباب الخروج إلى الصحراء لصلاة العيد وأن ذلك أفضل من صلاتها في المسجد؛ لمواظبة النبي صلى الله عليه و سلم على ذلك مع فضل مسجده . [فتح الباري، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر ، ط: دار المعرفة]

سوال (٦) ماسک لگا کر نماز پڑھنے اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب (٦) کرونا وبا کے علاوہ عام حالات میں بغیر کسی عذر کے ماسک لگانا، یا کسی اور چیز سے ناک اور منھ ڈھانپ کر نماز پڑھنا یا صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے، اور خلاف سنت عمل ہے، لیکن اگر انتظامی جبر کی وجہ سے کرونا وباء کے زمانے میں احتیاطی تدابیر کے طور پر ماسک پہن کر یا صفوں میں فاصلہ رکھ کر نماز پڑھنے کی نوبت آ رہی ہو تو اس صورت میں فرض ادا ہو جائے گا، اور سنت کی خلاف ورزی پر مجبور کرنے

والے حکام اور منتظمین گناہ کار ہوں گے۔

فتاوی شامی میں ہے:

یکـره اشتـمـال الصماء والاعتجار والتلثم والتنخم وكل عمل قليل بلا عذ-----" (قـولـه: والتلثم) وهو تغطية الأنف والفم فى الصلاة؛ لأنه يشبه فعل المجوس حال عبادتهم النيران، زيلعى ونقل ط عن أبى السعود: أنها تحريمية .

البحر الرائق میں ہے:

ويـنبـغـى للقوم إذا قاموا إلى الصلاة أن يتراصوا ويسدوا الخلل ويسووا بين مناكبهم فى الصفوف، ولا بأس أن يأمرهم الإمـام بـذلك، ويـنبـغـى أن يـكـملوا ما يلى الإمام من الصفوف، ثم ما يلى ما يليه، وهلم جرا، وإذا استوى جانبا الإمام فإنه يقوم الجائى عن يمينه، وإن ترجح اليمين. [البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ١ / ٧٣، دارالكتاب العربى]

حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

و من سنن الصف التراص فيه والمقاربة بين الصف والصف .

[حاشيه الطحطاوى على مراقى الفلاح كتاب الصلاة باب الإمامة، ص ط: دار الكتب العلمية]

سوال (۷) کرونا سے متاثر افراد کا مسجد آنا اور جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے؟

جواب (۷) فقہاء کرام نے یہ بات لکھی ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا ہو جس سے لوگوں کو اس کے مرض یا اس کی حالت کی وجہ سے طبعی طور پر کراہت ونفرت ہوتی ہو جیسے جذامی، یا وہ شخص جس نے نماز سے پہلے بدبودار چیز کھالی ہو تو ایسے شخص کو مسجد میں آنے سے روکا جا سکتا ہے، تاکہ لوگوں کے لیے اذیت اور پریشانی کا باعث نہ بنے۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں معلوم ہوا کہ اگر کسی علاقے یا ملک میں کرونا وائرس کی وبا عام ہوں، اور وہاں وبا کے مریضوں کی تعداد زیادہ ہو، تو ایسے علاقے میں کرونا سے متاثر مریض کو مسجد میں نماز نہ پڑھنے کے سلسلے میں معذور سمجھا جا سکتا ہے۔ ایسے مریضوں کو چاہئے کو وہ مسجد تشریف نہ لائیں بلکہ گھر میں ہی نماز ادا کرنے کا اہتمام فرمائیں، مسجد کا ثواب ہی ملے گا، ایسے لوگوں کو مسجد انتظامیہ اگر مسجد میں آنے سے روکتی ہے تو مسجد کی انتظامیہ کو شرعا اس کی گنجائش لیکن جہاں کرونا وائرس کی وبا عام نہ ہو تو اس صورت میں ایسے لوگوں کو جن میں یقینی طور پر بیماری نہ پائی جاتی ہو، مسجد میں آنے اور جماعت سے نماز پڑھنے سے روکنا درست نہیں ہے، بلکہ توہم پرستی ہے جو کہ ممنوع ہے۔

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ہے: وكـذلك ألـحق بذلك بعضهم من بفيه بخر، أو به جرح له رائحة، وكذلك القصاب والسـمـاك والـمـجذوم والأبرص أولى بالإلحاق، وصرح بالمجذوم ابن بطال، ونقل عن سحنون: لا أرى الجمعة عليه، واحتج بالحديث .وألـحـق بـالحديث كل من آذى الناس بلسانه فى المسجد، وبه أفتى ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما، وهو أصل فى نفى كل ما يتأذى به.

اسی طرح کفایت المفتی میں بھی ہے۔ (ج ۳ ص ۱۳۸، دارالاشاعت)

سوال (۸) کرونا سے متاثر افراد کے لیے روزے کا کیا حکم ہے؟

جواب (۸) شریعت نے چند اعذار کی بنیاد پر روزہ نہ رکھنے کی گنجائش دی ہے ان میں سے ایک عذر مرض بھی ہے۔

مرض: اگر کسی شخص کو کوئی ایسا مرض لاحق ہو جائے جس کی وجہ سے اس میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو، اور روزہ رکھنے کی صورت میں اس کا مرض بڑھنے کا غالب گمان ہو، تو ایسے مریض کے لیے دیندار ڈاکٹر کی اجازت سے روزہ نہ رکھنے کی گنجائش ہے۔

مذکورہ تفصیل کے بعد حکم یہ ہے کہ جن لوگوں کا کرونا ٹیسٹ مثبت ہے اور وہ بیماری کی ایسی حالت میں ہوں کہ دوا اور خوراک کے بغیر مرض کے بڑھنے یا جان کے تلف ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو انہیں طبیب کی رائے کی بنیاد پر روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوگی۔ اور جو لوگ ابھی اس میں مبتلا نہیں ہوئے یا بیماری کا غیر مہلک اثر ہے تو ان کے لیے روزہ چھوڑنا جائز نہیں، بلکہ احتیاطی تدابیر اپنائیں اور سحری، افطاری میں صحت افزا اور متوازن غذائیں استعمال کریں، جس سے ان کے جسم کا نظام مضبوط اور طاقت ور رہے، اور قوت مدافعت میں کمی نہ آئے۔

سوال (۹) کیا کرونا کی وجہ سے عام مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روکا جا سکتا ہے؟

جواب (۹) قرآن مجید کی آیات اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ مساجد رحمت، برکت، امن، اور ثواب کمانے کی جگہیں ہیں، بالخصوص حرمین شریفین کی عظمت وفضیلت تو روئے زمین کی تمام مساجد سے زیادہ ہیں، لہٰذا محض بیماری لگنے کے وہم کی وجہ سے صحت مند اور تندرست مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روکنا اور حرمین شریفین جانے پر پابندی لگانا جائز نہیں ہے، البتہ جو لوگ واقعی بیمار ہیں تو ایسے لوگوں کو با اخلاق اور باوقار طریقے سے سمجھا کر روکا جا سکتا ہے، لیکن عمومی طور پر حرمین میں نمازوں کی ادائیگی پر پابندی لگانا، یا حج وعمرہ کی ادائیگی پر پابندی لگانا اور لوگوں کو ان کی ادائیگی سے روکنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ. (سورة البقرة)

(اور جب ہم نے ٹھہرایا یہ گھر بیت اللہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کی اور لوگوں کے پناہ گاہ اور کر رکھو مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ۔ اور کہہ دیا ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو کہ پاک رکھو گھر میرا واسطے طواف کرنے والوں کے اور اعتکاف کرنے والوں کے اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے۔) (موضح القرآن، شاہ عبدالقادر دھلوی، ص۴۲ ط: ایچ ایم سعید)

محور سوم: کرونا کے زمانے میں مساجد سے متعلق مسائل

سوال: (۱) کرونا کے زمانہ میں مساجد کو بند کرنا کیسا ہے؟

جواب (۱) واضح رہے کہ صحابہ کے دور اور اس کے بعد کے ادوار میں بھی وبائیں پھیلی ہیں، ان ادوار میں معذور اور بیماری کے شکار افراد کو عام اختلاط، عوامی اجتماع، اور مساجد وغیرہ سے دور رکھنے اور اپنے گھروں میں فرائض ادا کرنے کے مشورے تو ملتے ہیں، لیکن سلف صالحین میں سے کسی سے بھی وبا میں مساجد کو بند کرنے اور صحت مند اور تندرست لوگوں کو نماز سے روکنے کی صراحت نہیں ملتی۔ لہٰذا موجودہ کرونا وبا میں کسی صورت بھی مساجد کو بند کرنا اور نمازیوں کو نماز ادا کرنے سے روکنا جائز نہیں ہے، اور روکنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے ظالم کہا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِي خَرَابِهَا أُولَئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ، لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عظيم. (البقرة: ١١٤)

امام قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وعلى الجملة فتعطيل المساجد عن الصلاة وإظهار شعائر الإسلام فيها خراب لها. مجموعی طور پر مساجد میں نمازوں اور شعائر

اسلامیہ کو معطل کر دینا ہی، ان کو ویران کرنا ہے"۔

اس آیت کے ذیل میں مفتی شفیع رحمہ اللہ تفسیر "معارف القرآن" میں لکھتے ہیں:

تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مسجد کی ویرانی کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب حرام ہیں، اس میں جس طرح کھلے طور پر مسجد کو منہدم اور ویران کرنا داخل ہے، اسی طرح ایسے اسباب اختیار کرنا بھی داخل ہے، جس کی وجہ سے مسجد ویران ہو جائے، اور مسجد کی ویرانی یہ ہے کہ وہاں لوگ نماز کے لیے نہ آئیں، یا کم ہو جائیں، کیوں کہ مسجد کی آبادی دراصل در و دیوار یا اس کے نقش و نگار سے نہیں ہے، بلکہ ان میں اللہ کا ذکر کرنے والوں سے ہے، اس لیے قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے: ''إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر وأقام الصلوة وآتى الزكوة ولم يخش إلا الله۔'' (سورہ توبہ:١٨) یعنی اصل مساجد کی آبادی ان لوگوں سے ہے، جو اللہ پر ایمان لائیں اور روز قیامت پر اور نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں، اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں، اس لیے حدیث شریف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرب قیامت میں مسلمانوں کی مساجد بظاہر آباد اور مزین ہوں گی، مگر حقیقۃً ویران ہوں گی کہ ان میں حاضر ہونے والے نمازی کم ہو جائیں گے (یا اس کے اسباب پیدا کئے جائیں گے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، شرافت انسانی کے چھ کام ہیں ان میں سے تین چیزیں یہ ہیں: قرآن کی تلاوت کرنا، مسجدوں کو آباد کرنا، اور ایسے دوستوں کی جمعیت بنانا جو اللہ کے دین کے کاموں میں مدد کریں۔

[تفسير معارف القرآن للمفتی محمد شفیع،سورۃ البقرۃ الآیۃ، مکتبہ معارف القرآن کراچی۔

مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مساجد کی بے حرمتی کرنا اور ان کو منہدم کرنا یہ مساجد کی ظاہری تخریب کاری ہے، اور عبادت، اور ذکر اللہ اور نمازوں کی بندش کرنا معنوی تخریب اور باطنی ویرانی ہے۔

مذکورہ بالا تفاسیر سے چند باتیں مستفاد ہوتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

مساجد کو بند کرنا دنیا و آخرت کی رسوائی کا سبب ہے۔

لوگوں کو مساجد میں نماز، ذکر و اذکار سے روکنا مساجد کو ویران کرنے اور منہدم کرنے کے مترادف ہے۔

مساجد کی آبادی و تعمیر ایمان کا تقاضا ہے۔

. مساجد میں زیادہ سے زیادہ نمازیوں کا آنا، اس میں اللہ کا ذکر کرنا، یہ مسلمان سے مطلوب ہے۔

. تمام مساجد امن اور برکت کی جگہیں ہیں۔

لہٰذا با برکت اور امن والی جگہوں کو محض بیماری کے وہم کی وجہ سے بند کرنا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی لوگوں کو مساجد میں نماز پڑھنے سے روکنا درست ہے، البتہ جو لوگ اس وباء میں یا کسی دوسری مہلک بیماری میں مبتلاء ہیں، اگر دوسرے لوگوں کو ان کے مساجد میں آنے سے تکلیف ہوتی ہے، تو پھر وہ مساجد میں نہ آئیں، اپنے گھروں میں عبادت بجالائیں، اس وجہ سے وہ گناہ گار نہیں ہوں گے۔

سوال نمبر (۲) کیا جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان دی جائے گی؟

جواب نمبر (۲) اذان دینا شعائر اسلام میں سے ہے، اور حکم کے اعتبار سے سنت مؤکدہ ہے جو کہ واجب کے قریب ہے، لہٰذا جماعت سے نماز ادا کرنے کے لیے اذان اور اقامت کہنا ضروری ہے، باقی صحت مند اور تندرست لوگوں کا جماعت سے نماز پڑھنے کو موقوف کرنا جائز نہیں ہے۔

اس کی تفصیل سابقہ سوال کے جواب میں تفصیل سے بیان کر دی گئی ہے۔

البنایۃ میں ہے: السنة وفی " البدائع " وعـامة مشـايـخنا قالوا: الأذان والإقامة سنتان مؤكدتان، لما روى أبو يوسف عن أبی حنيفة أنه قال فی قوم صلوا فی المصر جماعة بغير أذان وإقامة: أنهم أخطئوا سماه سنة، والقولان متقاربان، لأن السنة المؤكدة بمنزلة الواجب فی الإثم. وإنما يقاتل على تركه لأنه من شعائر الإسلام وخصائص الدين .قال قاضی خان: من سنن الصلاة بالجماعة، وأنهما من الشعائر حتى لو اجتمع أهل مصر أو قرية أو محلة على تركهما و أخبرهم الإمام فإن لم يفعلوا قاتلهم ولم يحك خلافا. [البناية شرح الهداية، باب الأذان، باب حكم الأذان، ۲ / ۷۷، ط: ار الكتب العلمية]

سوال نمبر (۳) جماعت میں کتنے افراد شریک ہوں؟ اس کے بارے میں گورنمنٹ کی ہدایات کی شرعی حیثیت کیا ہوگی۔

جواب (۳) اس سوال کے جواب سے قبل بطورِ تمہید تین باتیں پیش نظر رکھیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ جماعت کا اہتمام کرنا شعائر اسلام میں سے ہے، اللہ تعالیٰ نے مساجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم دیا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کو باجماعت نماز ادا کرنے کی تاکید کی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مسلمانوں پر بیماریاں تنبیہ اور تادیب کے لیے آتی ہیں اور یہ تادیب وتنبیہ ان کے لیے رحمت کا باعث ہوتی ہے، کیوں کہ اس کے سبب مسلمانوں کا رجوع اپنے رب کی طرف زیادہ ہوجاتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ مسجد کی جماعت میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کا اجتماع شرعاً مطلوب ہے، نماز کے اوقات میں مسجد کی انتظامیہ اور امام وغیرہ کو ایسی ہدایات اور تعلیمات کے التزامات کا حکم دیا گیا جو زیادہ سے زیادہ نمازیوں کی حاضری کا ذریعہ بنیں۔

لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ دورانِ وبا بھی شعائرِ اسلام میں کوتاہی نہ کریں، کیوں کہ شعائرِ اسلام میں کوتاہی کرنا رب کے غضب کو مزید دعوت دینا ہے، لہٰذا رجوع الی اللہ کا اہتمام کریں اور زیادہ سے زیادہ مساجد کو آباد کریں، زیادہ سے زیادہ لوگ باجماعت نماز میں شریک ہوں، یہ عمل بیماری کو دفع کرنے کا سبب اور رب کی خوشنودی کا ذریعہ ہے، لہٰذا دورانِ وبا مساجد میں محدود افراد کو داخلہ کی اجازت دینا اور باقی لوگوں کو منع کرنا درست نہیں ہے، اور افراد کو محدود کرنے کے حوالے سے گورنمنٹ کی ہدایات میں شرعی احکامات کی رعایت نہیں پائی جارہی، لہٰذا اگر حکومت صحت مند افراد کو بھی مسجد میں آنے سے روکتی ہے، تو ان کا روکنا درست نہیں ہے، تاہم مریض احباب مسجد نہ آئیں، اور اگر وہ مسجد میں آنے کی کوشش کریں تو اس صورت میں ان کو باوقار اور بااخلاق طریقے سے روکا جاسکتا ہے، لیکن صحت مند افراد کو کسی صورت مسجد میں آنے سے نہیں روکا جاسکتا۔ لہٰذا دورانِ وباء بھی تمام لوگوں کو مسجد میں باجماعت نمازوں کا اہتمام کرنا ہوگا، اور اگر مسجد میں باجماعت نماز پورے محلے والوں نے ترک کردی تو پورا محلّہ گناہ گار ہوگا؛ کیوں کہ مسجد کو اس کے اعمال سے آباد رکھنا فرض کفایہ ہے۔

الاختیار لتعلیل المختار میں ہے: (الجماعة سنة مؤكدة) قال عليه الصلاة والسلام: »الجماعة من سنن الهدى«، وقال عليه الصلاة والسلام:

"لقد هممت أن آمر رجلًا يصلی بالناس ثم أنطلق إلى قوم يتخلفون عن الجماعة فأحرق عليهم بيوتهم، وهذا أمارة التأكيد، وقد واظب عليها صلى الله عليه وسلم فلا يسع تركها إلا لعذر، ولو تركها أهل مصر يؤمرون بها، فإن قبلوا وإلا يقاتلون عليها لأنها من شعائر الإسلام." [الاختيار لتعليل المختار للامام مجد الدين أبو الفضل الحنفی، باب صلاة الجماعة، ط: مطبعة الحلبی]

سوال (۴) مساجد کے کسی حصہ یا اس کے ملحقہ جگہ کو کووڈ سینٹر بنانا کیسا ہے؟

جواب (۴) مساجد بنانے کا مقصد یہ ہے کہ اس میں اللہ کی عبادت، نماز، تلاوت، ذکر واذکار کیا جائے، اس میں دنیاوی باتیں کرنا، کاروبار کرنا، سونا اور بیماروں کے لیے رہائش گاہ بنانا جائز نہیں ہے۔ اس کی چند وجوہات ہیں: مسجد کو کووڈ سینٹر بنانے کی صورت میں مسجد کے مقاصد فوت ہونے کا قوی اندیشہ ہے، مسجد کا احترام ختم ہونے کا اندیشہ ہے، مسجد کا نجاست سے ملوث ہونا بھی یقینی ہے۔ مسجد کو کووڈ سینٹر بنا کر لوگوں کو مسجد کے ایک حصے میں عبادت سے روکنے کا سبب ہے۔

لہٰذا مساجد کے علاوہ کسی اور مقام جیسے سرکاری اسکول وکالج، یا شادی ہال یا اس کے علاوہ کسی اور کھلے مقام کو ’’کووڈ سینٹر‘‘ بنایا جائے تا کہ مسجد کا احترام محفوظ رہے۔

البحر الرائق میں ہے: فقد قال اللہ تعالى: "وأن المساجد الله" [الجن: ۱۸] وما تلوناه من الآية السابقة فلايجوز لأحد مطلقا أن يمنع مؤمنا من عبادة يأتي بها في المسجد؛ لأنّ المسجد ما بنى إلا لها من صلاة واعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه وقراءة، قرآن ولا يتعين مكان مخصوص لأحد."

[البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة ومايكره، دار الكتاب الإسلامي]

محور چہارم: کرونا سے متاثر مریض کی تیمارداری

سوال: (۱) کرونا سے متاثر مریض کو الگ تھلگ کردینا اور اس کی تیمارداری نہ کرنا کیسا ہے؟

جواب (۱) کرونا سے متاثر مریض یا اسی طرح کسی مہلک امراض میں مبتلاء افراد کو الگ تھلگ رکھنے اور ان کی تیمارداری کرنے کے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کرونا سے متاثر مریض یا دوسرے مہلک امراض میں مبتلاء مریض اگر تعداد میں زیادہ ہو جائیں، اور ان سے دوسرے لوگوں کو بیماری لگنے کا اندیشہ ہو، تو اس صورت میں ان کے لیے الگ مقام مختص کرنا اور ان کو الگ رکھنا، متعدی امراض سے متعلق شرعی احکام وآداب کی رو سے گنجائش کے دائرے میں آتا ہے، تاہم ان کی تمام طبی سہولیات، دواؤں کی فراہمی، ان کی عزت نفس اور حقوق کی رعایت رکھی جائے، تا کہ ان کی دل آزاری نہ ہو، انہیں نفرت کی نگاہوں سے دیکھنا، ان کی عزت نفس کا خیال نہ رکھنا، ان کو اچھوت سمجھنا اور ہاتھ لگانے کے لیے بھی تیار نہ ہونا، اور خود کو بیماری لگنے کے وہم کی وجہ سے مریض کو بے یار و مددگار چھوڑ دینا اور ان کی تیمارداری یا عیادت نہ کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ ایسے مریض کو اگر علاج اور ان کی تیمارداری کی ضرورت ہو تو قریبی لوگوں کے ذمہ ان کا خیال رکھنا لازم ہے، اور ایسے مریض کی تیمارداری اور خدمت میں لگنا زیادہ باعث اجر وثواب ہے، البتہ احتیاطی تدابیر جیسے ماسک پہننا، یا فاصلہ سے بیٹھنا شرعا جائز ہے۔

لیکن اگر ایسے مریضوں کی تعداد زیادہ نہ ہو اور ان سے بیماری لگنے کا خدشہ بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں ان کو الگ تھلگ مقام میں رکھنا اور ان سے ملاقات نہ کرنا، اور ان کی تیمارداری نہ کرنا جائز نہیں ہے، صحابہ نے بھی باوجود مدینہ میں وبائی مرض کے پھیلنے کے کسی کو بھی الگ مقام میں نہیں رکھا، اور نہ ہی اپنے مسلمان بھائیوں کی عیادت ترک کی، جیسا کہ صحیح بخاری کی درج ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو مدینہ منورہ کی آب وہوا میں وبائی مرض تھا، جس کی وجہ سے بہت سے مہاجر صحابہ بیمار ہو گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی اس وبائی مرض میں مبتلا ہو گئے تھے تو میں ان کی عیادت کرنے گئی اور میں نے ان

سے پوچھا کہ ابا جان! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ اور اے بلال! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ بہر حال دیگر صحابہ کرام بھی ان مریضوں کی تیمارداری اور خیال داری اپنے ہی گھروں میں کرتے رہے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے یہ وبا مدینہ منورہ سے منتقل کر کے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مدینہ منورہ کی آب وہوا کو پاک کر دیا۔

سوال (۲) کرونا سے متاثر مریض کا خرچ اگر خاندان کے افراد برداشت نہ کر سکیں تو حکومت یا سماج کی کیا ذمہ داری ہوگی؟

جواب (۲) ریاست کی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اپنی رعایا کی تمام ضرورتوں کا خیال رکھیں، اسی طرح معاشرہ میں جو صاحب ثروت لوگ ہیں، اسلام نے ان کو بھی ترغیب دی ہے کہ وہ کمزور طبقہ کی رعایت کریں، جس کی عملی تصویر مواخات مدینہ کی صورت میں ملتی ہے، معاشرہ میں جو افراد کسب معاش سے محروم، معذور، بیمار ہیں ان افراد کی کفالت کرنا حکومت وقت اور صاحب ثروت لوگوں کی ذمہ داری ہے، لہٰذا اگر کرونا سے متاثر افراد کے خاندان والے مریض کا خرچ برداشت نہ کر سکیں تو حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے علاج ومعالجہ کا انتظام سرکاری اموال سے کرے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خبردار تم میں سے ہر شخص اپنی رعیت کا نگہبان ہے اور (قیامت کے دن) تم سے ہر شخص کو اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہونا پڑے گا، لہٰذا امام یعنی سربراہ مملکت وحکومت جو لوگوں کا نگہبان ہے اس کو اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہی کرنا ہوگی، مرد جو اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اس کو اپنے گھر والوں کے بارے میں جواب دہی کرنا ہو گی، عورت جو اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی نگہبان ہے، اس کو ان کے حقوق کے بارے میں جواب دہی کرنی ہوگی، اور غلام جو اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اس کو اس کے مال کے بارے میں جواب دہی دینی ہوگی، لہٰذا آگاہ رہو! تم میں سے ہر ایک شخص نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک شخص اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہوگا۔

صحیح مسلم میں ہے: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ما من أمير يلي أمر المسلمين، ثم لا يجهد لهم وينصح، إلا لم يدخل معهم الجنة." [صحيح مسلم، كتاب الأمارة، باب فضيلة الإمام العادل، ط: دار إحياء التراث العربي]

محور پنجم: کرونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

سوال: (۱) کرونا سے انتقال کرنے والوں کو غسل کس طرح دیا جائے؟ اگر غسل دینے کی اجازت نہ ہو یا غسل ممکن نہ ہو، تو کیا کیا جائے؟ کیا بلا غسل دفن کرنا جائز ہوگا؟

جواب (۱) کرونا سے انتقال کرنے والے مسلمان کو عام مسلمان مردوں کی طرح پانی سے غسل دینا لازم ہے اور جب تک غسل دینا ممکن ہو تو تیمّم جائز نہیں ہوگا، اس لیے ایسے مریضوں کو مسنون غسل دینے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا بھی مسلمانوں بالخصوص ورثاء کے فرائض میں شامل ہے، بصورت دیگر سب گناہ گار ہوں گے، اگر غسل دینے کے لیے میت ورثاء کے حوالے نہ کی جائے تو ایسی صورت میں تیمّم کر دینے کی گنجائش ہو سکتی ہے، اگر غسل اور تیمّم میں سے کسی کی اجازت نہ مل رہی ہو اور اس کے بغیر ہی دفن کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہو، تو پھر اہل جبر گناہ گار اور مسلمان اور میت کے ورثاء بری الذمہ ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: وغسله فرض كفاية بالإجماع كالصلاة عليه وتجهيزه ودفنه حتى لو اجتمع أهل

بلدة على ترك ذلك قوتلوا، بحر و نهر . [حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب أحكام الجنائز، دار الكتب العلمية]

فتاوی شامی میں ہے:(والصلاة عليه) صفتها (فرض كفاية بالإجماع فيكفر منكرها؛ لأنه أنكر الإجماع، قنية (كدفنه) وغسله وتجهيزه فإنها فرض كفاية). [رد المحتار على الدر المختار، باب صلاة الجنازة، دار الفكر.]

سوال:(۲) اگر کرونا کے میت کو اسپتال کی طرف سے مخصوص کور(cover) میں لپیٹ کر دیا جائے، اور اسے کھولنے اور ہٹانے کی اجازت نہ ہو تو کیا وہ کور کفن کے حکم میں ہوگا، یا اس کے اوپر کفن لپیٹ کر دفن کیا جائے گا؟

جواب(۲) کفن کا بنیادی مقصد ہے کہ انسانی نعش کو باپردہ انداز میں عزت وتکریم کے ساتھ دفنایا جائے، اور اس کے لیے سنت سفید کپڑا ہے، اگر سفید کپڑا میسر نہ ہو تو کوئی بھی پاک وصاف کپڑا کفن بن سکتا ہے، یہاں تک کہ اگر کپڑا وغیرہ دستیاب نہ ہو یا کفن کے لیے دستیاب کپڑا نا کافی ہو تو گھاس وغیرہ کے ذریعے انسانی نعش کو چھپا کر دفنانا شرعا ضروری ہے، لیکن یہ ساری تفصیل واقعی اعذار کی صورت میں بیان کی جاتی ہے، کرونا کا مریض جب فوت ہو جائے تو مرنے کے بعد سارے جراثیم بھی تقریبا مر جاتے ہیں، اسے کفن مسنون سے محروم کرنا شرعا جائز نہیں ہے، ایسے تمام لوگ جو کفن مسنون میں رکاوٹ بنے ہیں گناہ گار رہوں گے، البتہ سرکاری انتظامی جبر کی وجہ سے ایسے موقع پر مخصوص کور کو مسنون کفن کے قائم مقام قرار دیا جا سکتا ہے۔

[الفتاوى الهندية، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل الثانى فى غسل الميت، ،ط: دار الفكر]

البحر الرائق میں ہے:ولم يبين لون الأكفان لجواز كل لون لكن أحبها البياض، ولم يبين جنسها لجواز الكل لا ما لا يجوز لبسه حال الحياة كالحرير للرجال. [البحر الرائق،كتاب الجنائز، تكفين الميت،۲/ ۱۸۹،ط: دار الكتاب الإسلامى]

سوال:(۳) اگر کرونا میت کی بغیر نماز جنازہ تدفین کے بعد گھر والوں کو اس کی اطلاع دی جائی تو ایسی صورت میں بعد تدفین قبر کے پاس نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب(۳) اگر کرونا میت کی نماز جنازہ پڑھے بغیر تدفین کر دی گئی اور تدفین کے بعد اس کے گھر والوں کو اطلاع دی گئی تو اب قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم یہ ہے کہ جب تک میت کے نہ پھٹنے کا یقین یا غالب گمان ہو تو اس وقت تک قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے، لیکن اگر پھٹنے کا یقین یا ظن غالب ہو تو اس صورت میں جنازہ پڑھنے کا حکم ساقط ہو جائے گا۔

[دیکھیں:بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، فصل فى الجنازة، فصل فى كيفية التكفين، ۱ / ۳۰۷،ط: دار الكتب العلمية]

[الفتاوى الهندية، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز الفصل الثالث فى التكفين ط: دار الفكر]

فتاوی شامی میں ہے:

(وإن دفن) وأهيل عليه التراب (بغير صلاة أو بها بلا غسل أو ممن لا ولاية له (صلى على قبره) استحسانا (ما لم يغلب على الظن (تفسخه) من غير تقدير هو الأصح .وظاهره أنه لو شك فى تفسخه صلى عليه، لكن فى النهر عن محمد لا، كأنه تقديما للمانع. أقول: وفى الحلية، نص الأصحاب على أنه لا يصلى عليه مع الشك فى ذلك ذكره فى المفيد والمزيد وجوامع الفقه وعامة الكتب، وعلله فى المحيط بوقوع الشك فى الجوا(كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة)

سوال:(۴) اگر میت کی تدفین کی اطلاع ملے اور قبر کی جگہ معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

جواب(۴) احناف کے نزدیک نماز جنازہ صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ میت سامنے موجود ہو، اگر میت موجود نہ ہو تو نماز صحیح نہ ہوگی،

لہٰذا غائبانہ نماز جنازہ شرعاً درست نہیں ہے۔

فتاوی شامی میں ہے:

فـلا تـصـح عـلـى غـائـب وصلاة النبی صلى الله عليه وسلم على النجاشی لغوية أو خصوصية . (رد الـمحتار على الدر المختار باب صلاة الجنازة) فتح القدیر میں ہے:

ثـم استـدل عـلى عدم شرعية التنفل بترك الناس عن آخرهم الصلاة على قبر النبی – صـلى الله عليه وسلم –، ولو كان مشروعا لما أعرض الخلق كلهم من العلماء والصالحين والراغبين فی التقرب إليه – عليه الصلاة والسلام – بأنواع الطرق عنه، فهذا دليل ظاهر عليه فوجب اعتباره."

(فتح القدير لابن الهمام، باب الجنائز، فصل فی الصلاة على الميت، (۲/ ۱۲۰) ط: دار الفكر.)

سوال (۵) کیا کرونا سے انتقال کرنے والے مسلمان شہید کہلائیں گے؟

جواب (۵) شہادت کی دو قسمیں ہیں: ایک شہادت حقیقی اور دوسری شہادت حکمی۔

شہید حقیقی اس کو کہتے ہیں کہ کوئی مسلمان اللہ کے راستہ میں اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے شہید ہو جائے یا ظلماً اس طور پر قتل کر دیا جائے کہ اس کے قتل کے بدلے اصلاً قصاص واجب ہو، ایسے شہید کا حکم یہ ہے کہ اس کو نہ تو غسل دیا جاتا ہے اور نہ ہی کفن، بلکہ ان ہی کپڑوں میں اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اس کو دفن کر دیا جاتا ہے جو اس نے پہنے ہوئے ہوں۔

شہید کی دوسری قسم شہید حکمی و شہید اخروی ہے یعنی: ثواب اور اُخروی اعتبار سے وہ شہید کہلائے گا، یہ وہ شخص وہ جو کسی تکلیف دہ بیماری وغیرہ کی حالت میں مر جائے، جیسے طاعون کی بیماری میں، یا جل کر، یا پیٹ کی بیماری سے انتقال ہو جائے، یا عورت دردِ زہ کی وجہ سے انتقال کر جائے، تو یہ سب حکمی شہید ہیں۔

کرونا مرض بھی اسی قسم کی بیماریوں میں سے بعض کے حکم میں آتا ہے: مثلاً کرونا طاعون کی وبا کی طرح ایک وبا ہے، اسی طرح کرونا وبا کے مریض کا جگر اور گردے متاثر ہو جاتے ہیں، اس وجہ سے کرونا سے انتقال کرنے والے کو شہید حکمی کے درجے میں شمار کیا جائے گا۔

شہید حکمی کا شرعی حکم یہ ہے کہ اس کے ساتھ دنیا میں شہیدوں والا معاملہ نہیں کیا جائے گا، یعنی اسے غسل اور کفن دیا جائے گا، البتہ ثواب اور اُخروی اعتبار سے اس کو شہادت کا رتبہ ملے گا۔

سنن ابوداؤد میں ہے:

قـال رسـول الـلـه صلى الله عليه وسلم: "الشهـادة سبع سـوى الـقتـل فی سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد والمبطون،شهيد وصاحب الحريق شهيد، والذی يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيد. (سنن أبی داؤد، فی باب ما جاء فی فضل من مات فی الطاعون، ط .دار الرسالة العالمية.)

المعجم الکبیر للطبرانی میں ہے:

عن سلمان قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم بالزكاة ثلاث مرار، فقال: »ما تعدون الشهيد فيكم؟ قالوا: الذی يـقتل فی سبيل الله، قال: »إن شهـداء أمتـی إذن لـقليل، القتل فی سبيل الله شهادة، والطاعون شهادة، والنفساء شهادة، والحرق

شهادة، والغرق شهادة، والسلّ شهادة، والبطن شهادة.

[المعجم الكبير للطبرانی، ط .مکتبة ابن تیمیة – القاهرة، الطبعة: الثانیة]

محورِششم: کرونا ویکسین کے متعلق مسائل

سوال: (۱) الکوحل آمیز سنیٹا ئزر کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب: (۱) الکحل کی دو قسمیں ہیں:

(الف) ایک وہ جو منقی، انگور، یا کھجور کی شراب سے حاصل کی گئی ہو، یہ بالاتفاق ناپاک وحرام ہے، اور اس کا استعمال ناجائز ہے۔ لہٰذا ان سے بنی ہوئی الکحل شراب کے حکم میں ہوتی ہے، جو خود بھی نجس ہوتی ہے، اور دوسری مائع چیزوں کو بھی نجس کر دیتی ہیں۔ اگر مذکورہ اشیاء سے بنی الکحل ہاتھ یا کپڑوں پر لگ جائے تو کپڑے اور ہاتھ ناپاک ہو جائیں گے۔

(ب) دوسری وہ جو مذکورہ بالا اشیاء کے علاوہ کسی اور چیز مثلاً جو، آلو، شہد، گنا، سبزی، اناج، یا کیمیکل وغیرہ سے حاصل کی گئی ہو، اس کا استعمال اور اس کی خرید وفروخت نشہ آور نہ ہونے کی صورت میں جائز ہے اور نشہ آور ہونے کی صورت میں حرام ہے۔

لہٰذا سنیٹا ئزر میں اگر پہلی قسم کی الکحل استعمال ہوئی ہو تو پھر اس صورت میں اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر سنیٹا ئزر میں دوسری قسم کی الکحل استعمال ہوئی ہو تو اس صورت میں اس کے استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

سوال: (۲) کرونا ویکسین لگوانے کا کیا حکم ہے؟ واجب یا مباح؟

جواب: (۲) کرونا ویکسین لگانے کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کوئی ماہر دین دار ڈاکٹر اس بات کی تصدیق کر دے کہ یہ مضر صحت نہیں اور تجربے سے اس کا مفید ہونا ثابت ہو جائے، نیز اس میں کوئی حرام یا ناپاک چیز ملی ہوئی ہونے کا یقین یا ظن غالب نہ ہو تو اس کا لگانا جائز ومباح ہے، اور اگر حرام اجزاء یا ناپاک چیز ملی ہوئی ہونے کا یقین یا ظن غالب ہو اور اس یقین اور ظن غالب کی بنیاد مستند، متدین، اہل تحقیق کے زیرنگرانی چلنے والی لیبارٹریز سے ہو جائے تو اس صورت میں پیشگی علاج کے طور پر اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔

فتاوی شامی میں ہے:

الأصل فی الأشیاء الإباحة وأن فرض إضراره للبعض لا یلزم منه تحریمه علی کل أحد، فإن العسل یضر بأصحاب الصفراء الغالبة وربما أمرضهم مع أنه شفاء بالنص القطعی، ولیس الاحتیاط فی الافتراء علی الله تعالیٰ بإثبات الحرمة أو الكراهة اللذین لا بد لهما من دلیل بل فی القول بالإباحة التی هی الأصل.

(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الاشربة، ط: سعید)

محورِہفتم: کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے سے متعلق اسلامی ہدایات

سوال: (۱) وبا کے دفعیہ کے لیے اذان دی جاسکتی ہے؟

جواب: (۱) احناف کے نزدیک قدرتی آفات ومصائب کے وقت یا کسی وباء سے نجات حاصل کرنے کے لیے اذان دینا نہ تو قرآن و حدیث سے ثابت ہے، اور نہ ہی صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال وافعال سے ثابت ہے۔ اس لیے موجودہ وقت میں ملک

اور بیرون ملک میں پھیلی ہوئی" کرونا وائرس" نامی وبا کے دفعیہ کے لیے اجتماعی یا انفرادی اذان دینے کی ترغیب دینا اور لوگوں کا اس پر عمل کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، بلکہ بدعت ہے جس سے احتراز کرنا لازم اور ضروری ہے، اگرچہ علامہ شامی نے احناف سے جواز کا قول بھی نقل کیا ہے لیکن چوں کہ عوام حدود وقیود کا پاس ولحاظ نہیں رکھتی اس لیے عدم جواز کا قول ہی راجح ہے، البتہ شوافع کے ہاں مصائب، شدائد اور عمومی پریشانیوں کے بعض مواقع پر چند شرائط کے ساتھ اذان دینے کی اجازت منقول ہے۔ وہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

اس عمل کے سنت یا مستحب ہونے کا اعتقاد نہ ہو۔

اس کو لازم اور ضروری سمجھ کر نہ کیا جائے۔

مساجد میں یہ اذان نہ دی جائے۔ تاکہ اذان صلاۃ کے ساتھ التباس نہ ہو جائے۔

اس کے لیے کسی مخصوص ہیئت اور اجتماعی کیفیت کا التزام نہ کیا جائے۔

ایسی وضع کے ساتھ نہ دی جائے جس سے اذانِ نماز ہونے کا اشتباہ ہو۔

مرقاۃ المفاتیح میں ہے: وخرج بها الأذان الذی یسن لغیر الصلاة کالأذان فی أذن المولود الیمنی، والإقامة فی الیسری، ویسن أیضًا عن الهم وسوء الخلق لخبر الدیلمی، عن علی: رآنی النبی صلی الله علیه وسلم حزینًا فقال: (یا ابن أبی طالب! إنی أراك حزینًا فمر بعض أهلك یؤذن فی أذنك، فإنه درأ الهم قال: فجربته فوجدته کذلك. وقال: کل من رواته إلی علي أنه جربه، فوجده کذلك .وروی الدیلمی عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: (من ساء خلقه من إنسان أو دابة فأذنوا فی أذنه) .

[مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب الصلوة، باب الأذان، ط: دار الفکر]

سوال (۲) دفع وبا کے لیے اجتماعی نماز اور اجتماعی دعاء کرنا کیسا ہے؟

جواب (۲) مصیبت، پریشانی، اور خطرات کے مواقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کا اہتمام کرنا تو ثابت ہے، لیکن اس کے لیے اجتماعی نماز کا ثبوت نہیں ہے، اور نہ ہی اجتماعی دعاء کا کوئی تذکرہ ملتا ہے، البتہ فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھی جاسکتی ہے، اسی طرح اگر اتفاقاً لوگ جمع ہو جائیں، اور سب مل کر دعا کا اہتمام کرلیں، تو یہ بھی شرعاً جائز ہے، مسلمانوں کے بعض اجتماعات کو دعاؤں کے اجتماع سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسے کسوف و خسوف اور عیدین وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِينَ]البقرة:

سنن أبی داود میں ہے۔

عن حذیفةؓ، قال: "کان النبی صلی الله علیه وسلم إذا حزبه أمر، صلی." (سنن أبی داود، أبواب قیام اللیل، باب وقت قیام النبی صلی الله علیه وسلم من اللیل، رقم الحدیث (۱۳۱۹) ط: المکتبة العصریة)

شعب الایمان میں ہے:

عن أنس بن مالك، قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: یقول الله عز وجل: "إنی لأهم بأهل الأرض عذابا فإذا نظرت إلی عمار بیوتی والمتحابین فی والمستغفرین بالأسحار صرفت عنهم."

(شعب الإیمان للبیهقی، کتاب الصلوة، فصل المشی إلی المساجد، مکتبة الرشد.)

کرونا وبا-شرعی تصور اور فقہی احکام

مفتی اختر امام عادل قاسمی (مہتمم جامعہ ربانی منورا شریف)

کرونا ایک وبائی بیماری ہے، جو مبصرین کے مطابق چین سے شروع ہوئی اور پھر اس نے عالمی وبا کی شکل اختیار کر لی، جس کی دہشت نے تقریباً دو سال (۲۰۲۰ء-۲۰۲۱ء) کے عرصے میں عالمی نظام کے بڑے حصہ کو معطل کر کے رکھ دیا ہے، اس طرح کی خوفناک بیماریاں گذشتہ صدیوں میں بھی آتی رہی ہیں، مگر وسائل ابلاغ اور باہم رابطوں کی کمی کی وجہ سے ان کو وہ شہرت حاصل نہ ہوسکی، جو موجودہ ''کرونا'' کو حاصل ہوئی، مثلاً: کرونا سے قبل تاریخ انسانی کی مہلک ترین وبائی بیماری کہا جاتا ہے کہ چودہویں صدی عیسوی کے آغاز میں ایک مہلک وبا آئی تھی، جس میں گردن، بغل یا ٹانگوں میں گلٹی نکلتی تھی، پھر بخار اور نقاہت کی علامات کے ساتھ سانس کی تکلیف شروع ہوجاتی تھی، اور چند روز کے بعد مریض کی موت واقع ہوجاتی تھی، اس مہلک بیماری کو تاریخ میں ''کالی موت'' (Black Death) کا نام دیا گیا ہے، اس کی ابتدا بھی چین سے ہوئی تھی۔

(عالمی وبا کورونا وائرس اور احکام ومسائل ص: ۱۰، مفتی شبیر احمد عثمانی، ڈیوز بری، ناشر مدرسہ حرا اسٹین کلف ڈیوز بری برطانیہ، ۲۰۲۰ء)

محور اول: کرونا جیسی وبائی بیماریوں کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض بیماریاں طبی اعتبار سے متعدی ہوتی ہیں، اور باہم اختلاط سے سبب کے درجہ میں پھیلتی بھی ہیں، مگر ایک مؤمن کے لئے یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی بیماری کسی کو نہیں لگ سکتی، اس لئے بیمار شخص کے ساتھ ہر ممکن مدارات ومراعات کا معاملہ کرنا صحت مند لوگوں کی ذمہ داری ہے، اور اس کے علاج وتحفظ کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا بھی ضروری ہے، البتہ سبب کے درجہ میں اگر مستند اور معتبر اطباء اختلاط سے منع کریں، اور ملنے جلنے کو محدود کرنے کی تجویز دیں تو مریض کی نگہداشت اور ادائے حقوق کے پورے انتظام کے ساتھ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ توکل کے منافی نہیں ہے، ظاہری اسباب وتدابیر کیا ختیار کرنے سے شریعت نے کبھی نہیں روکا ہے...... جیسا کہ ''کرونا وبا'' کے بارے میں ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ یہ ایک متعدی بیماری ہے، جو باہم اختلاط سے تیزی کے ساتھ پھیلتی ہے، اور اس سے تحفظ کا بڑا ذریعہ تنہائی اور گوشہ نشینی ہے اور یہ پرہیز ہی اصل علاج ہے...... شریعت اس خیال کو مسترد نہیں کرتی، احادیث طاعون میں اس کی رہنمائی موجود ہے، جن میں طاعون کے موقعہ پر لوگوں کو اپنے مقام پر رہنے کی تاکید کی گئی ہے، اور ادھر سے ادھر سفر، اختلاط اور نقل مکانی سے روکا گیا ہے:

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ طاعون ایک عذاب ہے، جو بنی اسرائیل کی ایک جماعت پر یا تم سے پہلے لوگوں پر بھیجا گیا تھا، پس جب تم سنو کہ کسی مقام پر طاعون ہے تو تم وہاں نہ جاؤ، اور جب کسی جگہ طاعون پھیل جائے تو وہاں سے راہ فرار اختیار مت کرو۔

جب کہ حضرت ابوہریرہؓ سے ''لَا عَدْوَی وَلَا طِیَرَةَ وَلَا صَفَرَ وَلَا هَامَةَ'' کی روایت بھی منقول ہے، لیکن جب حضرت ابو سلمہ نے اس روایت کے بارے میں ان سے دریافت کیا اور اصرار کے ساتھ دریافت کیا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا، اور تھوڑی ناراض بھی ہوئے، گو کہ یہ روایت (لاعدویٰ۔۔) دیگر صحابہ مثلاً حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے بھی منقول ہے۔

اس طرح کی متعدد روایات کو سامنے رکھ کر علماء محققین کا موقف عدل یہ ہے کہ بعض بیماریوں میں متعدی ہونے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے، مگر وہ حکم خداوندی کے بغیر متعدی نہیں ہوسکتیں، اس لئے سبب کیدرجہ میں تو ان سے احتیاط ضروری ہے، لیکن اس اعتقاد کا دامن ہرگز ہاتھ سے نہ چھوٹے کہ اللہ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

”ومثال الجمع حديث(لاعدوى) مع حديث (لايورد ممرض على مصح) وجه الجمع أن الأمراض لاتعدى بطبعها ولكن جعل الله سبحانه وتعالى مخالطتهاسببا للإعداء فنفى فى الحديث الأول مايعتقده الجاهلية من العدوى بطبعها وأرشد فى الثانى إلى مجانبة ما يحصل عنده الضرر عادة بقضاء الله وقدره وفعله.“

محور دوم: کرونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف

مساجد کے بجائے گھروں میں نماز

(۱) کرونا کے زمانے میں جب لوگوں کیا ختلاط سے بیماری کے پھیلنے کا واقعی اندیشہ ہو اور معتبر اطباء اس کی تصدیق کریں تو مساجد کے بجائے گھروں میں نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ مسجد کی جماعت کا نظام معطل نہ ہو، اس لیے کہ عذر عام (مثلاً بارش، شدید ٹھنڈک وغیرہ) کی صورت میں شریعت نے مسجد کی حاضری کے لزوم میں رخصت دی ہے، لیکن اس پر مداومت نہ کی جائے۔

البتہ اگر کئی افراد ہوں تو نماز باجماعت ادا کرنا بہتر ہے، اور اس جماعت کی فضیلت حاصل ہوگی، متعدد احادیث اور فقہی روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے:

☆عن عبد الرحمن بن أبى بكرة عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه و سلم أقبل من نواحى المدينة يريد الصلاة فوجد الناس قد صلوا فمال إلى منزله فجمع أهله فصلى بهم، لم يرو هذا الحديث عن خالد الحذاء إلا أبو مطيع معاوية بن يحيى ولا يروى عن أبى بكرة إلا بهذا الإسناد باب.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ مدینہ کے مضافات سے تشریف لائے، آپ نماز ادا کرنا چاہتے تھے، لیکن جماعت ہوچکی تھی، آپ اپنے گھر تشریف لے گئے اور گھر والوں کو جمع کر کیا جماعت نماز ادا فرمائی۔

عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَصَاحِبٌ لِی فَلَمَّا أَرَدْنَا الْإِقْفَالَ مِنْ عِنْدِهِ، قَالَ لَنَا إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَأَذِّنَا ثُمَّ أَقِيمَا وَلْيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا.

مساجد میں تعدد جماعت کا مسئلہ

(۲) مساجد میں تکثیر جماعت شرعاً مطلوب ہے، ارشاد نبوی ہے:

وَإِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ وَحْدَهُ وَصَلَاتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى .

لیکن کرونا کے زمانے میں لاک ڈاؤن کی پابندیوں کے دوران مسجد میں بڑی جماعت کا قیام بہت مشکل ہوجاتا ہے، تو کیا چھوٹی چھوٹی چند جماعتوں کی گنجائش ہوگی؟

حنفیہ کے نزدیک عام حالات میں ایسی مساجد میں جہاں اذان و جماعت کا نظام قائم ہو، یعنی امام وغیرہ موجود ہو، جماعت اولیٰ کے بعد دوسری جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے، اور اس کی علت تقلیل جماعت بتائی گئی ہے:

مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ اگر دوسری جماعت بہت مختصر یعنی تعداد شرکاء تین سے بھی کم ہو تو اس کی گنجائش ہے:

عَنْ أَبِی حَنِیفَةَ لَوْ کَانَتْ الْجَمَاعَةُ أَکْثَرَ مِنْ ثَلَاثَةٍ یُکْرَهُ التَّکْرَارُ وَإِلَّا فَلَا.

حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک اگر جماعت ثانیہ جماعت اولیٰ کی ہیئت پر نہ ہو تو اس میں حرج نہیں، مثلاً محراب سے ہٹ کر نماز پڑھی جائے، یا بلا اذان و اقامت نماز پڑھی جائے وغیرہ، اور حضرت امام محمدؒ کی ایک رائے یہ ہے کہ جماعت ثانیہ بغیر کسی خبر اور اہتمام کے ہو جائے تو کراہت نہیں۔

ائمۂ احناف کی ان فقہی آراء کی روشنی میں کرونا اور لاک ڈاؤن کی مجبوریوں کی دوران اگر جماعت اولیٰ کی ہیئت تبدیل کر دی جائے تو وقتی طور پر دوسری تیسری جماعتوں کی گنجائش نظر آتی ہے، بشرطیکہ ہر جماعت کا امام الگ ہو، اس لیے کہ زیر بحث صورت میں تقلیل جماعت کی علت موجود نہیں ہے، جماعت اولیٰ کی قلت جماعت ثانیہ کی وجہ سے نہیں بلکہ لاک ڈاؤن کی پابندیوں کی بنا پر ہے، اسی لیے فقہاء نے ایسی مسجدوں میں جماعت ثانیہ کی اجازت دی ہے جہاں کوئی نظام جماعت قائم نہ ہو، یا تعدد جماعت سیاس کے نظام پر اثر نہ پڑے، مثلاً دھیمی آواز سے اذان و اقامت دے کر کچھ لوگ مسجد میں جماعت کرلیں تو دوسری مقررہ اعلانیہ جماعت کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

ایک مسجد میں تعدد جمعہ کا مسئلہ

☆جمعہ کا مسئلہ بھی اسی طرح ہے، اگر اس مسجد کے علاوہ کوئی دوسری متبادل جگہ (مسجد یا میدان وغیرہ) میسر نہ ہو تو حسب ضرورت مسجد میں تعدد جمعہ کی گنجائش ہے، فقہاء نے جمعہ کے باب میں ایک جزئیہ لکھا ہے کہ اگر لوگ کسی شخص کے پیچھے جمعہ کی نماز پڑھنے کو اچانک اکٹھے ہو جائیں، تو گو کہ امیر وقت سے اس کی اجازت نہ لی گئی ہو لیکن نماز جمعہ درست ہو جائے گی، جیسا کہ امیر المؤمنین ذوالنورین حضرت عثمان غنیؓ کے محاصرہ کے موقعہ پر ان کی اجازت کے بغیر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جمعہ کی امامت فرمائی تھی جب لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے لیے اچانک جمع ہو گئے تھے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت مقررہ امام کے علاوہ کسی اور کے پیچھے نماز جمعہ پڑھ لی جائے تو گنجائش ہے، بشرطیکہ اس مقام پر نماز جمعہ پڑھی جاتی ہو، اسی سے زیر بحث مسئلہ میں بھی استیناس کیا جا سکتا ہے:

”واجتمع الناس على رجل فصلى بهم جاز للضرورة كما فعل على فى محاصرة عثمان رضى الله عنهما وإن فعلوا ذلك لغير ما ذكر لا يجوز لعدم الضرورة، وروى ذلك عن محمد فى العيون، وهو الصحيح .“

مساجد کے علاوہ گھروں میں جمعہ کی چھوٹی جماعتیں

(۳) اگر مسجد میں ایک یا دو جماعت کے بعد لوگ اپنے گھروں میں چھوٹی جماعتوں کا نظام قائم کریں، تو بوقت ضرورت اس کی بھی گنجائش ہے، بشرطیکہ گھر کے باہری حصے میں ہو یا گھر کا مرکزی دروازہ کھول دیا جائے تا کہ اذن عام کی شرط پوری ہو، اسی طرح امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مرد مقتدی موجود ہوں جن پر جمعہ فرض ہو، صحت جمعہ کے لیے مسجد شرط نہیں ہے۔

☆وَلَوْ نَزَلَ بِأَهْلِ مِصْرٍ نَازِلَةٌ وَخَرَجُوا مِنْ الْمِصْرِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَصَلَّى بِهِمُ الْإِمَامُ الْجُمُعَةَ إِنْ کَانُوا فِی فِنَاءِ الْمِصْرِ صَحَّ، وَإِنْ کَانُوا بَعِیدًا لَا وَکَذَا صَلَاةُ الْعِیدَیْنِ .

گو کہ اس میں بظاہر تشتت پایا جاتا ہے،لیکن ترک جمعہ یا جماعت کے مقابلہ میں یہ تشتت قابل تحمل ہے، ورنہ تجربہ یہ ہے کہ لوگ نماز ہی چھوڑ بیٹھیں گے۔ البتہ اسی کے ساتھ ایسی کوششیں بھی جاری رہنی چاہئے کہ لوگوں کا مسجد سے رابطہ قائم رہے،اور حالات ٹھیک ہوتے ہی لوگ مسجد کی طرف لوٹ آئیں۔

جمعہ کے دن گھروں میں ظہر کی نماز تنہا ادا کی جائے گی

(۴) جن مقامات پر جمعہ کا نظام قائم ہے اگر وہاں کچھ لوگوں کی جماعت جمعہ فوت ہو جائے یا کسی وجہ سے وہ شریک نہ ہو سکیں،اور جمعہ قائم کرنے کی کوئی شکل موجود نہ ہو،تو وہ اپنے گھروں میں ظہر کی نماز تنہا ادا کریں گے، ایسے مقامات پر جمعہ کے دن جمعہ سے پہلے یا بعد ظہر کی نماز با جماعت ادا کرنا مکروہ ہے،اس دن مسلمانوں کے لیے دو ہی راستے ہیں، جمعہ میں حاضر ہوں یا ظہر کی نماز تنہا ادا کریں،فقہاء نے قیدیوں کے ضمن میں یہ بات لکھی ہے، کہ اگر وہ شہر میں جمعہ نہ پڑھ سکتے ہوں تو ظہر کی نماز تنہا ادا کریں گے:

(قَالَ) وَيُكْرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الظُّهْرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي الْمِصْرِ جَمَاعَةً فِي سِجْنٍ أَوْ فِي غَيْرِ سِجْنٍ، هَكَذَا رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ – وَلِأَنَّ النَّاسَ أَغْلَقُوا أَبْوَابَ الْمَسَاجِدِ فِي وَقْتِ الظُّهْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي الْأَمْصَارِ فَدَلَّ أَنَّهُ لَا يُصَلِّي جَمَاعَةً فِيهَا، وَلِأَنَّ الْمَأْمُورَ بِهِ فِي حَقِّ مَنْ يَسْكُنُ الْمِصْرَ فِي هَذَا الْوَقْتِ شَيْئَانِ: تَرْكُ الْجَمَاعَةِ وَشُهُودُ الْجُمُعَةِ وَأَصْحَابُ السِّجْنِ قَدَرُوا عَلَى أَحَدِهِمَا وَهُوَ تَرْكُ الْجَمَاعَةِ فَيَأْتُونَ بِذَلِكَ.

وبا کے زمانہ میں گھروں میں عیدین کی نماز پڑھنا

(۵) عید کے بھی وہی احکام وشرائط ہیں جو جمعہ کے ہیں،البتہ عیدین میں خطبہ دینا سنت ہے واجب نہیں ہے،اس لیے اگر کرونا یا لاک ڈاؤن کی وجہ سے عیدگاہ یا مساجد میں عید کی نماز پڑھنے کی گنجائش نہ ہو تو گھر میں یا کسی دوسرے مقام پر عید کی نماز پڑھنا درست ہے،بشرطیکہ گھر کا دروازہ کھلا ہو،اور جماعت میں امام کے علاوہ تین بالغ مرد مقتدی موجود ہوں:

وأما شرائط وجوبها وجوازها فكل ما هو شرط وجوب الجمعة وجوازها فهو شرط وجوب صلاة العيدين وجوازها من الإمام والمصر والجماعة والوقت إلا الخطبة فإنها سنة بعد الصلاة .ولو تركها جازت صلاة العيد.

ماسک لگا کر نماز پڑھنا

(۶) الف:عام حالات میں بلا عذر ناک اور منہ وغیرہ کو ڈھانپ کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے،لیکن عذر کی صورت میں اس کی گنجائش ہے،اس لیے کرونا سے بچنے کے لیے اگر کوئی شخص ماسک لگا کر نماز پڑھے اور ڈاکٹر اور حکام اس کو لازمی قرار دیں تو اس کو معذور قرار دیا جائے گا،اور نماز بلا کراہت درست ہوگی:

(يكره اشتمال الصماء) لنهيه عليه الصلاة والسلام عنها وهي أن يأخذ بثوبه فيخلل به جسده كله من رأسه إلى قدمه ولا يرفع جانبا يخرج يده منه. قوله (والاعتجار) لنهي النبي عنه وهو شد الرأس أو تكوير عمامته على رأسه وترك وسطه مكشوفا، وقيل: أن يتنقب بعمامته فيغطي أنفه إما للحر أو للبرد أو للتكبر إمداد وكراهته تحريمية أيضا لما مر، قوله: (والتلثم) وهو تغطية الأنف والفم في الصلاة لأنه يشبه فعل المجوس حال عبادتهم النيران، زيلعي.

صف میں نمازیوں کے درمیان فاصلہ رکھنا

(ب) نماز میں اقتدا کے درست ہونے کے لئے اتحاد مکان شرط ہے، خواہ اتحاد حقیقتاً ہو یا حکماً، پوری مسجد، یا صحن مسجد مکان متحد کے حکم میں ہے، اس لیے اگر مقتدیوں کے درمیان دو صفوں سے بھی زیادہ فاصلہ ہو تو بھی نماز درست ہو جائیگی، الا یہ کہ درمیان میں کوئی وسیع سڑک یا نہر حائل ہو، البتہ بے ضرورت ایسا عمل کرنا مکروہ تحریمی ہے۔۔۔۔۔۔۔اسی طرح عام حالات میں ایک صف میں نمازیوں کے درمیان بلا عذر فاصلے رکھنا خلاف سنت ہے، گو کہ نماز ہو جائے گی، اس لئے کہ احادیث میں صفوں میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑے ہونے کی سخت تاکید آئی ہے، کیوں کہ درمیانی خلا میں شیطان گھس جاتا ہے، اس لیے کرونا سے تحفظ کے لئے اگر واقعتاً نمازیوں کے درمیان فاصلہ رکھنا ضروری ہو اور یہ محض وہم نہ ہو تو اس صورت میں صفوں میں دو شخصوں کے درمیان قدرے فاصلہ رکھنے کی گنجائش ہوگی، اور ترک سنت پر گناہ نہ ہوگا:

☆عَنْ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ: "رُصُّوا صُفُوفَكُمْ وَقَارِبُوا بَيْنَهَا وَحَاذُوا بِالأَعْنَاقِ فَوَالَّذِى نَفْسِى بِيَدِهِ إِنِّى لأَرَى الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَأَنَّهَا الْحَذَفُ ."

کرونا سے متاثر افراد کا جماعت کے وقت مسجد آنا

(۷) کرونا سے متاثر افراد کے لیے مسجد آنا اور جماعت میں شریک ہونا صحیح نہیں، اس لیے کہ یہ دوسرے نمازیوں کے لیے باعث ایذا ہوسکتا ہے، احادیث میں مسجد کے ماحول کو پاک اور بے ضرر رکھنے کی تاکید کی گئی ہیاسی لیے مسجد میں لہسن، پیاز اور بدبودار چیزیں کھا کر آنے سے منع کیا گیا ہے، تا کہ دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے، متعدی مرض کا معاملہ تو اس سے بھی زیادہ نازک ہے، حضرت عمر فاروقؓ نے ایک جذامی شخص کو مسجد حرام آنے اور طواف کرنے سے روک دیا تھا، جس کا اس بیمار نے ساری زندگی لحاظ رکھا:

☆ عن أبي هريرة قال: وجد النبى صلى الله عليه و سلم ريح ثوم فى المسجد فقال من أكل من هذه الشجرة الخبيثة فلا يقربن مسجدنا تعليق شعيب الأرنؤوط: صحيح وهذا إسناد حسن .

کرونا سے متاثر افراد کے لیے روزہ کا حکم

(۸) کرونا ڈاکٹروں کے مطابق ایک مرض بلکہ بدترین نتائج کا حامل مرض ہے، اس لیے جو شخص اس میں مبتلا ہو اور روزہ رکھنا اس کے لیے نقصان دہ ہو تو ایسے شخص کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، البتہ صحتیابی کے بعد اس کی قضا اس پر واجب ہوگی:

"(أو مريض خاف الزيادة) لمرضه، وصحيح خاف المرض، وخادمة خافت الضعف بغلبة الظن بأمارة أو تجربة أو بإخبار طبيب حاذق مسلم مستور."

اسپتالوں کے کرونا سیکشن میں کام کرنیوالے ڈاکٹروں اور ملازمین کے لیے روزہ کا حکم

☆ بلکہ ہنگامی حالات میں اسپتالوں میں کام کرنے والے ایسے تندرست لوگ بھی اس رخصت شرعی کے حقدار ہوں گے، جن کو اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنے سے وہ خود بیمار ہو جائیں گے اور کام کا تسلسل برقرار نہیں رکھ سکیں گے، مگر یہ اس وقت ہیجب دوسرے لوگ اس میدان میں میسر نہ ہوں۔

کرونا کی وجہ سے حج وعمرہ پر پابندی عائد کرنا

(۹) اصول کے مطابق محض کرونا کے اندیشے سے عام مسلمانوں کے لیے حج وعمرہ کا دروازہ بند کرنا درست نہیں ہے، البتہ مسجد کی طرح

کرونا سے متاثر اشخاص پر پابندی عائد کی جاسکتی ہے،اس لیے کہ متعدی امراض میں مبتلا شخص بسا اوقات دوسروں کے لیے باعث اذیت بن سکتا ہے، جیسا کہ گذر چکا ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک جذامی عورت پر طواف اور حرم پاک میں داخلے پر پابندی عائد کردی تھی ، دراصل ایسے مریض پر حج ہی فرض نہیں ہے، حج کی فرضیت کے لیے بدن کی صحت وسلامتی بھی بنیادی شرط ہے:

وَمِنْهَا صِحَّةُ الْبَدَنِ فَلَا حَجَّ على الْمَرِيضِ وَالزَّمِنِ وَالْمُقْعَدِ وَالْمَفْلُوجِ وَالشَّيْخِ الْكَبِيرِ الذى لَا يَثْبُتُ على الرَّاحِلَةِ بِنَفْسِهِ وَالْمَحْبُوسِ وَالْمَمْنُوعِ من قِبَلِ السُّلْطَانِ الْجَائِرِ عن الْخُرُوجِ إلَى الْحَجِّ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى شَرَطَ الإستطاعة لِوُجُوبِ الْحَجِّ وَالْمُرَادُ منها اسْتِطَاعَةُ التَّكْلِيفِ وَهِيَ سَلَامَةُ الْأَسْبَابِ وَالْآلَاتِ، وَمِنْ جُمْلَةِ الْأَسْبَابِ سَلَامَةُ الْبَدَنِ عن الْآفَاتِ الْمَانِعَةِ عن الْقِيَامِ بِمَا لَا بُدَّ منه فى سَفَرِ الْحَجِّ لِأَنَّ الْحَجَّ عِبَادَةٌ بَدَنِيَّةٌ فَلَا بُدَّ من سَلَامَةِ الْبَدَنِ وَلَا سَلَامَةَ مع الْمَانِعِ.

اگر کوئی حج کا احرام باندھنے کے بعد کرونا میں مبتلا ہو جائے

☆ اور اگر حج کا احرام باندھنے کے بعد کوئی شخص کرونا میں مبتلا ہو جائے ،تو ایسے شخص کو بھی دوسروں کی اذیت کے نقطۂ نظر سے حج وعمرہ سے روکا جاسکتا ہے، اس صورت کو فقہی اصطلاح میں احصار کہتے ہیں، محصر کے لیے احصار سے نکلنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی قربانی (بکری، اونٹ یا گائے وغیرہ) حرم شریف کے حدود میں پہونچانے کا انتظام کرے، قربانی پیش ہونے سے قبل وہ احرام کی پابندیوں سے آزاد نہیں ہوسکتا۔

محور سوم: کرونا کے زمانہ میں مساجد سے متعلق احکام

کرونا کے زمانہ میں مساجد کو بند کرنا

(۱) عام حالات میں مساجد کو اوقات نماز کے علاوہ بھی بند کرنا ممنوع ہے، تاکہ عام مسلمان جس وقت چاہیں مسجد میں نماز ادا کرسکیں، قرآن کریم میں ہے:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِي خَرَابِهَا أُولَئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ

فقہاء اسلام نے بھی چند استثنائی صورتوں کو چھوڑ کر (مثلاً چوری وغیرہ کا ڈر) مسجد کو مقفل کرنے سے سختی کے ساتھ روکا ہے:

☆ وكانوا يكرهون غلق باب المسجد ولا بأس به فى زماننا فى غير أوقات الصلاة لفساد أهل الزمان فإنه لا يؤمن على متاع المسجد .

لیکن اوقات نماز میں کسی بھی عذر سے مسجد کو کلیتاً بند کرنے کی کوئی گنجائش کتب فقہ میں نہیں ملتی، البتہ بیماری اور تکلیف دہ حالت میں مبتلا شخص کو مسجد سے ضرور روکا جاسکتا ہے، مگر چوں کہ کرونا سے متاثر افراد کی شناخت بآسانی ممکن نہیں ہے، خاص طور سے بھیڑ بھاڑ کے علاقوں میں، اس لیے مسجد میں لوگوں کے داخلے کو عارضی طور پر نسبتاً محدود کیا جاسکتا ہے، خصوصاً اس وقت جب حکومت کی طرف سے لاک ڈاؤن کا قانون نافذ ہو اور مسجد کے کھولنے میں فتنے کا اندیشہ ہو تو دفع ضرر کے لیے احتیاط کی گنجائش نظر آتی ہے، بشرطیکہ مسجد میں جماعت پنج وقتہ اور جمعہ کا نظام بالکلیہ معطل نہ ہو، کیوں کہ اس وقت احتیاط نہ کرنے کی صورت میں حکومت کی طرف سے مسجد کو کلیتاً مقفل کرنے کا بہانہ مل سکتا ہے، اس لیے کل کو فوت کرنے سے بہتر ہے کچھ کے فوت کو گوارا کیا جائے:

مسجد میں جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان دینا

(۲) مسجد کی نماز باجماعت شعائرِ اسلامی میں داخل ہے جس کا تحفظ امت مسلمہ کا اجتماعی فریضہ ہے، اگر کوئی آبادی اس کے ترک پر اتفاق کرلے تو اس سے قتال کرنے کا حکم ہے۔

لیکن اگر اتفاقی حالات میں کسی وجہ سے جماعت نہ ہو سکے تو بھی دستور کے مطابق اذان موقوف نہیں کی جائیگی، اس لیے کہ اذان کے بنیادی مقاصد میں اعلاء کلمۃ اللہ کے علاوہ اوقات نماز کی اطلاع دینا بھی شامل ہے، اور یہ مقاصد جماعت نہ ہونے کی صورت میں بھی اذان سے حاصل ہو سکتے ہیں:

☆ نیز اذان صرف جماعت ہی کے لیے مشروع نہیں ہے، بلکہ حالت انفراد میں بھی اذان کے ساتھ نماز پڑھنا مشروع ہے، تو مسجد میں اگر جماعت کے بقدر افراد نہ پہونچ سکیں تو کم از کم مؤذن اپنی نماز ادا کریگا، اور جماعت کی یک گونہ مشابہت پیدا ہو جائے گی:

وَلَا بَأْسَ أَنْ يُؤَذِّنَ لِنَفْسِهِ قَاعِدًا مُرَاعَاةً لِسُنَّةِ الْأَذَانِ وَعَدَمِ الْحَاجَةِ إِلَى الْإِعْلَامِ .

☆ اس کی تائید بعض ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں رسول اللہ ﷺ نے اذان کے بعد "ألا صلوا فی رحالکم" کے اعلان کا حکم فرمایا، گو کہ زیادہ تر محدثین کے نزدیک اس روایت کا تعلق حالت سفر سے ہے اور صحیح قول کے مطابق کسی باقاعدہ مسجد سے اس طرح کا اعلان رسول اللہ ﷺ نے کبھی نہیں فرمایا، لیکن فی الجملہ اس روایت سے یہ بات ضرور نکلتی ہے کہ جماعت کے بغیر بھی اذان دی جاسکتی ہے:

حدثنی نافع قال: أذن ابن عمر فی لیلة باردة بضجنان ثم قال صلوا فی رحالکم فأخبرنا أن رسول الله صلی الله علیه و سلم کان یأمر مؤذنا یؤذن ثم یقول علی إثره (ألا صلوا فی الرحال) فی اللیلة الباردة أو المطیرة فی السفر .

جماعت نماز میں مطلوب افراد اور حکومتی ہدایات

(۳) جمعہ کی نماز کے لیے شرعی طور پر امام کے علاوہ کم از کم تین آدمی ضروری ہیں، جب کہ دیگر نمازوں کی جماعت میں امام کے علاوہ ایک شخص بھی کافی ہے، یہ حکم نفس جماعت کے قیام کے لیے ہے، قطع نظر کہ جماعت مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر، البتہ مسجد کو آباد کرنے کے لیے مقدار کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، مسجد کی وسعت کے لحاظ سے جتنی زیادہ سے زیادہ تعداد ہو بہتر ہے، البتہ اگر گورنمنٹ کی ہدایات اس میں مانع ہوں، اور تعمیل نہ کرنے کی صورت میں مسلمانوں یا مسجد کے خلاف بڑے فتنہ کا اندیشہ ہو تو مسجد اور مسلمانوں کے تحفظ کے لیے وقتی طور پر احتیاط کی گنجائش ہے، لیکن کوئی ضروری نہیں کہ ہم اقامت جماعت کے معروف معیار کو ہی بنیاد بنائیں، بلکہ حکومت سے بات کر کے پوری احتیاط اور طبی ہدایات کی رعایت کے ساتھ مسجد اور آبادی کے لحاظ سے زیادہ سے زیادہ تعداد (مثلاً پانچ، دس، بیس وغیرہ) کی منظوری حاصل کریں، تاکہ قیام جماعت کے ساتھ مسجد کے آباد کرنے کا فریضہ بھی پورا ہو:

☆ ومنها أن أقل الجماعة فی غیر صلاة الجمعة الاثنان وهو أن یکون إمام واحد مع القوم لما روی عن النبی علیه السلام أنه قال الاثنان فمافوقهما جماعة ویستوی أن یکون ذلك الواحد رجلا أو امرأة أو صبیا یعقل لأن هؤلاء من أهل الصلاة فأما المجنون والصبی الذی لا یعقل فلاعبرة بهما.

مساجد کے کسی حصہ یا اس سے ملحق جگہ پر کووڈ سینٹر بنانا

(۴) مساجد کے کسی حصہ میں یا اس سے ملحق جگہ پر کووڈ سینٹر بنانا درست نہیں، اس لیے کہ یہ مقاصد مسجد کے خلاف ہے، مسجد اللہ کی عبادت

اور ذکر کے لیے بنائی جاتی ہے،کووڈ سینٹر بننے کے بعد لوگ مسجد میں آنے سے گھبرائیں گے،اور گھروں میں ہی نماز پڑھنے کو ترجیح دیں گے،جس سے مسجد کے ویران ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

مسجد میں غیر اللہ کو پکارنا درست نہیں،کووڈ سینٹر بننے کے بعد مسلم وغیر مسلم ہر طرح کے مریض وہاں لائے جائیں گے،اور حالت تکلیف میں غیر مسلم اپنے معبودوں کو پکاریں گے،جو قرآن کریم کے حکم کے خلاف ہے:

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا.

ابن کثیر لکھتے ہیں:

يقول تعالى آمرًا عباده أن يُوَحِّدوه في مجال عبادته، ولا يُدعى معه أحد ولا يشرك به كما قال قتادة في قوله: } وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا { قال: كانت اليهود والنصارى إذا دخلوا كنائسهم وبِيَعِهِم، أشركوا بالله، فأمر الله نبيه صلى الله عليه وسلم أن يوحدوه وحده .

کووڈ سینٹر بننے کے بعد پاک وناپاک ہر طرح کے مریض یہاں لائے جائیں گے،بعض مریض بول وبراز بھی کردیں گے، ریح خارج کریں گے،ان میں جنابت اور حیض واستحاضہ والے مریض بھی ہوں گے جن کو مسجد میں داخل ہونے کی شرعاً اجازت نہیں ہے،نیز خواتین کے ساتھ بچے بھی آئیں گے جن سے مسجد کی حرمت متاثر ہوگی:

مختلف مریضوں کے اجتماع کے بعد مسجد میں ہر طرح کی دنیوی باتیں آپس میں شروع ہوجائیں گی،شور وشغب کی آوازیں بلند ہونگی،بعض لوگ موبائل پر ہر طرح کے ویڈیو دیکھیں گے اور گیم کھیلیں گے،پاک وناپاک،خوشبودار وبدبودار کھانے کھائے جائیں گے،وغیرہ اس طرح مسجد کا سارا احترام رخصت ہوجائے گا،جس کو کبھی گوارا نہیں کیا جاسکتا اس کو علامات قیامت میں شمار کیا گیا ہے،مسجد کو پاک صاف رکھنے کا حکم دیا گیا ہے،یہاں تک کہ کوئی بدبودار چیز کھا کر مسجد کے اندر آنے سے منع کیا گیا ہے:

"إِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ." (۷۵)

غرض مسجد کو کووڈ سینٹر بنانے میں بہت سی قباحتیں موجود ہیں،اور یہی خرابیاں مسجد سے ملحق حصہ پر سینٹر کھولنے میں بھی پیش آئیں گی،اس لئے وہاں بھی اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی،نیز فناء مسجد کئی امور میں مسجد کے حکم میں ہے،اس لیے اس کا بھی احترام اسی طرح فرض ہے:

وفي الْمُجْتَبَى وَفِنَاءُ الْمَسْجِدِ له حُكْمُ الْمَسْجِدِ يَجُوزُ الِاقْتِدَاءُ فيه وَإِنْ لم تَكُنْ الصُّفُوفُ مُتَّصِلَةً وَلَا تَصِحُّ في دَارِ الضِّيَافَةِ إلَّا إذَا اتَّصَلَتْ الصُّفُوفُ اهـ.

علاوہ دیگر متبادل جگہیں موجود ہیں،اگر اس قسم کے سینٹرز کی ضرورت ہے تو اسکول،مدرسے،شادی خانے وغیرہ کی عمارتیں اس کے لیے موجود ہیں،متبادل کے رہتے ہوئے مساجد کی حرمت کو متاثر کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

یہاں پر اس روایت سے غلط فہمی نہ ہو،جس میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بعض زخمیوں مثلاً حضرت سعد بن معاذؓ کا خیمہ مسجد میں لگوایا تھا،جن کے زخم کا خون فرش پر بہنے لگتا تھا،اور حضرت رفیدہؓ زخمیوں کی دیکھ بھال کی انچارج بنائی گئی تھیں،جب کہ حقیقت یہ ہے کہ روایت کے مصداق میں یہ طے نہیں ہے کہ یہ واقعہ مسجد نبوی یا کسی اصطلاحی مسجد کا ہے،ابن حجرؒ وغیرہ کا یہی خیال ہے:

قيل المراد المسجد الذى كان النبى صلى الله عليه و سلم أعده للصلاة فيه فى ديار بنى قريظة أيام حصارهم وليس المراد به المسجد النبوى بالمدينة.

لیکن بہت سے محققین علماء کے نزدیک یہ اصطلاحی مسجد کا واقعہ نہیں ہے، بلکہ بنوقریظہ میں جنگ کے موقعہ پر نماز پڑھنے کے لیے عارضی جگہ بنائی گئی تھی اوراسی کے قریب حضورﷺ کا بھی قیام تھا،اور وہیں کچھ ہٹ کر حضرت رفیدہؓ کا بھی خیمہ تھا،اس لیے حضرت سعد کو وہاں ٹھہرایا دیا گیا کہ رسول اللہﷺ خودنگرانی فرماسکیں اور رفیدہؓ کی خدمات بھی حاصل ہوں،ایسا نہیں تھا کہ مسجد نبوی میں کوئی خیمہ لگایا گیا ہو اور حضرت رفیدہ اس میڈیکل سیکشن کی مستقل انچارج بنائی گئی ہوں،علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

قيل المراد به المسجد الذى كان النبى أعده للصلاة فيه فى ديار بنى قريظة أيام حصارهم، وفى كلام ابن إسحاق ما يدل أنه كان مقيما فى مسجد المدينة حتى بعث إليه رسول الله ليحكم فى بنى قريظة، وفيه فلما خرج إلى بنى قريظة كان سعد فى مسجد المدينة، والقول الأول أصح. (٧٩)

علامہ انور شاہ کشمیری کی بھی یہی رائے ہے:

والمتبادر منه المسجد النبوى، وهو الذى يَقْتَضِيه »سنن البخارى « وكلامُ الحافظ، ويُستفاد مِنْ سِيرةِ محمد بن إسحق أنَّه مسجدٌ آخر دون المسجد النبوى، وقد عُرِف من عادةِ النَّبى صلى الله عليه وسلّم فى السِيَر أنَّه كان إذا نَزَلَ منزلا اتَّخذَ مكانًا لِصَلاتِهِ يَحجزه من أطرافه، وأصحابُ السِير يَذْكُرونه بلفظ المسجد سواءٌ يُسَمِّيه الفقهاء مسجدًا أوْ لا، وهذه واقعةُ الأحزابِ حين اغتسل النَّبى صلى الله عليه وسلّم بعد فَرَاغِهِ عنها وجائه جبريل عليه السلام وأشارَ إلى بنى قُرَيْظَة فحاصروهم فنزلوا على حُكم سعد، وكان حليفهم فى الجاهلية فَحَكَمَ فيهم بقضاء الله، فجائه فقال: »قوموا إلى سيدكم«، لأنَّه كان جريحًا؛ القصة بطولها .ولعلَّ النَّبى صلى الله عليه وسلّم لما حاصَرَهُم إلى عِدَّةِ أيام، اتخذ هناك موضعًا لِصَلاتِهِ فما يَحْكُم به الوجدان أنَّ المراد من المسجد هو هذا وبه يُناسب قوله: (لِيَعُودَه مِنْ قريب) فإنَّ المسجد النبوى كان على ستة أميالٍ منه فأين كان يَعُوده مِنْ قريب، وحينئذٍ لا يثبت ما رَامَهُ البخارى رحمه الله تعالىٰ من التوسيع فى أحكامِ المساجد، فإنَّه وإنْ كان فى مسجدٍ، لكنَّه لم يكن مسجدًا مما نحن بصدده وهو المسجد الفقهى، على أنَّك قد عَلِمْتَ أنَّ تلك الواقعة كانت مَحْفُوفة بالقرائن إلا أنَّ البُخَارى يَسْتَنْبِط منها مسألة ولا يبالى. (٨١)

اور اگر مسجد نبوی یا کوئی مسجد ہی رہی ہو تو یہ فناء مسجد کا قصہ ہوگا،اس لیے کہ مسجد میں خون بہنے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

اور آخری بات یہ ہے کہ اس دور میں کوئی دوسرا متبادل موجود نہیں تھا،ایک مجبوری کی صورت حال تھی، آج کے حالات کو ان پر قیاس کرنا درست نہیں، یوں بھی یہ واقعہ جنگ کے دوران پیش آیا تھا،اور جنگ کے حالات امن کے حالات سے مختلف ہوتے ہیں۔۔۔یہی وجہ ہے کہ ابتدائی عہد میں بعض مرتبہ قیدیوں کو بھی مسجد کے اندر باندھ کر رکھا گیا تھا،مگر وہ ایک وقتی مجبوری تھی،اس کو مستقل عمل کے لیے سند جواز نہیں بنایا جاسکتا،علامہ کشمیریؒ لکھتے ہیں:

محور چہارم: کرونا سے متأثر مریض کی تیمارداری

(۱)فقہاء نے صراحت کی ہے کہ مریض کی تیمارداری فرض کفایہ ہے،جس کی ذمہ داری رشتہ داروں،دوستوں،پڑوسیوں اور پھر عام انسانوں پر عائد ہوتی ہے،اگر کوئی تیمارداری نہ کرے تو سب لوگ گناہ گار ہوں گے:

صرح الفقهاء بأن التمريض فرض كفاية، فيقوم به القريب، ثم الصاحب، ثم الجار، ثم سائر الناس .

اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ تیمارداری کی ذمہ داری کی بنا پر جمعہ اور جماعت کی حاضری سے بھی تیماردار کو رخصت دے دی گئی ہے، تقریباً تمام فقہاء کے یہاں جزوی فرق کے ساتھ یہ مسئلہ مصرح ہے:

*أو يكُونُ قَائِمًا بِمَرِيضٍ. (٨٤)

البتہ چوں کہ یہ ایک متعدی مرض ہے اور ڈاکٹر ایسے مریضوں سے عام لوگوں کو ملنے کی اجازت نہیں دیتے، خود رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل اس باب میں مختلف رہا ہے، کبھی آپ نے بیعت کے لیے آئے ہوئے جذامی شخص سے ملنے سے انکار کر دیا، اور کبھی جذامی کی پلیٹ میں ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا، کبھی ارشاد فرمایا کہ بیماریاں متعدی نہیں ہوتیں، اور کبھی فرمایا کہ بیمار آدمی صحتمند کے پاس نہ جائے، وغیرہ، علماء نیاس سے یہ نتیجہ نکالا ہے، یہ انسان کی کیفیت دروں اور قوت ایمانی پر منحصر ہے، بلاشبہ اہل یقین اور اصحاب توکل کے لئے متعدی امراض میں مبتلا افراد سے اجتناب کی حاجت نہیں ہے، لیکن عام لوگوں کے لیے اسباب کے درجہ میں احتیاط ہی مناسب ہے، اس طرح دو مختلف طرز عمل اور کیفیات کی بنا پر متعدی امراض کے مریضوں کی تیمارداری کی ذمہ داری کسی شخص متعین پر عائد نہیں کی جاسکتی، البتہ جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے، اس کی ادائیگی بہر حال ضروری ہے خواہ خود سے انجام دہی کی جائے یا ڈاکٹروں اور اسپتالوں کے ذریعہ، تیمارداری میں بہر حال کوتاہی نہیں ہونی چاہئے، یہ کوتاہی شرعاً جرم قرار پائے گی، حافظ ابن حجرؒ کے فتاوی میں پوری تفصیل کے ساتھ یہ مسئلہ موجود ہے۔

(۲) اگر افراد خاندان علاج اور تیمارداری کے اخراجات کے متحمل نہ ہوں تو ظاہر ہے کہ فرض کفایہ کی بنیاد پر یہ ذمہ داری درجہ بدرجہ حکومت اور سماج پر بھی عائد ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

محور پنجم: کرونا سے فوت ہونے والوں کی تجہیز و تکفین اور جنازہ کے مسائل

کرونا سے مرنے والے شخص کو غسل دینے کا مسئلہ

☆ کرونا سے فوت شدہ لوگوں کی لاشیں عموماً ہاسپٹل کی طرف سے کور میں پیک کر کے دی جاتی ہیں اور ورثہ کے لیے ان کو کھولنے کی اجازت نہیں ہوتی، ایسی صورت میں تجہیز و تکفین کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہو جاتا ہے، رہا میت کے غسل کا معاملہ، تو اگر غسل دینا قانونی ممانعت کی وجہ سے ممکن نہ ہو تو کور پر ہی پانی بہا دینا غسل کے لیے کافی ہوگا، فقہاء نے ایسی لاشوں کے لیے جس کو غسل دینا ممکن نہ ہو یہی حکم تحریر کیا ہے:

لَوْ كَانَ الْمَيِّتُ مُتَفَسِّخًا يَتَعَذَّرُ مَسْحُهُ كَفَى صَبُّ الْمَاءِ عَلَيْهِ.

اگر غسل دینے کی کوئی صورت نہ ہو اور تیمّم دینا ممکن ہو، چہرہ اور دونوں ہاتھ کھولنے کی اجازت ہو تو تیمّم کرایا جائے گا۔

لیکن اگر غسل یا تیمّم کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو مجبوراً بلا غسل ہی نماز جنازہ پڑھ کر اس کو دفن کر دیا جائے گا، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر غسل دینا ممکن نہ ہو تو غسل ساقط ہو جائے گا، البتہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

فَلَوْ دُفِنَ بِلَاغُسْلٍ وَلَمْ يُمْكِنْ إِخْرَاجُهُ إِلَّا بِالنَّبْشِ سَقَطَ الْغُسْلُ وَصُلِّيَ عَلَى قَبْرِهِ بِلَاغُسْلٍ لِلضَّرُورَةِ

قوله (وإن صلى عليه أولا) أي ثم تذكروا أنه دفن بلاغسل قوله (استحسانا) لأن تلك الصلاة لم يعتد بها لترك الطهارة مع الإمكان والآن زال الإمكان وسقطت فريضة الغسل جوهرة.

کرونا سے مرنے والے شخص کی تکفین کا مسئلہ

(۲) جہاں تک کفن کا مسئلہ ہے تو مجبوری کی حالت میں اسی کور کو شرعی طور پر کفن متصور کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ زندگی

میں جس چیز کو پہننا جائز ہے، اس کو کفن بنانا بھی جائز ہے، البتہ اس کا ساتر ہونا ضروری ہے، کہ اندر سے جسم کی کھال نمایاں نہ ہو:

اتَّفَقَ الْفُقَهَاءُ عَلَى أَنَّ تَكْفِينَ الْمَيِّتِ بِمَا يَسْتُرُهُ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ.

وَيُشْتَرَطُ فِي الْكَفَنِ أَلَّا يَصِفَ الْبَشَرَةَ، لِأَنَّ مَا يَصِفُهَا غَيْرُ سَاتِرٍ فَوُجُودُهُ كَعَدَمِهِ، وَيُكْرَهُ إِذَا كَانَ يَحْكِي هَيْئَةَ الْبَدَنِ، وَإِنْ لَمْ يَصِفِ الْبَشَرَةَ .

اسی طرح کفن کے نصاب کی تکمیل بھی کی جائے گی، اگر کور کا استر ایک ہی ہو تو مرد کیلئے بعد مسنون تین یا کم از کم دو اور عورت کیلئے پانچ یا کم از کم تین کا نصاب پورا کرنا ضروری ہے، بایں طور کہ اسی کور پر مزید کفن لپیٹ دیئے جائیں، اس سے کم بغیر مجبوری کے مکروہ ہے۔

وَكُلُّ مَا يُبَاحُ لِلرِّجَالِ لُبْسُهُ فِي حَالِ الْحَيَاةِ يُبَاحُ تَكْفِينُهُ بَعْدَ الْوَفَاةِ وَمَا لَا يُبَاحُ لَهُ لُبْسُهُ حَالَ الْحَيَاةِ لَا يُبَاحُ تَكْفِينُهُ بَعْدَ الْوَفَاةِ، كَذَا فِي شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ.

کرونا سے مرنے والے شخص پر نماز جنازہ

(۳) اگر کرونا سے مرنے والے شخص کی تدفین نماز جنازہ کے بغیر کردی گئی ہو اور اس کی قبر معلوم ہو تو اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی جائے گی، جب تک کہ لاش کے متغیر ہو جانے کا اندازہ نہ ہو، اس کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے، موسم اور علاقہ کے لحاظ سے اس کا اندازہ کیا جائے گا۔

(وَإِنْ دُفِنَ) وَأُهِيلَ عَلَيْهِ التُّرَابُ (بِغَيْرِ صَلَاةٍ) أَوْ بِهَا بِلَا غُسْلٍ أَوْ مِمَّنْ لَا وِلَايَةَ لَهُ (صُلِّيَ عَلَى قَبْرِهِ) اسْتِحْسَانًا (؛مَا لَمْ يَغْلِبْ عَلَى الظَّنِّ تَفَسُّخُهُ) مِنْ غَيْرِ تَقْدِيرٍ هُوَ الْأَصَحُّ .

(۴) لیکن اگر مقام تدفین کا علم نہ ہو تو غائبانہ نماز جنازہ حنفیہ کے نزدیک درست نہیں ہے:

(قَوْلُهُ: وَشَرْطُهَا) أَيْ شَرْطُ صِحَّتِهَا------ وَهِيَ: سَتْرُ الْعَوْرَةِ، وَحُضُورُ الْمَيِّتِ، وَكَوْنُهُ أَوْ أَكْثَرُهُ أَمَامَ الْمُصَلِّي.

کرونا سے مرنے والا مسلمان شہید کے حکم میں

(۵) کرونا بھی طاعون کی طرح ایک وبائی مرض ہے اور احادیث میں طاعون سے مرنیوالوں کو حکماً شہید قرار دیا گیا ہے، یعنی آخرت میں اس کو شہید کا ثواب ملے گا، لیکن دنیا میں اس کی تجہیز و تکفین عام مردوں کی طرح کی جائیگی، اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائیگی، اس کو نظیر بنا کر کرونا سے وفات پانے والے مسلمانوں کو بھی حکمی طور پر شہید کہا جا سکتا ہے، بشرطیکہ صبر و احتساب کے ساتھ اس کی موت ہوئی ہو، اور فرار اور بے صبری کا اس نے مظاہرہ نہ کیا ہو:

عن عائشة رضى الله عنها زوج النبى صلى الله عليه و سلم قالت:سألت رسول الله صلى الله عليه و سلم عن الطاعون فأخبرنى أنه (عذاب يبعثه الله على من يشاء وأن الله جعله رحمة للمؤمنين ليس من أحد يقع الطاعون فيمكث فى بلده صابرا محتسبا يعلم أنه لا يصيبه إلا ما كتب الله له إلا كان مثل أجر شهيد)

محور ششم: کرونا ویکسین سے متعلق مسائل

الکوحل آمیز سینیٹائزر کا استعمال

(۱) اگر سینیٹائزر کا مادہ انگور یا کھجور سے کشید کیا گیا ہو تو یہ نجس اور حرام ہے، قلیل و کثیر کچھ بھی اس کا استعمال درست نہیں، اس لیے کہ اس

وقت یہ اصطلاحی خمر کے دائرے میں آئے گا جس کی حرمت قرآن کریم کی نص قطعی سے ثابت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ.

قرآن کریم نے جس خمر کو حرام قرار دیا ہے مفسرین کے مطابق وہ انگور اور کھجور سے تیار ہوتا تھا، اس لیے بغیر کسی علت کیا اس کی حرمت ثابت شدہ ہے، البتہ بعض ماہرین کی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ آج کل اکثر الکوحل انگور اور کھجور کے علاوہ دیگر چیزوں سے (مثلاً گیہوں، جو، شہد، انجیر وغیرہ) تیار کیا جاتا ہے، اس لیے اب اس کی حرمت حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے اصول پر علت سکر کے ساتھ مقید ہوگی، اور قلیل غیر مسکر کیا ستعمال کی گنجائش ہوگی، جب کہ حضرت امام محمدؒ، مالکیہ، شافعیہ، اور حنابلہ کے نزدیک اس صورت میں بھی اس کا استعمال خواہ قلیل ہو یا کثیر درست نہیں ہے، حنفیہ کے یہاں بھی مفتیٰ بہ قول حضرت امام محمدؒ ہی کا مانا جاتا ہے، لیکن ضرورت کی صورت میں شیخین کے قول پر عمل کیا جائے گا:

(وَأَمَّا) قَوْلُهُمْ: إِنَّ هَذِهِ الْأَشْرِبَةَ خَمْرٌ لِوُجُودِ مَعْنَى الْخَمْرِ فِيهَا، وَهُوَ صِفَةُ مُخَامَرَةِ الْعَقْلِ قُلْنَا: اسْمُ الْخَمْرِ لِلنِّيءِ مِنْ مَاءِ الْعِنَبِ إِذَا صَارَ مُسْكِرًا حَقِيقَةٌ، وَلِسَائِرِ الْأَشْرِبَةِ مَجَازٌ؛ لِأَنَّ مَعْنَى الْإِسْكَارِ وَالْمُخَامَرَةِ فِيهِ كَامِلٌ، وَفِي غَيْرِهِ مِنَ الْأَشْرِبَةِ نَاقِصٌ فَكَانَ حَقِيقَةً لَهُ مَجَازًا لِغَيْرِهِ، وَهَذَا لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ حَقِيقَةً لِغَيْرِهِ لَكَانَ الْأَمْرُ لَا يَخْلُو مِنْ أَحَدِ وَجْهَيْنِ: إِمَّا أَنْ يَكُونَ اسْمًا مُشْتَرَكًا، وَإِمَّا أَنْ يَكُونَ اسْمًا عَامًّا وَلَا سَبِيلَ إِلَى الْأَوَّلِ؛ لِأَنَّ شَرْطَ الِاشْتِرَاكِ اخْتِلَافُ الْمَعْنَى، فَالِاسْمُ الْمُشْتَرَكُ مَا يَقَعُ عَلَى مُسَمَّيَاتٍ مُخْتَلِفَةِ الْحُدُودِ وَالْحَقَائِقِ، كَاسْمِ الْعَيْنِ وَنَحْوِهَا، وَهَهُنَا مَا اخْتَلَفَ، وَلَا سَبِيلَ إِلَى الثَّانِي؛ لِأَنَّ مِنْ شَرْطِ الْعُمُومِ: أَنْ تَكُونَ أَفْرَادُ الْعُمُومِ مُتَسَاوِيَةً فِي قَبُولِ الْمَعْنَى الَّذِي وُضِعَ لَهُ اللَّفْظُ لَا مُتَفَاوِتَةً، وَلَمْ يُوجَدْ التَّسَاوِي هَهُنَا، وَإِذَا لَمْ يَكُنْ بِطَرِيقِ الْحَقِيقَةِ تَعَيَّنَ أَنَّهُ بِطَرِيقِ الْمَجَازِ فَلَا يَتَنَاوَلُهَا مُطْلَقُ اسْمِ الْخَمْرِ، وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَعْلَمُ.

کرونا ویکسین لگوانے کا حکم

(۲) انسان اگر بیمار ہوجائے تو بیماری خواہ کیسی ہی شدید ہو شریعت میں اس کا علاج واجب نہیں ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ مستحب یا مباح ہے، اس لیے کہ علاج سے شفا ملنا یقینی نہیں ہے، پھر جو انسان ابھی بیمار نہیں ہوا اس پر کرونا ویکسین لگانے کا لزوم کیوں کر ہوسکتا ہے، ویکسین بیماری کا علاج نہیں ہے بلکہ حفظ ماتقدم کی ایک تدبیر ہے، جس کی کامیابی کی کوئی ضمانت نہیں ہے، اس لیے ویکسین لگانے کو زیادہ سے زیادہ مباح قرار دیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ اس کی افادیت ثابت ہو اور منفی نقصانات ومضرات سے پاک ہو:

ولا بأس بالحقنة لأنها من باب التداوی وأنه أمر مندوب إليه قال النبی عليه الصلاة والسلام "تداووا فإن الله تعالىٰ لم يخلق داء إلا وقد خلق له دواء إلا السام والهرم.

قوله (بخلاف الأدوية) أی الموقوفة فی التيمارخانة فإن الحاجة إليها دون الحاجة إلى السقاية فإن العطشان لو ترك شرب الماء يأثم ولو ترك المريض التداوی لا يأثم.

محور ہفتم: کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے اسلامی ہدایات

وبا کے دفعیہ کے لیے اذان دینا

(۱) دفع بلاء کے لیے اذان دینا جائز بلکہ مستحب ہے، ائمۂ احناف سے تو اس سلسلے میں کوئی قول منقول نہیں ہے، لیکن فقہاء شافعیہ نے بعض احادیث کی بنیاد پر اس کو مستحب قرار دیا ہے۔

روایت میں ہے کہ حضورﷺ نے ایک موقع پر حضرت علیؓ کو بے حد غمگین دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ علی! تمہارے اہل خانہ میں سے کوئی تمہارے کان میں اذان دے، اس لیے کہ اذان رنج وغم کا علاج ہے۔ چنانچہ بہت سے اکابر نے اس کا تجربہ کیا اور اپنے حق میں بہت مفید پایا۔

ایک اور روایت میں حضور اکرمﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا گیا ہے، کہ کسی انسان یا جانور میں بدتمیزی اور شرارت دیکھو تو اس کے کان میں اذان دو۔

متاخرین حنفیہ نے بھی ان احادیث کی بنیاد پر فقہ شافعی کے مطابق اذان دینے کو مستحب قرار دیا ہے، مذکورہ احادیث گو کہ صحت کے لحاظ سے بلند پایہ نہیں ہیں، لیکن فضائل اعمال میں حدیث ضعیف سے بھی استدلال درست ہے خصوصاً ایسے امور میں جن میں مذہب میں کوئی مخالف قول موجود نہ ہو۔

البتہ مذکورہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک اتفاقی امر تھا، اس لیے اس کو لازمی معمول نہ بنایا جائے، اور نہ اس کو سنت قائمہ کا درجہ دیا جائے، اسی طرح یہ اذان مسجد میں نہیں دی گئی تھی، اس لیے یہ اذان مسجد سے نہ دی جائے، کہ نماز کی اذان کا اشتباہ پیدا ہو، اور نہ اس کے لئے کسی مخصوص ہیئت یا اجتماعی کیفیت کا اہتمام کیا جائے۔

من ساء خلقه من إنسان أو دابة فأذنوا في أذنه".الديلمي - عن الحسين بن علي.

فَلَا يُرَدُّ طَلَبُ الْأَذَانِ فِي أُذُنِ مَنْ سَاءَ خُلُقُهُ، وَلَوْ بَهِيمَةً أَوْ الْمَغْمُومَ أَوْ الْمَصْرُوعَ أَوْ الْغَضْبَانَ أَوْ عِنْدَ مُزْدَحَمِ الْجَيْشِ، أَوْ عَلَى الْحَرِيقِ أَوْ وَقْتَ تَغَوُّلِ الْغِيلَانُ، وَطَلَبُهُمَا مَعًا خَلْفَ الْمُسَافِرِ وَفِي أُذُنَيْ الْمَوْلُودِ

دفع وبا کے لیے اجتماعی نماز ودعا کا حکم

(۲) دفع وبا کے لیے اجتماعی نماز کا ثبوت نہیں ہے، عہد نبوت میں چاند وسورج گرہن، قحط، آندھی طوفان اور زلزلے وغیرہ کے بعض واقعات پیش آئے مگر نماز کسوف اور استسقا کو چھوڑ کر کسی کے لئے آپ نیا اجتماعی نماز نہیں پڑھی، اور نہ اجتماعی دعا کا اہتمام فرمایا، البتہ ایسے مواقع پر آپ انفرادی طور پر توبہ اور رجوع الی اللہ کی تلقین فرماتے تھے، روایت میں آتا ہے کہ آپ تیز ہوا، یا طوفان بادوباراں کے آثار دیکھتے تو مسجد تشریف لے جاتے اور دعا واستغفار میں مشغول ہو جاتے، ظاہر ہے کہ آپ کی اتباع میں صحابہ بھی یہی کرتے ہوں گے، اس لیے اسوۂ نبوی کو سامنے رکھتے ہوئے کسی وبا یا بلا کے موقعہ پر دعا واستغفار کا اہتمام کیا جانا چاہئے، بالخصوص ماثور دعاؤں کا، انفرادی نمازیں پڑھی جائیں، اجتماعی نماز ثابت نہیں ہے۔

حَدَّثَنِي ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- يَقُولُ: "الرِّيحُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ، قَالَ سَلَمَةُ فَرَوْحُ اللَّهِ تَأْتِي بِالرَّحْمَةِ وَتَأْتِي بِالْعَذَابِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهَا فَلَا تَسُبُّوهَا وَسَلُوا اللَّهَ خَيْرَهَا وَاسْتَعِيذُوا بِاللَّهِ مِنْ شَرِّهَا."

والله أعلم بالصواب وعلمه أتم وأحكم.

کوروناوبا سے پیداشدہ سوالات اور شرعی نقطۂ نظر

مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی (حفظہ اللہ)
شیخ الحدیث ومہتمم دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، گجرات

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيّد الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وصحبه أجمعين. أما بعد!

محوراول: کوروناوبا کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر

(۱) وباؤں کے مختلف درجے ہیں: این ڈیمک (endemic) ایپی ڈیمک (epidemic) اور پین ڈیمک (Pandemic)۔

این ڈیمک:

این ڈیمک انفیکشن سے مراد ایسی بیماری ہے جو پورے سال ایک علاقہ میں پائی جاتی ہے، یہ بیماری ہر وقت اور ہر سال موجود رہتی ہے، اس میں چکن پوکس یا خسرے کی بیماری شامل ہے، جو برطانیہ میں پائی جاتی ہے، افریقہ میں ملیریا بھی این ڈیمک انفیکشن ہے۔

ایپی ڈیمک:

ایپی ڈیمک سے مراد ایسی بیماری ہے جس کے مریضوں میں تیزی سے اضافہ ہوتا ہے، اور پھر اس میں کمی آتی ہے۔

پین ڈیمک:

یہ ایسا انفیکشن ہے جو ایک ہی وقت میں دنیا بھر میں پھیل رہا ہو، سن ۲۰۰۹ء میں سوائن فلو دیکھا گیا، جس کا آغاز میکسکو سے ہوا تھا، اور پھر وہ وبا دنیا بھر میں پھیل گئی، اس فلو کو پین ڈیمک نام دیا گیا تھا۔

اہل لغت اور فقہاء نے بھی عمومی وباء میں آخر الذکر دونوں تعریف مدنظر رکھی ہے، چنانچہ فیروز الدین لکھتے ہیں: وباء وہ بیماری ہے جو ہوا کے خراب ہوجانے سے پھیلتی ہے، جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ بیماریاں جو تیزی سے پھیلتی ہیں، اور اس میں تیزی سے اموات ہوتی ہیں۔ (فیروز اللغات: مادہ: وب، ص:۱۴۰۵، ط: زکریا بکڈپو، دیوبند)

محمد البطوی صاحب کے الفاظ میں یہ ایسا مرض ہے جو عام ہوکر لوگوں میں پھیل جاتا ہے۔

الوباء: المرض العام المنتشر . (دراسة الوباء وسبل التحرز منه: ص:٥، ط: المركز العربى للابحاث، الدوحة)

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم طاعون کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ بیماری چونکہ بہت جلد اور بہت زیادہ پھیلتی اور بہت زیادہ لوگوں کو اپنا شکار بنالیتی ہے، اسی لئے اس کو وباء بھی کہا جاتا ہے۔'' (قاموس الفقہ: مادہ: طاعون، ص:۳۲۸، ج:۴، ط: کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند)

مذکورہ تعریفات کو مدنظر رکھتے ہوئے تین چیزیں وباء کی تعریف میں اہم ہیں: (۱) عموم (۲) انتشار اور پھیلاؤ (۳) کثیر الاموات ہونا؛

چونکہ یہ تینوں چیزیں کورونا میں پائی جاتی ہیں، اس لئے اس کو وباء کہنا صحیح ہے۔

وباء اور عذاب کے بارے میں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ ان الٰہی سنتوں پر مبنی ہوتا ہے جو اللہ تعالی نے عالم طبیعی اور عالم بشری میں ودیعت کئے ہیں، اس کا ارشاد ہے:

"فلن تجد لسنة الله تبديلا ولن تجد لسنة الله تحويلا ." (فاطر: ٣٤)

اس کے برخلاف دیگر فلسفے صرف مادی اسباب ونتائج پر مبنی ہوتے ہیں، جن کا اندازہ ریاضیاتی طور پر اور لیباریٹری کے آلات کے ذریعہ لگایا جاتا ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے بعض اسباب مادی اور بلاواسطہ ہوتے ہیں اور بعض معنوی، جن کا تعلق غیب سے ہوتا ہے۔

(۲) اوّلاً: یہ سمجھنا چاہئے کہ وبائیں اس امت کے مؤمنین کے لئے رحمت ہوگی اور کافروں کے لئے عذاب ہوگی، جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا:

فالطاعون شهادة لأمتي ورحمة لهم، ورجس على الكافر. (مسند أحمد:حديث أبي عسيب، ص:٨١، ج:٥، ط:دارصادر، بيروت)

اس سے معلوم ہوا کہ وبائی امراض اللہ کے حکم سے آتے ہیں، جو کافروں کے لئے تو عذاب ہے، لیکن مؤمنین کے لئے رحمت ہیں، اس لئے ایسی آفات اور وباؤں کے وقت کافروں کی طرف سے ہونے والی جزع فزع اور واویلا سے مسلمانوں کو متاثر نہ ہونا چاہئے، اور توکل علی اللہ اور صبر واستقامت کا مظاہرہ ہونا چاہئے۔

ایسی وباؤں کے موقعہ پر مسلمان ماہر ڈاکٹر وباؤں سے بچنے کے لئے جو تدبیریں بتائیں، وہ اپنائی جائیں، اس لئے کہ بہت سے مسائل میں مسلمان ماہرین طب کی رائے پر بھی فیصلے کئے جاتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ شرعی طور پر جو ہدایات ہوں، جیسے توکل علی اللہ، صبر واستقامت، اختیار کریں، جیسا کہ قرآن مجید میں توکل اور صبر کی بے شمار آیتیں ہیں۔

نِعۡمَ أَجۡرُ الۡعَامِلِينَ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُونَ. (العنكبوت) إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجۡرَهُم بِغَيۡرِ حِسَابٍ (زمر) جیسی آیات پیش نظر رہے۔

استغفار کا بھی اہتمام ہو، جیسا کہ فرمایا:

"وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَأَنتَ فِيهِمۡ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمۡ وَهُمۡ يَسۡتَغۡفِرُونَ." (انفال: ٣٣)

اس کے علاوہ دعاؤں اور صدقات کا اہتمام بھی ہو، حدیث مشہور ہے:

لا يرد القضاء إلا الدعاء، ولا يزيد في العمر إلا البر. (مشکوۃ المصابیح: کتاب الدعوات، الفصل الثانی، ص:۱۹۵، ج:۱، ط: مکتبہ تھانوی، دیوبند)

نیز مسنون دعاؤں کا بھی اہتمام ہو۔

(۳) حضرت مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

حکومتیں اپنی عوام کو حسب موقع ہدایات دیا کرتی ہیں، عام حالات میں اور خاص حالات میں، ان ہدایات واحکام کی بجا آوری عوام سے مطلوب ہوتی ہے اور کبھی اس حد تک کہ اس پر نگاہ رکھتے ہوئے خلاف ورزی اور عدم بجا آوری پر مواخذہ کیا جاتا ہے۔

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایسا کوئی حکم صرف عبث ہی نہیں بلکہ ہم کو شرعاً محظور سمجھ میں آئے کہ اس میں ایسے احتمالات سمجھ میں آتے

ہوں اور سامنے آئیں۔تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عوام کے مفاد میں سامنے آنے والے احکام کی بجا آوری درست ہوتی ہے،اور بسا اوقات لازم بھی ہوتی ہے،لیکن جو چیز مفاد سے خالی ہو اور اس سے بڑھ کر جس میں کوئی مذہبی شائبہ پایا جاتا ہو اس کی بجا آوری سے بچنا چاہئے اور مذہبی شائبہ واحتمال والی چیز سے اجتناب ضروری ہے،شریعت نے ہم کو اصول دیا ہے:

”لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق.“ (شرح السنة للبغوی: كتاب الإمارة والقضاء، باب الطاعة فی المعروف)

البتہ حالات کی رعایت کی اجازت ہے اور اپنے آپ کو کسی بڑے مفسدہ سے بچانا بھی ضروری ہے،لہذا اگر ایسے کسی فرمان وہدایت میں دباؤ ہو،نگاہ ہو،پکڑ ہو،یہ صاف محسوس کیا جائے یا یہ کہ اس کا کھلا اور واضح اندیشہ ہو تو اپنی جان وجسم ومال کو خطرات ومفاسد سے بچانے کے لئے ایسے احکام کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

شریعت نے ہم کو ہمارے حالات کے مطابق جو احکام دیئے ہیں ان میں یہ بات بھی ہے کہ اگر کسی غلط،ناجائز،غیر مذہبی، بلکہ کفر وشرک کے قبیل کی چیز کا حکم ہو تو دل سے ناپسندیدگی وانکار کے ساتھ اپنے آپ کو بیجا نقصان ومضرت وضرر سے بچانے کے لئے ایسی چیزیں عملاً اختیار کی جاسکتی ہیں۔

حدیث ہے:کسی مسلمان کیلئے مناسب نہیں کہ وہ خود کو ذلیل کرے،عرض کیا گیا: کیسے؟ فرمایا نبی ﷺ نے:ایسی مصیبتوں کا سامنا کرے جس کا اس کے اندر تحمل نہ ہو،مراد ہے ایسا کام کرکے یا نہ کرکے ایسی مصیبت کھڑی کردے جو ناقابل برداشت ہو۔

اس کے تحت یہ بات بھی آجائے گی کہ اگر مسجدوں کو بالکل بند کردینے کا،مسجدوں میں نماز ترک کردینے کا حکم ہو یا اذان نہ دینے کا تو اپنی جان وجسم اور مال وعزت کی حفاظت کے لئے اجازت ہوگی کہ جو حکم دیا جارہا ہے اس پر عمل کیا جائے،بعض ملکوں میں جماعت ونماز سے منع کیا گیا،بعض جگہ اذان ونماز دونوں سے منع کیا گیا،ہمارے ملک میں کہیں یہ ہوا کہ اذان نہ دینے اور مسجد کو بالکل بند کردینے کو کہا گیا،تو جن لوگوں نے ان ہدایات پر عمل کیا وہ مجبور تھے،گنہگار نہیں ہوئے۔(کورونا کوڈ:احکام ومسائل: باب متفرقات،ص:۱۱۷-۱۱۵،ط:مکتبۂ احسان،لکھنؤ)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم رقم طراز ہیں:

یہ بات واضح رہنا ضروری ہے کہ حکومت کو مباحات پر پابندی عائد کرنے کا یہ اختیار غیر محدود نہیں؛ بلکہ اس کے بھی کچھ اصول وضوابط ہیں،جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں،لیکن دو باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں:ایک یہ کہ حکومت کا وہی حکم واجب التعمیل ہے جو قرآن وسنت کے کسی حکم سے متصادم نہ ہو اور دوسرے یہ کہ حکومت کو اس قسم کی پابندی عائد کرنے کا اختیار صرف اس وقت ملتا ہے جب کوئی اجتماعی مصلحت اس کی داعی ہو، چنانچہ ایک مشہور فقہی قاعدے میں اس بات کو اس طرح تعبیر کیا گیا ہے کہ:

”تصرف الامام بالرعیۃ منوط بالمصلحۃ“(عوام پر حکومت کے اختیارات مصلحت کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔)

لہٰذا اگر کوئی حکومت کسی اجتماعی مصلحت کے بغیر کوئی پابندی عائد کرے تو یہ پابندی جائز نہیں،اور قاضی کی عدالت سے اس کو منسوخ کرایا جاسکتا ہے۔(اسلام اور جدید معیشت وتجارت:معیشت کے اسلامی احکام، ص:۱۴،۲۴،ط:دارالاشاعت دیوبند)

(۴) وباء کے ذیل میں ایک بحث یہ آئی ہے کہ کیا امراض میں متعدی ہونے کی صلاحیت ہے؟ روایات دونوں طرح کی ملتی ہیں،اور شارحین نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے،یہاں صرف اس قدر اشارہ پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ امراض کے اندر بذات خود متعدی ہونے کی صلاحیت نہیں ہے جب تک مشیت خداوندی کارفرمانہ ہو،ہاں،یہ ضرور ہے کہ کبھی مشیت الٰہی سے وہ بیماری کا ظاہری سبب بن جاتی ہے۔(قاموس الفقہ: مادہ:طاعون،۴/۳۲۸،ط:کتب خانہ نعیمیہ،دیوبند)

مختصر یہ کہ اسلامی وایمانی نقطہ نظر سے اللہ تعالی ہی جملہ امور میں مؤثر ہے اور وہی مسبب الاسباب ہے،اس بنیادی عقیدہ کے ساتھ مرض کے

تعدیہ وچھوت سے متعلق وارد ہونے والی مختلف قسم کی احادیث کے پیش نظر علماء امت کے اس بابت دو نقطہائے نظر رہے ہیں:

ایک سرے سے مرض کے تعدیہ اور چھوت کی نفی کا اور یہ کہ مرض جہاں پیدا ہوتا ہے محض اللہ کے پیدا کرنے سے ہوتا ہے، سابق مریض ومرض سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

دوسرا یہ کہ اگر چہ اصل فاعل ومؤثر اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے، مگر دوسرے اسباب کی طرح اس نے بعض امراض میں اس قسم کی صفت رکھی ہے کہ ایک سے دوسرے کو وہ امراض لگ جاتے ہیں۔

تاہم دونوں نقطہائے نظر ایسے مریضوں سے احتیاط اور اجتناب کی گنجائش دیتے ہیں اور اس کو بالکل ناجائز وغلط نہیں کہتے۔

حضرت مفتی سعید صاحبؒ لکھتے ہیں:

میں نے (متعدی ہونے نہ ہونیوالی روایت میں تعارض) اور طرح سے حل کیا ہے کہ نفی ذاتی تاثیر کی ہے اور اثبات درجۂ تسبیب میں ہے، اوران دونوں باتوں میں کچھ تنافی نہیں۔ (تحفۃ القاری: کتاب الطب، باب الجذام، ص:۵۰۹، ج:۱۰، ط: مکتبۂ حجاز دیوبند)

حضرت حکیم الامتؒ نے اس بابت درج ذیل تحقیق پیش کی ہے:

اس کی تحقیق موقوف ہے اس پر کہ عدوی کے متعلق تحقیق کی جاوے کہ اس کی اصل ہے یا نہیں، سواس باب میں دو قسم کی حدیثیں ہیں، اول وہ جن سے ظاہرًا عدوی کی نفی ہوتی ہے، جیسے حدیث ''لا عدوی'' اور دوسری وہ جن سے اس کے وجود کا شبہ پڑتا ہے، جیسے حدیث ''فرمن المجذوم کما تفرمن الاسد'' یعنی جذامی سے ایسا بھاگ جیسے شیر سے بھاگتا ہے، اور بھی حدیثیں اس مضمون کی آئی ہیں۔

پس جمع کے باب میں علمائے دو مختلف مسلک اختیار کئے، بعض نے لا عدوی کو اپنے ظاہر پر رکھ کر فرمن المجذوم وغیرہ میں تاویل کی، اور بعض نے فرمن المجذوم کو ظاہر پر رکھ کر لا عدوی کو ظاہر سے منصرف کیا۔

جس کو جو مسلک اقرب معلوم ہو اس کو اختیار کرسکتا ہے اور ہر مسلک میں ایک خاص حکمت ہے، چنانچہ جن پر تفویض کا غلبہ ہے اُن کے مناسب مسلکِ اول ہے اور جن پر اسباب کا غلبہ ہے ان کے مناسب مسلک ثانی ہے، یا غلو فی التفویض کا علاج مسلکِ ثانی ہے، اور غلو فی الاسباب کا علاج مسلک اول ہے، یہ تو ذوق وحکمت کے اعتبار سے ہے، باقی اقرب الی التحقیق مجھ کو مسلکِ ثانی معلوم ہوتا ہے۔ (امداد الفتاوی: مسائل متعلقہ طاعون ووباء، سوال نمبر:۹۷۳، ص:۶۸۲-۹۸۲، ج:۴، ط: زکریا بکڈ پو دیوبند)

محور دوم: کورونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف

(۲،۱) کورونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف:

کورونا وائرس وبا سے بچاؤ کے لیے احتیاطی تدابیر کے طور پر ماہرینِ صحت کی ہدایات کے بموجب حکومت نے مساجد میں لوگوں کے زیادہ اجتماع سے منع کرتے ہوئے یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ صرف چار پانچ افراد ہی مسجد میں جمعہ اور جماعت کی نماز ادا کرسکتے ہیں، جب کہ بعض علاقوں میں مساجد میں داخلے ہی پر پابندی عائد کردی گئی، ایسے فیصلے صادر ہوتے ہی گھروں میں نماز ادا کرنے سے متعلق متعدد سوالات سامنے آئے، ذیل میں اسی حوالے سے چند اہم مسائل ذکر کیے جاتے ہیں:

جماعت کی اہمیت:

شریعت نے بڑی تاکید کے ساتھ مرد حضرات کو باجماعت نماز کی ادائیگی کا حکم دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے حضرات فقہائے کرام اس کو

واجب قرار دیتے ہیں، البتہ متعدد حضرات اہلِ علم کے نزدیک جماعت سنت مؤکدہ ہے، جو کہ واجب کے قریب ہے، جماعت کی تاکید، ایک ہی جماعت پر اکتفاء اور ایک سے زائد جماعت کی کراہت وممانعت کی علت فقہاء نے تقلیل جماعت بیان کی ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیمؒ رقم طراز ہیں:

قال قاضی خان فی شرح الجامع الصغیر: رجل دخل مسجدا قد صلی فیه أهله، فإنه یصلی بغیر أذان وإقامة، لأن فی تکرار الجماعة تقلیلها. (البحر الرائق: کتاب الصلوة، باب الإمامة، ص:۶۰۵، ج:۱، ط:زکریا بکڈپو، دیوبند)

جماعت کی مذکوراہمیت پر عمل کی خواہش کے باوجود حکومتی پابندیوں کی وجہ سے مسجد میں پہنچنا مشکل ہوجاتا ہے، نیز وبائی صورت حال میں جماعت میں تقلیل ہی مقصود ہے، اور مسجد میں متعدد جماعتیں کی جائے تو لوگوں کی آمد ورفت مسلسل ہوتی رہے گی، جو خطرہ کا باعث اور افسران کی نظر میں قانون شکنی میں شمار کی جاسکتی ہے، اس لیے مسجد میں ایک ہی جماعت ہو، اور بقیہ حضرات اپنے اپنے محلوں میں جماعت سے نماز پڑھیں، اگر بآسانی پڑھی جاسکتی ہو۔

ویسے بھی عذر کی وجہ سے ترک جماعت کی اجازت ہوجاتی ہے، اور حکومتی پابندی بھی ایک عذر ہے، اس لیے مسجد میں ایک ہی جماعت پر اکتفاء بہتر ہے، علامہ ابن ہمام تحریر فرماتے ہیں:

اس لیے مسجد میں جماعت ثانیہ نہ کرنا ہی بہتر ہے، تاکہ لوگ مسجد میں جمع نہ ہوجائیں، اور ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو وقت دیا جائے تو وہ اس کی رعایت نہ کریں، حضرت حسن بصریؒ صحابۂ کرامؓ کا معمول ذکر کرتے ہیں کہ مسجد میں ایک جماعت ہوجانے کے بعد دوسری جماعت کرنے کے بجائے وہ تنہا نماز پڑھتے تھے۔

یورپی افتاء کونسل کی طرف سے شائع فیصلہ میں بھی مسجدوں میں ایک سے زائد جماعتوں کے بجائے گھروں اور محلوں میں جماعت کا ہی فیصلہ تحریر کیا گیا، جو درج ذیل ہے:

”ننصح بإقامة صلوة الجماعة فی البیوت عند تعذر اقامتها فی المساجد للسبب المذکور، والصبر علی هذا الوضع واحتساب أجره وتکثیر الدعاء کی یفرج الله عن الإنسانیة هذه الکربة الشدیدة.“ (فتاوی العلماء حول فیروس کورونا: مسائل فقهیة وآداب شرعیة، فتوی رقم:۳، ص:۲۹) (۴،۳) مساجد اور وہ مقامات جہاں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے، وہاں امام سمیت کم از کم چار افراد جمعہ کی نماز ادا کرلیں، جب کہ دیگر حضرات سے متعلق حضرات اکابر کی دو آراء سامنے آئی۔

ہندوستان کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے دارالعلوم دیوبند نے جو فیصلہ دیا ہے اس سے اسی دوسری رائے کی تائید ہوتی ہے، اور اس پر عمل مناسب معلوم ہوتا ہے۔

جن شہروں، قصبات یا بڑے گاؤں میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہیں اور وہاں کی مساجد میں باقاعدہ جمعہ ہوتا آرہا ہے، وہاں موجودہ صورت حال میں انتظامیہ (پرشاسن) کی طرف سے جتنے افراد کی اجازت ہو، اُن کے ساتھ جمعہ قائم کیا جائے؛ بہ شرطیکہ امام کے علاوہ کم از کم تین مرد مقتدی ہوں، اور اگر کسی شہر یا قصبہ میں موجودہ صورت حال سے پہلے، وہاں کی بعض مساجد میں جمعہ ہوتا تھا اور بعض میں نہیں، تو جن مساجد میں جمعہ نہیں ہوتا تھا، وہاں بھی حالات کی بحالی تک (انتظامیہ کی اجازت کے مطابق) چار، پانچ افراد کے ساتھ جمعہ ادا کرلیا جائے، تاکہ کچھ لوگوں کا جمعہ وہاں ہوجائے۔

اور ملک کی موجودہ صورت حال میں مساجد میں جو پانچ، چھ سے زائد لوگوں کو منع کیا جارہا ہے، یہ قانونی مصلحت اور حکومتی پابندی کی بنا پر ہے اور ایسی ممانعت اذن عام کے منافی نہیں ہوتی، کیوں کہ مقصد لوگوں کو نماز جمعہ سے روکنا نہیں، بلکہ قانون شکنی کی صورت میں ہونے والی بڑی پریشانیوں سے بچنا ہے۔

امداد الاحکام میں ہے:

اگر چھاؤنی یا قلعہ میں جمعہ ادا کیا جائے تو جائز ہے، گو چھاؤنی اور قلعے میں دوسرے لوگ نہ آسکتے ہوں، کیوں کہ مقصود نماز سے روکنا نہیں ہے؛ بلکہ انتظام مقصود ہے۔ (امداد الاحکام: ۱/ ۱۵۷، ط: مکتبہ دار العلوم کراچی)

(ب): محلّہ کے جو لوگ مسجد میں جمعہ ادا نہ کرسکیں اور وہ اپنی بیٹھک یا باہری کمرے میں انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کے بغیر، اذنِ عام کے ساتھ جمعہ قائم کرسکتے ہوں، یعنی: آس پاس والوں کو جمعہ کی اطلاع کردی جائے تا کہ جو کوئی جمعہ میں آنا چاہے آسکے؛ اگر چہ قانونی مصلحت اور حکومتی پابندی کی وجہ سے پانچ کے بعد مزید لوگوں کو منع کردیا جائے، تو وہ حضرات بھی امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مرد مقتدیوں کو لے کر مختصر خطبہ اور مختصر قرأت کے ساتھ جمعہ ہی ادا کریں، اور اگر کسی جگہ انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کا اندیشہ ہو تو جمعہ سے پہلے زبانی بات چیت کے ذریعہ انہیں اعتماد میں لے لیا جائے۔

(ج): اور جو حضرات اپنی بیٹھک یا باہری کمرے میں اوپر ذکر کردہ تفصیل کے مطابق جمعہ قائم نہ کرسکیں، خواہ اس وجہ سے کہ کوئی جمعہ پڑھانے والا میسر نہ ہو یا انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کا اندیشہ ہو اور انتظامیہ کو اعتماد میں نہ لیا جاسکے یا کسی کی طبیعت پر خوف وہراس غالب ہو یا امام کے علاوہ مرد مقتدی صرف ایک یا دو ہوں، وہ حضرات شریعت کی نظر میں معذور ہوں گے اور اُن کے لیے جمعہ کی جگہ ظہر پڑھنا بلا کراہت درست ہوگا؛ کیوں کہ اسلام میں اپنے کو پریشانی میں ڈالنے کا حکم نہیں ہے اور نہ اس کی اجازت ہے۔

جمعہ کے بارے میں مزید وضاحت

جمعہ کا نظام بھی عام دنوں کی طرح رہے گا، مسجد میں ایک مختصر جماعت ہوگی جس میں متعین افراد ہی شریک ہوں اور باقی لوگ گھر میں تنہا ظہر کی نماز پڑھ لیں، حالات کا تقاضہ ہے کہ گھروں پر بھی بڑا مجمع نہ کیا جائے؛ بلکہ چند حضرات مل کر اگر جمعہ قائم کرسکتے ہوں تو جمعہ قائم کرلیں، ورنہ تنہا ظہر کی نماز پڑھ لیں۔

اگر آدمی تنہا ہو یا دو لوگ ہوں تو وہ ظہر کی نماز پڑھیں، جمعہ کی نماز کے لیے امام کے علاوہ تین افراد کا ہونا ضروری ہے، جن علاقوں میں پہلے سے جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تھی اور لوگ دور دراز کی مسجدوں میں جمعہ کے لیے جاتے تھے، اب وہ وہاں نہیں جاسکتے ہیں، تو وہ لوگ اپنی مسجد میں یا اپنے گھروں میں جمعہ نہیں کریں گے؛ بلکہ ظہر کی نماز جماعت سے پڑھیں گے۔

(۵) عید کی نماز صحیح ہونے کے لیے وہی شرائط ہیں جو جمعہ کی نماز کے لیے ہیں، اگر لاک ڈاؤن طویل ہونے یا وبا کی وجہ سے عید کی نماز عیدگاہ میں نہ ادا کی جاسکے تو گھر میں یا کسی دوسرے مقام پر عید کی نماز درست ہونے کے لیے امام کے علاوہ تین بالغ مرد مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے۔

نماز عیدین کا بدل:

سوال: جمعہ کی نماز چھوٹ جانے کی وجہ سے ظہر کی نماز پڑھی جاتی ہے، کیا اگر عیدین کی نماز کسی وجہ سے چھوٹ جائے تو اس کا بھی کوئی بدل ہے، اور کیا بدل کا ادا کرنا ضروری ہے؟

عیدین کی نماز واجب ہے، اور اس کا ادا کرنا ضروری ہے، اگر کسی وجہ سے چھوٹ جائے تو اس کی قضا نہیں ہے، اگر عید کی نماز نہ پڑھ سکے اور نماز ملنے کی کوئی صورت نہ ہو تو اس کے بدلے چاشت کی چار رکعت پڑھی جاسکتی ہے، فقہاء نے اس کو اس کا بدل مانا ہے، لیکن یہ چاشت کی چار رکعت پڑھنا نماز عید کی قضا نہیں ہے؛ بلکہ مستحب ہے، عام نماز کی طرح پڑھی جائے گی۔

"فإن عجز صلی أربعا کالضحی." (ردالمحتار: کتاب الصلاۃ، باب العیدین: ۳/ ۵۹)

حضرت مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

کورونا جیسے ماحول میں اگر عیدین کا موقع آئے اور ایسی ہی بندشیں ہوں تو جمعہ کی طرح عیدین کی نماز میں بھی توسع ہوگا اور متعدد جگہوں میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی صورت میں عیدین کی نماز ادا کی جائے گی، اور خطبہ بھی ہوگا جو بعد میں دیا جاتا ہے۔

جمعہ کی صحت کے لیے چار افراد کی شرط ہے، ایک امام، تین مقتدی، عیدین کے لیے بھی معروف قول کے مطابق یہی بات معروف ومذکور ہے۔

بعض حضرات نے بعض تصریحات کی وجہ سے توسع کی بات کی ہے یا چار سے کم میں جواز کی، مگر یہ اکثر حضرات کی رائے نہیں، البتہ اگر کسی جگہ انتظامیہ کی طرف سے یہ بات آجائے کہ بس تین آدمی پڑھیں گے، تو جیسے جمعہ میں ایک قول پر گنجائش کی بات آئی ہے، اسی طرح یہاں بھی اجازت ہے، تاکہ محرومی نہ رہے، بلکہ عیدین کی بابت متعدد حضرات کا فتوی وسعت کا ہے۔ (کورونا کووڈ مسائل واحکام: نماز کے مسائل، ص:۵۲، ط: مکتبہ احسان لکھنؤ)

(۲) مقتدیوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا حکم

ماسک پہن کر نماز ادا کرنے کا حکم

کورونا وائرس وبا کی وجہ سے ماہرینِ صحت احتیاطی تدابیر کے طور پر ماسک پہننے کی ترغیب دیتے ہیں، بلکہ وبا سے متاثر افراد کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں، جس کے تناظر میں ماسک پہن کر نماز اور خصوصاً با جماعت نماز ادا کرنے سے متعلق بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ ماسک پہن کر نماز ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟ تو واضح رہے کہ کسی عذر کے بغیر تو ماسک پہن کر نماز ادا کرنا مکروہ ہے، اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے، البتہ کسی عذر کی وجہ سے ماسک پہن کر نماز ادا کرنا مکروہ نہیں، اس لیے کورونا وائرس وبا سے حفاظت کی خاطر احتیاطی تدابیر کے طور پر ماسک پہن کر تنہا یا جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا جائز ہے۔

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ عام حالات میں بلا عذر ناک اور منہ کسی کپڑے وغیرہ میں لپیٹ کر نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے، البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے نماز میں چہرہ کو ڈھانپا جائے یا ماسک پہنا جائے تو نماز بلا کراہت درست ہوگی، لہٰذا موجودہ وقت میں وائرس سے بچاؤ کی تدبیر کے طور پر احتیاطاً ماسک پہن کر نماز پڑھنے سے نماز بلا کراہت ادا ہو جائے گی۔

کورونا وائرس وبا سے بچاؤ کے لیے احتیاطی تدابیر کے طور پر ماہرینِ صحت مساجد میں لوگوں کے زیادہ اجتماع سے منع کرتے ہوئے گھروں میں نماز کی ادائیگی کی ترغیب دیتے ہیں، اسی بنیاد پر بعض صوبائی حکومتوں نے مساجد میں جمعہ اور جماعت کی نماز میں نمازیوں کی تعداد نہایت ہی محدود کرتے ہوئے یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ صرف چار پانچ افراد ہی مسجد میں جمعہ اور جماعت کی نماز ادا کر سکتے ہیں، باقی حضرات اپنے گھروں میں نماز ادا کریں، اسی طرح بعض علاقوں میں مساجد میں داخلے ہی پر پابندی عائد کر دی گئی تھی، اسی تناظر میں متعدد مساجد میں احتیاطی تدابیر کے طور پر یہ طریقہ کار اپنایا گیا کہ با جماعت نماز میں نمازیوں کے مابین کچھ فاصلہ رکھا جائے؛ تاکہ مسجد میں جماعت کی فضیلت بھی حاصل ہو سکے اور علیحدہ کھڑے ہونے کی صورت میں وائرس پھیلنے کے خدشات کا ممکنہ حد تک ازالہ بھی ہو سکے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا با جماعت نماز میں مقتدیوں کے درمیان فاصلہ رکھنا جائز ہے؟ ذیل میں اس مسئلہ کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

با جماعت نماز میں نمازیوں کے مابین فاصلہ رکھنے کا حکم

احادیث مبارکہ میں با جماعت نماز میں مِل مِل کر کھڑے ہونے کی بڑی تاکید کی گئی ہے کہ نمازی اس طرح کھڑے ہوں کہ ان کے مابین کوئی فاصلہ نہ ہو؛ بلکہ کندھے سے کندھے ملا کر کھڑے ہوں، یہ عام حالات میں سنتِ مؤکدہ ہے، اسی وجہ سے حضرات فقہاء کرام نے نمازیوں کے مابین فاصلے کو سنت کے خلاف اور مکروہ قرار دیا ہے اور اس سے اجتناب کرنے کی واضح تاکید فرمائی ہے۔

عن جابر بن سمرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: ألا تصُفُّون كما تصفُّ الملائِكةُ عند ربِّهم جلَّ وعزَّ؟ قلنا: وكيف تصُفُّ الملائكةُ عند ربهم؟ قال: يُتمُّون الصُّفوف المقدمة، ويتراصُّون في الصفِّ.

اس لیے عام حالات میں تو اسی پر عمل کرنا چاہیے، کہ نمازیوں کے مابین کوئی فاصلہ نہ ہو، البتہ کورونا وائرس وبا کی صورتِ حال میں احتیاطی تدابیر کے طور پر اور قانون کی پاسداری کرتے ہوئے اگر نمازیوں کے مابین کچھ فاصلہ رکھا جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ باجماعت نماز میں مقتدیوں کا درمیان میں فاصلہ نہ رکھنا اور مل مل کر کھڑے ہونا اہم اور تاکیدی سنت ضرور ہے؛ لیکن یہ جماعت کی شرائط میں سے نہیں کہ اس کے بغیر جماعت ہی منعقد نہ ہو، اس لیے کسی معقول عذر کی وجہ سے اس سنت کو ترک کر دیا جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا مسئلے سے متعلق یہ بات بھی واضح رہے کہ مناسب اور بہتر یہی ہے کہ نمازیوں کے مابین فاصلہ زیادہ نہ ہو؛ بلکہ جس قدر کم فاصلہ ہو تو اتنا ہی بہتر ہے؛ تاکہ جماعت کی ہیئت اور صورت نظر آئے کہ دیکھنے میں یہ معلوم ہو کہ یہ سب اکھٹے نماز ادا کر رہے ہیں، کیوں کہ اگر مقتدیوں کے مابین فاصلہ زیادہ ہوگا تو پھر جماعت کی ہیئت وصورت متاثر ہوگی اور دیکھنے میں یوں لگے گا جیسے ہر ایک انفرادی نماز ادا کر رہا ہے، البتہ جہاں قانوناً کچھ زیادہ فاصلہ رکھنے کا حکم ہو تو ایسی صورت میں اس پر عمل کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

(۷) وبا سے متاثر شخص کو مسجد میں آنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ اس بابت علماء کی رائیں مختلف ہیں، اگر عمومی احوال یا وبازدہ لوگ کم ہوں اور مریض نادر ہوں تو ایسی صورت میں ان کو روکا نہ جائے، یہی بہتر ہے۔

اس بابت سیمینار میں علماء عرب نے وبازدہ شخص کو مسجد میں حاضری سے منع کیا ہے، بطور خاص جب کہ لوگوں میں خوف ہو، مرض کے انتشار کا غالب گمان ہو، بلکہ تعداد بھی کم رکھنے کا رجحان ظاہر کیا، جیسا کہ تلخیص میں لکھتے ہیں:

الاتجاه الثاني: منع الجمع والجماعات في المساجد لمن هو مصابون بالمرض، أو يخشون على أنفسهم ولو بالمظنة، وتبقى إقامة الجمع والجماعات واجبا، يقام بالحد الذي يمكن معه عدم تعطيل المساجد، إلا إذا قرر المختصون إن إقامة الجمع والجماعات مظنة انتشار العدوى، فيقيم الجماعة الإمام وعدد قليل منه.

(فتاوى العلماء حول فيروس كورونا: ص:۹،۸، ط: دارالبشير القاهرة)

بلکہ فقہاء از ہر کی رائے کے بموجب مریضوں کو گھر پر ہی نماز کا وجوبی حکم ہوگا۔

ويتعين وجوبا على المرضى وكبار السن البقاء في منازلهم والالتزام بالاجرائات الاحترازية التي تعلن عنها السلطات المختصة في كل دولة، وعدم الخروج لصلوة الجمعة أوالجماعة. (فتاوى العلماء:۱۲)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی صاحبؒ لکھتے ہیں:

جذامی سے جمعہ و جماعت ساقط اور معاف ہے، اسی وجہ سے کہ وہ مسجد میں نہ آوے، پس جذامی کو نہ چاہئے کہ وہ جماعت میں شریک ہو اور جو لوگ جذامی شخص سے علٰیحدہ رہیں اور احتراز کریں ان پر کچھ ملامت نہیں ہے، کہ جذامی سے بھاگنے اور بچنے کا حکم رسول اللہﷺ نے فرمایا ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: کتاب الصلوۃ، باب الجماعت، سوال: ۵۷۷، ص:۵٦، ج:۳، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)

(۸) اس سلسلہ میں اصولی بات یہ ہے کہ ایسے مریض کے بارے میں ماہر ڈاکٹروں کی رائے اصل بنیاد ہے، اور شریعت نے جن وجوہات سے افطار کی رخصت اور روزہ نہ رکھنے کا اختیار دیا ہے، ان میں ایک مرض بھی ہے، لہٰذا کورونا وائرس سے متأثر مریض کے بارے میں اگر ڈاکٹر یہ رائے دیں کہ ان کو روزہ رکھنے کی صورت میں جان یا مرض کے بڑھنے کا خطرہ ہے، تو ایسے مریض کو افطار کی رخصت ہوگی اور مرض سے صحت یاب

ہونے کے بعد قضا ضروری ہوگی، جیسا کہ اللہ پاک فرماتے ہیں:

"فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ." (البقرة: ١٨٤)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

"فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا" مریض سے مراد وہ مریض ہے جس کو روزہ رکھنے سے نا قابل برداشت تکلیف پہنچے، یا مرض بڑھ جانے کا قوی اندیشہ ہو، بعد کی آیت "يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ" میں اس طرف اشارہ موجود ہے، جمہور فقہاء امت کا یہی مسلک ہے۔ (معارف القرآن: البقرہ: ۴۸۱، ص:۱۹، ط: اشرفی بکڈپو، دیوبند)

(۹) اگر عقائد میں بگاڑ کا خطرہ ہے، یا لوگ یہ سمجھیں کہ فضاء مسموم ہے اور مریضوں کی آمد سے وباء پھیل سکتی ہے، تو اس صورت میں لوگوں کو اذیت و تکلیف سے بچانے کے لیے مریض کو روکنے کی گنجائش ہونی چاہئے، اور عام مسلمانوں کو طبی تشخیص کے بعد اجازت ہونی چاہئے، جیسے حضرت عمرؓ نے جذام کی وجہ سے ایک عورت کو طواف سے منع کیا، لیکن تمام لوگوں کو منع نہ کیا۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ وبازدہ علاقہ کا سفر کرنے سے بھی منع کیا ہے، اور وبازدہ علاقہ میں مقیم کو اس جگہ سے راہ فرار اختیار کرنے سے بھی منع کیا ہے، چوں کہ جو شخص جہاں مقیم ہے وہاں بھی وباء ہے، اور جہاں جانا چاہتا ہے وہاں بھی وبا ہے، اس لیے اگر حج وعمرہ سے مقیمین مکہ کو چھوڑ کر دوسروں کو وقتی طور پر روک دیا جائے تو وقتی گنجائش ہو سکتی ہے۔

محورسوم: کورونا کے زمانہ میں مساجد سے متعلق مسائل

(۱) شریعت مطہرہ میں مسجد میں باجماعت نماز نہ پڑھنے کا ایک عذر یہ بھی ہے کہ آدمی ایسی حالت میں ہو جس حالت کے سبب انسانوں کو یا فرشتوں کو اس سے اذیت ہو، اسی وجہ سے جس نے نماز سے پہلے بدبودار چیز کھالی ہو تو اس حالت میں مسجد نہیں جانا چاہئے، بلکہ منہ سے بدبو دور کر کے مسجد میں جانا چاہئے، فقہاء کرام نے ایسے مریض کو بھی اس میں شمار کیا ہے جس سے لوگوں کو طبعی طور پر کراہت و نفرت ہوتی ہو جیسے جذامی، مذکورہ تفصیل کی روشنی میں یقینی طور پر کورونا وائرس کے مریض کو بھی مسجد میں نماز نہ پڑھنے کے سلسلے میں معذور سمجھا جا سکتا ہے، لیکن جو اس مرض میں مبتلا نہ ہو، اس کے لیے یہ حکم نہ ہونا چاہئے، جیسا کہ کفایت المفتی اور فتاوی دار العلوم کے حوالے سے گذرا۔

تاہم جس محلّہ میں کورونا وائرس کی وبا عام نہ ہو تو کورونا وائرس کے ڈر سے جماعت کی نماز ترک کر دینا شرعی عذر نہیں ہے، بلکہ توہم پرستی ہے جو کہ ممنوع ہے۔

اور جس محلّہ میں کورونا وائرس کی وبا عام ہو جائے تو اس محلّہ کے لوگوں کے لیے مسجد میں نماز نہ پڑھنے کی رخصت تو ہوگی، البتہ اس محلے کے چند لوگوں کو پھر بھی مسجد میں باجماعت نمازوں کا اہتمام کرنا ہوگا اور اگر مسجد میں باجماعت نماز پورے محلے والوں نے ترک کر دی تو پورا محلّہ گناہ گار ہوگا؛ کیوں کہ مسجد کو اس کے اعمال سے آباد رکھنا فرض کفایہ ہے، مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ اصحابِ اقتدار کا مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے پر پابندی لگانا مناسب نہیں ہے، اور بغیر شرعی عذر کے مساجد کو بند کر دینے پر نصوص میں سخت وعید وارد ہوئی ہے اور ان کے اس عمل کو "ظلم" قرار دیا گیا ہے، اس لیے کہ باجماعت نمازیں پڑھنا اور بالخصوص جمعہ کی نماز پڑھنا، یہ شعائر اسلام میں سے ہے۔

اگر حکومت کی جانب سے باجماعت نمازوں پر پابندی لگادی جائے، تو ایک طرف یہ کوشش جاری رکھنی چاہئے کہ انہیں اسلامی احکام کے بارے میں آگاہ کریں اور ہر ممکن کوشش کریں کہ وہ پابندی ہٹادیں، اور جب تک پابندی رہے تو خوفِ ظلم کی وجہ سے اور حرج کی نفی کے پیش نظر مسجد کی

نماز چھوٹ جانے کا عذر معتبر ہے، ایسی صورت میں کوشش کرے کہ گھر پر ہی با جماعت نماز کا اہتمام ہو۔

اور حکومت کی طرف سے ۵-۶ افراد کو اجازت رہتی ہے تو اس محدود پیمانہ پر جمعہ اور جماعت کا سلسلہ جاری رکھنا چاہئے، یعنی مساجد کا انتظامی عملہ با جماعت نماز اور خطبۂ جمعہ میں شریک رہے، تاکہ شعائر کی کامل معطّلی کی صورت بھی پیدا نہ ہو اور حکومت کی طرف سے عائد کردہ احتیاطی تدبیر پر بھی عمل ہو جائے۔

(۲) پنج وقتہ نمازوں کے لیے اذان سنت مؤکدہ ہے، اور سنت ہونے کے علاوہ اسے شعار دین ہونے کا درجہ حاصل ہے، چنانچہ اگر کسی شہر کے رہنے والے اجتماعی طور پر اذان دینا چھوڑ دیں، تو امیر المؤمنین ان سے جہاد کریگا، کیوں کہ یہ شعار اس آبادی میں مسلمانوں کے وجود کی پہچان اور علامت ہے، تو جہاد سے ان کو اذان کے لیے مجبور کریں گے۔

اذان کے معنی اعلان کرنے اور اطلاع دینے کے ہیں، فقہ کی اصطلاح میں اذان ان مخصوص کلمات کا نام ہے جن کے ذریعہ فرض نمازوں کی اطلاع دی جاتی ہے، مقصد ہی اطلاع ہے، تو لوگ اپنے گھروں میں وباء یا کسی مرض یا عذر کے سبب نماز پڑھیں تو ان کو نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع کے لیے اذان دینا ضروری ہے اور اذان پر پابندی بھی نہیں ہے، اس لیے جماعت موقوف ہونے کی صورت میں بھی اذان دی جائے گی، جیسا کہ خیر القرون میں بعض مرتبہ کسی عذر کے سبب اذان تو دی گئی، البتہ اذان بعد یہ اعلان بھی ہوا کہ اپنے اپنے گھروں یا کجاووں میں نماز پڑھیں۔

حضرت مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ کہ اگر کہیں کا ماحول تقاضا کرے کہ مائک سے اذان نہ دی جائے تو اس پر اصرار نہ کیا جائے، اسی طرح کسی جگہ کسی وجہ سے تقاضا ہو کہ زیادہ بلند آواز سے اذان نہ دی جائے تو ہلکی آواز سے اذان دی جائے، مگر حتی الامکان اس حکم کی بجا آوری کی جائے اور اذان ترک نہ کی جائے۔

کورونا کی وجہ سے نماز کی نسبت سے جو ہدایات دی گئیں، اس میں حکومت کی طرف سے اذان سے منع نہیں کیا گیا، ایسی صورت میں اپنی طرف سے اذان کا ترک کرنا یا مائک بند کرنا مناسب نہیں ہے، البتہ اگر کسی جگہ حکومت یا مقامی انتظامیہ اذان سے بھی منع کرے تو خود کو قانون کی گرفت سے بچانے کے لیے ہلکی آواز سے اذان دینے پر اکتفاء کی جائے۔ (کورونا کووڈ-۱۹، مسائل و احکام: ص: ۳۰، ط: مکتبہ احسان لکھنؤ)

مرض اور خوف بھی ایک عذر ہے، وبائی صورت حال میں یہ خطرہ بھی رہتا ہے کہ فضا مسموم ہو اور لوگ اس کی زد میں آجائیں، ایسی صورت میں جماعت میں حاضر نہ ہونے کی گنجائش ہوگی۔

رہا سوال جماعت میں کتنے افراد شامل ہوں؟ تو بعض جگہ حکومت یا مقامی انتظامیہ نے مسجد میں نماز ہی سے روک لگا دی ہو، یہ ممکن ہے، اور بعض جگہ ۴-۵ آدمیوں کی حد تک اجازت دی، اور جماعت کی شرط یہ ہے کہ کم سے کم دو نمازی ہوں، کیوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إذا حضرت الصلوة، فـأذّنـا وأقيمـا، ثـم ليـؤم كـما أكبر كما. (صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب اثنان فما فوقهما جماعة، ص: ٨٣، رقم: ٦٥٨، ط: دارابن حزم القاهرة)

چوں کہ بقیہ افراد بھی مسجد کی جماعت میں شرکت کا ارادہ رکھتے ہیں، لیکن حکومتی پابندی کے سبب شریک نہیں ہو سکتے، تو ان کو بھی ترک سنت کا وبال نہ ہوگا؛ بلکہ جماعت میں شرکت کا ثواب مل جائے گا، جیسا کہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

إذا انقطع عن الجماعة لعذر من أعذارها، و كانت نيته حضورها لو لا العذر، يحصل له ثوابها. (كتاب الصلوة، باب الامامة، ج: ٢، ص: ٢٩١، ط: زكريا بكڈپو ديوبند)

بلکہ جماعت میں شرکت کی صورت میں اپنی عزت وآبرو کا خطرہ ہے، جیسا کہ کئی جگہوں پر مسجد سے نکلتے مصلیوں پر ظلم وزیادتی ہوئی، یا مال

کا خطرہ ہے کہ مقامی پولیس افسران سزا کے نام پر پیسے وصول کرتے ہیں، تو ایسے خطرات کی صورت میں جماعت میں شریک نہ ہونے کی اجازت ہوگی، جیسا کہ طحطاوی میں مذکور ہے:

وخوف ظالم أی علی نفسه أو ماله أو خوف ضیاع ماله، لو اشتغل بالصلوة جماعة.(طحطاوی علی المراقی:ص:١٦٢)

مختصر یہ کہ حکومت کی جو ہدایات شریعت کے مطابق ہے، اس پر تو عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور جو شریعت کے مطابق نہیں ہے، مگر مجبوری اور عذر کی وجہ سے عمل کرنا پڑتا ہے اور اس صورت میں نقصان کم ہے تو اس پر عمل کرنا احوط ہے۔

(۴) مسجدیں عبادت، ذکر اللہ، تلاوت کے لیے ہے۔

مساجد کو کووڈ سینٹر بنانے میں بہت سی خرابیاں ہیں، جیسے اس پاک جگہ میں غیر مسلم بھی زیر علاج ہوں گے اور مسجدوں میں غیر اللہ کا ورد بھی کریں گے، چاہے عبادت سمجھ کر کریں یا شکایت کے طور پر ہو، حالانکہ اس سے منع کیا ہے، اللہ پاک فرماتے ہیں:

"وَ أَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ أَحَداً." (سورة الجن)

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

قال مجاهد: کانت الیهود والنصاری إذا دخلوا کنا ئسهم وبیعهم أشرکوا بالله، فأمر الله نبیه والمؤمنین أن یخلصوا لله الدعوة إذا دخلوا المساجد کلها..... ولا یجعلوا لغیر الله فیها نصیبا. (٢١/٣٠٠)

دوسری خرابی یہ ہے کہ اس میں کچھ ایسی عورتیں بھی آمد ورفت رکھے گی جنہیں حیض ہو، اسی طرح کچھ ایسے غیر مسلم مرد بھی آئیں گے جو جنابت کی حالت میں ہو، اور وہ طہارت کا اہتمام بھی نہیں رکھتے، جب کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

فإنی لا أحل المسجد لحائض ولا جنب .(سنن أبی داود: کتاب الطهارة، باب فی الجنب یدخل المسجد، رقم: ٢٣٢، ص: ٦٠، ج: ١، ط: داراحیاء الترالعربی)

اسی لیے احناف جنابت اور حیض ونفاس کی حالت میں مسجد میں داخلہ سے مطلقاً منع کرتے ہیں، اور عدم جواز کے قائل ہیں، چاہے مسجد میں ٹھہرنے کی غرض ہو یا مقصد صرف گزرگاہ اور عبور ہو۔

نیز اس میں بچوں کی بھی آمد ورفت ہوگی جنہیں نجاست وطہارت کا شعور نہیں ہوتا، اور شور وشغب اور کھیل کود ان کی فطرت ہوتی ہے، اسی طرح یہ مسجد کے بجائے کووڈ سینٹر ہوگا تو یہ غفلت کا مقام بنے گا، اس لیے متعدد خرابیوں کے پیش نظر کووڈ سینٹر بنانا ناجائز ہونا چاہئے، اس کے بجائے کمیونٹی ہال یا کوئی خالی مکان ہو، اور صاحب مکان اجازت دے تو ایسی جگہوں کو استعمال میں لائیں، یہ بہتر ہے، یا اسکول میں تعلیم بند ہو تو اجازت کے بعد اس میں بھی وقتی طور پر قائم ہوسکتا ہے، مختصر یہ کہ مساجد میں سینٹر قائم کرنے کے بجائے کوئی متبادل جگہ تلاش کرنی چاہئے۔

محور چہارم: کورونا سے متأثر مریض کی تیمارداری

(۱) اس وقت عالمی سطح پر کورونا وائرس کی دہشت ہے، ڈاکٹروں کی تحقیق یہ ہے کہ یہ متعدی بیماری ہے اور اس کی کچھ علامات ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیماری دوسروں میں منتقل ہوتی ہے، اور یہ مسئلہ اسلامی شریعت کے خلاف بھی نہیں ہے، کیوں کہ احادیث اس باب میں دونوں طرح کی ہیں: بعض تعدیہ کی نفی کرتی ہیں، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ امراض میں متعدی ہونے کی صلاحیت ہے، اور ہمارے عہد میں بہت سے امراض کا متعدی ہونا نظر وخیال سے بڑھ کر مشاہدہ بن چکا ہے اور خدا اور رسول ﷺ کا کلام واقعہ ومشاہدہ کے خلاف نہیں ہوسکتا، اس لیے صحیح یہی

ہے کہ بعض امراض جراثیم کے ذریعہ متعدی ہوتے ہیں، البتہ یہ من جملہ اسباب کے ہیں، نہ بیماری کا پیدا ہونا کسی بیمار سے میل جول پر موقوف ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ بیمار شخص سے میل جول لازماً بیماری کو لے آئے، ان اسباب سے متاثر ہونا اور نہ ہونا بہر حال مشیت خداوندی اور قدر الٰہی کے تابع ہے۔

آج کی دنیا اس مرض سے سب سے زیادہ ڈری اور سہمی ہوئی ہے، اور معالجین اس کے اسباب وعلل پر غور وخوض کرتے ہوئے اس کے تدارک اور انسداد پر اپنی توانائیاں اور صلاحیتیں صرف کر رہے ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ اب تک دنیا بھر کے معالجین نت نئے انکشافات، ایجادات اور طبی تحقیقات کے اس دور میں اس ''زہر'' کا کوئی تریاق دریافت نہیں کر سکے اور اس وقت حال یہ ہے کہ ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی''۔

خوف سب سے بڑا وائرس ہے

وائرس سے بچنے کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے، شریعت نے اس کی ہدایت دی ہے، تاہم اس سے خوف اور دہشت میں آنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ خوف ودہشت سے بڑا کوئی وائرس نہیں ہے، بہت سے لوگ جو اس بیماری میں مبتلا نہیں ہیں، لیکن خوف نے اس پر اس قدر دبیز چادر تان لی ہے کہ وہ کرونا سے زائد مہلک بیماری میں مبتلا ہو سکتے ہیں، اس لیے خوف وہراس سے بڑا کوئی مہلک مرض نہیں ہے، مسلمانوں کے پاس عقیدہ کی اتنی مضبوط طاقت ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے پاس آنے والے خوف کو ختم کر سکتے ہیں، ایک مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ موت کا ایک وقت متعین ہے، جس سے پہلے کسی کی موت نہیں ہو سکتی ہے اور اگر موت کا وقت آ جائے تو کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت واضح انداز میں بیان کیا ہے:"إذا جاء أجلهم لا يستأخرون ساعة ولا يستقدمون." (سورہ نحل:۱۲) جب موت کا وقت آجاتا ہے تو ایک سکنڈ کے لیے آگے پیچھے نہیں ہوتا ہے۔

لہٰذا اپنے اوپر اتنا زیادہ خوف مسلط نہیں کر لینا چاہئے کہ انسان اپنے اہل وعیال میں جو اس بیماری میں مبتلاء ہیں ان کی تیمارداری سے بھی اپنا دامن بچانے لگے، اس لیے کہ متعدی امراض کے مریض کے بھی حقوق ہوتے ہیں، جن میں کوتاہی کرنا ان پر ظلم کرنا ہے، احادیث پاک میں عام مریضوں کے جو حقوق اور ان کی خدمت کے جو فضائل وارد ہوئے ہیں وہ سب، بلکہ اس سے بھی زائد یہاں ہوں گے اور ان کی خدمت بڑے اجر وثواب کا باعث ہوگی، حضور ﷺ کا فرمان ہے:''عودوا المریض''(البخاری: رقم الحدیث: ۵۶۴۹، باب وجوب عیادۃ المریض، وریاض الصالحین: باب عیادۃ المریض، رقم: ۹۰۲) مریضوں کی عیادت کرو، اس کے تحت علامہ عینی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے فرمان ''عودوا المریض'' کے عموم سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ ہر قسم کے مرض کے مریض کی عیادت کرنا مشروع ہے، اور فرماتے ہیں:''ظاہر حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ عیادت کرنا واجب ہو اور اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ امر استحبابی ہو، لیکن بعض قریبی لوگوں کے حق میں تاکیدی اور وجوبی ہو۔

واستدل بعموم قوله وعودوا المريض على مشروعية العيادة في كل مرض.(عمدة القاري: ۲۱/۲۱۳، ط: دار الفكر، بيروت)

اہل خانہ ودیگر متعلقین کی ذمہ داری

ماقبل میں جو حکم بیان کیا گیا یہ تو عام لوگوں سے متعلق ہے، باقی علامہ عینی کی صراحت کے مطابق خاص لوگوں کے لیے یہ حکم تاکیدی ہے، خصوصیت سے ایسے مریضوں کی نگہداشت، دیکھ ریکھ اور ہر نوع کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے، مثلاً عورت پر لازم ہے کہ جب تک وہ ایسے مریض کی زوجیت وماتحتی میں ہے اپنے شوہر کی دیکھ بھال کرے، اسی طرح اس کے برعکس، اور والدین بیمار ہوں تو اوّل اد پر ان کی تیمارداری ضروری ہے، اسی طرح اس کا برعکس، فرمان نبوی ﷺ: "كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته" بھی اس کی مؤید ہے۔(صحیح البخاری: رقم الحدیث: ۷۰۴۲)الغرض متعدی امراض کے مریضوں سے اس طرح اجتناب کرنا کہ وہ مشقت میں پڑ جائیں درست نہیں۔

امام ابو حامد الغزالیؒ ''احیاء العلوم'' میں تحریر فرماتے ہیں: طاعون زدہ شہر سے صحت مند لوگوں کے بھاگنے کو جو آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، اس کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اس سے مریضوں کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی باقی نہ رہ پائے گا۔

(أحياء علوم الدين: ٤/ ٢٩١، بيان الرد على من قال: ترك التداوى افضل بكل حال، ط: دارالمعرفة، بيروت)

(۲) کورونا وائرس کی وجہ سے اس وقت پوری دنیا میں لاک ڈاؤن کی صورت حال ہے، ملکی معیشت تباہ ہو کر رہ گئی، لوگ گھروں میں محصور ہو کر رہ گئے ہیں، ان میں ایک کثیر تعداد ان لوگوں کی ہے جو غریب فقیر ہیں، روزانہ مزدوری کر کے اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالتے ہیں، لاک ڈاؤن کی انتہائی سنگین اور دلخراش صورت حال میں آج ہمیں وحدت، ایثار و یک جہتی کا ثبوت دینا ہے، لہٰذا کرونا سے متاثر مریض کے علاج کا خرچ اگر والدین اور افراد خاندان برداشت نہ کر سکیں تو اس کی ذمہ داری حکومت وقت اور بیت المال پر عائد ہوتی ہے۔

الإمام راعٍ ومسئول عن رعيته. (صحيح بخارى: باب العبد راع فى مال سيده ولا يعمل الا بإذنه، رقم الحديث: ٢٤٠٩)

فَالْأَمِيرُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ. (صحيح مسلم: باب فضيلة الامام العادل، رقم الحديث: ١٨٢٩)

لہٰذا اس نوع کے مریضوں کی خاص ذمہ داری حکام پر بھی عائد ہوتی ہے، اور حکومت کی جانب سے انتظام نہ ہونے کی صورت میں وہی ذمہ داری مجموعی حیثیت سے سماج اور عام لوگوں پر عائد ہوتی ہے، جیسا کہ لاوارث میت کی تجہیز و تکفین اور علم دین کی نشر و اشاعت، حفظ و بقاء، علماء، قضاۃ و مفتیان کرام کے وظیفے اور اس نوع کے اخراجات کی ذمہ داری حکام پر عائد ہوتی ہے؛ لیکن اگر حکام اس میں کوتاہی کریں یا اس کی کوئی صورت اور خاطر خواہ انتظام نہ ہوتا ہو، ایسی حالت میں وہ ذمہ داری مجموعی حیثیت سے پوری قوم اور سماج پر عائد ہو جاتی ہے۔

لہٰذا اگر کسی شخص کو کورونا یا دیگر کسی متعدی امراض کا عارضہ لاحق ہو جائے تو اہل خاندان، احباب اور سماج کے لوگ اسے تنہا اور بے سہارا نہ چھوڑیں، بلکہ اس کی مدافعت اور دوا کا انتظام کریں اور اس کے ساتھ نرمی اور حسن معاملگی کا برتاؤ کریں۔

صاحب خیر حضرات کو اپنی اپنی حدود میں استطاعت کے مطابق مستحقین کی مدد کرنی چاہیے، یہ وقت ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر رحم کرنے کا، جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر رحم کرے گا اللہ اس پر رحم فرمائے گا۔

لہٰذا اس موقع پر ایثار و قربانی کا ایسا مظاہرہ ہونا چاہیے کہ کوئی فرد کسی گھر میں بھوکا نہ رہے، اور ادویات نہ ہونے کے باعث کسی کی ہلاکت نہ ہو، اسلام کے فلسفہ سماجی بہبود کا اساسی مقصد معاشرے کے غریبوں، ناداروں، معذوروں، یتیموں اور بے کسوں کا دھیان اور ان کی مدد ہے، اور اس مقصد کے حصول کے لیے معاشرے میں دولت و ضرورت کے مابین توازن پیدا کرنا ضروری ہے۔

محور پنجم: کورونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

(۱) مسلمان انتقال کر جائے تو اس کو غسل اور کفن دینا، اس کی صلوۃ جنازہ پڑھنا اور تدفین مسلمانوں پر میت کے حقوق میں سے ہے، کیوں کہ انسان حیات میں بھی قابل عظمت و احترام ہے، تو مرنے کے بعد بھی شریعت نے اس کی تعظیم و تکریم کے طور پر یہ حقوق لازم فرمائے، اور فقہاء نے اس کو فرض کفایہ کہا۔

مختصراً یہ کہ موت اور اس کے بعد کے احکام فقہاء نے بالتفصیل بیان فرمائے، البتہ کورونا وبائی مرض میں لوگوں کے جو حالات ہیں، اور حکومت و شعبۂ صحت کے احکامات و ہدایات کی روشنی میں حکومت کے شعبۂ صحت کی طرف سے پابندیاں عائد کر دی جائے یا اور کوئی عذر پیش آ جائے تو اس وقت غسل و کفن کا کیا حکم ہوگا؟ کیا اس حکم میں کوئی تبدیلی ہوگی؟

اگر اسپتال کا عملہ یا حکومتی افسران کی طرف سے کچھ نرمی برتی جائے، سختی نہ ہو، ایسی صورت میں اگر احتیاطی تدابیر کے ساتھ غسل اور تجہیز وتکفین ہوسکتی ہو تو اس کی ادائیگی واجب ہوگی، جیسا کہ حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں:

سوال: ہمارے یہاں ایک آدمی کا انتقال ہوا اور وہ ایڈز کا مریض تھا، اسپتال والوں نے اس کو سل پیک کردیا پلاسٹک سے، اور ان کا قاعدہ یہ ہے کہ جب تک میت دفن نہیں ہوتی اس کو کھولنے نہیں دیتے، تو اس صورت میں میت کے غسل کے لیے کیا کریں؟ کیا بغیر غسل دفن کرسکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیًا و مسلماً:

میت پلاسٹک میں سل پیک ہے تو غسل کا پانی اس کے جسم کو نہیں لگے گا اور غسل درست نہ ہوگا، ان کو بتلایا جائے کہ شریعت اسلامی میں میت کو غسل دینا زندوں پر فرض ہے، اس لیے ہم اس کو غسل دے دیں، اس کے بعد آپ اس کو پیک کردیں؛ تاکہ ہم اور آپ دونوں اپنی ذمہ داری پوری کرسکیں، ان کے پیک کرنے کے بعد کفن پہنا کر دفنایا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔ (محمود الفتاوی: کتاب الصلوۃ، باب احکام الجنائز، ص: ۹۳۲، ج: ۵، ط: مکتبۂ محمودیہ، ڈابھیل)

(۲) اگر میت پلاسٹک کور میں لپیٹ کر حوالے کیا گیا اور کھولنے سے منع کیا گیا، اور اس کو غسل دینا اور کفن دینا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں پلاسٹک ہی کو کفن تصور کرتے ہوئے بلا غسل وتیمّم جنازہ کی نماز پڑھ کر اس کو دفن کیا جائے، ایسی صورت میں مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق میت کے حقوق بجالانے کا پابند ہونا چاہئے، جیسے قرآن مجید میں تکلیف شرعی کو استطاعت سے مقید کرتے ہوئے فرمایا: "لا یکلف اللّٰہ نفسا إلا وسعھا." (البقرۃ: ۲۸۶) اور دوسری جگہ وسعت وقدرت سے زائد کی تکلیف نہ دیئے جانے کا تذکرہ فرمایا: "لا یکلف اللّٰہ نفسا إلا ما اتاھا." (الطلاق: ۷)

حضرت مولانا عبیداللہ اسعدی صاحب دامت برکاتہم رقمطراز ہیں:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جہاں کا معاملہ و مریض و میت ہو، وہاں کے طبی عملہ کی ہدایات کا پورا لحاظ کیا جائے، اگر ہسپتال والے میت کی لاش کو بغیر کسی کور وغیرہ کے دیں اور کہیں کہ متعلقین لے جا کر اپنے معمولات کے مطابق کفن دفن کریں، تو ایسی صورت میں غسل دیا جاسکتا ہے، مگر احتیاط کے ساتھ، اور بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غسل نہ دے کر تیمّم پر اکتفاء کی جائے، اس لیے کہ غسل کی صورت میں میت کے بدن کو زیادہ ہاتھ لگے گا، اور زیادہ دیر اس کے پاس رہنا ہوگا۔

اور اگر اسپتال والے لاش کو پیک کر کے محض دفن کرنے کے لیے دیں تو پھر غسل وتیمم دونوں ہی ناممکن ہے کہ بدن کو ہاتھ نہیں لگایا جاسکے گا، تو غسل یا تیمّم کیسے ہوگا؟ لہٰذا دونوں ساقط ہوں گے، جیسے اس صورت میں ہوگا جب کہ طبی عملہ ہی براہ راست میت کی تدفین کردے، اور متعلقین کو نہ لاش دے اور نہ معاملہ ان کے سپرد کرے۔

کتب فقہ میں ایسے مسائل موجود ہیں جن میں غسل کے بغیر تدفین کی بات آئی ہے، شہید جنگ کا حکم و معاملہ معروف ہے کہ اس کو غسل نہیں دیا جاتا، البتہ کفن دیا جاتا ہے، اور نماز پڑھی جاتی ہے۔ (کورونا مسائل واحکام: باب موت اور اس کے احکام، ص: ۱۰۵، ط: مکتبہ احسان لکھنؤ)

(۳) ہر ایک کی موت کا ایک وقت مقرر ہے، اور ہر جاندار کو اس طے شدہ وقت میں موت آتی ہے، بعض مرتبہ اس موت کے اسباب امراض ہوتے ہیں، اور آج کل بہت سے لوگ عمومی وباء یعنی ''کورونا'' مرض کے سبب انتقال کر گئے اور اس مرض میں ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق تعدیہ ہے، اور حکومت کی طرف سے اس مرض کا حامل شخص، زندہ ہو یا مردہ، اس کے بارے میں حکومت کے شعبۂ صحت کی طرف سے کچھ شرائط اور پابندیاں ہوتی ہے، ایسے میں مسلمانوں کے لیے دیگر عبادات کی طرح تجہیز وتکفین کے بارے میں بھی کچھ سوالات پیدا ہوجاتے ہیں، اور اس کا حل اور عوام الناس کی رہنمائی ضروری ہوجاتی ہے، تجہیز وتکفین اور صلوۃ جنازہ کے بارے میں بھی کچھ سوالات سامنے آئے، اس کا جواب درج ذیل ہے۔

(الف) اگر کورونا میں فوت شدہ شخص کی قبر وقبرستان کا علم ہو جائے، یا ہسپتال کے ملازمین گائیڈ لائن کے مطابق میت حوالے کر دیں، لیکن تدفین کے علاوہ کوئی موقع نہ دے تو ایسی صورت میں جب تک میت کے تفسخ کا ظن غالب نہ ہو جائے، اس وقت تک قبر پر صلوۃ جنازہ پڑھی جا سکتی ہے، چاہے گائیڈ لائن کے مطابق بے غسل وکفن تدفین عمل میں آئی ہو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کو مسجد کی صفائی کرنے والے کسی مرد یا عورت کی موت کا علم نہ ہوا، ایک دن آپ نے علم ہونے پر اس کی قبر پر صلوۃ جنازہ پڑھی۔

تاہم احناف کے یہاں قبر پر نماز کے بارے میں شرط یہ ہے کہ قبر پر اس وقت تک نماز پڑھی جا سکتی ہے، جب تک میت کے تفسخ کا ظن غالب نہ ہو، یہ تفسخ کتنے دنوں میں ہو سکتا ہے؟ اس بابت ہمارے فقہاء کی ایک رائے یہ ہے کہ اس کی تحدید تین دن ہے، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے، اور دوسری رائے یہ ہے کہ اس کی کوئی تحدید نہیں کی جا سکتی، اس لیے کہ تفسخ کا تعلق موسم کے اختلاف، جگہ کے مختلف ہونے اور مردہ کی لاغری وموٹاپن سے ہے، اس لیے غالب گمان یہ ہو کہ تفسخ نہ ہوا ہوگا وہاں تک نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

(۴) اوّلاً ملی تنظیمیں اور باا ثر ورسوخ حضرات کی طرف سے یہ کوششیں ہونی چاہئے کہ مذکور میت کی کم سے کم تدفین کی ہی اجازت مل جائے؛ تا کہ قبر پر اسی دن یا دوسرے دن صلوۃ جنازہ پڑھی جا سکے، اس کے باوجود بھی اگر اجازت نہ ملے، تو اب یہ قدرت واستطاعت سے خارج ہے، صلاۃ جنازہ کے لیے میت کا امام کے سامنے ہونا ضروری ہے، علامہ حصکفیؒ صلوۃ جنازہ کی شرائط ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وشرطها ايضا حضوره (ووضعه) وكونه هو أو أكثره (إمام المصلى).

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

(حضوره) أى كله أو أكثره، كالنصف مع الرأس. (رد المحتار مع الدر المختار: كتاب الصلوة، باب الجنائز، ص:۴۰۱، ج:۳، ط: زکریا بکڈپو، دیوبند)

حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں نجاشی کی صلوۃ جنازہ کا ذکر زیادہ ملتا ہے، جو ان کی خصوصیت ہے، جب کہ بہت سے صحابہ دور دراز علاقوں میں شہید ہوئے، حضور ﷺ کو اطلاع بھی موصول ہوئی، اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز نہ پڑھی، جیسا کہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

من جملة ذلك أنه توفى خلق كثير من أصحابه ﷺ، من أعزّهم عليه القراء، ولم ينقل عنه انه صلى عليهم مع حرصه على ذلك، حتى قال: لا يموتن احد منكم الا آذنتمونى به، فإن صلوتى عليه رحمة له. (رد المحتار: كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، ص:۵۰۱، ج:۳، زکریا بکڈپو، دیوبند)

ہاں اگر یہ مان لیں کہ مسلمان کی صلوۃ جنازہ مسلمانوں پر ایک حق ہے، اور نجاشی اہل کتاب اور مشرکین کے درمیان آباد تھے، وہاں ان کی صلوۃ جنازہ پڑھنے والا کوئی مؤمن نہیں تھا، اس لیے نبی ﷺ نے غائبانہ صلوۃ جنازہ پڑھی، جیسا کہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اور امام خطابی کی رائے یہی ہے۔

اس تفصیل کے پیش نظر حکومت کی پابندی کے سبب ہسپتال کا عملہ میت حوالے نہ کرے، اور اس عملہ میں کوئی مسلمان بھی نہ ہو جس نے اس کی صلوۃ جنازہ پڑھی ہو، اور قبر وقبرستان کے بارے میں بھی کوئی خبر واطلاع موصول نہ ہوئی ہو تو اس کی غائبانہ صلوۃ جنازہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، جب کہ نجاشی کی صلوۃ جنازہ کے بارے میں علامہ ابن تیمیہ اور امام خطابی کی رائے کو ترجیح دی جائے۔

لیکن احناف کے یہاں راجح یہی ہے کہ جہاں میت پر صلوۃ جنازہ پڑھنا ممکن نہ ہو، تو مکلفین سے فریضہ ساقط ہو جائے گا، وہ معذور سمجھے جائیں گے، اور غائبانہ نماز نہ پڑھی جائے گی، جیسا کہ حضرت مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب دامت برکاتہم کی تحریر کردہ عبارت گزر چکی، اسی طرح صلوۃ جنازہ کے لیے فقہ حنفی میں جو شرطیں مذکور ہے وہ متعدد حوالوں سے گزر چکی۔

(۵) شہادت کی دو قسمیں ہیں: شہادت حقیقی اور دوسری شہادت حکمی۔

شہادت حقیقی اس کو کہتے ہیں کہ کوئی مسلمان اللہ کے راستے میں اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جاں بحق ہو جائے یا ظلما اس طور پر قتل کر دیا جائے کہ اس کے قتل کے بدلے اصلا قصاص واجب ہو، اس کو نہ تو غسل دیا جاتا ہے اور نہ ہی کفن، بلکہ ان ہی کپڑوں میں اس کی صلوۃ جنازہ پڑھ کر اس کو دفن کر دیا جاتا ہے، جو اس نے پہنے ہوتے ہوں۔

شہید کی دوسری قسم شہید حکمی ہے، جس کو شہید اخروی بھی کہتے ہیں، یعنی ثواب اور اخروی اعتبار سے وہ شہید کہلائے گا، یہ وہ شخص ہے جو کسی تکلیف دہ بیماری کی حالت میں مر جائے، حدیث میں بعض بیماریوں، غریق وغیرہ کو شہید کہا ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

حدیث میں پانچ کا حصر مقصود نہیں ہے، اس لیے کہ دوسری احادیث میں اور بھی شہداء ذکر کئے ہیں، علامہ ابن حجر نے ان کی تعداد ۲۰ تک شمار کی ہے اور علامہ سیوطی نے یہ تعداد ۳۰ تک پہنچائی ہے۔

کورونا مرض بھی حدیثوں میں مذکور اقسام اور فقہاء کی جمع کردہ قسموں میں سے بعض کے حکم میں آتا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

کورونا کا مرض چوں کہ ایک وبائی مرض ہے، اس لیے طاعون کی وبا کی طرح اس سے وفات پانے والا شخص بھی شہید حکمی ہونا چاہئے، اور تجہیز و تکفین اور صلوۃ جنازہ میں اس کے ساتھ عام میت جیسا معاملہ کیا جائے۔

جس طرح پیٹ کی بیماری سے مرنے والا شہید کہلاتا ہے، اسی طرح کورونا مرض میں مبتلا بعض اشخاص جگر اور گردوں کے متأثر ہونے سے فوت ہو جاتے ہیں، اس لیے ایسا شخص بھی پیٹ کے مرض سے فوت ہونے والوں میں شامل ہو کر شہید کہلانے کا مستحق ہونا چاہئے۔

محور ششم: کورونا ویکسین سے متعلق مسائل

(۱) اس وقت کورونا وائرس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہے اور اطباؤ ڈاکٹر اس سے بچاؤ کے لیے مختلف تجاویز دے رہے ہیں، ان میں ایک تجویز ہینڈ سینیٹائزر (Hand Sanitizer) کے استعمال کی بھی ہے، اس کا شرعی حکم بیان کرنے سے پہلے اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ہر قسم کی الکوحل (Alcohol) - جو نشہ دے - حرام اور نجس (ناپاک) ہے؟ یا جو الکوحل (Alcohol) انگور اور کھجور سے بنائی گئی ہو وہ حرام اور ناپاک ہے؟

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:

"الخمر من هاتين الشجرتين: النخلة والعنبة" . (صحيح مسلم: كتاب الأشربة، باب بيان أن جميع ما ينبذ مما يتخذ من النخل والعنب يسمى خمرا ، رقم الحديث: ٥٨٩١ ط: دار احياء التراث العربى، بيروت)

اگر الکوحل (Alcohol) انگور اور کھجور سے نہیں بنائی گئی ہے تو پھر فقہاء کی مختلف آراء ہیں، چنانچہ مذکورہ حدیث کو بنیاد بنا کر امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ ایسے الکوحل (Alcohol) کو دوائی وغیرہ میں استعمال کر سکتے ہیں، جب تک کہ وہ نشہ کی حد کو نہ پہنچے۔

دوسرے فقہاء (شوافع، مالکی، حنبلی اور امام محمدؒ وغیرہ) کی رائے میں خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر، نشہ کی حد کو پہنچے یا نہیں؛ بہر حال ممنوع ہے، ان کا مستدل درج ذیل دو احادیث ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

"كل مسكر خمر، و كل مسكر حرام، و من مات وهو يشرب الخمر يدمنها لم يشربها فى الآخرة" . (سنن أبى داؤد: كتاب الأشربة، باب ما جاء فى السكر، رقم الحديث: ٣٦٧٩)

ترجمہ: "ہر نشہ آور چیز خمر (شراب) ہے اور ہر نشہ آور حرام ہے اور جو شخص اس حالت پر مر گیا کہ وہ شراب پیتا تھا تو وہ آخرت میں نہیں پیئے گا۔"

ان فقہاء کا نظریہ یہ ہے کہ جب ہر نشہ والی چیز کو حرام قرار دے دیا گیا ہے تو پھر خواہ اس کی مقدار کم ہو وہ حرام ہے۔
تفصیل کے لئے: "بحوث فی قضايا فقهية معاصرة" اور "تكملة فتح الملهم" وغیرہ دیکھیں۔

بہر حال اس بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فقہاء کے درمیان الکوحل سے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے، لہذا اس دور میں الکوحل کے کثیر استعمال کی وجہ سے ایسی کریمز (Creams)، شاور جیلز (Shower gells)، سیمپو (Shampo)، ہینڈ سینیٹائزر (Hand Sanitizer) اور پرفیومز (Perfumes) وغیرہ استعمال کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، جن میں ایسا الکوحل (Alcohol) استعمال ہوا ہو جو انگور، منقاء، اور کھجور کے علاوہ دوسری اشیاء سے بنایا گیا ہو، تحقیق بھی یہی ہے کہ آج کل اکثر و بیشتر مذکورہ پروڈکٹ (Product) انگور اور کھجور کے علاوہ دوسری اشیاء سے بنائی جاتی ہیں اور اس قسم کی الکوحل پینے کے لیے حرام اور خارجی استعمال کے لیے پاک ہوگی، بالفاظ دیگر امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو اس قسم کی الکوحل کے خارجی استعمال کے لیے لیا گیا ہے نہ کہ اس کو پینے کے لئے، لہذا ہینڈ سینیٹائزر (Hand Sanitizer) کا استعمال درست ہونا چاہئے۔

البتہ جس سینیٹائزر کے بارے میں یہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ اس میں جو الکوحل استعمال کیا گیا ہے وہ انگور، کھجور یا کشمش سے حاصل کیا گیا ہے تو ایسی صورت میں وہ ناپاک ہے اور اس کا استعمال ناجائز ہونا چاہئے، نماز کے لیے اس کو دھونا اور پاک کرنا ضروری ہونا چاہئے۔

(۲) ہوا اور پانی کے بعد جیسے غذا انسان کے لیے سب سے بڑی ضرورت ہے، اسی طرح غذا کے بعد شاید دوا سے بڑھ کر کوئی انسانی ضرورت نہ ہو، بچہ ہو، جوان ہو یا بوڑھا، مرد ہو یا عورت، مالدار ہو یا غریب اور طاقت ور ہو یا کمزور، مرض کی گرفت سے کوئی باہر نہیں، بیماری انسان کو اس کے عجز و ناچاری کی یاد دلاتی ہے، اور رب قدیر کی طرف اس کو متوجہ کرتی ہے کہ وہی خدا ہے، جس کے حکم سے بیماری بھی آتی ہے، اور وہی صحت و شفاء بھی عطا فرماتا ہے: "وإذا مرضت فهو يشفين". (سورۃ شعراء:۸۰)

اسلام مرض کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان تصور کرتا ہے اور اسی لیے مریض کے تئیں ہمدردی کا رویہ رکھتا ہے، اسلام کا تصور یہ ہے کہ انسان کے پاس اس کا جسم اللہ کی امانت ہے، اور اس کی حفاظت و صیانت ہر انسان کا شرعی فریضہ ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے علاج کی حوصلہ افزائی فرمائی، اور خود انبیاء کرام نے علاج کا راستہ اختیار کیا، اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ علاج توکل اور ورع و تقوی کے خلاف نہیں ہے، آپ ﷺ نے اس حقیقت کی طرف بھی متوجہ فرمایا کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں انسان کی دوسری ضروریات کا سروسامان کیا ہے، اسی طرح کوئی بیماری نہیں جس کی دوا پیدا نہ کی ہو۔

اور یہ بات بھی ذہن نشین رکھنے کی ہے کہ علاج ایک تدبیر ہے اور تدبیر کوئی بھی ہو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی سے نتیجہ خیز ہوتی ہے، اس لیے علاج (دوا، ٹیکہ نیز دیگر احتیاطی تدابیر) سے گریز درست نہیں ہے، اس لیے کہ بیماری اور شفاء دونوں اللہ کی طرف سے ہیں، اگر فکر آخرت کے ساتھ انسان ان کا سامنا کرے تو دونوں ہی اللہ کی نعمتیں ہیں، ایک صاحب ایمان بیماری پر صبر کرتا ہے اور صبر بہت ہی اہم عمل ہے، یہاں تک کہ قرآن مجید نے کہا ہے: ''اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے'' (بقرہ:۱۵۳) مؤمن نے بیماری کا علاج کرایا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت پر عمل کیا، اور کوئی بھی عمل اتباعِ سنت کی نیت سے کیا جائے تو باعث اجر ہے، اگر اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرما دیں تو بندہ اپنے مالک کا شکر ادا کرے اور شکر بھی صبر کے ہم پلہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص روزہ رکھے اور بھوک پیاس پر صبر کرے، دوسرا شخص کھائے پیے اور اللہ کا شکر ادا کرے، دونوں کا عمل قابل قدر ہے۔ "الطاعم الشاكر كالصائم الصابر" (سنن الدارمی، کتاب الاطعمۃ، حدیث نمبر:۲۰۷٦)

علاج کی ایک صورت یہ ہے کہ بیماری پیدا ہو جائے اور اس کے بعد اس کی دوا لی جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ ابھی بیمار تو نہیں ہوا ہے؛ لیکن جسم کی اندرونی کیفیت، ماحول وغیرہ کی وجہ سے بیمار پڑنے کا اندیشہ ہے، ان دونوں صورتوں میں بیماری سے شفا پانے یا بیماری کے خطرہ سے

بچنے کے لیے دواؤں کا استعمال جائز ہے؛ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ بیماری کی نوعیت، قوت مدافعت کی کمی یا استحکام اور بیماری سے متاثر کرنے والے ماحول میں شدت کی کیفیت کے اعتبار سے حکم میں کسی قدر فرق ہو۔

کورونا ویکسین بنیادی طور پر علاج کی دوسری قسم میں شامل ہے کہ ایک شخص ابھی کورونا کے مرض میں مبتلا نہیں ہے؛ لیکن وبائی صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے حفاظتی تدبیر کے طور پر ٹیکہ یا ویکسین لیتا ہے، تو اس کے حکم کو جاننے کے لیے یہ بات جاننی چاہئے کہ کسی خاص دوا کے جائز اور ناجائز ہونے میں بنیادی طور پر دو باتوں کا دخل ہے، ایک یہ کہ دوا کے اجزاء ترکیبی کیا ہیں؟ دوسرے: مریض کو کس حد تک اس دوا کی ضرورت ہے؟ جہاں تک دوا کے اجزاء کی بات ہے تو بنیادی طور پر دوائیں تین چیزوں سے حاصل کی جاتی ہیں، اوّل: جمادات، یعنی مٹی، لوہا، چونا، سونا، چاندی، پتھر وغیرہ، دوسرے: نباتات، یعنی زمین سے نکلنے والے پودوں، پھلوں، پھولوں، پتوں اور درخت کی چھالوں سے، تیسرے: حیوانات، یعنی جانور کے اجزاء گوشت، ہڈی اور چمڑے وغیرہ سے۔

ان میں سے پہلی قسم کی تمام چیزیں جائز ہیں، ان میں سے کسی چیز کو شریعت میں حرام قرار نہیں دیا گیا، نباتات میں سوائے نشہ آور جز کے تمام درخت، پودے اور ان سے نکلنے والی چیزیں حلال ہیں اور قدیم دور سے لے کر موجودہ دور تک زیادہ تر دوائیں نباتات ہی سے حاصل کی جاتی ہیں، اگر کسی ویکسین میں ان دونوں چیزوں کا استعمال ہو تو اس کا جائز ہونا ظاہر ہے۔

اصل مسئلہ حیوانات کا ہے، حیوانات میں بعض حلال ہیں اور بعض حرام، جو حلال ہیں ان کے بھی بعض اجزاء حرام ہیں، اسی طرح اگر جانور کو شرعی طریقہ پر ذبح نہ کیا گیا ہو تب بھی وہ حرام ہیں اور مردار کے حکم میں ہیں، اب اگر شرعی طریقہ پر ذبح کئے ہوئے حلال جانوروں کے حلال اجزاء جیسے چمڑا، گوشت اور ہڈی سے دوائیں بنائی جائیں تو اس کے جائز ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں؛ لیکن اگر حرام جانور، حلال جانور کے حرام اجزاء یا شرعی طریقہ کی رعایت کے بغیر ذبح کئے گئے حلال جانوروں سے دوا حاصل کی جائے تو یہ قابل غور ہے، جیسے ان کا کھانا حرام ہے ایسے ہی دوا کے طور پر ان کا کھانا یا ان کو رگ اور گوشت وغیرہ کے ذریعہ جسم کے اندر پہنچانا بھی جائز نہیں ہے؛ لیکن اس سے دو صورتیں مستثنیٰ ہیں: ایک یہ کہ ان کے اجزاء سے اس طرح دوا بنائی جائے کہ ان کی حقیقت ہی تبدیل ہو جائے تو اب ان پر حرام ہونے کا حکم باقی نہیں رہے گا؛ کیوں کہ شریعت کے احکام کسی چیز کی موجودہ شکل سے متعلق ہوتے ہیں، جب شکل بدل جائے تو حکم بھی بدل جاتا ہے، اور حقیقت کی تبدیلی کس وقت مانی جائے گی؟ یہ ایک بہت ہی دقیق اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ فقہاء نے اس پر جو بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ چیزوں کی نوعیت اور کیفیت تین چیزوں سے ظاہر ہوتی ہے: رنگ، بو اور مزہ، اگر یہ تینوں چیزیں بدل جائیں تو اس کو حقیقت کے بدل جانے کی علامت مانا گیا ہے۔

ہندوستان کے دو اہم فقہی تحقیقی اداروں ''اسلامک فقہ اکیڈمی آف انڈیا'' اور ''ادارة المباحث الفقهية (جمعية علماء هند)'' نے اصحاب افتاء اور ماہرین کے مشورہ سے اسی طرح کا فیصلہ کیا ہے؛ لہٰذا اگر ویکسین میں حرام حیوانی اجزاء استعمال کئے گئے ہوں اور ان میں کیمیکل اجزاء کے ذریعہ متذکرہ بالا تبدیلی پیدا ہو گئی ہو تو ان کا استعمال جائز ہونا چاہئے۔

دوسرے: اگر حقیقت و ماہیت تبدیل نہ ہوئی ہو؛ لیکن علاج کے لیے ماہر اطباء کی تحقیق کے مطابق اس کا استعمال ضروری ہو تب بھی اس کا استعمال کیا جا سکتا ہے؛ کیوں کہ خود قرآن مجید میں جان بچانے کے لیے حرام شے کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔

اگر ان تفصیلات کی روشنی میں کورونا ویکسین کے مسئلہ پر غور کیا جائے تو ایک تو اس میں حرام اجزاء کا شامل ہونا پایۂ تحقیق کو نہیں پہنچا ہے، سوشل میڈیا پر اس طرح کی باتیں آرہی ہیں؛ لیکن کسی فارمیسی کمپنی نے اس کی تصدیق نہیں کی ہے اور نہ کسی نے لیباریٹری میں تجزیہ کرایا ہے اور اس کی مصدقہ رپورٹ پیش کی ہے؛ اس لیے صرف شک کی بناء پر اس کو حرام قرار نہیں دیا جا سکتا، اور فقہی قاعدہ ہے: الاصل فی الاشیاء الاباحة ۔ (قواعد الفقہ :

ص:۹۵، ط: نعمانیہ، دیوبند) بلکہ برطانیہ میں بننے والی ویکسین کے بارے میں یہ بات بھی آئی ہے کہ اس کو نباتات سے تیار کیا گیا ہے، اور اگر حرام اجزاء کا استعمال کیا بھی گیا ہو تو کیا وہ اپنی حقیقت کے ساتھ باقی ہیں، یہ بات واضح نہیں ہے؛ بلکہ ویکسین کی جو شکل اخبارات اور سوشل میڈیا میں آرہی ہے، جو عرق کی شکل میں ہے، بظاہر اس سے یہی گمان ہوتا ہے کہ اس کے اجزاء مکمل طور پر تبدیل ہو چکے ہیں؛ اس لیے اگر اس کی وجہ سے انسان کی زندگی یا اس کی کسی صلاحیت پر منفی اثر نہیں پڑتا ہو تو اس کے استعمال میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے، اور طبی اعتبار سے کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ اس کا فیصلہ طبی ماہرین ہی کی رائے پر ہو سکتا ہے۔

رہ گیا لاکھوں افراد میں دو چار آدمی کا ویکسین کے استعمال کے بعد نقصان سے دوچار ہونا تو یہ کوئی دلیل نہیں؛ کیوں کہ روزمرّہ جو دوائیں استعمال کی جاتی ہیں، بعض دفعہ ان کا بھی ری ایکشن ہوتا ہے، اور بہت سی اموات ہو جاتی ہیں۔

بہر حال علاج ایک تدبیر ہے اور تدبیر کوئی بھی ہو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی سے نتیجہ خیز ہوتی ہے؛ اس لیے دعاء کا اہتمام بھی ضروری ہے کہ کورونا کی جو لہر بار بار آرہی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے ہمارا تحفظ فرمائے۔ وما ذلك على الله بعزيز.

نوٹ: اگر کسی وقت دوا ساز کمپنی کی طرف سے اس میں حرام اشیاء کے اجزا کو شامل کئے جانے کی اطلاع ملے، اور وہ اپنی حقیقت کے ساتھ باقی بھی ہو اور اس ویکسین کا کوئی بدل بھی نکل آئے تو فتوی بھی بدل سکتا ہے۔

محور ہفتم: کورونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے سے متعلق اسلامی ہدایات

(۱) وبا کے وقت اذان دینے کا حکم

واضح رہے کہ طاعون یا کسی اور وبا کے وقت اذان دینا شرعی اعتبار سے سنت یا مستحب نہیں، بلکہ متعدد اہل علم کے نزدیک یہ جائز بھی نہیں، اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے، جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

(۱) قرآن وسنت، حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام سے وبا کے موقع پر اذان دینے کا کوئی ثبوت نہیں۔

(۲) اسی طرح حضرات فقہائے احناف نے نماز کے علاوہ جن مواقع میں اذان دینے کو مستحب یا جائز ہونا ذکر کیا ہے، ان میں بھی طاعون یا اس جیسی کسی اور وبا کے وقت اذان دینے کا کوئی ذکر موجود نہیں۔

(۳) حضرات صحابہ کرام کے دور میں بھی نہایت ہی شدید طاعون آیا لیکن اس وبا کے موقع پر بھی ان سے انفرادی یا اجتماعی طور پر اذان دینے یا اذان کی ترغیب دینے کا کوئی ثبوت نہیں۔

ان تین باتوں سے اصولی طور پر یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ طاعون یا اس جیسے کسی اور وبا کے موقع پر اذان دینا سنت، مستحب یا دین کا حصہ ہرگز نہیں ہے، اس لیے اس کو سنت یا مستحب سمجھنا ہرگز درست نہیں، بلکہ یہ بدعت کے زمرے میں آتا ہے، کیوں کہ اگر وبا کے موقع پر انفرادی یا اجتماعی اذان دینے کا عمل سنت یا مستحب ہوتا تو قرآن وسنت اور حضرات صحابہ کرام سے ضرور ثابت ہوتا، یہ اصولی بات ہے جس سے متعدد امور واضح ہو جاتے ہیں۔

بعض علماء نے تغول غیلان کی حدیث سے طاعون کے لیے اذان کو مشروع کہا ہے، مگر ہم کو اس میں کلام ہے، ہمارے نزدیک تغول غیلان سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسی صورت نمودار ہو جس میں جنات کا سامنے موجود ہونا اور غلبہ وتمرد کرنا محسوس ہو، جیسا کہ رات کو سفر کرتے ہوئے بعض دفعہ جنگلوں میں جنات کی آوازیں یا ڈراونی شکلیں نظر آیا کرتی ہیں، اس وقت اذان دینا مشروع ہے، اور طاعون میں جنات کا وجود اور غلبہ محسوس نہیں ہوتا، بلکہ محض سمعاً ونقلاً معلوم ہوا ہے، واللہ اعلم۔

فقیہ النفس حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: طاعون، وبا وغیرہ امراض کے شیوع کے وقت کوئی خاص نماز احادیث سے ثابت نہیں، نہ اس وقت اذانیں کہنا کسی حدیث میں وارد ہوا ہے، اس لیے اذان کو یا جماعت کو ان موقعوں میں ثواب یا مسنون یا مستحب سمجھنا خلاف واقع ہے۔ (فتاوی رشیدیہ: کتاب البدعات: ۲۵۱، ط: مکتبۃ الحق، بمبئی)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: سوال: دفع وبا (مثلاً طاعون کے واسطے اذان دینا جائز ہے یا نا جائز؟ اور جو لوگ استدلال میں ''حصن حصین'' کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں: إذا تـغـيـلـت الـغـيـلان نـادی بـالأذان. ان کا یہ استدلال درست ہے یا نہیں؟ اور اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ اور ایسے ہی یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ شیطان اذان سے اس قدر دور بھاگتا جاتا ہے جیسے مدینہ کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے، اور طاعون اثر شیطان سے ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: اس باب میں دو حدیثیں معروف ہیں، ایک ''حصن حصین'' کی مرفوع حدیث: إذا تـغـيّـلـت الـغـيـلان نادی بالأذان. دوسری حدیث صحیح مسلم کی حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: إذا سمعت صوتاً فناد بالصلاة فإني سمعت رسول اللہ ﷺ: إذا نـودی لـلصلاة ولّى الشيطان وله حصاص.

اور حصن حصین میں مسلم کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ یہی حدیث ہے، اور دونوں حدیثیں مقید ہیں: "إذا تغیلت'' "وإذا سمعت صوتاً'' کے ساتھ، اور جو حکم مقید ہوتا ہے کسی قید کے ساتھ اس میں قید نہ پائی جانے کی صورت میں وہ حکم اپنے وجود میں مستقل دلیل کا محتاج ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ طاعون میں دونوں قیدیں نہیں پائی جاتیں، کیوں کہ نہ اس میں شیطان کا تشکل و تمثل (یعنی صورتیں نمودار ہوتی ہیں) اور نہ ان کی آواز سنائی دیتی ہے، صرف کوئی باطنی اثر ہے (جس کی وجہ سے طاعون ہوتا ہے)، پس جب اس میں دونوں قیدیں نہیں پائی گئیں تو مذکورہ دونوں حدیثوں سے اس میں اذان کا حکم بھی ثابت نہ ہوگا، اور دوسری شرعی دلیل کی حاجت ہوگی، اور دوسری کوئی ایسی دلیل ہے نہیں جس سے ثابت ہوتا ہو، کہ طاعون یا اس جیسی وبا کے وقت اذان پکاری جائے۔

اور قیاس بھی نہیں کر سکتے، کیوں کہ اذان حی علی الصلوۃ وحی علی الفلاح پر مشتمل ہے، اس لیے غیر صلوۃ کے لیے اذان کہنا غیر قیاسی حکم ہے، قیاس سے ایسے حکم کا تعدیہ صحیح نہیں، اس لیے وہ دلیل شرعی کوئی نص ہونا چاہیے، محض قیاس کافی نہیں اور طاعون میں کوئی نص موجود نہیں۔

الغرض نفس الامر میں یہ حکم غیر قیاسی ہے، پس اس قیاس سے زلزلے وغیرہ کے وقت بھی اذان کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس بات میں حدیث تغیل سے استدلال کرنا درست نہیں، اور یہ اذان (جو طاعون یا زلزلہ کے وقت دی جاتی ہے) إحـداث فـي الـديـن (یعنی بدعت ہے)، یہی وجہ ہے کہ طاعون عمواس میں (جو صحابہ کے زمانہ میں ہوا) شدت احتیاط کے باوجود کسی صحابی سے منقول نہیں کہ طاعون کے لیے اذان کا حکم دیا ہو یا خود عمل کیا ہو۔ (امداد الفتاوی: ۳۱۳/۴ تا ۶۱۳، مسائل متعلقہ طاعون و وبا، ط: زکریا بک ڈپو، دیوبند)

ایک اہم وضاحت:

بعض فتاوی سے معلوم ہوتا ہے کہ وبا کے موقع پر اذان دینا علاج کے طور پر مباح یعنی جائز ہے، البتہ اس میں چند باتوں کی رعایت ضروری ہے:

(۱) اس کو سنت، مستحب یا شرعی حکم نہ سمجھا جائے۔ (۲) یہ اذان نماز کی اذان کی طرح انداز اور آواز میں نہ کہی جائے تا کہ دونوں میں امتیاز ہو سکے۔ (۳) اس کو لازم نہ سمجھا جائے اور نہ ہی اس میں شرعی حدود کی خلاف ورزی کی جائے۔

ان فتاوی کی رو سے مذکورہ شرائط کے ساتھ بطور علاج وبا کے موقع پر اذان دینے کی اجازت دی گئی ہے، اس لیے اگر کوئی شخص انفرادی طور پر شرعی حدود اور شرائط کی رعایت کرتے ہوئے اذان دے تو اپنی ذات میں اس کی گنجائش ہے، لیکن یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ موجودہ صورتحال

میں ان حدود وشرائط کی رعایت نہیں کی جاتی، عوام اس پر عمل کرتے ہوئے ان حدود وشرائط کی رعایت نہیں کر پاتے، جیسا کہ موجودہ صورتحال میں مشاہدہ ہے کہ بہت سے لوگ اس اذان دینے کو دین ہی کا حصہ سمجھتے ہیں، اس کے لیے احادیث سے دلائل بھی پیش کرتے ہیں، اس کے لیے رات کا مخصوص وقت بھی مقرر کیا ہوا ہے، اس کا حد سے زیادہ اہتمام بھی ہونے لگا ہے کہ باقاعدہ اس کی عمومی تشہیر اور ترغیب دی جارہی ہے، یہ اذان ایک ساتھ اجتماعی طور پر دینے کی بھی ترغیب دی جاتی ہے، نماز کی اذان کی طرح یہ اذان دی جاتی ہے، مساجد سے بھی عمومی اسپیکر کے ذریعے بیک وقت اذانیں دی جارہی ہیں اور اس کے علاوہ بھی متعدد خرابیاں پائی جارہی ہیں، اور اسی کے ساتھ ساتھ یہ پہلو بھی توجہ کے قابل ہے کہ بعض فتاوی کی رو سے یہ عمل زیادہ سے زیادہ مباح ہے اور مباح عمل میں جب شرعی حدود کی رعایت نہ رکھی جائیں تو اس کو ترک کرنا واجب ہو جاتا ہے، جیسا کہ حضرات فقہاء کرام نے اس کی صراحت فرمائی ہے، اس لیے ایک مباح عمل کا اس قدر اہتمام اور اس میں اپنی طرف سے قابل اعتراض امور کا اضافہ بذات خود اس عمل کو ممنوع بنادیتا ہے، اس لیے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ وبا کے موقع پر اذان دینے سے اجتناب کیا جائے، اور اس اذان کی جگہ ان اعمال کا سہارا لیا جائے جو کہ قرآن وسنت سے ثابت ہیں۔

مذکورہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ بہت سے حضرات جو وبا کے موقع پر دی جانے والی مروجہ اذان کے ثبوت کے لیے بعض روایات سے استدلال کرتے ہیں، واضح رہے کہ ان روایات کی حقیقت یہ ہے کہ:

(۱) یا تو وہ نہایت ہی کمزور ہیں کہ ان سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) یا ان کا تعلق وبا کے ساتھ ہے ہی نہیں، اس لیے ان سے وبا کے موقع پر اذان دینے سے متعلق استدلال نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ ایسی بعض روایات سے متعلق ماقبل میں تفصیل بیان ہو چکی۔

(۳) جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ: جب کسی بستی میں اذان دی جائے تو اللہ تعالیٰ اس دن عذاب سے اس کی حفاظت فرماتا ہے، تو اگر اس کو قابل استدلال تسلیم کر بھی لیا جائے تب بھی اس میں نہ تو وبا کا ذکر ہے اور نہ ہی مروجہ اجتماعی اذانوں کا ذکر ہے، بلکہ اس سے نمازوں کی عام اذان مراد ہے کہ یہ اذان کی فضیلت ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عذاب سے حفاظت فرماتا ہے، اس لیے اس سے بھی پنج وقتہ نمازوں کی اذان مراد ہے۔

(۴) یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ وبا کے موقع پر مروجہ اذانوں کی ترغیب دیتے ہوئے جس قدر اضافی باتوں کی ترغیب دی جارہی ہے کہ یوں اذان دی جائے اور یوں کیا جائے وغیرہ یا ان کا اہتمام کیا جارہا ہے، ان کا تو کسی بھی روایت میں ذکر نہیں، اس لیے جو روایات اس اذان کے جواز کے لیے پیش کی جارہی ہیں ان سے بھی ان مروجہ اذانوں کی تائید نہیں ہو رہی، بلکہ یوں کہیے کہ ان روایات کا مروجہ اذانوں سے کوئی تعلق ہی ظاہر نہیں ہوتا۔

خلاصہ: ماقبل کی تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ وبا کے موقع پر اذان دینا سنت یا مستحب نہیں اور نہ ہی کوئی شرعی حکم ہے، اس لیے اس کو سنت یا مستحب سمجھنا ہرگز درست نہیں، بلکہ بدعت ہے، البتہ بعض فتاوی میں شرعی حدود میں رہتے ہوئے کچھ شرائط کے ساتھ بطور علاج اذان دینے کو مباح یعنی جائز قرار دیا گیا ہے، لیکن چوں کہ عوام ان شرعی حدود اور شرائط کی رعایت نہیں کرتے اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ وبا کے موقع پر اذان دینے سے اجتناب کیا جانا چاہئے۔

وبائی امراض یا وائرس کا پھیلنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور امتحان ہے، اس سے نہ صرف لوگوں کی موتیں واقع ہو رہی ہیں؛ بلکہ دنیا بالکل سمٹ سی گئی ہے، اسفار پر پابندی ہے، لوگ ادھر سے ادھر نہیں جا پا رہے ہیں، معیشت کا بہت بڑا نقصان ہو رہا ہے، چیزیں بہت سے علاقوں میں مہنگی ہوئی ہیں، جس سے عام لوگ تکلیف میں مبتلا ہیں، ظاہر ہے کہ یہ سب عام لوگوں کے لیے کسی عذاب سے کم نہیں ہے؛ اس لیے بحیثیت مسلمان اور محمد ﷺ کے غلام اور ایک عالمی وآفاقی امت ہونے کے ہمیں آپ ﷺ نے جو ہدایات دی ہیں ان کو بروئے کار لا کر اللہ تبارک وتعالی سے نجات پانے

کی سعی وکوشش کرنی چاہیے، اس لیے کہ آپ ﷺ کا عام معمول یہ تھا کہ جب بھی کوئی مصیبت اور پریشانی آتی، آندھی طوفان کی شکل میں ہو یا آفات و بلیات کی شکل میں، آپ مسجد کی طرف جاتے اور مسجد میں حضرات صحابہ کو جمع کرتے، نماز اور دعا کی تلقین فرماتے، حضرات صحابہ کی زندگی میں بھی یہ چیز بہت اہمیت کے ساتھ ملتی ہے۔

اس لیے آج جب کہ پوری دنیا میں کرونا وائرس کی دہشت ہے مسلمانوں کو نماز اور دعا کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔

اس لیے مناسب یہ ہے کہ نفل نمازوں کا بھی اہتمام کیا جائے، اور اس کے بعد دعاء میں مشغول ہوا جائے، جیسا کہ صلاۃ کسوف وخسوف میں احناف کا یہ ہی نقطۂ نظر ہے، اس لیے کہ جس طرح کسوف وخسوف یہ اللہ تبارک وتعالی کی نشانیوں میں سے نشانی ہیں۔

اسی طرح وباء اور بیماریوں کا پھیلنا بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں، تو جس طرح کسوف وخسوف میں نماز ودعاء مشروع ہیں، اسی طرح رفع وباء کے لیے بھی نماز اور دعاء کا اہتمام کرنا چاہئے۔

البتہ یہ نماز فرداً فرداً گھروں میں ادا کرنی چاہئے، نہ کہ جماعت کے ساتھ، اس لیے کہ فرض کے علاوہ نمازوں میں عام طور پر جماعت مشروع نہیں ہے، الا یہ کہ وہ کسی دلیل شرعی سے ثابت ہو، جیسا کہ عیدین میں، تراویح میں اور کسوف شمس میں، کہ ان میں جماعت کا ثبوت آپ ﷺ سے منقول ہے، لیکن ان کے علاوہ میں منقول نہیں ہے، لہٰذا رفع وباء کے لیے اجتماعی نماز واجتماعی دعاء کا اہتمام نہیں کرنا چاہئے۔

ہاں البتہ فجر کی نماز میں اجتماعی طور پر قنوت نازلہ کا اہتمام اگر ہو سکے تو کرنا چاہئے، اس لیے کہ قنوت نازلہ پڑھنے کے مواقع میں سے ایک موقع یہ بھی ہے کہ عمومی طور پر مسلمان کسی پریشانی یا مصیبت میں گرفتار ہو جائیں، اور کورونا وائرس بھی اسی قبیل سے ہے، لہٰذا کورونا وائرس کی بناء پر بھی فجر کی فرض نماز میں رکوع کے بعد قنوت نازلہ مسنون ہے، اگر چہ دوسرے ائمہ کے نزدیک تمام فرض نمازوں میں یا جہری نمازوں میں مسنون ہے، لیکن احناف کے یہاں صرف فجر کی نماز میں مسنون ہے۔

خلاصہ یہ کہ دفع وباء کے لیے نفل نماز ودعاء کا اہتمام کرنا چاہئے؛ لیکن فرداً فرداً نہ کہ اجتماعی طور پر، ہاں البتہ اگر ہو سکے اور حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہ ہو تو فجر کی نماز میں قنوت نازلہ کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

خلاصۂ بحث: محورِ اوّل

کورونا وبا کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر

(۱) وبا میں تین چیزیں اہم ہیں: عموم ہو، انتشار اور پھیلاؤ ہو، کثیر الاموات ہو۔

یہ آزمائش وتکلیف ہے، اس کا تعلق بگاڑ وفساد کے بعد زمینی اصلاح سے بھی ہو سکتا ہے۔

(۲) ایسی وباؤں کے موقع پر کافروں کی طرح جزع فزع نہ ہو، توکل اور صبر واستقامت پر گامزن رہے، مسلمان ماہر طبیب کی ہدایات پر عمل ہو، دعاؤں اور صدقات کا اہتمام ہو۔

(۳) حالات کی رعایت کی اجازت ہے اور اپنے آپ کو کسی بڑے مفسدہ سے بچانا بھی ضروری ہے، لہٰذا اگر ایسے کسی فرمان وہدایت میں دباؤ ہو، نگاہ ہو، پکڑ ہو، یہ صاف محسوس کیا جائے یا یہ کہ اس کا کھلا اور واضح اندیشہ ہو تو اپنی جان وجسم ومال کو خطرات ومفاسد سے بچانے کے لیے ایسے احکام کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔

(۴) اسلامی وایمانی نقطۂ نظر سے اللہ تعالیٰ ہی جملہ امور میں مؤثر ہے اور وہی مسبب الاسباب ہے، اس بنیادی عقیدہ کے ساتھ مرض کے

تعدیہ وچھوت سے متعلق وارد ہونے والی مختلف قسم کی احادیث کے پیشِ نظر علماء امت کے اس بابت دو نقطہائے نظر رہے ہیں۔
تاہم دونوں نقطہائے نظر ایسے مریضوں سے احتیاط اور اجتناب کی گنجائش دیتے ہیں اور اس کو بالکل ناجائز وغلط نہیں کہتے۔

محور دوم: کورونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف

(۱) اجازت ہوگی۔

(۲) جماعت ثانیہ کی اجازت نہ ہونی چاہئے۔

(۳) جائز ہے، اس میں اذنِ عام کے علاوہ جمعہ کی بقیہ شرطیں ضروری ہونی چاہئے۔

(۴) شہر، قصبہ یا بڑے گاؤں میں جن لوگوں کے لیے جمعہ کا نظم نہ ہوسکے یا وہ کسی عذر کی بنا پر یا بلا عذر جمعہ نہ پڑھ سکیں، وہ ظہر کی نماز تنہا تنہا پڑھیں گے، جماعت کے ساتھ نہیں؛ کیوں کہ جس بستی میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہوں اور وہاں جمعہ قائم ہوتا ہو، خواہ ایک جگہ یا متعدد جگہ؛ نیز بڑی جماعت کے ساتھ یا چھوٹی جماعت کے ساتھ، وہاں معذور یا غیر معذور ہر ایک کے لیے ظہر کی نماز با جماعت مکروہ ہے۔

اور جن چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی شرائط نہیں پائی جاتیں، وہاں کے باشندگان، حسب معمول، جمعہ کے دن بھی مسجد یا اپنے گھروں میں ظہر کی نماز با جماعت ادا کریں گے، انہیں ظہر کی نماز تنہا، تنہا پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

(۵) کورونا جیسے ماحول میں اگر عیدین کا موقع آئے اور ایسی ہی بندشیں ہو تو جمعہ کی طرح عیدین کی نماز میں بھی توسع ہوگا اور متعدد جگہوں میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی صورت میں عیدین کی نماز ادا کی جائے گی، اور خطبہ بھی ہوگا جو بعد میں دیا جاتا ہے۔

(۶) وبائی صورت حال میں عذر کے سبب ماسک اور فاصلہ کے ساتھ نماز ہو جانی چاہئے، اور امید ہے کہ کراہت بھی نہ ہوگی۔

(۷) اگر عمومی احوال یا وبا زدہ لوگ کم ہوں اور مریض نادر ہوں تو ایسی صورت میں ان کو روکا نہ جائے، یہی بہتر ہے۔

جب کہ لوگوں میں خوف ہو، مرض کے انتشار کا غالب گمان ہو۔

(۸) ایسے مریض کے بارے میں ماہر ڈاکٹروں کی رائے اصل بنیاد ہے، اور شریعت نے جن وجوہات سے افطار کی رخصت اور روزہ نہ رکھنے کا اختیار دیا ہے، ان میں ایک مرض بھی ہے، لہٰذا کورونا وائرس سے متاثر مریض کے بارے میں اگر ڈاکٹر یہ رائے دیں کہ ان کو روزہ رکھنے کی صورت میں جان یا مرض کے بڑھنے کا خطرہ ہے، تو ایسے مریض کو افطار کی رخصت ہوگی اور مرض سے صحت یاب ہونے کے بعد قضا ضروری ہوگی۔

(۹) اگر عقائد میں بگاڑ کا خطرہ ہے، یا لوگ یہ سمجھیں کہ فضاء مسموم ہے اور مریضوں کی آمد سے وباء پھیل سکتی ہے، تو اس صورت میں لوگوں کو اذیت وتکلیف سے بچانے کے لیے مریض کو روکنے کی گنجائش ہونی چاہئے، اور عام مسلمانوں کو طبی تشخیص کے بعد اجازت ہونی چاہئے۔

وبا زدہ علاقہ کا سفر کرنے سے بھی منع کیا ہے، اور وبا زدہ علاقہ میں مقیم کو اس جگہ سے راہ فرار اختیار کرنے سے بھی منع کیا ہے، چوں کہ جو شخص جہاں مقیم ہے وہاں بھی وباء ہے، اور جہاں جانا چاہتا ہے وہاں بھی وبا ہے، اس لیے اگر حج وعمرہ سے مقیمین مکہ کو چھوڑ کر دوسروں کو وقتی طور پر روک دیا جائے تو وقتی گنجائش ہوسکتی ہے۔

محور سوم: کورونا کے زمانہ میں مساجد سے متعلق مسائل

(۱) اگر حکومت کی جانب سے با جماعت نمازوں پر پابندی لگادی جائے، تو ایک طرف یہ کوشش جاری رکھنی چاہئے کہ انہیں اسلامی احکام کے بارے میں آگاہ کریں اور ہر ممکن کوشش کریں کہ وہ پابندی ہٹادیں، اور جب تک پابندی رہے تو خوفِ ظلم کی وجہ سے اور حرج کی نفی کے پیشِ نظر

مسجد کی نماز چھوٹ جانے کا عذر معتبر ہے، ایسی صورت میں کوشش کرے کہ گھر پر ہی باجماعت نماز کا اہتمام ہو۔

(۲) اذان کے معنی اعلان کرنے اور اطلاع دینے کے ہیں، فقہ کی اصطلاح میں اذان ان مخصوص کلمات کا نام ہے جن کے ذریعہ فرض نمازوں کی اطلاع دی جاتی ہے، مقصد ہی اطلاع ہے، تو لوگ اپنے گھروں میں وباء یا کسی مرض یا عذر کے سبب نماز پڑھیں تو ان کو نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع کے لیے اذان دینا ضروری ہے۔

(۳) بعض جگہ حکومت یا مقامی انتظامیہ نے مسجد میں نماز ہی سے روک لگا دی ہو، یہ ممکن ہے، اور بعض جگہ ۴-۵ آدمیوں کی حد تک اجازت دی، اور جماعت کی شرط یہ ہے کہ کم سے کم دو نمازی ہوں۔

حکومت کی جو ہدایات شریعت کے مطابق ہے، اس پر تو عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور جو شریعت کے مطابق نہیں ہے، مگر مجبوری اور عذر کی وجہ سے عمل کرنا پڑتا ہے اور اس صورت میں نقصان کم ہے تو اس پر عمل کرنا احوط ہے۔

(۴) مسجد کا ادب واحترام ضروری ہے، اس لیے کووڈ سینٹر بنانے کی اجازت نہ ہونی چاہئے، اس کے بجائے متبادل تلاش کرنا چاہئے۔

محور چہارم: کورونا سے متأثر مریض کی تیمارداری

(۱) ہر قسم کے مرض کے مریض کی عیادت کرنا مشروع ہے، اور ظاہر حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ عیادت کرنا واجب ہو اور اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ امر استحبابی ہو، لیکن بعض قریبی لوگوں کے حق میں تاکیدی اور وجوبی ہو، الغرض متعدی امراض کے مریضوں سے اس طرح اجتناب کرنا کہ وہ مشقت میں پڑ جائیں درست نہیں۔

(۲) کرونا سے متأثر مریض کے علاج کا خرچ اگر والدین اور افراد خاندان برداشت نہ کر سکیں تو اس کی ذمہ داری حکومت وقت اور بیت المال پر عائد ہوتی ہے، اور حکومت کی جانب سے انتظام نہ ہونے کی صورت میں وہی ذمہ داری مجموعی حیثیت سے سماج اور عام لوگوں پر عائد ہوتی ہے، لہٰذا اگر کسی شخص کو کورونا یا دیگر کسی متعدی امراض کا عارضہ لاحق ہو جائے تو اہل خاندان، احباب اور سماج کے لوگ اسے تنہا اور بے سہارا نہ چھوڑیں، بلکہ اس کی مدافعت اور دوا کا انتظام کریں اور اس کے ساتھ نرمی اور حسن معاملگی کا برتاؤ کریں۔

محور پنجم: کورونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

(۱) اگر ہسپتال کا عملہ یا حکومتی افسران کی طرف سے کچھ نرمی برتی جائے، سختی نہ ہو، ایسی صورت میں اگر احتیاطی تدابیر کے ساتھ غسل اور تجہیز وتکفین ہو سکتی ہو تو اس کی ادائیگی واجب ہوگی، ورنہ بلا غسل دفن کیا جائے۔

(۲) اگر میت پلاسٹک کور میں لپیٹ کر حوالے کیا گیا اور کھولنے سے منع کیا گیا، اور اس کو غسل دینا اور کفن دینا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں پلاسٹک ہی کو کفن تصور کرتے ہوئے بلا غسل وتیمّم جنازہ کی نماز پڑھ کر اس کو دفن کیا جائے۔

(۳) جب تک میت کے تفسخ کا ظن غالب نہ ہو جائے، اس وقت تک قبر پر صلوۃ جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، چاہے گائیڈ لائن کے مطابق بے غسل وکفن تدفین عمل میں آئی ہو۔

(۴) اوّل ملی تنظیمیں اور بااثر ورسوخ حضرات کی طرف سے یہ کوششیں ہونی چاہئے کہ مذکور میت کی کم سے کم تدفین کی ہی اجازت مل جائے؛ تاکہ قبر پر اسی دن یا دوسرے دن صلوۃ جنازہ پڑھی جاسکے، اس کے باوجود بھی اگر اجازت نہ ملے، تو اب یہ قدرت واستطاعت سے خارج

ہے،صلاۃ جنازہ کے لیے میت کا امام کے سامنے ہونا ضروری ہے۔
(۵) شہید کی دوسری قسم یعنی شہید حکمی کہہ سکتے ہیں۔

محور ششم: کورونا ویکسین سے متعلق مسائل

(۱) فقہاء کے درمیان الکوحل سے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے،لہذا اس دور میں الکوحل کے کثیر استعمال کی وجہ سے جن اشیاء میں ایسا الکوحل (Alcohol) استعمال ہوا ہو جو انگور، منقا، اور کھجور کے علاوہ دوسری اشیاء سے بنایا گیا ہو، ان کے استعمال کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، تحقیق بھی یہی ہے کہ آج کل اکثر وبیشتر مذکورہ پروڈکٹ (Product) انگور اور کھجور کے علاوہ دوسری اشیاء سے بنائی جاتی ہیں اور اس قسم کی الکوحل پینے کے لیے حرام اور خارجی استعمال کے لیے پاک ہوگی، بالفاظ دیگر امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو اس قسم کی الکوحل کے خارجی استعمال کے لیے لیا گیا ہے نہ کہ اس کو پینے کے لئے، لہذا ہینڈ سینیٹائزر (Hand Sanitizer) کا استعمال درست ہونا چاہئے۔

البتہ جس سینیٹائزر کے بارے میں یہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ اس میں جو الکوحل استعمال کیا گیا ہے وہ انگور کھجور یا کشمش سے حاصل کیا گیا ہے تو ایسی صورت میں وہ ناپاک ہے اور اس کا استعمال ناجائز ہے، نماز کے لیے اس کو دھونا اور پاک کرنا ضروری ہے۔

(۲) علاج ایک تدبیر ہے اور تدبیر کوئی بھی ہو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی سے نتیجہ خیز ہوتی ہے، اس لیے علاج (دوا، ٹیکہ نیز دیگر احتیاطی تدابیر) سے گریز درست نہیں ہے، اگر کورونا ویکسین کے مسئلہ پر غور کیا جائے تو ایک تو اس میں حرام اجزاء کا شامل ہونا پایۂ تحقیق کو نہیں پہنچا ہے، سوشل میڈیا پر اس طرح کی باتیں آرہی ہیں؛ لیکن کسی فارمیسی کمپنی نے اس کی تصدیق نہیں کی ہے اور نہ کسی نے لیباریٹری میں تجزیہ کرایا ہے اور اس کی مصدقہ رپورٹ پیش کی ہے؛ اس لیے صرف شک کی بناء پر اس کو حرام قرار نہیں دیا جاسکتا؛ اور اگر حرام اجزاء کا استعمال کیا بھی گیا ہو تو کیا وہ اپنی حقیقت کے ساتھ باقی ہیں، یہ بات واضح نہیں ہے؛ بلکہ ویکسین کی جو شکل اخبارات اور سوشل میڈیا میں آرہی ہے، جو عرق کی شکل میں ہے، بظاہر اس سے یہی گمان ہوتا ہے کہ اس کے اجزاء مکمل طور پر تبدیل ہو چکے ہیں؛ اس لیے اگر اس کی وجہ سے انسان کی زندگی یا اس کی کسی صلاحیت پر منفی اثر نہیں پڑتا ہو تو اس کے استعمال میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے، اور طبی اعتبار سے کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ اس کا فیصلہ طبی ماہرین ہی کی رائے پر ہو سکتا ہے۔

اگر کسی وقت دوا ساز کمپنی کی طرف سے اس میں حرام اشیاء کے اجزاء کو شامل کئے جانے کی اطلاع ملے، اور وہ اپنی حقیقت کے ساتھ باقی بھی ہو اور اس ویکسین کا کوئی بدل بھی نکل آئے تو فتوی بھی بدل سکتا ہے۔

محور ہفتم: کورونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے سے متعلق اسلامی ہدایات

(۱) وبا کے موقع پر اذان دینا سنت یا مستحب نہیں اور نہ ہی کوئی شرعی حکم ہے، اس لیے اس کو سنت یا مستحب سمجھنا ہرگز درست نہیں، بلکہ بدعت ہے، البتہ بعض فتاوی میں شرعی حدود میں رہتے ہوئے کچھ شرائط کے ساتھ بطور علاج اذان دینے کو مباح یعنی جائز قرار دیا گیا ہے، لیکن چوں کہ عوام ان شرعی حدود اور شرائط کی رعایت نہیں کرتے اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ وبا کے موقع پر اذان دینے سے اجتناب کیا جانا چاہئے۔

(۲) دفع وباء کے لیے نفل نماز ودعاء کا اہتمام کرنا چاہئے؛ لیکن فرداً فرداً نہ کہ اجتماعی طور پر، ہاں البتہ اگر ہو سکے اور حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہ ہو تو فجر کی نماز میں قنوت نازلہ کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔ واللہ أعلم بالصواب.

کروناوبا سے پیدا ہونے والے چند سوال اوران کے شرعی جواب

(مفتی) راشد حسین ندوی
مدرسہ ضیاء العلوم، میدان پور، رائے بریلی

محوراول:

سوال (۱) وباء کے معنی:

وبأو وبا (مداورقصر کے ساتھ) طاعون اوراس جیسے پرپھیل جانے والے اورمنتشر ہوجانے والے امراض کو کہتے ہیں:

"الوبأ: الطاعون بالقصر والمد والمهز، وقيل: هو كل مرض عام، وجمع الممدود: أوبية، وجمع المقصور: أوباء"(لسان العرب) الوباء: الوبا: أوبيه أو أوبئة۔" (معجم الوسيط)

اصطلاح میں بھی وباء کا استعمال اسی لغوی معنی میں کیا جاتا ہے، چنانچہ علامہ نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

"والصحيح الذى قاله المحققون أنه مرض الكثيرين من الناس من جهة من الأرض دون سائر الجهات۔"

(کتاب السلام، باب الطاعون والطیر ۲۱۸/۷ داراحیاء التراث)

وباء کا اسلامی تصور

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دارالاسباب بنایا ہے، ہرچیز بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے، لیکن خود اللہ تعالیٰ نے نظام اس طرح بنایا ہے کہ ہرچیز کا کوئی ظاہری سبب ضروری ہوتا ہے، طبیعت اور فطرت کے خلاف کوئی چیز پیش آئے تو اس کو خرق عادت بولا جاتا ہے، اورایسا معجزہ کے طور پر اسی وقت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کو اپنی قوت قاہرہ دکھلانی ہوتی ہے۔

اسی سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اس وباء کا کوئی ظاہری سبب ضرور ہوگا، خواہ اس تھیوری کو مانا جائے کہ کرونا یا کوئی دوسری وباء کسی لیبارٹی میں جان بوجھ کر پیدا کیا جانیوالا وائرس ہے جس کو تجرباتی طور پر بطور ہتھیار پروان دیا جارہا تھا اور وہ قابو سے باہر ہوگیا، یا جان بوجھ کر پھیلایا گیا، یا یہ تھیوری مانی جائے کہ یہ چمگارڈ کے پیٹ میں پایا جانے والا وائرس ہے جو اس کے فضلہ سے خارج ہوا، اوراس کو پینگولین نے کھالیا، پھر چینی چونکہ ہر چیز کھاجاتے ہیں انھوں نے پینگولین کھایا، اس طرح یہ وائرس انسان میں اتفاقی طور پر پہونچ گیا، بہرحال وجہ کوئی بھی ہو، اسلامی تصور یہ ہے کہ وباء کا پھیلنا انسان کے کرتوتوں کے سبب بطور ایک سزا کے ہے، تاکہ وہ برائیوں سے باز رہے، اوراس کی سمجھ میں آسکے کہ ہزار ترقیوں کے باوجود اللہ کی قوت کے سامنے بالکل بیبس اورناتواں ہے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِى عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔﴾ (سورة الروم: ٤١)

(لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی ہے کہ خشکی اورتری میں بگاڑ پھیل گیا ہے تاکہ وہ کچھ ان کے کرتوتوں کا مزہ چکھادے، شاید وہ باز آجائیں۔)

اوراحادیث میں صراحت سے فرمایا گیا کہ وباء پہلی قوموں پر بطور سزا آیا کرتی تھیں، مسلمان اگر صبر سے کام لے اور شرعی ہدایات پر کاربند رہے تو یہ اس کے لئے رحمت بن جائیں گی، اور اگر ان کا شکار بن جائے تو اسے شہید کا ثواب اور درجہ ملے گا:

"عن أسامة بن زيد قال: قال رسول الله ﷺ: إن هذا الوباء رجزأ هلك الله به الأمم قبلكم، وقد بقى منه فى الأرض شيء يجئى أحيانا ويذهب أحيانا، فإذا أوقع بأرض فلا تخرجوا منها، وإذا سمعتم به فى أرض فلا تاتوها۔"

(بخاری کتاب الطب، باب مایذکر فی الطاعون (۵۷۲۸)، مسلم کتاب السلام، باب الطاعون والطیرۃ (۲۲۱۸)، مسند احمد (۲۱۸۰۶) واللفظ لہ)

سوال (۲): وباء سے تحفظ کے لئے شرعی ہدایات

وباء سے تحفظ کے لئے شریعت نے مختلف عمومی وخصوصی ہدایات دی ہیں، مثلاً ایک حکم خاص وباء ہی کے لئے یہ ہے کہ اگر کسی علاقہ میں اس کا اثر ہو تو دوسری جگہ کے لوگ وہاں نہ جائیں، اور وہاں کے لوگ دوسری جگہ نہ جائیں، اس میں خاص حکمت یہ ہے کہ وباء جہاں پر پھیلی ہوئی ہے وہیں محدود رہے، اور وہاں سے دوسری جگہ منتقل نہ ہو سکے۔

۲- آنحضرت ﷺ نے برتنوں کو ڈھانپنے اور مشکیزوں کا منھ باندھنے کا حکم دیا، فرمایا کہ سال میں ایسی رات بھی آتی ہے کہ جس میں وباء کا نزول ہوتا ہے، اور جو برتن کھلے ہوں اس میں وباء کے اثرات پہونچ جاتے ہیں۔ (مسلم، کتاب الاشربۃ، باب الامر بتغطیۃ الانا: ۲۰۱۴)

(۱) پانی میں سانس لینے سے منع کیا گیا:

"نهى عن النفخ فى الشرب۔" (ترمذى ابواب الاشربه، باب كراهية النفخ فى الشراب ١٨٨٧٦، وابو داود)

(۲) کتا پانی میں منھ ڈال دے تو برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے:

"إذا ولغ الكلب الحديث۔"

(مسلم کتاب الطہارۃ، باب حکم ولوغ الکلب ۲۷۹، بخاری کتاب الوضوء، باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان ۱۷۲)

(۳) کوڑھ جیسی متعدی بیماریوں کے مریض سے دوری بنانے کا حکم دیا گیا ہے:

"فرمن المجذوم فرارك من الأسد أو "كما تفر من الأسد" (بخاری کتاب الطب، باب الجذام ۵۷۰۷، مسند احمد ۹۷۲۲)

(۴) تھوک، بلغم جیسی چیزوں کو مٹی سے بند کرنے کا حکم دیا گیا، اس لئے کہ ان کو کھلے میں ڈالنے سے جراثیم کے پھیلنے کا اندیشہ رہتا ہے:

"أو تحت قدميه فيد فنها"

(بخاری کتاب الصلاۃ، باب دفن النخامۃ فی المسجد ۴۱۶ "وکفارتھا دفنھا" مسلم۔ کتاب المساجد، باب النہی عن البصاق فی المسجد ۵۵۲)

یہ چند باتیں فوری طور پر ذہن میں آئیں اور لکھ دیں، ورنہ اس طرح کی بے شمار ہدایات احادیث کی کتابوں میں مل جائیں گی۔

سوال (۳): حکومت کی ہدایات پر عمل کا شرعی حکم

اسلام نے حکام کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ شریعت کے خلاف حکم نہ دیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوٓا اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنكُمْ۔﴾ (سورة النساء/٥٩)

(اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں ذمہ دار ہیں۔)

اسی طرح حدیث شریف میں اللہ تعالی، اس کے رسول، اس کی کتاب نیز مسلمانوں کے ائمہ کے ساتھ خیر خواہی کرنے کا حکم دیا گیا، اور ائمہ

کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب علماء نے یہ بیان کیا کہ حکام کا حق میں ساتھ دیا جائے اور اس میں ان کی اطاعت کی جائے:

"عن تميم الدارمي أن النبي ﷺ قال: الدين النصيحة، قلنا لمن؟ قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم۔" (مسلم كتاب الايمان، باب بيان أن الدين النصيحة ۵۵)

علامہ نووی ائمہ کے لئے نصیحت کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأما النصيحة لأئمة المسلمين فمعاونتهم على الحق وطاعتهم فيه....الخ" (مصدر مذکور ۷، دار احیاء التراث العربی)

لیکن حکام اگر شریعت کے خلاف حکم دیں تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، صاف صاف فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت ناجائز ہے۔

"عن عليؓ عن النبي ﷺ قال: لا طاعة لمخلوق في معصية الله عزوجل۔" (مسند احمد ۱۰۹۵)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

"لأن المستحق عليهم طاعة الإمام". (شامی۔ ۱/۴۰۵)

مذکورہ بالا بحث مسلمان حاکم کے بارے میں ہے، غیر مسلم حاکم کے تحت رہنے کا تصور بھی قرون اولی میں نہیں تھا، اسی لئے امام اور حاکم کے لئے مسلمان ہونے کی شرط لگائی جاتی ہے:

"ويشترط كونه مسلما" (در مختار ۱/۴۰۵)

لیکن آج مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد غیر مسلم ممالک میں غیر مسلم حکام کے تحت رہتی ہے، تو جس طرح دارالاسلام میں رہنے والے غیر مسلم ذمی اور معاہد کی حیثیت سے رہتے تھے اور ان کو مسلمانوں جیسے حقوق حاصل تھے، اسی طرح غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمان بھی معاہد کی حیثیت رکھتے ہیں اور معاہدہ کے تحت رہتے ہیں، کتاب وسنت میں عہد کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا اور عہد توڑنے کی مذمت کی گئی۔

لہٰذا غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں پر بھی ان قوانین پر عمل کرنا ضروری ہوگا جو شریعت سے متصادم نہ ہوں۔

ان پوری تفصیلات سے پتہ چل جاتا ہے کہ کرونا کے سلسلہ میں حکومت کی ہدایات اور گائیڈ لائن کا کیا حکم ہے؟ ظاہر ہے یہ وباء عالمی ہے، حکومتوں نے جو گائیڈ لائن جاری کی ہیں وہ اقوام متحدہ کے مشوروں سے کی ہیں، اسی لئے مسلم حکومتوں نے بھی اس طرح کی بلکہ اس سے بھی سخت ہدایات جاری کی ہیں اور یہ شریعت کی مخالفت میں نہیں ہیں، بلکہ صحت عامہ کو مدنظر رکھ کر ہیں، لہٰذا ان پر عمل کرنا۔ یقیناً ضروری ہے، مزید یہ کہ عمل نہ کرنے پر حکومت کی طرف سے سزا اور اہانت ہوسکتی ہے اور مسلمان کے لئے اپنی تذلیل واہانت جائز نہیں۔

اور ان ہدایات پر عمل کرنا توکل کے بھی خلاف نہیں ہے، توکل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسباب کو اختیار نہ کیا جائے، بلکہ توکل کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری اسباب کو حتی الامکان اختیار کر کے نتیجہ اللہ کے اوپر چھوڑ دیا جائے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضور ﷺ سے سوال کیا گیا کہ اونٹ کو باندھ کر توکل کروں یا چھوڑ کر توکل کروں؟ تو آپ نے فرمایا: باندھ کر توکل کرو۔ (ترمذی ابواب صفۃ القیامۃ، باب ۲۵۱۷)

اسی طرح آپ نے فرمایا کہ اگر تم اللہ پر توکل اس طرح کرو جیسا کہ اس کا حق ہے تو تمہیں اس طرح رزق دیا جائے جیسے کہ پرندوں کو دیا جاتا ہے کہ وہ صبح خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر واپس ہوتے ہیں "عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال:

"قال رسول الله ﷺ:"لو أنكم تتوكلون على الله حق توكله" (الحديث، ترمذى ابواب الزهد، باب فى التوكل على الله ۲۳۴۴)

صاحب تحفہ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ اس میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ توکل بیٹھ جانے اور بے عملی کرنے کو نہیں کہتے بلکہ اس

میں کسی سبب کو اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے، اس لئے کہ پرندوں کو کوشش اور طلب سے رزق حاصل ہوتا ہے۔

اور دوا کرنے کا حکم خود حدیث میں دیا گیا ہے:

"عن جابر عن رسول الله ﷺ أنه قال: لكل داء دواء فإذا أصيب دواء الداء برأ بإذن الله عزو وجل۔"

(مسلم کتاب السلام، باب لکل داء دواء ۲۲۰۴)

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے دواء کا استحباب معلوم ہوتا ہے اور یہی ہمارے اسلاف جمہور سلف اور عام متأخرین کا مسلک ہے۔ (مصدر مذکور ۷/ ۳۰۵، داراحیاء التراث العربی)

فقہی کتابوں میں بھی صحیح اعتقاد کے ساتھ دواء علاج کو جائز قرار دیا گیا ہے،

"الاشتغال بالتداوی لابأس به إذا اعتقد أن الشافی هو الله تعالى وأنه جعل الدواء سببا۔" (هنديه ٥/ ٣٥٤)

سوال (۴): بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی بیماری میں تعدی نہیں ہوسکتی اس لئے کہ آپ ﷺ نے صاف طور پر فرمایا کہ چھوا چھات کی کوئی حقیقت نہیں ہے:

"عن أبي هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ:"لا عدوى ولا طيرة، الحديث۔"

(بخاری کتاب الطب، باب الجذام ۵۷۰۷، مسلم کتاب السلام، باب لا عدوی ۲۲۲۱)

لیکن اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ جذامی سے اس طرح بھاگو جیسا کہ شیر سے بھاگتے ہو:

"فر من المجذوم كما تفر من الأسد."

علماء نے پوری شرح وبسط کے ساتھ ان احادیث کی مختلف توجیہات کی ہیں، لیکن راجح یہ ہے کہ اہل جاہلیت یہ تصور رکھتے تھے کہ ان بیماریوں میں خود سے تعدی کی صلاحیت ہے، تو "لاعدوی" میں اس کی نفی کی گئی، جبکہ اللہ کے حکم سے ایک دوسرے کو بیماریاں منتقل ہوجاتی ہیں، اور یہ مشاہدہ کی چیز ہے، لہٰذا آگے احتیاط کی بات کی گئی، بقیہ یہ بات طے ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، بہت سے لوگ مریضوں کے ساتھ رہتے ہیں، اور ان کو کچھ نہیں ہوتا، اور بہت سے آخری درجہ کی احتیاط کرتے ہیں، تب بھی مبتلا ہوجاتے ہیں، پھر وہ سوال جو ان احادیث میں سے بعض میں کیا گیا ہے آج بھی موجود ہے کہ پہلے مریض کو بیماری کہاں سے آئی:

"أفمن أعدى الأول". (بخاری ۵۷۱۷)

اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ جس طرح پہلے کو اللہ کے حکم سے مرض لاحق ہوا، اسی طرح بعد والوں کو بھی اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، بیماری میں بالفعل یہ طاقت ہوتی تو وہ سب تک تعدی کرتی، پھر بھی احتیاط کا حکم ہے لہٰذا کرنا چاہئے۔

محور دوم: کرونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف

سوال: (۱) گھروں میں نماز

نماز باجماعت کی بے شمار فضیلتیں وارد ہوئی ہیں، جماعت سے نماز پڑھنے پر ۲۵ یا ۲۷ گنا زیادہ ثواب کی بشارت دی گئی ہے، اس کے ترک

پر بہت سی وعیدیں بھی وارد ہوئی ہیں، اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس دور میں جماعت سے تخلف صرف وہ منافق کرتا تھا جس کا نفاق کھل چکا ہو، اور اسی وجہ سے اکثر ائمہ نے جماعت کو واجب یا قریب بواجب قرار دیا ہے۔ (شامی ۱/۴۰۹) لیکن اعذار کی صورت میں شریعت نے جماعت سے تخلف کی اجازت دی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ بارش والی ٹھنڈی راتوں میں آنحضرت ﷺ مؤذن سے فرماتے تھے کہ اعلان کردے کہ سب لوگ گھروں میں نماز پڑھیں:

"عن ابن عمرؓ قال: کان رسول الله ﷺ یأمر المؤذن إذا کانت لیلة باردة ذات مطر یقول: ألا!صلوا فی الرحال."

(بخاری کتاب الاذان، باب الاذان للمسافر ۶۳۲، مسلم کتاب المساجد، باب صلاۃ المسافرین ۶۹۷)

اسی لیے فقہاء نے فرمایا کہ اعذار کی بنیاد پر جماعت سے تخلف کرنا جائز ہے:

"فلا تجب علی مریض ومقعد(الی) ولا علی من حال بینه وبینها مطر وطین وبرد شدید وظلمة....الخ"

(شامی ۱/۴۱۰-۴۱۱)

لہٰذا جب وباء کے خوف کے ساتھ ساتھ حکومت کے احکام بھی ہوں، تو جماعت کا وجوب ساقط ہوجائے گا، اس حالت میں بہتر یہ ہے کہ گھر والوں کے ساتھ باجماعت نماز پڑھے تاکہ جماعت کا ثواب فوت نہ ہو اور اگر ایسا نہ ہوسکے تو انفرادی طور پر بھی پڑھ سکتا ہے، واللہ اعلم۔

سوال: (۲) تکرار جماعت وجمعہ

عام حالات میں مسجد میں جماعت ثانیہ کرنا احناف بلکہ جمہور ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے، احناف نے یہ تشریح بھی کی ہے کہ مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے، البتہ مسجد طریق اور اسی طرح جس مسجد کا امام اور مؤذن مقرر نہ ہو اس میں جماعت ثانیہ کی اجازت دی گئی ہے، اس کی صراحت تمام کتب فقہیہ میں موجود ہے، چنانچہ الدر المختار ۱/۴۰۸-۴۰۹ میں ہے:

"ویکره تکرار الجماعة بإذان وإقامة فی مسجد محلة لافی مسجد طریق أو مسجد لا إمام له۔"

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں: "قوله یکره" أی تحریما لقول الکافی لا یجوز...الخ" (رد المحتار ۱/۴۰۸)

البتہ اگر پہلی جماعت جس ہیئت پر ہوئی تھی دوسری جماعت کرتے ہوئے اس میں تبدیلی کردی جائے تو امام ابو یوسف کی روایت یہ ہے کہ اس میں کراہیت نہیں ہوگی، کئی مشائخ نے اس قول کو اختیار کیا ہے، علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

"وقدمنا فی باب الأذان عن آخر شرح المنیة عن أبی یوسف أنه إذا لم تکن الجماعة علی الهیئة الأولی لا تکره وإلا تکره وهو الصحیح، وبالعدل عن المحراب تختلف الهیئة، کذا فی البزازیة، انتهی: وفی التتارخانیة عن الولوالجیة: وبه نأخذ۔"

(ردالمحتار، باب الامامة ۱/۴۰۹، باب الاذان ۱/۲۹۱)

اور فتاوی ہندیہ میں تصریح ہے کہ اگر دوسری جماعت اذان کے بغیر کی جائے تو کراہیت نہیں ہوگی:

"المسجد إذا کان له إمام معلوم وجماعة معلومة لایباح تکرارها فیه بأذان ثان، أما إذا صلوا بغیر اذان یباح إجماعاً، وکذا فی مسجد قارعة الطریق۔" (هندیه ۱/۸۳)

اور اوپر الدر المختار کی عبارت "ویکره تکرار بإذان وإقامة" کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ بغیر اذان اور اقامت کے تکرار جماعت مکروہ نہیں ہے، اسی لیے علامہ ابن عابدین "بإذان وإقامة" کے تحت فرماتے ہیں:

"ولو كرر أهله بدونهما أو كان مسجد طريق جاز إجماعاً۔" (۱/۴۰۸)

لیکن آگے علامہ شامی نے جماعت ثانیہ کی کراہت پر چند دلائل ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے بغیر بھی جماعت ثانیہ کرنا مکروہ ہوگا:

"ومقتضى هذا الاستدلال كراهة التكرار فى مسجد المحلة ولو بدون أذان...الخ۔" (شامی ۱/۴۰۹)

ان عبارات سے دو اختلافات سامنے آتے ہیں:

۱۔ ایک اختلاف یہ کہ اگر بغیر اذان کے جماعت ثانیہ کی جائے تو ایک روایت یہ ہے کہ کراہت نہیں ہوگی اور اجماعاً اس کا جواز ہوگا۔

۲۔ دوسرا اختلاف یہ کہ اگر جماعت کی ہیئت بدل لی جائے تو امام ابو یوسف کے نزدیک کراہت نہیں ہوگی، جب کہ امام صاحب کے نزدیک اس صورت میں بھی کراہت ہوگی، حضرت تھانوی نے "امداد الفتاوی ص ۲۶۳ تا ۲۷۳ وما بعد ج ا" میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔

دوسرے ائمہ کا مسلک:

ہم ذکر کر چکے ہیں کہ احناف کے ساتھ جمہور کا بھی مسلک یہی ہے کہ جماعت ثانیہ مکروہ ہے، چنانچہ "المغنی" اور "المجموع" میں امام مالک اور امام شافعی وغیرہ کا یہی مسلک نقل کیا گیا ہے، لیکن امام احمد بن حنبل اور کئی حضرات کے نزدیک تکرار جماعت میں کراہت نہیں ہے بلکہ جماعت ثانیہ افضل ہے۔

"ولاتكره إعادة الجماعة فى غير مسجد الثلاثة(الى) استحب لهم أن يصلوا جماعة، وهذا قول ابن مسعود وعطاء والحسن والنخعى واسحاق، وقال مالك والثورى والليث وأبوحنيفه والشافعى:"لا تعاد الجماعة فى مسجد جماعة له إمام راتب...الخ۔" (المغنى لابن قدامة ۲/۷،۸، وكذا فى المجموع ۴/۸۵)

مجوزین کا استدلال ان احادیث سے ہے جن سے جماعت ثانیہ کی اجازت معلوم ہوتی ہے:

"عن أبى سعيد الخدرى أن رسول الله ﷺ أبصر رجلا يصلى وحده فقال: ألا رجل يتصدق على هذا فيصلى معه۔"

(ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب فی الجمع فی المسجد مرتین ۸۵؍۴۷، ترمذی ابواب الصلاۃ، باب الجماعۃ فی مسجد صلی فیہ مرۃ ۲۲۰)

اور مانعین نے بھی کئی دلائل پیش کئے ہیں:

۱۔ "عن عبدالرحمن بن أبى بكرة عن أبيه رضى الله عنهما أن رسول الله ﷺ خرج من بيته ليصلح بين الأنصار تشاجر جرى بينهم، فرجع وقد صلى فى المسجد بجماعة، فخرج رسول الله ﷺ فى منزل بعض أهله فصلى بهم جماعة۔"
(أخرجه الطبرانى فى الكبير والاوسط كما فى جمع الزوائد ۱/۱۶۰)

۲۔ "عن الحسن قال: كان أصحاب رسول الله ﷺ إذا دخلوا المسجد وقد صلى فيه صلوا فرادى۔"

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلاۃ، باب من قال یصلون فرادی ولا یجمعون ۱۸۸؍۷)

۳۔ اس کی عقلی دلیل فقہاء نے یہ دی ہے کہ جماعت ثانیہ کی اجازت دینے سے تقلیل جماعت ہو جائے گی۔ ('شامی ۱/۴۰۹ بدائع ۱/۳۸۰)

ان تفصیلات سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ ظاہر الروایہ کے مطابق اذان واقامت کے ساتھ جماعت ثانیہ کرنا مکروہ ہے، دوسرے کئی ائمہ بھی جماعت ثانیہ سے منع کرتے ہیں۔

۲۔ امام احمد اور بعض دوسرے ائمہ کے یہاں جماعت ثانیہ نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔

۳۔ امام ابو یوسف کی روایت یہ ہے کہ پہلی ہیئت میں تبدیلی کردی جائے مثلاً: دوسری جماعت کا امام بجائے محراب کے الگ کھڑا ہو جائے تو کراہت نہیں ہوگی۔

۴۔ راستہ کی مسجد اور ایسی مسجد میں جماعت ثانیہ مکروہ نہیں ہے جس کا کوئی امام مقرر نہ ہو۔

۵۔ اگر بغیر اذان واقامت کے دوسری جماعت کی جائے تو بعض روایات سے اس کا جواز اور بعض سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے، جس میں تطبیق کی شکل یہ ہے کہ جن حضرات نے جائز کہا ہے انھوں نے درحقیقت کراہت تحریمی کی نفی کی ہے، اور جنھوں نے مکروہ کہا ہے انھوں نے کراہت تنزیہی کا اثبات کیا ہے۔

۶۔ دلائل دونوں فریق کے پاس احادیث سے موجود ہیں، لیکن ان دلائل پر کافی کلام کیا گیا ہے، جس کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے۔

۷۔ احناف نے جو عقلی دلیل دی ہے وہ کافی مضبوط ہے، یعنی اگر مطلقاً اجازت دے دی جائے تو تقلیل جماعت ہوگی، اور جماعت کی اہمیت دلوں سے جاتی رہے گی، اسی وجہ سے بعض حضرات نے تفصیل کرتے ہوئے کہا کہ اہل محلّہ کے لیے جماعت ثانیہ مکروہ ہے، لیکن مسافروں کے لیے گنجائش ہے۔ (کتاب النوازل ۴/۵۱۰)

خلاصۂ بحث

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہی روایات اور دلائل کی روشنی میں اگر کسی ناگزیر ضرورت کے پیش نظر جماعت ثانیہ کی جائے تو اس کی گنجائش ہونی چاہئے، اس لیے کہ فقہاء نے کراہت کی تعلیل تقلیل جماعت سے کی ہیاور وہ علت یہاں مفقود ہے، لیکن زیادہ بہتر ہوگا کہ دوسری جماعت میں پہلی والی ہیئت بدل دی جائے، تاکہ امام ابو یوسف کے قول کے پیش نظر مزید اطمینان ہو۔

تعدد جمعہ

جماعت کے تعدد کے سلسلہ میں اوپر جو بحث کی گئی ہے وہی پوری بحث جمعہ کے تعدد کے لیے بھی سمجھی جائے، بس اس فرق کے ساتھ کہ جمعہ کی جماعت کے لیے امام کے علاوہ مزید تین ایسے مقتدی ہونے چاہئے جن کی امامت سے جمعہ پڑھا جا سکتا ہو، چنانچہ مقتدی بچے ہوں یا عورتیں ہوں تو جمعہ صحیح نہیں ہوگا، نیز یہ بھی شرط ہے کہ اس سے پہلے خطبہ ہو، بقیہ دوسری شرائط معروف ہیں وہ بھی سب پائی جاتی ہوں:

”ویشترط لصحتها سبعة أشياء: المصر... الرابع: الخطبة فيه والخامس: كونها قبلها... بحضرة جماعة تنعقد الجمعة بهم... والسادس: الجماعة واقلها ثلاثة رجال سوى الإمام والسابع: الإذن العام۔“

(الدر المختار مع رد المحتار ۱/ ۵۷۹-۶۰۰، نیز دیکھئے: کتاب الفتاوی ۳/ ۸۰-۸۱، کرونا مسائل واحکام: ص ۵۱/از مولانا عبید الاسعدی)

سوال: (۳) وباء کے زمانہ میں گھروں میں جمعہ

جمعہ کی نماز کی (جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا) کچھ مخصوص شرطیں ہیں، جب وہ پائی جائیں گی تو گھروں میں بھی جمعہ کرنا جائز ہوگا، مثلاً ایک شرط ہے اذان عام کا ہونا، اگر گھر میں جمعہ ہو رہا ہے تو یا وہ باہری بیٹھک والے کمرہ میں ہو، یا گھر کے اندر ہو تو اس انداز سے ہو کہ کوئی بھی وہاں آسکتا ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ جس جگہ جمعہ پڑھ رہے ہوں وہ شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہو، چھوٹے دیہاتوں میں جمعہ گھر تو کیا مسجد میں بھی جائز نہیں، تیسری شرط یہ ہے کہ امام کے علاوہ تین ایسے مقتدی ہوں جن کی امامت سے جمعہ پڑھا جا سکتا ہو، چنانچہ (جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے) مقتدی بچے ہوں یا

عورتیں ہوں تو جمعہ صحیح نہیں ہوگا:"ویشترط لصحتھا۔۔الخ" (الدر المختار ۱/۵۸۹-۶۰۰)

یہ سب شرطیں پائی جائیں تو گھروں میں جمعہ جائز ہوگا، اس لیے کہ تعدد جمعہ کی اجازت دی گئی ہے، اور نماز جمعہ کے لیے مسجد کی شرط نہیں لگائی گئی۔

"وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ۔" (شامی ۱/۵۹۵)

چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے جو ہدایات جاری کی گئی ہیں اس کے ص ۲ پر صراحتاً اس کی اجازت دی گئی ہے، اور مولانا عبیداللہ اسعدی صاحب نے اپنی کتاب ''کرونا مسائل واحکام ص ۴۸'' پر نیز پاکستان کے مشہور ادارے جامعہ بنوری ٹاؤن نے اپنے آن لائن فتوی میں اس کی تائید کی ہے۔

سوال: (۴) جمعہ کے دن گھر میں ظہر با جماعت پڑھیں یا تنہا؟

جو لوگ جمعہ کی نماز مسجد میں ادا نہ کرسکیں، نہ ہی گھر میں جمعہ قائم کرسکیں تو وہ ظہر کی نماز پڑھیں گے، اتنی بات تو متفقہ ہے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ ظہر کی نماز جماعت سے ادا کریں گے یا تنہا پڑھیں گے؟ علماء احناف کا عام فتوی یہی ہے کہ وہ انفرادی طور سے ظہر کی نماز ادا کریں گے، یہی بات دارالعلوم دیوبند کے فتوی میں بھی موجود ہے، فرماتے ہیں:

''شہر، قصبہ یا بڑے گاؤں میں جن لوگوں کے لیے جمعہ کا نظم نہ ہو سکے، یا وہ کسی عذر کی بناء پر بالا عذر جمعہ نہ پڑھ سکیں وہ ظہر کی نماز تنہا تنہا پڑھیں گے جماعت کے ساتھ نہیں۔۔۔۔فقہ حنفی کی تمام بنیادی کتابوں اور اکابر علماء دیوبند کے فتاوی میں ایسا ہی ہے۔'' (ص ۳)

حقیقت بھی یہی ہے کہ فقہاء احناف کی تمام بنیادی کتابوں میں جمعہ کے دن معذورین کو ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اس سے جماعت جمعہ سے معارضہ کی شکل نظر آتی ہے، مزید یہ کہ اس دن دو حکم دیئے گئے ہیں: مثلاً یہ کہ جمعہ کے لیے سعی کریں، دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ جماعت ترک کردیں، یہ معذورین پہلے حکم پر قادر نہیں ہیں، لیکن دوسرے کو انجام دے سکتے ہیں، لہٰذا ﴿لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعھا﴾ کے تحت ان کو ترک جماعت کا وہ کام انجام دینا چاہئے، جس پر وہ قدرت رکھتے ہیں۔

جواز کا قول

لیکن علماء کی ایک جماعت وہ بھی ہے جو عام اور خاص حالات میں فرق کرتی ہے، ان کا کہنا ہے کہ ظہر کی جماعت عام حالات میں صورت معارضہ ہونے اور لوگوں کو نماز جمعہ سے سستی برتنے سے روکنے کے لیے ہے، مذکورہ بالا عبارات میں اس کی صراحت موجود ہے، پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لاک ڈاؤن کے خاص حالات میں حکومت کی ممانعت اور جمعہ کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے لوگ گھر میں ظہر کی جماعت کررہے ہیں، کیا ان کی جماعت سے بھی موجودہ حالات میں معارضہ کی شکل پیدا ہورہی ہے؟ کیا جمعہ کے لیے ان کا نہ جانا غفلت کے سبب ہے؟ کیا عجیب بات نہیں ہے کہ روز وہ ظہر جماعت سے پڑھیں، جمعہ کے دن بھی بقیہ نمازیں جماعت سے پڑھیں، صرف ظہر تنہا تنہا پڑھیں؟ پھر اگر جمعہ الگ الگ پڑھا جائے تو معارضہ نہیں ہے، اور ظہر پڑھنے سے معارضہ ہے؟ لگتا ایسا ہے کہ یہ حکم فقہاء نے اس زمانہ میں لکھا تھا جب شہر میں تعدد جمعہ کی ممانعت تھی، اسی لیے مساجد کے بند کرنے کا بھی ذکر موجود ہے، لہٰذا عام حالات میں تو گھر میں نہ جمعہ کی جماعت قائم کرنی چاہئے نہ ظہر کی، لیکن خاص حالات میں اس کی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں، جب کہ اجازت کے لیے وہ تمام آیات اور احادیث ذکر کی جاسکتی ہیں جو جماعت کی فضیلت کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، اسی لیے مولانا عبیداللہ اسعدی صاحب تفصیل سے اس طرح کی باتیں بیان کرنے کے بعد اور دوسرے مسالک میں اس کے جواز کی بات نقل

کرنے کے بعد اخیر میں فرماتے ہیں:

''لہٰذا موجودہ خاص صورت حال میں باجماعت ظہر ادا کرنے کی اجازت دینی چاہیے کہ جمعہ کے محل میں کچھ حق جمعہ کی شکل میں ادا ہوجائے۔'' (کرونا مسائل واحکام ص ۵۶)

اور اسی صفحہ کے حاشیہ میں نقل کیا کہ یہی رائے مولانا تقی عثمانی صاحب اور پاکستان کے بعض دوسرے علماء کی بھی ہے۔

خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ کہ جمعہ کے دن اکثر علماء نے گھر میں ظہر کی جماعت قائم کرنے کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، کچھ نے اجازت دی ہے، کتب فقہیہ کی ظاہری عبارات کے اعتبار سے اکثر علماء کا موقف زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، لیکن ان عبارات کی اصل علت اور حالات کی نزاکت نیز مصلحت کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے دوسری رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے، لہٰذا راقم بھی دوسری رائے کی تائید کرتا ہے۔

سوال: (۵) گھر میں عیدین کی نماز

عیدین کی نماز کی شرائط وہی ہیں جو جمعہ کی نماز کی ہیں سوائے اس کے کہ عیدین کی نماز میں خطبۂ نماز کے بعد ہوتا ہے اور مسنون ہے، جب کہ جمعہ میں پہلے ہوتا ہے اور شرط ہے:

"وتجب صلاتهما في الأصح على من تجب عليه الجمعة لشرائطها المتقدمة سوى الخطبة، فإنها سنة بعدها۔"

(الدر المختار مع رد المحتار ۱/۶۱۱، ہندیہ ۱/۱۵۰)

لہٰذا گھر میں جمعہ پڑھنے کے سلسلہ میں جو تفصیلات گذشتہ اوراق میں بیان کی گئی ہیں، وہی عیدین کے بارے میں بھی ہوں گی، یعنی عیدین کی نماز خاص شرائط پائے جانے پر گھر میں بھی جائز ہوگی، واللہ اعلم۔

سوال: (۶) ماسک لگا کر نماز

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ بلا عذر منھ اور ناک کو کپڑے سے بند کر کے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے:

"ويكره اشتمال الصماء والاعتجار والتلثم والتنخم وكل عمل قليل بلا عذر۔"(قوله:والتلثم) وهو تغطيه الأنف والفم في الصلاة...ونقل عن أبي السعود أنها تحريمية۔ (شامی ۱/۱۸۲-۱۸۳)

لیکن بلا عذر والی قید سے صاف طور پر واضح ہو رہا ہے کہ کسی عذر کے تحت ایسا کیا جاسکتا ہے، لہٰذا جب وباء پھیلی ہوئی ہو، حکومت کی طرف سے سختی ہو تو بلا تکلف وبلا کراہت ماسک کے ساتھ نماز جائز ہوگی، دار العلوم دیوبند اور بنوری ٹاؤن کا آن لائن فتوی بھی یہی ہے۔

صفوں کے درمیان فاصلہ

اصل یہ ہے کہ جب جماعت سے نماز پڑھی جائے تو ایک مصلی دوسرے مصلی سے مل کر کھڑا ہو، کندھے کو کندھے کے اور پیر کو پیر کے محاذات میں رکھے، درمیان میں فاصلہ نہ رکھے، احادیث میں اس کی تاکید آئی ہے، اسی لیے فقہاء نے بلاوجہ فاصلہ رکھنے سے منع کیا ہے۔

اسی لیے فقہاء نے مل مل کر کھڑے ہونے کی تاکید کی اور درمیان میں فاصلہ رکھنے سے منع کیا، اور زیادہ فاصلہ ہونے پر یہ حکم لگادیا کہ اقتداء صحیح نہیں ہوگی، البتہ ساتھ ہی ساتھ یہ صراحت بھی کی کہ اگر مسجد کے اندر فاصلہ ہوجائے تو نماز صحیح ہوجائے گی، اس لیے کہ پوری مسجد ہی ایک مکان

کے حکم میں مانی جاتی ہے، اسی طرح گھر بھی مسجد ہی کے حکم میں ہوتا ہے، الا یہ کہ مسجد یا گھر بہت ہی زیادہ بڑے ہوں تو زیادہ فاصلہ مانع اقتدا ہوگا:

"قال الشمنی:"وینبغی أن یأمرھم بأن یتراصوا ویسدوا الخلل ولیسوا وامنا کبھم۔" (شامی ۱/ ۴۲۰)

ان نصوص سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بلا وجہ فاصلہ سے کھڑا ہونا مکروہ ہے، لیکن نماز ہو جائے گی، اس لیے کہ مسجد اور گھر ایک مکان کے حکم میں مانے گئے ہیں، اور وباء کے زمانہ میں چوں کہ فاصلہ اپنی حفاظت کے لیے ایک عذر کے تحت اور حکومت کے احکام کی وجہ سے رکھا جا رہا ہے، لہٰذا کراہت بھی نہیں ہوگی۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کا آن لائن فتوی (۱۴۴۱۰۷۲۰۱۱۸۴)

سوال: (۷) کرونا سے متاثر افراد کا مسجد آنا

اطباء اور ڈاکٹروں کی تحقیق یہی ہے کہ کرونا کا مرض تیزی سے ایک شخص سے دوسرے شخص کو منتقل ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر کسی کو یہ مرض ہو گیا ہو تو اس مرض کے سبب اس سے جماعت کا وجوب اور تاکید ساقط ہو جائے گا:

"وتسقط الجماعة بالأعذار حتی لا تجب علی المریض والمقعد...الخ۔" (ھندیہ ۱/ ۸۳)

"فلا تجب علی مریض ومقعد...الخ۔" (شامی ۱/ ۴۱۰)

لہٰذا کرونا کے مریض کو چاہئے کہ خود ہی جماعت اور جمعہ سے دور رہے، تا کہ دوسرے مرض سے محفوظ رہ سکیں، شریعت نے صرف نمازیوں کو بو کے ضرر سے بچانے کے لیے پیاز اور اس جیسی بدبودار چیز کھانے والے کو بدبو زائل کئے بغیر مسجد میں آنے سے منع کیا ہے تو اس مریض کا ضرر تو اس سے بڑھ کر ہے، اسی لیے ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے جذام میں مبتلا شخص سے دست بدست بیعت نہیں لی اور پیغام بھیج دیا کہ ہم تم سے بیعت لے چکے ہیں۔ (مسلم کتاب السلام، باب اجتناب المجذوم ونحوہ ۲۲۳۱)

علامہ نووی قاضی عیاض کے حوالہ سے فرماتیہیں کہ ایسے شخص کو مسجد آنے اور لوگوں سے ملنے جلنے سے منع کر دیا جائے گا۔

"ویمنع من المسجد والاختلاط بالناس۔" شرح مسلم، باب مذکور ۷/ ۳۳۷، داراحیاء)

نیز آنحضرت ﷺ نے جذام میں مبتلا شخص سے دوری اختیار کرنے کا حکم دیا اور بیمار جانور کو تندرست جانور کے پاس لانے سے روکا، اس حکم میں اس طرح کے تمام امراض والے لوگوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے:

"عن ابی ھریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: فِرّ من المجذوم کما تفر من الاسد۔"

(بخاری، کتاب الطب، باب الجذام ۵۷۰۷)

"وعنه قال: قال رسول الله ﷺ:"لا یورد ممرض علی مصح۔" (بخاری کتاب الطب، باب لا ھامة ۵۷۷۱/ مسند احمد ۹۲۶۳)

بنوری ٹاؤن فتاوی ۱۴۴۱۰۷۲۰۰۵۳۷ آن لائن میں ہے: مذکورہ تفصیل کی روشنی میں یقینی طور پر کرونا وائرس میں مبتلا مریض کو مسجد میں نماز نہ پڑھنے کے سلسلہ میں معذور سمجھا جائے گا۔

سوال: (۸) کرونا سے متاثر افراد کے لیے روزہ کا کیا حکم ہے؟

کرونا کا مریض اگر سیریس ہو تو ظاہر بات ہے کہ وہ روزہ رکھ ہی نہیں سکے گا، لیکن اگر اس کی حالت ایسی سیریس نہ ہو، وہ اپنے اندر روزہ رکھنے کی طاقت پا رہا ہو تو بی بی سی نے ۲۴/ اپریل ۲۰۲۰ء کی اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ اس حالت میں بھی اس کو روزہ نہیں رکھنا چاہئے، اس لیے کہ روزہ سے مدافعتی نظام کمزور ہو جاتا ہے، بعض ڈاکٹروں نے مرض کی شدت اور کمی کے اعتبار سے الگ الگ بات بیان کی ہے، بہر حال اگر کوئی بیمار ہو

توشریعت نے اسے روزہ نہ رکھنے اور بعد میں قضاء کرنے کی اجازت دی ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا اَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ." (سورہ بقرہ ١٨٤)

فقہاء فرماتے ہیں کہ مریض کو اگر ہلاک ہوجانے یا کسی عضو کے ضائع ہوجانے کا خوف ہو تو بالاجماع افطار کرسکتا ہے، اسی طرح اگر مرض کے بڑھ جانیا دیر تک قائم رہنے کا خوف ہو تب بھی احناف کے نزدیک اس کے لیے افطار جائز ہے، اور بعد میں صرف قضاء لازم ہوگی، پھر اس کا پتہ یا تو کسی ماہر معالج کے بتانے سے لگے گا، یا خود مریض کے غلبۂ ظن سے، دونوں صورتوں میں وہ روزہ توڑ سکتا ہے، اور جب روزہ توڑ دینے کی اجازت ہے تو اگر سرے سے روزہ کی نیت نہ کرے اور روزہ نہ رکھے تو بدرجہ اولیٰ اس کی اجازت ہوگی، اس لیے کہ افطار کا معاملہ زیادہ سنگین ہوتا ہے:

"(منها المرض) المريض إذا خاف على نفسه التلف أو ذهاب عضو يفطر بالإجماع (اى) ثم معرفة ذلك باجتهاد المريض...الخ" (هنديه ١/٢٠٧)

"ومريض خاف الزيادة لمرضه وصحيح فإن المرض (وصحيح خاف المرض) اى بغلبة الظن۔" الخ

(شامی ۲/۱۲۶ کتاب الصوم، فصل فی العوارض المبیحۃ لعدم الصوم)

سوال: (۹) کرونا کے سبب حج وعمرہ سے روکنا

اگر حقیقی طور پر کرونا پھیلا ہوا ہو، اور اندیشہ ہو کہ عازمین حج وعمرہ اس سے متأثر ہوں گے تو حاکم کے لیے اجازت ہوگی کہ عمومی اجازت منسوخ کردے، جب جمعہ اور جماعت کا وجوب ساقط ہوسکتا ہے تو حج وعمرہ میں تو کہیں زیادہ ازدحام ہوتا ہے، اور بیماری کے پھیل جانے کا خطرہ ہوتا ہے، اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حج کے وجوب کے لیے راستہ کا پرامن ہونا اور سلامتی کا غالب ہونا فقہاء کے نزدیک شرط ہے، وباء کے زمانہ میں یہ شرط مفقود ہوتی ہے:

"مع أمن الطريق بغلبة السلامة (قوله بغلبة السلامة) كذا احتاره الفقيه ابو الليث وعليه الاعتماد۔" الخ

(شامی ۲/۱۵۷، ہندیہ ۱/۲۱۸)

۲۔ بہت سی احادیث میں ذکر ہے کہ امام وقت پر رعایا کی مصالح کا خیال رکھنا اور ان کے ساتھ خیر خواہی کرنا واجب ہے، اور جب اس طرح کی وباء پھیلی ہوئی ہو اور حقیقی طور پر اس کے پھیل جانے کا اندیشہ ہو، تو بلاشبہ عمومی اجازت دینا مصالح کے خلاف ہے:

"عن معقل بن يسار قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ما من أمير يلى أمر المسلمين، ثم لا يجهد لهم وينصح لهم إلا لم يدخل معهم الجنة۔" (مسلم، کتاب الایمان، باب الوالی الغاش لرعیۃ ۱۴۲، بخاری کتاب الاحکام، باب من استرعی رعیۃ ۷۱۵۰)

"وعن تميم الدارى ان النبى ﷺ قال: الدين النصيحة، قلنا لمن؟ قال لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم۔" (مسلم كتاب الايمان، باب بيان ان الدين النصيحة ٥٥)

اس حدیث کی شرح میں علامہ نووی فرماتے ہیں کہ عام مسلمانوں کے لیے نصح کا مطلب یہ بھی ہے کہ ان سے ضرر کو دور کیا جائے اور ان کو فائدہ پہونچایا جائے۔

"دفع المضارعنهم وجلب المنافع لهم۔" (شرح مسلم، باب مذكور٢/١١٧، طبع دار احياء التراث العربى)

۳۔ ان امور کا کچھ اشارہ اس آیت کریمہ سے بھی ملتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ اَن تُؤَدُّواْ الْاَمٰنٰتِ إِلَىٰٓ اَهْلِهَا﴾ (نساء:٥٨)

علامہ آلوسی طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں کہ اس میں خطاب حکام کو ہے کہ رعایا کی نگہداشت کریں:

"إن هذا خطاب لولاة الأمر أن يقوموا برعاية الرعية۔" (تفسير الآلوسی ٥/٦٤)

انھیں نصوص کے پیش نظر اہل اصول نے مشہور قاعدہ فقہیہ وضع کیا ہے:

"تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة۔" (الاشباه لابن نجيم)

محور سوم: مساجد سے متعلق مسائل

سوال: (۱) کرونا کے زمانہ میں مساجد کو بند کرنا کیسا ہے؟

مساجد کو بند کر دینا اور نماز پر پابندی لگا دینا بلا عذر شرعی جائز نہیں ہے، قرآن مجید میں اس کو سب سے بڑا ظلم کہا گیا ہے:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ اَن يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا﴾ (سورة البقرة:١١٤/٥)

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سے مراد وہ مشرکین ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو مسجد حرام میں اللہ کا نام لینے سے منع کر دیا تھا۔

(احکام القرآن للجصاص ۱/۶۱)

علامہ قرطبی نے کئی اقوال نقل کئے ہیں، پھر فرمایا کہ اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو قیامت تک کسی بھی مسجد سے روکے:

"المراد من منع من كل مسجد إلى يوم القيامة وهو الصحيح"۔۔الخ (أحكام القرآن للقرطبی ٢/٧٧)

آگے یہ وضاحت بھی کی کہ خواہ حقیقت میں مسجد کو ڈھایا جائے وہ بھی تخریب کے دائرہ میں آئے گا خواہ مجازاً تخریب کی جائے مثلاً مساجد میں نماز پڑھنے اور اسلامی شعائر ظاہر کرنے سے روک لگا دی جائے وہ بھی اس کی تخریب میں شامل ہے۔"خراب المسجد قد يكون حقيقياً۔الخ" (ایضا ٢/٧٧)

اور فقہاء نے بھی بلاوجہ مسجد بند کرنے سے منع کیا ہے الا یہ کہ کوئی مناسب وجہ ہو۔ (البحر الرائق ۲/۲۶ فصل استقبال القبلة بالفرج)

البتہ اگر واقعۃً لوگوں کی جان کا خطرہ ہو، تو جس طرح سامان کی حفاظت کے لیے گنجائش ہے، اسی طرح بدرجہ اوّلی جان کی حفاظت کے لیے نمازیوں کی تعداد محدود کرنے کی اجازت ہونی چاہیے، پھر ہم جہاں ہیں وہاں تو حکومت اس کے لیے مسلمانوں سے مشورہ کی بھی ضرورت نہیں سمجھتی، سیدھے سیدھے پابندی لگا دیتی ہے، اور پولیس عمل نہ کرنے والوں پر سختی اور بے عزتی کرتی ہے، خاص طور سے مسجد انتظامیہ کو پریشان کرتی ہے، تو اس طرح کی صورت حال میں اگر عمومی اجتماع پر روک لگا دے اور صرف مخصوص افراد کو آنے دے، تاکہ حکومت کی مجوزہ تعداد سے لوگ بڑھنے نہ پائیں تو شرعاً اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہوگی۔

سوال: (۲) جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان

اگر اذان دینا ممکن نہ ہو تو یقیناً جماعت موقوف ہونے کی صورت میں بھی اذان دی جائے گی، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے جب ٹھنڈ اور بارش ہونے پر گھروں ہی میں نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا تو اذان موقوف نہیں کی تھی:

عن نافع أن ابن عمر قال: إن رسول الله ﷺ كان يأمر المؤذن إذا كانت ليلة ذات بردو مطر يقول: ألا صلوا في الرحال۔"

(بخاری کتاب الاذان، باب الرخصة فی المطر٦٦٦، مسلم كتاب المساجد، باب الصلاة فی الرحال ٦٩٧)

پھر نماز جماعت سے پڑھی جائے یا انفرادی، اذان سب فرض نمازوں کے لیے سنت مؤکدہ علی الکفایۃ ہے، بعض نے اس کو واجب تک کہا ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ اسلام کا شعار ہے، لہٰذا جماعت ہو یا نہ ہو اگر ممکن ہو تو اذان دی جائے گی، کوئی بھی نہ دے تو پوری بستی والے ایک سنت مؤکدہ علی الکفایۃ کے تارک ہوں گے، کوئی ایک دیدے تو سب کی طرف سے ادائیگی ہو جائے گی۔

پھر خواہ مسجد میں جماعت موقوف ہی کیوں نہ ہو، ایک بڑی تعداد کو اس سے نماز کے اوقات کا پتہ چلے گا، روزہ داروں کو اس سے مدد ملے گی، اسی کے اعتبار سے لوگ گھروں میں انفرادی طور سے با جماعت سے نماز پڑھیں گے، تو ان سب فوائد کے پیش نظر بھی اذان بند نہ کرنی چاہئے۔

سوال: (۳) نمازیوں کی تعداد کے بارے میں حکومت کی ہدایات کی شرعی حیثیت:

اپنے آپ کو اور ملت کو بے عزتی سے بچانے کے لیے نیز اس عہد کے تحت کہ حکومت کے احکام کو تسلیم کریں گے انتظامی طور اس کا ماننا واجب ہے، جس طرح ٹریفک کے قوانین کو ماننا واجب ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ (سورة المائده: ۱)

سوال: (۴) مساجد یا ان کے ملحق حصوں کو کووڈ سینٹر بنانا:

مسجد کے کسی حصہ کو کووڈ سینٹر بنانا جائز نہیں ہے، مساجد کو اللہ کے ذکر، تلاوت قرآن اور نماز کے لیے بنایا جاتا ہے، کووڈ سینٹر بنانا ان سب کے خلاف ہے، جب مریض سنگین حالت میں ہوں گے تو یقیناً نجاست میں بھی ملوث ہو جائیں گے، اور آنحضرت ﷺ نے اعرابی سے صاف طور سے فرمایا کہ مسجد نجاست پھیلانے کے لیے نہیں ہے، بلکہ وہ اللہ کے ذکر اور نماز کے لیے تیار کی جاتی ہے۔:

"إنما بنى هذا البيت لذكر الله والصلاة وإنه لا يبال فيه۔۔الحديث"

(مسند احمد ۱۰۵۳۳) (ابن ماجہ کتاب الطہارۃ، باب الارض یصیبہا البول ۵۲۹)

۲۔ پھر جب کووڈ سینٹر بنائیں گے تو یقیناً خواتین بھی داخل ہوں گی اور بعض حالت حیض میں ہوں گی، اور حائضہ عورت کے لئے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے:

"ومنها: أنه يحرم عليها وعلى الجنب الدخول فى المسجد، سواء كان للجلوس أو للعبور۔" (هنديه ۱/ ۳۸)

۳۔ کووڈ سینٹر بنانے سے اس میں شور وشغف ہوگا، جس سے نماز پڑھنے والوں اور ذکر واذکار میں مشغول رہنے والوں کو تکلیف ہوگی، شریعت نے اس کا اتنا خیال رکھا ہے کہ مسجد میں گمشدہ کا اعلان کرنے سے بھی منع کر دیا ہے:

"ومن سمع رجلا ينشد ضالة... الحديث" (مسلم کتاب المساجد، باب النهی عن نشد الضالۃ فی المسجد ۵۶۸)

۴۔ مساجد میں مسافر اور معتکف کے علاوہ کے لیے ٹھہرنا، کھانا پینا اور سونا منع ہے، سینٹر بنانے سے یہ خرابی بھی پیدا ہوگی،

"ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف... الخ" (هنديه ۱/ ۳۲۱)

جہاں تک ملحقہ جگہ کا تعلق ہے تو اگر شور وشغف کی وجہ سے نمازیوں اور عبادات میں مشغول رہنے والوں کے خلل کا اندیشہ نہ ہو تو اس کو کووڈ سینٹر بنانا درست ہوگا، لیکن وہ بھی وقف زمین ہے، لہٰذا جہاں تک ممکن ہو اس کا مناسب کرایہ مسجد کو دلایا جائے، اس لیے کہ وقف زمین کو بلا کرایہ دینا عام حالات میں منع ہے:

"ولا تجوز إعارة الوقف والإسكان فيه۔" (هنديه ۲/ ۴۲۰)

اوپر کی تفصیل ان حالات کے پیش نظر ہے کہ بہت سی جگہیں اسکول کالج وغیرہ کو کووڈ سینٹر بنایا جاسکتا ہے، ابھی تک الحمدللہ اضطرار والی حالت نہیں ہے، اور مساجد کو سینٹر بنانا مصلحت عامہ کے بھی خلاف ہے، اس کی پیش کش ہونے کے بعد حکومتوں کی طرف سے دوسرے مقاصد کے لیے بھی مسجد کا کوئی حصہ دینے کا مطالبہ ہوسکتا ہے، اس لیے ابھی اضطرار کی وہ کیفیت نہیں ہے کہ اس کام کے لیے مساجد استعمال کی جائیں، اللہ نہ کرے ایسی کیفیت ہوئی تو "الضرورات تبیح المحظورات" کے تحت اس کی گنجائش ہوسکے گی، اس کے جواز کے لیے جو واقعات پیش کئے جاتے ہیں بظاہر ان کی یہی نوعیت تھی۔ واللہ اعلم۔

محور چہارم: کرونا سے متأثر مریض کی تیمارداری

سوال: (۱) کرونا سے متأثر مریض کو الگ تھلگ کردینا

حدیث شریف میں ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو چھ حقوق بتائے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کی جائے،:

"وإذا مرض فعده" (مسلم کتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم ۲۱۶۲، بخاری کتاب الجنائز، باب الامر باتباع الجنائز ۱۲۴۰)

علامہ ابن حجر نے حق کے معنی واجب کے قرار دیے ہیں، اور اس کو واجب کفائی پر محمول کیا ہے:

"وقد تبين أن معنى الحق هنا الوجوب---والظاهر أن المراد هنا وجوب الكفاية۔" (فتح الباری ۳/۱۱۳ ط دار الفکر)

حدیث شریف میں عیادت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ کوئی شام کو عیادت کرے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں، اور جنت میں اس کے لیے ایک باغ مخصوص کردیا جاتا ہے، اور جو صبح مریض کے پاس جاتا ہے تو شام ت ستر ہزار فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں، اور اس کے لیے جنت میں ایک باغ مخصوص کردیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب عام مسلمان پر دوسرے مسلمان کی عیادت کو حق قرار دیا گیا، اور اس کے فضائل بیان کئے گئے تو جو مریض سے قریبی تعلق رکھتے ہیں ان کا عیادت نہ کرنا اور دیکھ بھال نہ کرنا اپنے واجب کو چھوڑ دینا ہے جس کی شرعاً اجازت نہیں ہوسکتی، ہاں یہ الگ بات ہے کہ تیمارداری پوری طبی احتیاط کے ساتھ کرنی چاہئے اور اس سلسلہ میں ڈاکٹروں کی ہدایات پر پورا عمل کرنا چاہئے، جامعہ بنوری ٹاؤن کے آن لائن فتوی میں ہے:

''کورونا وائرس کے مریض کو بے یارومددگار چھوڑ دینا اور اس کی تیمارداری یا عیادت سے خود کو بیماری لگنے کا وہم رکھنا عقیدہ کی کمزوری اور فساد کی نشانی ہے۔'' (فتوی ۱۴۴۱۰۱۲۰۰۸۱۷۷)

سوال: (۲) کرونا کے مریض کے مصارف کس کے ذمہ ہیں

جن کے ذمہ نان نفقہ واجب ہوتا ہے، بیماری کی صورت میں انھیں کے ذمہ علاج کے مصارف بھی ہوں گے، اور اگر وہ یہ خرچ برداشت نہ کرسکیں تو یہ ذمہ داری حکومت (اسلامیہ) کی ہوگی، چنانچہ فقہاء نے ان مریضوں کے مصارف کے لیے بیت المال میں جمع مال کی ایک مد کا مستقل طور سے ذکر کیا ہے، اور یہ بھی بتایا ہے کہ اگر ایک مد میں رقم کم پڑ جائے تو دوسری مد سے قرض لے کر خرچ کی جائے، اور بعد میں اس مد کی رقم آنے پر لوٹادی جائے۔

"والرابع اللقطات... وما أخذ من تركة الميت النظامات ولم يترك وارثا----وهذا النوع يصرف إلى نفقة المرض

وأدويتهم وهم فقراء...فإن لم يكن في بعضها شيء فللإمام ان يقترض على مما فيه مال" (ہندیہ ۱/۱۹۱، بدائع ۲/۱۹۷)

اگر حکومت اسلامیہ موجود نہ ہو یا کوتاہی کر رہی ہو تو عام مسلمانوں کو حتی الامکان ایسے مریضوں کا علاج معالجہ کرانا چاہئے، البتہ اس کو واجب نہیں کہہ سکتے، اس لیے کہ جب اپنا علاج کرانا واجب نہیں ہے تو دوسروں کا علاج کرانا بھی واجب نہ ہونا چاہئے، "ولوان رجلا ظهر برداء، الخ" (ہندیہ ۵/۵۵۳)

محورِ پنجم: کرونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

سوال: (۱) کرونا سے انتقال کرنے والوں کو غسل کس طرح دلائے؟

میت کو غسل دلانا عام حالات میں واجب کفائی ہے۔ (ہندیہ ۱/۱۵۸)

لہٰذا اگر حکومت کی طرف سے اجازت ہو تو طبی ہدایات کو ملحوظ رکھتے ہوئے غسل دلایا جائے، اور اگر غسل دلانا ممکن نہ ہو لیکن تیمّم کرایا جا سکتا ہو تو تیمّم کرا دیا جائے، اس لیے کہ خاص مواقع پر اس کی اجازت دی گئی ہے اور یہ بھی ایک خاص حالت ہے، چنانچہ مرد کو غسل دلانے کے لیے مرد اور عورت کو غسل دلانے کے لیے عورت موجود نہ ہو تو تیمّم کرانے کی اجازت دی گئی ہے،

"ماتت بين رجال أو هو بين نساء يممه المحرم...الخ" (شامی ۱/۶۳۵، هنديه ۱/۱۶۰)

اور اگر نہ غسل دلانا ممکن ہو نہ تیمّم کرانا تو کیا ان دونوں کے بغیر بھی جنازہ پڑھنا اور تدفین کرنا جائز ہوگا؟ مندرجہ ذیل دلائل کی وجہ سے اس کا جواب اثبات میں ہے:

۱۔ الدر المختار میں میت کی طہارت کو نماز جنازہ کی شرط قرار دینے کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ اگر بغیر غسل و نماز کے دفن کر دیا گیا ہو تو قبر پر نماز پڑھیں گے:

"فيصلى على قبره بلاغسل" (شامی ۱/۶۴۰)

۲۔ شہید کے بارے میں بلا غسل نماز جنازہ پڑھنے اور دفن کرنے کا حکم ہے، اخروی اعتبار سے یہ بھی شہید ہے جیسا کہ احادیث کے اشارہ سے معلوم ہوتا ہے، لہٰذا ایک ضرورت کے تحت دنیوی احکام میں بھی اس کو شہید قرار دینے کی اجازت ہونی چاہئے۔

۳۔ کتب فقہیہ میں صراحت کی گئی ہے کہ اگر کسی شخص کے ہاتھ پیر کٹے ہوئے ہوں اور چہرے پر زخم ہوں تو بلا طہارت نماز پڑھے گا، اور بعد میں اسے اعادہ کی بھی ضرورت نہیں ہے:

"مقطوع اليدين والرجلين إذا كان بوجهه جراحة يصلي بغير طهارة ولا يتيمم ولا يعيد على الأصح۔"

(شامی ۱/۱۸۵، ہندیہ ۱/۳۱)

دیکھئے کہاں نماز کی شرط طہارت نہیں پائی گئی، لیکن عذر کی وجہ سے نماز کی اجازت دی گئی، اسی طرح میت کا پاک ہونا اس کی نماز جنازہ کی شرط ہے، لیکن اس شرط پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں نماز پڑھنے اور دفن کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔

۴۔ فاقد الطهورين مفتی بہ قول کے مطابق تشبہ بالمصلین اختیار کرے گا، اور بعد میں نماز کا اعادہ کرے گا، ظاہر ہے کہ اگر بعد میں اسے اعادہ کا موقع نہ مل سکے تو اس سے ترک صلاۃ کا مواخذہ نہیں ہوگا، یہاں بھی وہی کیفیت ہے، اور بعد میں اعادہ کا امکان بھی نہیں ہے، لہٰذا ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ کے تحت جنازہ پڑھ لیا جائے اور دفن کر دیا جائے، ان شاء اللہ مواخذہ نہیں ہوگا۔

"۔۔۔وقالا يتشبه بالمصلين وجوبا(اى) به يفتي وإليه صح رجوعه۔" (الدر المختار ۱/۱۸۵)

دارالعلوم دیوبند کے آن لائن فتوی ۱۷۸۷۴۵ میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور اس میں یہ عبارت بھی ہے:

''بلکہ ایسی مجبوری میں غسل اور تیمّم کا حکم شرعاً ساقط ہوجائے گا، اور اسی حالت میں مرحوم کی نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کردی جائے گی۔''

اسی طرح کی بات مولانا عبیداللہ اسعدی صاحب نے بھی لکھی ہے۔ (کرونا مسائل واحکام ص ۱۰۴)

سوال: (۲) تکفین کا مسئلہ

اگر طبی عملہ غسل دلانے کی اجازت دیتا ہے تب تو کفن دلانا ممکن ہے اور یہ فرض کفایہ ادا کیا جائے گا، لیکن اگر میت پیک کرکے دیتے ہیں اور اس کو کھولنے کی اجازت نہیں دیتے تو الگ سے تکفین کا وجوب ساقط ہوجائے گا، اس لیے کہ تکفین کا مقصد ستر پوشی ہے، اور وہ حاصل ہے۔

اگر طبی عملہ لاش پیک کرکے دیتا ہے، کھولنے کی اجازت نہیں دیتا، لیکن کور کے اوپر سے کوئی کپڑا لپیٹنے سے منع نہیں کرتا تو کفن کا واجب اگرچہ ادا ہوچکا ہے، لیکن مناسب یہ ہوگا کہ کور کے اوپر سے کفن کی سنت پوری کردی جائے، یعنی مرد کو تین اور عورت کو پانچ کپڑوں کا مخصوص کفن دے دیا جائے کہ جیسا فقہاء نے شہداء کے بارے میں لکھا ہے کہ انھیں کے کپڑوں میں دفن کیا جائے، لیکن کپڑوں میں کمی بیشی کو دور کردیا جائے:

"ويزاد إن نقص ما عليه عن كفن السنة" (شامی ۱/۲۷۱)

سوال: (۳) قبر پر نماز جنازہ

اگر طبی عملی خود سے تدفین کردے، اور قبر کا پتہ بتادے، تو جب تک غالب گمان ہو کہ لاش پھٹی نہیں ہوگی تب تک قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم ہے، اور اگر اندیشہ ہو کہ لاش پھٹ گئی ہوگی تو نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، لاش پھٹنے کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے، اس لیے کہ سردی گرمی اور علاقہ نیز میت کے دبلے اور موٹے ہونے کے سبب اس میں بڑا فرق ہوتا ہے، اگر حتمی بات بتلانے والا تجربہ کار شخص موجود نہ ہو تو ظن غالب پر عمل کیا جائے:

"ولو دفن الميت قبل الغسل فإنه يصلى على قبره اى ثلاثة ايام، والصحيح أن هذا ليس بتقدير لازم بل يصلى عليه مالم يعلم أنه قد تمزق، كذا فى السراجية۔" (هنديه ۱/۱۶۵، شامی ۱/۶۴۰)

سوال: (۴) جب قبر کا پتہ نہ ہو تو نماز جنازہ غائبانہ کا حکم:

اگر طبی عملہ خود سے تدفین کردے، اور قبر کی نشاندہی بھی نہ کرسکے، تو کیا ایسی مخصوص صورت حال میں غائبانہ نماز جنازہ ہوسکتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ احناف کے نزدیک غائبانہ جنازہ جائز نہیں ہے، البتہ بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک جائز ہے:

"وشرطها أيضا حضوره(اى) فلا تصح على غائب۔۔الخ۔" (شامی ۱/۶۴۱، هنديه ۱/۱۶۴)

علامہ ابن عابدین نے صراحت کے ساتھ اس صورت کو بھی اس میں شامل کیا ہے جب مجبوری کے تحت اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جاسکی ہو، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کنویں میں گر کر مر جائے اور اس کا نکالنا ممکن نہ ہو، یا اس پر کوئی عمارت گر جائے اور اس کو نکالا نہ جاسکتا ہو، تو اس پر اوپر ہی سے جنازہ کی نماز پڑھ لی جائے گی، جیسا کہ قبر میں پڑھ لی جاتی ہے، پھر آگے فرمایا کہ اگر کوئی سمندر میں ڈوب کر فوت ہوجائے تو اس کی نماز نہیں پڑھی جائے گی، اس لیے کہ اس کا سامنے ہونا محقق نہیں ہے:

"بخلاف مالو غرق فى بحر العدم تحقق وجوده أمام المصلى۔" (شامی ۱/۶۴۰)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ خاص حالات میں بھی اس کی جازت نہیں ہوگی۔

لہٰذا احناف کے نقطۂ نظر سے جب قبر کا پتہ نہ چلے تو متعلقین میت کے لیے استغفار کریں، دعا کریں، ایصال ثواب کریں، نماز جنازہ میں یہی کیا جاتا ہے، اس کی شرائط مفقود ہیں تو ان شاء اللہ دعا و استغفار سے وہی فوائد حاصل ہوں گے۔

البتہ بعض حضرات نے ان خصوصی حالات میں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت دی ہے، مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب لکھتے ہیں:

''اور اگر نہ تو لاش دی جائے اور نہ ہی پتہ چل سکے کہ میت کو کہاں دفن کیا گیا ہے تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ بھی ہوسکتی ہے جو حنفیہ کے یہاں نہیں ہے، البتہ امام شافعی و امام احمد کے نزدیک ہے، ایسی خاص صورت میں حنفی حضرات اگر غائبانہ نماز جنازہ ادا کریں تو گنجائش ہے، اس لیے کہ یہاں ایسا نہیں ہے کہ نماز ادا کر کے دفن کیا گیا اور دوبارہ سہ بارہ کچھ لوگ نماز جنازہ ادا کر رہے ہیں، بلکہ نماز سرے سے ہوئی نہیں، تو نماز پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔[کرونا مسائل و احکام ص۱۰۶]

خلاصہ یہ ہے کہ قبر کا پتہ نہ چلنے کی صورت میں بھی احناف کے یہاں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت نہیں ہے، مفتی بہ قول یہی ہے، لیکن اگر متعلقین پر جذبات کا غلبہ ہو تو مسلک شافعی پر عمل کرتے ہوئے پڑھ سکتے ہیں، مجتہد فیہ مسئلہ میں بہت شدت اختیار کرنا مناسب نہیں، واللہ اعلم۔

سوال: (۵) کیا کرونا سے انتقال کرنے والے مسلمان شہید کہلائیں گے؟

شہداء کی کئی قسمیں ہیں، ایک وہ جو دنیا اور آخرت دونوں اعتبار سے شہید ہوتا ہے، آخرت میں شہداء کا اجر پائے گا اور دنیا میں اس کو غسل دیئے بغیر نماز جنازہ پڑھ کے (اور بعض ائمہ کے یہاں اس کے بغیر) دفن کر دیا جاتا ہے، یہ وہ ہے جو خاص شرائط کے ساتھ معرکہ میں جام شہادت نوش کرے، یا جس کو باغیوں، حربیوں، ڈاکوؤں نے قتل کر ڈالا۔

"ویصلی علیه بلا غسل، ویدفن بدمه وثیابه۔۔الخ" (شامی ۱/۶۷۱)

دوسرا شہید وہ ہے جو آخرت میں ان شاء اللہ شہیدوں والا اجر و ثواب پائے گا، لیکن دنیا میں اس کے ساتھ عام اموات کی طرح معاملہ کیا جائے گا، ان میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جن کو احادیث میں شہید کہا گیا، ان میں پانی میں ڈوب کر ہلاک ہونے والا، آگ سے جل کر یا کسی اندرونی بیماری یا طاعون اور وباء سے ہلاک ہونے والا بھی شامل ہے:

"وإلا فالمرتث شهید الآخرة (الی) والغریق والحریق۔الخ" (شامی ۱/۶۷۲-۶۷۳)

"وشهادة الآخرة بنیل الثواب والموعود للشهید۔ الخ" (ایضاص ۶۷۲)

اس کے بارے میں کئی احادیث وارد ہوئی ہیں، مثلاً:

"عن أبی هریرة رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: الشهداء خمسة: المطعون، والمبطون والغرق وصاحب الهدم والشهید فی سبیل الله۔" (بخاری کتاب الجهاد، باب الشهادة سبع سوی القتل۲۸۲۹،مسلم کتاب الامامة، باب بیان الشهداء ۱۹۱٤)

نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ مطعون وہ ہے جو طاعون میں ہلاک ہوجائے، مبطون وہ ہے جو پیٹ کی بیماری، اسہال سے ہلاک ہوجائے، ایک قول یہ بھی کہ جو مطلق طور پر پیٹ (یعنی اندرونی) بیماری سے ہلاک ہوجائے۔

"فاما المبطون۔۔۔وقیل هو الذی یموت بداء بطنه۔" (شرح النووی لمسلم۶/٥٤۱، باب مذکور)

کرونا میں جس کی موت ہوجائے اس کو دو اعتبار سے شہید قرار دیا جاسکتا ہے: ایک تو یہ ہے کہ مطعون کے درجہ میں ہے، جس طرح طاعون ایک وباء ہے اسی طرح کرونا بھی ایک وباء ہے۔

دوسری وجہ ہے کہ مبطون کے معنی شراح نے پیٹ کے مرض میں ہلاک ہونے والے کولیا ہے، لیکن لفظ کے اعتبار سے اس کے معنی بطن یعنی اندرون کی بیماری ہے، لہٰذا اس سے ہر وہ شخص مراد ہوسکتا ہے جو اندرون جیسے دل، گردہ یا پھیپھڑے وغیرہ کی کسی بیماری میں فوت ہوا ہو، اور کرونا بھی پھیپھڑے کی بیماری ہے، چنانچہ جامعہ علوم اسلامیہ بنوی ٹاؤن کے کئی فتاوی میں اسے شہید قرار دیا گیا ہے۔

محور ششم: کرونا ویکسین سے متعلق مسائل

سوال: (۱) الکوحل آمیز سینی ٹائزر کا استعمال شرعاً کیسا ہے؟

الکحل کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ایک وہ جو منقی، انگور یا کھجور کی شراب سے تیار کیا جائے، یہ بالاتفاق ناپاک اور حرام ہے۔

۲۔ دوسرا وہ جو مذکورہ بالا اشیاء کے علاوہ کسی اور چیز مثلاً جو، آلو، شہد گنا یا سبزی وغیرہ سے تیار کیا جائے، اس کا استعمال اور اس کی خرید وفروخت جائز ہے، بشرطیکہ نشہ آور نہ ہو۔

سینی ٹائزر میں جو الکحل استعمال کیا جاتا ہے وہ دوسری والی قسم سے متعلق ہے، لہٰذا کرونا وائرس یا کسی بھی بیماری سے بچاؤ کے لیے ایسے سینی ٹائزر کا استعمال جائز ہے، چنانچہ اگر ہاتھ یا کپڑے میں لگا ہو تو نماز ہو جائے گی، نیز اس کو مساجد میں بھی استعمال کرنے کی گنجائش ہے، مولانا تقی عثمانی صاحب نے پورے جزم کے ساتھ اس طرح کی بات کی ہے:

”وما غير الأشربة الاربعة فليست نجسة عند الامام أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة (ALCOHALS) الخ. (تکملۃ فتح الملہم ۳/ ۶۰۸، کتاب الاشربہ حکم الکول المسکرۃ، نیز دیکھئے: فقہ اکیڈمی کے فیصلے ص ۱۷۱)

سوال: (۲) کرونا ویکسین لگوانے کا حکم:

جب کسی کو بیماری لاحق ہوجائے تب بھی علاج کرنے کو فقہاء نے واجب قرار نہیں دیا ہے، صرف جائز کہا ہے:

”وتركه ليس محظوراً۔ الخ“ (هنديه ٥/ ٣٥٥)

”الاشتغال بالتداوى لا باس به۔الخ“ (ايضا ٣٥٤)

اور ویکسن جس وقت لگوائی جاتی ہے اس وقت تو بیماری ہوتی بھی نہیں، صرف بطور احتیاط لگوائی جاتی ہے، لہٰذا بدرجہ اوّل ی اس کو صرف مباح کے دائرہ میں رکھنا چاہئے، لیکن اس پر دو پہلوؤں سے مزید غور کرنے کی ضرورت ہے:

۱۔ پہلی بات یہ کہ اگر حکومت کی طرف سے اس پر سختی کی جارہی ہو تو بہر حال حکومت کا حکم ماننا چاہئے، ایک تو اس لیے کہ جائز امور میں حکومت کے احکام ماننے کا حکم ہے، دوسرے اس لیے کہ نہ لگوانے پر بہت سی دقتیں ہوسکتی ہیں۔

۲۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس وباء سے پوری دنیا میں سنسنی پھیلی ہوئی ہے، جہاں اس کی لہر آتی ہے مریضوں سے اسپتال بھر جاتے ہیں، اور قبرستان اور شمشان گھاٹ میں قطاریں لگ جاتی ہیں، اور فی الحال اس سے بچاؤ کا ایک راستہ ویکسی نیشن ہے، لہٰذا آپ کو، اپنے خاندان کو بلکہ اپنی بستی، علاقہ اور ملک کو محفوظ کرنے کے لیے اس کا درجہ مباح سے اوپر کا ہونا چاہئے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ابھی نہ تو حکومت کی طرف سے اس پر سختی ہے، نہ ہی اس کے لگوانے سے یقینی حفاظت کے وعدے ہیں، لہٰذا اس کو

واجب نہیں کہہ سکتے، البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر چہ شرعاً واجب نہیں ہے، لیکن ایک ذمہ دار شہری کی حیثیت سے اس کو سماجی وجوب کا درجہ حاصل ہے، لہٰذا ویکسین لگوانے میں کوتاہی نہ کرنا چاہئے۔

اس سلسلہ میں ایک سوال یہ بھی ہے کہ جو ویکسین پوری دنیا میں لگائی جارہی ہیں ان میں کسی حرام کی آمیزش تو نہیں ہے؟ اس طرح کی باتیں مختلف پلیٹ فارموں سے اٹھائی جاچکی ہیں، لیکن ابھی چوں کہ اس میں حرام کی آمیزش کی کوئی یقینی بات علم میں نہیں آئی ہے، لہٰذا "الاصل فی الاشیاء الاباحة" کے تحت اس کو جائز کہا جائے گا، مزید یہ کہ بالفرض اس میں کسی حرام شئی کی آمیزش بھی ہو، تو زیادہ امکان اس کا ہے کہ اختلاف ماہیت ہوجاتا ہوگا، اور انقلاب ماہیت کے بعد حرام چیزیں بھی حلال ہوجاتی ہیں، جیسے شراب سرکہ بن جائے تو سرکہ کا حکم لاگو ہوجاتا ہے، پھر علاج ومعالجہ کے باب میں شریعت نے خاصی نرمی برتی ہے، لہٰذا موجودہ ماحول میں سختی مناسب نہیں (تطویل کے خوف سے دلائل حذف کردیے)۔

محور ہفتم: کرونا وائرس کو روکنے سے متعلق شرعی ہدایات

سوال: (۱) وباء کو دفع کرنے کے لیے اذان دینا

اذان کا اصل مقصد یہ اعلان کرنا ہے کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے، یہ صرف فرض نمازوں کے لیے مشروع ہے، کسی اور نماز کے لیے مشروع نہیں ہے:

"وهو سنة للرجال ـ ـ للفرائض الخمس في وقتها ولو قضاء ـ ـ ولا يسن يغرها كعيد" (الدر المختار ۱/۲۸۲-۲۸۳)

البتہ احادیث میں نومولود کے کان میں اذان دینے کا ذکر آتا ہے، اسی لیے فقہاء نے نومولود کے کان میں اذان واقامت کو مستحب قرار دیا ہے، شوافع کی کتابوں میں بعض اور مواقع پر بھی بعض ضعیف احادیث سے استدلال کرکے اذان دینے کا ذکر کیا گیا ہے، مثلاً غمزدہ، مرگی کے مریض اور غصہ میں مبتلا شخص کے کان میں وغیرہ وغیرہ، خیر رملی نے مواقع کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ احناف کے یہاں بھی اس کی گنجائش ہوسکتی ہے،:

"قوله ولاليس لغيرها، أى من الصلوات وإلا فيندب للمولود، وفى حاشية البحر للخير الرملى رأيت فى كتب الشافعية ـ الخ" (شامی ۱/۲۸۳)

لیکن وباء کے وقت اذان دینے کا ذکر اس عبارت میں بھی نہیں ہے، آنحضرت ﷺ یا صحابہ کے دور میں دفع وباء کے لیے اذان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، حالانکہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں شام کے علاقہ میں طاعون کے پھیلنے کا ذکر صحیح روایات میں موجود ہے، اسی لیے علماء کے یہاں دفع وباء کے لیے اذان کی اجازت نہیں ہے، حضرت تھانویؒ نے مواقع اذان گنائے ہیں، جن میں اوپر جو مواقع بتائے گئے ہیں ان کے علاوہ بھی کئی مواقع کا ذکر کیا ہے، پھر فرمایا:

''اور بعض بزرگوں کا عمل وقت عموم امراض وخوف غرق کے بھی دیکھا ہے، لیکن کوئی روایت نہیں دیکھی، اور خود ہی حاشیہ میں فرمایا: ''اس لیے نہ چاہئے، بالخصوص جب کہ عوام کا اعتقاد اس میں حد فساد تک پہونچا ہوا ہے۔'' (امداد الفتاویٰ ۱/۱۶۵)

مفتی کفایت اللہ صاحب نے بھی شامی میں مذکور مواقع کا ذکر کیا ہے، لیکن وباء کے لیے انہوں نے بھی کچھ نہیں لکھا۔

(کفایت المفتی ۳/۹-۱۰)

اسی لیے دار العلوم دیوبند کے فتویٰ میں اس سے صراحۃً منع کیا گیا ہے:

''کرونا وائرس طاعون ووباء کیموقع پر قرآن کریم، حدیث شریف نیز کتب فقہ سے اذانیں کہنا ثابت نہیں ہے، لہٰذا ایسے مواقع پر گھر کی چھت، یا گھر کے کونوں وغیرہ میں اذان نہ کہنی چاہئے۔'' (فتویٰ آن لائن ۱۷۸۲۴۲ نیز ۱۷۷۹۵۱)

البتہ شامی وغیرہ میں کتب شوافع کے حوالہ سے جن مواقع کا ذکر کیا گیا ہے ان کے پیش نظر جامعہ بنوری ٹاؤن والوں نے مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ اذان دینے کی اجازت دی ہے، فرماتے ہیں:

''وباء کے خاتمہ کے لیے اذان دینے کے بارے میں فقہاء احناف سے کوئی روایت منقول نہیں ہے، البتہ شوافع کے یہاں مصائب شدائد اور عمومی پریشانیوں کے بعض مواقع پر اذان دینے کی اجازت منقول ہے، اس لیے وباء کے خاتمہ کے لیے اذان دینے کی گنجائش ہے، تاہم یہ اذان مساجد میں نہ دی جائے۔'' (آن لائن فتوی ۱۴۴۱۰۷۲۰۳۲۴)

علماء بریلوی نے نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ (فتاوی رضویہ ۵/۲۷۰ ور بہار شریعت ۳/۴۶۶) کے حوالہ سے اس کو مستحب قرار دیا ہے۔

ان تفصیلات کے پیش نظر اس مسئلہ میں راہ اعتدال یہ ہے کہ چوں کہ اس اذان کا ثبوت احادیث صحابہ کرام اور احناف کی کتب فقہیہ سے نہیں ہے، لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اذان نہ دی جائے، بلکہ دعا واستغفار اور صدقہ خیرات وغیرہ کا اہتمام کیا جائے، اس لیے کہ احادیث میں ان سے مصائب کے دور ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے، پھر بھی اگر کوئی اذان دیتا ہے تو اس پر شدت سے نکیر نہ کی جائے بلکہ نرمی سے سمجھایا جائے، نہ مانے تو خاموشی اختیار کی جائے، واللہ اعلیم۔

سوال: (۲) دفع وباء کے لیے اجتماعی نماز اور دعا

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن کا واقعہ پیش آیا تھا، تو آپ ﷺ نے خاص کیفیات کے ساتھ جماعت سے دو رکعات نماز پڑھائی تھی، اور نماز کے بعد فرمایا تھا کہ چاند گرہن اور سورج گرہن اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، جب یہ دیکھو تو نماز کی طرف لپک لیا کرو:

"فاذا رأيتم الشمس لموت أحد۔" (۱۰۵۸)

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ جب ایسا دیکھو تو تکبیر کہو، اللہ سے دعا کرو، نماز پڑھو اور صدقہ کرو:

"فاذا رأيتموها فكبروا، وادعوا الله وصلوا وتصدقوا۔" (مسلم کتاب الکسوف، باب صلاۃ الکسوف ۹۰۱)

احناف نے صراحت کی ہے کہ جب آندھی چلے، تاریکی چھا جائے یا زلزلہ، اوّلہ باری، شدید بارش اور بجلی کڑکنے اور چمکنے جیسی خوفناک چیزیں پیش آئیں، یا وباء کے امراض پھیل جائیں تو ان تمام مواقع پر بھی نماز پڑھنا مستحب ہے، لیکن جماعت سے صرف نماز کسوف پڑھی جائے گی، نماز خسوف اور بقیہ چیزوں کے لیے انفرادی طور پر نماز پڑھی جائے گی، خواہ لوگ اکٹھا ہی کیوں نہ ہو جائیں، اس لیے کہ احناف کے اصول کے مطابق جماعت صرف فرائض، عیدین اور کسوف جیسی چند متعین نمازوں کے لیے ہے، خسوف اور بقیہ نمازوں کے لیے نہیں ہے، اسی لیے صحابہ کرام سے طاعون وغیرہ کے موقع پر جماعت سے نماز کا ثبوت نہیں ہے۔

جہاں تک اجتماعی دعا کا تعلق ہے تو دعا کے لیے خاص طور سے جمع ہونے کا میرے علم کے مطابق کوئی ثبوت نہیں ہے، یہاں مختلف مواقع پر نماز کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ درحقیقت ان مصائب کو دفع کرنے کی دعا ہی کے طور پر ہے، لہٰذا جہاں نماز کے لیے اجتماع ثابت نہیں، وہاں دعا کے لیے بھی اجتماع نہیں ہونا چاہئے، البتہ خاص اس کے لیے اجتماع نہ ہو، کسی اور مقصد کے لیے ہو اور اس میں اجتماعی دعا کر لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ اعلم

وبائی امراض اور وباء سے متعلق چند سوالات کے جوابات

مفتی محمد زید مظاہری ندوی
استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

محور اول، سوال (۱): وبا کیا ہے؟ اور شریعت میں اس کے بارے میں کیا تصور ہے؟

وبا ایسی عمومی بیماری کو کہتے ہیں جو آب و ہوا کے فساد اور فضائی آلودگی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، جس کے تعفّن اور سمّیت سے کثرت سے لوگ متاثر ہوتے ہیں، اور جس کے نتیجہ میں کثرت سے اموات بھی واقع ہوتی ہیں۔

''وبائی مرض'' ایک ایسی کلی اور عام اصطلاح ہے جس کے بہت سے انواع اور افراد قیامت تک ہو سکتے ہیں، مثلاً طاعون، کرونا، ہیضہ وغیرہ کہ یہ ایسی بیماریاں ہیں جو وبائی امراض کے تحت آتی ہیں، اس نوع کے جملہ امراض (یعنی طاعون، کرونا وغیرہ) اور نفس وبا میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے، یعنی طاعون، کرونا، ہیضہ کو وبائی مرض تو کہہ سکتے ہیں، لیکن ہر وبا کو طاعون یا کرونا نہیں کہہ سکتے، الا یہ کہ مجازاً اس پر اطلاق کر دیا جائے۔

وبائی امراض سے متعلق شرعی تصور

وبائی امراض سے متعلق جو اسلامی تصور ہے ان سب کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) وبا ایسے مرض کو کہتے ہیں جو عمومی طور پر لوگوں میں پھیل جائے، یا ایسا مرض جو کثرت سے لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔

(۲) یہ وبائی امراض عموماً آب و ہوا کے فساد اور فضائی آلودگی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، اس نوع کے وبائی امراض کو عموماً لوگ مجازاً وتوسعاً طاعون سے بھی تعبیر کر دیتے ہیں۔

"قال ابن القیمؒ: فإن فساد جوهر الهواء الموجب لحدوث الوباء، وفساده يكون لاستحالة جوهره إلى الردأة، لغلبة إحدى الكيفيات الرديئة عليه، كالعفونة والنتن والسمية فى أي وقت كان من أوقات السنة۔"

(الطب النبوي، فى هديه فى طاعون وعلاجه والإحتراز منه، صفحه ٦١)

(۳) وبائی امراض کا ظہور ربیع یعنی موسم بہار میں جب کہ بارش اور سبزہ وچارہ کی کثرت ہوتی ہے، ثریّا (ایک خاص ستارہ) کے طلوع کے وقت ہوتا ہے، یعنی گرمی اور جاڑے کے درمیان کا موسم جس کو موسم خریف کہتے ہیں اس وقت اس کا ظہور زیادہ ہوتا ہے۔

(الطب النبوي، فى هديه فى طاعون وعلاجه والإحتراز منه، صفحه ٦١)

(۴) وبائی امراض کے مختلف انواع ہو سکتے ہیں، بعض احادیث مبارکہ میں طاعون کو بھی وبا کہا گیا ہے، نیز صحابہ کرام نے بھی طاعون پر وبا کا اطلاق فرمایا ہے، کیونکہ طاعون بھی وبا ہی کی ایک قسم ہے، لیکن طاعون اور دوسری وباؤں میں بڑا فرق ہے۔

(مصنف عبدالرزاق، باب الوباء والطاعون، جلد۹ صفحہ۴۰، حدیث ۲۱۰۷۶)

(۵) طاعون تو وبا ہے لیکن ہر وبا طاعون نہیں، کیونکہ وبا کے انواع بے شمار ہو سکتے ہیں۔

(۶) ہیضہ، کالرا اور کرونا یہ سب وبائی امراض ہیں، کیونکہ ان پر وباء کی تعریف صادق آتی ہے۔

"قال الحافظؒ: وأما الوباء فهو فساد جوهر الهواء------الخ۔" (فتح الباری شرح بخاری، کتاب الطب، باب ما یذکر فی الطاعون، جلد۱۰، صفحہ۱۹۱)

(۷) طاعون ایسی وبا ہے جس کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے کہ یہ مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو سکتی، لیکن دوسری وبائیں داخل ہو سکتی ہیں۔

"كما جاء فی روایة البخاری عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: لا یدخل المدینة المسیح الدجال والطاعون۔"

(صحیح بخاری، کتاب الطب، باب ما یذکر فی الطاعون، حدیث ۵۷۳۱)

قرآن وحدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم کون میں فتنہ وفساد اور وبائی ومتعدی امراض پائے جانے کے کچھ ظاہری و مادّی اسباب ہوتے ہیں، اور کچھ باطنی ومعنوی اسباب ہوتے ہیں، جن کو حقیقی اسباب کہنا چاہئے۔

شریعت نے اس نوع کے فتنہ وفساد اور وبائی امراض کے وقوع کے اسباب نیز ان سے حفاظت ونجات کے اسباب کی طرف بھی رہنمائی فرمائی ہے، جو دو قسم کے ہیں: ظاہری اور باطنی، ظاہری اور مادّی اسباب سے اطباء اور ڈاکٹر بحث کرتے ہیں، شریعت نے اس کی نفی نہیں کہ بلکہ ان کے اختیار کرنے کی اجازت اور ترغیب دی ہے، اور ساتھ ہی ایسے اصول بیان کر دیئے اور کچھ حدود وقیود مقرر کر دیئے کہ ان اصول کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہر زمانہ میں اطباء ومعالجین کی تحقیق کے مطابق علاج کرنے کی اجازت دی ہے۔

اس کے ساتھ ہی شریعت نے ان وبائی امراض اور ان کے علاج ومعالجہ کے کچھ باطنی اسباب بھی بتائے ہیں، اس کے مطابق احتیاط کرنے کی ترغیب بھی دی ہے، حدیثوں میں دونوں طرح کے اسباب اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، چند حدیثیں ملاحظہ ہوں:

مسند احمد میں حضرت انسؓ کی روایت ہے رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إن الله حيث خلق الداء خلق الدواء، فتداوو۔" (مسند احمد، مسند أنس بن مالك، حدیث ۱۲۵۹۶)

بے شک اللہ تعالیٰ نے جہاں مرض کو پیدا کیا ہے اس کا علاج بھی پیدا کر دیا لہٰذا تم دوا کے ذریعہ علاج کیا کرو۔

ایک حدیث میں آپ نے مطلقاً ارشاد فرمایا:

"تداوو، فإن الله عز وجل لم يضع داءً إلا وضع له دواءً غير داء واحد الهرم۔"

(رواه أبوداؤد، کتاب الطب، باب فی الرجل یتداوی، حدیث ۳۸۵۵)

یہ تو ظاہری ومادّی اسباب سے متعلق تھا۔

باطنی اسباب کے متعلق ایک طرف آپ نے امت کو شفاء امراض کے لئے خاص دعاؤں اور انابت الی اللہ کی ہدایت فرمائی، اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اپنے مریضوں کا صدقہ کے ذریعہ علاج کیا کرو، چنانچہ ارشاد ہے:

"داووا مرضاکم بالصدقة۔"

(سنن البیهقی، کتاب الجنائز، باب وضع الید علی المریض والدعاء له بالشفاء، جلد۳، صفحه ۵۳۶، حدیث ۶۵۹۳)

الغرض آپ نے دونوں قسم کے اسباب اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے، حق تعالیٰ پر توکل ودعا سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف ظاہری ومادّی اسباب کو اختیار کرنا یہ مادّہ پرستوں کا طریقہ ہے، اور صرف باطنی اسباب اختیار کر کے ظاہری اسباب سے اعراض کرنا بھی شریعت کی ہدایت

اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف ہے۔

وبائی امراض کے باطنی اور حقیقی اسباب

متعدد احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے آگاہ فرمایا ہے کہ امت میں جب بے حیائی، زنا، بدکاری عام ہو جائے گی، اولاد کی کثرت اور سود کے لین دین کا رواج ہوگا، اور امت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے گی، یعنی ایسی کھلم کھلا برائیوں پر بھی کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ ہوگا، تو اللہ تعالیٰ ایسے وقت میں ان پر ایسی مہلک اور تکلیف دہ بیماریاں مسلط کر دے گا، جس سے اموات کی کثرت ہوگی، طاعون اور ایسی وبائیں پھیلیں گی جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھیں، آباء واجداد نے ان کا نام بھی نہ سنا ہوگا، ان پر ظالم حکمراں مسلط ہوں گے، جو بڑوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر شفقت نہ کریں گے، ایسے وقت میں اگر تم دعائیں کرو گے تو تمہاری دعائیں بھی قبول نہ ہوں گی جب تک اصل مرض کو نہ دور کرو گے، اس سلسلہ کی چند روایات کا ترجمہ ملاحظہ ہوں۔

(۱) جب کسی قوم میں کھلم کھلا بے حیائیاں اور بدکاریاں ہونے لگیں تو اللہ کی طرف سے طاعون اور اس جیسی مہلک بیماریاں اور وبائیں ان پر مسلط کر دی جاتی ہیں، جو کبھی ان کے اسلاف میں بھی نہیں تھیں۔

(۲) جب زنا کی کثرت ہوگی تو موتیں کثرت سے ہوں گی۔

(۳) جب کسی آبادی میں زنا اور سود کے لین دین کا رواج ہو جائے تو ایسی قوم پر اللہ کا عذاب آتا ہے۔

(۴) جن لوگوں کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی قدرت ہو اس کے باوجود وہ نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر مرنے سے پہلے عذاب مسلط کر دیتا ہے۔

(۵) جب کسی قوم میں فحش اور بے حیائی عام ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم پر موت کے اسباب مسلط کر دیتا ہے۔

(۶) میری امت میں اس وقت تک خیر رہے گی جب تک ان میں زنا کے ذریعہ اولاد نہ ہو، جب زنا کے ذریعہ اولادیں ہونے لگیں تو اللہ تعالیٰ ان پر عمومی عذاب نازل کر دے گا (تین طلاق کے بعد شرعی حلت کے بغیر ساتھ رہنے سے جو اولاد ہوتی ہے وہ بھی اولاد زنا ہے)۔

(۷) امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہ کرنے کی وجہ سے یعنی منکرات اور بے حیائی کے کاموں کو نہ روکنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ امت پر بدترین لوگوں یعنی ظالم حکمراں کو مسلط کر دے گا امت کے صلحاء بھی دعا کریں گے تو ان کی دعائیں قبول نہ ہوں گی۔

یہ مذکورہ بالا حدیثوں کا خلاصہ ہے جن میں رسول اللہ ﷺ نے امت کو ظالم حکمراں کے ظلم، طاعون، ایڈز، کرونا، کینسر جیسے متعدی اور وبائی امراض کے حقیقی اور باطنی اسباب کی نشاندہی فرمائی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مہلک اور وبائی امراض سے حفاظت کے لئے اسلامی ہدایت اور شرعی رہنمائی یہی ہے کہ ان وبائی امراض کے باطنی اسباب کو بھی دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

کرونا یا وبا زدہ علاقوں میں داخل ہونے یا باہر جانے سے متعلق اسلامی ہدایات

محور اول، سوال (۲): وبا سے تحفظ کے لئے شرعی رہنمائی اور اسلامی ہدایات کیا ہیں؟

وبائی امراض میں مبتلا لوگوں سے پرہیز کرنے سے متعلق اسلامی ہدایات:

تقریباً تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ متعدی امراض میں مبتلا شخص سے دور رہنے، پرہیز کرنے کا حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے، اس سلسلہ میں مجھے کسی کا اختلاف معلوم نہیں۔

☆ حافظ ابن حجر فتح الباری میں ابو محمد بن جمرہ سے نقل فرماتے ہیں:

"الأمر بالفرار من الأسد ليس للوجوب بل للشفقة-----وقد أكل هو مع المجذوم، فلو كان الأمر بمجانبته على الوجوب لما فعله-"
(فتح الباری شرح بخاری، کتاب الطب، باب الجذام، جلد ۱، صفحہ ۱۷۱)

یعنی جذامی شخص سے شیر کی طرح بھاگنے اور پرہیز کرنے کا حکم وجوب کے لئے نہیں بلکہ شفقت کی وجہ سے ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے خود جذامی کے ساتھ کھانا کھایا ہے، اگر پرہیز کا حکم وجوبی ہوتا تو آپ ایسا نہ کرتے۔

☆ امام نوویؒ بھی فرماتے ہیں کہ مریضوں سے پرہیز کرنے کا حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں۔

(شرح مسلم، كتاب السلام، باب اجتناب المجذوم، جلد۲، صفحه ۲۳٤)

☆ حضرت ملا علی قاریؒ نے شرح مشکاۃ میں تصریح فرمائی ہے کہ پرہیز کرنے کا حکم یہ ضعفاء کے لئے رخصت ہے، اور پرہیز نہ کرنا بھی جائز ہے۔

"قد تقدم أن الرخصة للضعفاء وتركه جائز للأقوياء-"

(مرقاة المفاتيح شرح مشكاةالمصابيح، كتاب الطب، باب الفأل والطيرة، جلد۸، صفحه۳۹۳)

نیز شرح نقایہ میں حضرت ملا علی قاریؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ جذامی شخص سے قریب ہونا، اختلاط کرنا بالاتفاق مباح اور جائز ہے، کیونکہ خود حضور ﷺ سے جذامی کے ساتھ کھانا کھانا ثابت ہے۔

"ظاهره غير مراد للاتفاق على أباحة القرب، وقد ثبت أن رسول الله ﷺ أكل مع مجذوم-"

(شرح نقایہ، جلد اول، صفحہ ۶۵)

فقہاء کی رائے:

☆ فقہاء نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ اسباب کی دو قسمیں ہیں: قطعی اور ظنی، اسباب قطعیہ مثلاً بھوک دفع کرنے کے لئے کھانا کھانا، پیاس بجھانے کے لئے پانی پینا، ایسے اسباب اختیار کرنا فرض ہے، اگر اس نوع کے اسباب ترک کرنے کی وجہ سے مر جائے گا تو گنہگار ہوگا، اور حرام موت مرے گا، دوسرے اسباب ظنیہ مثلاً علاج ومعالجہ اور جملہ انواع طب جس میں پرہیز اور ایسے مریضوں سے دوری بھی داخل ہے جن کا مرض متعدی ہوسکتا ہے، فقہاء کی تصریح کے مطابق ایسے اسباب اختیار کرنا فرض نہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص اس نوع کے اسباب ترک کرے یعنی علاج نہ کرے جس کی وجہ سے اس کی موت ہو جائے تو گنہگار نہ ہوگا۔

(فتاوی عالم گیری، كتاب الكراهية، نوع فی المسجد، جلد۵، صفحہ ۳۵۵، فتاویٰ بزازیہ، جلد ۶، صفحہ ۳۵۸)

اس کا مقتضی بھی یہی ہے کہ متعدی امراض میں مبتلا مریضوں سے، پرہیز کرنا واجب نہیں بلکہ جائز ہے۔

البتہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ اسباب ظنیہ کا اختیار کرنا بھی ضعیف النفس کے لئے ضروری ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''اور اسباب ظنیہ جن پر غالبا (یعنی اکثر فائدہ اور) نفع مرتب ہو جائے مگر بارہا تخلّف بھی ہو جاتا ہے، جیسے علاج کے بعد صحت ہو جانا یا نوکری ومزدوری کے بعد رزق ملنا، ان اسباب کا ترک کرنا وہ ہے جس کو عرف اہل طریقت میں اکثر توکل کہتے ہیں، اس کے حکم میں تفصیل یہ ہے کہ ضعیف النفس کے لئے تو جائز نہیں، اور قوی النفس کے لئے جائز ہے، بالخصوص جو شخص قوی النفس بھی ہو اور خدمت دین میں مشغول ہو اس کے لئے مستحب بلکہ کسی قدر اس سے بھی مؤکد ہے۔

اگر (اسباب پر نفع) یقینی ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا بھی واجب ہے۔
اور اگر غیر یقینی ہے تو ضعفاء کے لئے اسباب کا اختیار کرنا واجب اور اقویا کے لئے گو جائز ہے، مگر ترک افضل ہے۔''
(بوادر النوادر، صفحہ ۲۶۷، ۲۶۸)

کرونا یا طاعون زدہ علاقوں سے بھاگنے کی ممانعت کی علت

علماء نے اس کی مختلف وجوہات بیان کی ہیں، حضرت ملا علی قاریؒ شرح مشکاۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اگر صحت مند تندرست حضرات وہاں سے بھاگ جائیں تو مریضوں اور مردوں کا ضیاع لازم آئے گا، یعنی مریضوں کی تیمارداری اور مُردوں کی تجہیز و تکفین، نماز جنازہ پڑھنے والا کوئی نہ ہوگا۔

"کره ذلك لما فيه من تضييع المرضى والموتى لو تحول الأصحاء عنهم۔"

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض وثواب المرض، جلد ۴، صفحہ ۲۴)

اسی کے قریب قریب ابن العربی نے بھی احکام القرآن میں تصریح فرمائی ہے۔

"وأما الخروج فإنما نفى عنه لما فيه من ترك المرضى مهملين۔" (احکام القرآن لابن العربی، جلد ۱، صفحہ ۲۲۹)

اس کا حاصل یہ ہوا کہ ایسی حالت میں مریضوں اور مُردوں کی حق تلفی یقینی ہے، اور مریضوں کے اختلاط سے جو نقصان پہنچ سکتا ہے وہ غیر یقینی و محتمل ہے، اور یقینی نقصان کے مقابلہ میں غیر یقینی محتمل نقصان کی رعایت کرنا بیشک عقل و نقل کے خلاف ہے، اسی وجہ سے حضور ﷺ نے طاعون زدہ علاقوں سے بھاگنے کی ممانعت فرمائی ہے چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

''شریعت کا قاعدہ ہے کہ جس جگہ مشکوک اور محتمل ضرر سے بچنے میں دوسرے شخص کا یقینی ضرر لازم آئے وہاں اس کو مشکوک اور محتمل ضرر سے بچنے کی اجازت نہیں، اور یہ قاعدہ کہ محتمل اور مشکوک ضرر سے بچنے کی کوشش کرنا چاہئے، یہ قاعدہ مقید ہے اس قید کے ساتھ کہ جب اس فرار (بچنے اور پرہیز کرنے) میں دوسرے کا یقینی ضرر نہ ہو، اور طاعون سے فرار کرنے میں دوسرے لوگ جو باقی رہ جاتے ہیں ان کا کسر قلب اور زیادہ توحش وضیاع ہے، جو کہ یقینی ضرر ہے، اس لئے اثقل المضر تین یعنی دونوں ضرر میں جو بڑا ضرر ہے اس کو دفع کرنے کے لئے اخف المضر تین کو گوارا کیا جائے گا۔

(امداد الفتاویٰ قدیم، جلد ۴، صفحہ ۲۸۹، سوال ۳۷۹، امداد الفتاویٰ جدید، كتاب الحظر والإباحة، جلد ۹، صفحہ ۴۸۰، سوال ۲۶۸۲)

خلاصہ یہ کہ:

(۱) بعض امراض واقعی بیشک متعدی ہوتے ہیں، اس لئے ان سے پرہیز کا حکم بھی وارد ہوا ہے۔

(۲) لیکن یہ حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبابی واختیاری ہے، البتہ ضعفاء یعنی کمزور عقیدہ اور کمزور ایمان والوں کے لئے پرہیز کا یہ حکم کسی قدر موکد ہے۔

(۳) نیز شرعی قاعدہ ہے کہ بڑے نقصان اور یقینی ضرر کی وجہ سے چھوٹے نقصان اور محتمل ومشکوک ضرر کو گوارہ کر لیا جائے گا۔

(۴) اس لئے کرونا جیسی مہلک ومتعدی وبائی امراض کے شیوع کے وقت صحت مند حضرات کے لئے ایسے مقامات سے مریضوں کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنا شرعاً ممنوع ہوگا، کیونکہ اس سے مریضوں اور اموات کی حق تلفی لازم آئے گی، اس لئے ایسے مریضوں کو بے یار ومددگار چھوڑ کر جانا جائز نہ ہوگا۔

(۵) چونکہ ممانعت کی علت مریضوں اور مُردوں کا ضیاع اور ان کی حق تلفی ہے، لہٰذا اس سے قطع نظر کسی اور سے مثلاً کسی دوسری ضرورت سے ایسے مقام سے دوسری جگہ جا رہا ہے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، بلاشبہ جائز ہے، لفقدان علة الممانعة۔

کرونا، طاعون اوراس جیسی وبا پھیلنے کی صورت میں حکومت کی گائڈ لائن اور نافذ کئے گئے قانون کی شرعی حیثیت

محور اول، سوال (۳): کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے اور اس سے بچنے کے سلسلہ میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل اور دیگر احتیاطی تدابیر کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا ایسا کرنا توکل علی اللہ اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہے؟

اس مسئلہ میں دو باتیں قابل غور ہیں ایک تو یہ کہ ایسے حالات میں حکام کو اس طرح کی پابندی عائد کرنا درست ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ پابندی کے بعد رعایا پر اس کی اطاعت کرنا بھی شرعاً ضروری ہے یا نہیں؟

امر اول کی تحقیق یہ ہے کہ جن مریضوں کے مرض کے متعدی ہونے کا خطرہ ہو اس سے حفاظت کے لئے حکومت کی طرف سے اگر کسی قسم کی پابندی لگائی جائے تو بلاشبہ ان کو اس کا حق ہے، اور یہ پابندی شریعت وسنت کے عین موافق ہے، حضور ﷺ نے خود طاعون زدہ علاقوں میں جانے سے اور جو لوگ وہاں موجود ہیں ان کے آنے سے منع فرمایا ہے۔

اور علامہ عینیؒ نیز ملا علی قاریؒ نے تو تصریح فرمادی ہے کہ جس شخص کی نظر لوگوں کو لگ جایا کرتی ہو، اور جس کی نظر سے لوگوں کو نقصان پہنچ سکتا ہو امام کو چاہئے کہ ایسے شخص کو لوگوں میں داخل ہونے سے منع کردے، حضرت عمرؓ اور آپ کے بعد دیگر خلفاء نے مجذوم کو لوگوں کے پاس آنے جانے سے پابندی عائد کردی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ متعدی امراض پھیلنے کی صورت میں حکومت کا اس قسم کی پابندی لگانا نہ صرف جائز بلکہ بہتر اور پسندیدہ ہے تو توکل اور تقویٰ کے خلاف نہیں، اس میں دین و دنیا دونوں کے فوائد اور اپنی اور دوسروں کی مصلحت ہے۔

رہ گئی دوسری بات یعنی یہ کہ حکومت کی پابندی عائد کرنے کے بعد رعایا کو کیا اس کی اطاعت کرنا ضروری ہے؟ یا اس کی خلاف ورزی بھی درست ہے؟ سو ظاہر ہے کہ احتیاط واجتناب کا حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ امر مندوب ومباح بھی اگر حکومت کا قانون بن جائے تو اس کی اطاعت ضروری ہوتی ہے۔ صرّح به التهانوی فی فتاواه. (ملاحظہ ہو: امداد الفتاویٰ قدیم، جلد ۳، صفحہ ۴۲۹، جلد ۲، صفحہ ۳۱۳)

خلاصہ یہ کہ گورنمنٹ کا ایسا قانون جس میں عام لوگوں کی مصلحت ہو، ایسے قانون کے مطابق عمل کرنا ضروری ہو جاتا ہے، ظاہراً بھی اور باطناً بھی، یعنی اس حکم کی خلاف ورزی کرنے میں چونکہ ضرر کا احتمال ہے دین کا یا دنیا کا یا دونوں کا، دنیا کا تو اس طرح کہ ممکن ہے کہ واقعی مرض متعدی ہو جائے، اور دین کا اس طرح کہ شیطان بد اعتقادی پیدا کردے گا کہ اگر ہم نہ جاتے یا سفر نہ کرتے تو یہ مرض نہ لگتا، الغرض حکم کی خلاف ورزی کرنے میں ضرر کا احتمال ہے اور جس قانون کی خلاف ورزی کرنے میں ضرر کا احتمال ہو، اس کی پابندی باطناً بھی واجب ہوتی ہے، یعنی حکومت کو اطلاع نہ ہو تب بھی اس قانون کی خلاف ورزی درست نہیں۔

اس لئے حکومت کے مقررہ قانون اور گائڈ لائن پر عمل کرنا ضروری ہے، البتہ اس میں کچھ مستثنیات بھی ہیں جو آگے آرہے ہیں۔

اور ان احتیاطی تدابیر پر عمل کرنے کو ایمان کے تقاضوں اور توکل کے خلاف کہنا سراسر جہالت وحماقت اور بد دینی ہے، کیونکہ اس نوع کی ہدایات اور تدابیر پر عمل کرنے کی سید المتوکلین رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو ہدایت فرمائی ہے، جو اس کو خلاف توکل کہتا ہے وہ شریعت سے جاہل اور بد دین ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ آیت "أولوا الأمر" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''اسی تیسری قسم میں ایسے احکام بھی ہیں جن میں کتاب وسنت کی رو سے کوئی پابندی عائد نہیں، بلکہ ان میں عمل کرنے والوں کو اختیار ہے جس طرح چاہیں کریں، جن کو اصطلاح میں مباحات کہا جاتا ہے، ایسے احکام میں عملی انتظام حکام وامراء کے سپرد ہیں کہ وہ حالات اور مصالح کے پیش نظر کوئی قانون بنا کر سب کو اس پر چلائیں، مثلاً شہر کراچی میں ڈاک خانے پچاس ہوں یا سو، پولیس اسٹیشن کتنے ہوں، ریلوے کا نظام کس طرح ہو، آبادکاری کا انتظام کن قواعد پر کیا جائے، یہ سب مباحات ہیں، ان کی کوئی جانب نہ واجب ہے نہ حرام، بلکہ اختیاری ہے، لیکن یہ اختیار عوام کو دے دیا جائے تو کوئی نظام نہیں چل سکتا، اس لئے نظام کی ذمہ داری حکومت پر ہے۔

آیت مذکورہ میں اولوا الامر کی اطاعت سے علماء اور حکام دونوں کی اطاعت مراد ہے، اس لئے اس آیت کی رو سے فقہی تحقیقات میں فقہاء کی اطاعت اور انتظامی امور میں حکام وامراء کی اطاعت واجب ہوگئی۔'' (معارف القرآن، سورہ نساء، جلد۲، صفحہ ۴۵۱، ۴۵۲)

محور اول، سوال (۴): بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے؟

یعنی وبائی امراض یا ایسے مہلک امراض مثلاً طاعون، کرونا، ایڈز، کینسر، جذام، برص، خارش وغیرہ جن کے متعلق ماہر اطباء اور ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ باہمی اختلاط، چھوت چھات، ساتھ رہنے، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے اور مریض کی رطوبت کے لگنے سے بھی یہ امراض دوسروں میں منتقل ہو جاتے ہیں، اس سلسلہ میں اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے؟ شریعت کیا کہتی ہے؟ قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی سے اس سلسلہ میں کیا رہنمائی ملتی ہے؟

اس سلسلہ میں جو روایات منقول ہیں وہ بظاہر متعارض معلوم ہوتی ہیں، ایک طرف تو صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ:

"عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: لا عدوی"

(صحيح بخاری، كتاب الطب، باب الجذام، حديث ۵۷۰۷، صحيح مسلم، كتاب السلام، باب لا عدوی ولا طيرة، حديث ۲۲۲۰)

یعنی امراض متعدی نہیں ہوتے۔

دوسری طرف حضرت ابوہریرہؓ ہی کی روایت میں حضورﷺ نے مجذوم سے علیحدہ رہنے اور بھاگنے (پرہیز کرنے) کا حکم فرمایا ہے۔

"عن أبی هريرةؓ قال قال رسول اللهﷺ:-----فر من المجذوم كما تفر من الأسد۔"

(صحیح بخاری، كتاب الطب، باب الجذام، حدیث ۵۷۰۷)

اس مضمون کی متعدد روایات ابن قیمؒ نے ''الطب النبوی'' میں جمع فرمائی ہیں:

(ملاحظہ ہو: الطب النبوی، فصل فی هديهﷺ فی المتحرز من الدواء المتعدية بطبتها، صفحہ ۱۰۲)

اس کے برخلاف بعض علماء نے فرمایا کہ حدیث "لا عـــــدوی" تو اپنی اصل پر ہے، اور واقعی امراض متعدی نہیں ہوتے، اس کے علاوہ باقی حدیثیں جن میں مجذوم سے بھاگنے کا حکم وارد ہوا ہے، وہ سب منسوخ ہیں، لیکن حافظ ابن حجرؒ، امام نوویؒ وغیرہ نے اس کی تردید فرمائی ہے۔

بہر حال نسخ کا دعوی یا تو مردود ہے کیونکہ احتمال کی وجہ سے نسخ نہیں اختیار کیا جاتا، خصوصاً جب کہ جمع بھی ممکن ہو۔

امام نوویؒ نے بھی نسخ کے دعویٰ کی تردید وتغلیط فرمائی ہے۔

(شرح مسلم للنووی علی ہامش صحیح مسلم، كتاب السلام، باب لا عدوی ولا طيرة، جلد۲، صفحہ ۲۳۰)

نیز امام نوویؒ تحریر فرماتے ہیں:

"قال جمهور العلماء: يجب الجمع بين هذين الحديثين وهما صحيحان۔"

(شرح مسلم للنووی علی ہامش صحیح مسلم، کتاب السلام، باب لا عدوی و لا طیرۃ، جلد۲،صفحہ ۲۳۰)

یعنی اس مضمون کی دونوں قسم کی احادیث صحیح ہیں اور دونوں کے درمیان جمع وتطبیق کی صورت اختیار کرنا واجب ہے۔

پھر تطبیق کی صورت ذکر فرمائی ہے کہ جس حدیث میں تعدیۂ امراض کی نفی کی ہے اس سے مراد وہ تعدیہ ہے، جس کے زمانۂ جاہلیت میں لوگ قائل اور معتقد تھے کہ اللہ کی مشیت کے بغیر بھی امراض متعدی ہو سکتے ہیں، یعنی بذات خود ان میں یہ تاثیر پائی جاتی ہے، ورنہ نفس تعدیۂ امراض اللہ کی مشیت سے اسباب کے درجہ میں ثابت ہے۔

جمہور علماء کا مسلک یہی ہے کہ امراض متعدی ہوتے ہیں:

اس کے علاوہ دیگر محدثین و محققین امام بیہقی، ابن الصلاح، ابن القیم، ابن رجب، ابن مفلح وغیرہم رحمہم اللہ کی بھی رائے یہی ہے کہ امراض متعدی ہوتے ہیں، اور ”لا عـــدوی“ جس میں تعدیۂ امراض کی نفی کی ہے اس کا مصداق صرف یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کے اعتقاد کے ساتھ جو لوگ تعدیۂ امراض کے قائل تھے حدیث میں صرف اس کی نفی مقصود ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ نے مریضوں سے اختلاط کو مرض کے متعدی ہونے کا سبب بنایا ہے۔ (تیسیر العزیز شرح کتاب التوحید، باب ماجاء فی التطیر، صفحہ ۳۵۴)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں:

”شارع نے تعدیۂ امراض کی نفی کی ہے اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ بالکلیہ نفی کی ہے، بلکہ زمانہ جاہلیت کے اہل عرب چونکہ تعدیۂ امراض کو مستقل بالذات سمجھتے تھے یعنی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ مشیت خداوندی کے بغیر بھی امراض متعدی ہو سکتے ہیں (اس لئے اس کی نفی کی ہے) ورنہ تعدیۂ امراض کے ثبوت میں حدیثیں بھری پڑی ہیں، لہٰذا تم کو اس میں شک نہ ہونا چاہئے۔“

”ونفی العدوی لا بمعنی نفی أصلی لکن العرب یظنونها سببا مستقلا ینسون التوکل رأسا، والأحادیث متظاهرة علی ثبوت أصل العدوی فلا تشکن أن النفی لیس معتمدا علی عدمها فی الخارج۔“ (حجة الله البالغه، جلد ۲، صفحه ۱۹۵)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی بھی یہی تحقیق ہے جو تمام فقہاء ومحدثین کی ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

”حدیث ”لا عـــدوی“ میں مطلق عدویٰ کی نفی مقصود نہیں، بلکہ اس عدوی کی نفی مقصود ہے جس کے قائل اہل جاہلیت تھے، اور جس کے معتقدین سائنس اب بھی قائل ہیں، یعنی یہ کہ بعض امراض میں خاصیت طبعی لازمی ہے کہ ضرور متعدی ہوتے ہیں تخلف کبھی ہوتا ہی نہیں، (یعنی وہ تاثیر ذاتی کے قائل ہوتے ہیں کہ اللہ کی مشیت کے بغیر بھی امراض متعدی ہو سکتے ہیں) سو اس کی نفی فرمائی گئی ہے، اور اگر مثل دوسرے اسباب محتملہ کے اس کو بھی مؤثر مان لیا جائے، اس طرح عدوی کے قائل ہونے میں کچھ حرج نہیں، اقرب الی التحقیق مجھ کو یہی مسلک معلوم ہوتا ہے۔“

نیز تحریر فرماتے ہیں:

”جن بیماریوں سے لوگوں کو نفرت ہوتی ہے، جو شخص ان امراض میں مبتلا ہو اس کے لئے بہتر ہے کہ لوگوں سے علیحدہ رہے، تاکہ ان کو تکلیف وایذا نہ پہنچے۔“ (تعلیم الدین، صفحہ ۱۶)

یہ ہیں شرّاح حدیث وفقہاء اور اکابر علماء کی تحقیقات وتصریحات، جن سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بعض امراض واقعی متعدی ہوتے اور ہو سکتے ہیں، اور ان سے احتیاط واجتناب کا شریعت میں حکم بھی آیا ہے۔

محور دوم: کرونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف

کرونا وبا کی وجہ سے بجائے مسجد کے گھر میں نماز پڑھنے کا حکم

محور دوم، سوال (۱): کیا کرونا کے زمانہ میں مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنے یا انفرادی نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

خیر القرون میں کرونا جیسے وبائی امراض کے وقت سلف صالحین نے کیا اس درجہ احتیاط کی اور پرہیز کیا کہ محض مرض کے تعدیہ کے خطرہ اور احتمال کی وجہ سے مساجد کی جماعت کو موقوف اور مسجدوں کو مقفل کر دیا ہو؟ احقر کی ناقص معلومات کے مطابق خیر القرون اور بعد کے دور میں سلف صالحین نے طاعون جیسی وبائی بیماری سے احتیاط کے لیے مختلف تدبیریں تو اختیار کیں، لیکن بالکلیہ مساجد کو مقفل اور معطل کر دیا جائے اور بجائے جماعت مسجد کے انفرادی طور پر گھروں میں تمام نمازیں اور جمعہ ادا کیا جائے، خیر القرون میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی، واللہ اعلم۔

☆ فقہاء و محدثین کے یہاں اس کی صراحت تو ملتی ہے کہ جو شخص یقینی طور پر اس مرض میں مبتلا ہو تو دوسروں کو ضرر سے بچانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص سے قرب و اختلاط سے پرہیز فرمایا اور امام نوویؒ نے ایسے مریضوں کو مسجد میں آنے سے بھی منع فرمایا، البتہ جمعہ میں آنے کی اجازت دی ہے، فقہاء احناف نے بھی ایسے مریض کو جس سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہو مسجد میں با جماعت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

کرونا جیسے وبائی مرض کی وجہ سے مساجد کو مقفل و معطل کرنا کیوں جائز نہیں؟

مذکورہ بالا تفصیل و تمہید کے بعد اب سوالات کے جوابات بالکل واضح ہیں جو درج ذیل ہیں:

(الف) کرونا اور اس جیسے وبائی امراض بے شک اختلاط کی وجہ سے دوسروں تک متعدی ہو سکتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ یقینی طور پر جو اس مرض میں مبتلا ہو اس سے پرہیز کرنا شرعا مطلوب ہے، خصوصا ضعفاء یعنی کمزور ایمان اور کمزور طبیعت والوں کو پرہیز کرنا ضروری ہے، لیکن جو لوگ اس مرض میں مبتلا نہیں ہیں محض اس خطرہ اور وہم کی بنا پر کہ شاید ان میں کوئی ایسا شخص ہو جو اس مرض میں مبتلا ہو اور اس کی بیماری سے دوسرے لوگ بھی متاثر ہو جائیں گے، شریعت نے اس درجہ اس کا اعتبار نہیں کیا، اس لیے یہ اسباب مظنونہ میں سے نہیں، بلکہ اسباب موہومہ اور اس سے بھی کم درجہ کی چیز ہوگی، اور احتیاط و اجتناب میں یہ غلو شرعا محمود نہیں بلکہ مذموم ہوگا، اس لیے محض ان خطرات و احتمالات اور اسباب وہمیہ کی بنا پر نہ ترک جماعت جائز ہے اور نہ ہی مساجد کو معطل و مقفل کرنا جائز ہوگا۔

(ب) یہی وجہ ہے کہ ائمہ مجتہدین اور فقہاء و محدثین نے ترک مسجد و ترک جماعت کے جو اعذار تفصیل سے ذکر فرمائے ہیں ان میں اس کو شمار نہیں فرمایا کہ وبائی امراض کے وقوع اور شیوع کے وقت محض اس خطرہ و احتمال کی بنا پر کہ ہمیں مصلیوں کے اختلاط سے ہم میں کہیں مرض متعدی نہ ہو جائے، فقہاء نے ترک جماعت و ترک مساجد کے اعذار میں اس کو بیان نہیں فرمایا۔

(ج) نیز خیر القرون میں کوئی ایسی نظیر احقر کے علم میں نہیں کہ وبائی امراض کے وقت محض ان خطرات و احتمالات اور اسباب قریبہ و بعیدہ کی بنا پر مساجد کی جماعت کو ترک کر کے گھروں میں انفرادی طور پر نماز پڑھنے کا معمول رہا ہو، اور مساجد کو بالکل معطل اور ویران رکھا گیا ہو۔

(د) ائمہ مجتہدین اور فقہاء اسلام کے یہاں بھی اس کی صراحت نہیں ملتی کہ محض ان احتمالات بعیدہ اور اسباب موہومہ کی وجہ سے انہوں نے ترک جماعت کی اجازت دی ہو، چہ جائے کہ مساجد ہی کو مقفل و معطل کر دینا اس کی اجازت کیوں کر ہو سکتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ کرونا (وبا) کی وجہ سے مساجد کے بجائے اپنے گھروں میں جماعت سے یا انفرادی طور پر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔

وبا کے زمانہ میں ایک مسجد میں جماعت ثانیہ اور متعدد مرتبہ جمعہ ادا کرنے کا حکم

محور دوم، سوال (۲): کرونا کے زمانہ میں ایک مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ پنج وقتہ نمازیں پڑھنے اور متعدد بار نماز جمعہ ادا کرنے کا حکم کیا ہے؟

کرونا یا کسی وبائی مرض کی وجہ سے محض اس خطرہ واحتمال کی بنا پر کہ مسجد میں جماعت کثیرہ اور ہجوم کی وجہ سے باہم اختلاط اور قرب واتصال ہوگا اس وجہ سے ایک کو دوسرے سے ضرر پہنچ سکتا ہے، لیکن سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ یہ مفروضہ صورت اسباب قطعیہ میں سے ہے یا اسباب ظنیہ میں سے؟ جس کی بنا پر فقہاء نے احتیاط و پرہیز کی ہدایت فرمائی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ صورت حال نہ اسباب قطعیہ میں سے ہے نہ اسباب ظنیہ میں سے، کیوں کہ اسباب قطعیہ کی حقیقت تو یہ ہے کہ جس سبب پر اس کا مسبب یعنی اس کا اثر درجہ یقین میں ہو، اور وہ اثر نفع کا ہو یا ہلاکت کا، مثلاً کھانا کھانے سے پیٹ بھرنا اور پانی پینے سے پیاس بجھنا اس کا نفع یقینی ہے، یا کسی پہاڑ پر سے کودنا کہ یہ ہلاکت سبب قطعی ہیں۔

اور اگر اس سبب پر نتیجہ کا ترتب درجہ یقین میں نہ ہو بلکہ مظنون ہو تو یہ اسباب ظنیہ کے درجہ میں آتا ہے، یعنی اس نوع کے اسباب کو اختیار کرنے سے نفع یا ضرر عموماً ہو جاتا ہے، کبھی تخلف بھی ہو جاتا ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ محض اس خطرہ اور احتمال کی بنا پر کہ مسجد میں باہم اجتماع واختلاط سے لوگوں میں مرض متعدی نہ ہو جائے، یہ نہ اسباب قطعیہ میں سے ہے، نہ اسباب ظنیہ میں سے بلکہ محض وہم اور احتمال کے درجہ میں ہے کہ شاید اس مجمع میں کوئی ایسا شخص ہو جو وبائی مرض میں مبتلا ہو تو محض اس احتمال اور وہم کی بنا پر جو اسباب ظنیہ میں سے بھی نہیں ہے اتنا بڑا حکم لگانا اور یہ فیصلہ کرنا کہ ایک مسجد میں جماعت ثانیہ وثالثہ اور متعدد مرتبہ جمعہ وعیدین کی نماز ادا کی جائے شرعاً اس کی گنجائش سمجھ میں نہیں آتی، الا یہ کہ ایسی صورت ہو کہ واقعی متعدی امراض میں مبتلا لوگ مسجد میں آتے ہوں جن کو منع کرنا ہمارے اختیار میں نہ ہو، ایسی صورت میں ضعفاء کے لیے مسجد نہ آ کر اپنے گھروں میں جماعت کرنے یا مسجد میں جماعت ثانیہ وثالثہ کرنے کی اجازت ہوگی۔

اسی طرح اگر کسی حکومت کی طرف سے قانونی بندش ہو کہ بیک وقت اتنے آدمی سے زائد لوگ جماعت میں شریک نہیں ہو سکتے، ایسی مجبوری کی صورت میں بھی حکم عارضی کے تحت جمعہ و جماعت ثانیہ وثالثہ کی گنجائش ہوگی۔

وبا کے زمانہ میں گھروں میں جمعہ وعیدین کی نماز ادا کرنے کا مسئلہ

محور دوم، سوال (۳): وبا کے زمانہ میں گھروں میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی کیا شرطیں ہیں؟

محور دوم، سوال (۵): کیا وبا کے زمانہ میں عیدین کی نماز گھروں میں پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

وبا کے زمانہ میں ہو یا اس کے علاوہ اگر شرائط جمعہ پائے جا رہے ہوں (مثلاً امام کے علاوہ تین بالغ مرد مقتدی ہونا، مصر یا قریہ کبیرہ کا ہونا، بقدر کفایہ خطبہ ہونا وغیرہ) شرائط جمعہ پائے جانے کی صورت میں جمعہ وعیدین گھروں، دکانوں، ہالوں، میدانوں میں کسی جگہ بھی جمعہ کی نماز ادا کرنے سے جمعہ ادا ہو جائے گا، اور شرائط جمعہ پائے جانے کی صورت میں جمعہ ہی پڑھنا واجب ہوگا، ظہر پڑھنا کافی نہ ہوگا، صحت جمعہ کے لیے شرائط جمعہ کا پایا جانا کافی ہے، مسجد کا ہونا کسی امام وفقیہ کے نزدیک شرائط جمعہ میں سے نہیں، اس لیے گھروں میں جمعہ کی صحت میں تو کوئی کلام نہیں۔

البتہ بلا ضرورت شدیدہ ایسا کیا جائے تو شرعاً ممنوع اور سخت مکروہ ہوگا کیوں کہ شریعت کی روح اور اس کے مقصد اور امت کے تعامل و توارث کے خلاف ہے، کیوں کہ جمعہ کی روح اجتماعیت اور توحد ہے، اسی وجہ سے شریعت میں جمعہ وعیدین میں بجائے تعدد کے توحد حتی الامکان

مطلوب ہے، خیر القرون اور سلف صالحین میں بھی اس کا معمول نہ تھا کہ بجائے مسجد کے دوسرے مقامات میں انعقاد جمعہ کا اہتمام کیا جاتا ہو، فقہاء نے بھی اس کو بیان فرمایا ہے:

"لا تصح الجمعة إلا في مصر جامع، أو في مصلى المصر ولا تجوز في القرى، لقولهﷺ: لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع۔" (هدايه، جلد ۱، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، صفحه ۳۸۱، طبع جديد)

اس لیے شدید ضرورت کے بغیر گھروں میں جمعہ وعیدین کی نماز پڑھنا سخت کراہت سے خالی نہیں، اگرچہ شرائط جمعہ کے پائے جانے کی وجہ سے نماز مع الکراہت درست ہو جائے گی۔

البتہ ضرورت وحاجت کے وقت بلا کراہت گھروں میں جمعہ وعیدین کی نماز درست ہوگی، ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ: "لولاہ لتضرّر" یعنی اس کی رعایت نہ کرنے سے حرج اور ضرر شدید لاحق ہونے کا ظن غالب ہو جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) ایک شخص سفر کے لیے تیار ہے لیکن ابھی سفر کا آغاز نہیں ہوا اس لیے سفر کے احکام ابھی اس پر جاری نہیں ہوئے لیکن جس ٹرین سے اس کو سفر کرنا ہے وہ عین جمعہ کے وقت ہے، مسجد میں نماز جمعہ ادا کرے گا تو ٹرین چھوٹ جانے کا خطرہ ہے، ایسی صورت میں اس کے لیے جائز ہوگا کہ جملہ شرائط کی رعایت کرتے ہوئے چند رفقاء کے ساتھ مکان یا اسٹیشن میں جمعہ کی نماز ادا کرلے، ضرورت کی وجہ سے ایسا کرنا اس کے لیے بلا کراہت جائز ہوگا۔

(۲) کرفیو کے زمانہ میں گھروں میں جمعہ ادا کر لینا بلا کراہت درست ہے، کیوں کہ اس کے خلاف کرنے یعنی مسجد میں آ کر جمعہ ادا کرنے میں ضرر شدید کا خطرہ ہے۔

(۳) کرونا اور کسی وبائی بیماری کی وجہ سے حکومت کی طرف سے مساجد میں جمعہ کی نماز دا کرنے پر پابندی ہو تو ایسی صورت میں بھی گھروں میں جمعہ وعیدین کی نماز درست ہے، فقہاء کی تصریحات کا یہی مقتضی ہے۔

(۴) وبائی امراض (مثلاً کرونا طاعون وغیرہ) میں گھروں میں جمعہ وعیدین ادا کرنے میں کچھ تفصیل بھی ہے وہ یہ ہے کہ جمعہ وعیدین میں اگر کثرت سے وبائی مرض میں مبتلا مصلین موجود ہوں اور خطرہ ہو کہ قرب واختلاط کی وجہ سے مرض ہم تک بھی متعدی ہو سکتا ہے، تو ایسی صورت میں اسباب ظنیہ کی رعایت کرتے ہوئے ضعفاء یعنی کمزور طبیعت اور کمزور ایمان والوں کے لیے حکم یہ ہوگا کہ وہ بجائے مساجد وعیدگاہ اپنے گھروں میں جملہ شرائط کی رعایت کرتے ہوئے نماز جمعہ ادا کرلیں، اور اقویا یعنی مضبوط دل اور قوی ایمان والوں کے لیے ایسی صورت میں بھی حکم یہی ہوگا کہ وہ مساجد اور عیدگاہ میں جا کر جمعہ وعید کی نماز ادا کریں۔

یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب کہ وبائی مرض میں مبتلا مریض بھی بکثرت مساجد میں آتے ہوں جن کے اختلاط سے اسباب ظنیہ کے درجہ میں تعدیہ مرض کا خطرہ ہو لیکن اگر مساجد میں ایسے مریض نہیں یا کہیں ایک دو خفیہ طور پر موجود ہوں تو ایسی صورت میں مسجد کی جماعت کو بند کر کے گھروں میں جمعہ وعیدین کی نماز ادا کرنا ضعفا واقویا کسی کے لیے جائز نہ ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں جم غفیر سے احتیاط واجتناب اسباب قطعیہ وظنیہ کسی میں سے نہیں، بلکہ اسباب موہومہ میں سے ہے، محض اس وہم کی بنا پر مساجد میں جمعہ وعیدین ترک کر کے گھروں میں جمعہ وعیدین کی نماز ادا کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہوگی، تاہم اگر ادا کریں گے تو شرائط جمعہ پائے جانے کی صورت میں اشد کراہت کے ساتھ ادا ہو جائے گی، واللہ اعلم۔

ایک شبہ کا ازالہ

گھروں، قلعوں، ہوٹلوں وغیرہ میں نماز جمعہ کو اس وجہ سے غلط قرار دیا ہے کہ جمعہ کی صحت کے لیے اذن عام شرط ہے اور گھروں میں جمعہ ادا کرنے کی صورت میں اذن عام نہیں ہوتا، اس لیے اس شرط کے فقدان کی وجہ سے گھروں میں جمعہ کی نماز صحیح نہیں، یہ بعض لوگوں کا خیال ہے، لیکن یہ

خیال صحیح نہیں، صحت جمعہ کے لیے اذن عام کو فقہاء نے جو شرط قرار دیا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

’’اذن عام کے معنی یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا وہاں مقصود نہ ہو، باقی اگر روک ٹوک کسی اور ضرورت سے ہو وہ اذن عام میں مخل نہیں، پس بنا بر روایت بالا اس قلعہ میں نماز جمعہ درست ہے۔‘‘ (امداد الفتاویٰ قدیم، باب صلاۃ الجمعۃ، جلد۲، صفحہ ۵۹۱، سوال ۵۴۰)

حضرت مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلیؒ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

’’شرائط ادا پائے جانے کی صورت میں نماز عید گھر میں پڑھنے کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں...... اور مساجد کا ہونا نماز عید کی شروط ادا میں سے نہیں ہے۔‘‘ (فتاویٰ عبد الحی، صفحہ ۲۲۸، مطبوعہ دیوبند)

اکابر علماء کے مذکورہ بالا فتاویٰ نیز فقہاء کرام کی مذکورہ بالا تصریحات کے بعد یہ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ گھروں اور قلعوں میں محض اذن عام نہ ہونے کی بنا پر جمعہ وعیدین کی نماز درست نہیں، بلکہ بلاشبہ درست ہے، واللہ اعلم۔

محور دوم، سوال (۴): ظہر پڑھنے کی صورت میں باجماعت پڑھیں یا تنہا؟

کرونا جیسے حالات کے وقت بجائے جمعہ کے ظہر پڑھنے کی صورت میں ظہر باجماعت ادا کریں یا تنہا؟ یہ بحث تو بعد کی ہے، پہلی بات یہی قابل غور ہے کہ ایسے حالات میں محض مسجد میں حاضری کی پابندی کی وجہ سے کیا جمعہ کا وجوب ساقط ہو جائے گا؟ اور ان حالات میں بجائے جمعہ پڑھنے کے ظہر پڑھنا کافی ہو جائے گا؟

فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ صحت جمعہ یا عیدین کے لیے مسجد یا عیدگاہ کا ہونا شرط نہیں، اور ضرورت کے وقت خاص حالات میں گھروں اور قلعوں میں بھی جمعہ وعیدین کی نماز ادا کرنا درست ہے، جیسا کہ ماقبل میں ذکر کردہ فتاوی سے معلوم ہوا تو پھر جملہ شرائط وجوب پائے جانے کی صورت میں کرونا یا کرفیو جیسے حالات میں جمعہ کا وجوب کیوں کر ساقط ہو جائے گا جب کہ فقہاء نے جن عوارض واعذار کی بنا پر جمعہ کی فرضیت کو ساقط فرمایا ہے اس میں مسجد کی حاضری پر قدرت نہ ہونے کو تحریر نہیں فرمایا، اس لیے شرائط جمعہ پائے جانے کی صورت میں جو حضرات اس پر قادر ہوں کہ ایک امام کے علاوہ وہ تین عاقل بالغ مرد ہوں اور امام مختصر خطبہ وامامت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو ایسی صورت میں جمعہ پڑھنا ان پر فرض ہوگا، گو اپنے گھر میں ہو، ظہر پڑھنے سے جمعہ کا فرض ساقط نہ ہوگا۔

البتہ جو لوگ کسی عذر کی وجہ سے یا اتنے افراد نہ ہونے کی وجہ سے جتنے کی صحت جمعہ کے لیے ضروری ہیں یا جمعہ کی امامت کے لیے کوئی امام نہ مل سکے تو ایسی مجبوری کی صورت میں ان لوگوں کے لیے حکم ہوگا کہ بجائے جمعہ کے ظہر کی نماز ادا کریں، اور مختلف دلائل کی بنا پر فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ ایسے لوگ جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت نہیں بلکہ تنہا تنہا پڑھیں گے۔

البتہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی رائے اس سلسلہ میں فقہاء کی رائے سے مختلف ہے، مختلف وجوہ اور اپنے فقہی ذوق کی بنا پر ان کی رائے یہ ہے کہ ایسے عذر اور مجبوری کی صورت میں ظہر کی نماز باجماعت بھی ادا کی جاسکتی ہے، واللہ اعلم۔

کرونا کی وجہ سے ماسک لگا کر نماز پڑھنے اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا حکم

محور دوم، سوال (٦): ماسک لگا کر نماز پڑھنے اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا حکم کیا ہے؟

ماقبل میں یہ بات تفصیل سے گذر چکی ہے کہ بیماری لاحق ہو جانے پر اس کا علاج کرنا، پرہیز اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنا اسباب ظنیہ میں

سے ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ اس کا اختیار کرنا واجب نہیں بلکہ مباح ہے، البتہ ضعفاء کے لیے کس قدر موکد ہے، اس کے ترک پر نہ ملامت کی جاسکتی ہے نہ ہی اس پر عمل کرنے میں شدت اختیار کی جاسکتی ہے، یہی حکم ماسک لگانے کا ہے خواہ نماز کی حالت میں ہو یا خارج نماز۔

البتہ نماز کی حالت میں ماسک لگائے رکھنا اگر قرأت اور تسبیح سے مانع نہ ہو تو کوئی حرج نہیں مباح ہے۔

جہاں تک صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا حکم ہے، تو نماز کی حالت میں اتصال صفوف شرعا مطلوب ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

(۱) ”أقيموا صفوفكم، وتراصوا فإني أراكم من رواء ظهري۔“
(صحیح بخاری، كتاب الأذان، باب إقبال الإمام على الناس عند تسوية الصفوف، حدیث۷۱۹)

(۲) ”وفي رواية: سووا صفوفكم، فإن تسوية الصفوف من إقامة الصلاة۔“
(صحیح بخاری، كتاب الأذان، باب إقامة الصف من تمام الصلاة، حدیث۷۲۱)

مذکورہ بالا حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اتصال صفوف مطلوب و مامور بہ ہے، اس لیے با جماعت نماز پڑھنے میں صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنا حکم شرعی کے خلاف ہے، لہٰذا ممنوع اور مذموم ہوگا، کیوں کہ جب بیماری لاحق ہو جانے کے بعد اسباب ظنیہ اختیار کرنا (یعنی علاج و پرہیز وغیرہ کرنا) ضروری نہیں، یہاں تو محض حفظ ما تقدم اور احتیاطی تدبیر کے طور پر صفوں میں فاصلہ رکھنے کی ہدایت کی جارہی ہے، جو اسباب ظنیہ سے کم درجہ کی چیز ہے، اس لیے صورت مسئولہ میں صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کی شرعا اجازت نہیں ہوگی، البتہ صرف دو صورتوں میں اس کی اجازت ہوسکتی ہے:

(۱) ایک تو یہ کہ نماز میں واقعی کوئی ایسا مریض ہو جس کا مرض ایک دوسرے تک متعدی ہوسکتا ہو، ایسی صورت میں اس مریض سے دوری بنائے رکھنے کی صرف اجازت ہوگی، وجوب نہیں ہوگا۔

(۲) دوسرے یہ کہ گورنمنٹ کی طرف سے سخت ہدایت اور قانون نافذ کیا گیا ہو جس کے خلاف کرنے میں مشقت میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو، ایسی صورت میں حکومت کی جاری کردہ ہدایات اور گائیڈ لائن پر عمل کرنا ضروری ہوگا، واللہ اعلم۔

کرونا سے متاثر افراد کا مساجد میں آنے اور جماعت میں شریک ہونے کا حکم

محور دوم، سوال (۷): کرونا سے متاثر افراد کا مسجد میں آنا اور جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے؟

ہمارے فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ ایسا بیمار جس کی بیماری سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہو، مثلاً ایسا بیمار جس کے منھ سے سخت بدبو آتی ہو یا ایسا شخص جس نے کچی پیاز، لہسن وغیرہ کھایا ہو، ایسے لوگوں کے لیے مسجد میں آنے اور جماعت میں شریک ہونے کی اجازت نہیں۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وقت میں اگر ایسا کوئی شخص مسجد میں آتا جس کے منھ سے کچی پیاز وغیرہ کھانے کی وجہ سے بدبو آتی ہو اس کو مسجد کے باہر کر دیا جاتا، صرف دروازہ سے باہر نہیں، مسجد سے دور جنت البقیع تک پہنچا دیا جاتا۔

اس سے ہمارے فقہاء نے مسئلہ اخذ کیا ہے کہ ایسا شخص جس کے مسجد میں آنے سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہو ایسے شخص کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں، اسی طرح اگر کسی کو ایسا مرض لاحق ہو جس کے متعدی ہونے کا خطرہ ہو تو بدرجہ اولیٰ ایسے شخص کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں ہوگی، اس لیے کرونا سے متاثر افراد کو مسجد میں آنے اور جماعت میں شریک ہونے سے روکنا بالکل بجا اور درست ہے، رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ بنو ثقیف کے ایک ایسے شخص کو جو جذام کے مرض میں مبتلا تھا اپنے قریب آنے سے منع فرما کر واپس جانے کا حکم دیا تھا۔

حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کو مسجد میں آنے سے روک دیا جائے گا البتہ جمعہ کی نماز سے نہیں روکا جائے گا، امام نوویؒ کی عبارت درج ذیل ہے:

"لا یمنعون من صلاة الجمعة مع الناس، ویمنعون من غیرھا۔" (شرح مسلم للنووی، باب اجتناب المجذوم، جلد۲)

یہ امام نوویؒ کی رائے ہے لیکن جمعہ وعیدین کے مجمع میں بھی ایسے مریض کے آنے سے اگر اس کے مرض کے متعدی ہونے کا خطرہ ہو تو جمعہ اور عیدین میں شرکت سے بھی اس کو منع کیا جائے گا، اصول کا مقتضی بھی یہی ہے، کیوں کہ ایسے مریض پر جمعہ عیدین کی نماز واجب نہیں، واللہ اعلم۔

کرونا سے متاثر افراد کے لیے روزہ کا حکم

محور دوم، سوال (۸): کرونا سے متاثر افراد کے لیے روزہ کا کیا حکم ہے؟

جو حکم عام مریضوں کا ہے وہی حکم کرونا کے مریض کا بھی ہے، کہ حالت مرض میں تو اس پر روزہ فرض نہیں، اور روزہ رکھنے کی استطاعت نہ ہونے کے باوجود اگر روزہ رکھے گا تو گنہگار ہوگا، کیوں کہ ایسے غالی لوگوں کے لیے جنہوں نے رخصت ملنے کے باوجود محنت شاقہ برداشت کر کے روزہ رکھا تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا تھا:

یہی لوگ نافرمان اور گنہگار ہیں، یہی لوگ نافرمان اور گنہگار ہیں۔

البتہ اس بیماری کی وجہ سے جو روزے چھوٹ جائیں گے صحت کے بعد دوسرے دنوں میں اس کی قضا رکھنا واجب ہوگا۔

اور اگر صحت کی امید نہ ہو تو پھر روزہ کے بدلہ میں فدیہ نکالنا ضروری ہوگا، نہ نکال سکا تو اس کی وصیت کرنا واجب ہوگا، واللہ اعلم۔

کرونا کی وجہ سے عام مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روکنے کا حکم

محور دوم، سوال (۹): کرونا کی وجہ سے عام مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روکا جا سکتا ہے؟

کرونا یا اس جیسی وبا کے وقت عام مسلمانوں کو نہ حج سے روکا جا سکتا ہے نہ عمرہ سے، اگر روکا جا سکتا ہے تو صرف ایسے لوگوں کو جو واقعی اس وبائی مرض میں مبتلا ہوں اور ان مریضوں کی وجہ سے دوسروں کو ضرر لاحق ہونے یا ان کے مرض کے متعدی ہونے کا خطرہ ہو، صرف ایسے ہی مریضوں کو حج وعمرہ سے روکا جا سکتا ہے، ان کی وجہ سے عمومی طور پر حج وعمرہ کو روک دینا درست نہیں، کیوں کہ علاج و پرہیز اسباب ظنیہ میں سے ہے، اور شریعت نے اسباب ظنیہ کی رعایت کا تو حکم دیا ہے لیکن محض اس خطرہ واحتمال کی بنا پر کہ شاید اس جم غفیر میں کوئی ایسا مریض ہو جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے یا اس کا مرض متعدی ہو جائے ایسے اسباب موہومہ کا اعتبار نہیں کیا، شریعت نے ہم کو ظاہر کا مکلّف بنایا ہے، لہٰذا ظاہر میں ہماری تحقیق کے مطابق جو لوگ اس مرض میں مبتلا ہوں ان کو منع کر دینا چاہئے اور ظاہر میں ہماری جانچ کے مطابق جن کو یہ مرض لاحق نہ ہو، ان کے لیے حج وعمرہ کے دروازہ کو بند کرنا ظلم کے مرادف ہے، واللہ اعلم۔

محور سوم: کرونا کے زمانہ میں مساجد سے متعلق مسائل

محور سوم، سوال (۱): کرونا کے زمانہ میں مساجد کو بند کرنا کیسا ہے؟

کرونا جیسی وبائیں رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کے عہد میں بھی ہوئی ہیں، خصوصا حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں طاعون عمواس جس کا تذکرہ بخاری شریف کی روایت میں ہے، جس میں صحابہ کرام بڑی تعداد میں اس وبائی مرض کا شکار ہوئے اور اسی وبا کی وجہ سے وفات

پا گئے تھے، اس موقع پر صحابہ کرام نے علاج کے ساتھ احتیاطی تدابیر تو اختیار فرمائیں، حتی کہ جو لوگ حالت سفر میں تھے فضائی آلودگی اور گندگیوں سے بچنے کے لیے وہ پہاڑ کی چوٹیوں اور کھلی فضا میں منتقل ہو گئے، حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے لشکر کو ملک شام میں آگے جانے سے روک دیا تھا، بخاری کی روایت اور اس کی شرح فتح الباری میں اس کی تفصیل مذکورہ ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الطب، باب ما یذکر فی الطاعون، حدیث ۵۷۲۹)

لیکن کبھی اور کسی موقع پر صحابہ کرام سے یہ منقول نہیں کہ وبائی مرض کی وجہ سے انہوں نے مساجد کو بند کر دیا ہو، یعنی مساجد میں نمازوں کو موقوف کر کے یا مساجد کو مقفل و معطل کر کے گھر میں نماز پڑھنا مشروع کر دیا گیا ہو، خیر القرون میں اس جیسے وبائی مرض پائے جانے کے باوجود اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، البتہ وبائی مرض میں مبتلا لوگوں کو مسجد میں آنے پر پابندی لگانا منقول ہے، اس لیے اصول شرع اور دلائل کا مقتضی یہی ہے کہ کرونا جیسے وبائی مرض کی وجہ سے مساجد کو بند کرنا درست نہیں۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ احتیاطی تدابیر کا یہ درجہ کہ محض تعدیہ مرض کے خطرہ سے اس قدر احتیاط کی جائے کہ صحت مند لوگوں کو بھی مسجد میں آنے سے منع کر دیا جائے یہ اسباب ظنیہ کے درجہ میں نہیں آتا، لہٰذا محض اسباب بعیدہ و اسباب موہومہ کی بنا پر مساجد کو بند کرنا درست نہیں، واللہ اعلم۔

باقی اگر کسی حکومت نے خواہ اسلامی حکومت ہو یا غیر اسلامی حکومت اگر ایسی بندش کر رکھی ہو یعنی مساجد میں حاضری پر پابندی لگا رکھی ہو تو اس کی ذمہ داری اور اس کا وبال خود حکومت پر ہوگا، اور مجموعی طور پر امت مسلمہ پر فرض ہوگا کہ جو لوگ اس کے اہل ہوں وہ اس پابندی کو ختم کرائیں، لیکن حکومت کے قانون کی خلاف روزی کر کے اپنے کو خطرہ میں ڈالنا درست نہیں ہوگا۔ "کما قال تعالی: وَلَا تُلْقُواْ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ۔ (سورہ بقرہ، پ۲، آیت ۱۹۵)

"والعبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب۔" (القواعد الکلیۃ، مصنفہ: محمد عثمان شبیر، صفحہ ۲۹۲)

وبا کے زمانہ میں مسجد میں جماعت نہ ہونے کی صورت میں اذان دینے کا حکم

سوال (۲): کیا جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان دی جائے گی؟

بالکلیہ مسجد کی جماعت موقوف کرنے کی تو شرعاً اجازت نہیں جیسا کہ ماقبل میں گذرا، تاہم اگر حکومت کی طرف سے اس پر پابندی عائد کر دی گئی ہو تو ایسی صورت میں اگر صرف اذان دینے کی اجازت ہو تو پورے اہتمام کے ساتھ پانچوں وقت اذان دینا ضروری ہوگا کیوں کہ اس وقت ہم کو اتنی ہی قدرت ہے، لہٰذا اتنے کے ہی ہم مکلّف ہوں گے، اذان کے بعد دو تین جتنے افراد موجود ہوں گے نماز با جماعت ادا کر لیں، کوئی نہ آئے تو تنہا نماز ادا کر لیں، اس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

☆ اذان شعائر اسلام میں سے ہے، کرونا اور اس جیسی وبائی بیماریوں کی وجہ سے اگر مساجد کو بند اور اذان کو ترک کر دیا جائے تو اس سے شعائر اسلام کا ترک لازم آئے گا، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اسلام کے بڑے شعائر یعنی اذان وغیرہ کو باقی رکھنا چاہیے، گو مسجد میں با جماعت نماز نہ ہو سکے۔

☆ اس کی تائید فقہاء کے بیان کردہ اس جزئیہ سے بھی ہوتی ہے کہ محلّہ کی کسی مسجد میں اگر کسی نمازی کے آنے اور جماعت ہونے کی امید نہ ہو بلکہ مایوسی ہو، فقہاء فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں بھی اس شخص کو دوسری مسجد میں با جماعت نماز پڑھنے کی اجازت نہیں، بلکہ اس کو محلّہ ہی کی مسجد میں نماز پڑھنا چاہیے، گو تنہا ادا کرنی پڑے، فقہاء نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

سوال: اگر محلّہ کی مسجد میں نماز جماعت سے نہ ہوتی ہو اور آدمی کہنے سے بھی جمع نہ ہوں تو دوسرے محلّہ کی مسجد میں جماعت پڑھنے کے

واسطے جانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجدِ محلّہ کا یہی حق ہے کہ وہاں نماز پڑھے اگرچہ تنہا پڑھنا پڑے۔"(امدادالفتاوی قدیم، جلد۲، صفحہ ۶۴۰، ۶۴۱، سوال نمبر ۷۶۸، ۷۶۹)

مذکورہ بالا فتوی سے معلوم ہوا کہ کسی زمانہ میں اگر مسجد میں جماعت کی نماز نہ ہو سکے تب بھی مسجد کا حق ہے کہ اذان دی جائے اور اسی مسجد میں نماز ادا کی جائے، گو بغیر جماعت کے ہو، یعنی جماعت نہ ہونے کی وجہ سے اذان کو ترک نہیں کیا جائے گا۔

☆ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ مشروعیت اذان کا ایک بڑا فائدہ اور شرعی حکم یہ بھی ہے کہ اذان سن کر مردوں عورتوں سب کو اذان کا جواب دینے کا مکلّف بنایا گیا ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے:

"عن أبی سعید الخدریؓ أن رسول اللهﷺ قال: إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما یقول المؤذن۔"

(صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب ما یقول إذا سمع المنادی، حدیث ۶۱۱)

اور ایک حدیث پاک میں آپ نے عورتوں کو خصوصیت سے حکم دیا ہے کہ جب تم بلال کی اذان سنو تو تم بھی وہی کلمات کہا کرو یعنی اس کا جواب دیا کرو، ہر حرف کے بدلہ تم کو ہزار درجے ملیں گے۔

حالاں کہ عورتوں کے لیے آپ نے مسجد میں نماز جماعت سے پڑھنے کو ناپسند فرمایا ہے، جیسا کہ ایک روایت میں اس کی صراحت ہے:

"صلوٰۃ المرأۃ وحدھا أفضل علی صلاتھا فی المجمع بخمس وعشرین درجۃ۔"

"وفی روایۃ: صلاۃ المرأۃ فی بیتھا أفضل من صلاتھا فی حجرتھا، وصلاتھا فی مخدعھا أفضل من صلاتھا فی بیتھا۔"

(سنن أبو دائود، کتاب الصلاۃ، باب التشدید فی ذلك، حدیث ۵۷۰)

اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو مسجد کی جماعت میں نماز میں شریک نہیں ہونا چاہئے، خواہ وہ عورتیں ہوں یا معذور حضرات ان کے لیے بھی اذان فائدہ سے خالی نہیں، اس لیے جماعت نہ ہونے کے باوجود اذان دینا چاہئے، کیوں کہ دوسرے فوائد تو ضرور اس سے حاصل ہوں گے۔

وبا کے زمانہ میں جماعت میں کتنے افراد شریک ہو سکتے ہیں؟

سوال (۳): جماعت میں کتنے افراد شریک ہوں؟ اس بارے میں گورنمنٹ کی ہدایات کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

وبائی مرض کی وجہ سے محض اس بنا پر کہ شاید مصلین میں کوئی ایسا مرض ہو جس کا مرض دوسروں کو متعدی ہو جائے محض اس خطرہ اور وہم کی بنا پر لوگوں کو مسجد سے منع نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اس کی تحدید کی جائے گی کہ صرف اتنے افراد شریک ہو سکتے ہیں، اس سے زائد نہیں، کیوں کہ یہ احتیاط و پرہیز اسباب ظنیہ کے درجہ میں نہیں بلکہ اسباب وہمیہ کے درجہ میں ہیں، خیر القرون میں ایسی وباؤں کے وقت خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ نے ایسے اسباب وہمیہ کا کوئی اعتبار نہیں کیا، اس لیے کرونا وبا کے زمانہ میں بھی بلا تحدید تمام افراد نماز میں شریک ہو سکتے ہیں، البتہ اگر گورنمنٹ کی طرف سے اس نوع کی تحدید کر دی گئی ہو اور جماعت کثیرہ پر پابندی عائد کی گئی ہو تو گورنمنٹ کے مقررہ قانون کی خلاف ورزی کر کے اپنے کو ہلاکت میں نہیں ڈالنا چاہئے، بلکہ حکام سے رابطہ کر کے اس پابندی کو ختم کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

مساجد کو کووڈ سینٹر بنانے کا شرعی حکم

سوال (۴): مساجد کے کسی حصہ یا اس کے ملحق جگہ کو کووڈ سینٹر بنانا کیسا ہے؟

ہرگز جائز نہیں، کیوں کہ اس سے احادیث کثیرہ اور متعدد احکام شرعیہ کی مخالفت لازم آتی ہے، رسول اللہﷺ نے مختلف حدیثوں میں

مساجد کو بدبو اور گندگی سے نیز جنبی اور حائضہ اور بچوں کو مسجد میں داخل ہونے اور شور وشغب سے منع فرمایا ہے، نیز مساجد میں بیع وشراء گمشدہ سامان کا اعلان کرنے والوں کو آپ نے بددعا دی ہے کہ اللہ تجارت میں تجھ کو نفع نہ دے، اور تمہارا کھویا ہوا سامان تم کو واپس نہ ملے، کیوں کہ مسجدیں اس کے لیے نہیں بنائی گئی ہیں۔

مساجد کو عارضی کووڈ سینٹر بنانے میں مذکورہ بالا احکام شرعیہ کی مخالفت لازم آتی ہے، اس لیے ناجائز ہے، نیز مذکورہ بالا حدیث کے بموجب مساجد کو کووڈ سینٹر بنانے والے بھی اللہ کے نبی کی اس بددعا کے مستحق ہوں گے کہ اللہ کرے تمہارے مریضوں کو شفاء نہ ہو، مسجدیں اس لیے نہیں بنائی گئیں کہ یہاں کووڈ سینٹر یا عارضی اسپتال بنایا جائے، احقر نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس میں قائلین جواز کے دلائل کے جوابات اور عدم جواز کے دلائل تفصیل سے تحریر کئے ہیں۔

محور چہارم: کرونا سے متاثر مریض کی تیمارداری

متعدی امراض کے مریضوں کے حقوق اور ان سے متعلق ذمہ داریاں

سوال (۱): کرونا سے متاثر مریض کو لگ تھلگ کردینا اور اس کی تیمارداری نہ کرنا کیسا ہے؟

سوال (۲): کرونا سے متاثر مریض کے علاج کا خرچ اگر افراد خاندان برداشت نہ کرسکیں تو حکومت وسماج پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں؟

شریعت میں علاج و پرہیز دونوں کی اہمیت ہے

شریعت مقدسہ میں علاج، پرہیز اور ایسے امراض میں مبتلا مریض جن کے مرض سے دوسروں کو تکلیف پہنچ سکتی ہو یا ان کا مرض متعدی ہوسکتا ہو ایسے مریضوں سے پرہیز کرنا یعنی دور رہنا شریعت میں ان سب کی اہمیت ہے، اور رسول اللہ ﷺ سے یہ ساری باتیں ثابت ہیں، چند احادیث ملاحظہ ہوں:

(۱) مسلم شریف اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ بیمار ہوگئے، رسول اللہ ﷺ نے ایک طبیب کو ان کے پاس علاج کے لیے بھیجا جس نے رگ کاٹ کر ان کا علاج کیا، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"عن جابرؓ قال: بعث رسول الله ﷺ إلى أبي بن كعبؓ طبيبا، فقطع منه عرقا، ثم كواه عليه۔"

(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب لكل داء دواء، حديث ۲۲۰۷)

(۲) ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذؓ کی رگ کٹ گئی جس کی وجہ سے ان کا خون بند نہیں ہو رہا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ان کا دو مرتبہ علاج کیا، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"عن جابرؓ أن النبي ﷺ كوى سعد بن معاذؓ من رميته۔" (سنن ابو دائود، كتاب الطب، باب في الكى، حديث ۳۸۶۶)

☆ علاج کی طرح آپ نے مضر اور نقصان دہ چیزوں سے پرہیز کرنے کا بھی حکم دیا ہے، اس سلسلہ کی بھی چند روایات ملاحظہ ہوں:

(۱) ایک روایت میں ہے کہ حضرت صہیبؓ بیمار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو کھجور کھانے سے منع فرمایا:

"عن صهيبؓ قال: قدمت على النبي ﷺ وبين يديه خبز وتمر، فقال النبي ﷺ: ادن فكل، فأخذت آكل من التمر، فقال النبي ﷺ: تأكل تمرا وبك رمد؟-----الخ۔" (سنن ابن ماجه، كتاب الطب، باب الحمية، حديث ۳۴۴۳)

(۲) ترمذی اور احمد کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے ان کی بیماری اور نقاہت کے وقت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے علی! تم کھجور مت کھاؤ، آپ کے لیے چقندر اور جو تیار کیا گیا، آپ نے فرمایا: علی! اس کو کھاؤ۔

ان تمام روایات سے پرہیز کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

☆ پرہیز کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ ایسے مرض میں مبتلا مریض جن کے قرب واختلاط کی وجہ سے دوسروں تک ان کا مرض متعدی ہوسکتا ہو یا دوسروں کی تکلیف اور حرج کا ذریعہ بن سکتا ہو، ایسے مریضوں سے دوری اور فاصلہ اور علیحدگی بنائے رکھنا بھی احادیث مبارکہ سے ثابت ہے، اس سلسلہ کی چند روایات ملاحظہ ہوں:

(۱) مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ قبیلہ بنوثقیف کا ایک شخص آپ سے بیعت ہونے کی غرض سے آیا آپ نے اس کو اپنے پاس آنے سے منع فرمایا، اور فرمایا کہ ہم نے تم کو زبانی بیعت کرلیا، تم واپس جاؤ۔

(۲) علامہ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب ''الطب النبوی'' میں نقل فرمایا ہے کہ ازواج مطہرات میں سے اگر کسی کو آشوب چشم یعنی آنکھ دکھنے کی بیماری لاحق ہوجاتی، جس سے آنکھیں سرخ بھی ہوجاتی ہیں اور آنکھوں سے پانی بھی بہتا ہے جس سے دوسروں کو ضرر پہنچ سکتا ہے، اگر آپ کی کسی بیوی کو یہ بیماری لاحق ہوجاتی تو آپ اس کے قریب آنے سے اس وقت تک اجتناب فرماتے، جب تک کہ ان کی آنکھیں ٹھیک نہ ہوجائیں۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ متعدی امراض کے مریضوں سے دوری اور فاصلہ بنائے رکھنا اور ان سے الگ الگ تھلگ رہنا یا ان کو الگ تھلگ کردینا شرعاً درست اور جائز ہے، تاکہ دوسرے لوگ اس کے ضرر سے محفوظ رہیں۔

لیکن یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ایسے مریضوں سے اجتناب و پرہیز کا حکم درجۂ وجوب میں نہیں بلکہ درجہ استحباب میں ہے یعنی مستحب ہے۔

اور یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اس نوع کے مریضوں کے جو حقوق شریعت نے متعین کئے ہیں ان کی اس بیماری کی وجہ سے ان کے وہ حقوق ساقط نہیں ہوں گے، بلکہ ان کے حقوق ادا کرنا ضروری ہوگا، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

متعدی امراض کے مریضوں کے حقوق اور ان سے متعلق ذمہ داریاں

متعدی امراض کے مریضوں کے بھی حقوق ہوتے ہیں، جن میں کوتاہی کرنا ان پر ظلم کرنا ہے، کیوں کہ احادیث مبارکہ میں عام مریضوں کے جو حقوق اور ان کی خدمت کے جو فضائل وارد ہوئے ہیں وہ سب تمام قسم کے مریضوں کے لیے ہیں، حضور ﷺ کا فرمان ہے:

"عودوا المريض۔" (صحيح بخارى، كتاب المرضى، باب وجوب عيادة المريض، حديث ٥٦٤٩)

(مریض کی عیادت کرو۔)

اس کے تحت علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

"استدل بعموم قول "وعودوا المريض" على مشروعيته العيادة فى كل مرض۔"

(عمدة القارى شرح بخارى، كتاب الطب، باب وجوب عيادة المريض، جلد ٢١، صفحه ٣١٧)

یعنی آپ ﷺ کے فرمان "عودوا المریض" کے عموم سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ ہر قسم کے مرض کے مریض کی عیادت کرنا مشروع ہے، خواہ کوئی بھی مرض ہو، آگے ہیں:

ظاہر حدیث کا مقتضی تو یہ ہے کہ مریضوں کی عیادت کرنا فرض کفایہ ہو، اور اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ امر استحبابی ہو، لیکن بعض (قریبی) لوگوں کے حق میں تاکیدی اور وجوبی حکم ہو۔

یعنی جذام میں مبتلا شخص کے قریب ہونا جائز ہے، ایسا شخص بڑے اجر وثواب کا مستحق ہوگا جو ایسے مریضوں کی تیمارداری اور خدمت کرے، ان کی ضروریات پوری کرے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کرونا، ایڈز، کینسر کے مرض میں مبتلا شخص کی خدمت و تیمارداری اس کا حق ہے، تمام احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے ساتھ اس حق کو ادا کرنا ضروری ہے، ورنہ اس کی حق تلفی سے ترک واجب کا گناہ ہوگا۔

اہل خانہ و دیگر متعلقین کی ذمہ داری

ماقبل میں جو حکم بیان کیا گیا یہ تو عام لوگوں سے متعلق ہے، باقی علامہ عینیؒ کی تصریح کے مطابق خاص لوگوں کے لیے یعنی قریبی رشتہ داروں اور خصوصی تعلق رکھنے والوں کے لیے یہ حکم تاکیدی ہے، مثلاً عورت پر لازم ہے کہ وہ ایسے بیمار شوہر کی دیکھ بھال کرے اور تیمارداری کرے، اسی طرح اس کے برعکس، اور والدین بیمار ہوں تو اوّل اد پر ان کی تیمارداری اور خدمت ضروری ہے، اسی طرح اس کے برعکس۔

الغرض متعدی امراض کے مریضوں سے اس طرح اجتناب کرنا کہ ان کی ضروری خدمات اور تیمارداری کرنے والا بھی کوئی نہ ہو جس سے ان کی حق تلفی ہو اور وہ مشقت میں پڑ جائیں درست نہیں۔

حکّام اور سماج کی ذمہ داری

اس نوع کے مریضوں سے متعلق کچھ ذمہ داریاں حکّام پر بھی عائد ہوتی ہیں، اور حکومت کی جانب سے انتظام نہ ہونے کی صورت میں وہی ذمہ داری مجموعی حیثیت سے سماج اور عام لوگوں پر عائد ہوتی ہے، جیسا کہ لاوارث میت کی تجہیز و تکفین اور علم دین کی نشر و اشاعت، علماء، قضاۃ اور مفتیان کرام کے وظیفے مقرر کرنا اور اس نوع کے اخراجات کی ذمہ داری اصلاً حکّام پر عائد ہوتی ہے، لیکن اگر حکّام اس میں کوتاہی کریں، اور حکومت کی طرف سے کوئی قابل اطمینان کوئی انتظام نہ ہوتا ہو تو ایسی صورت میں وہ ذمہ داری مجموعی حیثیت سے پوری قوم اور سماج پر عائد ہو جاتی ہے، یہی حکم یہاں پر بھی ہوگا، گو اس کے لیے چندہ کرنا پڑے۔

''علامہ شامیؒ نے لاوارث میت کے تعلق سے اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"وإن لم يكن ثمة من تجب عليه نفقته ففي بيت المال، فإن لم يكن بيت المال معمورا أو منتظما فعلى المسلمين تكفينه فإن لم يقدروا سألوا الناس۔" (در مختار، جلد ۱، صفحه ٦٣٩)

متعدی امراض کے مریضوں سے متعلق حکّام کی ذمہ داری کا تذکرہ کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حکومت ان کے قیام و طعام اور عبادت کا علیحدہ انتظام کرے، ان کی معاشرت و معیشت عام لوگوں سے اس طرح علیحدہ کرے کہ لوگوں سے اختلاط نہ ہو، اگر وہ غریب و محتاج ہوں تو علاج و معالجہ کے ساتھ بیت المال سے ان کے نفقہ کا بھی انتظام کرے، حضرت عمرؓ کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے جذامی شخص کو لوگوں سے ملنے جلنے سے منع فرما دیا تھا۔

محور پنجم: کرونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

سوال (۱): کرونا سے انتقال کرنے والوں کو غسل کس طرح دیا جائے؟ اگر غسل دینے کی اجازت نہ ہو یا غسل ممکن نہ ہو تو کیا کیا جائے، کیا بلا غسل دفن کرنا جائز ہوگا؟

میت سے متعلق جن احکام کا شریعت نے بندوں کو مکلّف بنایا ہے، اس میں میت کو غسل دینا، تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ پڑھنا بھی ہے، اس لیے جس طرح عام اموات کو غسل دیا جاتا ہے، کرونا سے انتقال کرنے والوں کو بھی غسل دیا جائے گا، اور تکفین کے بعد نماز جنازہ ادا کرنا فرض کفایہ ہے۔

لیکن میت اگر ایسی ہو کہ اس کو غسل دینا ممکن نہ ہو یا حکومت کی طرف سے اس کی اجازت نہ ہو تو اس کی مختلف صورتیں ہیں، ہر صورت کا حکم

علیحدہ ہے جو درج ذیل ہے:

(۱) میت کو غسل دینا ناممکن یا متعذر اگر اس وجہ سے سمجھا جا رہا ہو کہ یہ میت کرونا کے مرض میں مبتلا تھی، اور اسی مرض سے اس کا انتقال ہوا ہے، مرض کے جراثیم اس کے جسم میں یقیناً موجود ہوں گے، لہٰذا جو لوگ اس کو غسل دیں گے، تکفین کریں گے، اس کے جراثیم کے منتقل ہونے سے وہ بھی اس مرض کا شکار ہو جائیں گے، اگر اس بنا پر میت کو غسل دینے کو ناممکن سمجھا جائے تو شریعت نے اس کا اعتبار نہیں کیا، کیوں کہ علاج ومعالجہ اور پرہیز اسباب ظنیہ میں سے ہے، جن کی رعایت کرنے کی شریعت نے اجازت اس وقت تک دی ہے جب تک کہ اس سے کسی فریضہ کا ترک لازم نہ آئے، یہاں پر اسباب ظنیہ کی رعایت کرنے سے فرض کفایہ کا ترک لازم آئے گا، اس لیے شرعاً اس کی گنجائش نہ ہوگی، یہی وجہ ہے کہ طاعون باوجودیکہ اطباء کی تحقیق کے مطابق امراض متعدیہ میں سے ہے، علامہ ابن قیمؒ اپنی کتاب "الطب النبوی" میں وبائی امراض اور طاعون کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

وأما التداوی فلا یجب عند أکثر العلماء بالحلال، وتنازعوا هل الأفضل فعله؟ أو ترکه علی طریق التوکل۔"

(الطب النبوی، صفحه ٤٥، ٤٦)

اس سے معلوم ہوا کہ طاعون اور اس جیسے وبائی امراض قرب واختلاط کی بنا پر متعدی ہو جاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود شریعت نے ہدایت دی ہے کہ جس جگہ طاعون کی وجہ سے لوگوں کی موتیں ہو رہی ہوں وہاں کے لوگوں کا اس بستی کو چھوڑ کر دوسری جگہ جانا جائز نہیں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

"إذا سمعتم بالطاعون بأرض فلا تدخلوها، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا منها۔"

(صحیح بخاری، کتاب الطب، باب ما یذکر فی الطاعون، حدیث ۵۷۲۸)

شرّاح حدیث نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اگر سب لوگ چھوڑ کر چلے جائیں گے تو طاعون سے مرنے والوں کی تجہیز وتکفین کون کرے گا؟ اس سے مردوں کی حق تلفی اور ان کا ضیاع لازم آئے گا، اسی وجہ سے شریعت نے ایسی جگہ کے لوگوں کو دوسری جگہ جانے سے منع کیا ہے، حضرت ملا علی قاریؒ نے "شرح مشکاۃ" میں اس کی صراحت فرمائی ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"کره ذلك لما فیه من تضییع المرضی والموتی لو تحول الأصحاء عنهم۔"

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب عیادۃ المریض وثواب المرض، جلد۴، صفحہ۲۴)

اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کے خطرات کہ میت کو غسل دینے اور کفن دینے سے جراثیم منتقل ہو جائیں گے شریعت نے ان خطرات کا اعتبار نہیں کیا، بلکہ اس کے باوجود ایسی میت کو غسل دینے اور تجہیز وتکفین کا مکلّف بنایا ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ کرونا کی وجہ سے ہونے والی میت کو غسل دینے پر حکومت کی طرف سے ممانعت اور پابندی ہو گو وہ صندوق میں بند نہ ہو اور اس پر پلاسٹک وغیرہ کا کور بھی چڑھا ہوا نہ ہو، یعنی غسل دینے کا امکان باقی ہو، لیکن گورنمنٹ کی طرف سے ممانعت ہو۔

اس کا حکم یہ ہے کہ مجموعی طور پر امت مسلمہ کے ارباب حل وعقد (علماء ورؤساء اور زعماء) پر واجب ہوگا کہ امکانی کوشش کر کے اس پابندی کو ختم کرائیں، اور جب تک پابندی ختم نہیں ہوتی، اس وقت تک کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر اس کے خلاف کرنے یعنی ایسی میت کو غسل دینے سے حکومت کی طرف سے سخت خطرہ اور ہلاکت کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں بھی میت کو غسل نہ دیا جائے گا، اور کہا جائے کہ ایسی صورت میں اس حکم شرعی پر عمل کرنے کی ہم کو قدرت نہیں، لا یکلّف الله نفساً إلا وسعها۔

(۳) اور اگر صورت حال ایسی ہے کہ ظاہراً تو ایسی میت کو غسل نہ دینے کی پابندی ہے لیکن مخفی طور پر یا کچھ لے دے کر غسل دیا جا سکتا ہے تو

ایسی صورت میں ظاہراتو حکومت کے قانون پرعمل کیا جائے گا، اور باطنا اپنے کو ہلاکت سے بچاتے ہوئے ایسی میت کوغسل دینا ضروری ہوگا، اور ایسے موقع میں حسب استطاعت وگنجائش کچھ لے دے کریعنی رشوت دے کراس حکم شرعی پرعمل کرنا محمود ومطلوب ہوگا، واللہ اعلم۔

(۴) اور اگر ایسی میت کوغسل دینا اس وجہ سے ممکن نہ ہو کہ حکومت نے ایسی میت کو پلاسٹک کے کور میں یا باکس میں اس طرح پیک کر دیا ہے کہ اس کو آسانی سے کھولا نہیں جا سکتا، اور حکومت کی طرف سے اس کو کھولنے کی اجازت بھی نہیں، تو اب یہاں پر دو سوالات پیدا ہوتے ہیں، ایک یہ کہ آیا اس صورت میں غسل ساقط ہو جائے گا کیوں کہ ہماری قدرت میں نہیں و لا یکلّف الله نفساً إلا وسعها۔

یا اسی حالت میں ملفوف میت پر اوپر سے پانی ڈال دیا جائے، اور اس کو غسل کے قائم مقام سمجھ لیا جائے، یا اسی ملفوف میت کو تیمّم کرادیا جائے۔

دوسرا سوال یہ کہ حکومت کی طرف سے میت کو جو کور لپیٹا گیا ہے یہ بھی کسی درجہ میں کفن کے قائم مقام سمجھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس طور پر کہ اسی لفافہ پر مزید مسنون کپڑے لپیٹ کر اس کو کفنا دیا جائے اس شق کا جواب سوال نمبر ۲ کے جواب میں آگے آرہا ہے۔

امر اوّل کا جواب یہ ہے کہ ملفوف میت کے اوپر سے یعنی کور کے اوپر سے پانی بہا دینا یا اوپر سے تیمّم کرا دینا ہرگز کافی نہیں، کیوں کہ غسل کی حقیقت یہ ہے کہ پانی کا جسم سے لگ کر اس کا سیلان اور تقاطر ہو، اور یہاں سیلان اور تقاطر تو کیا پانی کا جسم سے مس بھی نہیں ہو رہا ہے، غسل کی تعریف میں فقہاء نے لکھا ہے:

"الغسل: هو الإسالة مع التقاطر ولو قطرة۔" (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الطهارة، جلد ۱، صفحه ۲۵)

اس لیے میت کو کور پر سے پانی بہانا یا اس کو تیمّم کرا دینا ہرگز کافی نہیں ہوگا، بلکہ تلعّب کے مشابہ ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ اس صورت میں بھی قدرت نہ ہونے کی وجہ سے ایسی میت سے غسل دینے کا حکم ساقط ہو جائے گا، اور بغیر غسل کے ہی اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، کیوں کہ اس وقت ہم کو اتنی ہی قدرت ہے۔

کرونا کی ملفوف میت کے کفن کا حکم

سوال (۲): اگر کرونا کی میت کو اسپتال کی طرف سے مخصوص کور میں لپیٹ کر دیا جائے اور اسے کھولنے اور ہٹانے کی اجازت نہ ہو تو کیا کور کفن کے حکم میں ہوگا؟ یا اس کے اوپر کفن لپیٹ کر دفن کیا جائے گا؟

رہ گیا یہ مسئلہ کہ اس کور اور لفافہ کو کفن کا درجہ دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں دیا جا سکتا، کیوں کہ اوّل تو کفن کپڑے کا ہوتا ہے، دوسرے کفن دینے کا جن لوگوں کو مکلّف بنایا گیا ہے وہی اس کے مکلّف ہیں انہیں کے کفن دینے سے یہ فریضہ ان کے ذمہ سے ساقط ہوگا، ورنہ نہیں۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پانی میں ڈوب کر مر جاتا ہے اور اسی حال میں اس کو پانی سے نکالا جاتا ہے تو کیا ایسی صورت میں بھی مکلّفین پر اس میت کو غسل دینا واجب ہوگا یا وہی غسل کافی ہوگا جو اس کو پہلے سے یعنی اس کو ڈوبنے کی حالت میں حاصل ہو چکا ہے؟ علامہ ابن نجیم مصریؒ نے اس بحث کو چھیڑا ہے اور خلاصہ کے طور پر تحریر فرمایا ہے کہ مناسب یہی ہے کہ اس غریق میت کو تین مرتبہ پانی میں ڈُبکی دے دی جائے تو پھر یہ غسل کافی ہوگا، ورنہ نہیں، کیوں کہ غسل دینے کے مکلّف ہم بنائے گئے ہیں، اور ہماری طرف سے غسل دینا نہیں پایا گیا، علامہ ابن نجیم اور علامہ حموی کی عبارت درج ذیل ہے:

"ويتفرع عليه أن الغريق يغسل ثلاثا في قول أبي يوسفؒ، وفي رواية عن محمدؒ: أنه إن نوى عند الإخراج من الماء

یغسل مرتین، وإن لم ینو فثلاثا، وعنه: یغسل مرة واحدة کما فی فتح القدیر۔"

(الأشباه والنظائر، الفن الأول فی القواعد الکلیة، النوع الأول، صفحه ۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ کرونا کی میت پر جو کور چڑھایا گیا ہے وہ کفن کے لیے کافی نہ ہوگا، اور اس سے وہ فریضہ ادا نہ ہوگا جس کے ہم مکلّف بنائے گئے ہیں، لہٰذا ایسی صورت میں ہمارے لیے حکم یہی ہوگا کہ ایسی ملفوف میت کو غسل دیئے بغیر مسنون کفن دے کر جنازہ کی نماز پڑھا کر اس کی تدفین کردیں، واللہ اعلم۔

دفن کے بعد قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال (۳): اگر کرونا میت کی بغیر نماز جنازہ تدفین کے بعد گھر والوں کو اس کی اطلاع دی جائے تو ایسی صورت میں بعد تدفین قبر کے پاس نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

اگر کسی وجہ سے میت کو نماز جنازہ پڑھے بغیر ہی دفن کردیا گیا یا اقرب ولی کے ہوتے ہوئے دوسرے لوگوں نے نماز جنازہ کے بعد اس کو دفن کردیا، ایسی صورت میں جب کہ نماز جنازہ پڑھے بغیر اس کو دفن کیا گیا ہو لوگوں پر فرض کفایہ ہوگا کہ قبر پر جا کر اس کی نماز جنازہ پڑھیں، جب تک کہ اس بات کا ظن غالب ہو کہ میت کا جسم ابھی صحیح سالم ہوگا، یعنی لاش پھٹی نہ ہوگی، بعض فقہاء نے تین دن اور بعض نے سات دن کی تحدید بھی فرمائی ہے، لیکن ظن غالب پر اس کا مدار ہے، اگر ظن غالب ہو کہ میت کا جسم صحیح سالم ہوگا تو قبر پر اس کی نماز جنازہ پڑھنا فرض ہے۔

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ ایک کالی عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی، اس کا انتقال ہوگیا رات کا وقت تھا، رسول اللہ ﷺ کی راحت کا خیال کرتے ہوئے صحابہ کرام نے آپ کو اطلاع دیئے بغیر خود ہی نماز جنازہ پڑھ کر اس کی تدفین کردی، رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کی اطلاع کیوں نہیں دی، اس کے بعد آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور نماز جنازہ ادا فرمائی، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"عن سعید بن المسیبؒ أن أم سعد ماتت والنبی ﷺ غائب، فلما قدم، صلی علیها۔"

(جامع ترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء فی الصلاة علی القبر، حدیث ۱۰۳۸)

آپ نے ایسا اس وجہ سے کیا کہ آپ کو ولایت عامہ حاصل تھی، اس سے معلوم ہوا کہ بعض صورتوں میں قبر پر بھی نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔

جب ولی اقرب کے ہوتے ہوئے غیر ولی یا ابعد اوّل یا نے نماز پڑھادی ہو تو اقرب ولی یا جس کو ولایت عامہ حاصل ہو اس کو قبر پر نماز پڑھنے کا حق ہے، تو نماز پڑھے بغیر دفن کردینے کی صورت میں بدرجہ اوّلیٰ قبر پر نماز جنازہ ادا کرنے کا حکم ہوگا، اور دلائل عامہ کی بنا پر یہ بھی فرض کفایہ ہوگا۔

ہمارے فقہاء نے بھی نماز جنازہ پڑھے بغیر میت کو دفن کردینے کی صورت میں تین دن تک نماز جنازہ پڑھنے کی صراحت فرمائی ہے، بعض فقہاء نے دفن کے بعد سات دن تک اور بعض نے چالیس دن تک نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے، موسم اور زمین کے لحاظ سے بھی یہ فرق ہوسکتا ہے، چند فقہاء کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

(۱) فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

"ولو دفن المیت قبل الصلاة أو قبل الغسل فإنه یصلی علی قبره إلی ثلاثة أیام، والصحیح أن هذا لیس بتقدیر لازم، بل یصلی علیه ما لم یعلم أنه قد تمزق کذا فی السراجیة۔"

(فتاوی عالم گیری، کتاب الصلاة، باب فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت، جلد۱، صفحہ۱۶۵)

(۲) البحرالرائق میں ہے:

"وظاهره أنه لو شك فى تفسخه يصلى عليه، والمذكور فى غاية البيان أنه لو شك لا يصلى عليه، وإنما كان هذا هو الأصح لأنه يختلف باختلاف الأوقات فى الحر والبرد، وباختلاف حال الميت فى السمن والهزال، وباختلاف الأمكنة فيحكم فى غالب الرأى۔" (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، جلد٢، صفحه ٣٢٠)

خلاصہ یہ کہ صورت مسئولہ میں میت کے اوّل یا ءکا قبر پر نماز پڑھنا درست بلکہ فرض ہے۔

غائبانہ نماز جنازہ کا حکم

سوال (۴): اگر میت کی تدفین کی اطلاع ملے اور قبر کی جگہ معلوم نہ ہوتو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

نماز جنازہ کی صحت کے لیے میت کا سامنے ہونا ضروری ہے، گو نگاہوں سے مخفی ومستور ہو، لیکن اس کا سامنے موجود ہونا شرط لازم ہے، اس کے بغیر نماز جنازہ درست نہیں۔

☆ چنانچہ فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

"ومن الشروط (أى شروط صلاة الجنازة) حضور الميت ووضعه وكونه أمام المصلى فلا تصح على غائب۔"

(فتاوی عالم گیری، كتاب الصلاة، باب فى الجنائز، جلد۱صفحہ۱۸۰)

☆ علامہ ابن قدامی حنبلی تحریر فرماتے ہیں:

''میت پر غائبانہ نماز جنازہ اس طور پر کہ میت دوسرے شہر میں ہواور اس کی نیت سے دوسرے شہر میں جنازہ کی نماز پڑھی جائے یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک تو جائز نہیں، امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے، امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے موافق ہے، یعنی ان کے نزدیک بھی غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں، کیوں کہ نماز جنازہ کی صحت کے لیے میت کا سامنے ہونا اس کے شرائط میں سے ہے۔''

ندوۃ العلماء لکھنؤ کا فتویٰ

اسی کے مطابق ندوۃ العلماء کے دارالافتاء کا فتویٰ بھی ہے، چنانچہ فتاویٰ ندوۃ العلماء میں ہے:

''غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں ہے، جن روایتوں میں حضورﷺ کے سلسلہ میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہے وہ حضورﷺ کے لیے خاص ہے، بعد میں صحابہ کرام یا تابعین سے اس کا ثبوت نہیں ملتا:

"ولا تصح على غائب-----وصلاة النبىﷺ على النجاشى لغوية أو خصوصية۔"

(رد المحتار على الدر المختار، جلد ٣، صفحه ١٠٥)

"قد صلى رسول اللهﷺ على القبور بعد ما دفن الميت وصلى عليه لكن صلاته عليها والحال هذه كانت مخصوصة لكونهﷺ أولى بالصلاة عليه من كل ولى۔" (اعلاء السنن، جلد٨، صفحه ٢٨٥)

(فتاوی ندوۃ العلماء، جلد۳، صفحہ۳۹۲، مطبوعہ مجلس صحافت ونشریات اسلام لکھنؤ)

غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا رسول اللہﷺ کا معمول نہ تھا

وجہ اس کی یہ ہے کہ رسول اللہﷺ اور خلفاء راشدین کے وقت میں ایسے حادثات بکثرت پیش آئے جس میں صحابہ کرام میں سے نہایت اہم شخصیات حفاظ، قراء اور علماء کی وفات ہوئی، بعض موقعوں پر وفات کی خبر خود رسول اللہﷺ نے صحابہ کرامؓ کو دی، لیکن جلیل القدر صحابہ اور اپنے قریبی

رشتہ داروں کی بھی غائبانہ نماز جنازہ نہ تو آپ نے ادا فرمائی اور نہ ہی آپ کے صحابہ نے، چند واقعات ملاحظہ ہوں:

(۱) بئر معونہ کا واقعہ پیش آیا جس میں جلیل القدر تقریباً ۷۰ صحابہ کرام شہید کر دیئے گئے تھے، ستر صحابہ پر مشتمل یہ وہ پاکیزہ جماعت تھی جن کو قراء کہا جاتا تھا، عامر بن مالک کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے ان قراء صحابہ کو نجد کی جانب تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرمایا، لیکن بئر معونہ پہنچ کر ایک سازش کے تحت علاوہ ایک دو کے سب شہید کر دیئے گئے، اس جماعت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ بھی تھے، ہجرت کے موقع پر جن کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت کا شرف حاصل ہوا تھا، وہ بھی اس معرکہ میں شہید ہو گئے رسول اللہ ﷺ کو ایک عرصہ تک اس کا بہت صدمہ رہا، قنوت نازلہ بھی آپ پڑھتے رہے، جس میں ظالموں کے لیے بددعا فرماتے تھے، لیکن ان مظلوم شہداء میں سے کسی ایک کی بھی آپ نے نماز جنازہ غائبانہ ادا نہیں فرمائی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: زرقانی، جلد۲، صفحہ ۷۷، تاریخ طبری، جلد۳، صفحہ ۳۵، سیرت المصطفی، جلد۱، صفحہ ۷۴۹)

(۲) بئر معونہ کی طرح آپ کی حیات میں واقعہ رجیع بھی پیش آیا جس میں (ابن سعد کی روایت کے مطابق) قبیلہ عضل اور قبیلہ ذکوان کی درخواست پر آپ نے جلیل القدر جید قراء پر مشتمل دس صحابہ کرام کو روانہ فرمایا، تاکہ وہاں جا کر لوگوں کو قرآن کریم اور احکام اسلام کی تعلیم دیں، اس مقدس جماعت میں زید بن دثنہؓ اور حضرت خبیب بن عدیؓ بھی شامل تھے، ان سب کا امیر عاصم بن ثابتؓ کو آپ ﷺ نے مقرر کیا، لیکن مقام رجیع پہنچ کر سازش کے تحت بنولحیان کے دوسو افراد نے اس مقدس جماعت پر حملہ کر دیا، حضرت زید اور حضرت خبیب کے علاوہ سب شہید کر دیئے گئے، حضرت عاصمؓ نے دعا کی:

"أللھم أخبر عنا رسول الله ﷺ۔"

کہ یا اللہ اس واقعہ کی خبر ہمارے نبی ﷺ کو کر دیجئے، چنانچہ اسی وقت آپ کو بذریعہ وحی اطلاع ہوگئی، آپ نے صحابہ کرام کو اس حادثہ کی اطلاع دی، حضرت زید بن دثنہ کو حرم کے باہر تنعیم میں شہید کر دیا گیا، اور حضرت خبیبؓ کو سولی پر لٹکا دیا گیا، جس وقت حضرت خبیبؓ کو سولی پر لٹکایا گیا تھا اس وقت انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ! میرا آخری سلام رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور سلام پہنچا دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: "وعلیکم السلام یا خبیب" اور صحابہ کرامؓ کو اطلاع دی کہ قریش نے خبیب کو قتل کر دیا، اور سولی دینے کے بعد ان کی نعش کو لٹکا چھوڑ دیا، رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پاک سے حضرت زبیر اور حضرت مقدادؓ کو نعش اتار کر لانے کے لیے روانہ فرمایا، قصہ طویل ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سیرت ابن ہشام، جلد۲، صفحہ ۱۲۱، زرقانی، جلد۲، صفحہ ۷۳، البدایہ والنہایہ، جلد۴، صفحہ ۶۷، سیرت المصطفی، جلد۱، صفحہ ۷۳۰)

قابل غور بات یہ ہے کہ امیر لشکر حضرت عاصم بن ثابتؓ کی دعا قبول ہوئی اس کے مطابق آپ نے صحابہ کرام کو حادثہ کی اطلاع تو دی لیکن کیا ان مظلوم صحابہ کی آپ نے یا کسی صحابی نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی؟ کیا کہیں اس کا ثبوت ہے؟ نہیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت خبیبؓ کو سولی پر چڑھانے اور شہادت کی اطلاع ملنے کے بعد دو صحابی کو لاش لانے کے لیے بھیجا جس میں ان کو کامیابی نہ ملی، لیکن کیا آپ نے حضرت خبیب کی نماز جنازہ غائبانہ ادا فرمائی؟ نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ غائبانہ پڑھنا آپ ﷺ کا معمول نہ تھا، اور نہ ہی صحابہ کرام کا یہ معمول رہا۔

خلاصہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے وقت میں بار بار ایسے موقع آئے کہ نماز جنازہ غائبانہ پڑھی جا سکتی تھی، لیکن آپ نے اور آپ کے خلفاء راشدین نے مانع نہ ہونے کے باوجود غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی، اسی وجہ سے ہمارے فقہاء نے نماز جنازہ کی صحت کے لیے میت کے سامنے موجود ہونے کو ضروری قرار دیا ہے، یہ فقہاء احناف و مالکیہ کی رائے ہے، جب کہ دوسرے ائمہ مجتہدین خصوصاً حضرات شوافع کہتے ہیں کہ نماز جنازہ غائبانہ بھی درست ہے، کیوں کہ بعض موقعوں میں پر رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ غائبانہ ادا فرمائی ہے، چنانچہ حبشی بادشاہ ''نجاشی'' اور ''حضرت معاویہ

لیثی‘‘ پرنماز جنازہ غائبانہ آپ نے ادافرمائی،لیکن احناف اس کی توجیہ کرتے ہیں کہ یہ شاہ حبشہ کی خصوصیت تھی ہمارے لیے یہ مشروع ومسنون نہیں، کیوں کہ مشروع ومسنون وہ عمل ہوتا ہے جوآپ کی عادت غالبہ اورسنت مستمرہ یعنی دائمی معمول ہو،ظاہر ہے کہ پوری زندگی آپ کی اور آپ کے صحابہ کی عادت شریفہ اورسنت مستمرہ یہی رہی کہ نماز جنازہ غائبانہ آپ ادانہ فرماتے تھے۔

محض ایک دوواقعات کی بناپرکسی عمل کومشروع ومسنون قرارنہیں دیا جاسکتا، بلکہ اس کومخصوص یامنسوخ یاماؤّل قراردیا جائے گا،یاعارض پر محمول کیاجائے گا،جیسے کھڑے ہوکر پیشاب کرنا،یاننگے سرنماز پڑھنا،یاقبرپرٹہنی اورشاخ ڈالناوغیرہ یہ اعمال آپ کی حیات مبارکہ میں آپ سے صرف ایک دومرتبہ ثابت ہیں،لیکن صرف ان ایک دوواقعات کی وجہ سے ننگے سرنماز پڑھنے یاکشتی لڑنے یاکھڑے ہوکر پیشاب کرنے مسنون نہیں سمجھا جائے گا،کیوں کہ یہ آپ کی عادت غالبہ اورسنت مستمرہ نہ تھی،اسی طرح غائبانہ نماز جنازہ بھی آپ کامعمول اورسنت مستمرہ نہ تھی،محض ایک دوواقعہ کی وجہ سے اس کومسنون نہ سمجھا جائے گا، بلکہ ماؤّل قراردیا جائے گا،یہ علماء احناف کامسلک ہے،واللہ اعلم۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریرفرماتے ہیں:

’’حضورﷺ سے کسی امر کامنقول ہونا سنت ہونے کے لیے کافی نہیں، بلکہ جوعادت غالب ہووہ سنت ہے،اور جوکسی عارض کی وجہ سے صادرہوگیا ہووہ سنت نہیں۔‘‘ (الافاضات الیومیہ،جلد۲،صفحہ۳۰۰)

خلاصہ یہ کہ احناف کے نزدیک بنیادی شرط میت کا سامنے موجود ہونا ہے،اوراس شرط کے نہ پائے جانے کی صورت میں نماز جنازہ غائبانہ کی اجازت نہیں،لیکن چوں کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے ائمہ اربعہ میں سے شوافع اس کے جواز کے قائل ہیں،اس لیے حضرات شوافع کے لیے صورت مسئولہ میں نماز جنازہ غائبانہ بھی درست ہوگی۔

کیا کرونا سے انتقال کرنے والے مسلمان شہید کہلائیں گے؟

سوال(۵): کیا کرونا سے انتقال کرنے والے مسلمان شہید کہلائیں گے؟

ہمارے فقہاء ومحدثین نے شہداء کی دوقسمیں بیان فرمائی ہیں،ایک شہید فی احکام الدنیا والآخرۃ، دوسرے شہید فی الآخرۃ، یعنی ایک وہ شہید جومعرکہ جہاد میں قتال کی حالت میں شہید ہوجائے،اس کے احکام بھی جداگانہ ہیں کہ بغیرغسل کے اس کواسی کے ملبوس کپڑوں میں (کمی وزیادتی کے بعد) دفن کردیا جائے گا،یہ شہید فی احکام الدنیاوالآخرۃ ہے،جواس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

دوسرے وہ شہداء جودنیاوی احکام میں توشہید نہ ہوں گے کہ ان کوبھی بغیرغسل کے ملبوس کپڑوں میں دفن کردیا جائے،البتہ آخرت میں اجروثواب کے لحاظ سے یہ شہید ہوں گے،اگرچہ پہلی قسم کے شہداء سے کم درجہ کے ہوں گے،ایسے شہداء کی رسول اللہﷺ نے خبردی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جوشخص اپنی جان،اپنے مال،اپنی عزت وآبرواوردین کی حفاظت میں قتل کردیا جائے وہ شہید ہوگا،یعنی شہادت کا ثواب پائے گا۔

مسلم شریف کی روایت میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ طاعون میں جس کی موت ہوجائے وہ شہید ہے، دستوں کی کثرت (یعنی ہیضہ وکالرہ کی) وجہ سے یاڈوب کر،یادیوار کے نیچے دب کرکسی کی موت ہوجائے تووہ بھی شہید ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ولادت کے بعد حالت نفاس میں جس عورت کا انتقال ہوگئے وہ بھی شہید ہے،روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عقبة بن عامرؓ أن رسول اللهﷺ قال: --------والنفساء في سبيل الله شهيد۔"

(سنن نسائي، كتاب الجهاد، باب مسألة الشهادة، حديث ٣١٦٣)

بعض روایتوں میں اور دوسرے لوگوں کو بھی شمار کیا گیا ہے، علامہ شامیؒ نے علامہ سیوطیؒ کے حوالہ سے ایسے شہداء کی تعداد تیس تک بتلائی ہے، جب کی دوسرے بعض علماء نے چالیس تک بتائی ہے۔(احکام میت مولفہ ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ، صفحہ ۱۸۶، مطبوعہ، کراچی پاکستان)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کرونا جیسی وبائی بیماری میں اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو وہ شہید ہوگا یا نہیں؟ سو قسم اوّل کا شہید جو معرکہ جہاد میں شہید ہوتا ہے وہ تو ہرگز نہیں ہوگا، البتہ درجات کے فرق کے ساتھ آخرت میں اجر وثواب کے لحاظ سے شہید ہوگا یا نہیں؟ یہ محل غور ہے۔

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جب مبطون و مطعون یعنی طاعون اور ہیضہ کالرے میں مرنے والا شخص شہید ہوتا ہے اور جب دیوار میں دب کر اور پانی میں ڈوب کر مرنے والا شہید ہوتا ہے تو کرونا جیسی وبا میں مرنے والا شہید کیوں نہیں ہوسکتا؟ ان حضرات نے کرونا کی میت کو طاعون جیسی وبا پر قیاس کیا اور اس کو شہید کا درجہ دیا ہے، یہ بعض علماء کی رائے ہے۔

جب کہ دوسرے بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ وعدہ ووعید اور عقاب وعتاب، اجر وثواب سب کا مدار نصوص پر ہے، کیوں کہ ان امور میں قیاس نہیں کیا جا سکتا، قیاس تو احکام میں ہوتا ہے نہ کہ مغیبات ومجازات میں، زیر بحث مسئلہ کا تعلق مغیبات سے ہے، جن کی حیثیت امر تعبدی کی ہوتی ہے یعنی ان کو مقیس علیہ نہیں بنایا جاسکتا، لہٰذا جن موقعوں میں جن لوگوں کے متعلق آپ نے شہادت کی خبر دی ہے، بس وہی لوگ شہداء کے زمرے میں آئیں گے، نہ کہ دوسرے لوگ، کیوں کہ ہر وبائی مرض کی خصوصیات وآثار دنیا میں بھی الگ الگ ہوتے ہیں، اور آخرت میں بھی علیحدہ ہوں گے، ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، مثلاً طاعون ایسی وبا ہے کہ اس کے متعلق رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ مدینہ پاک میں طاعون نہیں ہوگا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے فتاویٰ میں اس سوال کے جواب میں کہ کئی مردوں کو ایصال ثواب کرنے میں سب کو برابر ثواب پہنچتا ہے یا تقسیم ہوکر؟ اس سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"جس امر میں نص ہو اگر وہ احکام فقہیہ جواز وعدم جواز میں سے ہو تو اس میں قیاس کرنا "فاعتبروا يا أولي الأبصار" وغیرہ نصوص سے مامور بہ ہے، اور اگر وہ احکام فقہیہ سے نہ ہو تو اس میں قیاس کرنا "لا تقف ما ليس لك به علم" وغیرہ نصوص سے منہی عنہ ہے، اور امر مسئول عنہ احکام فقہیہ سے نہیں اور نص موجود نہیں، لہٰذا قیاس سے کلام کرنا منہی عنہ ہوگا، اور جن علماء سے کلام منقول ہے، مقصود ان کا حکم لگانا نہیں، بلکہ محض بعض احتمالات کی اقربیت بیان کرنا، واللہ اعلم بخصیات اسرارہ۔

(امداد الفتاویٰ جدید، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، جلد ۳، صفحہ ۴۹۶)

بہر حال اس سلسلہ میں علماء کی دو رائے ہیں یا اصول کے موافق تو دوسری ہی رائے ہے اور حق تعالیٰ کی رحمت کو سامنے رکھتے ہوئے پہلی رائے کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے، واللہ اعلم۔

ایک بڑی غلط فہمی کا ازالہ

شہادت کے مختلف انواع ہیں، تمام شہداء ایک درجہ میں نہیں، حافظ ابن حجرؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ شہادت کے مختلف انواع میں سب سے اعلیٰ وارفع درجہ کا وہ شہید ہے جس کو معرکہ جہاد میں قتال فی سبیل اللہ کی حالت میں شہادت نصیب ہوئی ہو۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مجاہدین مقتولین فی سبیل اللہ کا مقام ان شہداء کو بھی حاصل ہو جائے گا بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ شہادت کے بعض فضائل میں شرکت کی وجہ سے ان کو بھی مقتولین فی سبیل اللہ کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا، جملہ احکام اور جملہ

فضائل میں شرکت مرادنہیں، لہٰذا یہ سمجھنا کہ اس نوع کے شہداء بھی حقیقی شہداء کے درجہ کوپہنچ جائیں گے ہرگز صحیح نہیں۔

قابل غور بات یہ ہے کہ جن سعادت مندوں کو رسول اللہ ﷺ نے صراحۃً شہید فرمایا ہے جب ان کے متعلق شراح حدیث کا کہنا ہے کہ جہاد وشہادت کے جملہ احکام اور جملہ فضائل ان کو حاصل نہ ہوں گے بلکہ بعض باتوں میں مناسبت ومشارکت کی وجہ سے ان کوشہداء کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا، تو پھر جہاد کے دوسرے انواع یعنی تعلیم وتبلیغ وغیرہ پورے طور پر جہاد وشہادت کے حکم میں کیسے ہو جائیں گے؟ اور ان پر جہاد وشہادت کے جملہ فضائل کو منطبق قرار دینا اور ان کو بھی اس کا مصداق قرار دینا کیوں کہ درست ہوسکتا ہے؟ اس لیے تبلیغی جماعت والوں کا جہاد وشہادت کے جملہ فضائل کو اپنے اوپر منطبق کرنا درست نہیں معلوم ہوتا، واللہ اعلم۔

محورششم: کرونا ویکسین سے متعلق مسائل

الکوحل آمیز سنیٹائزر استعمال کرنے کا حکم

سوال (۱): الکوحل آمیز سنیٹائزر کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

الکوحل کے مختلف انواع ہوتے ہیں، ایسا الکوحل جو انگور یا کھجور سے کشید کیا جائے یہ ناپاک ہوتا ہے اور اس کا استعمال بھی ناجائز ہے، خواہ قلیل مقدار میں ہو یا کثیر مقدار میں، البتہ ایسا الکوحل جو انگور اور کھجور کے علاوہ دوسری اشیاء سے تیار کیا جائے وہ پاک ہے، اور اس کا استعمال بھی جائز ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی تحقیق کے مطابق آج کل دواؤں وغیرہ میں جو الکوحل استعمال ہوتا ہے وہ عموماً انگور اور کھجور سے کشید نہیں ہوتا، اس لیے اس کا استعمال جائز ہے، اس سلسلہ میں شیخ موصوف نے تفصیلی کلام فرمایا ہے، طویل بحث کے بعد آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

”وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة (AL COHALS) التى عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعمل فى كثير من الأدوية والعطور والمركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب أو التمرفلا سبيل إلى حلتها أو طهارتها، وإن اتخذت من غيرهما فالأمر فيها سهل على مذهب أبى حنيفةؒ، ولا يحرم استعمالها للتداوى أو لأغراض مباحة أخرى ما لم تبلغ حد الإسكار، لأنها إنما تستعمل مركبة مع المواد الأخرى، ولا يحكم بنجاستها أخذا بقول أبى حنيفةؒ۔

وإن معظم الكحول التى تستعمل اليوم فى الأدوية والعطور وغيرها لا تتخذ من العنب أو التمر وإنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغيره، كما ذكرنا فى باب بيع الخمر من كتاب البيوع، وحينئذ هناك فسحة فى الأخذ بقول أبى حنيفةؒ عند عموم البلوى۔“ (فتح الملهم شرح مسلم، كتاب الأشربة، جلد ۹، صفحه ۵۰۶، ۵۰۷)

کرونا ویکسین لگوانے کا حکم

سوال (۲): کرونا ویکسین لگوانے کا حکم کیا ہے؟ واجب ہے یا مباح؟

ماقبل میں یہ بات تفصیل سے گذر چکی ہے کہ بیماریوں کے علاج یعنی بیماری لاحق ہوجانے کے بعد اس کا علاج کرنا اسباب ظنیہ میں سے ہے، جس کا اختیار کرنا واجب نہیں بلکہ مباح ہے۔

جب بیماری لاحق ہونے کے بعد علاج کرنا واجب نہیں بلکہ مباح ہے تو بیماری لاحق ہونے سے پہلے حفظ ماتقدم کے طور پر یعنی پیشگی علاج

یعنی ویکسین لگوانا بدرجۂ اوّلی واجب نہیں، بلکہ مباح ہوگا، واللہ اعلم۔

البتہ گورنمنٹ نے اگر کوئی ایسا قانون بنادیا ہو جس کی وجہ سے خاص موقعوں میں کرونا ویکسین لگوانے کو ضروری قرار دیا گیا ہو، ایسی صورت میں گورنمنٹ کے قانون کے مطابق عمل کرنا ضروری ہوگا، ایسی صورت میں اور اس عارض کی بنا پر کرونا ویکسین لگوانا بھی واجب ہو جائے گا، ظاهراً لا باطناً۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کوئی کھانا نا کھائے اور بھوک کی وجہ سے مرجائے تو عند اللہ گنہگار رہوگا، اور اگر بیمار ہونے کے بعد علاج نہ کرنے کی وجہ سے اس کی موت ہو جائے تو گنہگار نہیں ہوگا، وجہ اس کی یہی ہے کہ کھانا کھانا اسباب قطعیہ میں سے ہے، جس کا اختیار کرنا فرض ہے، تداوی یعنی علاج ومعالجہ و پرہیز وغیرہ یہ سب اسباب ظنیہ میں سے ہیں، ان کا اختیار کرنا فرض یا واجب نہیں، بلکہ مباح یا مستحب ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں صراحت فرمائی ہے کہ تداوی یعنی علاج اور دواؤں کے استعمال سے شفاء یقینی نہیں، اس لیے اکثر علماء کے نزدیک تداوی اور علاج اگر چہ حلال ہے لیکن واجب نہیں، البتہ بھوک کے وقت کھانا کھانا واجب ہے، کیوں کہ اس میں شفاء یعنی پیٹ بھرنا یقینی ہے، اس لیے شریعت نے مخمصہ کے وقت جان بچانے کے لیے اکل میتہ اور اکل خنزیر کو واجب قرار دیا ہے، کیوں کہ اس میں شفاء یعنی پیٹ بھرنا یقینی ہے، دواؤں کا استعمال واجب نہیں بلکہ صرف مباح ہے، کیوں کہ اس میں شفاء یقینی نہیں، باقی دوا کرنا یہ توکل کے خلاف ہے یا نہیں؟ یعنی دوا کرنا افضل ہے یا نہ کرنا افضل ہے؟ اس میں ہمارے علماء کے دونوں قول ہیں، راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ جن رسول اللہ ﷺ نے علاج اور دوا کرنے کی ترغیب دی ہے اور خود بھی علاج کیا ہے تو اس کے افضل ہونے میں کوئی شبہ نہیں، واللہ اعلم۔ (دیکھیں: مجموعہ فتاویٰ علامہ ابن تیمیہؒ، كتاب الجنائز، جلد ۲۴، صفحہ ۱۵۲)

محور ہفتم: کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے سے متعلق اسلامی ہدایات

وبا کے دفعیہ کے لیے اذان دینے کا شرعی حکم

سوال (۱): وبا کے دفعیہ کے لیے کیا اذان دی جاسکتی ہے؟

اذان دینا امر شرعی اور امر تعبدی ہے، لہٰذا شریعت سے جن موقعوں پر اذان دینا ثابت ہے انہیں موقعوں میں اذان دینا مشروع ہوگا، اس کے علاوہ دوسرے موقعوں میں اذان دینا غلط اور بدعت ہوگا، کسی وبا یا تیز آندھی اور طوفان وغیرہ کے وقت شریعت سے اذان دینا ثابت نہیں ہے، لہٰذا ان موقعوں میں اذان دینا غلط ہوگا۔

البتہ شیاطین، جنات اور خبیث کے نظر آنے یا ان کی آہٹ مثلاً آواز سننے کے وقت اذان دینا حدیثوں سے ثابت ہے۔

(۱) صحیح مسلم کی روایت ہے کہ جب تم کو کوئی آواز سنائی دے، یعنی کسی نامعلوم شخص جنات وغیرہ کی آواز مسموع ہو تو ایسے وقت میں اذان کہہ دیا کرو۔

(۲) مسند احمد میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ جب خبیث جنات نظر آئیں تو فوراً اذان کہہ دیا کرو۔

"عن جابر بن عبد اللهؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ------فإذا تغولت لكم الغيلان فبادروا بالأذان۔"

(مسند احمد، مسند جابر بن عبد اللهؓ، حديث ۱۵۰۹۱)

(۳) امام زرقانیؒ کی شرح موطا میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے خبیث جناتوں کے نظر آنے کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ جناتوں میں بھی جادوگر ہوتے ہیں، جب تم کو جناتوں کا خوف وخطرہ ہو تو نماز کی اذان کی طرح اذان پکارا کرو۔

"وذكرت الغيلان عند عمر بن الخطابؓ فقال: إن شيئا من الخلق لا يستطيع أن يتحول في غير خلقه، ولكن للجن

سحرة كما للإنس سحرة، فإذا خشيتم شيئا من ذلك فأذنوا بالصلاة، كذا فی شرح المؤطأ للزرقانی۔"

(فتح الملہم شرح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب فضل الأذان وهرب الشیطان عند سماعه، **جلد۳، صفحہ ۲۲۵**)

(۴) ایک روایت میں ہے کہ زید بن سلیم کو قبیلہ بنو اسلم کے خزانہ کا نگراں بنایا گیا، اس موقع پر لوگ جناتوں کی شرارت اور ان کی ایذا رسانی سے پریشان تھے، جب زید بن اسلم عامل مقرر کئے گئے تو لوگوں نے ان کے سامنے اپنی اس پریشانی کا تذکرہ کیا، حضرت زید بن اسلم نے ان کو بلند آواز سے اذان دینے کا حکم فرمایا، چنانچہ انہوں نے اذان دینا شروع کیا تو سارے خبیث جنات دفع ہو گئے، اس کے بعد پھر کبھی نظر نہ آئے، حضرت امام مالکؒ نے زید بن اسلم کے طریقہ کو بہت پسند فرمایا، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

(فتح الملہم شرح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب فضل الأذان وهرب الشیطان عند سماعه، **جلد۳، صفحہ ۲۲۵**)

(۵) حضرت امام نوویؒ نے کتاب الأذکار میں باب منعقد کیا ہے: "**باب ما يقول إذا عرض له شيطان أو خافه**" یعنی شیطان کے نظر آنے اور اس سے خوف کے وقت کیا کہنا چاہئے، اس باب کے تحت مسلم شریف کی مقدم الذکر روایت کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ ایسے موقع میں اذان دے دینا چاہئے۔

(۶) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''جب ایسا موقع ہوا کرے (یعنی بھوت پریت، خبیث جنات نظر آئیں) تو اذان کہہ دیا کرو، غول بیابانی (یعنی جنگل میں رہنے والے بھوت پریت) فوراً چلے جائیں گے۔'' (الکلمۃ الحق، صفحہ ۲۹)

ایک شبہ اور بڑی غلط فہمی کا ازالہ

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ وبائیں شیطان اور خبیث جنات کے اثر سے آتی ہیں، اور اذان دینے سے خبیث جنات بھاگ جاتے ہیں، لہٰذا کسی وبا کے پھیلنے کے وقت اذان دینا چاہئے، یہ بعض حضرات کی رائے ہے، جس کی تائید مندرجہ ذیل روایت سے ہوتی ہے:

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے طاعون کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وبائیں جنات کے طعن اور ان کے اثر سے ہوتی ہے، اگر اس میں تم کو موت آجائے تو شہادت کا ثواب ملے گا، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"عن أبی موسیٰؓ قال: قال رسول الله ﷺ: فناء أمتی بالطعن والطاعون، فقیل: یا رسول الله! هذا الطعن قد عرفناه، فما الطاعون؟ قال: وخز أعدائكم من الجن، وفی كل شهداء۔"

(مسند أحمد، مسند الکوفیین، حدیث أبی موسی الأشعریؓ، حدیث ۱۹۵۲۸)

اس روایت سے بظاہر ان لوگوں کی تائید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وبا خبیث جنات کے اثر سے ہوتی ہے، اور حدیث کے بموجب چوں کہ اذان دینے سے شیاطین یعنی خبیث جنات بھاگ جاتے ہیں لہٰذا وبا کے وقت اذان دینی چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ طاعون کے مختلف انواع ہیں: عموماً طاعون فساد ہوا اور فضائی آلودگی کی وجہ سے اور دوسرے اسباب سے ہوتا ہے، اور طاعون کی ایک قسم ایسی بھی ہے کہ جناتوں کا اس میں دخل ہوتا ہے، اس قسم کا طاعون مدینہ پاک میں نہیں ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ طاعون صرف جناتوں کے وخز اور طعن سے ہی نہیں ہوتا بلکہ دوسرے اسباب سے بھی ہوتا ہے۔

اور اگر کسی وبا میں شیطان و جنات کا اثر ہونے کی وجہ سے اذان دینے کی رائے دی جا رہی ہو تو ایسے لوگوں کو چاہئے کہ تمام وہ مواقع جن میں حدیثوں سے شیطان کا وخز و طعن اور شیطان کا اثر و دخل ہونا ثابت ہے، ان تمام موقعوں پر بھی اذان دیا کریں، مثلاً:

(۱) حدیث شریف میں ہے کہ شیاطین تمام بچوں کو کونچہ لگاتے ہیں جس سے بچے روتے، سوتے میں چونکتے ہیں، سوائے حضرت مریم اور حضرت عیسی علیہ السلام کے، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شیطان کے کونچہ لگانے سے حفاظت فرمائی، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"عن أبي هريرةؓ أن رسول اللهﷺ قال: ما من مولود يولد إلا نخسه الشيطان، فيستهل صارخا من نخسة الشيطان، إلا ابن مريم وأمه۔" (صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب فضائل عيسى عليه السلام، حديث ٢٣٦٦)

(۲) متفرق احادیث میں آیا ہے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت بندہ اگر دعانہیں پڑھتا تو شیطان اس کے ساتھ گھر میں داخل ہوتا ہے اور خوش ہو جاتا ہے، کہ رات کا ٹھکانہ مل گیا۔

(۳) بعض روایات میں ہے کہ کھانا کھاتے وقت بھی شیطان شریک ہوتا ہے، جیسا کہ ماقبل روایت میں مذکور ہوا۔

(۴) بعض روایات میں ہے کہ بیت الخلاء جاتے وقت بھی شیطانی اثرات ہوتے ہیں۔

(۵) بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی سے جماع کے وقت بھی شیطان کا اثر ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا تمام مواقع پر بھی شیطان کا عمل دخل ہوتا ہے، لہٰذا ایسے لوگوں کو چاہئے کہ بیوی سے جماع کے وقت، بیت الخلا جاتے وقت، گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت بھی اذان پکارا کریں، تا کہ شیطان کے اثرات سے محفوظ رہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا تحقیقی والزامی جواب

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ طاعون کے موقع پر اذان دینے کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

''آج کل بعض علماء کو بھی اس کے بدعت ہونے میں شبہ پڑ گیا ہے، حالانکہ یہ یقیناً بدعت ہے، اور اس کی کچھ اصلیت نہیں، یہ صرف اختراع ہے۔'' (حسن العزیز، جلد۳، صفحہ ۴۸)

بعض اہل علم نے اس حدیث کے حوالہ سے کہ اذان دینے سے شیطان بھاگتا ہے اور طاعون شیطان کے اثر سے ہوتا ہے، لہٰذا طاعون کے وقت اذان دینا چاہئے تا کہ طاعون ختم ہو جائے، اس استدلال کو پیش کر کے حضرت تھانویؒ سے استفسار کیا، حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اس کا علمی وتحقیقی جواب تحریر فرمایا جس سے تمام شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''اس باب میں دو حدیثیں معروف ہیں ایک حصن حصین کی مرفوع حدیث:

"إذا تغولت الغيلان ناد بالأذان۔"

دوسری حدیث صحیح مسلم کی، حضرت سہیلؓ سے مروی ہے:

"إذا سمعت صوتا فناد بالصلاة، فإني سمعت رسول اللهﷺ إذا نودي للصلاة ولي الشيطان وله حصاص۔"

اور حصن حصین میں مسلم کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ یہی حدیث ہے، اور دونوں حدیثیں مقید ہیں: "إذا تغيلت" "وإذا سمعت صوتا" کے ساتھ اور جو حکم مقید ہوتا ہے کسی قید کے ساتھ اس میں قید نہ پائے جانے کی صورت میں وہ حکم اپنے وجود میں مستقل دلیل کا محتاج ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ طاعون میں دونوں قیدیں نہیں پائی جاتیں، کیوں کہ نہ اس میں شیطان کا تشکل وتمثل (یعنی صورتیں نمودار ہوتی) ہیں، اور نہ ان کی آواز سنائی دیتی ہے، صرف کوئی باطنی اثر ہے (جس کی وجہ سے طاعون ہوتا ہے) پس جب اس میں دونوں قیدیں نہیں پائی گئیں تو مذکورہ دونوں حدیثوں سے اس میں اذان کا حکم اور دوسری دلیل شرعی کی حاجت ہوگی (اور دوسری کوئی ایسی دلیل ہے نہیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ طاعون یا اس جیسی وبا کے وقت اذان پکاری جائے۔)

اور قیاس بھی نہیں کر سکتے کیوں کہ کہ اذان "حی علی الصلاۃ" اور "حی علی الفلاح" پر مشتمل ہے اس لیے غیر صلاۃ کے لیے اذان کہنا غیر قیاسی حکم ہے، قیاس سے ایسے حکم کا تعدیہ نہیں، اس لیے وہ دلیل شرعی کوئی نص ہونا چاہئے محض قیاس کافی نہیں، اور طاعون میں کوئی نص موجود نہیں۔

الغرض نفس الامر کا یہ حکم غیر قیاسی ہے پس اس قیاس سے زلزلہ وغیرہ کے وقت بھی اذان کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔

(خلاصۂ کلام یہ کہ) اس بات میں حدیث تغیل سے استدلال کرنا درست نہیں، اور یہ اذان (جو طاعون یا زلزلہ کے وقت دی جائے) احداث فی الدین (یعنی بدعت) ہے، یہی وجہ سے کہ طاعون عمواس میں (جو صحابہ کے زمانہ میں ہوا) شدت احتیاط کے باوجود کسی صحابی سے منقول نہیں کہ طاعون کے لیے اذان کا حکم دیا ہو، یا خود عمل کیا ہو واللہ اعلم۔" (بوادر النوادر، جلد ا، صفحہ ۱۷۶)

یہ تو تحقیقی جواب ہوا، اور الزامی جواب کے طور پر دوسرے موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

سوال: بیماری کے موسم میں جو اذانیں کہی جاتی ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

فرمایا: بدعت ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وبا جنات کے اثر سے ہوتی ہے، اور اذان سے جنات بھی بھاگتے ہیں اس واسطہ اس اذان میں کیا حرج ہے؟ ایک شخص کو میں نے جواب دیا کہ اذان شیطان کے بھگانے کے لیے ہے مگر کیا وہ اذان اس کے لیے کافی نہیں جو نماز کے لیے کہی جاتی ہے؟ اگر کہا جائے کہ وہ صرف پانچ دفعہ ہوتی ہے تو اس وقت شیاطین ہٹ جاتے ہیں مگر پھر آ جاتے ہیں، تو یہ تو اس اذان میں بھی ہے کہ جتنی دیر اذان کہی جائے اتنی دیر ہٹ جائیں گے اور پھر آ جائیں گے، اور نماز کی اذان سے تو رات دن میں پانچ دفعہ بھی بھاگتے ہیں، یہ تو صرف ایک ہی دفعہ ہوتی ہے، ذرا اوپر بھاگ جائیں گے اور اس کے بعد تمام وقت رہیں گے، تو شیاطین کے بھاگنے کی ترکیب صرف یہ ہوسکتی ہے کہ ہر وقت اذان کہتے رہو، پھر صرف ایک وقت کیوں کہتے ہو؟" (حسن العزیز، جلد ۳، صفحہ ۴۸)

وبا کے وقت اذان اور نفل نماز با جماعت پڑھنا بدعت ہے

مختلف وباؤں کے وقت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے کبھی اذانیں نہیں دیں اور نہ ہی اجتماعی نمازیں ادا کیں۔

سوال (۲): دفع وبا کے لیے اجتماعی نماز اور اجتماعی دعا کا اہتمام کرنا کیسا ہے؟

وبا کے موقع پر اذان دینا ناجائز و بدعت ہے، اس کے عدم جواز کی بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے وقت میں مدینہ پاک میں ایک مرتبہ نہیں متعدد مرتبہ وبائیں پھیلی ہیں لیکن کسی موقع پر بھی رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ سے نہ تو اجتماعی نماز منقول ہے نہ ہی دفع وبا کے لیے اذان دینا ثابت ہے، اس لیے دفع وبا کے لیے نہ تو اذان دی جاسکتی ہے، اور نہ ہی اجتماعی طور پر یعنی با جماعت نفل نماز ادا کی جاسکتی ہے، ذیل میں ہم عہد نبوی اور عہد صحابہ کی چند وباؤں کا ذکر کرتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وباؤں سے تحفظ اور دفع کے لیے آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے علاج کی مختلف تدبیریں تو اختیار فرمائیں لیکن کسی وبا کے موقع پر اذان یا با جماعت نفل نماز آپ نے ادا نہیں فرمائی، اور نہ ہی امت کو اس کی ہدایت فرمائی، لہٰذا اب جو ایسا کرے گا وہ اختراع و احداث فی الدین یعنی بدعت ہوگا، چند وباؤں کو ملاحظہ فرمائیے، جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے وقت میں ہوئی تھیں:

(۱) مسند احمد میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ ہم نے مدینہ منورہ میں جب ہجرت کی اس وقت مدینہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی۔

"عن عائشةؓ قالت: قدم رسول الله ﷺ المدينة، وهي أوبأ أرض الله عزوجل----الخ۔"

(مسند احمد، مسند الصديقة عائشة بنت الصديقؓ، حديث ۲۴۲۸۸)

الغرض مختلف روایتوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے وقت میں بھی مدینہ پاک میں کئی مرتبہ وباء پھیلی ،شرّاح حدیث حافظ ابن حجر کی تصریح کے مطابق بعد میں رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں سے مدینہ پاک سے ساری وبائیں ختم ہوگئیں،اور آئندہ کے لیے آپ نے خبر دی کہ مدینہ پاک میں اب طاعون نہیں ہوگا،لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ ان وباؤں کے وقت صحابہ کرام نے حفاظت اور علاج کی مختلف تدبیریں اختیار کیں،لیکن کسی وبا میں کسی موقع پر روایت میں رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین سے یہ ثابت نہیں کہ کسی موقع پر انہوں نے دفع وبا کے لیے نفل نماز باجماعت ادا کی یا اذانیں دی ہوں،اس لیے ہمارے فقہاء،محدثین اور اکابر علماء فرماتے ہیں کہ طاعون یا کسی وبا کے وقت نفل نماز باجماعت پڑھنا یا اذان دینا غلط اور بدعت ہے،چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

’’ایسی اختراعات وایجادات جس کا سبب بھی خیر القرون میں موجود تھا اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ اور صحابہ نے وہ کام نہیں کیا،جس سبب کی بنا پر بعد کے لوگوں نے نیا کام کیا تو ایسے کام کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔‘‘

اس مضمون کو حضرت تھانویؒ نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ (ملاحظہ ہو:وعظ السرور ملحقہ،صفحہ ۱۶۴)

اس پوری تفصیل سے اچھی طرح واضح ہوگیا کہ دفع وبا کے لیے باجماعت نماز پڑھنا،یا اذانیں دینا ناجائز اور بدعت ہے۔

دفع وبا کے لیے اجتماعی دعا کرنے کا حکم

رہ گیا دفع وبا کے لیے اجتماعی طور پر دعا کرنا،سو اس کا حکم یہ ہے کہ صحابہ کرام کے عمل اور دوسرے دلائل شرعیہ اور اکابر علماء کی تصریحات سے ثابت ہے کہ خاص حالات میں کسی بھی مصیبت،پریشانی بیماری دور کرنے کے لیے یا کسی خاص مقصد کے لیے انفرادی واجتماعی طور پر دعا کرنا جائز ہے،لیکن یہ جواز اس وقت تک ہے جب کہ احیاناً یعنی کبھی کبھی ہو اعتیاداً والتزاماً نہ ہو،یعنی لازمی طور پر اس کو معمول نہ بنالیا جائے ورنہ بدعت کے دائرہ میں آجائے گا۔

جواز وعدم جواز دونوں کے دلائل درج ذیل ہیں:

احیاناً اجتماعی دعا کے جواز کے دلائل

(۱) ایک روایت میں ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سے کہا آؤ سعد ہم دونوں مل کر دعا کریں،ہر شخص اپنی ضرورت کے موافق دعا کرے،اور دوسرا آمین کہے،کیوں کہ اس طرح کی دعا کے قبول ہونے کی زیادہ امید ہے،چنانچہ دونوں حضرات نے ایک کونے میں جاکر اسی طرح دعا کی کہ ایک نے دعا کی دوسرے نے آمین کہی،قصہ طویل ہے۔

فائدہ:اس سے معلوم ہوا کہ اپنی ضرورتوں اور مقاصد کے لیے احیاناً اجتماعی دعا کرنا درست ہے۔

(۲) شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب ’’اقتضاء الصراط المستقیم‘‘ میں تحریر فرمایا ہے کہ نفل نماز کے لیے اجتماع یا اجتماعی طور پر قرأت قرآن یا اجتماعی ذکر جس میں دعا بھی شامل ہے،اگر احیاناً یعنی کبھی کبھی اہتمام کے ساتھ ہو تو جائز اور مستحسن ہے،اور اگر اس کو اوقات کی پابندی کے ساتھ مثلاً ہفتہ واری یا ماہانہ کا معمول بنالیا جائے تو بدعت ہے۔

(۳) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے کہ ختم خواجگان اور اجتماعی دعا اگر اتفاقاً اور کبھی کبھی ہو تو جائز ہے،اور اگر اعتیاداً والتزاماً ہو یعنی اس کو لازمی معمول بنالینا ناجائز ہے،چنانچہ آپ کے فتاویٰ میں ہے،جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

’’اہم مقاصد اور مصائب وپریشانیوں کے دفع کے لیے ختم خواجگان یا ختم بخاری اور اس کے بعد اجتماعی دعا جائز ہے،لیکن اگر اس کو معمول اور عادت بنالیا جائے یعنی اس کا التزام کیا جانے لگے،تو یہ ختم خواجگان بھی ناجائز ہوجائے گا،فتوی کی عبارت درجہ ذیل ہے:

سوال: ختم خواجگان کا قضاء حاجات دینی وجائز حاجات دنیاوی کے لیے مسجد میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: باجرت ناجائز ہے، اور بلا اجرت اتفاقاً (یعنی احیاناً) جائز اور اعتیاداً (یعنی التزاماً) ناجائز۔"

(امداد الفتاوی قدیم، جلد۴، صفحہ ۶۰۶، سوال ۷۰۶)

فائدہ: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ختم خواجگان اعتیاداً کو جو ناجائز قرار دیا ہے اس کی دلیل علامہ شاطبیؒ کی درج ذیل عبارت ہے:

"فهذه أمور جائزة أو مندوب إليها، ولكنهم كرهوا فعلها خوفاً من البدعة، لأن اتخاذها سنة إنما هو بأن يواظب الناس عليها مظهرين لها، وهذا شأن السنة، وإذا جرت مجرى السنن صارت من البدع بلا شك۔"

(الاعتصام للشاطبی، جلد۲، صفحہ ۳۴۸)

(۴) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے کتب فقہ کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہمات یعنی مصائب اور پریشانیوں کے دفعیہ کے لیے نمازوں کے بعد خاص وظائف پڑھنا مکروہ اور بدعت ہے، کیوں کہ صحابہ سے منقول نہیں، اس سے مراد بھی یہی ہے کہ جب اعتیاداً والتزاماً ہو، حضرت گنگوہیؒ کا فتوی درج ذیل ہے:

سوال: رمضان شریف کی نماز تراویح میں مسجد کے اندر بعد ادائے چار رکعت وتسبیح معمولی اور دعا کے اگر تمام مصلی متفق ہو کر بہ نیت رونق و کیفیت وشوکت اسلامی ذکر "لا اله الا الله محمد رسول الله" بہ آواز بلند کریں تو جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: اس طرح ذکر کرنا بعد جلسہ تراویح کے صحابہ وتابعین سے منقول نہیں، لہٰذا یہ ہیئت بدعت ہے۔

كما قال فى الواقعات قرأة الفاتحة بعد المكتوبة لأجل المهمات وغيرها مكروهة لأنها بدعة لم ينقل عن الصحابة والتابعين۔"

اور ردمحتار میں روایت ہے:

"عن ابن مسعود رضى الله عنه أنه سمع قوما اجتمعوا فى المسجد يهللون ويصلون على النبى ﷺ جهرا فراح إليهم فقال: ما عهدنا ذلك فى عهده ﷺ وما اراكم إلا مبتدعين---الخ۔" (رد المحتار على الدر المختار، جلد۲، صفحہ ۳۵۰)

ان دونوں سند سے دریافت ہوا کہ اگر چہ ذکر مطلقاً جائز ہے مگر جس موقع پر کوئی طرز خاص قرون ثلاثہ میں پایا گیا ہے اس کو دوسری طرح بدلنا بدعت ہے، پس ہر چند کلمہ طیبہ جہراً جائز ہے، اپنے موقع جواز پر مگر جلسہ تراویح میں اس طرح ثبوت نہیں تو اس طرح کرنا بدعت ہوگا، مع ہذا عوام اس کو سنت سمجھ جائیں گے اور جس مباح کو عوام سنت جانیں وہ بدعت ہو جاتا ہے۔

بہر حال ذکر اس طرح کرنا بدعت ہے اگر چہ نفس ذکر کلمہ طیبہ کا جہر سے درست مگر اس موقع پر کہ قرون خیر میں اس ہیئت سے ثابت نہیں ہوا بلکہ یہ محل اخفاء کا ہے، لہٰذا بدعت ہوا نیز اس میں فساد عقیدہ عوام کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تذکرۃ الرشید، جلد۱، صفحہ ۱۷۰)

مذکورہ بالا تمام تفصیلات سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں کہ:

(۱) مصائب اور وباؤں کے دفع کے لیے کسی وظیفہ کا پڑھ کر اجتماعی طور پر دعا کرنا جائز ہے۔

(۲) لیکن اگر اس کو عادت بنالیا جائے اور اس پر التزام ودوام اور تارک پر نکیر کی جانے لگے تو پھر یہ ناجائز اور بدعت ہے۔

لہٰذا دفع وبا کے لیے اجتماعی دعا کرنا جائز ہے، لیکن دوام والتزام سے اجتناب ضروری ہے، ورنہ مکروہ اور بدعت ہوگا، واللہ اعلم۔

کرونا وبا سے متعلق چند اہم سوالات

ڈاکٹر مفتی محمد مصطفیٰ عبد القدوس ندوی
(عمید کلیۃ البحث والتحقیق والافتاء، جامعۃ العلوم، گڑھا- گجرات)

اکیسویں صدی کی دوسری دہائی میں دنیا ایک ایسی بیماری سے روشناس ہوئی جس کی کیفیت، اثرات، سنگینی، ہولناکی اور نقصانات کی نوعیت سے ماضی کی شعوری اور طبی دنیا آشنا نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی پچھلی تاریخ میں اس کا ذکر ملتا ہے، اور نہ ہی گذشتہ زمانہ اس طرح کی بے ترتیب اور انجان تباہی وہولناکی کا مشاہدہ کیا تھا، عجب عالم تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا خاموش اور اپنے گھروں میں قید ہو کر رہ گئی، اور ہر کوئی ایک دوسرے کو شکوک وشبہات اور ترچھی نگاہوں سے دیکھنے لگا اور اپنے بھی پرائے ہونے لگے۔ دنیا کی اس ابتری اور بے بسی کو مختلف ناموں سے نوازا جانے لگا، کسی نے لیبارٹی میں تیار کردہ جان لیوا وائرس کا عالمی پھیلاؤ قرار دیا تو کسی نے قدرتی وائرس کا نام دیا، کسی نے وبائی مرض کہا، جتنی سمجھ اتنی باتیں۔ بہر حال لوگوں کے خیالات جو بھی ہوں، اس بلاخیز طوفانی وبا نے زندگی کے ہر میدان کو متاثر کیا، بے شان وگمان عجب حالات پیدا ہوئے، حالات کے بدلنے کے ساتھ مسائل بھی منصۂ شہود پر آئے، اور یہ بات ظاہر اور مسلمہ ہے رونما ہونے والے حالات کے تناظر میں پیدا ہونے والے مسائل کا شرعی حل تلاش کرنا علماء کی ذمہ داری اور ان کا اہم فریضہ ہے۔

محور اول: کورونا کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر

۱– وبا کی تعریف اور اس کے بارے میں شریعت کا تصور

سوال (۱): وبا کیا ہے؟ اور شریعت میں اس کے بارے میں کیا تصور ہے؟

جواب: وبا ایک ایسا جان لیوا وائرس اور متعدی بیماری ہے جو غیر طبعی طور پر بڑی تیزی سے پھیلتی ہے، دیکھتے ہی دیکھتے ایک سے دوسرے، دوسرے سے تیسرے تک متعدی ہوتی چلی جاتی ہے، اس میں بیک وقت کئی افراد تک متعدی ہونے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

وبا مختلف نوعیتوں کی ہوتی ہے، ان میں کورونا جیسی وبا جس کو دنیا نے حال ہی میں مشاہدہ کیا ہے، زیادہ خطرناک، مہلک اور تباہ کن ثابت ہوئی ہے، اور اس نے بڑے پیمانوں پر لوگوں کو لقمۂ اجل بنایا ہے۔

جہاں تک وبا کے بارے میں شریعت کا تصور اور اس کے نقطۂ نظر کی بات ہے تو قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ ہر شئی کا خالق ہے، یہاں تک کہ خیر کے ساتھ شر کا بھی خالق ہے: ''وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ.'' [نساء:۷۸]

''اگر ان کو بھلائی حاصل ہوتی ہے تو کہتے ہیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور اگر تکلیف دہ بات پیش آتی ہے تو کہتے ہیں: یہ آپ کی طرف سے ہے، آپ کہہ دیجئے کہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔''

”وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلا كاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ .“ [انعام: ۷۱]

”اگر اللہ آپ کو نقصان پہنچانا چاہیں، تو اس کے سوا کوئی اور اسے دور نہیں کر سکتا اور اگر نفع پہنچانا چاہیں تو ہر چیز اس کی قدرت میں ہے“۔

معلوم ہوا کہ وبا بھی اللہ تعالی کی دیگر مخلوقات کی طرح یہ بھی ایک مخلوق ہے، اور مخلوق حادث ہے، وقت کے گذرنے کے ساتھ گاہے بگاہے آتی رہتی ہے اور آئندہ بھی آتی رہے گی اور جاتی رہے گی، ماضی میں بھی آئی ہے، جس کو حدیث پاک میں طاعون سے تعبیر کیا گیا ہے، دراصل اللہ تعالی اسے ایک عذاب اور تنبیہ الٰہی کی حیثیت سے دنیا میں رونما کرتا ہے اور لوگوں کے لئے یا آزمائش اور درس عبرت بناتا ہے۔

۲–وبا سے تحفظ کے لئے شرعی رہمائی اور اسلامی ہدایات

سوال (۲): وبا سے تحفظ کے لئے شرعی رہنمائی اور اسلامی ہدایات کیا ہیں؟

کرونا وائرس پھیلنے والے خطرناک مرض سے بچنے کے سلسلہ میں یا اس کی روک تھام کے لئے یدرج ذیل ہدایات پر عمل کو یقینی بنایا جائے؛ کیونکہ حفظ جان بنیادی مقاصد شریعت میں سے دوسرے نمبر پر ہے، اور حفظ جان کے قبیل سے حفظ صحت ہے، اور حفظان صحت کے لئے شریعت اسلامیہ نے بہت ساری چیزوں کو حرام و ناجائز قرار دیا ہے، جیسے: شراب نوشی، خنزیر، کتا اور مردار کے گوشت وغیرہ، یہ ساری چیزیں انسانی صحت کے لئے ضرر رساں اور نقصاندہ ہیں، اس وقت کرونا وائرس کی وباء خود حرام کردہ بلی، کتا، چمگادڑ وغیرہ کھانے اور استعمال کی وجہ سے آئی ہے۔ معلوم ہوا کہ حفاظتی تدابیر اختیار کرنا شرعی حکم، ایمان اور تقدیر کے منافی نہیں بلکہ یہ بھی علاج کا ایک حصہ ہے اور وبائی مرض میں تو احتیاط اور حفاظتی تدابیر اختیار کرنا سب سے بڑا علاج اور کامیاب حکمت عملی ہے، خوف و بزدلی نہیں۔ یہاں اسی بنیاد پر احتیاطی تدابیر کے طور پر بعض چیزیں بیان کی جاتی ہیں، جن کا تعلق، گھروں، مساجد، دیگر عبادت خانے، پبلک مقامات، نمازیوں اور عام نوع انسان سے ہے، اور وہ یہ ہیں:

۱۔ امام صاحب فرض نمازیں مختصر پڑھائیں۔ نمازی اپنے گھروں میں صابن سے ہاتھ دھوئیں، اچھی طرح وضو کریں، نماز سے پہلے کی سنت گھر پر پڑھ لیں، اس کے بعد فرض نماز کے لئے مسجدوں کا رخ کریں، اور مسجدوں میں جماعت سے فرض نماز پڑھ کر فوری گھروں کو واپس ہو جائیں اور فرض نمازوں کے بعد کی سنتیں اور نفل گھروں میں پڑھنے کا اہتمام کریں۔ ویسے عام اوقات میں بھی صابن سے ہاتھ منہ دھونے، کپڑے، بدن اور رہائش گاہ کی صفائی کا اہتمام کریں۔

۲۔ موجودہ صورت حال میں مصافحہ اور معانقہ سے پرہیز کریں؛ کیونکہ اسلامی اصول ہے کہ جب ضرر اور فائدہ دونوں پہلوؤں کا اجتماع ہو جائے تو ضرر کے پہلو کو غلبہ و ترجیح حاصل ہوتی ہے ”إِذَا تَعَارَضَ الْمَانِعُ وَالْمُقْتَضِي قُدِّمَ الْمَانِعُ“ (الأشباہ والنظائر للسیوطی، ص:۵۱۱)۔ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع سے خانہ کعبہ کو منہدم کر کے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طرز پر دوبارہ اس کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تھا؛ لیکن پھر اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے سے باز آ گئے؛ کیونکہ اس سے نومسلم لوگوں کے مرتد ہونے کا خطرہ تھا۔ معلوم ہوا کہ کسی شرعی جائز و پسندیدہ عمل کو چھوڑا جا سکتا ہے جبکہ اس پر عمل سے ضرر کا اندیشہ ہو۔

۳۔ کھانسی اور چھینک آتے وقت منہ پر کپڑا یا ٹشو پیپر رکھ لیں، اگر کپڑا یا ٹشو پیپر بروقت ساتھ نہ ہو تو اپنی بایاں ہتھیلی منہ پر رکھ لیں خواہ نماز کے اندر ہوں یا نماز کے باہر، ہاں! اگر نماز کی حالتِ قیام میں ہوں تو دایاں ہتھیلی منہ پر رکھ لیں۔

۴۔ وضو خانے کو خوب اچھی طرح صاف کر دیا جائے اور برابر صاف ستھرا رکھا جائے۔ اسی طرح گھروں، آفسوں اور دوسرے رہائشی و اقامتی مقامات کو بھی برابر خوب صاف ستھرا رکھنے کا اہتمام ہو۔

۵۔ طہارت خانے (Toilet) غسل خانہ (Bath Room)، بیسن (Hand Wash Basin)، نلوں کی خوب صفائی کی جائے، لوٹوں اورجگوں کو مانجھ کر صاف کردیا جائے۔

٦۔ جن لوگوں کو سردی کھانسی، بخار، بدن میں اینٹھن ، یا سانس کی بیماری ہو، یا دمہ کی شکایت ہو، وہ گھر میں ہی نماز ادا کرلیا کریں؛ تاکہ دوسرے بھائیوں کو ایذا پہونچانے سے محفوظ رہ سکیں، جیسا کہ ایمان کا تقاضا اور ایک مومن کی شان و پہچان ہے۔

۷۔ مسجد کی انتظامیہ کو چاہئے کہ وہ مسجد میں رکھے ہوئے تولیے اور ٹوپیوں کو ہٹالیں؛ تاکہ لوگ ان کا استعمال نہ کریں، اسی طرح گھروں میں بھی ایک ہی تولیہ کو ہر کوئی استعمال نہ کرے؛ بلکہ اپنے اپنے تولیے یا رومال الگ کرلیں۔

۸۔ اپنے کپڑے، ہاتھ، پیر بلکہ پورے بدن کی صفائی ستھرائی اور پاکیزگی کا خیال رکھیں۔ تمام مسلمانوں کو معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''پاکی آدھا ایمان ہے'' (ترمذی، دعوات، حدیث: ۹۱۵۳، امام ترمذی کا بیان ہے: حدیث حسن ہے)۔

عالمی طبی ماہرین کی ٹیم کے سربراہ ڈاکٹر بروس ایلورڈ، جنہیں معائنہ کے لئے چین بھیجا گیا تھا، چین سے واپسی کے بعد وہاں جلد کنٹرول پائے جانے کی وجوہات بیان کی ہیں، ان سے استفادہ کرتے ہوئے کچھ چیزیں یہاں معمولی تصرف کے ساتھ ذکر کی جاتی ہیں:

الف: کرونا وائرس کے ٹیسٹ تک آسان اور مفت رسائی کو یقینی بنایا جائے، اور اس کے متاثرین مریضوں کے ٹیسٹ اور اس سے متعلق اخراجات حکومت برداشت کرے۔

ب: پیشگی روک تھام کے مقصد سے پہلے سے موجود ہسپتالوں کی گنجائش میں اضافہ ہو اور کرونا وائرس متاثرین مریضوں کے لئے کچھ بیڈس مختص کئے جائیں اور عارضی ہسپتالوں کی تعمیر کی طرف قدم بڑھایا جائے۔ اس سلسلہ میں موجودہ ہندوستان کی صورتحال افسوسناک ہے۔

ج: متاثرین کی نگرانی کا نظام بڑی چوکسی کے ساتھ وسیع پیمانہ پر ہو۔ مریضوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا جائے۔ وائرس کے حوالہ سے مستند اور تازہ ترین معلومات کو زیادہ سے پھیلایا جائے اور خوب شیئر کیا جائے، اور جعلی افواہوں اور جعلی معلومات کو پھیلنے سے روکا جائے، عالمی ادارے کے مطابق یہ کردار فیس بک، ٹوئٹر اور دیگر ذرائع ابلاغ کو ادا کرنا چاہیے۔

د: متعدد طبی خدمات کو آن لائن منتقل کرنے کا نظام ہونا چاہیے، مریضوں کو آن لائن مشاورت فراہم کی جائے، اور انہیں ہر طرح کی طبی سہولیات فراہم کی جائے۔

ھ: لوگوں کو گھروں تک محدود کرنے کی کوشش ہو؛ تاکہ وباء نہ پھیلے، وہیں اس بات کو بھی یقینی بنانے کی کوشش ہو کہ اور خورد ونوش اور دیگر بنیادی ضروریات زندگی کی اشیاء کی سپلائی کو یقینی بنایا جائے، ورنہ لوگوں کی اموات بھوک مری اور دوسری وجہوں سے بھی ہونے لگے گی۔

یہ سب احتیاطی تدابیر اسلامی ہدایات وتعلیمات کے مغائر نہیں ہیں بلکہ موافق ہیں، اس لئے ان پر عمل کیا جائے؛ کیونکہ ہر وہ حکمت اور تدبیر جو انسان کی جان اور اس صحت کی حفاظت کی ضمانت لے یا ان میں معین ومددگار ہو تو اس کا اختیار کرنا شرعا پسندیدہ اور مطلوب ہے۔

۳۔ حکومت کی گائڈ لائن اور احتیاطی تدابیر پر عمل کرنے کا حکم اور توکل اور ایمان

سوال (۳) کورونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے اور اس سے بچنے کے سلسلہ میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل اود دیگر احتیاطی تدابیر کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا ایسا کرنا توکل علی اللہ اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہے؟

جواب: اس وقت روک تھام کے لئے جو کچھ ہو رہا ہے، بہتر ہے، اور ہونا چاہیے، عوام کو بھی چاہیے کہ وہ محکمہ صحت اور حکومتی اقدامات کا

ساتھ دیں، خود بھی ان پر عمل کریں اور دوسروں کو بھی عمل پر آمادہ کریں، ورنہ بڑا ہی برا حال ہوگا۔ اس بیماری کا شکار بچے اور عمر زیادہ لوگ زیادہ ہو سکتے ہیں؛ کیونکہ ان میں قوت دفاع کی کمی ہوتی ہے؛ اس لئے بچوں اور عمر دراز لوگوں کو بہت زیادہ احتیاطی وحفاظتی تدابیر اختیار کرنا اور ماہر ڈاکٹروں کی ہدایات پر عمل کرنا ضروری ہے۔

کرونا وائرس پھیلنے والے خطرناک مرض سے بچنے کے سلسلہ میں یا اس کی روک تھام کے لئے اوپر ذکر کردہ ہدایات پر عمل کو یقینی بنایا جائے، مزید اگر حکومت کی گائڈ لائن کو بھی بروئے کار لایا جائے؛ کیونکہ حفظ جان بنیادی مقاصد شریعت میں سے دوسرے نمبر پر ہے، اور حفظ جان کے قبیل سے حفظ صحت ہے، اور حفظ جان اور حفظان صحت ہی کے لئے اللہ تعالی سے احتیاطی برتنے سے روکا ہے: ”وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ“ [بقرہ: ۱۹۵] ’’اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو‘‘ اور نیز حفظان صحت کے لئے شریعت اسلامیہ نے بہت ساری چیزوں کو حرام وناجائز قرار دیا ہے، جیسے: شراب نوشی، خنزیر، کتا اور مردار کے گوشت وغیرہ، یہ ساری چیزیں انسانی صحت کے لئے ضرر رساں اور نقصاندہ ہیں، اس وقت کرونا وائرس کی وباء خود حرام کردہ بلی، کتا، چمگادڑ وغیرہ کھانے اور استعمال کی وجہ سے آئی ہے۔ معلوم ہوا کہ حفاظتی تدابیر اور حکومت کی طرف سے جاری کردہ گائڈ لائن کو اختیار کرنا شرعی حکم، ایمان اور تقدیر کے منافی نہیں بلکہ یہ بھی علاج کا ایک حصہ ہے اور وبائی مرض میں تو احتیاط اور حفاظتی تدابیر اختیار کرنا سب سے بڑا علاج اور کامیاب حکمت عملی ہے؛ کیونکہ یہ دنیا دار الاسباب ہے، ہر کام ایک قدرتی نظام کے تحت انجام پاتے ہیں؛ اس لئے کورونا اور اس جیسی متعدی بیماری سے بچنے کے لئے حفاظتی تدابیر اختیار کرنا عین مشیئت الٰہی اور شریعت اسلامیہ کے موافق ہے، کسی حکیم ودانا نے سچ کہا: ”الوقاية خير من العلاج“ احتیاط علاج سے بہتر ہے‘‘؛ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے جذام مریض سے دور رہنے کا حکم فرمایا بلکہ اس کو شیر سے تشبیہ دے کر فرمایا کہ’’ جذام زدہ شخص سے اس طرح بھاگو جیسے تم شیر سے بھاگتے ہو‘‘۔ (بخاری، طب، باب الجذام، حدیث: ۵۷۰۷)۔

اوپر ذکر کردہ نصوص سے واضح ہوگیا کہ ان ذرائع واسباب سے اپنے آپ کو بچانا واجب ہے جن سے انسانی جان اور صحت کو خطرہ ہو، اور ان اسباب اور احتیاطی تدابیر کو اپنانا لازم ہے جن سے جان اور صحت کی حفاظت یقینی یا کم از کم غالب گمان ہو، اور معلوم ہے کہ کورونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے اور اس سے بچنے کے سلسلہ میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل پیرا ہونا اور دیگر احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ہی دراصل اپنے آپ کو اور دوسروں کو کورونا سے بچانے کا مؤثر ذریعہ ہے؛ لہذا کورونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے کے اسباب کو اختیار کرنا اور اس سے بچنے کے سلسلہ میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل کرنا اور دیگر احتیاطی تدابیر اپنانا شرعاً واجب ہوگا۔ اور واضح رہے کہ ایسا کرنا توکل علی اللہ اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف نہیں ہوگا؛ بلکہ موافق ہوگا؛ کیونکہ کورونا سے بچنے کے لئے اسباب اور احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنے کے بعد نتیجہ اللہ کے حوالہ کرنے کا نام توکل علی اللہ ہے، اور یہ دنیا دار الاسباب ہے، اس لئے اسباب وذرائع کو اپنانا ایمان کے تقاضوں کے خلاف نہیں بلکہ اس کے مطابق ہوگا، جیسا کہ اوپر دلائل سے ذکر کیا چکا ہے۔

۴- بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر

سوال (۴): بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کے ارشاد ’’جذام زدہ شخص سے اس طرح بھاگو جیسے تم شیر سے بھاگتے ہو‘‘۔ (بخاری، طب، باب الجذام، حدیث: ۵۷۰۷)، ”إِذَا سَمِعْتُمْ بِالطَّاعُونِ بِأَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوهَا“ (بخاری، طب، باب مایذکر فی الطاعون، حدیث: ۵۷۲۸)۔ ’’جب تم معلوم ہو جائے کہ فلاں علاقہ وسرزمین میں طاعون ہے تو وہاں نہ جاؤ‘‘۔ اور آپ ﷺ کے عمل مبارک کہ وفد ثقیف میں موجود جذام زدہ شخص سے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بیعت لینے کے بجائے فرمایا کہ اس کو جا کر کہہ دو کہ ’’میں نے اس کی بیعت کر لی وہ واپس چلا جائے‘‘۔ (مسلم، آداب، باب اجتناب المجذوم

ونحوہ، حدیث: ۱۲۱-۱۳۲۲)، سے واضح طور معلوم ہوتا ہے کہ بعض بیماریاں متعدی ہوتی ہیں، بذات خود ان میں متعدی ومنتقل ہونے کی صلاحیت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان میں متعدی ہونے کی صلاحیت ودیعت فرمادی ہے، جیسا کہ مثلاً آگ میں جالانے کی اور چھری وتلوار میں کاٹنے کی صلاحیت رکھی ہے، ٹھیک اسی طرح کورونا، پلیگ اور اس جیسی بیماریوں میں متعدی اور ایک سے دوسرے تک منتقل ہونے کی خاصیت اور صلاحیت رکھی ہے۔

محور دوم: کورونا کے زمانے میں عبادات میں تخفیف

۵- کیا نمازوں کے لیے مسجد جانا ضروری ہے؟

سوال (۱): کیا کورونا کے زمانہ میں مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنے یا انفرادی نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

معلوم ہونا چاہئے کہ دوسری عبادتوں کی طرح نماز بھی ایک ایسی عبادت ہے جس میں اعذار کی شدت کے لحاظ سے بتدریج تخفیف اور رخصت حاصل ہوتی ہے، جس کی ترجمانی فقہ کا مشہور قاعدہ [اَلْمَشَقَّةِ تَجلِبُ التَّيسِير] کرتا ہے؛ پس موجودہ صورت حال میں کورونا وائرس کی وجہ سے سماجی دوری- جو کہ یقیناً ایک معقول اور قرآن وحدیث، اصول فقہ، قواعد فقہیہ، مقاصد شریعت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں معتبر عذر ہے- کی بناء پر لوگ مسجدوں میں جا کر نماز جمعہ اور پنجوقتہ نمازوں کی جماعتوں میں شرکت سے معذور ہیں؛ اس لیے اگر وہ اپنے اپنے گھروں میں جمعہ کے دن نماز ظہر ادا کریں، اس دن اور دوسرے دنوں میں دوسری نمازیں پڑھیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نیز اس کی تائید مزید دوسرے دلائل سے ہوتی ہے، اور وہ یہ ہیں:

۱- ہماری شریعت اسلامیہ میں عذر کی وجہ سے عام نمازوں کی جماعتیں اور جمعہ ترک کرنے کی رخصت ہے، جیسے بیماری اور ڈر وخوف اور کثرت سے بارش؛ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے مؤذن کی پکار سنی اور اس کو نماز کے لیے (مسجد جانے سے) کوئی عذر اور خوف مانع نہیں رہا''، حضرات صحابہ کرامؓ عرض کناں ہوئے: عذر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خوف یا مرض''۔ —— معلوم ہوا کہ عذر ومجبوری کے وجہ سے نماز جمعہ اور دیگر نمازوں کی جماعت میں عدم شرکت کی رخصت حاصل ہے اور لوگ معذور متصور ہوتے ہیں اور عدم شرکت پر گنہگار نہیں ہوتے ہیں، حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مجبوری خواہ جسمانی ہو جیسے مرض میں مبتلا ہو یا مرض لاحق ہونے کے غالب گمان ہو یا کسی اور شئ کا خوف ہو تو جمعہ اور دوسری نمازوں کی جماعتوں میں عدم شرکت کی رخصت حاصل ہے، اور ظاہر ہے کورونا سے متاثر ہونے اور وبائی مرض میں مبتلا ہونے کا اندیشہ موجود ہے۔

۲- اسلام کا ایک بنیادی نظریۂ حیات اور بے نظیر قانون زندگی اور عقل سے قریب تر اصول ہے، جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے معجزانہ جامع الفاظ میں ارشاد فرمایا: ''لَا ضَـرَرَ وَلَا ضِـرَارَ'' (موطأ الإمام مالک، حدیث: 226، ابن ماجہ، حدیث: 3340، مستدرک حاکم: 2/ 57، دار قطنی: 4/ 228)، یعنی شرعاً اپنے آپ کو اور دوسروں کو ضرر سے بچانا ضروری ہے، اور سب کو معلوم ہے کہ کورونا وائرس کا خطرہ بہت بڑا خطرہ ہے، عام طور پر بیماری کا اثر ایک شخص کی اپنی ذات پر ہوتا ہے؛ لیکن اس سے شدید اجتماعی ضرر کا اندیشہ ہوتا ہے اور پوری پوری فیملی اور سماج کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

۳- مقاصد شریعت میں سے حفظ نفس، یعنی موت یا ہلاکت سے جان کی حفاظت ہے (دیکھئے: بقرہ: ۱۹۵، نساء: ۲۹)، اور یہ ضروریات دین میں سے ہے اور حفظ نفس یعنی جان کی حفاظت، حفظ دین یعنی دینی حکم پر مقدم ہوتا ہے، اور کورونا وبا کے زمانہ میں مسجدوں کو جانا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور دوسروں کو ہلاکت سے دوچار کرنا ہوگا، اوپر حدیث گذر چکی ہے کہ ہلاکت وضرر کے خوف کی وجہ سے جمعہ اور پنج وقتہ نمازوں

کی جماعت میں شرکت ضروری نہیں رہتی ہے۔(نیز دیکھئے: بخاری، باب الرخصۃ ان لم یحضر الجمعۃ فی المطر، حدیث: 901، مسلم، باب الصلاۃ فی الرحال فی المطر، حدیث:-69926)۔

جمعہ کے علاوہ دوسری نمازوں کو جماعت کے ساتھ پڑھنا سنت مؤکدہ ہے اور جان کی حفاظت واجب ہے، ظاہر ہے کہ واجب سنت پر مقدم ہوگا، جس کا تقاضا ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد جانا درست نہ ہو۔ نیز ظاہر ہے کہ کورونا وبا کے زمانہ میں نماز جمعہ میں شرکت سے جب انسان معذور قرار پاتا ہے اور عدم شرکت شرعاً جائز ہوتی ہے تو پنج وقتہ نمازوں کی جماعت کے لیے مساجد نہ جانا بدرجہ اوّلی عذر قرار پائیگا؛ کیوں کہ نماز جمعہ جماعت کے ساتھ مشروع ہے اور جب کہ پنج وقتہ نمازیں بغیر جماعت کے بھی ہوسکتی ہے، اور بالاتفاق گھر میں بھی جماعت قائم ہوسکتی ہے؛ لہٰذا گھروں میں نماز پڑھنے کو ترجیح دینا جہاں جان وصحت کی حفاظت کی ضمانت ہوگی، وہیں شرعاً جائز ہوگی۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ کورونا کے زمانہ میں مساجد کے بجائے گھروں میں جمعہ کو چھوڑ کر دوسری فرض نمازوں کی جماعت قائم کرنے یا انفرادی طور پر پڑھنے کی اجازت ان لوگوں کے لیے بھی ہوگی جو صحتمند اور تندرست وتوانا ہیں۔

۶۔ کورونا وبا کے ماحول میں مساجد کے اندر جمعہ اور پنج وقتہ نمازوں کی تعدد جماعت کا حکم:

سوال (۲): کورونا کے زمانہ میں ایک مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ پنجوقتہ نمازیں پڑھنے اور متعدد بار نماز جمعہ ادا کرنے کا حکم کیا ہے؟

عام حالات میں بازار کی مسجد، لبِ سڑک مسجد اور وہ مسجد جس میں امام اور مؤذن مقرر نہ ہوں، میں بالاتفاق ایک سے زائد جماعت مکروہ نہیں ہے۔(بدائع الصنائع: 1 / 53، فتاوی والوالجیہ: 1 / 72، ردالمحتار: 2 / 288–289، ط: زکریا دیوبند، المدونۃ الکبری: 1 / 89، الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی: 1 / 528، المجموع شرح المہذب للنووی: 4 / 222، ط: دار الفکر ,المغنی: 2 / 5، المقنع والشرح الکبیر والإنصاف: 4 / 285)۔ظاہر ہے کہ اس طرح کی مسجدوں میں جب عام حالات میں عام پنجوقتہ نمازوں کی تعدد جماعت درست ہے تو کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں اس کی اجازت بدرجہ اوّلی ہوگی اور سب کی نمازیں بلاکراہت صحیح ہوں گی۔ جہاں تک نماز جمعہ کی بات ہے تو کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں اوپر ذکر کردہ مسجدوں میں اس کی بھی ایک سے زائد جماعت کی اجازت ہوگی اور سب کی نمازیں بغیر کراہت کے درست ہوں گی۔

رہی وہ مسجد جس میں امام مقرر ہو اور جماعت ہوتی ہو تو اس میں ایک سے زائد جاعت قائم کرنے کے بارے میں مجتہدین فقہاء کے درمیان اختلاف ہے؛ چنانچہ حنابلہ کے نزدیک بلاکراہت مطلق درست ہے، جب کہ شوافع کے یہاں امام مسجد کی اجازت کی شرط ہے، یعنی امام راتب کی اجازت سے ایک سے زائد جماعت قائم کرنا بغیر کسی کراہت کے صحیح ہے اور اس کی اجازت کے بغیر مکروہ ہے (المجموع شرح المہذب للنووی: 4 / 222، ط: دار الفکر ,المغنی: 2 / 5، المقنع والشرح الکبیر والإنصاف: 4 / 285)۔ مالکیہ کے نزدیک مطلق مکروہ ہے (الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی: 1 / 528،) اور احناف مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں ہیں (بدائع الصنائع: 1 / 53، فتاوی والوالجیہ: 1 / 72، ردالمحتار: 2 / 288–289، ط: زکریا دیوبند)؛ البتہ ائمہ احناف میں سے امام ابو یوسفؒ سے ایک قول منقول ہے کہ امام اوّل کی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ ایک سے زائد جماعت قائم کرنا مکروہ نہیں ہے "وَعَنْهُ لَا بَأْسَ بِهِ مُطْلَقًا إذَا صَلَّى فِي غَيْرِ مَقَامِ الْإِمَامِ" (البحر الرائق: 1 / 605)۔

امام ابو یوسفؒ کے قول پر اس حدیث پاک سے استدلال کیا جاسکتا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: »أَيُّكُمْ يَتَّجِرُ عَلَى هَذَا؟« ''کون ہے جو اس شخص پر تجارت کرے؟'' ایک شخص اٹھا اور اس نے اس کے ساتھ نماز پڑھی۔(ترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي الجَمَاعَةِ فِي مَسْجِدٍ قَدْ صُلِّيَ فِيهِ مَرَّةً، حدیث نمبر: 220، امام ترمذیؒ کا بیان ہے: حدیث حسن ہے)۔ وجہ استدلال یوں ہے کہ جہاں آپ نے نماز پڑھائی تھی اُس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ یہ

جماعت ثانیہ ہوئی تھی جیسا کہ پوری حدیث کے الفاظ سے واضح ہے۔ نیز حدیث بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسجد میں ایک سے زائد جماعت قائم کی جائے تو تداعی نہ ہونی چاہیے؛ اس لیے کہ آپ ﷺ نے "أَيُّكُمْ يَتَّجِرُ عَلَى هٰذَا؟" کہنے پر اکتفا کیا، مزید اعلان نہ خود کیا اور نہ اعلان کروایا کہ جن لوگوں کی جماعت چھوٹ گئی ہو وہ آکر اس میں شریک ہوجائیں، یا جب بھی کچھ لوگوں کی جماعت چھوٹ جائے تو وہ مسجد میں آکر دوسری جماعت قائم کرلیا کریں۔

تداعی کی تشریح منصوص نہیں ہے کہ کتنی تعداد پر تداعی کا اطلاق ہوگا اور کتنی پر تداعی کا اطلاق نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ امام محمدؒ نے بغیر کسی تعداد کی تحدید کے کہا کہ بلا تداعی کسی گوشہ میں چھپ کر پڑھ لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے "وَعَنْ مُحَمَّدٍ إِنَّمَا يُكْرَهُ تَكْرَارُهَا عَلَى سَبِيلِ التَّدَاعِي أَمَّا إِذَا كَانَ خُفْيَةً فِي زَاوِيَةِ الْمَسْجِدِ لَا بَأْسَ بِهِ" (البحر الرائق: 1 / 605)۔ بعض دوسرے فقہاء سے تعداد منقول ہے، جیسے امام ابو یوسف سے ایک قول کے مطابق تین اور اس سے زیادہ کی تعداد تداعی کے حکم میں ہے، اور دوسرا قول امام اوّل کی جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ قائم کرنا بلا کراہت درست ہے۔

اس اختلاف سے معلوم ہوا کہ اصل میں تعداد مقصود نہیں ہے بلکہ تداعی و اعلان نہ ہونا مقصود ہے؛ کیوں کہ اعلان کی وجہ سے پہلی جماعت میں لوگوں کی شرکت کم ہوجائے گی، دوسرے الفاظ میں ایک سے زائد جماعت قائم کرنے کے اعلان کی صورت میں تقلیل جماعت لازم آئے گی اور ہر وہ عمل جس کی وجہ سے پہلی جماعت میں لوگوں کی شرکت کم ہو، وہ مکروہ ہے۔

یہ عام حالات میں عام فرض نمازوں کی جماعتوں کا مسئلہ ہوا، اب رہی بات کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں عام فرض نمازوں اور نماز جمعہ کی ایک سے زائد جماعتیں قائم کرنے کی، تو اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ لوگوں کی بڑی تعداد میں شرکت پر پابندی ہوتی ہے، ہر حال میں تھوڑی تعداد ہی آسکتی ہے، اس سے پہلی جماعت کی قلت و کثرت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا؛ کیوں کہ سرکاری طور پر پابندی کے پیش نظر زیادہ لوگ نہیں آسکتے، جتنے کی اجازت ہوگی اتنے ہی شرکت کریں گے؛ اس لیے پہلی جماعت کے بعد دوسری، تیسری، چوتھی اور اس سے زائد جماعتوں کے قیام کی وجہ کراہت نہیں پائی جارہی ہے؛ لہٰذا اس مسجد میں جہاں امام ومؤذن مقرر ہوں اور نمازیں جماعت سے ہوتی ہوں، وہاں نماز جمعہ اور دیگر فرض نمازوں میں ایک سے زائد جماعتیں قائم کرنا بلا کراہت درست ہوگا؛ جب کہ پہلی جماعت کے امام راتب کے کھڑے ہونے کی جگہ محراب یا جس جگہ کھڑے ہو کر اس نے نماز پڑھائی ہو، دوسری اور اس کے بعد کی جماعت کا امام اس جگہ کو چھوڑ کر تھوڑا پیچھے ہٹ جائے اور نماز پڑھائے، اس طرح تغیر ہیئت ہوجائے گی، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کا قول اوپر گذر چکا ہے۔

اسی طرح کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں ایک مسجد میں پنج وقتہ نمازیں اور نماز جمعہ کی ایک سے زائد جماعت کی اجازت اس وقت بھی ہوگی جب کہ اس مسجد کا مقرر امام پہلی جماعت کی امامت نہ کرے؛ بلکہ وہ آخری جماعت کی امامت کرے، علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ایک سے زائد جماعت کی کراہت سے مستثنیٰ صورتوں کا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"يُكْرَهُ تَكْرَارُ الْجَمَاعَةِ فِي مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ، إِلَّا إِذَا صَلَّى بِهِمَا فِيهِ أَوَّلًا غَيْرُ أَهْلِهِ." (رد المحتار: 2 / 288، بَابُ الْإِمَامَةِ، الهندية: 1 / 54)۔

۷- وبا کے زمانہ میں گھروں میں نماز جمعہ:

سوال (۳): وبا کے زمانہ میں گھروں میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی کیا شرطیں ہیں؟

سب کو معلوم ہے کہ حکومت انتظامیہ کی طرف سے کورونا وائرس کی وجہ سے لاک ڈاؤن نافذ ہوا، اور لاک ڈاؤن کی وجہ سے مسجدوں میں پنج وقتہ نمازوں کی جماعت اور جمعہ میں بھیڑ اکٹھا ہونے پر پابندی عائد ہوئی؛ تاکہ کورونا وائرس کو پھیلنے سے روکا جا سکے اور جلد سے جلد اس پر قابو

پایا جاسکے اور حکومت کی طرف سے اس پرسختی سے عمل کی تاکید ہی نہیں بلکہ بزور طاقت اس پر عمل کروایا گیا یہاں تک کہ جن لوگوں نے گھروں کی چھتوں پر یا ہال میں اکھٹا ہو کر جمعہ یا دوسری نمازوں کی جماعت قائم کئے تو معلوم ہونے پر ان کے خلاف کاروائی ہوئی اور مصلیوں کے خلاف ایف آئی آر درج کیا گیا اور مار پیٹ اور گرفتاریاں ہوئیں، اس صورت حال میں اُس وقت پنج وقتہ نمازوں کی جماعت کے بارے میں تمام معاصرین علماء اور مفتیان کرام کا اتفاق رہا کہ مسجدوں میں ایک امام کے علاوہ دو مقتدی مل کر جماعت قائم کرلیں اور بقیہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں نماز خواہ جماعت کے ساتھ ہو یا تنہا تنہا پڑھ لیں، البتہ گھروں میں نماز جمعہ کے بارے میں اختلاف ہوا، اور مجموعی اعتبار سے تین اقوال سامنے آئے:

اوّل: ایک یا دو مفتیان کرام کی رائے کے مطابق جمعہ مسجد اور گھر بلکہ کہیں بھی قائم کرنا درست نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کی صحت کے لیے اذن عام کی شرط ہے، اور یہاں یہ شرط نہیں پائی جارہی ہے۔

دوم: بعض اہل علم اور ارباب افتاء کے نزدیک اگر امام کے علاوہ تین عاقل بالغ مرد موجود ہوں تو جمعہ مسجد، اسکول، مدرسہ، فیکٹری اور ہر گھر میں قائم کرنا درست ہے۔

(۲): شہر قصبہ یا بڑے گاؤں میں جن لوگوں کے لیے جمعہ کا نظم نہ ہو سکے یا وہ کسی عذر کی بناء پر بلا عذر جمعہ نہ پڑھ سکیں، وہ ظہر کی نماز تنہا پڑھیں گے، جماعت کے ساتھ نہیں؛ کیوں کہ جس بستی میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہوں اور وہاں جمعہ قائم ہوتا ہو، خواہ ایک جگہ یا متعدد جگہ، نیز بڑی جماعت کے ساتھ یا چھوٹی جماعت کے ساتھ، وہاں معذور یا غیر معذور ہر ایک کے لیے ظہر کی نماز باجماعت مکروہ ہے، فقہ حنفی کی تمام بنیادی کتابوں اور اکابر علماء دیوبند کے فتاوی میں ایسا ہی ہے اور فقہی دلائل کی بنیاد پر یہی صحیح ہے۔ اور جو لوگ ظہر باجماعت کی اجازت دیتے ہیں، اُن کی رائے پر اکثر اہل علم واصحاب فتوی کا عدم اطمینان بجا ہے۔

اور جن چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی شرائط نہیں پائی جاتیں، وہاں کے باشندگان، حسب معمول، جمعہ کے دن بھی مسجد یا اپنے اپنے گھروں میں ظہر کی نماز باجماعت ادا کریں گے، انہیں ظہر کی نماز تنہا تنہا پڑھنے کی ضرورت نہیں"۔

دارالعلوم دیوبند کا فتوی غور سے پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دوٹوک فتوی نہیں ہے، بعض صورتوں میں وہ جمہور کے ساتھ نظر آتے ہیں، جیسا کہ اس فقرہ "انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کا اندیشہ ہو اور انتظامیہ کو اعتماد میں نہ لیا جاسکے یا کسی کی طبیعت پر خوف وہراس غالب ہو" سے معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حکومتی انتظامیہ کی طرف سے روک ٹوک واضح طور پر تھا، نہ ماننے والوں پر لاٹھی چارج ہو رہی تھی اور ان کے خلاف مقدمہ درج کیا جارہا تھا، اور زمینی حقیقت یہی ہے کہ لوگوں کی طبیعت پر خوف وہراس غالب تھی، اور بعض صورتوں میں دوسرے گروہ کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

سوم: اس سلسلہ میں ایک تیسری رائے یہ ہے کہ مسلمان اپنے اپنے گھروں میں صرف نماز ظہر ادا کریں، جو شرعاً جمعہ کے دن نماز جمعہ کا متبادل ہے جمعہ نہیں، خواہ جماعت کے ساتھ ہو یا انفرادی طور پر؛ البتہ جمعہ مسجدوں میں قائم ہوگا اور وہ بھی مختصر جماعت تین عاقل بالغ مرد مقتدی اور ایک امام پر مشتمل ہوگی اور نماز اور خطبہ ممکن حد تک مختصر ہوں گے۔ اس کے قائلین اکثر علماء ومشائخ اور ارباب افتاء ہیں؛ بلکہ کہنا چاہئیے کہ جمہور معاصرین معتبر علماء اور مفتیان کرام کی یہی رائے ہے۔

۳- رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کو مسجد آنے سے روکا ہے جن کے منہ سے بدبو آتی ہو، جیسے کسی نے کچی پیاز کھائی ہو۔ (بخاری، اذان، باب فی الثوم والبصل، حدیث: ۵۵۸، مسلم، المساجد، باب نہی من أکل ثوما، حدیث ۳۷-۴۶۵)، جب منہ کی بدبو کی بناء پر مسجد جانا درست نہیں؛ تاکہ دیگر نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، تو کورونا وائرس کی وجہ سے بدرجۂ اولیٰ مسجد جانے سے روکا جائے گا تاکہ اس سے دوسرے لوگ اس کے ضرر سے محفوظ رہ سکیں۔ معلوم ہے کہ منہ کی بدبو زود زائل ہے، زیادہ سے زیادہ نماز سے فراغت تک ختم ہوجاسکتی ہے، اور کورونا وائرس کا خطرہ بہت بڑا خطرہ

ہے، عام طور پر بیماری کا اثر ایک شخص کی اپنی ذات پر ہوتا ہے؛ لیکن اس سے شدید اجتماعی ضرر کا اندیشہ ہے، شرعاً اپنے آپ کو اور دوسروں کو ضرر سے بچانا واجب ہے، حالات میں ماہرین کی رائے کے مطابق جمعہ کے لیے لوگوں کا جمع ہونا بے حد نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے واضح رہے کورونا وائرس کا اثر فوری طور پر ظاہر نہیں ہوتا ہے، تقریباً چودہ پندرہ دنوں کے بعد پتہ چلتا ہے کہ فلاں اس سے متاثر تھا، اس درمیان میں کتنوں کو وہ متاثر کر چکا ہوگا۔

۴- فقہاء نے نماز جمعہ مکلّف مسلمانوں کے ذمہ میں واجب ہونے کے لیے بیماری سے محفوظ اور تندرست ہونا اور ڈر و خوف سے مامون ہونا ضروری قرار دیا ہے (درمختار ورد المحتار: ۳/۲،۷، ۹۲)۔ اور یہاں موجودہ صورت حال میں ماہرین کی رائے کے مطابق جمعہ کے لیے لوگوں کا جمع ہونا بے حد نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے، یعنی یہاں بیماری کا اندیشہ بھی ہے، جس سے جان خطرہ میں پڑ سکتی ہے اور حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے پولیس کے ڈنڈے کھانے اور ایف آئی آر درج ہونے کا خوف ہے۔

۵- جمہور علماء جن میں احناف بھی شامل ہیں، کے یہاں ایک شہر میں ایک سے زائد جمعہ بلا ضرورت قائم کرنا درست نہیں ہے، جیسے شہر میں مسلمانوں کی آبادی بڑھ گئی، اور ایک ہی جامع مسجد ہے، جہاں جمعہ قائم ہوتا ہے، اب یہ جامع مسجد تنگ پڑنے لگی، ایسی صورت میں دوسری مسجد میں جمعہ قائم کرنا درست ہوگا۔ کرونا وائرس کوئی ایسی حاجت نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے دوسرا، تیسرا، چوتھا اور پانچواں اور مزید قائم کرنے کی ضرورت ہو؛ بلکہ یہ ایک عذر ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے ذمہ سے جمعہ کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے، اور اس کے بدلہ میں نماز ظہر کی ادائیگی فرض ہوتی ہے۔

۶- تھوڑی دیر کے لیے دلائل سے قطع نظر کرتے ہوئے دیکھا جائے تو موجودہ حالات میں گھروں میں جمعہ قائم کرنے کا فتوی دینا مصلحت شرع کے خلاف بھی معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ جب کورونا وائرس کی وباء ختم ہوجائیگی اور لاک ڈاؤن اٹھ جائیگا اور حالات جب معمول پر آجائیں گے تو لوگ جمعہ کے لیے مسجد آنے میں سستی کریں گے اس خیال سے کہ جمعہ گھر میں درست ہوجاتا ہے، اسکول وکالیج کے طلبہ اپنے اسکول میں جمعہ قائم کریں گے، فیکٹری کے مزدور کسی مولوی کو بلا کر فیکٹری میں قائم کریں گے، تو جمعہ کا جو مقصد ہے وہ فوت ہوجائے گا: لہٰذا سدًّ اللذریعۃ بھی مسجد سے باہر گھر گھر جمعہ قائم کرنے کا فتوی جاری کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا ہے۔

نیز گھروں میں جمعہ قائم کرنے کا فتوی دینے سے لوگوں کے دلوں سے جمعہ کی اہمیت نکل جائیگی، معمول کے حالات کے وقت جو ماحول دِکھنے کو ملتا ہے کہ لوگ جوق در جوق جامع مسجدوں کی طرف رخ کرتے ہیں، اور شعار اسلام کا اعلان ہوتا ہوا نظر آتا ہے، اس کی شان وشوکت کا ظہور ہوتا ہے، ہفتہ واری عید کا منظر نمودار ہوتا ہے، اس کا غیروں پر مثبت اثر پڑتا ہے اور ان کے دلوں میں اسلام کی شان وشوکت بیٹھتی ہے اور وہ مرعوب ہوتے ہیں۔ اس کا قوی اندیشہ ہے کہ جب حالات معمول پر آجائیں گے تو یہ چیزیں متاثر ہونگی اور عام پنجوقتہ نمازوں کا جیسا حال جمعہ کا بھی نہ ہوجائے اور آہستہ آہستہ ہفتہ واری مسلمانوں کی تعداد میں نمایاں فرق نظر آنے لگے گا اور بڑی کمی آسکتی ہے؛ اس لیے سدًّ اللذریعۃ بھی مسجد سے باہر جمعہ قائم کرنے کا فتوی جاری کرنا محل نظر معلوم ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ مختلف دلائل اور وجوہ سے راجح معلوم یہی ہوتا ہے کہ موجودہ حالات میں لوگوں کے ذمہ سے جمعہ ساقط ہوجاتا ہے، وہ معذور ہیں، اور معذورین گھروں میں ظہر کی نماز پڑھنے کے مکلّف ہیں نہ کہ جمعہ؛ لہٰذا وہ اپنے گھروں یا وہ جہاں بھی ہوں، ظہر کی نماز پڑھیں گے، ان کو اختیار ہے کہ چاہے وہ جماعت سے پڑھیں یا انفرادی طور پر۔

بخاری فی کِتَابُ الجِهَادِ وَالسِّيَرِ، باب يُكْتَبُ لِلْمُسَافِرِ مِثْلُ مَا كَانَ يَعْمَلُ فِي الإِقَامَةِ، برقم: 2996)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بندہ جب کسی عبادت کے عمل کو حسن خوبی انجام دے رہا ہوتا ہے، (اتفاق سے) وہ بیمار پڑ جاتا ہے، تو اس پر مامور فرشتہ سے کہا جاتا ہے، اس کے اس عمل کا ثواب لکھو جو وہ تندرستی میں کرتا تھا''۔ (مسند احمد، حدیث: 6898، حدیث

صحیح ہے، جیسا کہ محقق کا بیان ہے)۔

معلوم ہوا کہ اگر بندہ کسی نیک عمل کو مواظبت و پابندی سے کرتا ہے، اور کسی عذر کی وجہ سے اس عمل کو کرنے سے قاصر ہو گیا تو اس کی پابندی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے اسے اس کو ثواب عطا کر دے گا؛ لہٰذا جو لوگ پنج وقتہ نمازیں اور جمعہ مسجد میں جا کر پڑھا کرتے تھے؛ لیکن کورونا وبا کی وجہ سے پنج وقتہ نمازیں مسجد میں جا کر باجماعت پڑھنے سے قاصر ہو گئے، اسی طرح سے نماز جمعہ مسجد پڑھنے سے عاجز ہو گئے اور وہ جمعہ کے دن گھروں میں نماز ظہر جماعت کے ساتھ اور انفرادی طور پر پڑھ رہے ہیں تو انہیں نماز جمعہ اور پنج وقتہ نمازیں مسجد میں جا کر پڑھنے کا ثواب برابر ملے گا۔

۸- مسجد کے علاوہ جگہوں میں نماز جمعہ کے قیام کے فتوی پر ایک نظر، مزید دلائل اور شبہات کا ازالہ:

غور وفکر کا مقام ہے کہ اصولی طور پر دیکھا جائے تو مساجد کے علاوہ گھروں، بنگلوں، اسکول و مدارس اور دوسری جگہوں میں نماز جمعہ قائم کرنے کا فتوی جن مفتیان کرام نے دیا ہے، تو اس کی بنیادیں دو ہو سکتی ہیں:

پہلی بنیاد: کورونا وائرس اور لاک ڈاؤن کی وجہ سے جو حالت بنی ہوئی ہے، اس کے پیش نظر ضرورت وحاجت کی وجہ سے مساجد کے علاوہ گھروں وغیرہ میں جمعہ قائم کرنے کا فتوی دیا گیا ہے، جب حالات معمول پر آ جائیں گے تو لوگ حسب معمول جامع مسجدوں میں جمعہ پڑھنا شروع کر دیں گے۔ تو یہ بنیاد درست معلوم نہیں ہوتی ہے؛ کیوں کہ ضرورت کی وجہ سے ان احکام میں تبدیلی واقع ہوتی ہے جن کا بدل نہ ہو، جن کا بدل ہو تو وہاں احکام میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی ہے بلکہ جو بدل ہے وہ اصل کے قائم مقام ہو جاتا ہے، مثال کے طور پر ایک شخص کسی معقول عذر کی وجہ سے وضو پر قادر نہیں ہے تو ایسا نہیں ہے کہ اس سے نماز کے لیے حصول طہارت ساقط ہو جائے گی یا اس کو ہر حال میں وضو کرنے کا مکلّف بنایا جائے گا؛ اس لیے کہ وضو کا نائب یعنی بدل تیمّم موجود ہے، ایسا شخص تیمّم کرے گا اور نماز پڑھے گا، ہاں! اگر تیمّم پر بھی قادر نہ ہو تو فاقد الطہورین کا مسئلہ پیدا ہوگا، ورنہ اس سے پہلے وضو کا بدل تیمّم موجود ہے۔ یہاں جمعہ کا بدل ظہر ہے؛ پس جب جمعہ پڑھنے سے جو لوگ معذور قرار پائے ہیں تو ان کے لیے جمعہ کا بدل ظہر ہے، وہ ظہر پڑھیں گے نہ کہ جمعہ، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بیماری، ڈر وخوف اور بارش کی کثرت ایسے اعذار ہیں جن کی وجہ سے جمعہ کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے اور ان میں مبتلا افراد معذور کہلاتے ہیں، وہ جمعہ کے متبادل کے طور پر نماز ظہر اپنے اپنے گھروں میں پڑھنے کے مکلّف ہیں۔ (دیکھئے: ابوداؤد، بَابٌ فِي التَّشْدِيدِ فِي تَرْكِ الْجَمَاعَةِ، حدیث: ۵۵۱، متدرک حاکم، حدیث: ۸۹۶، سنن کبری از بیہقی، حدیث: ۵۴۰۷، بخاری، باب الرخصة ان لم یحضر الجمعة فی المطر، حدیث: ۹۰۱، مسلم، باب الصلاة فی الرحال فی المطر، حدیث: ۶۲-۶۹۹)۔ ان ہی احادیث اور دوسری دلائل کی بنیاد پر فقہاء نے نماز جمعہ مکلّف مسلمانوں کے ذمہ میں واجب ہونے کے لیے بیماری سے محفوظ اور تندرست ہونا اور ڈر وخوف سے مامون ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ (درمختار ورد المحتار: ۳/۲۷، ۲۹)۔

دوسری بنیاد: اصل مشروعیت کی اساس پر، یعنی اصل کے اعتبار سے گھروں وغیرہ میں جمعہ قائم کرنا درست ہے، تو یہ دو وجہوں سے نادرست معلوم ہوتا ہے:

پہلی وجہ یہ ہے کہ اس کا ذکر قرآن وحدیث میں نہیں ملتا ہے، اور عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہؓ بلکہ بعد کے ادوار میں بھی اس کی نظیر نہیں ملتی ہے، جب کہ ماضی میں کورونا وائرس سے زیادہ خطرناک طاعون جیسی متعدی بیماری آ چکی ہے، جس میں ایک ایک دن میں سینکڑوں کی تعداد میں بلکہ علامہ شوکانیؒ کے بیان کے مطابق ۷۰۲ھ میں قاہرہ میں اس حد تک سخت سنگین وباء آئی کہ بیت المال کی رپورٹ کے مطابق ایک دن سات ہزار لوگ شہید ہوئے ہیں۔ (البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع للشوکانی، ص: ۲۷۰)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ زیر بحث مسئلہ مسکوت عنہ احکام میں سے ہے، اور یہ عبادات کا مسئلہ ہے، خورد ونوش، خرید وفروخت اور عادات و

مباحات کے قبیل سے نہیں ہے، اور فقہاء کے یہاں عبادت کے باب میں اصل 'حظر یعنی ممانعت ہے؛' "الأصل فی العبادات الحظر، وفی العادات الإباحة" (القواعد الفقهیۃ وتطبیقاتہا فی المذاہب للدکتور محمد مصطفی الزحیلی: ۱/۲۱۱) "عبادات میں اصل ممانعت اور عادات میں اصل اباحت"، الأصل فی العبادات التوقیف. (الغرر البہیۃ فی شرح بہجۃ الوردیۃ، فصل فی بیان صلاۃ النفل للرملی،ص:۹۷، القواعد الفقہیۃ وتطبیقاتہا فی المذاہب للدکتور محمد مصطفی الزحیلی: ۱/ ۹۶۷) "عبادات کے میں اصل توقیف ہے"، الأصل فی العبادات التعبد (نظریۃ المقاصد عند الإمام الشاطبی، ص:۲۸۱، ۲۳۰، تیسیر علم أصول الفقۃ للجدیعی: ۱/ ۱۷۵) "عبادات کے میں اصل تعبدی ہے"۔ حظر، توقیف اور تعبدی کے الفاظ قریب المعنی ہیں، سب کا حاصل یہ ہے کہ عبادات کے باب میں قرآن اور حدیث میں جو کچھ آیا ہے، ان ہی پر عمل ہوگا، ان پر مزید اضافہ درست نہیں ہوگا بلکہ اضافہ شدہ بدعت اور مردود ہوگا، جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا: "جس نے ہمارے دین میں ایسی چیز کا اضافہ کیا جو ہمارے دین میں سے نہیں ہے تو وہ باطل ہے"۔ (بخاری، صلح، حدیث: ۲۶۹۷، مسلم، حدود، حدیث: ۱۷-۱۷۱۸)۔ نماز جمعہ ایک عبادت ہے، تو یہ تعبدی توقیفی اور منعی وحظری ہوگی، جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ جیسا رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے اسی نہج وطریقہ پر جمعہ پڑھا جائیگا، اس سے ہٹ کر کسی اور طریقہ پر پڑھنا درست نہیں ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے نماز کی بابت فرمایا: "صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي" (صحیح ابن حبان، حدیث: ۱۶۵۸)"

۹- جمعہ کے دن گھروں میں نماز ظہر جماعت سے یا تنہا:

سوال (۴): ظہر پڑھنے کی صورت میں باجماعت پڑھیں یا تنہا؟

جواب: اوپر ذکر کردہ مفصل دلائل سے بات ثابت ہو چکی ہے کہ کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں بھی نماز جمعہ گھروں وغیرہ میں قائم کرنا درست نہیں ہے، اس دن مسجد میں جماعت کے علاوہ بقیہ لوگ یا جو رہ جائیں پابندیوں کی وجہ سے وہ اپنے اپنے گھروں میں ظہر کی نماز تنہا ادا کریں یا جماعت سے، دونوں شکلیں درست ہیں؛ تاہم جماعت کا قیام ممکن ہو تو جماعت سے پڑھ لینا بہتر ہے؛ تاکہ جماعت کا ثواب مل سکے۔ جہاں تک مسجد میں نماز جمعہ پڑھی جانے سے پہلے گھروں میں نماز ظہر کی جماعت قائم کرنے کی بات ہے، تو غور وفکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں نماز جمعہ کے قیام سے پہلے اور اس کے بعد دونوں ہی صورتوں میں نماز ظہر جماعت سے ادا کرنا درست ہے؛ اس لیے کہ فقہاء نے جو معذورین کے لیے نماز ظہر جماعت سے پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے، اس کی وجہ صورتِ معارضہ اور تقلیل جماعت ہے۔ (الدر المختار ورد المختار: 3 / 32-33)، یعنی اس کی وجہ سے جمعہ کی نماز میں لوگ کم شریک ہوں گے نیز نماز جمعہ کی جماعت سے ٹکراؤ ہوگا۔ یہاں زیر بحث مسئلہ میں تقلیل جماعت والی وجہ مفقود ہے؛ کیوں کہ کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں مساجد میں بڑی جماعتیں قائم کرنا ممنوع ہے، حکومت کی طرف سے امام کے ساتھ چار یا پانچ لوگوں کو پڑھنے کی اجازت ہوتی ہے، اس سے زائد کی نہیں، خواہ مسجد چھوٹی ہو یا بڑی، مسجدوں میں پڑھنے والوں کے علاوہ جو لوگ بچ رہے ہیں وہ اپنے اپنے گھروں میں نماز ظہر ادا کرنے پر مجبور ہیں؛ پس اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ گھروں میں نماز ظہر جمعہ سے پہلے پڑھیں یا جمعہ کے بعد، تنہا ادا کریں یا جماعت کے ساتھ؛ البتہ صورت معارضہ سے بچنے کے لیے قریبی مسجد میں جس وقت نماز جمعہ قائم ہو رہی ہو اس وقت ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنے سے بچا جائے گا۔

۱۰- لاک ڈاؤن اور وبا کے زمانہ میں گھروں میں نماز عیدین:

سوال (۴): کیا وبا کے زمانہ میں عیدین کی نماز گھروں میں پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

کورونا اور اس جیسے وبا کے زمانہ میں ہم مسلمان کی پہلی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ اپنے اپنے علاقوں میں حکومت انتظامیہ سے عید الفطر کی نماز عید

گاہوں اور مساجد میں پڑھنے کی اجازت حاصل کرنے کی کوشش کریں، اگر حاصل ہو جائے تو سماجی دوری، صفائی ستھرائی اور دیگر احتیاطی تدابیر کی رعایت کے ساتھ مساجد اور عیدگاہوں میں نماز عیدالفطر ادا کریں۔ اگر اجازت نہ مل سکے یا جن ممالک یا جن شہروں میں عیدالفطر کے دن لاک ڈاؤن نافذ ہو تو سوال پیدا ہوگا کہ جب ہم پچھلے سالوں کی طرح آزادی کے ساتھ مساجد اور عیدگاہوں میں نماز عیدالفطر ادا نہیں کر سکتے ہیں تو آیا ہم مختصر جماعت کے ساتھ گھروں میں نماز عیدالفطر ادا کر سکتے ہیں؟ اس سلسلہ میں مختلف علماء اور مفتیان کرام نے الگ الگ بیانات اور فتوی دیئے ہیں؛ تاہم معاصرین علماء اور حضرات مفتیان کرام کا ایک بڑا طبقہ بلکہ صحیح معنوں میں جمہور علماء گھروں میں نماز عیدالفطر کے قیام کی صحت وجواز کے قائل ہیں۔ دلائل کی روشنی میں یہی رائے درست اور قوی معلوم ہوتی ہے، یہاں چند دلائل پیش خدمت ہیں، ملاحظہ ہو:

۱- اپنے اصل کے اعتبار سے نماز عیدالفطر مسجد سے باہر مشروع ہے۔ (دیکھئے: بخاری از حضرت سعید خدریؓ، باب الخروج إلی المصلی: 1/ 13)، اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ سے مسجد سے باہر نماز عیدالفطر پڑھنا عملی تواتر سے ثابت ہے، اس بنیاد پر مسجد سے باہر جملہ شرائط کی ساتھ کہیں بھی نماز عیدالفطر قائم ہوسکتی ہے، خواہ عیدگاہ میں ہو، یا کسی میدان میں، یا شادی خانہ میں ہو، یا فنکشن ہال میں، یہاں تک گھروں میں بھی قائم ہوسکتی ہے۔ —— عید کی نماز ایک شرعی حکم ہے، شرعی حکم پر عمل میں ممکن حد تک عمل کا انسان مکلّف ہے۔ (دیکھئے: بقرہ: 286، تغابن: 416، اعراف: 42)۔ یہاں جن گھروں میں کم از کم امام کے علاوہ تین عاقل بالغ مرد ہوں، وہاں عید کی نماز کا قیام ممکن ہے؛ ایسے گھر والوں پر عید کی نماز پڑھنی واجب ہے، نہ پڑھنے پر گنہگار ہوں گے۔

۲- امام بخاریؒ نے: "بَابٌ: إِذَا فَاتَهُ العِيدُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ" کے تحت حضرت انسؓ کا اثر "وَأَمَرَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ مَوْلاَهُمُ ابْنَ أَبِي عُتْبَةَ بِالزَّاوِيَةِ فَجَمَعَ أَهْلَهُ وَبَنِيهِ، وَصَلَّى كَصَلاَةِ أَهْلِ المِصْرِ وَتَكْبِيرِهِمْ"تعليقًا" نقل کیا ہے، اس اثر سے استشہاد اس حد تک ہے کہ حضرت انسؓ نے اپنے گھر میں نماز عید جماعت کے ساتھ ادا فرمائی ہے۔

۳- چوں کہ نماز عیدالفطر کی بدل کوئی نماز نہیں ہے، کہ اس کے بدلہ وہ نماز پڑھی ج اس کے اور نماز عیدالفطر کا ثواب حاصل ہو، واضح رہے کہ نماز عیدالفطر واجب ہے سنت نہیں، یہی احناف کا راجح مذہب ہے "هذا هُوَ الصَّحِيحُ مِنَ الْمَذْهَبِ" (کبیری، ص: 524)۔ وجوب کی دلیل اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ" [بقرہ: 185] اور اللہ نے جو تم کو ہدایت عطا فرمائی ہے، اس کے مطابق اللہ کی بڑائی بیان کرو اور اس کا شکر ادا کرو"۔ اس آیت کریمہ میں عید الفطر کے وجوب کی طرف اشارہ ہے (کبیری، ص: 524)۔ نیز تواتر سے یہ بات ثابت ہے کہ جب سے عیدالفطر کی نماز مشروع ہوئی ہے اس کے بعد سے آپ ﷺ تادم حیات عیدالفطر کی نماز بغیر ترک کے پابندی سے پڑھتے رہے ہیں، اور یہ وجوب کی دلیل ہے۔ (کبیری، ص: 524)۔ لہٰذا نماز عیدالفطر کی بدل نماز اشراق یا نماز چاشت نہیں ہوسکتی ہے؛ کیوں کہ یہ دونوں نمازیں سنت ہیں، واجب نہیں۔

اگر کسی کی نماز عیدالفطر فوت ہو جائے یا موجودہ حالات میں عیدالفطر کی نماز کے انعقاد کے لیے مطلوبہ تعداد امام کے علاوہ تین بالغ مرد گھروں میں میسر نہ ہوں، جس کی وجہ سے اگر کوئی چاشت کی نماز پڑھتا ہے تو وہ نماز عیدالفطر کی بدل نہیں ہے، نہ ہی عین عید کی نماز ہے اور نہ ہی اس کی قضا ہے، (الدر المختار ورد المحتار: 3/ 59)؛ اس لیے پڑھنے والے کو عید کی نماز کا ثواب نہیں ملے گا بلکہ چاشت کی نماز کا ثواب ملے گا؛ کیوں کہ وہ چاشت کی نماز چاشت کی نماز کی نیت سے پڑھ رہا ہے نہ کہ عید کی نیت سے، اور عید کی نیت کر بھی نہیں سکتا؛ اس لیے کہ عید کی نماز دو رکعت ہے اور چاشت کی نماز چار رکعت ہے، دوسری بات یہ ہے کہ عید کی نماز واجب ہے اور چاشت کی نماز سنت ہے، اور نفل کی نیت سے واجب ادا نہیں ہوتا ہے۔

جہاں تک کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت ''جس کی نماز عید فوت ہو جائے اس کو چاہئیے کہ چار رکعت نماز ادا کر لے'' (مصنف ابن

شیبہ:3/4،حدیث:5800،المعجم الکبیر للطبرانی :9/306،حدیث:9532) کی بات ہےتو یقیناً ان سے یہ اثر صحیح سند سے ثابت ہے (فتح الباری لابن رجب:۹/۷۷، فتح الباری لابن حجر:2/475)لیکن یہ عید کی نماز کے بدل کے طور پر نہیں ہے؛ بلکہ جو عید کی نماز نہیں پڑھ سکا،اس کو جو عید کی نماز چھوٹنے کا ملال ہوا، وہ کم سے کم اپنی تسلی کے لیے یا عید کی نماز فوت ہونے میں اس کی طرف سے جو کوتاہی ہوئی اس کی تلافی کے لیے بطور کفارہ کے پڑھنے کے لیے فرمایا ہے۔

۱۱- دوران نماز ماسک کے استعمال کا حکم:

سوال(٦): ماسک لگا کر نماز پڑھنے اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا حکم کیا ہے؟

اس وقت ملک کی صورت حال سب پر عیاں ہے کہ کورونا وائرس کا خطرہ بہت بڑھ چکا ہے،اس میں کوئی شک نہیں ہے مریض صحتیاب بھی ہور ہے ہیں؛ تاہم پوری دنیا بلکہ صرف اپنے پیارے ملک انڈیا میں بھی مجموعی اعتبار سے آئے دن کورونا وائرس کے مریضوں میں اضافہ ہوتا ہوا نظر آرہا ہے یا ور روز افزوں اموات کی شرحیں بھی بڑھ رہی ہیں۔اور اب یہ بھی کسی پر مخفی نہیں رہا کہ اس کا اثر فوری طور پر ظاہر نہیں ہوتا ہے بلکہ تقریبًا چودہ پندرہ دنوں کے بعد پتہ چلتا ہے کہ فلاں شخص اس سے متاثر ہے جب کہ وہ اس درمیان کتنوں کو متاثر کر چکا ہوتا ہے۔ بہر حال کورونا وبا کے زمانہ میں ماسک لگا کر نمازیں پڑھنے کا حکم کیا ہوگا ؟

جو لوگ مسجد جا کر ہی نماز پڑھنے کو پسند کریں تو موجودہ مجبوری وعذر کی حالت میں کم تر درجہ یہ ہے کہ مسجدوں میں اٹھنے بیٹھنے اور نماز ادا کرنے کے دوران جہاں صفوں کے بیچ میں کم سے کم ایک سے ڈیڑھ میٹر دوری اور آگے پیچھے دو صفوں کے درمیان مزید ایک صف کے فاصلہ کو یقینی بنائیں، وہیں حفاظتی تدبیر کے طور پر ماسک لگائیں۔اب رہا سوال کہ ماسک سے منہ اور ناک دونوں چھپ جاتے ہیں،اور کورونا وبائی مرض سے حفاظت کے لیے دونوں کا ڈھکنا مطلوب وضروری بھی ہے،ایسی صورت حال میں آیا نماز درست ہوگی یا نہیں،اگر درست ہوئی تو آیا کراہت کے ساتھ یا بلا کراہت؟

اس سلسلہ میں تمام فقہاء بشمول احناف، مالکیہ، شافعیہ اور راجح وصحیح مذہب کے مطابق حنابلہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بغیر کسی عذر کے نماز کی حالت میں منہ اور ناک کا ڈھکنا مکروہ ہے؛اس لیے نماز کراہت کے ساتھ درست ہوگی۔(بدائع الصنائع: 1/ 216، تبیین الحقائق للزیلعی: 1: 164، رد المحتار: 2/ 423، الفواکه الدوانی علی رسالة ابن أبی زید القیروانی: 1/ 216، الذخیرة للقرافی: 13/ 264، روضة الطالبین للنووی: 1/ 289،،الفروع وتصحیح الفروع لابن مفلح الحنبلی: 2/ 58، الإنصاف فی معرفة الراجح من الخلاف:1/ 470، الموسوعة الفقهیة الکویتیة:25/ 202)۔

معلوم ہونا چاہیے کہ نماز کی حالت میں منہ اور ناک ڈھکنے کا عمل مکروہ تحریمی ہے۔(ردالمحتار:2/432)،اور یہ کراہت عام حالت سے متعلق ہے،اس سے ضرورت حاجت اور عذر ومجبوری کا حالت مستثنیٰ ہے؛ کیوں کہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے روکے؛اس لیے کہ شیطان اندر داخل ہوجائے گا۔(مسلم، الزُّهْدِ وَالرَّقَائِقِ، بَابُ تَشْمِيتِ الْعَاطِسِ وَكَرَاهَةِ التَّثَاؤُبِ، حدیث: 57 – 2995، وأبوداود، حدیث: 5026، صحیح ابن حبان، حدیث: 2360)۔ معلوم ہوا کہ حدیث میں وارد منہ ڈھکنے کی ممانعت عام نہیں ہے بلکہ جمائی کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے،جس سے معلوم ہوا کہ عذر کی حالت کراہت کے حکم سے مستثنیٰ ہے یعنی عذر وحاجت کے علاوہ صورتوں کے ساتھ کراہت خاص ومقید ہے؛ لہٰذا اگر نمازی کو کسی عذر کی وجہ سے دوران نماز منہ یا ناک یا دونوں چھپانے کی ضرورت پڑ جائے تو نماز مکروہ نہیں ہوگی۔

مذکورہ بالا حدیث واثر کی وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز کی حالت میں منہ کا چھپانا مکروہ ہے، ہاں جب کہ جمائی کو روکنے کے لیے ہو تو اس

میں کوئی حرج نہیں ہے،"وَیکرہُ أَن یُغطی فَاہ فِی الصَّلَاۃ إِلَّا إِذا کَانَت التغطیۃ لدفع التثاؤب فَلَا بَأْس بِہِ " (تحفۃ الفقھاء: 1/ 143، بدائع الصنائع: 1/ 216)؛ اس لیے کہ بلاضرورت ڈھکنا مکروہ ہے "لِأَنَّ التَّغْطِیَۃَ بِلَا ضَرُورَۃٍ مَکْرُوہَۃٌ" (الدر المختار مع الرد: 1/ 478)۔پس موجودہ حالات میں جب کہ کورونائی وباء عام ہے،کورونا سے متاثرین میں روزافزوں اضافہ ہورہا ہے،اس لیے کورونا سے بچنے کے لیے اوراس کو پھیلنے سے روکنے کے لیے نماز کی حالت میں ماسک کا استعمال بلاکراہت درست ہوگا؛ کیوں کہ کورونا بیماری کا اندیشہ اوراس کا خوف ایک معتبر عذر ہے۔

۱۲۔ مسجدوں میں سماجی دوری:

اسلام کے احکام دوطرح کے ہیں: ایک اختیاری حالت اور معمول کے ہیں، دوسرے عذر ومجبوری، اکراہ واضطرار اور اجباری حالات کے ہیں، اور دونوں کے احکام کے درمیان واضح فرق ہوتا ہے، اور یہ مذہب اسلام کے ایک زندہ دین ہونے کی علامت ہے، اس میں بڑی معقولیت اور عقل انسانی سے بڑی قربت ہے، ورنہ لوگوں کا اسلام پر عمل کرنا دشوار ہوجاتا اور شریعت باعث رحمت ہونے کے بجائے زحمت، ناقابل عمل اور ناقابل برداشت بوجھ بن جاتی۔اسی طرح قرآن وحدیث کی تصریحات سے واضح ہے کہ شریعت اسلامیہ کی ایک خاص اور نمایاں خوبی رفع حرج، دفع مشقت اور دین پر عمل کرنے میں یسر وسہولت کا بھرپور خیال رکھا جانا ہے۔(دیکھئے: بقرہ:۱۸۵، مائدہ:۶، حج:۷۸، بخاری، ایمان، باب الدین یسر، حدیث:۹۳، وضو، با صبّ الماء علی البول فی المسجد، حدیث:۲۲۰)۔اور ظاہر ہے کہ کروناوائرس کے ماحول میں جمعہ اور دوسری نمازوں کی ادائیگی کے لیے ہر حال میں مسجد جانے کا مکلّف بنانا دین کے عام مزاج کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو خواہ مخواہ حرج ومشقت میں ڈالنا اور لوگوں کی جانوں کو ہلاکت میں ڈالنا ہوگا، جو ایک غیر معقول بات ہے۔

اگر جو لوگ مسجد جانے سے باز نہ آئیں تو موجودہ مجبوری وعذر کی حالت میں کم تر درجہ یہ ہے کہ مسجدوں میں اٹھنے بیٹھنے اور نماز ادا کرنے کے دوران صفوں کے بیچ میں کم سے کم ایک سے ڈیڑھ میٹر دوری اور آگے پیچھے دوصفوں کے درمیان مزید ایک صف کے فاصلہ کو یقینی بنائیں، اور نماز مختصر پڑھیں اور ہوسکے تو گھروں ہی سے وضو کر کے جائیں اور نماز پڑھنے کے بعد فوری گھروں کو واپس ہوجائیں اور سنتیں گھروں میں ادا کریں، کیوں کہ کوروناوائرس بھیڑ کی وجہ سے زیادہ پھیلتا اوراس کا انفیکشن ہوتا ہے بلکہ سچ میں اژدحام اور بھیڑ اس کی غذا ہے۔پوری مسجد ایک مکان کے حکم میں ہے؛ پس گو امام محراب میں کھڑا ہے، اس امام کے پیچھے پوری مسجد میں سے کسی بھی گوشہ اور کنارہ سے اقتدا کی جائے، تو نماز درست ہوگی (بدائع الصنائع:۱/ ۵۴۱)، یہاں کورونا وباء سے بچنے کے لیے سماجی دوری اختیار کیا جارہا ہے؛ لہٰذا اگر نماز کی صفوں کے بیچ اور آگے پیچھے یعنی برصغیر میں مشرق ومغرب صفوں کے درمیان مزید ایک اور صف تقریباً چار میٹر دوری کے ساتھ نماز ادا کی جائے تو نماز بلا کراہت درست ہوگی۔

۱۳۔ کرونا سے متاثر افراد کا جماعت میں شرکت کے لیے مسجد آنا:

سوال (۷): کورونا سے متاثر افراد کا مسجد آنا اور جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے؟

جو لوگ کوروناوائرس میں مبتلا ہیں، یا اس میں مبتلا ہونے کا شبہ ہے یا اس کے کچھ علامات اس میں پائے جارہے ہیں تو ان کے لیے نماز جمعہ اور دوسری نمازیں پڑھنے کے لیے مسجد آنا شرعاً مکروہ تحریمی، ناجائز اور باعث گناہ ہوگا، ایسے شخص کے لیے عالمی ادارۂ صحت کی طرف سے بتائے ہوئے اصول اور احتیاطی تدابیر پر عمل پیرا ہونا واجب ہوگا۔

اسی طرح 65/ سال سے زیادہ عمر والے اور 10/ سال سے کم عمر والے بچے مسجد نہ جائیں، جیسا کہ عالمی ادارۂ صحت کا بیان، طبی ماہرین کی وضاحت اور حکومت کی ہدایت ہے؛ کیوں کہ ان میں قوت مدافعت کمزور ہوتی ہے، بہت جلد کوروناوائرس سے متاثرہ ہوجانے کا قوی امکان ہے؛ اس لیے یہ لوگ جمعہ اور دوسری نمازوں کے لیے مسجد آنے کے بجائے گھروں میں ہی نماز ادا کریں، اور جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بدلہ ظہر کی نماز ادا کریں۔

۱۴- کورونا سے متاثر شخص کے لیے روزہ کا حکم:

سوال (۸): کورونا سے متاثر افراد کے لیے روزہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: جہاں مریض کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت خود قرآن مجید سے ثابت ہے: "وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ" [بقرہ: ۱۸۵] اور جو کوئی بیمار یا مسافر ہو، تو وہ دوسرے دنوں میں روزہ رہے، اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے، دشواری نہیں"۔

اس اجازت کا مقصد مریض سے حرج ومشقت کو دور کرنا ہے، اور زیادہ مشقت وحرج ہی شرعی احکام میں تخفیف کا باعث بنتا ہے؛ لہٰذا اس باب میں مشقت کا معیار یہ ہے کہ شدت مرض کی وجہ سے موت کا اندیشہ ہو، یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خوف ہو، یا زیادتی مرض یا دیر سے شفایابی کا خطرہ ہو، مثلا: روزہ رکھے گا تو بخار بڑھ جائیگا، یا سر میں یا جسم کے کسی حصہ میں درد ہے، روزہ رکھنے سے کم ہونے کے بجائے بڑھنے کا اندیشہ ہو، یا جسم میں کہیں زخم ہے، روزہ رکھنے سے مندمل نہیں ہو رہا ہے، وغیرہ۔ (بدائع الصنائع: ۲/ ۴۹، فتاوی خانیہ: ۱/۲۰۲، البحر الرائق: ۲/۱۸۲، فتاوی تاتارخانیہ: ۲/۳۸۳، ردالمحتار: ۲/۴۱۲)۔

اسی طرح اگر کسی کو مرض وجہ سے اتنی کمزوری ہو کہ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا، تو اس کے لیے جائز ہے روزہ نہ رکھے، ایسا ہی امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے: (دیکھئے: بدائع: ۲/ ۴۹، "وَدَخَلَ تَحْتَ الْعَجْزِ الْحُكْمِيِّ مَا لَوْ صَامَ رَمَضَانَ صَلَّى قَاعِدًا وَإِنْ أَفْطَرَ صَلَّى قَائِمًا يَصُومُ وَيُصَلِّي قَاعِدًا." (البحر الرائق: ۲/۱۲۲، ردالمحتار: ۲/ ۵۶۵، باب صلاۃ المریض)۔

اسی طرح اگر ابھی صحت یاب ہوا ہے، روزہ رکھنے سے دوبارہ بیمار پڑنے کا غالب گمان ہے، تو صحیح قول کے مطابق اس کا روزہ نہ رکھنا درست ہے، علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

"اگر کوئی مرض سے صحتمند ہوگیا؛ لیکن کمزوری باقی ہے، روزہ رکھنے میں دوبارہ بیمار پڑنے کا اندیشہ ہے، اس کے بارے میں قاضی امامؒ سے سوال کیا گیا، تو انہوں نے جواب دیا: اندیشہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے، ایسا ہی فتح القدیر میں لکھا ہے، تبیین میں ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ جس کے بارے میں روزہ رکھنے سے بیمار پڑنے کا اندیشہ ہو وہ مریض ہی کے حکم میں ہے، اور "اندیشہ" سے مراد "غلبۂ ظن" ہے"۔ (البحر الرائق: ۲/۱۲۲)۔

زیادتی مرض وغیرہ کے خطرہ کا علم کسی علامت، تجربہ، یا کسی دیندار مسلمان ڈاکٹر کے بتانے، یا خود مریض بشرطیکہ سلیم المزاج ہو، وہمی نہ ہو، تو اس کے خود غلبۂ ظن سے ہوگا، محض وہم وشبہ کا اعتبار نہیں ہوگا، جیسا کہ البحر الرائق، فتاوی سراجیہ اور غیاثیہ میں تصریح ہے۔ (حوالہ سابق، فتاوی سراجیہ، ص: ۹۲، غیاثیہ، ص: ۴۵)۔

مذکورہ تمام صورتوں میں رمضان کے بعد صرف روزہ کی قضا کریگا۔ (فتاوی تاتارخانیہ: ۲/۳۸۳)۔

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں کورونا سے متاثر افراد کے لیے روزہ کے لیے حکم معلوم کیا جاسکتا ہے؛ چنانچہ اگر کورونا سے متاثر شخص روزہ رکھے گا تو اس کا مرض مزید بڑھ جائے گا، یا اس کو دیر سے شفا ملے گی، یا مرض کی شدت کی وجہ سے موت کا خوف پیدا ہوگیا، یا مرنے کا خوف تو نہ ہو لیکن اتنی کمزوری آگئی کہ وہ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا، تو اس کے لیے جائز ہے کہ روزہ نہ رکھے اور رمضان کے بعد جب روزہ رکھنے پر قادر ہوگا تو قضا کرلے گا۔

اسی طرح اگر کورونا بیماری سے صحت یاب ہوگیا؛ لیکن روزہ رکھنے کی وجہ سے دوبارہ بیمار پڑنے کا غالب گمان ہے تو صحیح قول کے مطابق اس کے لیے روزہ نہ رکھنے کی رخصت حاصل ہوگی۔

مذکورہ بالا تمام صورتوں میں کورونا سے متاثر افراد کے جتنے روزے فوت ہونگے وہ رمضان المبارک کے بعد اتنے کی قضا اپنی سہولت سے کریں گے؛ البتہ صحتیابی اور حصول قوت کے بعد جتنی جلدی قضا کرلیں گے، ان کے کے حق میں بہتر و مستحسن اور شرعاً مستحب ہوگا۔

۱۵- کورونا وبا کی وجہ سے مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روکے جانے کا حکم:

سوال (۹): کیا کورونا کی وجہ سے عام مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روکا جاسکتا ہے؟

جواب: حج فرض ہونے کے لیے جہاں راستہ کا محفوظ و مامون ہونا ضروری ہے وہیں صحت وتندرستی بھی ضروری ہے، اس لیے کہ حج کرنے پر قدرت واستطاعت اس کے بغیر ممکن نہیں، اور استطاعت وقدرت کے بغیر حج فرض نہیں ہوتا ہے، اللہ تعالی کا ارشادہ ہے: "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ" [آل عمران: ۹۷]، جو اس گھر تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں، اُن پر اس کا حج فرض ہے، "وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ" [حج: ۷۸]، اور تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے، "يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ" [بقرہ: ۱۸۵]، اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں نہ کہ دشواری"۔ اور نیز فقہ اسلامی کا مشہور قاعدہ ہے: "اَلْمَشَقَّةُ تَجْلِبُ التَّيْسِيرَ" (الأشباه والنظائر للسبكي: 1 / 49، وللسيوطي، ص: 7، لابن نجيم المصري: / 77، المنثور في القواعد الفقهية للزركشي: 1 / 123) یعنی مشقت شرعی احکام پر عمل میں آسانی پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح ایک فقہی ضابطہ ہے: اَلْحَرَجُ مَدْفُوعٌ شرعًا (بدائع الصنائع: 1 / 246، البناية شرح الهداية: 12 / 320، ط: العلمية، شرح التلويح على التوضيح: 2 / 13) اَلْحَرَجُ مَدْفُوعٌ شرعًا قليله وكثيره (التنبيه على مشكلات الهداية: 3 / 1162، ط: السعودية.

پس مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں کورونا وبا اور اس جیسے وبائی امراض کی وجہ سے حج وعمرہ کا ترک جائز ہوگا، اور سرکاری اور رضا کارانہ طور پر عام مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روکا جاسکتا ہے۔

لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ عالمی وبا کے زمانہ میں سعودی حکومت عازمین حج وعمرہ پر پابندی لگائے تو یہ جائز ہے، اور اگر سعودی حکومت پابندی نہ لگائے تو جس ملک اور جس شہر میں کورونا وبا پھیلا ہوا ہو تو وہاں کی حکومت وحاکم پر لازم ہے کہ حج وعمرہ کی ادائیگی سے لوگوں کو روک دے؛ تاکہ کورونا کو پھیلنے سے روکا جاسکے اور لوگوں کو کورونا کی بیماری سے بچایا جاسکے۔

محور سوم: کورونا کے زمانہ میں مساجد سے متعلق مسائل

۱۶- کورونا کے زمانہ میں مساجد کو بند کرنا کیسا ہے؟

سوال (۱): کورونا کے زمانہ میں مساجد کو بند کرنا کیسا ہے؟

واضح رہے کہ جس طرح مساجد اور اذان شعائر اسلام میں سے ہیں اسی طرح جامع مسجدوں میں جمعہ کی نماز کا قیام اور مسجدوں میں نماز باجماعت کا ہونا بھی شعائر اسلام میں سے ہیں؛ اس لیے مطلق ترک جمعہ اور جماعت وہ بھی شہر کی تمام مساجد میں درست نہیں ہوگا، ہاں! بڑی جماعت نہ ہو کم ازکم اقل جماعت تین چار افراد پر مشتمل ہو اور اذان دینے کا اہتمام ضرور ہو، وہ بھی ہندوستان کے حالات کے پس منظر میں اور بھی ضروری ہوتا ہے کہ مسجدوں میں نماز جمعہ اور نماز باجماعت کا اہتمام فی الجملہ باقی رہے؛ تاکہ حکومت کو کل کی تاریخوں میں کوئی نظیر نہ مل سکے، جس کو بہانہ بنا کر ہماری مسجدوں کو آہستہ آہستہ مقفل کردے، اور ہم ان کے اس کام میں معاون ثابت ہوں، دیکھئے! اسلامی تاریخوں میں کرونا وائرس سے زیادہ سنگین اور بہت زیادہ خطرناک اور جان لیوا طاعون (پلیگ) آچکا ہے؛ لیکن ترک جمعہ اور جماعت کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ ہمارے فقہاء جو بال کی کھال نکالنے

میں مشہور ہیں، وہ بھی تخفیفات اور رخصتوں کی فہرست میں اجتماعی طور پر ترک جمعہ اور مسجدوں میں فرض نماز باجماعت کے ترک کو ان میں شمار نہیں کیا ہے، انفرادی طور پر مختلف قسم کے معذورین کے لیے ترک جمعہ اور جماعت کا ذکر ملتا ہے۔ قرآن نے کتنے سخت الفاظ میں کہا: ''اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے روکے اور اس کو ویران کرنے کے درپے ہو۔'' [بقرہ:۱۱۴]

نیز معلوم ہونا چاہیے کہ حکم شرع کی بنیاد وہم واندیشہ پر نہیں ہوتا ہے بلکہ یقین یا کم از کم غالب ظن ہو تو اس پر حکم شرع کی بنیاد ہوتی ہے اور شرعی رخصت حاصل ہوتی ہے، اور زیر بحث مسئلہ میں کورونا بیماری کا ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہونے کو ضروری اور یقینی نہیں کہا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ اگر ہوتا ہے تو جس گھر میں ایک شخص کورونا متاثر پایا گیا تو آہستہ آہستہ پورے گھر والے متاثر ہو جاتے اور سب لقمۂ اجل بن جاتے؛ لیکن مشاہدہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا؛ البتہ اسباب کے درجہ میں زیادہ سے زیادہ غالب ظن کہا جاسکتا ہے، تو اسی طرح اسباب کے درجہ میں احتیاط اپنانے سے کورونا سے بچا جانا بھی یقینی طور پر نہیں تو غالب ظن ضرور ہے؛ لہٰذا مسجدوں میں جمعہ اور پنج وقتہ نمازوں کی جماعت ترک کرنے کے بجائے نمازیوں کو ماسک پہننے کا پابند بنایا جائے اور ماہرین ڈاکٹروں اور ادارۂ صحت کی ہدایت مطابق مسجدوں جماعت کے انتظار میں بیٹھنے اور قیام جماعت کے وقت صفوں کے درمیان دائیں بائیں، آگے اور پیچھے ایک ڈیڑھ میٹر کا فاصلہ قائم رکھا جائے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جمعہ اور پنج وقتہ نمازوں کی جماعت کو یکسر موقوف کردینا کرونا وائرس کا علاج نہیں بلکہ یہ کمزور ایمان کی بیماری ہے۔ ہاں! اتنا ضرور کیا جائے کہ ابھی اوپر ذکر کردہ احتیاط کے ساتھ اذان اور جماعت کے درمیان وقفہ مختصر رکھا جائے اور جماعت مختصر ہو، گھروں ہی سے وضو کر کے آیا جائے تاکہ مسجدوں میں زیادہ دیر تک بھیڑ جمع نہ ہو سکے۔ اگر جمعہ کی نماز میں بھیڑ زیادہ ہو تو ایک سے زائد جماعت کرلی جائے، اور دو جماعتوں میں اتنا فاصلہ ہو کہ پہلی جماعت کے سب لوگ نماز پڑھ کر مسجد خالی کردیں تب دوسری جماعت کے لوگ مسجد آئیں اور دوسری جماعت قائم ہو، دوسری جماعت کے امام پہلے امام کی جگہ چھوڑ کر پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھائیں، بہتر ہوگا کہ جمعہ کے امام راتب آخری جماعت کی امامت کریں؛ تاکہ ان سے پہلے اماموں کے لیے محراب کے اندر رہتے ہوئے امامت کرنے کی گنجائش پیدا ہو اور درست ہو سکے۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ کورونا کے زمانہ میں مطلق مسجدوں کو بند کرنا درست نہیں ہوگا؛ البتہ نمازوں کے اوقات کے علاوہ وقتوں میں بند کیا جاسکتا ہے اور جمعہ اور پنج وقتہ نمازوں کی جماعت کے لیے کھلی رہے گی اور اوپر ذکر کردہ احتیاطی تدابیر کے ساتھ نماز جمعہ اور پنج وقتہ نمازیں باجماعت ادا کی جاتی رہے گی۔

۱۷- جماعت موقوف ہونے کی صورت میں صرف اذان دینے کا حکم:

سوال (۲): کیا جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان دی جائیگی؟

جواب: اگر حکومت کے دباؤ اور اس کے حکم کی تابعداری میں مسجد بند کرنی پڑے اور اس میں جماعت موقوف ہو جائے تو ایسی صورت میں اذان بند نہیں ہوگی بلکہ اپنے وقت پر ہر نماز کے لیے دی جائیگی جیسا کہ پہلے دی جاتی رہی ہے؛ کیوں کہ اذان صرف نماز کی جماعت کے لیے مسجد کی طرف آنے کی دعوت کے لیے نہیں دی جاتی ہے بلکہ اس کے ساتھ ایک شعار اسلام کا اظہار بھی ہے، نغمۂ توحید ورسالت کا اعلان بھی ہے، اور شعار اسلام ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر حال میں اس کو قائم رکھنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے؛ کیوں کہ وہ اسلام کی شان وپہچان ہے، اس کی شان وشوکت کا مظہر ہے، دعوت دین اور اسلامی عقائد کا مختصر تعارف ہے اور اپنی جامعیت کے ساتھ مسلمانوں کے وجود کی علامت ہے؛ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی مسلم شہر کے باشندے بغیر کسی عذر شرعی کے جان بوجھ کر اذان دینا ترک کردیں تو ان سے قتال کیا جائے گا۔

۱۸۔وبا کے زمانہ میں جماعت میں تعداد افراد اور گورنمنٹ کی ہدایات کی شرعی حیثیت:

سوال (۳): جماعت میں کتنے افراد شریک ہوں، اس بارے میں گورنمنٹ کی ہدایات کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

جواب: ہم اس ملک کے باشی ہونے کی حیثیت سے یہاں کے شہری ہیں، اور شہری ہونے کی حیثیت سے ہم نے یہاں کے قانون پر عمل آوری کا عہد کیا ہے، اور اس رو سے ہم یہاں کے قانون کی پاسداری اور اس پر عمل کے پابند ہیں، اور شرعی نقطۂ نظر سے بھی ہم پر یہاں کے قانون پر عمل کرنا واجب ہے؛ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ" [المائدة:١] اور اے لوگو جو ایمان لا چکے ہو! عہد پورے کیا کرو"۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "الْمُسْلِمُونَ عِنْدَ شُرُوطِهِمْ." [بخاری، اجارہ، بَابُ أَجْرِ السَّمْسَرَةِ] مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں"۔ اس کے بعد اگر ہم قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں یا اس کے علاوہ کوئی متبادل صورت پر عمل کرتے ہیں تو ایفاء عہد کے خلاف عمل ہوگا اور عہد کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا۔ اس رو سے گورنمنٹ کی ہدایات پر عمل کرنا واجب ہوگا؛ لہٰذا گورنمنٹ کی ہدایات کے مطابق جماعت میں افراد شریک ہوں گے؛ پس پنج وقتہ نمازوں کی جماعت میں کم سے کم دو اور جمعہ کی نماز میں امام کے علاوہ تین افراد سے زائد حکومت کی گائڈ لائن اور اس کی ہدایات کے مطابق ہونگے۔ اس میں وبا سے حفاظت اور حکومت کے قانون کی پاسداری اور اس کے قانون و ہدایت پر عمل بھی ہو جائے گا۔

۱۹۔مساجد کے کسی حصہ یا اس کے ملحق جگہ کو کووڈ سینٹر بنانا:

سوال (۴): مساجد کے کسی حصہ یا اس کے ملحق جگہ کو کووڈ سینٹر بنانا کیسا ہے؟

جواب: مساجد کی تعمیر اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید، اس کی کبریائی، اذکار و اوراد، فرض ونوافل نمازیں، علم دین کے درس وتدریس اور دینی بیانات کے لیے ہوئی ہے، نہ کہ کسی اور دوسرے مقاصد کے لیے۔ (فتح القدير: ٢ / ٨٢١، فصل في الصلاة على الميت، مرقاة المفاتيح: ٧ / ٦٢، كتاب القصاص، القصل الثاني)؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ" [النور:۳۶] ان گھروں میں جن کا ادب کرنے کا اور جن میں اپنا نام لینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، وہ لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں"۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ مسجد تو اللہ کے ذکر و یاد اور نماز کے لیے بنائی گئی ہے۔" (صحیح ابن حبان، ذِكْرُ الزَّجْرِ عَنْ أَنْ يَدْعُوَ الْمَرْءُ لِنَفْسِهِ الخ، حدیث: ۵۸۹)؛ لہٰذا مساجد کے کسی حصہ کو کووڈ سینٹر بنانا شرعاً درست نہیں ہوگا بلکہ ایسا کرنا اس کے احترام وتقدس کے خلاف ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے احترام وعظمت اور اس کے تقدس کی حفاظت اور اس کو اہانت سے بچانے کی خاطر فرمایا: "مساجد میں حدود قائم نہیں کی جائے گی۔" (ترمذی، باب ما جاء في الرجل يقتل ابنه يقاد منه أم لا، حدیث: ۱۰۴۱)۔

جہاں تک مسجد کے کسی ملحق جگہ کو کووڈ سینٹر بنانے کی بات ہے تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے بشرطیکہ وہ مسجد کے حکم میں نہ ہو اور کچھ نہ کچھ مسجد کو اس کا کرایہ دینا ضروری ہوگا؛ کیوں کہ وہ مسجد کی ملکیت ہے۔

محور چہارم: کورونا سے متاثر مریض کی تیمارداری

رسول اللہ ﷺ نے مریض کی عیادت کرنے کے لیے حکم فرمایا، (بخاری، باب افشاء السلام، حدیث: ۹۳۲۱)۔ ایک روایت میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حقوق میں سے ایک "جب وہ بیمار پڑے تو اس کی عیادت وتیمارداری کرنا بھی شمار کیا ہے" (مسلم، باب من حق المسلم علی المسلم رد السلام، حدیث: ۲۱۶۲)، حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز کہیں گے: اے ابن آدم! میں بیمار تھا تم نے میری عیادت نہیں کی، (مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل عیادة المریض، حدیث: ۹۶۵۲)۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی مسلمان کسی

مسلمان کی عیادت صبح کے وقت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت ورحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں، اور اگر شام کے وقت عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لیے رات بھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت ورحمت کی دعا مانگتے رہتے ہیں یہاں تک کی صبح ہوجاتی ہے (ترمذی، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی عیادۃ المریض، حدیث: ۹۶۹)۔

۲۰۔ کورونا مریض کو الگ تھلک کردینے کا حکم:

سوال (۱): کورونا سے متاثر مریض کو الگ تھلک کردینا اور اس کی تیمارداری نہ کرنا کیسا ہے؟

بنیادی طور پر کورونا وائرس سے بچنے کے لیے احتیاطی تدابیر کے طور پر سماجی فاصلہ رکھنا شرعًا جائز ہے؛ بلکہ بسا اوقات ضروری ہوجاتا ہے، جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے؛ البتہ کسی انسان کے ساتھ اچھوت جیسا سلوک کرنا درست نہیں، اچھوت رویہ اختیار کرنا جہاں اسلامی تعلیمات کے مغایر ہے، وہیں عام انسانی اور اخلاقی تقاضوں کے خلاف بھی ہے؛ اس لیے کورونا سے متاثر مریض کو الگ تھلک کردینا بالکل اس کو تنہا چھوڑ دینا اور اس کی تیمارداری تک نہ کرنا شرعی نقطۂ نظر سے درست نہیں ہوگا؛ کیوں کہ جیسا کہ اوپر حدیثیں گذر چکی ہیں کہ کسی مریض کی عیادت کرنا جہاں بڑی فضیلت اور اجر وثواب کی بات ہے وہیں ایک مسلمان بھائی کا دوسرے مسلمان بھائی پر ایک حق ہے، اور اگر کورونا مریض قریبی رشتہ دار ہو تو اس کی تیمارداری کرنا اور ضروری ہوجائے گا؛ کیوں کہ اس میں صلہ رحمی، قرابتداری کا حق اور عام مسلمان کے حق کی رو سے انسانی، اخلاقی اور شرعی طور پر ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے۔

واضح رہے کہ کورونا سے بچنے کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا تیمارداری کے منافی ومغایر نہیں ہے؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ احتیاطی تدابیر کے اختیار کرنے کے ساتھ مریض کی نگہداشت اور اس کی تیمارداری ممکن ہے، جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

۲۱۔ کورونا مریض کے علاج کا خرچ کن پر ہوگا؟

سوال (۲): کورونا مریض کے علاج کا خرچ اگر افراد خاندان برداشت نہ کرسکیں تو حکومت یا سماج کی کیا ذمہ داری ہوگی؟

اصولی طور پر کسی انسان کا نفقہ اور اس کے جملہ اخراجات خود اس کی ذات پر ہوتے ہیں، اگر وہ فقیر محتاج ہے تو اس کا نفقہ بتدریج اس کے باپ اس کی اوّل اولاد اور دیگر افراد خاندان پر لازم ہوتا ہے، اور معلوم ہے کہ علاج کا خرچ بھی جملہ بنیادی اخراجات میں سے ہے؛ لہٰذا اگر کورونا مریض خود مالدار ہے تو اس کے علاج کے سارے اخراجات خود اس کے ذمہ ہوں گے، یا اگر اس کے پاس اتنا مال ہے کہ اس سے اس کے علاج کے سارے اخراجات پورے نہیں ہوسکتے ہیں تو باقی ماندہ اور اگر تنگدست ہے تو پورے اخراجات اس کے موجود مالدار اولاد بیٹے اور بیٹیوں پر، اور اگر ان میں سے ایک موجود مالدار ہے تو صرف اس پر واجب ہوں گے؛ کیوں کہ ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنا زیادہ تاکیدی حکم ہے، جیسا کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے (دیکھئے: شرح السنۃ للبغوی: ۹/۳۳۰)۔ اور اگر کوئی اولاد نہ ہو، یا ہو لیکن تنگدست ہو، تو اس کے باپ اس کے بعد اس کے دوسرے اولیاء پر اس کے علاج کے اخراجات کی ذمہ داری ہوگی۔ اگر اولیاء استطاعت کے باوجود اس کے علاج کے اخراجات برداشت نہیں کرتے ہیں تو وہ گنہگار ہوں گے، اور اگر اولیاء استطاعت نہ رکھتے ہوں تو علاج کی ذمہ داری خاندان کے دوسرے افراد پر اور سماج پر ہوگی، اور جب ایسا کوئی نظم نہ ہو تو علاقائی وقف بورڈ اور حکومت پر اس کی ذمہ داری عائد ہوگی۔

دنیا میں بسنے والی تمام قوموں میں سب سے زیادہ ہمدرد قوم مسلمان ہیں، اور ایسا کیوں نہ ہو، خود ان کی سب سے زیادہ مقدس کتاب قرآن مجید نے گواہی دی ہے کہ مسلمان کو اس دھرتی پر پیدا ہی اس مقصد کے لیے کیا گیا ہے کہ وہ دوسروں کے حق میں خیر خواہ ہوں، ہر اعتبار سے بہ خواہ

ہوں، دنیا سے لے کر آخرت تک دوسروں کے لیے غمخوار، غمگسار اور ہمدرد ہوں، انہوں نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ سے وراثت میں اس کو پایا ہے، بس یہ بڑا ہی سنہرہ موقع ہوگا کہ مسلم سماج اس سوغات کو لے کر آگے آئیں اور اپنا فریضہ انجام دیں اور حقیقی مسلمان ہونے کا ثبوت دیں، پریشان حالوں کے دکھ درد میں برابر کے شریک ہوں۔

مذکورہ بالا اور اس جیسی نصوص سے واضح ہوتا ہے کہ سماج میں مجبور و پریشان حال اور خاص طور پر مریض جس کے پاس علاج کا خرچ نہ ہو اس کے علاج کا خرچ اجتماعی طور پر سماج پر واجب عینی ہوگا کہ وہ اس کو برداشت کرے۔ اس سلسلہ میں جہاں اوپر ذکر کردہ نصوص سے استدلال کیا جاسکتا ہے وہیں قتل خطأ میں قاتل کے عاقلہ پر دیت کے لزوم سے بھی استدلال کرنا درست ہوگا؛ کیوں کہ عاقلہ پر دیت لازم ہونے کی وجہ تنہا قاتل کے لیے دیت کا بوجھ ناقابل برداشت ہونا ہے، اس لیے اگر وہ اکیلے برداشت کریگا تو بسا اوقات وہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں بچے گا، وہ دیوالیہ ہوجائے گا۔ (فتح الباری لابن حجر، (قَوْلُهُ بَابُ الْعَاقِلَةِ):۲۱/۶۴۲)

زیر بحث مسئلہ میں مریض کے علاج کا خرچ انفرادی طور پر سماج کے مالدار افراد پر ہوگا۔ انفرادی طور پر فرض کفایہ ہونے کی دلیل وہ حدیث قدسی ہے جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ابن آدم سے کہیں گے: اے ابن آدم! میں بھوکا تھا، تم نے مجھے نہیں کھلایا، میں بیمار تھا، تم نے میری عیادت نہیں کی، بندہ کہے گا: اے میرے رب تو دونوں جہاں کا مالک ہے، میں آپ کی عیادت کیسے کرتا، میں آپ کو کیسے کھلاتا؟ اللہ کہے گا: میرا فلاں بندہ بھوکا تھا اگر تم اس کو کھلاتے تو تم مجھے وہاں پاتے، اگر تم فلاں بندہ کی عیادت کرتے تو تم مجھے وہاں پاتے۔ (مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب فضل عیادۃ المریض، حدیث:۳۴-۶۶۵۲)۔

اگر کسی وجہ سے سماج اپنی ذمہ داری نہ ادا کرسکے تو حکومت پر اس کی ذمہ داری عائد ہوگی کہ وہ ایسے کورونا سے متاثر مریض کے علاج کا جملہ خرچ برداشت کرے بلکہ سماج سے پہلے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے مجبور مریض کی پوری کفالت کرے اور اس کے علاج کا نظم کرے؛ کیوں کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''سلطان اس کا ولی ہے جس کا ولی نہ ہو'' (أبوداود، النکاح، باب فی الولی، حدیث: 2083، ترمذی، النکاح، باب، حدیث: 1102، امام ترمذی کا بیان ہے: ''ھذا حدیث حسن،'' ابن ماجہ، بَابُ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ، حدیث: 1879، موطأ محمد بن الحسن الشیبانی، بَابُ: النِّكَاحِ بِغَيْرِ وَلِيٍّ، برقم: 545، صحیح ابن حبان، حدیث: 4074، والمستدرک للحاکم، حدیث: 2706، حاکم کہتے ہیں: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ).

محور پنجم: کورونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

کورونا کے میت کی تجہیز و تکفین اور غسل سے متعلق بھی کئی مسائل پیدا ہوئے، ان میں سے ایک اہم غسل و کفن کا ہے، اسی طرح کورونا کے میت کو اس کے متعلقین کے سپرد کرنے میں مختلف معاملات سامنے آئے ہیں، اگر کسی بندش کے بغیر سپرد ہو تب تو غسل و کفن کا اہتمام کیا گیا اور کرنا چاہیئے؛ لیکن پابندیوں کی صورت میں جب کہ میت کو مخصوص کوَر میں لپیٹ کر سپرد کیا جائے اور کھولنے کی اجازت نہ دی جائے تو ایسی صورت میں کیا وہی کوَر کفن کے حکم ہوجائے گا، یا الگ سے کفن دینا ضروری ہوگا؟ مگر زیادہ مسئلہ غسل کا ہے، ایسی صورت میں کیا غسل دیا جائے یا تیمّم کرایا جائے، اور اگر چہرہ و ہاتھ کھولنے کی اجازت نہ ہو تو کیا اسی کوَر کے اوپر کفن کے کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردیا جائے، جیسا کہ شہداء جنگ کے حق میں شریعت نے کفن کا حکم رکھا غسل کا نہیں۔

۲۲- کورونا کے میت کو غسل، کفن اور دفن کا حکم:

سوال (۱): کورونا سے انتقال کرنے والوں کو غسل کس طرح دیا جائے؟ اگر غسل دینے کی اجازت نہ ہو یا غسل ممکن نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ کیا

بلاغسل دفن کرنا جائز ہوگا؟

جواب: میت کوغسل دینا فرض کفایہ ہے؛ لہٰذا اگر کورونا کے میت کوغسل وکفن دینا ممکن ہو اس طور پر کہ اس کو غسل وکفن دینے والے کوکسی طرح کا ضرر نہیں پہنچے گا اور نہ وہ کورونا کی بیماری سے متاثر ہوں گے، تو متعلقین مکلفین پر کورونا کے میت کوغسل دینا ضروری وفرض کفایہ ہے، لہٰذا اگر کورونا کے میت کو اس کے متعلقین کے سپرد کیا گیا یا اس کا گھر میں ہی انتقال ہوا تو اس کو غسل وکفن دینا متعلقین پر واجب وضروری ہے، اگر ان لوگوں نے ناخدا ترسی کا ثبوت دیا اور مارے ڈروخوف کے میت کو نہیں لیا یا اس کو اسی طرح بغیر غسل وکفن کے دفن کردیا تو وہ کل کے دن اللہ کے یہاں، یعنی آخرت میں اللہ کی پکڑ سے نہیں بچ پائیں گے۔

بہرحال اگر کورونا کا مریض گھر میں ہی مرگیا یا ہاسپٹل میں انتقال ہوا اور اس کے متعلقین کو بغیر کسی بندش کے سپرد کردیا گیا تو اس کو غسل وکفن اسی طرح دیا جائیگا جیسا کہ دوسرے میت کو دیا جاتا ہے؛ لیکن پابندیوں کی صورت میں جب کہ میت کو مخصوص کوَر میں لپیٹ کر سپرد کیا جائے، کھولنے کی اجازت ہو تو اس کو کھول کر معمول کے مطابق غسل دیا جائیگا جب کہ غسل دینے سے کسی طرح کے ضرر پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو، اگر غسل دینے سے ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو یا کسی وجہ سے غسل دینا ممکن نہ ہو تو اس کو تیمّم کرایا جائیگا اس کے بعد اس کو کپڑے کا کفن دیا جائیگا یا اس کو اسی کوَر میں لپیٹنے کے بعد اس کے اوپر سے کفن کے کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردیا جائیگا۔ اور اگر سرے سے کھولنے کی اجازت نہیں دی گئی تو ایسی صورت میں کوَر کے اوپر سے پانی بہا جائے گا، اس کے بعد اس کو اسی کوَر کے اوپر کفن کے کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردیا جائے گا۔ یہ اس وقت ہے جب کہ بغیر کسی ضرر کے کوَر کے اوپر سے پانی بہانا ممکن ہو، ورنہ اگر پانی بہانا ممکن نہ ہو اس طور پر کہ اگر کوَر کے اوپر پانی بہایا گیا تو کورونا لاحق ہوجائے گا اور اس کے جراثیم پھیلیں گے، سب سے پہلے غسل دینے والے اس کا نشانہ بنیں گے اور اس مرض سے دوچار ہوں گے، تو اس کو تیمّم کرایا جائے گا جب کہ تیمّم کرانا ممکن ہو اس طور پر کہ کم سے کم چہرہ اور کہنی تک ہاتھ کھولنے کی اجازت ہو تو ہاتھ میں کپڑے لے کر یا ہاتھ میں کپڑے کا دستانہ پہن کر، یا پلاسٹک کا کوَر پہن کر تیمّم کرایا جائے گا؛ کیوں کہ ایسی صورت میں فریضہ غسل متعلقین مکلفین سے ساقط ہوگیا اور اس کا بدل تیمّم کرانا ان پر لازم ہوگیا، اور اگر چہرہ اور ہاتھ بھی کھولنے کی اجازت نہ ہو یا ماہرین ڈاکٹر کی رپورٹ کے مطابق اتنا بھی کھولنے سے جراثیم پھیلنے اور منتقل ہونے کا اندیشہ ہو تو ہاتھ میں دستانہ پہن کر ایک دوسرا کپڑا ہاتھ میں لیا جائیگا اور اس کو پاک پانی میں گیلا کرکے کوَر کے اوپر سے ممکن حد تک پورا جسم مسح کردیا جائے گا جیسا کہ زخم کی پٹی پر مسح کیا جاتا ہے، اس کے بعد اسی کوَر کے اوپر کفن کے کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردیا جائیگا، اور اگر کوَر کے اوپر مسح کرنا بھی ممکن نہ ہو، یا اس کی بھی اجازت نہ ہو، تو اسی حال میں بلاغسل اور اس کے نائب تیمّم کے بغیر اسی کوَر کے اوپر کفن کے کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردیا جائے گا، ایسی صورت میں وہی کوَر کفن کے حکم میں ہوجائیگا؛ اس لیے کہ مذکورہ صورت حال میں مکلفین کے ذمہ سے غسل اور اس کا بدل تیمّم بھی ساقط ہوگیا اور آخر میں کوَر کے علاوہ کپڑے کا کفن دینا بھی ساقط ہوگیا؛ کیوں کہ میت کو حقیقی غسل دینا یا اس کے قام مقام حکمی غسل تیمّم کرانا اور کفن دینا فرض کفایہ ہیں، اور یہ فرض کفایہ امکان وقدرت کے ساتھ مقید ہے، جب امکان وقدرت نہیں رہی تو فریضۂ غسل وتیمّم ساقط ہوگئے۔ (دیکھئے: ردالمحتار معزیا إلی الجوہرۃ: 3/103، ط: زکریا، دیوبند)؛ کیوں کہ دفع ضرر واجب ہے اور انسان حسب قدرت ہی شرعی احکام کا مکلّف ہے۔

۲۳۔ مخصوص کور کفن کے قائم مقام ہوگا یا نہیں؟

سوال (۲): اگر کورونا کے میت کو اسپتال کی طرف سے مخصوص کور (Cover) میں لپیٹ کردیا جائے اور اسے کھولنے اور ہٹانے کی اجازت نہ ہو تو کیا وہ کور (Cover) کفن کے حکم میں ہوگا؟ یا اس کے اوپر کفن لپیٹ کر دفن کیا جائے گا؟

جواب: اگر مخصوص کور (Cover) جس میں کورونا کے میت کو لپیٹ کردیا گیا، اسے کھولنے اور ہٹانے کی اجازت نہ ہو تو وہ کور

(Cover) کفن کے حکم میں ہوگا جب کہ اوپر سے کفن دینے کی اجازت نہ ہو، اور اگر اوپر سے کفن لپیٹنے کی اجازت ہو تو صرف کور میں دفن نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ اس کے اوپر کفن لپیٹ کر دفن کیا جائے گا، ایسا اس لیے کہ انسان قدر طاقت تکلیف شرع کا مکلّف ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر تفصیل سے ذکر کیا گیا۔

۲۴- قبر پر نماز جنازہ:

سوال (۳): اگر کورونا میت کی بغیر نماز جنازہ تدفین کے بعد گھر والوں کو اس کی اطلاع دی جائے تو ایسی صورت میں بعد تدفین قبر کے پاس نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

اگر میت متعلقین کے حوالہ نہ کیا جائے اور اس کو بغیر نماز جنازہ کے دفن کر دیا جائے، اس کے بعد گھر والوں کو اطلاع دی جائے اور قبر و قبرستان بتایا جائے، یا میت کو حوالہ تو کر دیا جائے لیکن دفن کے علاوہ مزید کوئی موقع نہ دیا جائے، یہاں تک غسل و نماز کا بھی موقع نہ دیا جائے اور عجلت میں دفن کر دیا جائے، تو ایسی صورت میں میت کی نماز جنازہ قبر پر ادا کی جائے گی؛ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت یا نوجوان کی قبر پر نماز جنازہ ادا فرمائی ہے۔ (مسلم، الجنائز، باب الصلاۃ علی القبر، حدیث: ۹۵۶)، اسی وجہ سے فقہاء نے ایسی میت کی قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے جس پر کسی بھی وجہ سے دفن سے پہلے نماز جنازہ نہیں پڑھی جاسکی ہو؛ البتہ نماز جنازہ کی صحت کے لیے شرط یہ ہے کہ میت پھلا پھٹا نہ ہو۔ (رد المحتار: 3/ 103، ط: زکریا، دیوبند)، نیز ہر حال میں ضروری ہے کہ امام کے محاذات میں میت کا کوئی نہ کوئی حصہ ہو، اور بہتر و افضل یہ ہے کہ امام قبر کے عرض میں سرہانہ جانب مرد میت کے سر کے مقابل اور عورت میت کے وسط کے مقابل قبلہ رخ کھڑا ہو۔ (فتح القدیر: ۲/ ۱۳۰-۱۳۱، ط: زکریا، دیوبند)

۲۵- کورونا کے میت پر غائبانہ نماز جنازہ:

سوال (۴): اگر میت کی تدفین کی اطلاع ملے اور قبر کی جگہ معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

اگر ورثہ کو میت کی تدفین کی اطلاع ملے؛ لیکن قبرستان اور قبر کی جگہ کا کوئی علم نہ ہو سکے تو کیا ایسی مخصوص صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت ہوگی؟ جب کہ عام حالات میں حنفیہ کے یہاں اس کی اجازت نہیں ہے؟

نماز جنازہ میں اصل یہی ہے کہ جنازہ قبلہ رخ امام اور مصلیان کے سامنے ہو؛ لیکن جب جنازہ کو نماز جنازہ کے لیے سامنے حاضر کرنا دشوار ہو جائے جیسا کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں کورونا کے میت کے جنازہ کے سلسلہ میں ایسا ہوا کہ بسا اوقات کورونا کے میت کو طبی عملہ نے خود قبرستان لے جا کر سپرد خاک کر دیا، متعلفین کے حوالہ نہیں کیا، کبھی تو قبرستان کا پتہ بتایا لیکن جگہ نہیں بتایا کہ کس جگہ دفن کیا، اور کبھی تو قبرستان اور قبر دونوں کا علم نہیں ہو سکا، ایسی صورت حال میں کہا جاسکتا ہے کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، اور یہ بھی مسلّمہ حقیقت ہے کہ انسان شرعی احکام کا مکلّف بہ قدر طاقت ہی ہوتا ہے اس سے زیادہ نہیں تو جب کورونا کے کسی میت کی قبر و قبرستان کا کوئی علم نہ ہو، اور یہ بات یقینی یا غالب ظن سے معلوم ہو کہ اس پر جنازہ کی نماز بھی نہیں پڑھی گئی ہے، تو فقہاء کے اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس مخصوص حالت میں کہا جاسکتا ہے، اس طرح کے میت پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا درست ہوگا؛ تاکہ عدم کے مقابلہ میں کچھ تو ہست ہو جائے اور مرنیوالے کو فائدہ پہنچ جائے۔ نیز چوں کہ زیر بحث مسئلہ میں مکلفین غائبانہ نماز پڑھنے پر قدرت رکھتے ہیں اس سے بڑھ کر ان کے بس سے باہر ہے، اور پیچھے ذکر کردہ مختلف قسم کی دلیلوں کی روشنی میں بات آچکی ہے کہ انسان بہ قدر طاقت شریعت اسلامیہ کا مکلّف ہے "لا يكلف إلا بمقدور۔"

۲۶- کورونا سے مرنے والا مسلمان شہید ہے:

سوال (۵): کیا کورونا سے انتقال کرنے والے مسلمان شہید کہلائیں گے؟

جواب: کورونا سے متاثر ہو کر انتقال کرنے والے مسلمان آخرت کے اعتبار سے شہید ہیں؛ لہٰذا انہیں شہادت کا اجر و ثواب ملیگا؛ البتہ انہیں عام میت کی طرح غسل اور کفن دیئے جائیں گے اور ان پر نماز جنازہ پڑھی جائیگی؛ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ طاعون کو مومنین کے لیے رحمت بنا کر بھیجتا ہے؛ لہٰذا جو کوئی مومن بندہ طاعون زدہ علاقہ میں ہو، وہاں صبر و تحمل کے ساتھ رہے، اس یقین کے ساتھ کہ اگر اللہ نے طاعون میں مبتلا ہونا مقدر کر رکھا ہو گا تب ہی وہ طاعون میں مبتلا ہو گا ورنہ نہیں؛ (پس اگر وہ طاعون میں مرجاتا ہے) تو اس کو شہید کے برابر ثواب ملے گا''۔ (بخاری، طب، بَابُ أَجْرِ الصَّابِرِ فِي الطَّاعُونِ، حدیث: ۵۷۳۴)۔ ایک حدیث میں صاف لفظوں میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی طاعون میں مرا وہ شہید ہے''۔ (مسلم، الإمارة، باب بیان الشهداء، حدیث: ۱۶۵-۱۹۱۵)۔

محور ششم: کورونا ویکسین سے متعلق مسائل

۲۷- الکوحل آمیز سینیٹائزر (Sanitizer) کا استعمال:

سوال (۱): الکوحل آمیز سینیٹائزر کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب: الکوحل آمیز سینیٹائزر کا استعمال کرنا جائز ہے، اس کے استعمال سے وضو نہیں ٹوٹے گا اور سینیٹائزر کے بعد پڑھی گئی نماز بھی درست ہوگی؛ کیوں کہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس میں جو الکوحل ملایا جاتا ہے وہ ناپاک شراب نہیں ہے بلکہ ہر طرح کے مخدرات، نشہ آور اشیاء، اور ناپاک اجزاء سے خالی ہوتا ہے؛ اس لیے الکوحل آمیز سینیٹائزر پاک ہے؛ اسی وجہ سے حرمین شریفین میں بھی استعمال ہو رہا ہے؛ پس اس کا استعمال مسجدوں میں درست ہوگا، کپڑوں، ہاتھوں اور بدن کے دوسرے حصوں پر لگانا جائز ہوگا۔

۲۸- کورونا ویکسین لگوانے کا حکم:

سوال (۲): کورونا ویکسین لگوانے کا حکم کیا ہے؟ واجب یا مباح؟

جواب: کورونا ویکسین لگوانا مباح ہے؛ کیوں کہ جمہور فقہاء احناف اور مالکیہ کے نزدیک علاج کروانا اور مرض کے لیے دوا کا استعمال مباح ہے، شوافع اور بعض حنابلہ کے یہاں مستحب ہے اور جمہور حنابلہ نے ترک علاج و دوا کو افضل قرار دیا ہے؛ اس لیے کہ یہ توکل علی اللہ سے زیادہ قریب ہے۔ (الموسوعة الفقهية ۱۷۳/۳/۶۳)۔ اور چوں کہ علاج اور دوا کے استعمال سے شفا ملنا کوئی یقینی نہیں ہے بلکہ ظنی ہے۔

محور ہفتم: کورونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے سے متعلق اسلامی ہدایات

۲۹- وبا کے دفعیہ کے لیے اذان دینے کا حکم:

سوال (۱): وبا کے دفعیہ کے لیے کیا اذان دی جاسکتی ہے؟

جواب: پنج وقتہ نمازوں کی اذان کو چھوڑ کر کورونا اور دوسری متعدی بیماری و وبا کے لیے اذان دینا شرعاً درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس کا ثبوت قرآن و حدیث، آثار صحابہ و تابعین یہاں تک کہ ائمۂ مجتہدین کے یہاں بھی نہیں ملتا ہے بلکہ میرے ناقص علم کے مطابق مذاہب اربعہ (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) میں بھی اس کا ذکر نہیں ملتا ہے؛ لہٰذا وبا کے دفعیہ کے لیے گھروں کی چھتوں پر، اونچے پہاڑوں پر، ٹاور پر یا کسی بھی جگہ پر اذان دینا نہ ہی انفرادی طور پر صحیح ہوگا اور نہ ہی اجتماعی طور پر؛ بلکہ خلاف سنت بدعت ہوگا۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہمارے اس طریقہ میں کسی ایسی نئی چیز کا اضافہ کیا جس کا تعلق ہمارے طریقہ سے نہیں ہے وہ مردود ہے''۔ (مسلم، حدود، باب نقض الاحکام

الباطلة وردمحدثات الامور، حدیث:۱۷-۱۷۱۸)۔حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں کوئی ایسی رائے دینا یا شرعی حکم کے طور پر پیش کرنا جس کا ذکر واضح یا پوشیدہ لفظوں میں یا اشارہ کے طور پر قرآن وحدیث میں نہ ہو، اور نہ ہی قرآن وحدیث سے ماخوذ ومستنبط اصول سے مستفاد ومتفرع ہوتو وہ مردود وبدعت ہے۔(مرقاۃ المفاتیح:۱/۲۲۲)۔

پس وبا کے دفعیہ کے لیے اذان دینے کے بجائے صبح وشام کی ماثور دعائیں پڑھنے کا اہتمام کیا جائے۔

اسی طرح آیت الکرسی اور معوذتین (قل اعوذ برب الفلق ،اور قل اعوذ برب الناس) اور سورہ اخلاص تین تین بار صبح وشام پڑھیں، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے، ان شاء اللہ اللہ کی مدد ہم سفر وشامل حال رہے گی اور کرونا وائرس سے محفوظ رہیں گے۔

اسی طرح لوگوں کو چاہیے کہ اللہ کی طرف رجوع اور اپنے اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کی طرف متوجہ ہوں، کھلے عام اور چھپے منکرات پر اصرار کو چھوڑ کر گریہ زاری کریں۔

۳۰-دفع وبا کے لیے اجتماعی نماز اور دعا کا حکم:

سوال (۲): دفع وبا کے لیے اجتماعی نماز اور اجتماعی دعا کا اہتمام کرنا کیسا ہے؟

جواب: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مسلمان مصیبت وپریشانی کے وقت اللہ کو یاد کرتا ہے، اور یہ اچھی چیز ہے بلکہ مناسب بھی یہی ہے کہ جب مسلمان پر کوئی مصیبت آپڑے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے دفعیہ کے لیے مدد طلب کرے، اس طور پر کہ جہاں وہ صبر کے دامن کو نہ چھوڑے وہیں نماز وروزہ اور صدقات وخیرات کثرت سے کرے، خوب توبہ واستغفار کرے؛ کیوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مصیبتوں کے وقت کثرت سے توبہ واستغفار کرنے کی ہدایت دی ہے۔حضرت یونس علیہ السلام نے توبہ کی تو مچھلی کے پیٹ سے باہر آئے۔اور ظاہر ہے کہ مصیبت اور خاص طور پر اس طرح کی وباء انسانوں کی کثرت گناہ اور ان کے برے اعمال کی وجہ سے آتی ہے؛ اس لیے کہ گناہوں سے اللہ ناراض ہوتے ہیں، جیسا کہ اس آیت پاک سے معلوم ہوتا ہے:"ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ" [الروم:۴۱] لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا؛ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے بعض کاموں کا مزہ چکھائیں، شاید کہ وہ باز آجائیں"۔اور اللہ کو راضی کرنے کا راستہ اس کی عبادت کرنا، اس کے حکم پر عمل کرنا اور گناہوں سے بکثرت توبہ واستغفار کرنا ہے، جب اللہ راضی ہوجائیں گے تو خود بخود وباء ٹل جائے گی۔

اور جہاں تک ممکن ہو خوف وامید کے سائے میں بڑے ہی گریہ زاری کے ساتھ وبا کے دفعیہ کے لیے دعا کرے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مصیت وبلیّہ اور زندگی میں آزمائشیں کیوں لاتا ہے؟ اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے بندوں کو پیغام دیا کہ تمہیں کیسا ہونے چاہئیں؟

"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ." (۱۵۳) [بقرہ: ۱۵۳]

ایسے موقعوں پر صدقات وخیرات کرنے کے لیے اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے اللہ رب العزت کا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف سے معلوم ہوتا؛ چنانچہ حضرت عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" جہنم کی آگ سے بچو گو کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعہ کیوں نہ ہو"۔(بخاری: زکاۃ، بَابٌ: اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ وَالقَلِيلِ مِنَ الصَّدَقَةِ، حدیث:۱۴۱۷۔

مذکورہ بالا نصوص سے واضح ہوگیا کہ مشکلات ومصائب اور آفات وبلیّات کے موقعوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع، نماز، دعا واستغفار اور خیرات وصدقات کرنا جائز اور پسندیدہ عمل ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس کے لیے کسی وقت کی کوئی تحدید وتعیین نہیں ہے۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ یہ اعمال اجتماعی طور پر کرنے کے بجائے انفرادی طور پر کرنے ہیں۔علامہ ابن عابدینؒ کا بیان ہے:

''معلوم ہونا چاہیے کہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عام بیماریوں میں ان کے دفعیہ کے لیے لوگ تنہا تنہا نماز پڑھیں اور دعائیں کریں، عام امراض میں طاعون بھی شامل ہے؛ کیوں کہ وبا ہر بیماری پر اطلاق ہوتا ہے ...اور رفع وبا کے لیے دعا کرنا شرعاً درست ہے۔'' (منحۃ الخالق علی البحر:۲/ نیز دیکھئے: حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح،ص:۴۵۷)۔

علامہ طحطاویؒ لکھتے ہیں:

''اگر لوگ ایک جگہ جمع ہوجائیں تو ہر کوئی (تنہا) دو رکعتیں پڑھے گا اور وبا کے دفعیہ کے لیے دعا کریگا اور اللہ تعالیٰ سے اس کے بارے میں عافیت طلب کرے گا۔'' (حاشیۃ الطحاوی،ص:۴۳۵)۔

پس حاصل کلام یہ ہوا کہ وبا کے دفعیہ کے لیے اجتماعی نماز اور اجتماعی دعا کا اہتمام کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔

خلاصۂ بحث:

۱) وبا ایک ایسا جان لیوا وائرس اور متعدی بیماری ہے جو غیر طبعی طور پر بڑی تیزی سے پھیلتی ہے۔

۲) اس کے بارے میں شریعت کا تصور یہ ہے کہ یہ ایک مخلوق ہے، اور مخلوق حادث ہے، وقت کے گذرنے کے ساتھ گاہے بگاہے آتی رہتی ہے اور آئندہ بھی آتی رہے گی اور جاتی رہے گی، ماضی میں بھی آئی ہے، جس کو حدیث پاک میں طاعون سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۳) وبا سے تحفظ کے لیے شرعی رہنمائی اور اسلامی ہدایات یہ ہیں: اپنے آپ کو بھی اور اپنے گھروں کو صاف ستھرا رکھیں، صابن سے ہاتھ دھونے کا اہتمام کریں، مصافحہ اور معانقہ سے پرہیز کریں، کھانسی اور چھینک آتے وقت منہ پر کپڑا یا ٹشو پیپر رکھ لیں، اگر کپڑا یا ٹشو پیپر بروقت ساتھ نہ ہو تو اپنی بایاں ہتھیلی منہ پر رکھ لیں، جن لوگوں کو سردی کھانسی، بخار، بدن میں اینٹھن، یا سانس کی بیماری ہو، یا دمہ کی شکایت ہو، وہ گھر میں ہی نماز ادا کر لیا کریں۔

۴) کورونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے کے اسباب کو اختیار کرنا اور اس سے بچنے کے سلسلہ میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل کرنا اور دیگر احتیاطی تدابیر اپنانا شرعاً واجب ہے۔

۵) بعض بیماریاں متعدی ہوتی ہیں، بذات خود ان میں متعدی ومنتقل ہونے کی صلاحیت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان میں متعدی ہونے کی صلاحیت ودیعت فرمادی ہے۔

۶) کورونا وائرس کی وجہ سے سماجی دوری معتبر عذر ہے؛ اس لیے لوگ مسجدوں میں جاکر نماز جمعہ اور پنجوقتہ نمازوں کی جماعتوں میں شرکت سے معذور ہیں؛ لہٰذا جمعہ کے دن گھروں میں نماز ظہر ادا کریں گے، اس دن اور دوسرے دنوں میں دوسری نمازیں گھروں میں جماعت سے یا انفرادی طور پر پڑھنے کی اجازت ہوگی۔

۷) کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں ایک مسجد میں جہاں امام ومؤذن مقرر ہوں اور نمازیں جماعت سے ہوتی ہوں، وہاں نماز جمعہ اور دیگر فرض نمازوں میں ایک سے زائد جماعتیں قائم کرنا بلا کراہت درست ہے جب کہ پہلی جماعت کے امام راتب کے کھڑے ہونے کی جگہ کو چھوڑ کر زائد جماعت قائم کی جائے، یا جب کہ اس مسجد کا مقرر امام آخری جماعت کی امامت کرے۔

۸) وبا کے زمانہ میں مسجد میں نماز جمعہ کی ایک جماعت پر اکتفا کرتے ہوئے یا مزید دو ایک جماعتوں کے بعد بقیہ نمازیوں کے لیے محلّہ کے مکانات میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کا قائم کرنا شرعاً درست نہیں، بالفاظ دیگر گھروں میں نماز جمعہ قائم کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

۹) ظہر پڑھنے کی صورت میں باجماعت اور تنہا دونوں طریقے پر پڑھ سکتے ہیں۔

۱۰) وبا کے زمانہ میں عیدین کی نماز گھروں میں پڑھنے کی اجازت ہوگی۔

۱۱) وبا کے زمانہ میں ماسک لگا کر نماز پڑھنے اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنا شرعاً صحیح ہے۔

۱۲) کورونا سے متاثر افراد کے لیے نماز جمعہ اور دوسری نمازیں پڑھنے کے لیے مسجد آنا شرعاً مکروہ تحریمی، ناجائز اور باعث گناہ ہے۔

۱۳) اگر کورونا سے متاثر شخص روزہ رکھے گا تو اس کا مرض مزید بڑھ جائیگا، یا اس کو دیر سے شفا ملے گی، یا مرض کی شدت کی وجہ سے موت کا خوف پیدا ہو گیا، یا مرنے کا خوف تو نہ ہو لیکن اتنی کمزوری آ گئی ہو کہ وہ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا، تو اس کے لیے جائز ہے کہ روزہ نہ رکھے اور رمضان کے بعد جب روزہ رکھنے پر قادر ہو گا تو قضا کر لے گا۔

۱۴) کورونا کی وجہ سے عام مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روکا جاسکتا ہے۔

۱۵) کورونا کے زمانہ میں مطلق مسجدوں کو بند کرنا درست نہیں ہوگا؛ البتہ نمازوں کے اوقات کے علاوہ وقتوں میں بند کیا جاسکتا ہے اور جمعہ اور پنج وقتہ نمازوں کی جماعت کے لیے کھلی رہے گی اور اوپر ذکر کردہ احتیاطی تدابیر کے ساتھ نماز جمعہ اور پنج وقتہ نمازیں با جماعت ادا کی جاتی رہے گی۔

۱۶) جماعت موقوف ہو جائے تو ایسی صورت میں اذان بند نہیں ہوگی بلکہ اپنے وقت پر ہر نماز کے لیے دی جائیگی جیسا کہ پہلے دی جاتی ہے۔

۱۷) گورنمنٹ کی ہدایات کے مطابق جماعت میں افراد شریک ہونگے؛ پس پنج وقتہ نمازوں کی جماعت میں کم سے کم دو اور جمعہ کی نماز میں امام کے علاوہ تین افراد سے زائد حکومت کی گائڈ لائن اور اس کی ہدایت کے مطابق شریک ہونگے۔

۱۸) مسجد کے کسی ملحق جگہ کو کووڈ سینٹر بنانے کی گنجائش اس وقت نکل سکتی ہے جب کہ وہ حصہ مسجدیت کے حکم میں نہ ہو اور اس وقت کچھ نہ کچھ مسجد کو اس کا کرایہ دینا ضروری ہوگا؛ کیوں کہ وہ مسجد کی ملکیت ہے۔

۱۹) کورونا سے متاثر مریض کو بالکل الگ تھلگ کر دینا اور اس کی تیمارداری تک نہ کرنا شرعی نقطۂ نظر سے درست نہیں ہے۔

۲۰) اگر کسی وجہ سے سماج اپنی ذمہ داری نہ ادا کر سکے تو حکومت پر اس کی ذمہ داری عائد ہوگی کہ وہ ایسے کورونا سے متاثر مریض کے علاج کا جملہ خرچ برداشت کرے بلکہ سماج سے پہلے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے مجبور مریض کی پوری کفالت کرے اور اس کے علاج کا نظم کرے۔

۲۱) کورونا کے میت پر لگے کور کو کھولنے کی اجازت ہو تو کور کو کھول کر اس کو غسل دیا جائے گا، اگر پورا کھولنے کی اجازت نہ ہو، صرف چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی جازت ہو تو غسل کی جگہ تیمّم کرایا جائیگا، اگر چہرہ اور ہاتھ بھی کھولنے کی اجازت نہ ہو تو کور کے اوپر پانی بہایا جائے گا یا کپڑے سے اس کے اوپر مسح کیا جائیگا، اس کے بعد اسی کور کے اوپر کفن کے کپڑے لپیٹ کر دفن کر دیا جائیگا۔

۲۲) پابندیوں کی صورت میں جب کہ میت کو مخصوص کَوَر میں لپیٹ کر متعلقین کو سپرد کیا جائے اور کچھ بھی کھولنے کی اجازت نہ دی جائے تو وہی کور کفن کے حکم میں نہیں ہوگا بلکہ کَوَر کے اوپر سے کفن دینا ضروری ہوگا۔

۲۳) اگر میت کو بغیر نماز کے یا بغیر غسل و نماز کے دفن کر دیا گیا اور قبرستان و قبر کی جگہ معلوم ہے تو اس کی نماز جنازہ قبر پر ادا کی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ پھلا پھٹا نہ ہو۔

۲۴) اگر قبرستان اور قبر کا کوئی علم نہ ہو سکے تو اس مخصوص صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت ہوگی۔

۲۵) کورونا سے انتقال کرنے والے مسلمان اخروی اعتبار سے شہید کہلائیں گے، دنیاوی اعتبار سے نہیں۔

۲۶) الکوحل آمیز سینیٹائزر کا استعمال جائز ہے۔

۲۷) کورونا ویکسین لگوانا مباح ہے۔

۲۸) وبا کے دفعیہ کے لیے اذان نہیں دی جائیگی۔

۲۹) وفع وبا کے لیے اجتماعی نماز اور اجتماعی دعا کا اہتمام کرنا شرعاً صحیح نہیں ہے۔

کرونا سے متعلق چند اہم مسائل

مفتی اقبال احمد قاسمی

صدر مدرس و مفتی مدرسہ مظہر العلوم، کان پور

تمہید:

۲۰۲۰ء کے آغاز میں حکومت کے ایوانوں اور میڈیا چینلوں کے توسط سے عوام الناس کو کرونا وائرس نامی ایک بیماری سے روشناس کرایا گیا اور آناً فاناً اس نے عالمی وبا کی صورت اختیار کر لی اور پوری دنیا اس کی زد میں آ کر ہکا بکا رہ گئی۔ ڈبلیو۔ایچ۔او کی تنبیہات تہدیدات کو بروئے کار لاتے ہوئے بیمار اور بیماری کے مشاہدہ کے بغیر ہی بہت سے علاقوں کے انسان اپنی آبادی میں ہی محصور کر دیئے گئے۔ کتنے ہی مریض اور ضعیف اس بیماری کی وحشت اور دہشت نیز دیگر امراض میں مبتلا حضرات علاج نہ مل سکنے کے سبب ہی دم توڑ گئے کاروباری چہل پہل تھم گئی، سارا معاشی نظام چوپٹ ہو گیا، روزمرہ کے معمولات درہم برہم ہو گئے، ساری محفلوں کی رونقیں اجڑ گئیں، دوسری طرف دین کا بھی ہر شعبہ کم و بیش متاثر ہوا جس کے نتیجہ میں نئے نئے مسائل نے بھی جنم لیا بالخصوص مسجد میں پنج وقتہ نماز باجماعت، گھروں میں جمعہ کی نماز یا مسجد میں تعدد جمعہ، میت کے غسل کفن و دفن اور نماز جنازہ وغیرہ کتنے ہی ایسے مسائل سے امت دوچار ہوئی جو اس سے پہلے کبھی درپیش نہ ہوئے تھے، یہ تو دین اسلام کا طرۂ امتیاز ہے کہ وہ ہر نوع کے مسائل کا حل اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اور ہر زمانہ کے بابصیرت علماء کتاب و سنت سے نئے مسائل کا حل ڈھونڈ ھکر عوام کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں، چنانچہ کرونا کے موضوع پر متعدد انفرادی و اجتماعی خدمات جو منظر عام پر آئیں اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

محور اول: کورونا وبا کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر

(۱) وبا کیا ہے؟ اور شریعت میں اس کے بارے میں کیا تصور ہے؟

''وباء'' کی تحقیق:

"وبا" ایک عربی لفظ ہے جو اردو میں مستعمل ہے اس کے مندرجہ ذیل معانی آتے ہیں:

۱۔ ایسی بیماری یا مصیبت جو انسانوں کی تباہی و بربادی کا باعث ہو۔

۲۔ ملک گیر مرض۔

۳۔ وہ بیماری جو بکثرت پھیلے۔

۴۔ متعدی بیماری جیسے طاعون، ہیضہ، ایڈز، چکن گنیا بخار وغیرہ۔

"وباء" کا اطلاق ایسی سماجی برائی پر بھی ہوتا ہے جو معاشرے میں عام ہو جائے ایسی اجتماعی برائی، خرابی، یا رجحان جس میں ابتلائے عام پایا جائے لیکن وبا کا یہ مصداق مجازی ہے، لغت میں ہے۔

اَلْوَبَاءُ جمع اَوْبَاءُ، اَلْوَبَاءُ ج اَوْبِيَةٌ (عام بیماری)۔ وبیٔ (بہت زیادہ وباء ہونا) (مصباح اللغات ص:۹۹۶۔بلی)

وَبَّا الْبَلَدُ۔ (شہر کی آب وہوا ناموافق ہونا)

خلاصہ یہ ہے کہ وبا کسی ایک خاص بیماری کرونا یا طاعون کا ہی نام نہیں ہے، بلکہ ہر ایسا عام مرض ہے جس میں زیادہ لوگ مبتلا ہو جائیں اس بیماری کو وبا کہہ سکتے ہیں۔ جیسے کسی زمانہ میں چکن گنیا، بخار، ایڈز، طاعون وغیرہ گذرے ہیں۔

چنانچہ امام نوی رحمۃ اللہ علیہ ''وباء'' کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

وأما الوباء فقال الخليل: هو الطاعون، وقال: هو كل مرض عام، والصحيح الذى قاله المحققون: إن مرض الكثير ين من الناس فى جهة من الأرض دون سائرالجهات ويكون مخالفا للمعتاد من أمراض فى الكثرة وغيرها ويكون مرضهم نوعا واحداً بخلاف سائر الأوقات فإن أمراضهم فيهما مختلفة۔ (نووى شرح صحيح مسلم جلد۱: ص:۲۳۵)

تقریباً یہی بات قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے اکمال المعلم شرح مسلم میں لکھی ہے۔ (إكمال المعلم، ص:۱۳۲، ج:۷)

علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے طاعون کے موضوع پر اپنی مفصل کتاب ''بذل الماعون فی فضل الطاعون'' میں تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی ہے کہ طاعون کیا ہے اور عام وباء کیا ہے؟ دونوں میں کیا نسبت ہے؟ ان کی تحقیق کا حاصل بھی یہی ہے کہ طاعون وباء سے اخص ہے یعنی ہر طاعون وبا ہے لیکن ہر وبا طاعون نہیں، نیز احادیث سے اس کو مدلل کیا ہے کہ مدینہ پاک میں طاعون نہیں آ سکتا جبکہ وباء کا آنا متعدد بار ثابت ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ بذل الماعون۔ از ص:۹۳ تا ۱۰۸)

وباء کے بارے میں شریعت کا تصور

وباء کے سلسلہ میں مختلف قوموں اور مذاہب میں مختلف تصورات ملتے ہیں، ہمیں ان سے بحث نہیں، شریعت کا تصور اس سلسلہ میں کیا ہے؟ وہ عرض ہے۔ وباء کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد گرامی حدیث پاک میں موجود ہے کہ:

عن أسامة بن زيد قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن هذا الوباء رجز أهلك الله به بعض الامم، وقد بقى فى الأرض منه شئى يجئى أحيانا ويذهب أحيانا. (مصنف عبدالرزاق، ص:۱۴۶ جلد ۱۱، باب الوباء والطاعون)

بے شک یہ وبا ایسا عذاب ہے جس سے اللہ پاک نے بعض امتوں کو ہلاک کیا اور زمین میں اس کا کچھ حصہ باقی ہے جو بعض اوقات آتا ہے اور کبھی جاتا ہے۔

اللہ رب العزت کا دستور ہے جب کوئی قوم کھل کر دینی احکام میں غفلت کا شکار ہوتی ہے یا کسی قوم میں جب اعلانیہ بے حیائی و بدکاری پھیل جاتی ہے، یا ظلم وستم، حق تلفی وناانصافی جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو اللہ پاک مختلف طریقوں میں سے کسی طریقہ سے قوموں پر خوفناک حالات بھیج کر اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں، انہیں خوفناک طریقوں میں سے ایک طریقہ وبائی مہلک امراض میں سے کسی مرض کا پھیل جانا بھی ہے، یعنی گناہوں کی کثرت اور گناہوں کی جرأت اس طرح کی بیماریوں کا باطنی سبب ہے، اگرچہ اس طرح کی وبائی بیماریوں میں نیک وبدسب مبتلاء ہوتے ہیں اس لئے کہ دنیاوی تکالیف اور مصیبتوں میں مومن صالح اور فاسق مسلمان اور کافر بدکار سبھی اس کا شکار ہوتے ہیں البتہ بعض کے لئے یہ تکلیف ومصیبت (وباء) رفع درجات کا سبب ہوتی ہے اور بعض کے حق میں گناہوں کی معافی کا ذریعہ اور بعض کے لئے آخرت کے عذاب سے پہلے دنیاوی پکڑ ثابت ہوتی ہے تاکہ کافر وگنہگار اس سے عبرت حاصل کر کے اللہ کی طرف رجوع ہوں، یہ وبائیں اور بلائیں ان لوگوں کے لئے رحمت ثابت ہوتی ہیں جو بیماری یا تکلیف کے نتیجہ میں اللہ کی طرف رجوع ہو کر توبہ واستغفار کر کے اپنی عملی زندگی میں اصلاح قبول کر کے مثبت تبدیلی لے آتے ہیں تو یہ بلاء یا وباء ان کے لئے رحمت کا سبب بن جاتی ہے، ورنہ وہ لوگ جو وباء کے زمانہ میں بھی صرف دنیاوی تدبیروں کے سہارے خوش فہمی میں مبتلاء رہتے ہیں اور اللہ کی طرف

رجوع کے بجائے ایسے وقت میں بھی گناہوں پر دلیر بنے رہتے ہیں تو ان کے لئے پھر یہ آزمائش اور پکڑ کی علامت ہوتی ہے، باقی دنیا دار الجزاء نہیں بلکہ دار العمل ہے، اس لئے سب کا پکڑا جانا یا اتنی پکڑ کا کافی ہونا لازم نہیں بلکہ دنیاوی عذاب میں آزمائش کا پہلو غالب رہتا ہے اسی لئے لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

کرونا (کووڈ۔۱۹) بھی ایک مشتبہ اور عجیب وغریب وبا

وباء کی تعریف کے عموم میں بلاشبہ کرونا سمیت اس نوع کی سبھی بیماریاں داخل ہیں اور یہ کرونا کی بیماری کافی حد تک طاعون کے مشابہ بھی ہے، تدبیر، احکامات واحتیاط بھی دونوں میں یکساں ہی بیان کئے گئے ہیں، زیادہ تر اہل علم وارباب تحقیق کی یہی رائے ہے لیکن کرونا کے سلسلہ میں اس کے علاوہ بھی رائے پائی جاتی ہیں، مثلاً یہ کہ کرونا کوئی حقیقی بیماری نہیں ہے بلکہ مصنوعی بیماری ہے، ہر سال جو معمول کے مطابق نزلہ زکام، کھانسی کا ورود ہوتا ہے اسی کو پلاننگ کے تحت کرونا کے نام سے منسوب کرکے دہشت اور وحشت پھیلائی جاتی ہے اور اس کے پیچھے مذموم مقاصد اور خطرناک عزائم ارباب حکومت کے ہیں اور یہ نیو ورلڈ آرڈر کی سمت ایک ریہرسل ہے جس کے مختلف قرائن پائے جاتے ہیں، ڈبلیو ایچ او کو اس کے لئے بطور آلہ کار استعمال کیا جارہا ہے، بعض کا خیال یہ ہے کہ یہ ملک چین میں کسی کیمیکل مادہ کے ذریعہ پیدا ہونے والے ری ایکشن کا نتیجہ ہے، جس پر امریکہ اور چین کے درمیان گرما گرمی بھی رہی اور الزامات اور اتہامات بھی اس نوع کے چین کے خلاف سامنے آتے رہے۔

بعض اہل تحقیق کی رائے میں یہ فائیو جی ریڈیشن کی دین ہے، جب فائیو جی نیٹ ورک کا سسٹم کہیں چالو کیا جاتا ہے، اس کے یہ بھیانک نتائج سامنے آتے ہیں اسی لئے اس کی وارننگ بھی پہلے آجاتی ہے۔

بعض لوگ قرب قیامت کی نشانیوں سے اس کو جوڑ کر بیان کرتے ہیں کہ یہ دجال کی آمد سے قبل دجال کے لئے دنیا کو کنٹرول کرنے کی ایک سازش ہے جیسا کہ پہلے ذکر آیا، بہر حال کرونا کے اسباب کچھ بھی ہوں قدرتی ہوں یا مصنوعی، کسی ریڈیشن سے پیدا ہوئے ہوں یا سازشِ محض؛ بہر حال یہ ایک مصیبت ہے، عام بلاء اور وباء ہے اور اللہ کی طرف سے جس طرح حقیقی بیماری آتی ہے ایسے ہی ظالم بندوں کے تسلط یا ان کی طرف سے پریشان کن حالات کی شکل میں بھی اللہ کی پکڑ آتی ہے کیونکہ ساری چیزوں کا سرا تو اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے انسانوں کی طرف سے کچھ ہو یا براہ راست قدرت کی طرف سے، اس لئے یہ تو کہا ہی جاسکتا ہے کہ اللہ کی طرف سے یہ حالات لائے گئے تاکہ بندوں کو تنبیہ ہو اور وہ اللہ کی طرف رجوع ہوں لہذا اگر ہم متوجہ ہوگئے تو جو مقصد بیماری وغیرہ کے بھیجنے کا من جانب اللہ ہوتا ہے اس میں ہم کامیاب ہوں گے، ورنہ مصیبت ہی مصیبت کا سامنا رہے گا، یہاں بھی اور وہاں بھی، اللہ پاک حفاظت فرمائے۔ بہر حال اپنے وسیع معنیٰ کے اعتبار سے کرونا کو مطلق وباء تسلیم کرتے ہوئے ہی ہم آگے اس پر بحث کریں گے۔

(۲) وباء سے تحفظ کے لئے شرعی رہنمائی اور اسلامی ہدایات کیا ہیں؟

وباء کوئی بھی ہو اس سے بچنے اور اس کو دفع کرنے کے لئے شریعت ہر ممکن جائز تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیتی ہے، اللہ رب العزت نے دنیا کو دار الاسباب بنایا ہے، اس لئے اسباب سے صرف نظر کرکے بے احتیاطی برتنا یہ توکل نہیں بلکہ تعطل ہے، حدیث پاک میں اس طرح کے توکل سے منع کیا گیا ہے نیز دوا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

عن عمرو بن أمية رضی الله عنه قال: قلت يا رسول الله ﷺ أرسل ناقتی وأتوكل؟ قال: اعقلها وتوكل.

(شعب الإيمان بيهقی، رقم الحديث ۱۱۵۹)

عن جابر بن عبدالله رضی الله عنه أن النبی ﷺ قال: إن لكل داء دواء ا فإذا أصيب دواء الداء برء ی بإذن الله.

(رواه مسلم، رقم ۲۲۰۴)

مذکورہ اسلامی تعلیمات کا حاصل یہی ہے کہ اللہ پر توکل کرتے ہوئے اسباب کو بروئے کار لانا چاہئے اور عقیدہ یہی ہونا چاہئے کہ بیماری دینے والی ذات اللہ کی ہے اور شفاء دینے والی ذات بھی اللہ کی ہے، ایک حدیث پاک میں یہ بات مذکور ہے کہ بیماری اور دوا کے درمیان ایک پردہ حائل ہوتا ہے جب اللہ کا حکم شفاء کا ہوتا ہے تو وہ درمیانی پردہ زائل ہوجاتا ہے اور دوا کارگر ہوجاتی ہے اور مریض شفاء پاجاتا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطب والرقی ۷ص ۶۱۲۸)

☆ شریعت اسلامیہ میں جہاں ظاہری تدابیر اسباب واحتیاط کا حکم ہے وہیں اس طرح کے مرض اور وبا کے ازالہ کے لئے باطنی تدابیر ہمت وحوصلہ، تقدیر الٰہی پر یقین کی کیفیت، صدقہ خیرات اور رجوع الی اللہ، مسنون دعاؤں کا اہتمام، انفرادی واجتماعی وظائف وادعیہ وغیرہ کی بھی بڑی اہمیت ہے۔

☆ بعض دفعہ بہت سے لوگ اس بیماری میں مبتلا نہیں ہوتے لیکن وہ ہمت وحوصلہ کھو بیٹھتے ہیں اور خوف وہراس کا وائرس ان کے دل پر چھاجاتا ہے اور نفسیاتی مرض میں مبتلا ہوکر جان تک سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اس لئے اس کا علاج عقیدہ کی مضبوطی اور اپنی قوتِ فکریہ کے ذریعہ بھی کرنا چاہئے۔

کسی بھی مرض، مصیبت، وبا، بلا کو ٹالنے کے لئے صدقہ وخیرات بھی بہت مؤثر ہوتا ہے، اس لئے حدیث پاک میں اس کا خصوصی حکم دیا گیا ہے:

عن عبدالله رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: داووا مرضاكم بالصدقة.

(السنن الكبرى للبيهقي رقم الحديث ٦٥٩٣)

عن أنس رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : صدقة السر تطفىء غضب الرب وصدقة العلانية تقى ميتة السوءِ. (شعب الإيمان ٧٧٠٤)

☆ وبائی امراض کے سلسلہ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ اللہ رب العزت کی عمومی نافرمانی اور علانیہ بے حیائی، فسق وفجور کے نتیجہ میں اللہ کی طرف سے بطور آزمائش یا عذاب کے مسلط کی جاتی ہے، اس لئے اس عذاب سے بچنے کا سیدھا راستہ یہی ہے کہ گناہوں سے توبہ واستغفار کا اہتمام کیا جائے اور نافرمانیوں سے باز آکر اطاعت شعاری کی زندگی اختیار کی جائے۔ حدیث پاک میں ہے:

☆ چونکہ ایک مسلمان کا عقیدہ ہی یہ ہے کہ بیماری وغیرہ دینے والی ذات بھی اللہ کی ہے اور شفاء اور راحت دینے والی ذات بھی اللہ کی ہے اس لئے ہر طرح کی بیماری ومصیبت کے ازالہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوکر دعاؤں کا بھی خوب اہتمام کرنا چاہئے، مثلاً مندرجہ ذیل دعائیں خوب مانگنی چاہیے۔

☆ حافظ ابن حجرؒ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''بذل الماعون'' کے آخری باب میں وباء طاعون وغیرہ کے موقع پر انفرادی واجتماعی دعاء وظائف اور قنوت نازلہ پڑھنے پر کافی تفصیلی بحث کی ہے۔ اور ائمہ کا اختلاف بھی نقل کیا ہے۔ یہاں اختصاراً ذکر بھی طوالت سے خالی نہیں۔ بہر حال اکابرین علماءِ وقت کے مشورے سے کوئی اجتماعی وظیفہ مثلاً آیت کریمہ لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظلمين ۔ یا درود واستغفار کی خاص مقدار پڑھ کر اجتماعی دعاء یا فجر میں قنوت نازلہ کا اہتمام وغیرہ ایسے موقع پر کیا جانا چاہئے۔

☆ جس علاقے میں کوئی وباء پھیل جائے تو اس موقع پر اس علاقے میں جانے نہ جانے کے سلسلے میں مختلف کتب حدیث میں ہدایات ملتی ہیں۔ اور اسکا تعلق سوال کے شق نمبر۴ بیماری کے متعدی ہونے سے بھی ہے۔ اس لئے پوری بحث تو آگے آئے گی۔ البتہ وبا سے تحفظ کے تحت اسلامی ہدایات کے ذیل میں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ جس جگہ کوئی وبائی مرض پھیل جائے وہاں جانے سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اور جہاں آدمی موجود ہو اور وہاں طاعون جیسا کوئی مرض پھیل جائے تو ڈر کر وہاں سے بھاگنے سے منع فرمایا۔ یعنی وباء والے علاقے میں نہ جائیں اور نہ آئیں۔

عن سعد رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه قال إذا سمعتم بالطاعون بأرض فلاتدخلواها وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوامنها۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۵۸۲۸)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی جگہ کے بارے میں سنو کہ وہاں طاعون یعنی وباء ہے تو وہاں مت جاؤ اگر وہاں یہ وباء پھیل جائے تو وہاں سے مت نکلو۔

حدیث پاک کا مذکورہ بالا حکم بڑا ہی حکمت ومصلحت آمیز ہے۔علمائے کرام نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے، جہاں وبا پھیلی ہے وہاں جانے کی صورت میں گویا اللہ کی قدرت کے سامنے جرأت کا مظاہرہ کرنا ہے۔اور جہاں پہلے ہی سے موجود ہو وہاں سے بھاگنا گویا اس صورت میں تقدیر سے بھاگنا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔اس لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ نہ جائیں، نہ وہاں سے آئیں۔البتہ ضرورت کی وجہ سے وباء زدہ علاقہ سے باہر جانا منع نہیں ہے۔وباء سے بھاگنے کی نیت سے نکلنا منع ہے۔اسی طرح وباء زدہ علاقے میں ضرورت کے تحت جانے کی ممانعت نہیں ہے۔ مثلاً رضا کار، خدمت گار، ڈاکٹر، میڈیکل ٹیمیں، وغیرہ کو جانا ہی چاہئے۔

☆اسلام میں سب سے پہلے پھیلنے والی عمومی وباء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھی جس کو ''طاعون عمواس'' کہا جاتا ہے۔اس طاعون میں جہاں عمومی اموات ہوئیں وہیں شام کے گورنر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی اس میں شہید ہوگئے۔ان کی وفات کے بعد اگلے گورنر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلی نصیحت جو لوگوں کو کی وہ سچی توبہ کی نصیحت تھی۔اسکے بعد لوگوں کے حقوق کی طرف متوجہ کرتے ہوئے قرض خواہ کو قرض ادا کرنے کا حکم دیا۔اور قطع تعلقی کرنے والوں کو اپنے بھائیوں سے مل کر مصافحہ کرنے کی تلقین بھی کی۔اس طریقہ کار سے معلوم ہوتا ہے کہ وبا دور کرنے میں معاملات ومعاشرتی اعمال کی اصلاح کو بہت بڑا دخل ہے۔

(۳) کورونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے اور اس سے بچنے کے سلسلے میں حکومت کی گائیڈ لائن پر عمل اور دیگر احتیاطی تدابیر کا شرعی حکم کیا ہے؟

کرونا وباء سے بچاؤ کے لئے جو ہدایات وتجاویز آرہی ہیں ان میں بنیادی طور پر ڈبلو ایچ او کی رہنمایاں کارفرما ہیں چونکہ غیر اسلامی عناصر کی طرف سے جو چیز آئیگی اس میں شریعت کے پہلو کا لحاظ نہیں ہوتا۔اس لئے اس گائیڈ لائن میں خلاف شرع امور بھی شامل ہوجاتے ہیں، اس لئے کورونا وائرس کی وبا کی وجہ سے حکومت کی گائیڈ لائن یا طبی ماہرین کی تجویز کردہ ہدایات کا اولاً جائزہ لیتے ہیں تو وہ دو قسم کی نظر آتی ہیں:

(۱) ایک وہ ہدایات ہیں جو ہماری شریعت میں پہلے سے موجود ہیں۔یا ہماری شریعت سے متصادم نہیں ہیں۔نیز وہ عوارض کی بنا پر عارضی احکام اور رخصت کے دائرے میں آتی ہیں۔(۲) دوسرے وہ ہدایات ہیں جو خلاف شرع ہیں یعنی وباء اور بیماری کی خاص حالت میں بھی شریعت انکی اجازت نہیں دیتی ہے۔

پہلی قسم کی ہدایات جو شریعت کے عین مطابق ہیں یا جنکی گنجائش ہے۔ظاہر ہے کہ ان احتیاطی تدابیر کو اپنانا نہ صرف حکومت بلکہ شریعت کا حکم اور تقاضا ہے۔لہذا نہ وہ توکل کے منافی ہیں۔اور نہ ہی وہ ایمانی تقاضوں کے خلاف ہیں۔مثلاً

(۱) بلاضرورت شدیدہ گھر سے نہ نکلنا:۔حدیث پاک میں بھی ہے ایک موقع پر ارشاد ہے۔

عن أبی موسی رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه قال فی الفتنة ---والزموا فیها أجواف بیوتکم. (جامع ترمذی رقم الحدیث ۲۲۰۴)

نوٹ: جس طرح فتنہ ایک روحانی وبا ہے، اس سے بچنے کے لئے گھروں میں رہنا حفاظت کا باعث ہے۔اسی طرح کرونا ایک جسمانی وبا ہے اس سے بچنے کے لئے بھی گھروں میں رہنا حفاظت کا باعث ہے۔

(۲) وباء سے متاثرہ مریض سے سماجی فاصلہ رکھنا:۔ واقعۃً جو کسی وباء میں مبتلا ہو چکا ہو اس کے لئے حدیث میں اشارہ ملتا ہے کہ اس سے سماجی فاصلہ بنایا جائے۔

(۳) ہاتھوں کو بار بار دھونا: حدیث پاک میں اس کی تاکید عام حالات میں بھی ہے، وباء کے زمانہ میں اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے کہ اس کو مزید صابن وغیرہ سے دھویا جائے۔

حدیث مبارکہ میں احتیاطاً ہاتھوں کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے اسلئے اگر ڈاکٹر ز بیماری سے بچنے کے لئے احتیاطی تدابیر کے طور پر ہاتھوں کو دھونے کا کہیں تو یہ حکم شریعت کے خلاف نہیں بلکہ موافق ہے۔

(۴) ماسک استعمال کرنا:

حدیث پاک میں ضرورت پڑنے پر منہ میں ہاتھ یا کپڑا استعمال کرنے کا حکم ہے، وبا میں مستقل یا زیادہ تر اس کا استعمال مفید ہوگا۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه أن النبی صلی الله عليه وسلم كان إذا عطس غطی وجهه بيده أو بثوبه وغضَّ بها صوته۔ (جامع الترمذی، رقم الحديث ۲۷۴۵)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب چھینکتے تو اس وقت اپنے چہرے کو ہاتھوں یا کپڑوں سے ڈھانپ لیتے اور جہاں تک ممکن ہوتا اپنی آواز کو پست رکھتے۔

نوٹ: وبائی مرض میں یہ احتیاط بڑھ جاتی ہے، اس لئے ماسک لگائے رہنا بھی اسی احتیاطی تدبیر میں داخل ہے جو سنت کے مطابق کہی جاسکتی ہے۔

وہ ہدایات جو خلاف شرع ہیں

اب رہی بات ان ہدایات کی جو گائڈ لائنیں حکومت ایسی جاری کرتی ہیں جو کسی لحاظ سے شرعاً قابل قبول نہیں ہوتی مثلاً ہندوانی تہذیب ورسوم اور دیو مالائی طریقے جو وبائی مرض میں اپنائے جاتے ہیں ان کا حکم ہو جیسے تھالی بجانا، یا دیئے جلانا، ظاہر ہے کہ جب تک اس حکم پر عمل کرنے میں اکراہ ملجی لازم نہ آئے تو اس کی اجازت ایک مسلمان کو نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح اگر مسجدوں کو بالکل بند کر دینے کا یا مسجدوں میں جمعہ یا جماعت ترک کردینے کا حکم ہو یا اذان نہ دینے کا، تو ظاہر ہے یہ ہدایات شریعت سے میل نہیں کھاتی، شریعت کا اصول ہے "لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق" (شرح السنہ للبغوی، کتاب الامارۃ والقضاء، باب الطاعۃ فی المعروف)

لہٰذا حالت اختیار میں ہم اپنی شریعت کے مطابق ہی عمل درآمد کی کوشش جاری رکھیں گے، شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی شہر میں کرونا وغیرہ وباء پھیل جائے (العیاذ باللہ) تو جو لوگ اس میں مبتلا ہو گئے ہوں وہ تو شرعاً مریض کے حکم میں ہیں البتہ جو یقینی طور پر اس کا شکار نہ ہوئے ہوں اور نہ ہی ان کے گھر یا محلّہ میں اس قدر وباء پھیلی ہو جس سے ان کو بھی وباء میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جانے کا خوف ہو جائے تو ایسے لوگ نہ مریض ہیں، نہ مریض کے حکم میں ہیں، لہٰذا مریضوں والی رخصتیں ان پر لاگو نہیں ہوتی، ایسے لوگ صحت مند کے حکم میں باقی ہیں اسی طرح جس شہر میں کرونا پھیلا ہی نہ ہو وہاں مریضوں کے احکام عائد کرنا خلاف شرع ہے۔ (الدرالمختار مع رد المحتار ج ۳ ص ۳۹۰۔ مطلب حال فشو الطاعون هل للصحيح حكم المريض)

شرعی احکام میں ظن غالب سے کسی خوف یا مرض کا اعتبار جب ہی کیا گیا ہے جب کسی دلیل سے مثلاً علامت یا تجربہ یا ماہر مسلمان دیندار کے قول سے اس کی تصدیق ہو ورنہ محض دل میں خوف بیٹھ جانا یا کسی غیر مسلم یا حکومت کا کہہ دینا کسی اندیشے کے اعتبار کرنے کے لئے کافی نہیں بلکہ وہ خوف تو ہم پرستی اور بدشگونی کی دین ہے جس کی شریعت میں گنجائش نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو حقیقی بیمار نہ ہو تو محض غیر یقینی احتمال پر عمل کرتے ہوئے اس سے فاصلے بنانا یہ توھم پرستی کے قبیل سے شمار ہوگا نہ کہ احتیاطی تدبیر کیونکہ فقہی نقطۂ نظر سے صحت مند ہونا یقینی ہے اور وہم یا شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔ والثابت با لیقین لا یزول بالشك ۔

بہر حال یہ تفصیل اس لئے درج کی گئی کہ ہمیں ہر گائیڈ لائن پر آنکھ بند کر کے عمل نہیں کرنا چاہئے بلکہ شرعی ہدایات بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے، البتہ جہاں ایسا کوئی فرمان وہدایت آ ہی جائے جس میں ہم اپنے کو معذور و مجبور محسوس کریں تو اپنی جان وجسم و مال کو خطرات ومفاسد سے بچانے کے لئے ایسی گائیڈ لائن کو اپنایا جاسکتا ہے۔ مفتی محمد عبیداللہ الاسعدی مدظلہ نے بھی یہ بات وضاحت سے لکھی ہے، فرماتے ہیں: شریعت نے ہم کو ہمارے حالات کے مطابق جو حکم دیئے ہیں ان میں یہ بات بھی ہے کہ اگر کسی غلط، ناجائز، غیر مذہبی، بلکہ کفر وشرک کے قبیل کی چیز کا حکم ہو تو دل سے ناپسندیدگی وانکار کے ساتھ اپنے آپ کو بیجا نقصان ومضرت وضرر سے بچانے کے لئے ایسی چیزیں عملاً اختیار کی جاسکتی ہیں۔

حدیث ہے: کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ خود کو ذلیل کرے، عرض کیا گیا: کیسے؟ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی مصیبتوں کا سامنا کرے جس کا اس کے اندر تحمل نہ ہو، مراد ہے ایسا کام کر کے یا نہ کر کے ایسی مصیبت کھڑی کرے جو نا قابل برداشت ہو۔

(ترمذی۔ الفتن حدیث ۲۲۵۴)

قرآن کریم میں ایسی ہدایات موجود ہیں جس میں اہم ترین یہ آیت ہے: "من كفر بالله من بعد إيمانه، إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان ولكن من شرح بالكفر صدرا فعليهم غضب من الله ولهم عذاب عظيم ۔" (سورۃ النحل:۱۰۶)

(جو شخص دین لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے مگر جس شخص پر زبردستی کی جائے بشرطیکہ اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو لیکن ہاں جو جی کھول کر کفر کرے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہوگا اور ان کو بڑی سزا ہوگی۔) (کرونا مسائل واحکام ص:۱۱۶)

حکومت کی بیجا بندشوں کی وجہ سے اگر ہم کچھ شرعی امور انجام نہ دے سکیں یا خلاف شرع انجام دینے پڑ جائیں تو ہم نہ صرف معذور ہونگے بلکہ عنداللہ اجر بھی فوت نہ ہوگا۔

(۴) بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر

کسی وبا یا بیماری کے متعدی ہونے اور اس میں چھوت چھات ماننے کے تعلق سے بنیادی طور پر دو قسم کے نظریئے پائے جاتے ہیں: (۱) غیر اسلامی نظریہ (۲) اسلامی نظریہ۔ پھر اسلامی نظریہ کے حاملین کی دو قسم کی آراء ہیں۔

پہلا نظریہ: زمانہ جاہلیت کا قدیم سے یہ نظریہ تھا اور اب بھی یہ کفار کا قول ہے جیسے بعض اطباء بھی مانتے ہیں کہ بعض بیماریاں اس طرح متعدی ہوتی ہیں کہ اللہ کے تصرف کے بغیر ہی ان کی فطرت وطبیعت میں ہی دوسرے کو منتقل ہونا ہے وہ بذات خود دوسرے میں مؤثر ہوتی ہیں اور یہ جہال عرب کے اوہام وتوہمات میں سے ہے، وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ بیمار جب تندرست لوگوں کے اندر جاتا ہے تو وہ انہیں ضرور بیمار بنا دیتا ہے، احادیث پاک میں اس نظریہ کی صریح نفی فرمائی گئی ہے۔ اور اسکو کئی طریقہ سے باطل قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں صحت ومرض کی اضافت غیر اللہ کی طرف اعتقاداً ہو رہی ہے جس کا اسلام میں کوئی تصور ممکن نہیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نظریہ کا کبھی لا عدویٰ (ابوداؤد عن انسؓ) کہہ کر نفی فرمائی کہ مرض میں تعدیہ وچھوت کوئی چیز نہیں یعنی اسکا اعتقاد بالکل غلط ہے۔

کبھی فرمایا لا يعدى شئ شيئاً (رواہ احمد والترمذی) کسی ایک کا مرض دوسرے کو خواہ مخواہ نہیں لگتا یعنی کسی مرض میں خود یہ تاثیر نہیں کہ وہ دوسرے کو لگ جائے۔

کبھی آپ نے تعدیہ امراض کے شبہ کا یہ کہہ کر قلع قمع فرمایا: "فمن أعدى الأول"؟ (بخاری عن ابی ہریرةؓ) یعنی جب کسی نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شبہ کا ذکر کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس بہت اچھے صحتمند اونٹ ہوتے ہیں اگر ان کے درمیان کوئی بیمار خارشی اونٹ پہونچ جاتا ہے تو وہ سارے اونٹوں کو خارش زدہ کردیتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جو پہلا خارشی اونٹ ہے اسکو بیماری کس نے پہونچائی؟ یعنی یہ خارش کھجلی آخر کہاں سے آئی؟ کیا کسی دوسرے اونٹ نے اسکو خارش زدہ بنایا؟ تب تو یہ سلسلہ چلتا رہنا لازم آئے گا جس کے لئے کوئی انتہا نہیں ہے اور یہ محال ہے یا پھر اونٹ کے علاوہ کسی اور نے یہ بیماری پہونچائی؟ تو جس نے پہلے کو خارش زدہ بنایا اس نے دوسرے کو بھی خارش زدہ بنایا اور وہ اللہ ہی ہے جو ہر چیز کا خالق ہے۔

اسلامی نظریہ:

یہ تو غیر اسلامی نظریہ تھا، اسکے بالمقابل اسلامی نظریہ یہ ہے کہ کوئی بیماری اپنی اصل کے اعتبار سے متعدی نہیں ہوتی پھر اس میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ کیا بعض بیماریوں میں عادۃ اللہ یہ جاری ہے کہ وہ منجانب اللہ متعدی بنائی گئی ہیں یعنی جیسے عادۃ آگ میں جلانے کی صفت اللہ نے رکھی ہے ایسی ہی بعض بیماریوں میں پھیلنے کی صفت اللہ نے رکھی ہے؟ بعض اہل علم کی یہی رائے ہے، جبکہ دوسرے محققین اسکو بھی تسلیم نہیں کرتے بلکہ جس شخص کو مرض واقع ہونے کا اتفاق ہوتا ہے تو وہ اللہ سبحانہ وتعالی اسکے اندر ابتداء میں ہی پیدا کردیتے ہیں چنانچہ مشاہدہ میں یہ بات ہے کہ بہت سے صحت مند مریض سے ملتے ہیں انہیں وہ بیماری نہیں لگتی اور بہت سے جو مریض سے دور تھے انہیں وہ بیماری لگ جاتی ہے۔ یہ دونوں ہی قول اہل اسلام کے ہیں اور دونوں میں سے کسی بھی رائے کو اختیار کرنے میں کوئی شرعی محظور لازم نہیں آتا، ترجیحات کا اختلاف ہے، حافظ بن حجر عسقلانیؒ نے آخری قول کو ہی راجح قرار دیا ہے۔ (دیکھئے تفصیل بذل الماعون۔ ص:۳۴۳)

محور دوم: کرونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف

(۱) کیا کرونا کے زمانہ میں مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنے یا انفرادی نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

جواب:۔ اس مسئلہ میں مندرجہ ذیل تفصیل ہوگی۔

(۱) جس علاقہ میں کرونا وائرس کی وباء عام نہ ہو اور حکام کی طرف سے مساجد کے لیے تاکیدی پابندی نہ ہو تو محض کرونا وائرس کے ڈر سے صحت مند حضرات کا مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنا یا انفرادی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے کیوں کہ یہ عذر شرعی کے بجائے توھم پرستی پر عمل ہے جس کی شرعاً گنجائش نہیں ہے: "الجماعة سنة مؤكدة هو الأصح ولو تركها أهل ناحية أثموا ووجب قتالهم بالسلاح لأنها من شعائر الإسلام." (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ص ۱۳۳/۱)

(۲) جس علاقہ میں کرونا کی وباء عام ہوجائے یا سرکاری طور پر بندش ہوجائے تو اس علاقہ ومحلّہ کے لوگوں کے لیے مسجد میں نماز نہ پڑھنے کی رخصت ہوگی البتہ مساجد کا بالکلیہ تعطل اور وہاں نمازوں کا بالکل موقوف ہوجانا بھی درست نہیں اسلیے چند افراد ہی کے ذریعہ مساجد میں باجماعت نمازوں کا سلسلہ باقی رکھنا اہل محلّہ کے لیے فرض کفایہ ہے، اصحاب اقتدار کا مطلقاً مسجد کی نماز باجماعت پر پابندی لگانا بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔

(۳) شریعت مطہرہ میں مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے اعذار میں سے ایسے مریضوں کو بھی شمار کیا ہے جس سے لوگوں کو طبعی طور پر کراہت ونفرت ہوتی ہو جیسے جذامی، خارشی، استطلاق بطن قسم کے مریض، لہٰذا کرونا وائرس کے مریض کو بھی مسجد میں نماز نہ پڑھنے کے سلسلے میں نہ صرف معذور سمجھا جائے گا بلکہ مسجد میں آنے سے اس کو روکا جائے گا۔ کفایۃ المفتی میں ہے:

''ان صورتوں میں خود مجذوم پر لازم ہے کہ وہ مسجد میں نہ جائے اور جماعت میں شریک نہ ہو اور اگر وہ نہ مانے تو لوگوں کو حق ہے کہ وہ اسے

دخولِ مسجد اور شرکتِ جماعت سے روک دیں اور اس میں مسجدِ محلّہ اور مسجدِ غیر محلّہ کا فرق نہیں ہے، محلّہ کی مسجد سے بھی روکا جاسکتا ہے تو غیر محلّہ کی مسجد سے بالاوّل ٰی روکنا جائز ہے اور یہ روکنا بیماری کے متعدی ہونے کے اعتقاد پر مبنی نہیں ہے بلکہ تعدیہ کی شرعاً کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ نمازیوں کی ایذاء یا خوف تلویث مسجد یا تنجیس ماء وظروف وفروش پر مبنی ہے۔(کفایۃ المفتی جلد۴،ص:۳۰۱،محشی)

(۴) اگر حکومت کی جانب سے سب کی باجماعت نمازوں پر سخت پابندی لگادی گئی ہو تو جب تک یہ پابندی جاری رہے تو خوف ظلم کی وجہ سے اور حرج کی نفی کے پیش نظر مسجد کی نماز چھوٹ جانے کا عذر معتبر ہے ایسی صورت میں کوشش کریں کہ گھر پر ہی نماز باجماعت کا اہتمام ہو اور جماعت میں کوئی دشواری ہو تو اپنی اپنی نمازیں تنہا تنہا گھروں پر پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے بلکہ عذر کی وجہ سے جماعت مسجد کا ثواب بھی ختم نہ ہوگا اور گھر پر پڑھنے کے باوجود مسجد کی جماعت کا ثواب ملتا رہے گا۔

(۲) کرونا کے زمانہ میں ایک مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ پنج وقتہ نمازیں پڑھنے اور متعدد بار نماز جمعہ ادا کرنے کا حکم کیا ہے؟

کرونا کی وجہ سے امت جن مسائل سے دوچار ہے، اس میں ایک یہ ہے کہ مساجد میں مختصر جماعت کی جائے زیادہ بھیڑ بھاڑ نہ ہو جس کے نتیجہ میں یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ بقیہ لوگ نماز کہاں ادا کریں آیا اسی مسجد میں دوسری جماعتوں کا نظم کیا جائے یا پھر بقیہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں باجماعت نماز ادا کریں؟ تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ عام حالات میں کسی بھی نماز کی جماعت ثانیہ منع ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل محلّہ واہل مسجد نے معمول کے مطابق نماز ادا کرلی اور اس کے بعد اسی نماز کی دوسری جماعت کی جائے بالخصوص جب کہ اہل محلّہ ایسا کریں یہ منع ہے اور خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بھی یہی تھا۔ اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی معمول یہی نقل کیا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”إن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كانوا إذا فاتتهم الجماعة في المسجد صلوا في المسجد فرادى“ جب حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نماز باجماعت فوت ہوجاتی تو وہ مسجد میں تنہا نماز پڑھتے لیکن دوسری جماعت نہ کرتے۔

معلوم ہوا کہ مسجد میں ایک بار نماز باجماعت ہوجانے کے بعد دوسری جماعت تقلیل جماعت کے اندیشہ سے مکروہ ہے اور یہی رائے مذاہب اربعہ کے فقہاء کی ہے۔

لیکن اگر کسی جگہ پر تقلیل جماعت مطلوب ہو جیسا کہ کورونا جیسی صورت حال میں تو خود تقلیل جماعت مطلوب ہے۔ حکومت کی طرف سے ایک مخصوص جماعت سے زائد افراد کا جمع کرنا منع ہے تو اس صورت میں اگر دوسری جماعتوں کا اہتمام کیا جائے تو گنجائش معلوم ہوتی ہے اور کراہت بھی باقی نہ رہے گی اور اس سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ کے قول سے سہارا لیا جاسکتا ہے جس کو خود علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے: وعن أبي يوسف: إذا لم تكن على الهيئة الأولى لاتكره وإلا تكره، وهو الصحيح، و بالعدول عن المحراب تختلف الهيئة. (شامی ٦٤/٢)

یعنی اگر ہیئت اوّل ٰی پر نہ ہو تو کوئی کراہت نہیں اور اختلاف ہیئت کا مطلب یہ ذکر کیا ہے کہ محراب سے ہٹ کر دوسری جماعت کی جائے، اس کے علاوہ ایک سے زائد جماعت کے لیے ضروری ہے کہ امام بھی الگ ہو۔

اگرچہ اس زمانہ میں بعض اہل علم نے مجمع کی کثرت کی وجہ سے عام حالات میں بھی ایک مسجد میں متعدد جماعت کی اجازت دی ہے ممبئی کی کتنی مسجدوں میں اس کے مطابق عمل ہو رہا ہے، چنانچہ محمود الفتاویٰ ۳/۱۸۷، ۱۸۹) میں مفتی احمد خانپوری صاحب فرماتے ہیں کہ ”اگر وہاں قریب میں کوئی ایسا مکان یا بڑا ہال میسر ہو کہ اس میں جمعہ کی دوسری جماعت کی جاسکتی ہو تو وہ صورت اختیار کی جائے اور اگر کوئی ایسا مکان یا ہال میسر نہیں تو بدرجہ مجبوری جمعہ کی دوسری نماز اسی مسجد میں قائم کی جاسکتی ہے۔

جب مجمع کی کثرت کی وجہ سے بدرجہ مجبوری دوسری جماعتیں ہوسکتی ہیں تو کورونا کی وجہ سے جو حالات پیدا ہوئے ہیں وہ تو اس سے زیادہ

سخت ہیں، اس لیے ظاہر ہے اس میں بدرجہ اوّلی جماعت ثانیہ کی اجازت ہوگی۔

گذشتہ بالاسطور سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مخصوص حالات میں تابقائے عذر مساجد میں تعدد جمعہ و جماعات کی شرعاً اجازت ہے لیکن تعدد جمعہ و جماعات مسجد میں نہ کر کے گھروں کے صحن اور مکانات کے باہری کمروں میں نیز ہال وغیرہ میں کرنا زیادہ بہتر ہے یا عارضی حالات کے باقی رہنے تک مسجدوں میں ہی متعدد جماعتیں کرنا زیادہ مناسب ہے، اس سلسلہ میں اکابر اہل علم کی آراء مختلف ہیں۔

اس کے برعکس بعض اہل علم کا رجحان یہ ہے کہ مختلف مقامات میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن اگر لاک ڈاؤن جیسے حالات کے باوجود علاقہ یا محلّہ کی مسجد میں ہی متعدد جماعتوں کا نظام ہو جائے تو ایسی صورت میں مسجد میں تکرار جماعت کے اختیار کرنے کو ترجیح دینا بہتر ہوگا تاکہ لوگوں کے دلوں میں مساجد کی عظمت و اہمیت برقرار رہے اور لوگوں کا تعلق بھی مساجد سے باقی رہے۔ موقع و محل کے اعتبار سے ہر دو رائے پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

''اگر وہاں قریب میں کوئی ایسا مکان یا بڑا ہال میسر ہو کہ اس میں جمعہ کی دوسری جماعت ادا کی جا سکتی ہو تو وہ صورت اختیار کی جائے ورا گر ایسا کوئی مکان یا ہال میسر نہیں ہو تو بدرجہ مجبوری جمعہ کی دوسری نماز اسی مسجد میں قائم کی جا سکتی ہے، البتہ اس کے لیے ایسی ترتیب اختیار کی جائے کہ دونوں جماعتوں کا حق ادا ہو کہ کسی ایک کی تقلیل یا اس کی طرف سے بے اتفاقی لازم نہ آئے''۔ (محمود الفتاویٰ ۳/۱۸۹)۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے فتاوی میں ہے:

''اصل یہ ہے کہ مسجد میں ایک جماعت ہو، اس لیے اس کے لیے کوشش جاری رکھنی چاہئے اور جب تک یہ سہولت نہ پہونچے تکرار جماعت کے ساتھ ہی سہی تمام آنے والوں کے لیے جمعہ کی سہولت برقرار رکھنا چاہئے، کہ اس سے فریضہ دین کی اہمیت لوگوں کے ذہن میں باقی رہے گی، اوران کے ذہنوں میں اپنی مذہبی شناخت بھی قائم رہے گی''۔ (کتاب الفتاوی ۳/۸۱)

(۳) وبا کے زمانہ میں گھروں میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز تو اس کی کیا شرطیں ہیں

لاک ڈاؤن میں ملکی صورتحال اور حکومتی پابندی کی رعایت کے پیش نظر جن مقامات میں شرائط جمعہ کا تحقق ہو وہاں، مسجد یا غیر مسجد مثلاً گھر کے صحن، یا بیٹھک وغیرہ میں چار یا اس سے زائد عاقل بالغ افراد کے لیے متعدد جگہ جمعہ کا قیام جائز اور درست ہے کیوں کہ مختلف مقامات پر تعدد جمعہ علی الاطلاق جائز ہے اور یہ ممانعت اذن عام کے خلاف نہیں ہے اگر اس قسم کی ممانعت کو بھی اذنِ عام میں مخل مان کر عدمِ صحت جمعہ کا حکم لگایا جائے تو پھر لاک ڈاؤن وغیرہ کی صورت میں ہمارے ملک کی کسی بھی مسجد میں عام حالات کی طرح اذنِ عام نہ ہونے کی وجہ سے نماز جمعہ درست نہ ہونا چاہئے اس لیے کہ لاک ڈاؤن میں وہاں بھی پانچ سے زائد افراد کی ممانعت تھی اور اذان کے بعد مسجد کا دروازہ بند کرنے کا معمول تھا تاکہ لوگ مسجد میں نہ آسکیں تو کیا مساجد میں بھی محدود افراد کے ساتھ قیام جمعہ کو ناجائز کہا جائے گا؟ پس جس طرح حکومتی پابندی کی بناء پر محدود افراد کے ساتھ مساجد میں قیام جمعہ جائز ہے اور زائد افراد کو روکنا مخل اذن عام نہیں ہے اسی طرح گھر وغیرہ میں بھی شرائط کا خیال کرتے ہوئے قیام جمعہ جائز ہے کیوں کہ یہاں بھی اسی درجہ کا اذن عام ہے جس درجہ کا مسجد میں ہے۔ دار العلوم دیو بند کے فتوی میں ہے:

ب: محلّہ کے جو لوگ مسجد میں جمعہ ادا نہ کر سکیں اور وہ اپنی بیٹھک یا باہری کمرے میں انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کے بغیر، اذن عام کے ساتھ جمعہ قائم کر سکتے ہوں، یعنی: آس پاس والوں کو جمعہ کی اطلاع کر دی جائے تاکہ جو کوئی جمعہ میں آنا چاہے، آسکے اگرچہ قانونی مصلحت اور حکومتی پابندی کی وجہ سے پانچ کے بعد مزید لوگوں کو منع کر دیا جائے تو وہ حضرات بھی امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مرد مقتدیوں کو لے کر

مختصر خطبہ اور مختصر قرأت کے ساتھ ہی جمعہ ادا کریں۔اور اگر کسی جگہ انتظامیہ کی طرف سے کسی پریشانی یا روک ٹوک کا اندیشہ ہو تو جمعہ سے پہلے زبانی بات چیت کے ذریعے انہیں اعتماد میں لے لیا جائے۔(ن۔۶۸۱۔مورخہ ۶ رشعبان ۱۴۴۱ھ)

امدادالفتاوی میں ہے:

اذن عام ہونا بھی منجملہ شرائط صحت جمعہ ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا وہاں مقصود نہ ہو، باقی اگر روک ٹوک کسی اور ضرورت سے ہو، وہ اذن عام میں مخل نہیں۔(امدادالفتاوی،۱رص:۶۱۴)،مطبوعہ،مکتبہ زکریا دیوبند)

امدادالاحکام میں ہے:

اگر چھاؤنی یا قلعہ میں جمعہ ادا کیا جائے تو جائز ہے گو چھاؤنی اور قلعے میں دوسرے لوگ نہ آسکتے ہوں کیوں کہ مقصود نماز سے روکنا نہیں ہے بلکہ انتظام مقصود ہے۔(امدادالاحکام،۱،ص:۷۵۱،مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی)

جب کہ دوسرے بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ جمعہ کی دوسری جماعت کے بجائے ظہر کی نماز ادا کی جائے۔چنانچہ اس سلسلے میں مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی کا فتوی نظر سے گذرا جس میں حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ جتنا بھی غور کیا یہی سمجھ میں آتا ہے کہ گھروں میں جمعہ کا مسئلہ درست نہیں ہے۔پہلی بات تو یہ ہے کہ اب تک جتنے فقہا کی عبارتیں دیکھیں تو ان میں یہ نظر آتا ہے کہ اگر کسی کا جمعہ فوت ہو جائے تو مثلاً عبارت ہے:

وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة (درمختار۔ ۳۳/۳)

اور پھر ظہیریہ کے حساب سے خلاصہ میں یہ ہے کہ جماعة فاتتهم الجماعة فى مصر فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة (بحوالہ امدادالاحکام۔۱/۷۸۳) تو یہ کہیں نہیں کہا گیا لوگوں کو کہ جنکا جمعہ فوت ہو گیا ہے جا کر گھر میں جماعت کر لیں۔

دوسری بات یہ کہ جو جمعہ کا تصور ہے وہ مسجد کے بغیر نہیں الا یہ کہ کوئی بہت بڑا حلقہ کبیر ہو۔ بڑا اجتماع ہو تو ایسے گھر میں آئندہ اگر اسکی اجازت دے دی گئی تو لوگ کہیں گے ”بھئی اچھا آج ذرا ہمارے پاس مصروفیت ہے تو بجائے اس کے کہ مسجد میں جا کر جمعہ ادا کریں، ہم اپنے گھر میں پڑھ لیتے ہیں“، تو اس قسم کا دروازہ کھلنے کا اندیشہ ہے لہٰذا رجحان اسی طرف ہے کہ ظہر پڑھنا چاہئے۔

آگے فرماتے ہیں کہ ”البتہ جن لوگوں نے فتوی دیا ہے اور جن لوگوں نے مفتی کے فتوی کی بنیاد پر جمعہ پڑھ لیا تو چوں کہ مسئلہ مجتہد فیہا ہے تو اس واسطے کسی فتوائے مفتی کی بنیاد پر پڑھ لیا تو ہم اس کو باطل نہیں کہیں گے انشاء اللہ۔اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ معذور ہوگا اس کو ہم فاسد نہیں کہیں گے کہ وہ نماز ہی نہیں ہوئی اس کی۔

ترجیح الراجح

چوں کہ آج سے قبل تقریباً اس طرح کے حالات کبھی پیدا نہیں ہوئے کہ جمعہ و جماعت میں بھی محدود افراد کے علاوہ کے لیے شرکت پر پابندی ہو، اس لیے عام حالات میں اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں قیام مصلحت جمعہ کی اہمیت کے پیش نظر صرف مساجد ہی میں قیام جمعہ کا رواج اور معمول تھا اور یہی سلسلہ اب تک چلتا آ رہا تھا لیکن جب یہ مخصوص حالت پیدا ہوئی تو فقہاء کے اصول وضوابط کو سامنے رکھتے ہوئے، مساجد کے علاوہ چھوٹی جگہوں پر بھی جمعہ کی اجازت دی گئی یہ اگر چہ معمول قدیم کے خلاف ہے لیکن چوں کہ فقہاء کے اصول کے مطابق ہے اس لیے اسے ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اگر اس طرح مختلف مقامات پر چھوٹی چھوٹی جماعتیں قائم کرنے کی اجازت دی جائے تو پھر لوگ اس کو آئندہ کے لیے ایک معمول بنالیں گے اور پھر ذرا ذرا سی مصروفیت اور معمولی حیلہ اور بہانہ سے جمعہ ترک کر کے گھر میں جمعہ پڑھنے کی عادت بنالیں گے تو یہ شبہ بظاہر بہت زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہے۔کیوں کہ یہ بات عوام وخواص ہر ایک کو معلوم ہے کہ موجودہ حکم دائمی نہیں ہے بلکہ ایک

مخصوص حالت (کرونا کے باعث لاک ڈاؤن) کی بناء پر عارضی ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو پنج وقتہ فرض نمازیں بھی اپنے اپنے گھروں میں انفرداًیا جماعت کے ساتھ پڑھنے اور جماعت میں زیادہ بھیڑ جمع نہ کرنے کی اجازت اہل علم حضرات دے چکے ہیں، جس کے نتیجہ میں لوگ اپنے اپنے گھروں میں پنج وقتہ نماز ادا کررہے ہیں تو یہاں بھی تو یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ اگراس طرح مساجد کے علاوہ گھروں اور دیگر مقامات میں چھوٹی چھوٹی جماعت کے ساتھ فرض کی ادائیگی کی اجازت مل جائے تو پھر آئندہ لوگ یہ سمجھیں گے کہ مساجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا کوئی خاص اہمیت کا حامل نہیں ہے جس کی بناء پر لوگ عذر شرعی کے بغیر ہی اپنی تھوڑی مصروفیت کی وجہ سے مساجد میں جماعت کے ساتھ فرض پڑھنے کے بجائے اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھنے کا اہتمام کرنے لگیں گے تو جو شبہ جمعہ کے سلسلے میں پیدا ہوا ہے وہ شبہ پنج وقتہ فرض نمازوں کے سلسلے میں بھی ہے تو اس شبہ کی بنیاد پر گھروں میں فرض نماز پڑھنے یا جماعت کرنے سے بھی روکا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ نہیں روکا جائے گا تو جب جن لوگوں پر فرض ہے اور شرائط جمعہ کا لحاظ کرتے ہوئے گھروں اور دیگر مقامات میں اصولی اعتبار سے جمعہ کی نماز درست ہورہی ہے تو محض اس شبہ کی بنیاد پر قیام جمعہ کو کیسے روکا جاسکتا ہے بلکہ ایسی صورت حال میں علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو احکام شرعیہ بجالانے کا حکم دیں اور ساتھ ساتھ فقہی ضابطہ "الضرورة تتقدر بقدر الضرورة" سے آگاہ کرائیں۔

الغرض جس طرح لاک ڈاؤن میں پنج وقتہ نماز میں تقلیل جماعت اور تعداد جماعت کو نظرانداز کردیا گیا ہے اور مختلف مقامات پر جماعت کی ایک طرح ترغیب دی گئی اسی طرح شرائط جمعہ پائے جانے کی صورت میں گھر وغیرہ دیگر مقامات میں قیام جمعہ کو غلط قرار نہیں دینا چاہئے بلکہ اس کی ترغیب دینی چاہئے۔

(۴) ظہر پڑھنے کی صورت میں باجماعت پڑھیں یا تنہا؟

جواب: یہ بھی ایک اختلافی مسئلہ ہے جو اہل علم کے درمیان زیر بحث رہا ہے کہ اگر کسی وجہ سے جمعہ کے دن نماز جمعہ سے محروم رہ گئے تو ظہر ادا کرنی ہے۔ آیا با جماعت ادا کرنی ہے۔ یا تنہا تنہا، تو اگر چہ متقدمین فقہاء کی کتابوں کی روشنی میں تو یہی بات واضح نظر آتی ہے کہ "جماعة فاتتهم الجمعة فی مصر فإنهم یصلون الظهر بغیر أذان و لا إقامة و لا جماعة (بحوالہ امدادالاحکام ۷۸۳/۱) کہ اگر کچھ لوگوں کی جمعہ کی جماعت چھوٹ جائے تو ان کو ظہر تنہا پڑھنی ہے بغیر اذان واقامت اور بغیر جماعت کے، اسی بنیاد پر اہل علم کے ایک طبقہ کی رائے یہی ہے کہ ظہر تنہا پڑھنی ہے چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ میں ہے کہ" (۲)، قصبہ یا بڑے گاؤں میں جن لوگوں کے لیے جمعہ کا نظم نہ ہوسکے یا وہ کسی عذر کی بناء پر یا بلاعذر جمعہ نہ پڑھ سکیں وہ ظہر کی نماز تنہا تنہا پڑھیں گے جماعت کے ساتھ نہیں، کیوں کہ جس بستی میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہیں اور وہاں جمعہ قائم ہوتا ہو خواہ ایک جگہ یا متعدد جگہ نیز بڑی جماعت کے ساتھ یا چھوٹی جماعت کے ساتھ وہاں معذور یا غیر معذور ہر ایک کے لیے ظہر کی نماز باجماعت مکروہ ہے، فقہ حنفی کی تمام بنیادی کتابوں اور اکابر علماء دیوبند کے فتاویٰ میں ایسا ہی ہے۔ اور فقہی دلائل کی بنیاد پر یہی صحیح ہے اور جو لوگ ظہر باجماعت کی اجازت دیتے ہیں ان کی رائے پر اکثر اہل علم واصحاب فتویٰ کا عدم اطمینان بجا ہے۔

اس کے بالمقابل ایک دوسرے طبقہ کی رائے یہ ہے کہ حضرات فقہاء نے جن اسباب وعلل کی بنیاد پر جمعہ کے دن ظہر کی نماز کو مکروہ قرار دیا اور اس سے منع فرمایا، وہ اس زمانہ میں مفقود ہے اور وہ اقوال عام حالات کے اعتبار سے تھے اور یہاں کورونا کی وجہ سے صورت حال بالکل الگ ہے، اس لیے ان حالات میں بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز فوت ہوجانے کے بعد ظہر باجماعت ہی ادا کی جائے، چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ ایک فتویٰ میں تحریر کرتے ہیں کہ "جہاں تک ظہر کے بارے میں ایک دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آیا وہ جماعت سے پڑھی جائے یا انفرادی پڑھی جائے تو اس میں بھی رجحان یہ ہوا کہ جماعت کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے ان حالات میں۔

اس وجہ سے کہ یہ جو بعض فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ ظہر انفراداً پڑھی جائے، جماعت نہ کی جائے، جماعت کو مکروہ قرار دیا اس کے تین اسباب بیان فرمائے:

۱۔ایک یہ کہ معارضۃ ہوگا مسجد جانے سے، یہاں یہ بات نہیں پائی جارہی ہے، کوئی معارضہ نہیں، مسجد جامع کے اندر جو جمعہ ہو رہا ہے، وہ بھی محدود ہے۔

۲۔دوسرا یہ کہا تھا تقلیل جماعت ہوگی، تو یہاں پر اس کا بھی تصور نہیں ہے، تقلیل جماعت کا۔

۳۔تیسری بات یہ تھی کہ بعض غیر معذور لوگ بھی جب دیکھیں گے کہ جماعت ہورہی ہے تو وہ شامل ہوجائیں گے۔اس کا بھی یہاں کوئی تصور نہیں ہے۔

تو اس وجہ سے تینوں وجوہات جن کی بناء پر ظہر کی جماعت کو مکروہ کہا گیا تھا، تو وہ موجود نہیں ہے۔تو اب بہتر یہ ہے کہ اب جماعت سے پڑھیں نماز کو، کیوں کہ ایک طرف تو آدمی کا جمعہ چھوٹ گیا، دوسری طرف جماعت بھی گئی، تو کم از کم ظہر کی نماز جماعت سے پڑھ لیں۔

اس کے اوپر ''امداد الاحکام'' میں علامہ شامیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے، تحریمی نہیں ہے، تو اب وہ کراہت تنزیہی بھی اس مجبوری کے حالات میں، میں سمجھتا ہوں کہ کراہت تنزیہی بھی شاید نہ ہو بلکہ افضل یہ ہے کہ وہ نماز جماعت سے پڑھی جائے، جیسے عام حالات میں ہماری نماز کوئی فوت ہوجائے، خدانخواستہ، ظہر ہے، عصر ہے تو ہم گھر پر تنہا پڑھیں گے؟ یا جماعت کے ساتھ پڑھیں گے؟ ظاہر ہے کہ جماعت سے پڑھیں گے تو یہاں جو علتیں بیان کی گئی تھیں وہ علتیں اوّلاً تو یہاں پائی نہیں جارہی ہیں، اور ان علتوں کے ساتھ بھی علامہ شامی کہتے ہیں کہ یہ صرف کراہت تنزیہی تھی، اور اس کی تائید میں ''مضمرات'' کے حوالہ سے انہوں نے کہا کہ "یصلون وحداناً استحبابا" یعنی اکیلے پڑھنا مستحب ہے یہ کہا ہے تو علامہ اس سے یہ استدلال کر رہے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جماعت سے پڑھنا زیادہ سے زیادہ کراہت تنزیہی ہے۔

وہ جو علتیں تھیں وہ چوں کہ مفقود ہیں، لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ انشاء اللہ جماعت سے پڑھنا ہی زیادہ بہتر ہے۔

(فتویٰ از مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ دار العلوم کراچی)

حاصل کلام یہ کہ شہر، قصبات اور وہ سارے مقامات جہاں شرائط جمعہ پائے جاتے ہیں اور وہاں ایک یا کئی جگہ جمعہ قائم کیا جارہا ہے اور کچھ لوگ (مثلاً چار یا اس سے زائد افراد) جمعہ پڑھنے سے رہ جائیں اور ان میں وجوب جمعہ کی شرائط بھی موجود ہوں تو ایسی صورت میں اگر وہ شرائط جمعہ کا لحاظ کرتے ہوئے جمعہ پڑھ سکتے ہوں تو وہ جمعہ ہی پڑھیں گے بصورت دیگر انفرادی طور پر ظہر کی نماز ادا کریں گے جماعت کے ساتھ نہیں۔

(۵) کیا وباء کے زمانہ میں عیدین کی نماز گھروں میں پڑھنے کی اجازت ہے؟

عام حالات میں عیدین کی نماز جمعہ کی طرح بڑی اجتماعیت کا تقاضا کرتی ہے اسلیے عیدین کی نماز بالعموم آبادی سے باہر کھلے میدان اور بڑی عیدگاہ میں ادا کرنے کا اہتمام ہوتا ہے تاہم اگر کرونا جیسے ماحول میں اگر عیدین واقع ہوں اور کھلے عام نماز باجماعت کی بندشیں باقی ہوں تو جمعہ کی طرح عیدین کا بندوبست چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی صورت میں کرنا جائز ہوگا اور عیدگاہ و مسجد کے علاوہ گھروں میں بھی جمعہ کی شرائط کی طرح ان کی ادائیگی درست ہوگی یعنی جس طرح کورونا کی پابندی کی زمانہ میں ہم لوگ جمعہ مختلف جگہوں میں پڑھتے رہے ہیں اسی طرح عید کی نماز بھی ہالوں میں، گھروں کے صحن میں، چھت میں، جہاں میسر آئے پڑھ سکتے ہیں چوں کہ جو بھی جمعہ کے شرائط ہیں ادائیگی کے صحیح ہونے کے، وہی سب شرائط عید کی نماز کے لیے بھی ہیں، لہٰذا جو لوگ گائیڈ لائن کی بندشوں کی وجہ سے عیدگاہ یا جامع مسجد وغیرہ نہ جاسکیں تو وہ عید کی نماز محلّہ کی مسجد میں یا کسی ہال میں یا کسی جگہ میں جہاں پاس پڑوس کے چند لوگ جمع ہوسکتے ہوں ویسے تو کم سے کم چار افراد ہوں تو جمعہ اور عید کی نماز ہوسکتی ہے، چار افراد سے کم میں عید

کی نماز نہیں ہوسکتی، عید کی نماز میں اذان واقامت کا مسئلہ بھی نہیں ہوتا ہے، نہ کوئی اذان ہے، نہ کوئی اقامت ہے، عید کی نماز کا ٹائم صبح اشراق سے لے کر ظہر کا ٹائم شروع ہونے سے پہلے تک ہے، یعنی اشراق سے زوال تک کا وقت ہے، اس بیچ میں کسی بھی وقت چند لوگ جمع ہوجائیں، آس پاس کے لوگوں کو جمع کرلیں، گھر میں، کسی ہال میں، اور کوئی جو نماز پڑھا سکتا ہے، قرآن پڑھ لیتا ہے، دو رکعت نماز پڑھ سکتا ہے، اس کو امام بنادیں اور عید کی نماز اس کے پیچھے پڑھ لیں اور عید کی نماز میں بھی خطبہ ہوتا ہے جیسے جمعہ میں خطبہ ہوتا ہے، بس یہ ہے کہ جمعہ میں خطبہ نماز سے پہلے ہوتا ہے اور عید میں عید کی نماز کے بعد ہوتا ہے اور خطبہ کی اہمیت میں بھی فرق ہے، جمعہ میں تو خطبہ شرائط میں سے ہے، لیکن عید کا خطبہ سنت ہے، اگر عید میں کوئی امام صاحب ایسے نہیں مل پارہے ہوں جو خطبہ بھی پڑھ لیں، حالانکہ خطبہ دینا کوئی مشکل کام تھوڑی ہے، موبائیل سے دیکھ کر خطبہ پڑھ دے، کتاب سے دیکھ کر خطبہ پڑھ دے، چھوٹے سے چھوٹا خطبہ پڑھ دے، خطبہ اگر نہیں بھی پڑھ پارہے ہیں تو کم از کم دو رکعت عید کی نیت سے دوگانہ واجب چھ زائد واجب تکبیروں کے ساتھ جو پڑھی جاتی ہے وہ تو ضرور پڑھ لیں، اور اگر خدانخواستہ کوئی نماز پڑھانے والا بھی نہیں ہے، خطبہ پڑھنے والا تو ہے ہی نہیں، نماز پڑھانے والا بھی نہیں ہے، بس اندھے ہی اندھے ہیں، اندھوں میں کانا راجا کوئی نہیں ہے تو پھر تو مشکل ہے، اس میں پھر یہ کہا جاتا ہے کہ اگر عید کی نماز کی شکل نہ بن سکے یا شرائط پورے نہیں ہو پارہے ہوں تو ان کو چاہئے کہ چار رکعت نماز چاشت کی اس نیت سے پڑھ لیں کہ عید کا بدل بن جائیں تو چار رکعت چاہے دو دو کر کے پڑھے یا ایک تحریمہ سے چاروں رکعت پڑھے دونوں طرح درست ہے، یہ چار رکعت عید الفطر کی جگہ پڑھنا واجب نہیں صرف مستحب ہے۔

(٦) ماسک لگا کر نماز پڑھنے اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا حکم کیا ہے؟

کسی عذر کے بغیر ناک اور منہ کپڑے وغیرہ میں لپیٹ کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا عام حالات میں فیس ماسک لگا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، البتہ کسی عذر کی وجہ سے نماز میں چہرہ کو ڈھانپا جائے یا ماسک پہنا جائے تو بلا کراہت نماز درست ہوگی، کرونا وائرس کی وجہ سے حفظان صحت کے اصولوں کی رو سے حکومتی احکامات اور مسلمان دیندار تجربہ کار ڈاکٹروں کے مشورے کے مطابق اگر اس پر عمل کیا جائے تو نماز کراہت کے بغیر ادا ہوجائے گی"ویکرہ اشتمال الصماء والاعتجار والتلثم والتنخم و کل عمل قلیل بلاعذر." (الدر المختار حاشیہ ابن عابدین (رد المحتار ١/٦٥٢)

قولہ :والتلثم وھو تغطیة الأنف والفم فی الصلوٰة لأنہ یشبہ فعل المجوس حال عبادتھم النیران زیلعی، ونقل عن أبی السعود :أنھا تحریمیة ۔

دار العلوم دیوبند کے فتویٰ میں ہے:''حدیث میں ناک منہ ڈھانک کر نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے نیز کبھی اس سے قرأت کی ادائیگی بھی صحیح طور پر کرنے میں دشواری ہوسکتی ہے اس لیے اصل حکم تو یہی ہے کہ ناک منہ کھلا رکھا جائے۔

لیکن موجودہ وقت میں جیسا کہ کرونا کا خطرہ شدید بتلایا جارہا ہے، احتیاطاً ماسک پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ قرأت میں ادائیگی حروف کا خیال رکھا جائے؛'' (ماخذ دار الافتاء دار العلوم دیوبند، فتویٰ نمبر 177989، تاریخ اجراء ١٤/اپریل ٢٠٢٠)

صفوں میں فاصلہ سے کھڑے ہونے کا حکم

واضح رہے کہ احادیث میں باجماعت نماز کے دوران میں صفوں میں مل مل کر کھڑے ہونے اور درمیان میں خالی جگہ نہ چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اسالیب میں اس کی تائید فرمائی ہے، اس کی مخالفت کرنا اور بیچ میں فاصلہ چھوڑنا سنت متوارثہ کے خلاف ہے، احادیث میں اس پر سخت وعیدیں آئیں ہیں، اعلاء السنن جلد نمبر ٣/ میں علامہ ظفر احمد عثمانی صاحبؒ نے (سنیة تسویة الصفوف ورصھا''عنوان کے تحت صفوں میں مل مل کر کھڑے ہونے کو سنت مؤکدہ اور اس کی مخالفت کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمة

اللہ علیہ اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی امداد الفتاویٰ اور امداد الاحکام میں بلاضرورت اصطفاف بین السواری کو اسی وجہ سے مکروہ قرار دیا ہے کما فی امداد الاحکام: ۱/۵۲۳، وامداد الفتاویٰ ۱/۳۴۲۔ اسی طرح اگلی صف میں خالی جگہ چھوڑ کر پچھلی صف میں کھڑے ہونے کو علامہ شامیؒ نے مکروہ تحریمی فرمایا ہے، تاہم یہ حکم عمومی حالات کا ہے جب کوئی عذر نہ ہو، جہاں تک صورت مسئولہ کا تعلق ہے تو اس بارے میں کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا البتہ قواعد فقہیہ کی روشنی میں اس کا حکم یہ معلوم ہوتا ہے کہ ماہر اور متدین ڈاکٹر حضرات دو نمازیوں کے درمیان جتنے فاصلے کو لازمی قرار دیتے ہوں اس خاص صورت میں اتنا فاصلہ رکھنے کی گنجائش ہے، کیوں کہ:

(۱) بالکلیہ مسجد کی جماعت چھوڑنے کے بجائے اس کی ایک صفت (مل مل کر کھڑے ہونے) کو چھوڑ دینا ہے "أھون" یعنی کم درجہ کی برائی ہے۔

(۲) مسلمانوں کا اجتماعی طور پر مسجد کی جماعت سے ایک عرصہ کے لیے کٹنے سے جو خرابیاں پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہے اگر ان پر نظر ڈالی جائے تو بھی بالکلیہ جماعت چھوڑنے کے بجائے اس کی ایک صفت کو عارضی طور پر ترک کرنا اھون معلوم ہوتا ہے۔

(۳) علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلاصۃ الفتاویٰ کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص جماعت کے لیے آنے کی صورت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہو، اور گھر میں کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو ایک قول کے مطابق اس کے لیے حکم یہ ہے کہ جماعت میں شامل ہو اور بیٹھ کر نماز پڑھے، اس قول کی تصحیح بھی کی گئی ہے البتہ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جماعت میں شامل ہونے کے بجائے گھر میں قیام کے ساتھ نماز پڑھے گا، اسی دوسرے قول کو "اظہر" قرار دیا گیا ہے، بہرصورت جب ایک قول (جس کی فی نفسہ تصحیح بھی کی گئی ہے) کے مطابق جماعت میں شامل ہونے کے لیے نماز میں قیام کے بجائے قعود کی گنجائش دی گئی ہے تو مسجد کی جماعت حاصل کرنے کے لیے اس کی ایک سنت کو عارضی طور پر مجبوری کی وجہ سے چھوڑنے کی بدرجۂ اولیٰ گنجائش ہونی چاہئے پھر چوں کہ صورت مسئولہ میں جماعت کی یہ صفت اور سنت بھی ایک عذر کی وجہ سے چھوڑی جا رہی ہے، اس لیے اس کو چھوڑنے کی وجہ سے کراہت بھی پیدا نہیں ہوگی، اس صورت میں عذر کی وجہ سے کراہت پیدا نہ ہونے کی نظیر "قيام الإمام في المحراب، انفراد الإمام، أو المأموم على الدكان" والے تین مسائل ہو سکتے ہیں جو اصولاً تو مکروہ ہیں لیکن بوقت ضرورت فقہاء کرام رحمہم اللہ نے ان کی اجازت دی ہے اور کراہت کی نفی کی ہے، اس لیے ان مسائل سے بھی فی الجملہ استیناس کیا جا سکتا ہے۔ تاہم یہ فاصلہ کم سے کم ہونا چاہئے کیوں کہ ضرورت اور حاجت کی وجہ سے ثابت ہونے والے احکام کی اجازت بقدر ضرورت اور بقدر حاجت ہی ہوتی ہے کما في المجلة، المادة ۲۲: الضرورات تقدر بقدرها، والمادة ۳۲: الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة أو خاصة چوں کہ یہ اجازت مذکورہ عذر کے حقیقی ہونے اور رہنے کے ساتھ مشروط ہے اسلیے مسلمانوں پر بحیثیت مجموعی وقتاً فوقتاً اس عذر کے رہنے یا ختم ہونے کی تحقیق لازم ہے، تا کہ عذر ختم ہونے یا اس کی شدت میں کمی آنے کی صورت میں اس کے مطابق عمل کیا جا سکے، لأن ما جاز لعذر بطل بزواله، وإذا زال المانع عاد الممنوع. (المجلۃ، رقم المادۃ ۲۳،۲۴)

(۷) کرونا سے متاثر افراد کا مسجد آنا اور جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے؟

کرونا جیسی وبائی بیماری میں مبتلا شخص کو از خود احتیاط کرنا لازمی ہے، ایسے مریض کو بطور پرہیز کے الگ تھلگ رہنے کا حکم ہے۔ اور ظاہری اسباب کے تحت اس کا مسجد میں آنا دیگر حضرات کے لیے ضرر اور ایذاء کا سبب ہے۔ حدیث پاک میں اس طرح کے عذر اور خوف کی حالت کو مسجد میں نماز نہ پڑھنے کے سلسلے میں معتبر عذر قرار دیا گیا ہے۔

مفتی محمد سلمان منصور پوری لکھتے ہیں اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جو شخص حکومت کی پابندی یا بیماری کے ڈر سے جمعہ یا جماعت میں حاضر نہ ہو سکے۔ وہ شرعاً معذور ہے۔ اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔

اور موجودہ حالات میں یہ دونوں باتیں متحقق ہیں۔ "لاک ڈاؤن" کی وجہ سے حکومت کے جبر کا خوف بھی ہے۔ اور وبائی مرض (کووڈ ۱۹)

کے پھیلنے کا اندیشہ بھی ہے۔ اللهم احفظنا منه۔

فقہا نے لکھا ہے کہ جو شخص باجماعت نماز پڑھنے کا عادی ہو اور پھر کسی عذر کی وجہ سے وہ جماعت میں شرکت نہ کر سکے۔ تو ان شاء اللہ اسے گھر میں پڑھنے کے باوجود باجماعت نماز کا ثواب ملے گا۔ اس لیے جو حضرات مذکورہ اعذار کی وجہ سے خواہش کے باوجود جمعہ نہ پڑھ سکیں اور گھر پر ظہر کی نماز ادا کریں تو وہ ان کو مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے پورے اجر کی امید رکھنی چاہئے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

خلاصہ یہ کہ کرونا سے متاثر مریض کو مسجد میں جماعت کی نماز میں شامل ہونا مکروہ ہے، اس کو از خود پرہیز کرنا چاہئے۔ اگر وہ نہ مانے تو انتظامیہ بالجبر اس کو منع کر سکتی ہے۔

(۸) کرونا سے متاثر افراد کے لیے روزے کا کیا حکم ہے؟

جواب: حدیث پاک میں ہے:" من أفطر يوما من رمضان من غير رخصة ولا مرض لم يقض عنه صوم الدهر كله وإن صامه ." (مشکوۃ)

یعنی جس آدمی نے عذر اور بیماری کے بغیر رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دیا تو عمر بھر روزہ رکھنے سے بھی ایک روزہ کی تلافی نہیں ہوگی۔ اگرچہ قضا کے طور پر عمر بھر روزہ رکھ لے۔

لہٰذا شرعی عذر کے بغیر روزہ ترک کرنا حرام اور سخت گنا ہے۔

تاہم شریعت میں اس ماہ مبارک کی اہمیت اور جو واقعی اعذار وامراض ہیں ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند صورتوں میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت بھی گئی دی ہے۔ چنانچہ پانچ صورتوں میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔:

(۱) مرض: جس کی وجہ سے روزہ کی سکت نہ ہو۔ یا روزہ سے مرض بڑھ جانے کا غالب گمان یا ماہر مسلمان دیندار طبیب کی رائے ہو۔ محض اپنا وہم اور اندیشہ کافی نہیں ہے۔ (رفع عذر کے بعد قضا لازم ہے)

(۲) حاملہ: (حمل والی عورت) مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) جنکو روزہ سے اپنی جان یا بچے کو ایذا و تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ (رفع عذر کے بعد قضا لازم ہے۔)

(۳) شرعی مسافر: (مقیم ہونے کے بعد قضا ضروری ہے)

(۴) ایسا سن رسیدہ ضعیف (بوڑھا بڑھیا) جو روزہ نہ رکھ سکتے ہوں۔ معذور ہوں۔ وہ روزہ کے عوض مستحق کو فدیہ دے دیں۔

(۵) حائضہ اور نفساء عورتوں کے لیے روزہ رکھنا درست نہیں ہے۔ اگر رکھ لیں تو روزہ ادا نہ ہوگا اور یہ گنہگار ہونگی۔ پاک ہونے کے بعد روزے کی قضا لازم ہے۔

فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم ---- او مريض خاف الزيادة لمرضه وصحيح خاف المرض الخ۔ او مريض خاف الزيادة او ابطاء البرء وفساد عضو۔۔ الخ۔ (درالمختار مع رد المحتار۔ ج:۲۔ص: ۴۲۲، بيروت)

مندرجہ بالا عبارت سے واضح ہوا کہ:

(۱) کسی بھی مرض میں محض توہم اور اندیشہ کی بنیاد پر روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہوگا، البتہ شدید مرض والے افراد یا جنہیں مسلمان دیندار ڈاکٹر کسی مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کا حکم دے تو ان کا عذر معتبر مانا جائے گا۔

(۲) جن لوگوں کا کرونا ٹیسٹ مثبت ہے انہیں طبیب کی رائے کی بنیاد پر روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوگی۔

(۳) جولوگ ابھی اس میں مبتلا نہیں ہوئے، انہیں روزہ چھوڑنا جائز نہیں بلکہ احتیاطی تدابیر اپنائیں اور سحری، افطاری میں صحت افزاء اور متوازن غذائیں استعمال کریں، جس سے ان کے جسم کا نظام مضبوط ہو اور طاقت ور رہے اور قوت مدافعت میں کمی نہ آئے۔

(۴) اگر روزوں کی وجہ سے کسی صحت مند کے مریض ہو جانے یا معمولی مریض کی طبیعت زیادہ خراب ہونے کا قوی تر اندیشہ ہو اور ماہر دیندار ڈاکٹر بھی روزہ چھوڑنے کا مشورہ دیں تو ایسی صورت میں مریض کے لیے روزہ چھوڑنے کی گنجائش ہے اور صحت یاب ہونے کے بعد ان کی قضاء لازم ہوگی۔

(۵) اگر مرض دائمی ہو اور صحت یابی کی امید نہ ہو تو ہر روزہ کے بدلے میں ایک صدقہ فطر کی مقدار میں فدیہ (پونے دو کلو گندم یا اس کی قیمت) کسی مستحق زکوٰۃ کو دینا لازم ہوگا۔ واضح رہے کہ فدیہ دینے کے بعد اگر عمر کے کسی حصہ میں یہ مریض صحت یاب ہو جاتا ہے تو فدیہ دینے کے باوجود ان روزوں کی قضاء کرنی ہوگی۔

(۹) کیا کرونا کی وجہ سے عام مسلمانوں کو حج و عمرہ سے روکا جا سکتا ہے؟

کرونا وباء کی محض وحشت اور دہشت اور غیروں کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر حرم مکی و مدنی کے آمد و رفت پر پابندیاں عائد کر دینا اور حج و عمرہ جیسی عبادتوں سے عام مسلمانوں کو قطعاً روکنا کسی طرح شرعاً درست نہیں۔

صرف ایسے ہی حضرات کے لیے جو واقعتاً کرونا کے مرض سے عملاً متاثر ہیں جس کا تذکرہ نمبر (۷) کے تحت گزرا ان پر یہ پابندی عائد کی جا سکتی ہے کہ وہ جب تک صحت یاب نہ ہو جائیں وہ حج و عمرہ کے لیے نا اہل قرار پائیں، باقی صحت مند افراد کے لیے محض وہم اور اندیشہ کی بناء پر پابندی لگانا اور طواف و عمرہ حج و زیارت کا موقع نہ دینا یا ارباب اقتدار کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے، لیکن اگر حکومت کی جانب سے پابندی عائد کر دی گئی تو ایک طرف یہ کوشش ہونی چاہیے کہ وہ پابندی ہٹا دیں اور جب تک پابندی نہ ہٹے شرعاً خوف ظلم کی وجہ سے اور حرج کے دفع کے پیش نظر لوگ حج و عمرہ کے سفر کے سلسلے میں شرعاً معذور قرار پائیں گے۔

اب جن لوگوں پر حج فرض تھا اور وہ کورونا کے حالات کی وجہ سے حج پر نہیں جا سکے تو آئندہ استطاعت باقی رہنے پر تو حج فرض ادا ہی کرنا ہوگا لیکن استطاعت باقی نہ رہنے پر مثلاً بہت گراں ہونے کی بناء پر اب وہ نہیں جا سکتے تو چوں کہ پہلے نہ جا سکنا عذر شرعی کی بناء پر تھا لہٰذا اس کا اعتبار کرتے ہوئے حج کی آدائیگی کا مطالبہ ایسے غیر مستطیع حضرات سے ساقط ہو جائے گا تاہم ایسے لوگوں کو حج بدل کی وصیت کر جانا احتیاطاً لازم ہے۔

محور سوم: کرونا کے زمانے میں مساجد سے متعلق مسائل

(۱) کرونا کے زمانہ میں مساجد کو بند کرنا کیسا ہے؟

جواب: جس محلّہ میں کرونا وائرس کی وباء عام ہو جائے تو اس محلّہ کے لوگوں کے لیے مسجد میں نماز نہ پڑھنے کی رخصت تو ہوگی البتہ اس محلّہ کے چند لوگوں کو یا صحت مند افراد کو مسجد میں باجماعت نمازوں کا اہتمام کرنا اور مساجد کو آباد رکھنا پھر بھی لازم رہے گا، اگر مسجد میں باجماعت نماز پورے محلے والوں نے ترک کر دی تو پورا محلّہ گنہ گار ہوگا کیوں کہ مسجد کو اس کے اعمال سے آباد رکھنا فرض کفایہ ہے، اس لیے حکومت و حکام کا مسجد کو بالکلیہ بند کرا دینا، مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے پر پابندی لگا دینا جائز نہیں ہے، امام رازی علیہ الرحمۃ تفسیر کبیر مفاتیح الغیب میں لکھتے ہیں:

السعی فی تخریب المسجد قدیکون لوجهین احدهما: منع المصلین والمتعبدین والمتعهدین له من دخوله فیکون ذلك تخریباً۔ والثانی: بالهدم والتخریب۔

”هـذه الآية التـي نـحـن فـي تـفسيرها وهي قوله تعالىٰ: ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيه اسمه فإن ظاهرها يقتضي أن يكون الساعي في تخريب المساجد أسوأحالاً من المشرك“

”وثـانيهـا: قـوله تعالىٰ: انما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر(التوبه: ۱۸) فجعل عمارة المسجد دليلا على الإيمان، بل الآية تدل بظاهرها على حسب الإيمان فيهم لأن كلمة إنما للحصر“

(تفسير الرازي ، مفاتيح الغيب او التفسير الكبير ـ ١٣/٤)

بہرحال مساجد کی بندش اور جمعہ وجماعت کی نماز پر مطلق پابندی شرعاً درست نہیں ہے، صرف بیمار ومعذور افراد کو روکا جاسکتا ہے لیکن اگر حکومت مساجد کو بند کردینے کا حکم دے دے اور عامۃ المسلمین کو اس کی خلاف ورزی پر ضرر اور گرفت کا اندیشہ ہو تو عامۃ المسلمین گنہ گار نہ ہوں گے، حکومت گنہ گار ہوگی اور عوام معذور ہوگی، البتہ وہ حضرات جن کا اثر ورسوخ ہے ان کی ذمہ داری ہے کہ مساجد پر سے پابندی کو ختم کراکر مساجد کی آبادی کی سعی کریں۔

(۲) کیا جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان دی جائے گی؟

جواب: مساجد میں اگر نماز با جماعت کو موقوف کردیا گیا ہو (جس کا ناجائز ہونا اوپر مذکور ہوا) پھر بھی پنج وقتہ نمازوں کے لیے اذان کا اہتمام کیا جانا بدستور سنت مؤکدہ باقی رہے گا، کیوں کہ اذان نماز کی دعوت ہے اور ہر نماز کے وقت اس کی یاددہانی کی حاجت ہے، لہٰذا اس کو ترک کرنا درست نہیں، الأذان شرعاً إعلام دخول وقت صلوٰۃ (ہدایہ جلد ا صفحہ ۸۴) نیز یہ اسلام کا شعار ہے اور مسلمانوں کے وجود کی پہچان ہے اس لئے اس کی تاکید یہاں تک ہے کہ اگر کوئی مسلم بستی اذان کو بالکلیہ چھوڑنے کا ارتکاب کرے تو حکومت اسلامیہ اس بستی کے مسلمانوں سے جنگ کرکے ان کو اذان کی عادت پر واپس لائے گی۔ الأذان سنة مؤكدة، وقال بعض مشائخنا: واجب، لقول محمد لو اجتمع اهل بلدة على تركه قاتلناهم عليه. (ہدایہ۔ا/۸۴)

لہٰذا نماز کے اہتمام کے ساتھ اذان کا اہتمام بھی لازم ہے۔ گھروں میں جو لوگ نماز پڑھیں گے ان کی نماز با جماعت کے لیے بھی اذان سنت ہے اور یہ سنت کی ادائیگی محلّہ کی مسجد کی اذان سے کافی ہوجاتی ہے، کرونا وباء کے زمانہ میں مساجد جب کہ بند ہوتی ہیں یا ان میں مختصر ہی جماعت ہوتی ہے، چھوٹی چھوٹی جماعتیں جو مختلف مقامات پر ہوتی ہیں، ان جماعتوں کے لیے بھی اذان کا حکم ساقط نہیں ہے، البتہ مسجد محلّہ کی اذان ان سب کے لیے کافی ہے، اس لیے مساجد سے اذان کا سلسلہ موقوف کرنا کسی طرح درست نہیں ہوگا۔

”فـان صـلـى فـي بيتـه في المصر بأذان وإقامة ليكون الأداء على هيأة الجماعة وإن تركهماجاز، لقول ابن مسعود أذان الحي يكفينا(هدايه ج١ ص ٩٠)

البتہ مساجد پر عمومی پابندی کے زمانہ میں اذان کے ساتھ مزید یہ اعلان کہ لوگ گھروں پر ہی نمازیں ادا کرلیں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے جیسا کہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم وعہد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جب بارش ہوتی اور گھروں سے مسجد جانے میں زحمت ومشکل کا سامنا ہوتا تو اذان کے ساتھ اعلان کیا جاتا کہ لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیں۔

لہٰذا مخصوص حالات میں جب کہ مسجدوں میں نماز معمول کے مطابق نہ ہوسکے تو اس وقت بھی اذان کو نہ چھوڑا جائے گا البتہ اذان کے بعد یہ اعلان کیا جاسکتا ہے کہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں نماز کا اہتمام کریں ”الا صـلـوا فـي الـرحـال، صلوا في بيوتكم، يا صلوا في رحالكم“ کے ہم معنیٰ کوئی جملہ مقامی زبان میں یا عربی کے ساتھ ملاکر کہنے کی اجازت ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث کا مقتضا ہے۔

لیکن اگر کسی جگہ حکومت یا مقامی انتظامیہ اذان سے بھی منع کرے تو خود کو قانون کی گرفت سے بچاتے ہوئے سرًا یا ہلکی آواز سے اذن دینے پر اکتفا کیا جائے اور قانونی چارہ جوئی بھی کی جائے۔

(۳) جماعت میں کتنے افراد شریک ہوں، اس بارے میں گورنمنٹ کی ہدایات کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

جواب: حکومت کی جائز باتوں میں اطاعت شرعاً لازم ہے، اگر تجربہ ومشاہدۃ کی رو سے تکثیر جماعت میں ازدیاد مرض کا واقعی خطرہ ہو۔(حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے) تو حکومت کے اس اعلان پر عمل کرتے ہوئے حکومت جتنے افراد کی اجازت دے اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔ لیکن گورنمنٹ کی بہت سی ہدایات توہم پرستی اور دیگر اغراض پر بھی مشتمل ہوتی ہیں جن پر شرعاً عمل درست نہیں ہوتا ایسی ہدایات قابل لحاظ نہیں ہونگی۔ خصوصاً جب کہ حکومت غیر اسلامی ہو اور وہ دوہرا معیار اپنی ہدایات میں اپنائے تو ایسی صورت میں مسلمانوں کو خوف وخطرات سے تحفظات کے ساتھ اپنی شریعت کو بھرپور انداز میں پیش نظر رکھنا چاہئے۔ لہٰذا عملی طور پر جب کہ بیماری کا محلّہ میں کوئی خصوصی اثر نہ ہو اور نہ ہی دیندار ماہر اطباء کی نگاہ میں واقعی تقلیل وتخفیف جماعت کی کوئی ضرورت ہو تو افراد کی تحدید پر مسجد کی انتظامیہ کو عمل نہ کرنا چاہئے بلکہ حکومت کے حکم کی تعمیل کے اظہار کے لیے کوئی اعلان وغیرہ مسجد کے باہر چسپاں کردینا کافی ہے۔ البتہ اگر اس ہدایات پر عمل آوری کے لیے حکومت کی طرف سے جبر ہو تو ظاہر ہے جتنے افراد کا تعین حکومت کررہی ہے اس کو ملحوظ رکھنا مجبوری ہے اور اس کے لیے ارباب مسجد شرعاً معذور ہونگے۔ ماحول اور حالات کے اعتبار سے مسجد میں حاضرین کے لیے تسامح یا تشدید کی صورت اختیار کرنا مناسب ہوگا۔

(۴) مساجد کے کسی حصہ یا ملحق جگہ کو کووڈ سینٹر بنانا کیسا ہے؟

مسجد خانۂ خدا، جائے عبادت کا نام ہے، جو نماز، تلاوت ذکر وفکر اور وعظ نصیحت وغیرہ امور آخرت کے لیے وقف ہوتی ہے، اسی لیے مسجد میں کسی قسم کا کاروبار، خرید وفروخت نیز کھانا پینا، رہنا، سہنا وغیرہ منع ہے۔ مساجد کو پاک وصاف رکھنے، حائض ونفاس وجنبی کی آمدورفت سے دور رہنے اور بچوں کو لانے سے احتیاط برتنے نیز شور وشغب، دنیا کی باتوں سے اجتناب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ مسجد کے حدود میں مریضوں کو ٹھکانہ دینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مذکورہ بالا مسجد کے سارے احکام پامال ہوکر رہ جائیں گے۔ مسلم وغیر مسلم، پاک وناپاک عورتیں بچے، سب اسپتالوں کی طرح آئیں، جائیں گے، رونا پیٹنا بھی ہوگا، نجاست اور فضلات بھی مسجد کے اندر ہوں گے خوہ اسکی فی الفور صفائی ہوتی رہے لیکن یہ سب امور لازم آئیں گے، دنیا کی باتیں ہونگی دواؤں کی خرید وفروخت، لین دین وغیرہ یا ان کی باتیں ہی سب مسجد میں ہونگی۔ ظاہر ہے کہ مسجد کے اندر ان امور کی شریعت مطہرہ میں بالکل گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ یہ صریح مسجد کے مقصد کے خلاف ہے، بے ادبی ہے، کھلا ہوا گناہ کا ارتکاب ہے۔

اب اگر مسجد کو کورنٹائن سینٹر بنا کر لوگوں کو عبادت کے لیے مسجد آنے سے روکا جاتا ہے تو یہ تو بالکل ہی قلب موضوع اور بنائے مسجد کے خلاف ہے جو ہرگز جائز نہیں۔ اور اگر عبادت کی جگہ چھوڑ کر مسجد کے خارجی حصہ کو کووڈ سینٹر بناتے ہیں تو اگرچہ اس میں یہ تمام خرابیاں لازم نہ آئیں لیکن اس کے اثرات مسجد پر پڑیں گے۔ مستقبل میں مسجد کو دیگر حکومت کے کاموں الیکشن وغیرہ یا سماجی کاموں شادی ہال وغیرہ کے طور پر استعمال کے تقاضے شروع ہوں گے اور انسانی ضروریات وخدمات کے نام پر ان پر اصرار ہوگا، اس لیے اس پر بند لگانا ابھی سے ضروری ہے۔

مذکورہ بالا رائے جمہور علماء کی ہے، دار العلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور ان سے مربوط تقریباً تمام اربابِ افتاء کا یہی فتویٰ ہے۔

خلاصہ یہ کہ مساجد کو کووڈ سینٹر بنانا جائز نہیں ہے، ایسا کرنے سے مساجد کے مقاصد فوت ہوجائیں گے، ان کا احترام ختم ہوجائے گا

اورواقعی اس کی ضرورت اس لیے بھی نہیں ہے کہ مساجد کے علاوہ بہت سے متبادل مقامات سرکاری و پرائیویٹ اسکول کالج، وشادی گھروغیرہ موجود ہیں جنہیں ہنگامی حالات میں بلامحظورشرعی کووڈ سینٹر بنایا جاسکتا ہے۔

محور چہارم: کرونا سے متأثر مریض کی تیمارداری

۱۔کرونا سے متأثر کوالگ تھلگ کردینااوراس کی تیمارداری نہ کرنا کیسا ہے؟

جواب: ۱۔مریض کوئی ہواور مرض بھی کیسا ہی ہو،کبھی بھی مرض میں مبتلاء مریض کوالگ تھلگ کرکے اس کو اسی کے رحم وکرم پر چھوڑ دینا اور اس کی تیمارداری نہ کرنا یہ حدّ انسانیت سے گری ہوئی بات ہے اور انسانیت کے رشتہ وناطہ سے جوایک دوسرے پر حق رکھا گیا ہے اس کی حق تلفی ہے ایسے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیمات خیرالناس من ینفع الناساو رالخلق عیال الله فأحب الخلق إلى الله من أحسن إلى عیالہٖ (الترغیب، کتاب البر والصلۃ ص ۳۹۴ ج ۳) کے تحت بلاتفریق مریض کی خدمت وعیادت میں لگ کر اللہ کی مخلوق سے حسن سلوک کے ذریعہ اللہ کا قرب ومقام حاصل کرنے کی سعی کرنی چاہئے۔

۱۔حدیث پاک میں عیادۃ المریض کو بلا استثناء کے حق مسلم قرار دیا گیا ہے۔ (مسلم، کتاب السلام رقم الحدیث:۲۱۶۲)

۲۔کرونا وغیرہ کسی بیماری میں مبتلاشخص قابلِ رحم ہے اس کو تسلی دینا اسکی خدمت کرنا واجب ہے حدیث میں ہے:"لایرحم الله من لا یرحم الناس." (بخاری کتاب التوحید رقم الحدیث ۷۳۷۶ ومسلم کتاب الفضائل) یعنی جولوگوں پر رحم نہیں کھا تا اللہ پاک بھی اس پر رحم نہیں کرتا۔اس لیے کرونا وباء سے بچنے کے لیے کرونا کے مریض سے دور بھاگنا مسئلہ کا حل نہیں ہے جو مریض کی خدمت میں لگتا ہے اللہ پاک اس کی حفاظت فرماتا ہے۔

۳۔کرونا جو طاعون کے مشابہ ہے، طاعون کے اندر بھی سارے لوگ مریض کو چھوڑ دیں اس کی اجازت نہیں دی گئی،اسی پر قیاس کرتے ہوئے کرونا مریض کوالگ تھلگ کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، یہ الگ تھلگ کرنے کی بنیاد ہی جہالت کے اس عقیدے پر ہے کہ یہ مرض ازخود متعدی ہے قدرتِ خداوندی کے بجائے اس مرض کو مؤثر ذاتی ماننے والے ایسے مریض کو چھوڑ کر بھاگتے ہیں،اسلام اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا،مرض کا لگنا نہ لگنا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے،ہمیں یہی حکم ہے کہ مریض کے حقوق سے پہلوتہی نہ کریں۔اس لیے طبی عملہ،اور مریض کے متعلقین اہل قرابت کی ذمہ داری ہے کہ وہ کرونا کے مریض کی ایسے ہی دیکھ ریکھ رکھیں جیسا کہ اور مریضوں کی رکھی جاتی ہے۔

۴۔مریض کی عیادت کی جوفضیلتیں کثرت سے احادیث میں وارد ہیں اس کا تقاضا ہے کہ ان پرعمل کی ترغیب دے کر مریضوں کا غم ہلکا کیا جائے اور دنیاوآخرت کی سرخروئی حاصل کی جائے،مثلاً حدیث میں ہے:

"فإذا دخلتم على المريض فَنفِّسوالهُ إلى أجلهِ فإن ذلك لايُردُّ شيئاوهويطيب نفس المريض. (ترمذی، ابن ماجہ)

یعنی جب تم بیمار کی عیادت کروتو اس کولمبی زندگی کی دعاء دو کیوں کہ اس سے کسی چیز کو رد تو نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ بیمار کے دل کوخوش ضرور کرتا ہے۔

(۲) کرونا سے متأثر مریض کے علاج کا خرچ اگر افراد خاندان برداشت نہ کرسکیں تو حکومت یا سماج کی کیا ذمہ داری ہوگی؟

جواب: مریض کی خدمت وعیادت کی طرح مریض کا علاج کرانا بھی مریض کا حق ہے،علاج کی مختلف صورتوں میں سے جوصورت اہل خانہ کی حیثیت ومزاج کے موافق ہواس کو اپنانا مریض کے اہل قرابت کی ذمہ داری ہے،لیکن علاج اگر مریض کے اہل خاندان کے دسترس سے باہر ہو تو پاس پڑوسی اور اہل محلّہ نیز حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا تعاون کریں۔ارباب ِثروت پر لازم ہے کہ ان کی مالی خدمت کریں حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں۔

زکوٰۃ دے کر بے فکر اور بے رحم نہ ہوجائے کہ اب میرے ذمہ کسی کی کوئی ہمدردی لازم نہیں رہی، زکوٰۃ تو ایک بندھا ہوا حق ہے باقی بہت سے متفرق کام ایسے بھی ہیں کہ موقع پر ان میں مال خرچ کرنا اور جس کے پاس مال نہ ہو یا اس میں مال کا کام نہ ہو تو جان سے مدد کرنا بھی ضروری ہے، باقی ضرورت کا درجہ اس کی تحقیق علماء سے ہوسکتی ہے اس کی اجمالی دلیل یہ آیت اور حدیث ہے۔

عن فاطمة بنت قيس رضى الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن فى المال لحقاً سوى الزكاة، ثم تلا (استشهاداً): ليس البر أن تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب الآية ـ

(أخرجه الترمذى فى جامعه، ابواب الزكاة، باب ماجاء ان فى المال حقا سوى الزكاة، رقم الحديث (٦٥٩) وابن ماجه فى سننه ابواب الزكاة باب ما أدى زكاته ليس بكنز، رقم الحديث (٧٨٩)

یعنی حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی کچھ حقوق ہیں پھر (اس کی تائید میں) آپ نے یہ آیت پڑھی: لیس البر ان تولوا" الآیۃ۔ (البقرہ: آیت: ۱۷۷) (ترمذی وابن ماجہ ودارمی) حیات المسلمین ص ۲۰۰)

خلاصہ یہ کہ کرونا جیسی وبائی بیماریوں میں مسلم تنظیموں، حکومتوں کے ساتھ ساتھ تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ حسبِ استطاعت کم ازکم اپنے اپنے محلّہ کے غریب مسلم وغیر مسلم بھائیوں کی مدد کریں، ان کا علاج کرائیں، ان کو کھلائیں پلائیں اور انسانیت کے ناطے جو بن پڑے وہ حاجت مندوں کے ساتھ کرتے رہیں۔

محور پنجم: کرونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

۱۔ کرونا سے انتقال کرنے والوں کو غسل کس طرح دیا جائے؟

اگر غسل دینے کی اجازت نہ ہو یا غسل ممکن نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ کیا بلا غسل دفن کرنا جائز ہوگا؟

جس طرح عام حالات میں غسل، کفن، نماز جنازہ اور دفن کرنا فرض کفایہ ہے اسی طرح کورونا کے ماحول میں بھی مسلمانوں کو غسل دے کر اور اس پر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کرنا فرض کفایہ ہے چوں کہ کرونا میں مرنے والوں کی لاش کو بہت محتاط طریقہ پر کور وغیرہ میں پیک کردیتے ہیں جس کو کھولنے کی اجازت نہیں ہوتی تو ایسی صورت میں اگر کسی طرح میت متعلقین کے حوالے ہوجائے تو اس کو گھر والے باقاعدہ غسل وکفن دے کر نماز پڑھیں گے اور دفن کریں گے، اور اگر اسپتال والے پیک کرنے کے بعد اس کو ہرگز کھولنے کی اجازت نہیں دیتے جس سے میت کو نہ غسل کرا سکتے ہیں اور نہ تیمّم تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے اُسی کور کو کفن مان کر اوپر سے پانی بہا دیا جائے یا تیمّم کرا دیا جائے یا اس کو کفن کے حکم میں نہیں مانا جائے گا اور ایسی صورت میں غسل وتیمّم کا حکم ساقط ہوجائے گا۔

اس مسئلہ میں اہل علم کی آراء مختلف ہیں:

ایک رائے یہ ہے کہ میت جس پلاسٹک میں بند ہے اس کے اوپر غسل کی نیت سے پانی بہا دیا جائے، کیوں کہ میت کو غسل دینا واجب ہے اور یہ مسلمان کے ذمہ اور اس کا حق ہے جو صرف بیماری لگنے کے خطرے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ فتاوی تاتارخانیہ (۱۰/۳) میں ہے: ولو كان الميت متفسخا يتعذر مسحه كفى صب الماء عليه وكذافى مراقى الفلاح ـ (ص: ٢١٤)

یعنی ان حضرات کے نزدیک میت کا کورکفن کے حکم میں مان کراس کے اوپر پانی بہا کرنماز پڑھ لی جائے گی۔یہ رائے دارالعلوم کراچی کے دارالافتا اوراس کے ہم خیال اہل علم کی ہے۔نیز بعض حضرات کی یہ بھی رائے ہے کہ کور کے اوپر سے بھیگا ہاتھ یا بھیگا کپڑا وغیرہ پھیر دیا جائے تا کہ مسح کے قائم مقام ہوجائے اور کسی نہ کسی درجہ میں طہارت کے مسئلے پرعمل ہوجائے۔

دوسری رائے:

جب کہ اس کے بالمقابل دارالعلوم دیوبند اوراس کے ہم خیال اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اگر براہ راست میت کوغسل یا تیمّم کرانے کی کوئی شکل نہ بن سکے اوراسپتال کے عملے کی طرف سے میت کومخصوص تھیلے میں پیک کر دیا گیا ہواوراسے کھولنے کی قطعاًاجازت نہ ہوتوایسی مجبوری میں غسل اور تیمّم کاحکم ساقط ہوجائے گااوراسی حالت میں مرحوم کی نماز جنازہ پڑھ کرتدفین کردی جائے گی۔

ان حضرات کے دلائل یہ ہیں:

جس طرح نمازی کی کلی یاجزوی طہارت ایسی شرط ہے جوعذر یامجبوری میں ساقط ہوجاتی ہےاسی طرح نماز جنازہ کے لیےمیت کی طہارت بھی ایسی شرط ہے جوعذر یامجبوری میں ساقط ہوجاتی ہے مثلاًاگرکوئی شخص بیمار ہواورغسل اعضاءاور تیمّم پرقادرنہ ہوتووہ بلاطہارت نماز پڑھےگا۔

اسی طرح اگرکسی کے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت اور دونوں پیر ٹخنے سمیت کٹے ہوئے ہوں اور چہرے پرزخم ہوجس کی وجہ سے چہرہ پرمسح وغیرہ نہ ہوسکےتوطہارت کاحکم ساقط ہوجائے گااورایساشخص بلاطہارت نماز پڑھےگا۔

ترجیح الراجح

خلاصہ یہ ہے کہ کروناوائرس میں انتقال کرنے والی میت کواگرتمام ترکوشش کے باوجودغسل دینے یاتیمّم کرانے کی کوئی صورت نہ بن سکےتو ایسی مجبوری میں غسل یاتیمّم کاحکم ساقط ہوجائےگااوراُسی حالت میں اس کی نماز جنازہ پڑھ کرتدفین کردی جائے گی۔دونوں حضرات کے دلائل کاجائزہ لینے کے بعداہل علم کی رائے یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبنداوراس کے ہم خیال علماءکی رائے مندرجہ ذیل وجوہات کی بناپرزیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔

۱۔جبیرہ یاجبیرہ جیسی چیز پرمسح اس وقت جائز ہوتا ہے جب وہ عضو پر بندھی ہوئی ہویعنی جسم سے اچھی طرح چپکی ہوئی ہوجیساکہ علامہ طحطاوی نےصراحت فرمائی:

”وقوله :(ولوعلى جبيرة)ويجب شدها إن لم تكن مشدودة (حاشية الطحطاوى على الدر ۱۳۷/۱)

اورکوریاباڈی بیگ وغیرہ جسم سے منفصل ہوتاہےلہٰذاباڈی بیگ اورتابوت وغیرہ پرمسح جائز نہ ہوگا۔

۲۔فقہی جزئیات ودلائل کی روشنی میں بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وضو یاغسل میں پلاسٹر یاپٹی وغیرہ پرمسح کامسئلہ زندہ لوگوں کے ساتھ خاص ہے،مرحومین کےغسل میں پلاسٹر یاپٹی وغیرہ پرمسح نہیں ہے، بلکہ اگرمیت کے جسم پرکوئی پلاسٹر یاپٹی وغیرہ ہوتوغسل میں پلاسٹرکاٹ دیناچاہئے اور بندھی ہوئی پٹیاں کھول دینی چاہئے جیساکہ بعض اکابر کے فتاویٰ میں بھی ہے۔چنانچہ فتاویٰ محمودیہ میں مفتی صاحب ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: پلاسٹر کی کیاضرورت رہی اس کوچھڑاکرغسل دیاجائے۔(۵۰۰/۸۔ڈابھیل)

اگرمیت کی یہ پوزیشن ہوچکی ہوکہ کسی صورت میں اس پر پانی ڈال کرغسل نہیں دیاجاسکتا بلکہ آہستہ آہستہ ڈال کرغسل دینے میں بھی میت کی کھال یاگوشت الگ ہونے کااندیشہ ہوتوایسی صورت میں میت کوتیمّم کرایاجائے گاغسل نہیں دیاجائے گا۔

تمام فقہاءکرام کایہی مسلک ہے فقہ مالکی کے مشہورفقیہ:شیخ محمدعلیش مالکی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں فقہاءکرام نے جبائر پرمسح کا تذکرہ اس لیےنہیں کیاکہ اگرغسل میت میں مسح علی الجبائر جائز ہوتاتوکفن پربھی مسح درست ہوتاجب کہ کفن پرمسح توارثِ امت کے خلاف ہے،اس

لیےغسل میت میں جبائر پر مسح کا حکم نہیں ہے۔ قوله: كخوف تقطيع الخ: ولم يذكروا هنا مسحا على الجبائر وإلا لمسح على الكفن وليس من عمل الناس ۔ (التقريرات على حاشية الدسوقي على الشرح الكبير (١/٤١٠)

مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر کور یا باڈی بیگ وغیرہ پر بھیگا ہاتھ، بھیگا کپڑا پھیر کر مسح کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ عذر و مجبوری کی وجہ سے طہارت کا حکم سرے سے ساقط ہو جائے گا اور اسی حالت میں نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کر دی جائے گی۔ جیسا کہ دار العلوم دیوبند کے فتویٰ میں اس کی صراحت ہے فقط۔

۲۔ اگر کرونا کے میت کو اسپتال کی طرف سے مخصوص کور میں لپیٹ کر دیا جائے اور اسے کھولنے اور ہٹانے کی اجازت نہ ہو تو کیا وہ کور کفن کے حکم میں ہوگا؟ یا اس کے اوپر کفن لپیٹ کر دفن کیا جائے گا؟

جواب: چوں کہ قانونی مجبوری کی وجہ سے باقاعدہ مسنون طریقہ پر کفن دینا متعذر ہے اسلیے اس صورت میں میت کے جسم پر موجود کور (پولتھین یا پلاسٹک) ہی کو کفن تصور کیا جائے گا اور اسی کو کفن مان لیا جائے گا، کیوں کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس چیز سے میت کا جسم ڈھک جائے اور ستر کے تقاضے پورے ہو جائیں اس سے تکفین میت کا حکم پورا ہو جاتا ہے۔

الموسوعہ الفقہیہ میں ہے:

"اتفق الفقهاء على أن تكفين الميت بما يستره فرض على الكفاية"۔(الموسوعة الفقهية الكويتية:١٦/١٠:جنائز۔وزارة الاوقاف والشؤون الإسلامية، الكويت)

مجبوری میں بعض شہدائے اُحد اور دیگر مواقع میں بعض میت کو ایک ہی کپڑے میں کفن دیئے جانے کے واقعات احادیث میں ملتے ہیں اس پر قیاس کرتے ہوئے میت جس کور میں لپٹی ہے اس کو کفن کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ البتہ اگر کور ہٹانے کی اجازت نہ ہو لیکن اس کے اوپر کسی کپڑے کے اضافہ کی اجازت ہو تو حتی الامکان کفن سنت کی رعایت کرتے ہوئے کور کے اوپر کفن بڑھا دینا اولیٰ ہوگا۔

۳۔ اگر کرونا میت کی بغیر نماز جنازہ تدفین کے بعد گھر والوں کو اس کی اطلاع دی جائے تو ایسی صورت میں بعد تدفین قبر کے پاس نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: نماز جنازہ میت کا حق ہے۔ اور وہ فرض کفایہ کا درجہ رکھتا ہے لہٰذا کسی وبا میں فوت ہونے والے کی نماز جنازہ بھی اسی طرح ادا کی جائے گی جس طرح دوسرے امراض میں فوت ہونے والوں کی نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے۔

اگر کسی میت کو غلطی یا لاعلمی یا حکومت کی سختی کی بنا پر بغیر غسل دیئے یا جنازہ پڑھے بغیر قبر میں رکھ دیا گیا۔ تو قبر پر مٹی ڈالنے سے قبل اگر انہیں یاد آجائے یا اس بات کا علم ہو جائے کہ ہمیں میت کو غسل دینا چاہیے تھا یا اسکا جنازہ پڑھنا چاہیے تھا تو ایسی صورت میں اگر میت کو غسل نہیں دیا تھا اور غسل ممکن ہو تو اسے غسل دیکر نماز جنازہ پڑھا کر دفن کیا جائے۔ اور اگر غسل دے دیا گیا تھا تو پھر ایسی صورت میں صرف نماز جنازہ پڑھا کر دفنا دیا جائے۔

لیکن اگر قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد یاد آئے یا اس بات کا علم ہو جائے کہ ہمیں غسل دینا یا جنازہ پڑھنا چاہیے تھا تو اب قبر کو کھولنا درست نہیں ہے۔ بلکہ ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ جب تک گمان غالب ہو کہ لاش نہ پھٹی ہوگی قبر پر ہی نماز ادا کی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت یا مرد کی نماز جنازہ قبر پر ادا فرمائی تھی۔

کالے رنگ کا ایک مرد یا ایک عورت مسجد کی خدمت کیا کرتی تھی ان کی وفات ہوگئی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے وفات کی خبر کسی

نے نہیں دی۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد فرمایا کہ وہ شخص دکھائی نہیں دیتا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا تو انتقال ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی؟ صحابہ نے عرض کی کہ یہ وجہ تھی (اس لیے آپ کو تکلیف نہیں دی گئی) گویا لوگوں نے ان کو حقیر جان کر قابل توجہ نہیں سمجھا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ چلو مجھے انکی قبر بتادو۔

چنانچہ آپ ﷺ اس کی پر قبر تشریف لائے اور اس پر نماز جنازہ پڑھی۔ معلوم ہوا کہ اگر تدفین سے پہلے نماز جنازہ پڑھنے کا موقع میسر نہ ہوا ہو تو تدفین کے بعد قبر پر نماز جنازہ پڑھ لینا ضروری ہے۔ لیکن حضرات فقہاء نے اس کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ جب تک لاش پھٹی نہ ہو کیوں کہ اگر لاش پھٹنے کا گمان غالب ہو تو پھر اب نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

اور راجح قول کے مطابق لاش پھٹنے کا کوئی خاص وقت متعین نہیں ہے۔ کیوں کہ جگہ، موسم اور میت کے جسامت کے موٹے یا پتلے ہونے کی وجہ سے مدت مختلف ہوتی ہے۔ لہذا جب تک اس بات کا غالب گمان ہو کہ لاش نہیں پھٹی ہوگی نماز جنازہ ادا کرنا فرض ہے اور لاش پھٹ جانے کا غالب گمان ہونے پر جنازہ کی نماز ادا نہ کی جائے۔

چنانچہ شامی میں ہے: أقول: نص الأصحاب على أنه لايصلى عليه ماشك في ذلك۔ (شامی ۔۳/۱۶۷، رشيديه)وفي حاشية الطحطاوى: لو شك في تفسخ لايصلى عليه ۔ (حاشية الطحطاوي على مراقى الفلاح۔(ج: ۱/۳۹۸)

وإن دفن وأهيل عليه التراب (بغير صلوة) أو بها بلاغسل أو ممن لاوّل اية له (صلى على قبره) استحسانا(مالم يغلب على الظن تفسخه) من غير تقدير هو الأصح۔ و ظاهره أنه لو شك في تفسخه صلى عليه ۔ لكن في النحر عن محمد لا، كأنه تقديماللمانع(الدرالمختار)۔(قوله: وأهيل عليه التراب)فإن لم يهل أخرج وصلى عليه كما قدمناه.....

اسی طرح ایک سوال کے جوب میں مفتی محمود صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جس میت کو بلا غسل و نماز دفن کردیا جائے تو اس کے قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم ہے۔ جب تک اس کے پھٹ جانے اور ٹکڑے ٹکڑے ہوجانے کا ظن غالب نہ ہو۔ (فتاوی محمودیہ،۸۔۵۰۲۔ڈابھیل)

والله أعلم بالصواب.

۴۔ اگر میت کی تدفین کی اطلاع ملے اور قبر کی جگہ معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: نماز جنازہ کی درستگی کے لیے میت میں جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جنازہ یعنی میت امام کے سامنے موجود ہو۔ (درمختار میں ہے: "ووضعه و كونه هو أو أكثر أمام المصلي و كونه للقبلة فلاتصح على غائب."

(درمختار۔۳۔ ۱۲۳۔ رشيديه)

لہٰذا اگر جنازہ سامنے موجود نہ ہو تو نماز جنازہ درست نہ ہوگی۔ یہ رائے ائمہ اربعہ میں دو بڑے امام حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ جب کہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک غائب پر بھی نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبش کے اسلام قبول کرنے والے بادشاہ اصحمہ نجاشی پر مدینہ میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ (دیکھئے: نووی علی مسلم۔۱۔۳۰۹)

اسی طرح حضرت معاویہ لیثی رضی اللہ عنہ پر بھی آپ ﷺ نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

ہماری طرف سے ان حضرات کی دلیل کا بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ نجاشی نے غیر مسلموں کے درمیان ایک غیر اسلامی ملک میں اسلام قبول کیا تھا۔ اور وہاں ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی اس لیے آپ نے نماز جنازہ پڑھی۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ جواب اس وقت درست ہوسکتا ہے

کہ کم از کم ایسے شخص پر غائبانہ نماز کو درست کہا جائے جس پر نماز جنازہ نہ پڑھی جاسکی ہو۔ حالانکہ احناف مطلقا غائبانہ نماز کو منع کرتے ہیں۔ اس لیے زیادہ صحیح جواب یہ ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی میت کو آپ کے سامنے کر دیا تھا۔ آپ بچشم سر جنازہ کو بطور معجزہ دیکھ رہے تھے۔ گو صحابہ نے نہ دیکھا تھا۔ اور امام کا جنازہ کو دیکھنا کافی ہے۔ مقتدیوں کا دیکھنا ضروری نہیں۔ چنانچہ ابن حبان اور صحیح ابن عوانہ کی روایت میں موجود ہے کہ صحابہ ایسا محسوس کر رہے تھے کہ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جنازہ ہے۔ یا یہ کہ یہ ان دونوں حضرات کی خصوصیت تھی۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول غائبانہ نماز جنازہ کا نہیں تھا۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ان دو حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ کرام کی وفات ہوئی۔ قراء صحابہ جو آپ کے عزیز ترین صحابہ میں سے تھے وہ سفر میں شہید ہوئے۔ حضرت جعفر طیارؓ جو آپ کے چچاز اد بھائی تھے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو آپ کے متبنی تھے ان سب کا انتقال سفر اور حالت جہاد میں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ میں خبر ملی تو آپ ﷺ نے انکی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ حالانکہ مدینہ طیبہ میں وفات پانے والے حضرات پر نماز جنازہ پڑھنے کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ اور آپ نے ہدایت فرما رکھی تھی کہ تم میں سے کسی کا بھی انتقال ہو تو مجھے ضرور خبر کرو۔ کیوں کہ میرا اس پر نماز پڑھنا اس کے لیے رحمت ہے۔

مزید تفصیلات کے لیے علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی فتح الملہم۔۲/۲۹۶۔ اور محقق ابن الہمام کی فتح القدیر کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

اب یہاں پر ایک مسئلہ یہ ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ کے عدم جواز کی جو بات حضرات احناف نے کہی ہے یہ تمام حالات ومواقع کے لیے ہے۔ یا صرف عام حالات کے لیے ہے۔ اور کورونا جیسی وبائی بیماری کے موقع پر جب کہ اموات کی کثرت ہو رہی ہے اور حکومت کے کارندے، بعض علاقوں میں گھر والوں کو اطلاع تک نہیں دیتے بلکہ خود ہی دفن کر دیتے ہیں اور گھر والوں کو قبر تک کا علم نہیں ہوتا ان حالات میں انکا حکم الگ ہوگا۔ اور اس جیسے خاص حالات میں اہل خانہ کے لیے غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت ہوگی؟ تو اس سلسلے میں اہل علم کی دونوں رائیں ہیں۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ: غائبانہ نماز جنازہ اگر چہ احناف و مالکیہ کے یہاں جائز نہیں لیکن حضرات شوافع وحنابلہ کے یہاں اسکی اجازت ہے۔ اس لیے ایسے خاص مواقع پر اگر ان حضرات کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے نماز جنازہ ادا کرلیں تو گنجائش ہوگی۔ اس لیے کہ یہاں ایسا نہیں ہے کہ نماز ادا کر کے دفن کیا گیا ہے۔ اور دوبارہ دوسری بار کچھ لوگ غائبانہ نماز جنازہ ادا کر رہے ہیں بلکہ نماز سرے سے ہوئی ہی نہیں۔ تو نماز پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں جب کہ دوسرے بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود اس کے کہ آپ کو مرنے والوں کی نماز جنازہ پڑھنے کا بڑا اہتمام رہتا تھا۔ آپ سے دو حضرات کے علاوہ کسی کی نماز جنازہ پڑھنا ثابت نہیں۔ قراء صحابہ کس بے دردی کے ساتھ شہید کئے گئے انکی بھی غائبانہ نماز جنازہ آپ نے نہیں پڑھی۔ اسی طرح اور بھی صحابہ کرام کا انتقال ہوا۔ لیکن پوری زندگی میں آپ سے ان دونوں کے علاوہ کسی تیسرے پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ اس لیے کورونا کے مرنے والوں پر بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ نماز جنازہ کی مشروعیت کا مقصد صلوۃ علی المیت ہے یعنی میت کے لیے دعاء واستغفار کرنا۔ ظاہر ہے کہ اس کے لیے نماز جنازہ کی ضرورت نہیں بلکہ یہ مقصد نماز جنازہ کے بغیر بھی دعاء واستغفار سے حاصل ہوسکتا ہے۔ اس لیے احقر کے نزدیک یہی راجح ہے کہ نماز جنازہ نہ ادا کر کے میت کے لیے استغفار دعاء اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا جائے تو یہ ان شاء اللہ کافی ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۵۔ کیا کرونا سے انتقال کرنے والے مسلمان شہید کہلائیں گے؟

حقیقی شہید جو دنیاوی واخروی ہر دو اعتبار سے شہید کہلاتا ہے وہ تو شہید معرکہ ہے۔ یعنی جہاد کے میدان کارزار میں جام شہادت نوش کر لے۔ لیکن شہادت کے جو بہت سے درجات ہیں اس کے اعتبار سے شہادت کے مقام ومرتبہ میں بہت سی موت کی وہ صورتیں شامل ہیں جس میں اللہ پاک اخروی اعتبار سے انکو شہادت کے اعزاز سے سرفراز فرمائے گا، چنانچہ حدیث پاک میں ایسے شہداء کا جابجا ذکر کیا گیا ہے۔ مسلم شریف میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم اپنوں میں کس کو شہید شمار کرتے ہو؟ انہوں (صحابہ) نے کہا: یا رسول اللہ! جو اللہ کے راستے میں مارڈالا جاتا ہے وہ شہید ہے۔ فرمایا: ''بلاشبہ تب تو میرے کم امتی شہید ہوں گے) تو صحابہ نے کہا کہ پھر اور کون لوگ شہید ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا اور جو اللہ کے راستے میں مرجائے وہ شہید ہے۔ جو طاعون میں مرجائے وہ شہید ہے۔ جو پیٹ کے درد میں مبتلا ہو کر مرجائے وہ شہید ہے۔ اور غریق (جو پانی میں ڈوب کر مرجائے) وہ شہید ہے۔

اور امام احمد نے اس حدیث کو معمر کی روایت سے سہیل سے ان الفاظ سے روایت کی ہے: (القتل فی سبیل اللہ شھادۃ، والغرق شھادۃ، والطاعون شھادۃ، والبطن شھادۃ، والنفساء شھادۃ) ''اللہ کے راستے میں ماردیا جانا شہادت ہے۔ غرق (آب ہوکر مرجانا) شہادت ہے۔ طاعون (سے مرجانا) شہادت ہے۔ بطن (پیٹ کے درد سے مرجانا) شہادت ہے۔ اور نفساء (حالت دردزہ میں انتقال کرجانا) شہادت ہے۔'' (احمد)

بعض روایات میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث میں ذکر کردہ شہداء سے بھی زیادہ شہداء کی فہرست آئی ہے، علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ایسے شہداء کی فہرست تیس (۳۰) تک شمار کی ہے۔

ماضی قریب کے بزرگ ڈاکٹر عبدالحئی عارفی خلیفہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے شہید کی دوسری قسم یعنی آخرت میں درجہ شہادت اور اس کا اجروثواب پانے والے حضرات مرحومین کی تفصیلی فہرست ذکر کرتے ہوئے بیالیس قسم کی موت پر شہادت کا حکم کتب حدیث وفقہ کے حوالہ سے مفصل ذکر کیا ہے (احکام میت محشی از ۱۷۵ تا ۱۹۲) (باب پنجم)

اللہ پاک جن اسبابِ موت کو شہادت کا درجہ دیتے ہیں ان میں حادثات اور امراض خاص کر شامل ہیں پھر امراض میں وبائی امراض طاعون وغیرہ کا ذکر حدیث پاک میں بطور خاص آیا ہے، بعض احادیث میں بخار کا بھی ذکر ہے، علامہ حافظ ابن حجرؒ نے ''بذل الماعون'' میں مستقل ایک باب اس پر قائم کیا ہے، اس باب ۳ کی پہلی فصل میں طاعون کی موت کو شہادت ثابت کرنے کی حدیثیں لائے ہیں مثلاً ''الطاعون شھادہ لکل مسلم.'' (متفق علیہ)

مذکورہ بالا تفصیلات پر غور کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کرونا اور کرونا جیسی کوئی بیماری ہو وہ طاعون کے حکم میں ہوکر اس میں فوت ہونے والا شہید آخرت کا مستحق ہوگا۔ فقط

محور ششم: کرونا ویکسین سے متعلق مسائل

(۱) الکحل آمیز سینیٹائزر کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب: ضرورت کے وقت اور بیماری کے زمانہ میں ہینڈ سینیٹائزر جس میں الکحل ہو اس کا استعمال جائز ہے کیوں کہ اوّلاً تو الکحل مطلقاً ناپاک نہیں ہوتا، بلکہ وہ الکحل جو انگوری شراب سے کشید کیا گیا ہو وہ ناپاک ہے، تحقیق یہ ہے کہ اس وقت اکثر اشیاء میں الکحل انگور کا نہیں ہوتا بلکہ اور چیزوں کا ہوتا ہے اور ضرورت کی وجہ سے اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔ اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے کہ:

(الف)۔۔۔۔ الکحل ایک کیمیائی مادہ ہے جو مختلف پھلوں اور اناج کے نشاشتہ (Carbohydrats) شکر سے بنایا جاتا ہے، اس کی بہت ساری قسمیں ہیں جن میں صرف ایک قسم نشہ آور ہے۔

(ب)۔۔۔ بعض دواؤں میں ایتھائیل الکحل (Ethyialcohol) استعمال ہوتا ہے یہ الکحل نشہ آور ہے اور دواؤں میں شامل ہونے

کے بعد بھی اس کی حقیقت نہیں بدلتی، لیکن علاج ومعالجہ کے باب میں شریعت نے جو سہولت روا رکھی ہے اس کے تحت مجبوراالکحل آمیز ادویہ کا استعمال درست ہے۔

(ج)۔۔۔۔عطریات میں جو الکحل استعمال ہوتا ہے، فنی ماہرین کی تحقیق واطلاع کے مطابق وہ نشہ آور نہیں ہے، اس لیے یہ ناپاک نہیں ہے۔(نئے مسائل اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلے ص ۲۱۵)

اس مسئلہ پر استاذی مفتی محمد عبید اللہ اسعدی مدظلہم نے کئی پہلوؤں سے گفتگو کی ہے جو قابل ذکر ہے فرماتے ہیں۔

''کورونا جیسے امراض کے جراثیم سے حفاظت اور ان کی صفائی کے لیے ایسی چیزوں کا استعمال کیا جارہا ہے جن میں الکوحل کی آمیزش وملاوٹ بتائی جاتی ہے۔

ہاتھوں کو دھونا، غسل کرنا، کپڑوں پر پھوار واسپرے، نیز عمارتوں ورہائش گاہوں کی صفائی اس سب کے لیے ایسی چیزوں کا استعمال کیا جارہا ہے، اور الکوحل کو لے کر مسئلہ پیدا ہورہا ہے اس وجہ سے کہ الکوحل خود ایک قسم کی شراب یا شراب کا جوہر ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مقصد صفائی ہے اور ایسے اثرات کا ازالہ کہ جس سے مرض پیدا ہونے کا اندیشہ وامکان ہو تو اس کے لیے کسی بھی ایسی چیز کا استعمال کیا جاسکتا ہے جو مفید ہو، صابن اس کے مادے ڈیٹال وغیرہ اور ان جیسی چیزوں سے بنایا جانے والا کوئی مادہ استعمال کرنے سے کام چل جائے گا ضروری نہیں کہ مروج معمول کی چیز کا ہی استعمال کیا جائے۔

دوسری بات یہ کہ الکوحل نامی مادہ شراب ونشہ والی اشیاء سے ہی تیار کیا جائے ضروری نہیں ہے، یہ مادہ جیسا کہ کہا جاتا ہے کوئلہ وغیرہ جیسی اشیاء سے بھی بنتا ہے۔

اور یوں بھی الکوہل کے معنی شراب کے یا شراب سے حاصل کردہ شے کے نہیں ہیں بلکہ اس کا مفہوم کشید کردہ اور فلٹر کی ہوئی شے کے ہیں جس کا حاصل ہے کسی مادہ کے اندر سے کسی چیز کا یا کسی خاص عنصر ومادہ کا نکالنا جیسے بعض پرندے اور کیڑے، پھلوں وپھولوں بلکہ پتوں سے بھی خوشبو ورس وغیرہ نکالا کرتے ہیں۔

اس کی اور بھی شکلیں ہیں، جڑی وبوٹیوں سے دوا بنانے اور حاصل کرنے کا بھی یہ ایک طریقہ رہا ہے۔عطر پہلے اسی طرح بنا کرتا تھا اور اب بھی اصلی عطر کا یہی طریقہ ہے جب کہ آج بازار میں کیمیکل والے عطر کا بہت رواج ہوگیا ہے۔

تیسری بات یہ کہ الکوہل نامی مادہ دو طرح کا ہوتا ہے۔نشہ والا، نشہ سے خالی عطر میں الکوہل نامی جو مادہ استعمال ہوتا ہے وہ نشہ سے خالی ہوتا ہے، خواہ وہ کسی چیز سے بنتا ہو، خوشبو میں اس کو خوشبو کی حفاظت یا اسپرے کی غرض سے ملایا جاتا ہے۔

دواؤں میں ملایا جانیوالا الکوہل نامی مادہ نشہ پر مشتمل ہوتا ہے اور نشہ آور اشیاء سے حاصل کیا جاتا ہے۔لیکن یہ ان نشہ آور اشیاء سے حاصل کیا جاتا ہے جن کی حرمت متفق علیہ نہیں ہے۔

معاملہ یہ ہے کہ چار قسم کی شراب جو انگور وکھجور سے بنتی ہے وہ اعلی درجہ کی شراب شمار ہوتی ہے، اور اس کے کسی طرح کے بھی استعمال کو فقہاء امت نے منع کیا ہے۔

جب کہ شراب انگور وکھجور کے علاوہ دوسری بہت سی اشیاء سے بھی بنتی ہے، ان میں گیہوں، اور جو وغیرہ جیسی چیزوں سے بننے والی شراب کے حق میں امام ابوحنیفہ وامام ابو یوسفؒ نے کچھ گنجائش دی ہے، اگر اس قسم کی شراب دوا وعلاج یا طاقت کی غرض سے استعمال کی جائے اور اتنی مقدار میں جو کہ نشہ پیدا نہ کرے تو یہ دونوں حضرات اس کی اجازت دیتے ہیں، اگرچہ فتوی امام محمد اور حضرات ائمہ ثلاثہ کے قول پر ہی ہے۔(ردالمحتار۔۱۰/۳۶ و۳۷)

لیکن ضرورتاً ودواءً شیخین کے قول پر عمل کی گنجائش ذکر کی گئی ہے۔(ردالمحتار ۱۰/۳۶ و ۳۷)

معاملہ یہ ہے کہ ہومیو پیتھک دوا کی اساس ہی الکوہل پر ہے، اور ایلو پیتھک دواؤں میں بھی الکوہل کو ملایا جاتا ہے، بالخصوص سیال دوائیں اور ٹانک وغیرہ۔

تحقیق سے یہ بات سامنے آئی کہ دواؤں میں ملائی جانے والی الکوہل انگور و کھجور کی شراب سے نہیں بلکہ گیہوں وغیرہ کی شراب سے بنتی ہے، پہلے بھی ایسا تھا اور آج بھی ایسا ہے۔(تکملہ فتح الملہم رمولانا تقی صاحب نے تکملہ میں لکھا ہے کہ ابھی بھی صورتحال یہی ہے کہ الکوہل انگور وغیرہ کی شراب سے نہیں بنتی۔(کتاب الاشربۃ) حضرت تھانوی نے اسی بنیاد پر ایسی دواؤں کی اجازت دی ہے۔(امداد الفتاوی (شبیری) ۱/۳۸۰ و ۳۸۱ مع حاشیہ از بہشتی زیور وغیرہ (۳۸۰ تا ۳۸۳)

چوتھی بات یہ کہ اس مسئلہ میں ایک پہلو قلب ماہیت وانقلاب ماہیت کا بھی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک چیز کبھی ایسی صورت اختیار کر لیتی ہے کہ اس کی شکل، حقیقت، نام وتاثیرات سب بدل جاتی ہیں جس کے نتیجہ میں ناپاک شے کو پاک اور پاک شے کو ناپاک مان لیا جاتا ہے۔ کبھی یہ دوسری چیز میں مل کر ہوتا ہے اور کبھی اس کے بغیر۔

معروف ہے کہ مٹی میں مل جانے والی چیز سڑ گل کر رفتہ رفتہ مٹی ہو جاتی ہے، اور بہت معروف ومسلم ہے کہ نمک کی کان میں ملنے والی چیز بتدریج نمک ہو جاتی ہے۔(جدید فقہی مباحث۔ ا رص: ۲۵ و مابعد)

سرکہ شراب کی حالت اور شراب سرکہ کی حالت اختیار کر لیتی ہے، اور اس میں تو اختلاف ہے کہ شراب کو سرکہ بنانے کی سعی وتدبیر جائز ہے یا نہیں لیکن اس میں اختلاف نہیں کہ جس شراب نے سرکہ کی شکل اختیار کر لی ہو اس کو پاک مانا جاتا ہے حتی کہ اس کا استعمال درست وجائز ہے۔(اعلاء السنن ۱۹/۳۹۔۴۲)

بلکہ ایک حدیث کا مضمون تو یوں بھی آیا ہے: "خیر خلکم خل الخمر". (رواہ البیہقی فی معرفۃ السنن والآثار رذکرہ وقواہ فی اعلاء السنن ۱۸/۴۱)

علماء امت نے بہت سی چیزوں میں اس کا اعتبار کیا ہے، صابن کے بنانے میں چربی کا استعمال ہوتا ہے جو بسا اوقات مردار یا غلط جانوروں کی ہوتی ہے، مگر صابن بن جانے کے بعد اس کو پاک قرار پانے اور استعمال کرنے میں ہمارے علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔(ملاحظہ ہو: امداد الفتاویٰ۔ ج: ا۔ ابواب الطہارۃ نیز دیگر کتب فتاوی)

لہذا دواؤں میں ملنے والی الکوہل کی نسبت سے یہ پہلو بھی غور کا ہے کہ یہ الکوہل اگر چہ شراب سے بنی اور نشہ والی ہو، جس کا استعمال درست نہیں لیکن دوا میں ملنے کے بعد اسنے دوسرا نام وشکل اور تاثیر حاصل کر لی تو اس کے استعمال میں کیا تردد ہے۔ (کرونا، احکام ومسائل ارص: ۲۴ تا ص: ۲۷)

خلاصہ یہ کہ الکوحل آمیز سینیٹائزر کا استعمال خواہ وہ ہینڈ واش کے طور پر ہو یا مساجد وغیرہ میں چھڑکاؤ کے طور پر ہو اسکا استعمال درست ہے، وہ جراثیم کش ہے، لیکن حد سے زیادہ استعمال یہ انسان کے لیے بھی مضر ہے۔ لہٰذا ایک حد تک ہی اسکا استعمال کرنا چاہئے۔

۲۔ کرونا ویکسین لگوانے کا حکم کیا ہے؟ واجب یا مباح؟

جواب: کرونا (کووڈ ۱۹) وائرس کے انجکشن (ٹیکے) کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: (۱) مرض سے بچاؤ کے لیے بطور ویکسین (۲) مریض کے علاج کے لیے بطور دوا۔

ا۔ اگر کرونا (کووڈ) وائرس کا انجکشن مرض سے بچاؤ کے لیے بطور ویکسین کے ہو تو چوں کہ ویکسین احتیاط کے طور پر مبینہ بیماری سے بچاؤ کے لیے لگائی جائے گی اور یہ گویا پیشگی علاج کے طور پر ہے تو اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کوئی ماہر دیندار ڈاکٹر اس بات کی تصدیق کر دے کہ یہ مضر

صحت نہیں اور تجربے سے اس کا مفید ہونا ثابت ہوجائے، نیز اس میں کوئی حرام یا ناپاک چیز بھی ملی ہوئی نہ ہوتو اس کا لگانا جائز ہے،لیکن اس کے لیے کسی کو مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔اور اگر حرام اجزاء یا ناپاک چیز ملی ہوئی ہوتو اس صورت میں پیشگی علاج کے طور پر اس کا استعمال جائز نہیں ہوگا۔

۲۔اگر کرونا وائرس کا انجکشن مریض کی دوا کے لیے ہو اور کوئی ماہر دیندار ڈاکٹر اس بات کی تصدیق کردے کہ یہ مضرِ صحت نہیں ہے اور نہ ہی اس میں حرام اجزاء شامل ہیں تو مریض کے علاج کے لیے اس کو لگانا جائز ہے، اور اگر اس میں حرام اجزاء شامل ہیں تو اس صورت میں اگر مسلمان ماہر دیندار طبیب یہ کہہ دے کہ اس بیماری کا علاج کسی بھی حلال چیز سے ممکن نہیں ہے، بلکہ یہی حرام اجزاء ملی دوا ضروری ہے اور تجربہ سے اس کا مفید ہونا ثابت ہوجائے تو مجبوراً بطور دوا و علاج بقدرِ ضرورت حرام اجزاء ملی دوا استعمال کی گنجائش ہوگی، ورنہ نہیں۔

لہٰذا سنی سنائی باتوں پر یقین کرنے کے بجائے اس بات کی تحقیق کرلینی چاہئے کہ کووڈ (کورونا) ویکسین میں کوئی حرام چیز موجود ہے یا نہیں؟ تحقیق سے جو بات معلوم ہوتو اوپر ذکر کئے گئے ضابطہ کے مطابق اس کا حکم سمجھ کر عمل کرلیا جائے۔

مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری مدظلہٗ کی تحقیق کے مطابق یہ ویکسین حرام اور نجس اجزاء سے پاک ہے، لکھتے ہیں: ''اہل علم اور اہل فتویٰ کی ایک جماعت نے اس طرح کی دواساز کمپنی سے رابطہ کرکے اس بارے میں سوال کیا تو انہوں نے دوا میں شامل اجزاء کی جوفہرست بھیجی اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس دوا میں کوئی حرام چیز شامل نہیں ہے، اسلیے شرعاً اس ویکسین کا استعمال جائز ہے۔

بعض حضرات نے اس پر شبہات ظاہر کئے کہ اس میں نجس اجزاء بھی ہوسکتے ہیں؟ اس لیے اہل علم کو بلا تحقیق کے جواز کا فتویٰ نہیں دینا چاہئے، اور اپنی طرف سے مکمل تحقیق کرنی چاہئے۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ:

(۱) اوّل: تو اہل علم نے تحقیق کی اور دواساز کمپنیوں سے رجوع کیا، اور ان کی طرف سے جواب ملنے پر جواز کا فتویٰ دیا۔

(۲) دوسری بات: ہم کس قدر تحقیق کے مکلّف ہیں، اس کو سمجھنا چاہئے، ہمیں اللہ تعالیٰ نے ایک حد تک تحقیق کا مکلّف بنایا ہے اور تحقیق کے بعد ظاہر پر عمل کی اجازت دی ہے، ہمیں بال کی کھال نکالنے کا پابند نہیں بنایا گیا ہے۔

اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ سرسری تحقیق کے بعد ہر چیز کو حلال اور جائز کہہ دیا جائے، ایک حد تک تحقیق کے بعد ہی فیصلہ کرنا چاہئے اور اہل علم اس سے غافل نہیں ہیں۔

(۳) تیسری بات: اگر بالفرض اس ویکسین میں حرام اجزاء شامل بھی ہوں تو اس وقت کرونا کا کوئی علاج نہیں سوائے اس ویکسین کے، اس لیے جب کسی جان لیوا بیماری کے لیے حلال دوا کا ملنا ممکن نہ ہوتو امام ابو یوسف اور متاخرین احناف رحمہم اللہ کے نزدیک حرام دوا کے استعمال کی بھی گنجائش ہے۔(مقالہ کرونا ویکسین کا شرعی حکم ص ۳)

خلاصہ یہ کہ اس سلسلہ میں تحقیقات بھی مختلف ہیں اور یہ قطعی علاج بھی نہیں ہے، نہ ہی سو فیصد اس کے مفید ہونے کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے، لہٰذا مباح کی حد تک اس کے لگوانے کی گنجائش ہے واجب کہنا صحیح نہ ہوگا۔فقط

محورِ ہفتم: کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے کے متعلق اسلامی ہدایات

(۱) وباء کے دفعیہ کے لیے اذان دی جاسکتی ہے؟

جواب: وباء کے دفعیہ کے لیے اذان دینے کے بارے میں فقہائے احناف سے کوئی روایت منقول نہیں ہے۔ نیز قرآن مجید یا کسی حدیث

میں بھی اس کا ذکر موجود نہیں ہے، البتہ شوافع کے یہاں مصائب، شدائد اور عمومی پریشانیوں کے بعض مواقع پر اذان دینے کی اجازت منقول ہے اس لیے وباء کے خاتمے کے لیے بطور علاج اذان دینے کی گنجائش ہے تاہم اس میں درج ذیل شرائط کی رعایت ضروری ہے:

۱۔اس عمل کے سنت یا مستحب ہونے کا اعتقاد نہ ہو۔

۲۔اس کو لازم اور ضروری سمجھ کر نہ کیا جائے۔

۳۔مساجد میں یہ اذان نہ دی جائے۔

۴۔اس کے لیے کسی مخصوص ہیئت اور اجتماعی کیفیت کا التزام نہ کیا جائے۔

کفایت المفتی میں ہے:

سوال: دفع وباء کے لیے اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟ تنہا یا گروہ کے ساتھ مسجد میں یا گھر میں؟

جواب: دفعِ وباء کے لیے اذانیں دینا تنہا یا جمع ہو کر بطور علاج اور عمل کے مباح ہے، سنت یا مستحب نہیں۔'' (۵۲/۳، دارالاشاعت)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

''بلا کے دفعیہ کے لیے اذان کہنا ثابت بلکہ مستحب ہے، اور بخار کے دفعیہ کے لیے اذان کہنا ثابت نہیں ہے، شرعاً دفع بلا کے لیے اذان اس طرح کہی جائے کہ اذان نماز کا اشتباہ نہ ہو۔'' (۲۹۸/۳، دارالافتاء فاروقیہ)

خلاصہ یہ کہ حکم کے اعتبار سے یہ اذان مسنون یا مستحب نہیں بلکہ مباح ہے۔ بشرطیکہ اسے لازم یا سنت نہ سمجھا جائے۔لیکن چوں کہ عوام الناس حدود میں قائم نہیں رہتے لہٰذا سنت کے مطابق نماز و دعاء کی تلقین کی جائے۔ دفع وباء کے لیے اذان کے طریقہ کو فروغ نہ دیا جائے۔

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے:

''کرونا وائرس طاعون و وباء کے موقع پر قرآن کریم، حدیث شریف نیز کتب فقہ سے اذانیں کہنا ثابت نہیں، لہٰذا ایسے مواقع پر گھر کی چھت پر یا گھر کے کونوں وغیرہ میں اذان نہ کہنی چاہیئے بلکہ اس طرح کے مواقع میں مسلمانوں کو چاہیے کہ ظاہری تدابیر اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ انفرادی طور پر قرآن پاک کی تلاوت، درود شریف اور نوافل کی کثرت اور دعاؤں کا اہتمام کریں۔ چھوٹے بڑے گناہوں سے بچیں۔ ادائیگی حقوق اللہ و حقوق العباد کی فکر کریں۔ غریب، فقیر، مسکین محتاج، ضرورتمند لوگوں پر کثرت سے صدقہ، خیرات کریں۔ یہ سب امور قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔ ان شاء اللہ ان اعمال کی انجام دہی پر اللہ پاک کی نصرت و مدد شامل ہوگی۔'' فقط (فتویٰ نمبر ۱۷۸۲۴۲، مورخہ ۹/اپریل ۲۰۲۰)

۲۔دفع وبا کے لیے اجتماعی نماز اور اجتماعی دعاء کا اہتمام کرنا کیسا ہے؟

جواب: کسی بھی چھوٹی بڑی مصیبت۔ پریشانی، بلا اور وبا کے خاتمہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے رجوع، دعاء واستغفار صدقہ و نماز کا اہتمام کرنے کا حکم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: أدعو ا ربکم تضرعاو خفیة (الاعراف، ۵۵)

واستعینوا بالصبرو الصلوة۔ (البقرة)

حدیث میں ہے: إن الـدعاء ینفع ممّا نزل وممّا لم ینزل ۔ فعلیکم بالدعاء عباد الله ۔(أخرجه الترمذی،والحاکم وأحمد عن ابن عمر)

لہٰذا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دفع وبا کے لیے دعاء و نماز کا خوب اہتمام کرنا چاہئے۔لیکن اس کے لیے کوئی مخصوص طریقہ اجتماعی نماز و دعاء کا

اختیار کرنا یہ کتاب وسنت سے ثابت نہیں۔البتہ بطور علاج وتدبیر کے اجتماعی طریقہ پر کوئی وظیفہ پڑھا جائے مثلاً سوالاکھ مرتبہ آیت کریمہ کا ورد کر کے اجتماعی دعاء کی جائے تو یہ طریقہ جائز اور مفید ہے۔بشرطیکہ اس کو سنت اور لازم نہ سمجھا جائے۔اسی طرح فجر کی فرض نماز میں قنوت نازلہ بھی دفع وبا کے لیے پڑھنے کو فقہاء نے درست لکھا ہے۔لیکن با قاعدہ نفلی نماز کی جماعت کا اہتمام اس مقصد کے لیے درست نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ وباء کے خاتمہ کے لیے علیحدہ سے اجتماعی نماز کا اہتمام غلط ہے۔نیز محض دعاء کے لیے اجتماع کے جواز میں بھی اختلاف ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کی مذکورہ بالا عبارات میں اس کو بدعت کہا ہے۔اور بعض ائمہ کے نزدیک جواز کی بات فرمائی ہے۔البتہ فجر کی نماز میں بالخصوص قنوت نازلہ کا اہتمام یا کسی وظیفہ کے بعد اجتماعی دعاء ہو تو اسکی گنجائش ہے ورنہ انفرادی دعاء ونماز کا اہتمام رکھنا چاہئے۔

دارالعلوم دیوبند کے فتاوی میں ہے:

''اجتماعی طور پر آیت کریمہ پڑھ کر اجتماعی دعاء کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے''(فتوی نمبر:۱۷۷۴۳۳)

''سورہ یٰسین پڑھ کر اجتماعی دعاء کریں گنجائش ہے۔لیکن اس کا اہتمام والتزام کرنا یا جہری دعاء کو ضروری سمجھنا جائز نہیں۔کبھی یہ معاملہ بدعت تک پہنچ سکتا ہے۔''(فتوی نمبر:۶۴۸۴۳)

علامہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے:"الاجتماع على القراءة والذكر والدعاء حسن مستحب إذا لم يتخذ ذلك عادة راتبة....... كالاجتماعات المشروعة .... ولااقترن به بدعة منكرة "(مجموع الفتاوی لابن تیمیة، ج: ۲۲، ص:۵۲۳)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

''شامی میں ہے کہ کسی حادثہ کے وقت صبح کی نماز میں رکوع سے اٹھ کر امام کا دعائے قنوت پڑھنا درست ہے۔سوائے صبح کے اور نمازوں میں حنفیہ کا مذہب نہیں ہے۔یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔اور یہ ہی شامی میں ہے۔اس لیے طاعون کے وقت بھی دعائے قنوت صبح کی نماز میں رکوع کے بعد پڑھنا درست ہے۔''(فتاوی دارالعلوم دیوبند۔۱۵۳/۴ط:دارالاشاعت)

کرونا وبا سے متعلق چند اہم سوالات کے جوابات

ڈاکٹر محمد شاہ جہاں ندوی
جامعہ سید احمد شہید، کٹولی، لکھنؤ

تمہید:

دنیا میں جو آفتیں، مصیبتیں وبائیں اور متعدی امراض پیدا ہوتے ہیں، جو لوگوں کے مرگ عام کا سبب بنتے ہیں، جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ اور موجودہ دور میں ''کرونا وائرس'' یہ سب دراصل انسانی کرتوت کے نتیجے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وما أصابك من مصيبة فما كسبت أيديكم ويعفو عن كثير﴾ (الشورى: ۳۰)

(تم پر جو مصیبت آتی ہے تمہارے اپنے کیے سے آتی ہے، اور بہت سی باتوں کو تو اللہ معاف کر دیتا ہے۔)

حدیث پاک میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لا يصيب عبداًنكبة فما فوقها أو دونها إلا بذنب ، وما يعفو الله عنه أكثر۔"

(سنن ترمذی، ابواب التفسیر، باب: ومن سورۃ حم عسق، حدیث نمبر ۳۲۵۲، اور یہ حسن لغیرہ درجہ کی حدیث ہے)۔

(بندہ کو چھوٹی یا بڑی جو مصیبت بھی لاحق ہوتی ہے وہ اس کے گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے، اور جن مصیبتوں کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے وہ زیادہ ہیں)۔

کبھی کسی آفت کا نزول، آزمائش، درجہ کی بلندی اور اجر وثواب کی زیادتی کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

﴿وبشر الصابرين الذين إذا أصابتهم مصيبة، قالوا إنا لله وإنا إليه راجعون ، أولئك عليهم صلوات من ربهم ورحمة وأولئك هم المهتدون﴾ (۲/بقرہ: ۱۵۵-۱۵۷)

(ان لوگوں پر ان کے رب کی عنایتیں اور رحمتیں ہوتی ہیں، اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں)۔

الغرض دنیا آزمائش کی جگہ ہے، یہاں ہر طرح کے حالات سے دوچار کرنے کا مقصد یہی ہے کہ ثابت ہو جائے کہ کون کھرا اور کون کھوٹا ہے، جیسا کہ کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿الذى خلق الموت والحياة ليبلوكم أيكم أحسن عملا وهو العزيز الغفور﴾ (۶۷/الملك: ۲)

(جس نے موت اور زندگی کو اس لیے پیدا کیا تا کہ تمہارا امتحان لے کہ کون تم میں سے سب سے اچھے عمل والا ہے، اور وہی باقتدار ہے اور مغفرت سے نوازنے والا ہے)۔

محوراول: کرونا وبا کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر

سوال نمبرایک کا جواب:

وبا کی تعریف ☆لغوی تعریف

لغوی اعتبار سے وباء طاعون اور ہر پھیلنے والی عمومی بیماری کو کہتے ہیں۔

ابن منظور افریقی مصری محمد بن مکرم-رحمۃ اللہ تعالی علیہ(و:۷۱۱ھ/۱۳۱۱ء) رقمطراز ہیں:

(الوباء:الطاعون بالقصر والمد والهمز وقيل:هو كل مرض عام--وجمع الممدود أوبية وجمع المقصور:أوباء۔

(ابن منظور،لسان العرب۱/۱۸۹،ط:۱،بیروت،دارصادر،ع۔ا:۱۵)

(وباء الف مقصورہ اورہمزہ کے ساتھ مستعمل ہے،اس کے معنی طاعون کے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہرعمومی پھیلنے والی بیماری کو وبا کہتے ہیں--وباء کی جمع (اوبیۃ)اور " أوبئة" ہےجبکہ "وباء" کی جمع "أوباء'' ہے۔

وباءفعل کے طور پرسمع سے آتاہے،وبئـت الأرض توبـأ وبـأً اس وقت بولتے ہیں جبکہ کسی سرزمین یاعلاقہ میں وباء پھیل جائے اوروہ وبازدہ ہوجائے جبکہ "وبوت الأرض تو بو وباء ووباء" باب کرم سےاس وقت استعمال کرتے ہیں،جبکہ کوئی سرزمین بہت وبازدہ ہوجائے۔اور"أرض وبيئة" وبازدہ علاقہ کوکہتے ہیں۔

(دیکھیے:مرسی، ابوالحسن علی، الحكم والمحيط الأعظم ١٠/٥٦٦، بیروت، دارالكتب العلمية ، تحقيق:عبدالحميد هنداوى، ع،أ،:١١)۔

وباء کی اصلاحی تعریف:

وباء وہ بیماری ہے جو ہوا کے خراب ہوجانے سے پھیلتی ہے اور بہت سے لوگوں کی موت کا سبب بنتی ہے،، جیسے طاعون کالرا (Cholera):(ہیضہ)وغیرہ اسے انگریزی میں Infectious Disease کہتے ہیں۔

علامہ ابن نفیس علی بن ابی حزم قریشی(و:۶۸۷ھ/۱۲۸۸ء) نے اس کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کی ہے:

"فساد يعر من لجوهر الهواء الأسباب سماوية أوأراضية ، كالماء الأسن والجيف الكثيرة ، كما في الملاحم)."

(زبیدی،محمد حسینی،تاج العروس من جواھرالقاموس۱/۴۷۸،بیروت،دارالھدایہ،ع،أ،۴۰)۔

(آسمانی یازمینی اسباب کی وجہ سے ہوا کو لاحق ہونے والی خرابی کو وبا کہتے ہیں(جس سے عمومی بیماری پھیلتی ہے)،جیسے:خراب پانی اورسڑی ہوئی لاشوں کی کثرت،جیسا کہ گھمسان کی جنگ اورخون ریزی کی حالت میں یہ صورت حال پیدا ہوجاتی ہے)۔

مشہورطبیب داؤدبن عمرانطا کی(و:۱۰۰۸ھ/۱۶۰۰ء) نے وبا کی تعریف یوں کی ہے:

"الوباء حقيقة تغير الهواء بالعوارض العلوية، كاجتماع كواكب ذات أشعة والسفلية كالملاحم وانفتاح القبور وصعودالأبخرة الفاسدة۔" (مرجع سابق ١/٤٧٨)

(حقیقت میں وبا فلکی اسباب، جیسے شعاع دارسیاروں کے جمع ہونے اورسفلی یعنی زمینی اسباب جیسے:گھمسان کی جنگوں،قبروں کے کھلنے اورخراب بھاپوں کے چڑھنے کی وجہ سے ہوا کی تبدیلی کو کہتے ہیں۔(جس سے عمومی اورمتعدی قسم کی بیماری پھیلتی ہے)۔

وبا کے بارے میں شرعی تصور

شریعت میں وبا کے ظاہری اسباب کو برقرار رکھتے ہوئے اسے گناہ وپاپ کے نتیجہ میں عذاب الٰہی سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، ایک صحیح حدیث میں ہے جو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”إن هـذا الـوباء رجز أهلك الله به الأمم قبلكم قد بقيي منه في الأرض شئ يجى أحيانا ويذهب أحيانا فإذا وقع بأرض فلا تخرجو امنها وإذا سمعتم به في أرض فلا تا توها۔“

(مسند احمد ۳۶/۱۳۶، حدیث نمبر ۲۱۸۰۶، مصنف عبدالرزاق حدیث نمبر ۲۰۱۵۸، المعجم الکبیر للطبرانی ۱/۱۳۱، حدیث نمبر ۲۷۳، ۱/۱۶۱، حدیث نمبر ۳۸۳، ۳۸۴، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے)۔

یہ وبا عذاب الٰہی ہے اس کے ذریعہ سے اللہ نے تم سے پہلے کی امتوں کو ہلاک کیا، اور اس سے زمین میں کچھ باقی رہ گیا ہے، جو کبھی کبھار ظاہر ہوتا ہے، اور کبھی ختم ہو جاتا ہے، اگر کسی خطہ میں وبا کا ظہور ہو تو وہاں سے نہ نکلو، اور اگر کسی حصۂ زمین میں اس کے ظاہر ہونے کے بارے میں سنو تو وہاں مت جاؤ)۔

اس حدیث سے عیاں ہے کہ ایسی حالت میں وبا سے تحفظ کے لازمی طریقے اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اسی کے سامنے عاجزی وانکساری، آہ وبکا، گریہ وزاری، تضرع، گڑگڑاہٹ اور لاچاری وبے بسی کا اظہار کرنا چاہئے، اسی سے رو دھو کر وبائی امراض کے ازالہ کی دعا کرنی چاہئے کہ ہر چیز اسی کے حکم کے تابع ہے، وہ جب چاہے وبا کے اسباب ختم کر کے وبا کو دور کر دے۔

سوال نمبر (۲) کا جواب:

وباء سے تحفظ کے سلسلہ میں شرعی رہنمائی اور اسلامی ہدایات

وبائی امراض عام طور سے متعدی امراض ہوتے ہیں چنانچہ ان سے تحفظ کی خاطر شرعی رہنمائی اور اسلامی ہدایت درج ذیل ہیں:

۱-قرنطینہ (Quarantine):

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ وبائی امراض کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے وبا زدہ علاقہ کے مریضوں کو دوسروں سے علیحدہ رکھا جائے، چناچہ وبا کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی ہدایت ہے:

”فـإزا وقـع بـأرض فـلا تخرجو منها، وإذا سمعتم به في أرض فلا تأتوا۔“ (مصنف عبدالرزاق ۱۱/۱۴۶، حدیث نمبر ۲۰۱۵۸، المعجم الکبیر للطبرانی ۱/۱۳۱، حدیث نمبر ۲۷۳، مسند احمد، حدیث نمبر ۲۱۸۰۶، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے)۔

(اگر وبا کسی سرزمین میں ظاہر ہو تو وہاں سے مت نکلو، اور اگر کسی خطہ میں وبا ظاہر ہونے کے بارے میں سنو تو وہاں مت آؤ)

طاعون یعنی پلیگ بھی ایک مہلک اور متعدی وبا ہے، جس میں کبھی کھال میں پھوڑے کی طرح خطرناک ورم ہو جاتا ہے، اور کبھی چھاتی، بغل یا چھیے کے نیچے گلٹیاں نکلتی ہیں اور تیز بخار ہوتا ہے، جس سے انسان مر جاتا ہے اس سے تحفظ کی خاطر اور اس بیماری کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ وسلم کی یہی ہدایت ہے کہ طاعون زدہ علاقہ کے لوگ دوسرے علاقہ میں نہ جائیں اور محفوظ علاقہ کے لوگ طاعون زدہ خطہ میں نہ آئیں۔

اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ اسباب اختیار کرنا بھی تقدیر اور فیصلہ الٰہی میں شامل ہے کیونکہ ہلاکت کے درپے ہونے کی ممانعت ہے، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿و لا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة﴾ (سورہ بقرۃ:۱۹۵) (اور اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کو دعوت نہ دو)۔

لیکن محفوظ علاقہ میں رہنے کی صورت میں بھی وہی ہوگا جو منظور الٰہی ہوگا، لہٰذا شریعت کی ہدایت ہے کہ وبا کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے وبازدہ علاقہ میں نہ جایا جائے اور وبا سے متاثر افراد دوسرے خطہ میں نہ آئیں۔

(۲) صاف صفائی کا خاص خیال رکھنا:

شرعی اعتبار سے تمام حالتوں میں صاف صفائی کا خصوصی اہتمام ہونا چاہئے، لیکن وبا کی حالت میں اس کی زیادہ تاکید ہے، کیونکہ عام طور سے ہوا کی خرابی اور صاف صفائی کی کمی کی وجہ سے وبا پھیلنے کا زیادہ امکان رہتا ہے، اسی لیے شریعت میں جہاں طہارت کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے۔ (دیکھیے: صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۲۳، مسند احمد حدیث نمبر ۲۲۹۰۲) بہ روایت: ابو مالک شعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

وہیں نظافت وصفائی کو بھی اللہ تعالیٰ کی صفت اور اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إن الله طيب يحب الطيب ، نظيف يحب النظافة" "فنظفو أفنيتكم۔" (سنن ترمذی ، كتاب الادب، باب ماجاء في النظافة ، حدیث نمبر ۲۷۹۹ مسند بزار، حدیث نمبر ۱۱۱۴، اور اس کی سند پر کلام ہے)

(یقیناً اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے، صاف اور صفائی کو پسند کرتا ہے لہٰذا اپنے صحنوں کو صاف ستھرا رکھو)

(اسلام صاف ستھرا مذہب ہے، لہٰذا صفائی اختیار کرو، کیونکہ جنت میں صاف ستھرے لوگ ہی داخل ہوں گے)۔

(۳) صبر و ہمت کا دامن تھامے رہنا:

یہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ یہاں انسان مختلف حالات سے دوچار ہو، مصائب وآفات اور درد وتکلیف میں مبتلا ہو، لہٰذا وبائی امراض کے وقت بھی انسان کی ذمہ داری ہے کہ صبر وشکیبائی اور ہمت وبرداشت کا دامن تھامے رہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ونبلوكم بالشّر والخير فتنة وإلينا ترجعون﴾ (۲۱/الانبیاء:۳۵)

(اور ہم خیر وشر کے ذریعہ تمہاری آزمائش کررہے ہیں اور ہمارے پاس ہی واپس تم کو آنا ہے)۔

وبا ایک عمومی مصیبت ہے اور مصیبت پر صبر کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بے حد وحساب ثواب رکھا ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿إنما يوفي الصابرون أجرهم بغير حساب﴾() (۳۹/زمر:۱۰)

(صبر کرنے والے کو بے حساب اجر سے نوازا جائے گا)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"يود أهل العافية يوم القيامة حين يعطى أهل البلاء الثواب ، لو أن جلود هم كانت قرضت في الدنيا بالمقاريض۔" (سنن ترمذی کتاب الزھد، حدیث نمبر ۲۴۰۲، شعب الإیمان للبیہقی، حدیث نمبر ۹۹۲۱، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے)

(قیامت کے دن دنیا میں صحت وسلامتی رکھنے والے لوگ، جس وقت دنیا میں مصیبت وآزمائش میں مبتلا ہونے والے لوگوں کو

ثواب دیا جائے گا، آرزو کریں گے کاش دنیا میں ان کی کھالیں قینچیوں سے کاٹ دی جائیں)

لہٰذا وبائی امراض کے وقت خاص طور سے صبر وہمت سے کام لینا چاہئے۔

(۴)-وبائی مرض میں مبتلا شخص:

وبائی مرض میں مبتلا شخص کو بے یارومدد گار نہ چھوڑا جائے ہر مریض کی طرح وبائی مرض میں مبتلا شخص کو بھی بے یارومدد گار نہ چھوڑا جائے، بلکہ احتیاطی تدابیر کرنے کے ساتھ اس کی خدمت کی جائے، اس کی دلجوئی اور تسلی وتسکین کا سامان فراہم کیا جائے، خدمت کرنے والے کے ذہن میں یہ ہونا چاہئے کہ وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا، کوئی مرض کسی کو اسی وقت لاحق ہوسکتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت ہو، اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

﴿قل لن يصيبنا إلا ما كتب الله لنا﴾ (١٠/توبه:٥١)

(کہہ دیجئے کہ ہمارے ساتھ وہی ہوگا جو ہماری تقدیر میں ہے)

(۵)-گریہ وزاری کا اہتمام:

ہر مرض کی طرح وبائی مرض بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے، وہی اسے ختم کرسکتا ہے، لہٰذا اسی سے مدد مانگنی چاہیے اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اسی کے سامنے عاجزی وبے بسی کا اظہار کرنا چاہئے، اسی کے دربار میں گڑگڑانا چاہئے اور اسی کی بارگاہ میں طرف رجوع کرنا چاہئے، تاکہ وبا کا خاتمہ ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فأخذناهم بالباساء والضراء لعلهم يتضرعون﴾ (٦/انعام:٤٢)

(اوران کو جانی اور مالی مصائب میں گھیرا تاکہ ان میں آہ وزاری پیدا ہو)۔

الغرض وبائی دور میں زیادہ سے زیادہ توبہ واستغفار، گریہ وزاری اور رجوع الی اللہ کی کوشش ہونی چاہئے۔

سوال نمبر(۳) کا جواب:

کرونا کے پھیلاؤ کو روکنے اوراس سے بچنے کے سلسلہ میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل اور دیگر احتیاطی تدابیر کا شرعی حکم۔

کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے اوراس سے بچنے کے سلسلہ میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل اور دیگر احتیاطی تدابیر اختیار کرنا شرعی اعتبار سے واجب ہے؛ کیونکہ خود کو ہلاکت کے درپے کرنا شرعاً ناجائز ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ولا تقتلو أنفسكم إن الله كان بكم رحيما﴾ (٤/نساء:٢٩)

(اور خودکشی نہ کرو بیشک اللہ تم پر بڑا شفیق ومہربان ہے)۔

خود کو قتل کرنے کی ممانعت میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جو انسان کی ہلاکت کا سبب بنتی ہیں جیسے خود کو تباہ کن خطرہ میں ڈالنا، اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات السلاسل کے سال یعنی جمادی الآخرۃ ۸ھ میں ایک دستہ کا سپہ سالار بنا کر روانہ کیا، ایک سخت ٹھنڈ والی رات میں ان کو احتلام ہوگیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ غسل کی صورت میں کہیں ہلاک نہ ہوجاؤں لہٰذا میں نے تیمّم کرکے رفقاء کو فجر کی نماز پڑھائی، واپسی پر لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، اے عمرو! تونے جنابت کی حالت میں رفقاء کو نماز پڑھائی، میں نے غسل نہ کرنے کا سبب بیان کیا، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے: (اور خود کو قتل نہ کرو) لہٰذا میں نے تیمّم کر کے نماز پڑھائی، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور آپ نے مجھ سے کچھ نہ کہا۔
(دیکھیے: سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب إذا اخاف الجنب البرد يتيمم، حدیث نمبر ۳۳۴، مسند احمد، حدیث نمبر ۱۷۸۱۲، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت کا مصداق عام ہے، اور ہر طرح کی تباہ کن چیز سے بچنا ضروری ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص کی سمجھ کی تردید نہیں فرمائی۔

حکومت کی گائڈ لائن پر عمل:

کرونا وائرس پھیلاؤ کو روکنے اور اس سے بچنے کے سلسلہ میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل بھی واجب ہے، اس لیے کہ حکومت کی یہی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور ان سے مضرتوں کو دور کرنے کی تدابیر اختیار کرے۔

جو امور مباح ہوں اور شریعت کے خلاف نہ ہوں ان میں حاکم وقت کی اطاعت واجب ہے، امام سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"طاعة الأمير فيما ليس فيه ارتكاب المعصية واجب۔"

(سرخسی، شرح التسیر الکبیر ۴/۲۱۵، ط:۱، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء)۔

(جن امور میں معصیت کا ارتکاب لازم نہ آئے ان میں امیر کی اطاعت واجب ہے)۔

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض۔" (ابن نجيم، البحر الرائق، باب البغاة ۵/۱۵۲، بيروت، درالمعرفه)

(جو امور معصیت نہ ہوں ان میں حاکم کی اطاعت فرض ہے)۔

اس سلسلہ میں مسلم اور غیر مسلم حکمراں کا فرق نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ وہ احکامات اور ہدایات شریعت کے خلاف نہ ہوں۔

البتہ معصیت پر مبنی احکامات قابل رد ہیں، خواہ مسلم حکمراں کی طرف سے ہوں، یا غیر مسلم حکمراں کی طرف سے۔

احتیاطی تدابیر توکل کے خلاف نہیں:

احتیاطی تدابیر اختیار کرنا توکل علی اللہ اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف نہیں ہے کیونکہ (توکل کی حقیقت یہ ہے کہ اسباب تو اختیار کیے جائیں لیکن نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑا جائے، اسباب میں تاثیر پیدا کرنے کے لیے سلسلہ میں اللہ ہی پر اعتماد رکھا جائے، نیز لوگوں کی چیزوں پر نظر نہ رکھی جائے،، علامہ علی بن محمد جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (و:۸۱٦ھ/۱۴۱۳ء) تحریر فرماتے ہیں:

"التوكل هو الثقة بما عند الله، واليأس عما في أيدى الناس۔"

(جرجانی التعریفات، ص:۹۷، ط، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۴۰۵ھ، ع، أ:۱)

(جو چیز اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس پر بھروسہ کرنے اور لوگوں ے ہاتھوں میں موجود چیزوں سے ناامید ہوجانے کا نام توکل ہے۔)

خود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بات کی وضاحت فرمادی ہے کہ اسباب کو اختیار کر کے نتیجہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑنے کا نام توکل ہے، چناچہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا میں اپنی اونٹنی کو چھوڑ دوں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"أعقلها و توكل" (اونٹنی کو باندھ دو اور اللہ پر بھروسہ رکھو)۔

(صحیح ابن حبان ۲/۵۱۰، حدیث مبر ۷۳۱، شعب الایمان ۲/۸۰، حدیث نمبر ۱۲۱۰، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے)۔

یہ حدیث بھی واضح طور پر اسی بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسباب اختیار کرنے کے بعد نتیجہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑنے کا نام توکل ہے، لہٰذا وباء کے زمانہ میں احتیاطی تدابیر اختیار کرنا شرعاً واجب ہے۔

سوال نمبر (۴) کا جواب: بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر

میری تحقیق کے مطابق بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ کچھ بیماریاں متعدی ہوسکتی ہیں لیکن ان کے اندر ذاتی تاثیر نہیں کہ لازمی طور پر مریض سے صحت مند آدمی کی طرف مرض منتقل ہوجائے، بلکہ یہ اسباب کے درجہ میں ہیں اگر اللہ تعالیٰ کی مشیئت ہوگی تو ان کے اثرات ونتائج مرتب ہوں گے، ورنہ نہیں، چناچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"فر من المجذوم فرارك من الأسد" (صحیح البخاری تعلیقا، حدیث نمبر ۵۷۰۷، شرح السنۃ للبغوي، حدیث نمبر ۳۲۴۷، مسند احمد حدیث نمبر ۹۷۲، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے)

(کوڑھی سے اس طرح بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو۔)

قبیلہ ثقیف کے وفد میں ایک کوڑھی شخص تھا، آپ نے اس سے کہلا بھیجا کہ ہم نے تم سے بیعت کر لی لہٰذا تم لوٹ جاؤ۔

(دیکھیے: صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۲۳۱، سنن نسائی حدیث نمبر ۴۱۸۲)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لا یورد ممرض علی مصح"

(صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۲۲۱، مسند احمد حدیث نمبر ۹۲۶۳ صحیح ابن حبان، حدیث نمبر ۶۱۱۵، شرح معانی الآثار للطحاوي، حدیث نمبر ۷۰۳۳)

(بیمار اونٹ والا اپنے بیمار اونٹ کو صحت منداونٹ والے کے اونٹ کے پاس نہ لائے)۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ تعالیٰ وسلم نے طاعون زدہ علاقہ میں جانے سے منع فرمایا۔

(دیکھیے صحیح البخاری، کتاب الانبیاء حدیث نمبر ۳۴۷۳، صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۱۸)۔

ذاتی تاثیر کی نفی کے لیے فرمایا:

"لاعدوی" (صحیح البخاری، کتاب الطب باب لاعدوی، حدیث نمبر ۵۷۷۲، صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۲۲۴)

(مرض کی چھوت چھات نہیں)

یعنی بذات خود کوئی بیماری کسی طرف منتقل نہیں ہوتی لیکن سبب کے درجہ میں اللہ تعالیٰ کی مشیت سے منتقل ہوسکتی ہے۔

ایک بدو کے سوال کے جواب میں کہ خارش زدہ اونٹ کے ساتھ صحتمند اونٹ چرتا ہے تو وہ بھی خارش زدہ ہوجاتا ہے، فرمایا:

فمن أعدى الأول ؟ (صحیح البخاری،، کتاب الطب، باب: لاصفر، حدیث نمبر ۵۷۱۷، صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۲۲۰)

(کسی نے پہلے اونٹ کی طرف منتقل کی؟)

یعنی جس طرح پہلا اونٹ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے بیمار ہوا، اسی طرح دوسرا اونٹ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے بیمار ہوا، کسی مرض میں ذاتی طور پر منتقل ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔

(کھاؤ اللہ تعالیٰ ہر ہی بھروسہ واعتماد ہے)۔

البتہ اس سلسلہ میں قدیم دور سے ہی اہل علم کے درمیان اختلاف رہا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) کوڑھی کے ساتھ کھانا کھایا جائے گا، اوراس سے اجتناب کا حکم منسوخ ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سلف کی ایک جماعت کی یہی رائے اور مالکیہ میں سے عیسی بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ- اسی کے قائل ہیں-

(۲) کوڑھی سے بھاگنے کا حکم استحباب وراحتیاط پر محمول ہے اوراس کے ساتھ کھانا بیان جواز کے لیے ہے، یہی جمہور اہل علم کی رائے ہے۔

(۳) مرض کا تعدیہ نہیں ہوتا ہے، جہاں تک کوڑھی سے بھاگنے کے حکم کا تعلق ہے تو یہ کوڑھی کی دلجوئی کے لیے ہے:۔ کیونکہ تندرست کو دیکھ کر اس کی حسرت میں اضافہ ہوگا۔

(۴) مرض کی چھوت چھات نہ ہونے کے مخاطب وہ ہیں۔ جن کا ایمان ویقین قوی ہو جو اس طرح کی حالت سے دوچار ہونے کے باوجود مرض کے تعدیہ کا اعتقاد نہیں رکھیں گے، جبکہ کوڑھی سے بھاگنے کے مخاطب وہ لوگ ہیں جن کا یقین کمزور ہو کہ وہ اس طرح کی حالت میں مبتلا ہونے کی صورت میں تعدیہ کا اعتقاد کر بیٹھیں گے، لہٰذا ان کو ایسے سبب سے بچنے کو کہا گیا تا کہ مرض کے تعدیہ کے اعتقاد کا دروازہ بند ہو جائے۔

(۵) مرض کا تعدیہ نہیں ہوتا ہے، البتہ کوڑھ، برص اور خارش میں تقدیم ہوتا ہے، یہ قاضی ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے ہے۔

(۶) کوڑھی سے بھاگنے کا حکم مرض کے تعدیہ کے باب سے نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ زیادہ خلط ملط رکھنے اوراس کی بوسونگھنے کی وجہ سے صحتمند مریض ہوسکتا ہے۔ یہ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے ہے۔

(۷) کوئی مرض اپنی ذات کے اعتبار سے صحتمند کی طرف منتقل نہیں ہوتا ہے، البتہ مریض کے ساتھ خلط ملط مرض کے منتقل ہونے کا سبب ہوسکتا ہے، لیکن ایسا ہوسکتا ہے کہ سبب پایا جائے اور نتیجہ ظاہر نہ ہو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت نہیں ہوئی، یہ امام بیہقیؒ ابن صلاح اور زیادہ تر شافعیہ کی رائے ہے۔

(۸) مرض کسی کی طرف بالکل منتقل نہیں ہوتا ہے، جن احادیث میں کوڑھی سے بھاگنے کا حکم ہے، وہ سد ذریعہ کے طور پر ہے، یعنی مریض کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے اگر کسی کو وہ مرض لاحق ہو جائے تو وہ مرض کے تعدیہ کا قائل ہو جائے، حالانکہ شریعت نے اس کی نفی کی ہے، گویا کوڑھی سے بھاگنے کا حکم بداعتقادی سے بچانے کے لیے ہے، یہ علامہ ابوعبید- رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ- ابن خزیمہ اور امام طحاویؒ کا مسلک ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن حجر عسقلانی، فتح الباری ۱۶۲/۱۰، بیروت، دارالمعرفہ، ۱۳۷۹ھ)۔

محور دوم: کرونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف

سوال نمبر(۱) کا جواب: کرونا کے زمانہ میں مساجد کے بجائے گھروں میں نماز کے سلسلہ میں شرعی حکم

کرونا کے زمانہ میں مساجد کی بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنے کی جازت ہے، اوراگر جماعت کے لیے افراد موجود ہوں تو انفرادی نماز پڑھنے سے افضل یہ ہے کہ ہر نماز جماعت سے پڑھی جائے۔

کیوں کہ جماعت سے نماز ادا کرنا سنت مؤکدہ قریب بہ واجب ہے، ''ہندیہ'' میں ہے:

"الجماعة سنة مؤكدة . . وفي الغاية قال: عامة مشايخنا: إنها واجبة۔"

(ہندیہ ، كتاب الصلاة ، الباب الخامس في الإمامة ، الفصل الأول في الجماعة ۸۲/۱، بیروت، دارالفکر، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء، ۶:۰۱۰)

(جماعت سنت موکدہ ہے۔(الغایہ) نامی کتاب میں ہے کہ عام مشائخ نے کہا ہے کہ جماعت واجب ہے)

لہٰذا کرونا وائرس کے عذر کی وجہ سے اگر مسجد میں جماعت قائم نہ کی ج اس کے تو کم از کم گھر میں جماعت سے نماز ادا کرنا افضل ہوگا،لیکن اگر جماعت کے لیے افراد موجود نہ ہوں تو جن پر نماز فرض ہے وہ تنہا نماز ادا کرلیں،اور اگر افراد موجود ہوں تو بھی تنہا پڑھ سکتے ہیں،البتہ ایسی صورت میں جماعت سے پڑھنا افضل ہے،(ہندیہ) میں ہے:

"وتسقط الجماعة بالأعذار..والصحيح أنها تسقط بالمطر والطين والبرد الشديد والظلمة الشديدة..وتسقط بالريح في الليلة المظلمة۔" (مرجع سابق ۸۲/۱)

(جماعت عذروں کی وجہ سے ساقط ہوجاتی ہے..اور تاریک رات میں تیز ہوا کی وجہ سے بھی جماعت ساقط ہوجاتی ہے)۔

سوال نمبر(۲) کا جواب:

کرونا کے زمانہ میں ایک مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ نماز جمعہ اور پنج وقتہ نمازیں پڑھنے کے سلسلہ میں شرعی نقطۂ نظر

کرونا وائرس کی وجہ سے اگر بڑی جماعت پر پابندی ہو تو پھر جمعہ وپنج وقتہ نماز کی ایک سے زائد جماعت کی گنجائش ہے۔البتہ ضروری ہے کہ ہر جماعت کا امام الگ ہو،کیوں کہ تکرار جماعت کے مکروہ ہونے کی علت تقلیل جماعت اور پہلی جماعت کی بے حرمتی وغیرہ اس صورت میں موجود نہیں ہے،علامہ ابن عابدین شامی-رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"لأن التكرار يؤدي إلى تقليل الجماعة:لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة يتعجلون فتكثر، وإلا تأخروا۔" (ابن عابدين، ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب في أذانه ۳۹۵/۱، بيروت، دارالفكر، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰)

(اس لیے کہ جماعت کی تکرار تقلیل جماعت کا سبب ہے؟ کیوں کہ لوگوں کو جب یہ علم ہوگا کہ جماعت فوت ہوگی،تو وہ جلدی کریں گے اور جماعت میں کثرت ہوگی،ورنہ وہ پیچھے جائیں گے۔)

اگر چہ عام حالات میں ظاہر الروایہ کے مطابق ایسی مسجد میں جس کا امام مقرر ہو تکرار جماعت مکرہ تحریمی ہے،لیکن امام ابو یوسف۔رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ:

"إذالم تكن على الهيئة الأولى لاتكره، وإلا تكره، وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب خلف لهيئة، كذافي البزازية، وفي التار خانية عن الولو الجية:وبه نأخذ۔" (ابن عابدين، ردالمحتار ۳۹۵/۱)

(اگر دوسری جماعت پہلی ہیئت میں نہ ہو تو یہ مکروہ نہیں ہے،ورنہ مکروہ ہے،اور یہی صحیح ہے،اور اگر محراب سے ہٹ کر جماعت قائم کی جائے تو ہیئت بدل جاتی ہے،ایسا ہی (بزازیہ) میں ہے،اور ''تا تارخانیہ'' میں ''ولوالجیہ'' کے حوالے سے مذکور ہے کہ ہم اسی قول کو لیتے ہیں)۔

لہٰذا کورونا وائرس کی پابندی کی وجہ سے ایک سے زائد مرتبہ ایک ہی مسجد میں پنج وقتہ نمازیں پڑھنے اور متعدد بار نماز جمعہ ادا کرنے کی گنجائش ہے کہ مجبوری کے اپنے احکامات ہوتے ہیں۔

سوال نمبر(۳) کا جواب: وباء کے زمانہ میں گھروں میں جمعہ ادا کرنے کے سلسلہ میں شرعی نقطۂ نظر

کرونا وائرس کی پابندی کی وجہ سے جمعہ کی فرضیت ساقط ہے،اس کے باوجود اگر چار یا اس سے زائد عاقل بالغ مرد گھروں

یادروازوں یاکسی اورجگہ میں ظہر کی نمازکی جگہ جمعہ کی نمازادا کر لیتے ہیں تو فریضۂ وقت ادا ہوجائے گا۔(ہندیہ) میں ہے:

"ومن لاجمعة عليه إن أداهاجازعن فرض الوقت۔"

(ہندیہ،کتاب الصلاۃ،الباب السادس عشرفي صلاۃ الجمعۃ ۱/۱۴۴-۱۴۵،بیروت،دارالفکر،۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء)

(جس پرجمعہ واجب نہ ہو،اگروہ اسے ادا کرلے تو وقت کے فریضہ کی طرف سے جمعہ کی ادائیگی جائزاورکافی ہوجائے گی)۔

خواہ حضرات دروازہ کھلا رکھیں یابند رکھیں؛کیوں کہ کرونا وائرس کی بنا پر عائد پابندی کی وجہ سے موجودہ حالات میں''اذن عام'' کی شرط کی کوئی معنویت نہیں ہے۔

اذن عام کی معنویت اس صورت میں ہے جب کہ ایک ہی جگہ جمعہ کی نماز ہو،اورعمومی اجازت نہ ہونے کی صورت میں کچھ لوگ کی نماز جمعہ فوت ہونے کااندیشہ ہو،علامہ ابن الھمام''تحریرفرماتے ہیں:

"وعلی الرواية المختارة عندالسرخسي وغيره من جوازتعددها۔"

(سرخسی وغیرہ کے نزدیک مختارروایت کے مطابق جمعہ کی نماز میں تعدد جائز ہے۔)

لہٰذا یہ محل نزاع نہیں ہونا چاہئے،کیوں کہ جمعہ کا فوت ہونا ثابت نہیں ہوگا،جیسا کہ علت بیان کرنے سے اسی کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ چاروں فقہی مسالک میں سے امام،یااذن امام،اور(اذن عام) کی شرط صرف حنفیہ کے یہاں ہے۔

البتہ گھروں میں اسی طرح مسجدوں میں جمعہ کی جماعت بار بار کرنا بہتر نہیں کیوں کہ ماضی میں بہت سی وبائیں آئی ہیں،لیکن اس دور کے علماء نے گھروں میں مسجد میں باری باری سے جمعہ قائم کیا ہو،یہ بات منقول نہیں ہے۔

لیکن کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں مسجد کے خدام:امام ومؤذن اورآس پاس کے دو چار لوگ جس کی تعداد انتظامیہ کی طرف سے اجازت ہو جمعہ قائم کرلیں تاکہ جمعہ کا انقطاع نہ ہو،رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کاارشاد ہے:

"من ترك ثلاث جمع تهاونا بهاطبع الله علی قلبه۔"

(سنن نسائی،،حدیث نمبر ۱۳۶۹،سنن ابی داوٴد،حدیث نمبر ۱۰۵۲،مسند احمد،حدیث نمبر ۱۵۴۹۸،بہ روایت:ابوجعد ہے)

(جوسستی کی وجہ سے تین جمعہ ترک کردے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگادے گا۔)

شرطیں:

جواز کی شرطیں درجہ ذیل ہیں:

۱- کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں ایک مسجد میں ایک سے زائد جمعہ کی جماعت کی صورت میں ہر جماعت میں امام کے علاوہ کم سے کم تین عاقل وبالغ مرد ہوں۔

(ہندیہ) میں ہے:

"ومنها الجماعة وأقلهاثلاثة سوی الإمامَ" (ہندیہ،کتاب الصلاۃ،الباب السادس عشرفي صلاۃ الجمعۃ ۱/۱۴۸)

(جمعہ کے صحیح ہونے کی شرطوں میں سے ایک جماعت ہے اوراس کی کمتر مقدارامام کے علاوہ تین افراد ہیں۔)

۲- اگر جمعہ کی دوسری جماعت ہو،تو ضروری ہے کہ ہر جماعت سے پہلے خطبہ ہو،خواہ مختصر خطبہ ہو جو حمد ودرود وتقوی کی نصیحت اوراہل ایمان کے لیے دعا پر مشتمل ہو۔علامہ حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریرفرماتے ہیں:

"والرابع:الخطبة فيه۔" (حصکفی، الدر المختار، باب صلاة الجمعة ١٤٧/٢، بیروت دارالفکر، ١٣٨٦ھ، ع ٠ أ ٦:٠)
(اور جمعہ کی صحت کی چوتھی شرط ظہر کے وقت میں خطبہ کا ہونا ہے) اور خطبہ دینے والا شخص ایسا ہو جو کی امامت کر سکتا ہو۔
ہندیہ میں ہے:
"أما الخطيب فيشترط فيه أن يتأهل الإمامة فی الجمعة۔" (هنديه، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة)
بہر حال خطیب ہو تو اس میں جمعہ کی امامت کی اہمیت شرط ہے۔

۳- ہر جماعت کا امام الگ ہو، علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:
"لا يصلی المفترض خلف المتنفل۔" (مرغینانی، ہدایہ، کتاب الصلاۃ، فصل فی القراءۃ، بیروت، المکتبۃ الاسلام)
(فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔)

سوال نمبر (۴) کا جواب:

ظہر پڑھنے کی صورت میں با جماعت پڑھیں یا تنہا۔ کرونا وائرس کی پابندی کی وجہ سے اگر لوگ مسجد میں جمعہ ادا کرنے پر قادر نہ ہوں تو گھروں میں با جماعت پڑھنا افضل ہے، البتہ تنہا بھی پڑھ سکتے ہیں، کیوں کہ جمعہ کے دن ظہر کی نماز با جماعت کو فقہاء نے تین اسباب کی بنا پر مکروہ تحریمی قرار دیا ہے:

۱- تقلیل جماعت، یہ علت تعدد جمعہ کی وجہ سے پہلے ہی سے ساقط ہے۔

۲- جمعہ کی جماعت سے معارضہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کورونا وائرس کی پابندی کی وجہ سے جمعہ کی فرضیت ساقط ہونے کی وجہ سے جمعہ کی جماعت سے حقیقی معارضہ نہیں ہے۔ - ظہر کی جماعت ہونے کی صورت میں غیر معذور معذور کے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کورونا وائرس کی پابندی کی وجہ سے جب سب لوگ معذور ہیں، تو ظہر کی جماعت میں غیر معذور کے شامل ہونے کی علت موجود نہیں جب کہ فقہاء نے معذوروں، مسافروں اور قیدیوں کے لیے جمعہ نہیں ہے۔ جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کو مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی ذکر کردہ علتوں کی وجہ سے قرار دیا ہے۔

سوال نمبر (۵) کا جواب: وبا کے زمانہ میں گھروں میں عیدین کی نماز کے سلسلہ میں شرعی حکم

عید کی نماز قائم کرنا شعائر اسلام میں سے ہے، اور اس میں مسلمانوں کی شوکت کا اظہار بھی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
﴿وقد أفلح من تزكى، وذكر اسم ربه فصلى﴾ (٨/ الاعلى: ٢١ - ٥١)
(یقیناً وہ شخص کامیاب ہے جو پاکیزگی اختیار کرنے والا ہے، جو اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھتا ہے۔
اس آیت میں (تزکی) سے حضرت مکرم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صدقہ فطر اور (فصلی) سے نماز مراد لی ہے۔
(دیکھیے: عظیم آبادی، عون المعبود ۴/۵، ط:۲، بیروت، العلمیہ، ۵۱۹ھ، ۱۴:۱)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ مسلمانوں کی شان وشوکت کے اظہار کے لیے پردہ نشیں خواتین یہاں تک کہ حائضہ عورتوں کو بھی عیدین میں نکلنے کا حکم دیتے تھے۔ (دیکھیے صحیح البخاری حدیث نمبر ۳۲۹)

عید کی نماز حنابلہ کے نزدیک فرض کفایہ ہے، اور حنفیہ کے نزدیک جمعہ کی شرطوں کے ساتھ واجب ہے۔ جب کہ مالکیہ اور شافعیہ

کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔

(دیکھیے: ابن قدامی حنبلی، المغنی ۲/۲۶۷، ابن ہمام حنفی، فتح القدیر ۲/۳۱، اور دیر مالکی، الشرح الصغیر ۱/۳۲۵، شیرازی شافعی، المہذب ۱/۱۸۱)

لہٰذا عام حالات میں یہ درست نہیں ہے کہ لوگ گھروں میں عیدین کی نماز ادا کریں۔ البتہ اگر وبا کے زمانہ میں بڑی تعداد کے اکٹھا ہونے پر پابندی ہو اور سوشل ڈسٹنسنگ (Social Distancing) کی رعایت کے باوجود مسجدوں اور عیدگاہوں میں بڑی تعداد کے جمع ہونے پر پابندی ہو، تو پھر گھروں میں پر عیدین کی نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔

اگرچہ بعض حنفی فقہاء نے صراحت کی ہے کہ عید کی نماز کے لیے اذن عام، شرط نہیں ہے، چنانچہ سراج الدین ابراہیم بن نجیم حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”وإذا لم يشترط السلطان أو نائبه، ولا معنى لاشتراط الاذن العام، وكأنهم استغنوا بذكر السلطان عنه، على أنا قدمنا أن الاذن العام ما يذكر في الظاهر۔“

(ابراہیم بن نجیم، النہر الفائق شرح کنز الدقائق ۱/۳۷۳، ۱۱، بیروت، العلمیہ ۱۴۲۲ھ ۲۰۰۲) تحقیق: احمد، وعنایہ ۳:۲۰۱)

اسی طرح بعض حنفی فقہاء نے صراحت کی ہے کہ عید کی نماز کی جماعت کے لیے امام کے ساتھ ایک مرد کا شریک ہونا کافی ہے، علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقمطراز ہیں:

(لیکن مصنف کے ذکر کردہ کلام پر امام طحاوی- رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اعتراض کیا ہے کہ جمعہ کی شرائط میں سے جماعت ہے، جو جمع ہے اور ایک فرد اس جگہ (یعنی عیدین کے باب میں) امام کے ساتھ جماعت ہے، جیسا کہ (النہر الفائق میں ہے۔)

لیکن احقر کی ذاتی رائے ہے کہ وبا کی مجبوری کی وجہ سے جب عیدین کی نماز گھروں میں پڑھی جائے تو جمعہ کی جماعت کی رعایت کی جائے یعنی امام کے علاوہ تین یا زیادہ عاقل و بالغ افراد کے ساتھ عیدین کی نماز پڑھی جائے، تاکہ حتی الامکان اسلامی شان وشوکت کا اظہار ہو۔

سوال نمبر (٦) کا جواب: ماسک لگا کر نماز پڑھنے کا حکم

وبا کی وجہ سے ماسک لگا کر نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے؟ کیوں کہ فقہاء عام حالات میں چہرہ ڈھک کر نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”ويكره أن يغطى فاه فى الصلاة۔“ (كاساني، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: بيان ما يستجب فيها ومايكره ۱/۶۱۲، بيروت، دار الكتاب العربي) مکروہ ہے کہ نماز میں اپنے منہ کو ڈھانکے۔

اس کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ”نهى عن أن يغطى الرجل فاه“ اس بات سے منع فرمایا کہ (آدمی (نماز میں) اپنا منہ ڈھانکے۔)

(سنن ابی داود) کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی السدل فی الصلاۃ، حدیث، نمبر ۳۷۶) سنن ترمذی، المستدرک علی الصحیحین، حدیث نمبر ۱۳۹، صحیح ابن خزیمہ، حدیث نمبر ۸۱۹۱، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے۔

صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کے سلسلہ میں شرعی حکم کا عام حالات میں مطلوب یہ ہے کہ لوگ نماز میں ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہوں، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”أقيموا الصف في الصلاة، فإن بإقامة الصف من حسن الصلاة۔“

(صحیح البخاری، نماز میں صف سیدھی رکھو، کیوں کہ صف سیدھی کرنا نماز کے حسن کا حصہ ہے۔)

البتہ ائمہ اربعہ اور جماہیر سلف وخلف کے نزدیک یہ امر استحباب کے لیے ہے، لہٰذا مل کر کھڑا ہونا مسنون ہے کیوں کہ نماز کا حسن نماز کی تکمیل سے زائد سے ہے۔ لیکن وبا کی وجہ سے، کچھ فٹ کے فاصلہ سے کھڑے ہونے سے نماز پر کوئی اثر نہ پڑے گا،

سوال نمبر (۷) کا جواب: کورونا سے متاثر افراد کا مسجد اور جماعت میں شریک ہونے کے سلسلہ میں شرعی نقطہ نظر

کورونا چوں کہ ایک چھوت چھات والی بیماری ہے، اور طب کے ماہرین کے مطابق اس سے متاثر بیمار سے اس بیماری کا تعدیہ ہو سکتا ہے، اگر چہ یہ وائرس متاثر آدمی کی طرف منتقل ہونا سبب کے درجہ میں ہے جس کے اثر کا ظہور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے، لیکن چوں کہ وائرس کے منتقل ہونے کا قوی امکان ہے، لہٰذا کرونا سے متاثر افراد کا مسجد آنا اور جماعت میں شریک ہونا مکروہ تحریمی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ- رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”من أكل ثوما أو بصلاً فليعتزلنا، أو قال: فليعتزل في مسجدنا، وليقدر في بيته۔“

(الثوم النيئ حدیث نمبر، ۸۵۵، نیز حدیث نمبر ۵۴۵۲، ۷۳۵۹)

(جو لہسن یا پیاز کھائے اسے چاہیے کہ ہم سے الگ رہے، یا یہ فرمایا کہ اسے چاہیے کہ ہماری مسجد سے الگ رہے اور اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔)

جب نمازیوں اور فرشتوں کو لہسن یا پیاز کی بو سے ہونے والی تکلیف کی وجہ سے کچی پیاز یا لہسن کھا کر مسجد میں آنا مکروہ ہے، تو کورونا جیسے مہلک وائرس سے بچانے کے لیے کرونا سے متاثر افراد کا مسجد آنا اور جماعت میں شریک ہونا بدرجہ اوّل ی امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”هذا تصريح ينهى من أكل الثوم ونحوه عن دخول كل مسجد، وهذا مذهب العلماء كافة الإما حكاه القاضي عياض عن بعض العلماء ....وحجة الجمهور: فلا يقربن المساجد۔“

(نووی، شرح صحیح مسلم ۴۷/۵، ط:۲، بیروت، داراحیاء التراث العربی ۱۳۹۲ھ، ۱۸:۱۰)

سوال نمبر (۸) کا جواب:

یہ حدیث صراحتاً لہسن وغیرہ کھانے والے کو ہر مسجد میں داخل ہونے سے منع کرتی ہے، یہی تمام اہل علم کا مذہب ہے، سوائے بعض اہل علم کے قول کے، جسے قاضی عیاض نے نقل کیا ہے اور جمہور کی دلیل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

(جو لہسن وغیرہ کھائے وہ مسجدوں سے قریب نہ ہو۔)

مسجد سے تکلیف دہ شے کو دور کرنا مطلوب ہے، اور کرونا سے متاثر افراد سے بھی ضرر کا اندیشہ ہے، لہٰذا ان کو مسجد سے الگ رہنا چاہیے، ایک حدیث میں ہے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”مَن أخرج أخرى من المسجد بنى الله له بينا في الجنة۔“

(سنن ابن ماجہ) کتاب المساجد والجماعات، باب تطہیر المساجد وتطیبہا، حدیث نمبر ۷۵۷، اور اس کی سند پر کلام ہے)

(جو مسجد سے تکلیف دہ چیز کو باہر کرے گا، اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے گھر تعمیر فرمائے گا۔)

فقہاء نے بھی ہر ایسے آدمی کے مسجد میں آنے کو مکروہ قرار دیا ہے جس کی بدبو سے لوگوں کو تکلیف ہو، علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

”والمجذوم والأبرص أولى بالإلحاق ....و أيضا هنا علتان: أذى المسلمين وأذى الملائكة، فبالنظر إلى الأولى يعذر فى ترك الجماعة وحضور المسجد، وبالنظر إلى الثانية يعذر فى ترك حضور المسجد ولو كان وحده۔“

(ابن عابدین، ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، مطلب فی الغرس فی المسجد ۱/۶۹۱، بیروت، دارالفکر ۱۴۲۱ھ)

(کوڑھی اور سفید داغ والے کا اس حکم میں شامل ہونا بدرجہ اوّلی ہوگا ... نیز اس جگہ دو علتیں ہیں: ایک مسلمانوں کو تکلیف ہونا، دوم: فرشتوں کو تکلیف ہونا، پہلی علت کے پیش نظر ایسا شخص مسجد میں آنے اور جماعت ترک کرنے میں معذور ہوگا، جب کہ دوسری علت کے پیش نظر ایسا شخص مسجد میں آنے کو ترک کرنے میں معذور ہوگا، خواہ تنہا ہو۔)

جب کہ کسی عذر یا نماز کے وقت کے داخل ہونے کے قریب بھول کر کھالیا ہو اور بدبو دور کرنے کی کوئی چیز موجود نہ ہو۔

سوال نمبر (۸) کا جواب: کرونا سے متاثر افراد کے روزہ رکھنے کے سلسلہ میں شرعی حکم

کرونا سے متاثر افراد کے بارے میں اگر معتبر ماہر ڈاکٹر کی رائے ہو کہ روزہ سے اس میں شدت آنے کا غالب گمان ہے تو ان کے لیے روزہ ترک کرنا جائز ہے، البتہ صحتمند ہونے کے بعد فوت شدہ روزوں کی قضا لازم ہے۔

چنانچہ قدیم فقہاء نے بھی شدید مرض، یا مرض پیدا ہونے یا بڑھنے کے گمان غالب اور ہلاکت کے خطرہ کو روزہ نہ رکھنے کے لیے عذر قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

”لمن خاف زيادة المرض أو بطء البروء الفطر، ولحامل ومرضع خافت نقصان العقل أو الهلاك، أو المرض على نفسها أو ولدها نسبا كان أورضاعا، والخوف المعتبر ما كان مستترا لغلبة الظن بتجربة، أوإخبار طبيب مسلم حاذق عدل، ومن حصل له عطش شديد أو جوع يخاف منه الهلاك، وللمسافر الفطر وصومه أحب إن لم يضره۔“

(شرنبلالی، نورالإیضاح، ص: ۱۱۱ دمشق، دارالحکمۃ، ۱۹۸۵، ع، ۶۱)

سوال نمبر (۹) کا جواب: کرونا کی وجہ سے عام مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روکنے کے سلسلہ میں شرعی نقطہ نظر

معتبر وماہر اطباء کی رائے میں اگر بڑی تعداد میں حج وعمرہ کے لیے آنے کی وجہ سے کرونا وائرس کا پھیلاؤ ہو سکتا ہو تو پھر حج وعمرہ کی رغبت رکھنے والے عام مسلمانوں کی تعداد محدود کی جاسکتی ہے، باہر سے آنے والوں پر عارضی پابندی لگائی جاسکتی ہے، لیکن حرم اور کعبہ کے طواف کو مکمل طور پر معطل کرنا درست نہیں ہے، بلکہ احتیاطی تدابیر کے ساتھ حج وعمرہ جاری رہنا چاہیے۔

عارضی پابندی کا جواز اس لیے ہے کہ حاکم وقت مصلحت کے مطابق تصرف کرنے کا پابند ہے، مشہور فقہی وشرعی قاعدہ ہے:

”تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة.“

(ابن نجيم، الأشباه و النظائر، ص: ۱۲۳، بيروت، العلميه، ۱۴۰۰/۱۹۸۰ء.

(رعیت کے حق میں حاکم کا تصرف مصلحت کے ساتھ مربوط ہے۔)

عام مسلمانوں سے ضرر دور کرنا بھی حاکم وقت کی ذمہ داری ہے، لہٰذا اگر عمومی حج وعمرہ ادا کیے جانے سے ان کی ہلاکت کا گمان غالب ہو، تو پھر ایسی صورت میں حاکم کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ وبا کے ختم ہونے تک عمومی حج وعمرہ پر عارضی پابندی لگادے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة﴾ (بقره:۱۹۵)
(اور اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کو دعوت نہ دو۔)

محور سوم: کرونا کے زمانہ میں مساجد سے متعلق مسائل

سوال نمبر (۱) کا جواب: کرونا کے زمانہ میں مساجد کو بند کرنے کے سلسلہ میں شرعی حکم

کرونا کے زمانہ میں مساجد کو بالکلیہ معطل اور ویران کر کے بند کر دینا درست نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر، وأقام الصلاة وآتى الزكاة، ولم يخش إلا الله، فعسى أولئك أن يكونوا من المهتدين﴾ (۹۷/توبه:۱۱)

(مسجدوں کو آباد کرنے والے وہ ہوتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں (نماز کا اہتمام کرتے ہیں) اور زکوۃ دیتے ہیں اور صرف اللہ سے ڈرتے ہیں، ایسے لوگ امید ہے کہ ہدایت یافتہ ہوں گے۔)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إذا رأيتم الرجل يعتاد المساجد فاشهدوا بالإيمان."

سنن ترمذی، کتاب الإیمان، باب ماجاء فی حرمۃ الصلاۃ، حدیث نمبر ۲۶۱۷، کتاب التفسیر، باب: ومن سورۃ التوبۃ، حدیث نمبر ۳۹۰۳، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر ۲۰۸، مسند احمد، حدیث ۱۱۶۵۱، اور امام ترمذی- رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن درجہ کی حدیث قرار دیا ہے۔

(جب تم کسی شخص کو مسجد کی پابندی کرتے ہوئے دیکھو تو اُس کے ایمان کی گواہی دو۔)

لہٰذا جن اوقات میں عام دنوں میں مسجدیں کھلی رہتی ہیں کرونا کے زمانہ میں بھی کھلی رہیں، البتہ مسجدوں میں آنے والے پر لازم ہوگا کہ حکومت کی گائڈ لائن اور دیگر احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے عبادت کریں۔

سوال نمبر (۲) کا جواب: جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان

اذان کا اصل مقصد اگرچہ پنجگانہ نماز میں سے نماز کے وقت کے شروع ہو جانے کی اطلاع دینا ہے، تاکہ لوگ جمع ہو کر اس نماز کو جماعت سے ادا کر سکیں، چنانچہ عالمگیری میں ہے:

"الاذان سنة لأداء المكتوبات بالجماعة ...والصحيح أنه سنة مؤكدة، كذافي الكافي، وعليه عامة المشايخ، هكذا في المحيط۔"

(ہندیہ، کتاب الصلاۃ، الباب الثانی فی الأذان، الفصل الأول فی صفتہ وأحوال المؤذن ۱/۵۳، بیروت، دار الفکر، (۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء)

(جماعت کے ساتھ سے فرائض کی ادائیگی کے لیے اذان سنت ہے .....اور صحیح یہ ہے کہ اذان سنت مؤکدہ ہے،'' کافی'' نامی کتاب میں ایسا ہی درج ہے۔)

اور اسی پر عام مشائخ ہیں، (المحیط) میں اسی طرح درج ہے، اسی کے ساتھ اذان ایک اہم اسلامی شعار بھی ہے، یہاں تک محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

"إذا أصر أهل المصر على ترك الأذان والإقامة أمروا بهما، فإن أبو اقونلوا.... على ذلك بالسلاح، كما يقاتلون

عند الإصرار على ترك الفرائض والواجبات۔" (سرخسی، کتاب الصلاۃ، باب الأذان ۱/۱۳۴، ط:۱) بیروت، دار الفکر، ۱۴۲۱ھ د/۲۰۰ تحقیق: خلیل میں)

(اگر کسی شہر کے باشندگان اذان اور اقامت کے ترک پر اصرار کریں، تو ان کو ان دونوں چیزوں کا حکم دیا جائے گا، پھر بھی اگر وہ انکار کرتے ہیں تو اس بات پر ان سے ہتھیار کے ذریعہ قتال کیا جائے گا، جس طرح فرائض وواجبات کے ترک کے اصرار پر ان سے قتال کیا جائے گا۔)

لہٰذا اذان ہر حال میں دی جائے گی، خواہ وبا کا زمانہ ہو یا کوئی اور زمانہ ہو، عہد نبوت میں موسم کی خرابی کی صورت میں پوری اذان کے بعد "ألا صلوا في رحالكم" (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب الأذان للمسافرین ... حدیث نمبر ۶۳۲ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب الصلاۃ فی الرحال فی المطر حدیث نمبر ۶۹۷)

(آگاہ ہو جاؤ! تم لوگ اپنی اپنی قیام گاہوں اور گھروں میں نماز پڑھ لو۔)

البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے "حی علی الصلاۃ" کی جگہ "الصلاۃ فی الرحال" کہنے کا حکم دیا۔

(دیکھیے: صحیح البخاری، باب الکلام فی الأذان حدیث نمبر ۶۱۶، ۶۶۸، ۹۰۱، صحیح مسلم حدیث نمبر ۶۹۹)

لیکن زیادہ تر روایتوں کا اعتبار کرتے ہوئے یہی بات کہی جائے گی کہ وبا کے زمانہ میں جماعت موقوف ہونے کی صورت میں بھی پوری اذان دی جائے گی، کسی کلمہ کو ساقط نہیں کیا جائے گا۔ ہاں، اذان کے بعد اگر ضروری ہو تو یہ کہہ دیا جائے کہ اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیں۔

حاصل یہ کہ اذان باعث خیر و برکت اور اہم دینی شعار ہے، اس لیے ہر صورت میں اس کی حفاظت ضروری ہے۔

سوال نمبر (۳) کا جواب: جماعت کی تعداد کے سلسلہ میں گورنمنٹ کی ہدایات کی شرعی حیثیت

لوگوں کو ہلاکتوں اور مضرتوں سے دور رکھنا حکومت کی ذمہ داری ہے، لہٰذا جماعت کی تعداد کے سلسلہ میں گورنمنٹ کی ہدایات کی پابندی کرنی چاہیے، کیوں کہ حکومت مصلحت کے مطابق تصرف کی پابند ہے، مشہور شرعی قاعدہ ہے۔

"تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة۔"

(ابن نجیم الأشباہ والنظائر ص ۱۲۳، بیروت، العلمیہ، ۱۴۰۰ھ، سیوطی شافعی، الأشباہ والنظائر ص ۱۲۱، بیروت، العلمیہ، ۱۴۰۳ھ،

(رعیت کے حق میں امام کا تصرف مصلحت کے ساتھ مربوط ہے۔)

اس سلسلہ میں گورنمنٹ کی ہدایات کی شرعی حیثیت ندب واستحباب کی ہے، یعنی بہتر ہے کہ ان ہدایتوں کی پابندی کی جائے۔

سوال نمبر (۴) کا جواب: مساجد کے کسی حصہ یا اس کے ملحق جگہ کو کووڈ سینٹر بنانے کے سلسلہ میں شرعی نقطۂ نظر

مساجد کے کسی حصہ کو کووڈ سینٹر بنانا سخت حرام ہے، اس لیے کہ مسجدوں کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کی یاد، ذکر وفکر، نماز ودعا اور تلاوت قرآن کریم ہے، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا البول ولا القذر، إنما هي لذكر الله عز وجل، والصلاة وقراءة القرآن"
(صحیح البخاری، حدیث نمبر ۶۵۱، صحیح مسلم، حدیث ۲۸۵)

(یقیناً یہ مسجدیں پیشاب اور گندگی میں سے کسی چیز کے لیے مناسب نہیں ہیں، یہ تو بس اللہ عزوجل کے ذکر، نماز اور تلاوت قرآن کریم کے لیے ہیں۔)

یہ اشکال نہ کیا جائے کہ حضرت سعد بن معاذ بن نعمان انصاری اشہلی اوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاج کے لیے مسجد میں خیمہ لگایا گیا تھا۔
(دیکھیے: صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب الخیمۃ فی المسجد للمرضی وغیرہم" حدیث نمبر ۴۶۳ کتاب المغازی، باب مرجع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من الأحزاب، حدیث نمبر ۴۱۲۱ لی، مسند احمد حدیث نمبر ۲۵۰۹۷)

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ انفرادی صورت حال تھی، اور مقصد یہ تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریب سے اور بار باران کی عیادت کرسکیں، نیز ان کے علاج کا خود اہتمام کرسکیں، چنانچہ علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"فيه أن السلطان أو العالم إذا شق عليه النهوض إلى عيادة مريض يزوره ممن يهمه أمره ينقل المريض إلى موضع يخف عليه فيه زيارته ويقرب منه۔" (عینی، عمدۃ القاری، باب الخیمۃ فی المسجد للمرضی وغیرہم ۱۲۹/۷، ط: شاملہ)

(حدیث سے ایک فائدہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ یا عالم کو جس مریض کے معاملہ سے دلچسپی ہو اور اس کی عیادت کے لیے (بار بار) جانا دشوار ہو، تو وہ مریض کو ایسی جگہ منتقل کردے، جو اس سے قریب ہو اور جہاں اس کی زیارت اس کے لیے آسان ہو)۔

مسجد سے ملحق کوئی جگہ خالی ہو اور اسے کووڈ سینٹر بنانے سے مسجد کی فضا متاثر نہ ہو، تو اس جگہ کو اس کام کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ البتہ مسجد کمیٹی سے اجازت لینی ضروری ہوگی۔

محور چہارم: کرونا سے متأثر مریض کی تیمارداری

سوال نمبر (۱) کا جواب: کرونا سے متاثر مریض کو الگ تھلگ کردینے کے سلسلہ میں شرعی حکم

کرونا وائرس کے نام پر انسانیت کی جو توہین کی گئی، اس کی نظیر ماضی میں نہیں ملتی ہے، یقیناً شرعی اعتبار سے یہ ناروا رویہ ہے، چنانچہ کسی بھی مریض کو خواہ اس کے مرض کی نوعیت کچھ بھی ہو، الگ تھلگ کردینا اور اس کی تیمارداری نہ کرنا جائز نہیں ہے۔

البتہ کسی وائرس کے مریض سے منتقل ہونے کا گمان غالب ہو تو اس سے بچاؤ کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے اس کی تیمارداری کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا اشاد ہے:

﴿قل لن يصيبنا إلا ما كتب الله لنا، هو مولانا وعلى الله فليتوكل المؤمنون﴾ (۹/توبہ:۵۱)

(کہہ دیجیے کہ ہمارے ساتھ وہی ہوتا ہے جو ہماری تقدیر میں ہے، اللہ ہی ہمارا سرپرست اور کارساز ہے، اور اللہ ہی پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے)۔

فقہاء نے بھی اس بات کی صراحت کی ہے کہ ہر مریض کی خدمت، تیمارداری، ہمدردی، غمخواری اور عیادت کارثواب ہے۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"عيادة المريض قربة شرعاً" (سرخسی، المبسوط، کتاب نوادر الصوم ۱۱۹/۳، ط:۱، بیروت دارالفکر، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء)

(مریض کی عیادت شرعی اعتبار سے کارثواب ہے۔)

حدیث پاک میں بھی ہر طرح کے مریض کی خدمت وعیادت کو اجر عظیم کا باعث قرار دیا گیا ہے، ایک حدیث میں ہے جو حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"عائد المريض في مخرفة الجنة حتىٰ يرجع۔" (صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۵۶۸، مسند احمد، حدیث نمبر ۲۲۴۰۴)
(مریض کی عیادت کرنے والا جنت کے باغ میں ہے (کہ جتنا چاہے پھل چن لے) یہاں تک کہ لوٹ جائے)۔

سوال نمبر (۲) کا جواب: کرونا سے متاثر مریض کے علاج کے خرچ کے سلسلہ میں شرعی نقطۂ نظر

اگر کرونا سے متاثر مریض کے علاج کا خرچ افراد خاندان برداشت نہ کرسکیں، تو پھر ایسی صورت میں حکومت پر فرض ہے کہ اس کے علاج کا بندوبست کرے: کیوں کہ حکومت سماج کی نمائندہ ہے، لہٰذا سماج کی نیابت میں اس پر واجب ہے کہ کرونا سے متاثر محتاج مریض کے علاج ومعالجہ کے سلسلہ میں مدد کرے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"الإمام راع ومسؤول عن رعيته۔"
(صحیح البخاری، حدیث نمبر ۸۹۳، صحیح مسلم، حدیث نمبر ۱۸۲۹، صحیح ابن حبان، حدیث نمبر ۴۴۹۰، بہ روایت: ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
(سربراہ حکومت نگراں ہے اور اپنی رعایا کے سلسلہ میں جواب دہ ہے)۔

اس کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

"فرعاية الإمام الأعظم حياطة الشريعة بإقامة الحدود، والعدل في الحكم۔"
(ابن حجر، فتح الباری ۱۳/۱۱۳، بیروت، دار المعرفہ، ۱۳۷۹ھ، ع ۱۳:۰۰ٔ)
(سربراہ حکومت کی نگہبانی یہ ہے کہ حدود قائم کرکے شریعت کی حفاظت کرے، اور حکمرانی میں انصاف سے کام لے۔)

انصاف کے ساتھ حکمرانی کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ ملک میں کرونا سے متأثر کوئی مریض علاج کے بغیر نہ رہے، بلکہ ہر طرح سے اس کی مدد کی جائے اور اس کے علاج کا بندوبست کیا جائے، چنانچہ ایک حدیث میں حکومت کی اس ذمہ داری کو اس طرح واضح کیا گیا ہے:

"أنا أولى بكل مؤمن من نفسه، فمن ترك دينا أوضيعة فإلي، ومن ترك مالا فلورثته، وأنا مولى من لامولى له۔"
(سنن أبي داود، حدیث نمبر ۲۹۰۰، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر ۲۷۳۸، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے)
(میں ہر مومن سے اس کی جان سے زیادہ قریب ہوں، سو جو قرض یا محتاج بال بچے چھوڑ جائے، تو اس کی ذمہ داری میرے سر ہے، اور جو مال چھوڑ جائے، تو وہ اس کے ورثہ کے لیے ہے، اور میں اس کا سرپرست ہوں جس کا کوئی سرپرست نہیں۔)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عمل حاکم کی حیثیت سے تھا، لہٰذا یہ آپؐ کی خصوصیت نہیں ہے، بلکہ ہر حکمراں کی ذمہ داری ہے، اس لیے کرونا سے متأثر مریض کے علاج کا خرچ اگر افراد خاندان برداشت نہ کرسکیں تو حکومت پر واجب ہے کہ ایسے محتاج مریض کے مفت علاج کا انتظام کرے۔

سماج کی ذمہ داری:

اگر حکومت اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کرے تو ایسے محتاج مریض کا علم رکھنے والے سماج کی ذمہ داری ہے کہ اس کی مدد کرے تا کہ اس کا علاج ہوسکے، اور یہ نوبت نہ آئے کہ وہ ضائع ہوجائے، چنانچہ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقمطراز ہیں:
(نیکی اور تقوی کے کاموں میں آپس میں تعاون کرنے کی مختلف شکلیں ہیں: ایک شکل یہ ہے کہ عالم اپنے علم کے ذریعہ لوگوں کی مدد کرے یعنی انہیں تعلیم دے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ سماج کا مالدار طبقہ اپنے مال کے ذریعہ لوگوں کی مدد کرے۔ تیسری شکل یہ ہے کہ بہادر

اللہ کی راہ میں اپنی بہادری کا مظاہرہ کرے۔ چوتھی شکل یہ ہے کہ مسلمان سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح اتحاد و اتفاق کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ پانچویں شکل یہ ہے کہ ظالم کو ہر ممکنہ طریقہ سے ظلم سے باز رکھا جائے۔

(دیکھیے: قرطبی، الجامع لأحکام القرآن ۶/۴۷، ریاض، دار عالم الکتب، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء)

محور پنجم: کرونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

کرونا سے انتقال کرنے والوں کو غسل دینے کی کفیت:

اگر عام میت کی طرح کرونا سے انتقال کرے والے شخص کو غسل دینا ممکن نہ ہو تو پھر ہاسپٹل کے مسلم عملہ کو چاہیے کہ پائپ کے ذریعہ مسلمان میت کے بدن کے اوپر غسل کی نیت سے پانی بہادے، اگر اس کی اجازت نہ ہو تو پھر حفاظتی لباس اور حفاظتی دستانہ پہن کر تیمّم کرادے، اگر اس کی بھی اجازت نہ ہو تو پھر غسل اور تیمّم کے بغیر ہی نماز پڑھ لی جائے، اور مردہ کو دفن کر دیا جائے۔

عالمگیری میں ہے: "والواجب هوالغسل مرة واحدة والتكرارسنة، حتى لو اكتفى بغسلة واحدة، أوغمسة واحدة في ماء جار جاز...ولو كان الميت متفسخايتعذر مسحه كفى صب الماء عليه، كذافي التتارخانية ناقلاعن العتابية ...إذا كان للمرأة محرم ييممها باليد، وأماالاجنبى فبخرقة على يده، ويغض بصره عن ذراعيها، و كذاالرجل في امرأته إلافي غض البصر۔" (هنديه، كتاب الطهارة، الفصل الثاني في الغسل ١/١٥٨، ١٦٠)

مجبوری کی حالت میں بلا غسل نماز و دفن کا جواز:

اگر غسل دینے کی اجازت نہ ہو، یا غسل ممکن نہ ہو، نہ ہی تیمّم ممکن ہو تو پھر غسل ساقط ہے، بلا غسل نماز پڑھنا ار دفن کرنا جائز ہے۔ (ہندیہ) میں ہے:

"و شرطهاإسلام الميت وطهارته، مادام الغسل ممكنا۔" (ہندیہ، الفصل الخامس في الصلاة على الميت ۱/۱۶۲-۱۶۳)

(مردہ پر نماز جنازہ پڑھی جانے کی شرط اس کا مسلمان اور پاک ہونا ہے، جب تک غسل ممکن ہو۔)

سوال نمبر (۲) کا جواب: کورونا کے میت کو اسپتال کی طرف سے مخصوص کور (Cover) میں لپیٹ کر دفن کرنے کے سلسلہ میں شرعی حکم

اگر میت کو مخصوص کور کے اوپر کفن پہنانے کی اجازت ہو، تو پھر سنت کے مطابق کفن پہنایا جائے، ورنہ اسی مخصوص کور پر اکتفا کرنا جائز ہے۔ (عالمگیری) میں ہے:

"وهو فرض على الكفاية ... كفن الرجل سنة إزار و قميص ولفافة، وكفاية إزار ولفافة وضرورة ما وجد، و كفن المرأة سنة درع وإزار و خمار ولفافة وخرفة يُربط ثدياها، وكفاية إزار و لفافة و خمار۔"

(ہندیہ کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين ۱/۱۶۰، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء، ع ۰۱/۶:۰)

سوال نمبر (۳) کا جواب: کرونا میت کی بغیر نماز جنازہ تدفین کے بعد قبر کے پاس نماز پڑھنے کے سلسلہ میں شرعی حکم

اگر کرونا میت کی بغیر جنازہ تدفین کے بعد گھر والوں کو اس کی اطلاع دی جائے تو ایسی صورت میں بعد تدفین قبر کے پاس نماز جنازہ اس وقت تک ادا کی جاسکتی ہے جب تک وہ نہ پھولے پھٹے۔ "عالمگیری" میں ہے:

”وإن لـم يكن بأن دفن قبل الغسل، ولم يكن إخراجه إلا بالنبش تجوز الصلاة على قبره للضرورة ولو صلى عليه قبل الغسل تعاد الصلاة لفساد الأولى، هكذا في التبيين۔“

(ہندیہ،الفصل الخامس في الصلاۃ علی المیت ۱/۱۶۳، بیروت، دار الفکر،۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء، ع ۱۰ اُ ۶:۰)

(اور اگر غسل ممکن نہ ہو اس طرح کہ غسل سے پہلے دفن کر دیا گیا ہو اور قبر کھود کر ہی لاش نکالنا ممکن ہو تو ضرورتاً اس کی قبر پر نماز جائز ہے، اور غسل سے پہلے نماز جنازہ پڑھی گئی پھر مردہ کو دفن کر دیا گیا، تو پہلی نماز فاسد ہونے کی وجہ سے نماز کا اعادہ کیا جائے گا۔(تبیین الحقائق) میں اسی طرح درج ہے)۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دفن کے بعد نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہے، جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”صلى على قبر أمراة قددفنت“ ”ایک انصاریہ خاتون کی قبر پر دفن کئے جانے کے بعد نماز جنازہ پڑھی)۔

(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الصلاۃ علی القبر، حدیث نمبر ۹۵۵، صحیح ابن حبان، حدیث نمبر (۳۰۸۴)

البتہ مردہ کے جسم کے گلنے سڑنے تک اور پھولنے پھٹنے سے پہلے نماز جنازہ ادا کی جائے گی، علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قمطراز ہیں:

”ولـم يـقيد المصنف بمدة، لأن الصحيح أن ذلك جائز إلى أن يغلب على الظن تفسخه والمعتبر فيه أكبر الرأي على الصحيح من غير تقدير بمدة۔“ (ابن نجیم، البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته ۲/۱۹۶، بیروت، دار المعرفہ)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”قوله: صلى على قبره“أي افتر اضافي الأوليين، وجوازا في الثالثة:لأنها لحق الولي۔“

(ابن عابدین، در المختار، کتاب الجنائز، مطلب في صلاۃ الجنازۃ ۲/۲۲۴، بیروت، دار الفکر،۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء، ع ۱۰ اُ ۸:۰)

(پہلی دونوں صورتوں یعنی بلا نماز دفن کر دینے اور بلا غسل نماز پڑھ کر دفن کر دینے کی صورتوں میں قبر پر نماز پڑھنا فرض ہے، جب کہ تیسری صورت میں غیر ولی نے نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا، بہ طور جواز قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی: اس لیے کہ یہ ولی کے حق کی وجہ سے ہے۔)

سوال نمبر (۴) کا جواب: کورونا کے مردہ کی غائبانہ نماز جنازہ

اگر میت کی تدفین کی اطلاع ملے اور قبر کی جگہ معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ حبشہ (اصحمہ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

(دیکھیے: صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الصفوف علی الجنازۃ، حدیث نمبر ۱۳۱۸، ۱۳۲۸، صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب في التکبیر علی الجنازۃ، حدیث نمبر ۹۵۱، بہ روایت: ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔)

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ اس لیے پڑھی کہ وہ کافروں کے درمیان تھے، وہاں ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی، لہٰذا انکی نماز جنازہ پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حق ادا کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مسلمان کی لاش کو سامنے رکھ کر، یا اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت ہے، تا کہ کوئی مسلمان بغیر نماز جنازہ کے نہ رہ جائے۔ اگر چہ حدیث کی رو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان کے جنازہ کو کھول دیا گیا تھا لیکن اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مخصوص صورت حال میں غائبانہ نماز جنازہ کی گنجائش ہے۔

جس مخصوص صورت میں مردہ کو سامنے رکھ کر، یا قبر پر نماز جنازہ پڑھنا ممکن نہ ہو، اس صورت میں مسلم بھائی کے حق کی ادائیگی اسی طرح ہوگی کہ اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے۔

سوال نمبر (۵) کا جواب: کرونا سے انتقال کرنے والے مسلمان شہید ہیں

کرونا سے انتقال کرنے والے مسلمان شہید ہیں؛ کیوں کہ یہ ایک تباہ کن وبائی مرض ہے، جس طرح طاعون ایک وبائی مرض ہے اور اس سے انتقال کرنے والے کو شہید قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من قتل في سبيل الله فهو شهيد ومن مات فى الطاعون فهو شهيد، ومن مات فى البطن فهو شهيد، والغريق شهيد۔"

(صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب بیان الشہداء، حدیث نمبر ۱۹۱۵، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر ۲۸۰۴)

(جو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، جو اللہ کی راہ میں مر جائے وہ شہید ہے، جو طاعون میں مر جائے وہ شہید ہے، جو پیٹ کی بیماری میں مر جائے وہ شہید ہے، اور جو ڈوب کر مر جائے وہ شہید ہے)۔

لیکن معنوی اور اخروی شہادت ہے یعنی ان تمام افراد کو قیامت کے دن شہید کا ثواب دیا جائے گا۔

فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے، چنانچہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"يعني في أحكام الآخرة لا في أحكام الدنيا۔"

(سرخسی، شرح السیر الکبیر ۱/۲۳۷، ط:۱، بیروت العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء، ۵:۱۰۱)

(یعنی یہ افراد آخرت کے احکام کے لحاظ سے شہداء ہیں نہ کہ دنیا کے احکام کے اعتبار سے)

لہٰذا ان کو غسل دیا جائے گا، کفن پہنایا جائے گا اور ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی)

محور ششم: کرونا ویکسین سے متعلق مسائل

سوال نمبر (۱) کا جواب: الکوحل آمیز سینیٹائزر اسپرے (Sanitaizer Spray) استعمال کرنے کے سلسلہ میں شرعی نقطۂ نظر

عام طور سے دواؤں، سینٹ اور اسپرے وغیرہ میں الکحل شامل کی جاتی ہے، اور جو الکحل نشہ آور ہو، وہ شریعت میں ناپاک بھی ہے اور حرام بھی ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ اور امام محمد بن الحسن شیبانی -رحمھم اللہ تعالیٰ- کے نزدیک غیر انگوری شراب بھی حرام ہے۔ علامہ زیلعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"وهذا الاختلاف فيما إذا قصدبه التقوي دون التلهى وإن قصد به التلهى فهو حرام بالإجماع وعن محمد أنه قال مثل قولهما ونعه أنه كهه وعنه أنه توقف فيه۔" (زیلعی، تبیین الحقائق ۶/۴۷، قاہرہ دار الکتاب الاسلامی، ۱۳۱۳ھ)

(یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ اس کے ذریعہ قوت حاصل کرنے کا قصد کرے تو یہ بالاتفاق حرام ہے ور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے شخصیت شیخین کے قول کی مانند قول اختیار کیا ہے، اور ان سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے اسے مکروہ قرار دیا ہے، اور ان سے ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے اس سلسلہ میں توقف اختیار کیا ہے)۔

اور یہی صحیح ہے، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

"عن جابر بن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنهما -أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال:ماأسكر كثيره

فقليله حرام." (سنن ابی داود، حدیث نمبر ۳۶۸۱، سنن ترمذی، حدیث نمبر ۱۸۶۵، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے)
(جس چیز کی کثیر مقدار نشہ پیدا کرے، اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے)۔

لیکن سینٹا ئزر اسپرے میں ڈالی جانے والی الکحل کے بارے میں ماہرین کا خیال ہے کہ یہ نشہ آور مادہ تیار نہیں کی جاتی ہے، اور نہ نشہ آور ہوتی ہے، لہٰذا مسجدوں کی صفائی میں اس کا استعمال کیا جا سکتا ہے، اور نماز پڑھنے والے شخص نے جسم اور کپڑے پر اس کا استعمال کیا ہو تو اس کی نماز درست ہے۔

سوال نمبر (۲) کا جواب: کرونا ویکسین لگوانے کے بارے میں شرعی حکم

ویکسین لگوانا بھی علاج ہی حصہ ہے، اور جماہیر سلف اور خلف کے نزدیک علاج کرانا مباح ہے، امام ابن تیمیہؒ رقمطراز ہیں:

"وأما التداوي فليس بواجب عندجماهير الأئمة، وإنما أوجبه طائفة قليلة، كما قاله بعض أصحاب الشافعي وأحمد۔" (ابن تیمیہ، الفتاوی الکبری ۳/۷، ط:۱، بیروت، العلمیہ ،۱۴۰۸ھ/۱۹۸۷ء)

(بہر حال علاج ومعالجہ تو جمہور ائمہ کے نزدیک واجب نہیں ہے، ایک قلیل جماعت نے اسے واجب قرار دیا ہے، جیسا کہ امام شافعی اور احمد- رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما، کے بعض پیروکار بھی وجوب کے قائل ہیں۔)

ہندیہ میں ہے:

"الاشتغال بالتداوي لابأس به، إذا اعتقد أن الشافي هو الله تعالیٰ، وأنه جعل الدواء سببا۔"

(ہندیہ کتاب الکراھیہ، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات ۳۵۴/۵)

(علاج ومعالجہ میں مشغول ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جب کہ اس بات کا اعتقاد رکھے کہ شفا دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور اس نے دوا کو سبب قرار دیا ہے۔) لہٰذا ویکسین لگوانا مباح ہے۔

البتہ جب بار بار کے تجربہ سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ ویکسین لگائے بغیر کرونا وائرس سے بچنا ممکن ہی نہیں تو اس وقت ویکسن لگوانا واجب ہوگا؛ کیوں کہ نفس انسانی کا تحفظ مقاصد شریعت میں سے ہے، نیز خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج کروایا ہے اور دوسروں کو علاج کرانے کا حکم دیا ہے، چنانچہ حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بدوؤں نے پوچھا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم علاج نہ کرائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے اللہ کے بندوں! علاج کراؤ:

"فإن الله لم يضع داء إلا وضع له شفاء إلا داء أحدا، قالوا:يا رسول الله !وماهو؟قال:الهرم۔"

(سنن ابی داود، کتاب الطب،، باب في الرجل يتداوی، حدیث نمبر ۳۸۵۵، سنن ترمذی حدیث نمبر ۲۰۳۸، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر ۳۴۳۶، صحیح ابن حبان ۴۲۶/۱۳، حدیث نمبر ۶۰۶۱، مسند احمد، حدیث نمبر ۱۸۴۵۴، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے)

کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری پیدا نہیں کی ہے جس کی شفا طے نہ کی ہو، سوائے ایک بیماری کے، صحابہ کرام نے عرض کیا وہ بیماری کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بڑھاپا ہے)

ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی وضاحت یوں کی ہے:

"وأمره عليه السلام بالتداوي نهي عن تركه۔" (ابن حزم، المحلی ۴۱۸/۷، مسئلہ نمبر ۱۰۱۳، بیروت، دار الفکر)

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج کرانے کا حکم دینا، علاج چھوڑنے سے منع کرنا ہے)

محور ہفتم: کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے سے متعلق اسلامی ہدایات:

سوال نمبر(۱) کا جواب: وبا کے دفعیہ کے لیے اذان کی مشروعیت

دفع وبا کے لیے اذان دینا مشروع ہے، جس طرح بچہ کے کان میں اذان دینا مشروع ہے، تاکہ سب سے پہلے اس کا کان کلمۂ توحید سے آشنا ہو، اور بچہ شیطانی اثرات سے محفوظ رہے۔

فقہاء نے بھی اس بات کی صراحت کی ہے کہ دفع وبا کے لیے اذان دینا مشروع ہے، چنانچہ علامہ سلیمان بن عمر بجیرمی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ت:۱۲۱۱ھ) رقمطراز ہیں:

”ويسن الأذان في أذن دابة شرسة، وفي أذن من ساء خلقه، وفي أذن المصروع۔“

(بجیرمی، تحفۃ الحبیب علی شرح الخطیب، کتاب الصلاۃ ۱۹۸/۲، ط:۱، بیروت، العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء، ع ۵:۱۰)

(بدکنے والے جانور کے کان میں، بداخلاقی کی وجہ سے ان کے کان میں، بداخلاق آدمی کے کان میں اور مرگی کے مرض میں مبتلا شخص کے کان میں اذان دینا مسنون)۔

علامہ شافعی صغیر شمس الدین محمد رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (و:۱۰۰۴ھ) تحریر فرماتے ہیں:

”يسن للمهموم أن يأمر من يؤذن في أذنه فإنه يزيل الهم، كمارواه الديلمي عن علي يرفعه...ويسن أيضاإذا تغولت الغيلان أي تمردت الجان ؛لأن الأذان يدفع شرهم؛فإن الشيطان إذاسمعه أدبر۔“

(رملی شافعی نہایۃ المحتاج ۴۰۱/۱، بیروت، دارالفکر، ۱۹۸۴ء، ع ۸:۱۰)

(غمزدہ شخص کے لیے مسنون ہے کہ وہ ایسے شخص کو حکم دے جو اس کے کان میں اذان دے؛ کیوں کہ اذان غم کو دور کر دیتی ہے، جیسا کہ دیلمی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ سے مرفوعاً نقل کیا ہے......اور جن بھوت کے مختلف شکلوں میں ظاہر ہونے کے وقت بھی اذان دینا مسنون ہے؛ اس لیے کہ اذان ان کے شر کو دور کر دے گی؛ کیوں کہ شیطان اذان سن کر پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوگا)۔

فقہ حنفی:

فقہاء احناف نے بھی ان مواقع پر اذان کے مسنون ہونے کو شوافع کی کتابوں سے نقل کر کے برقرار رکھا ہے، علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، خیر رملی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

”رأيت في كتب الشافعية أنه قديسن الأذان بغير الصلاة، كمافي أذن لمولود، والمهموم، والمصروع والغضبان، ومن ساء خلقه من إنسان أوبهيمة، عندمزدحم الجيش، وعندالحريق ....وعندتغول الغيلان أي عندتمرد الجن لخبر صحيح فيه .أقول:ولا بُعد فيه عندنا اه؛لأن ماصح فيه لخبر بلامعارض فهومذهب للمجتهد، وإن لم ينص عليه، لماقدمناه في الخطبة عن الحافظ ابن عبدالبروالعارف الشعراني عن كل من لأئمة الأربعة أنه قال:إذا اصح الحديث فهو مذهبى، على أنه في فضائل الأعمال يجوز العمل بالحديث الضعيف ....وزادابن حجر في التحفة:الأذان والإقامة خلف المسافر .قال المدني:أقول:وزادفي شرعة الإسلام:لمن ضل الطريق في أرض قفر أي خالية من الناس۔“

(ابن عابدین، ردالمحتار ۳۸۵/۱، کتاب الصلاۃ، باب الأذان، مطلب: في لمواضع التي يندب لها الأذان في غير الصلاة، بیروت، دارالفکر، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء، ع ۸:۱۰)

اس سلسلہ میں وارد احادیث:

(۱) حضرت جابر عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"وإذا تغولت لكم الغيلان فباد روابالأذان۔"

(مسند احمد ۲۲/۹ ۱۷، حدیث نمبر ۱۴۲۷۷، مصنف عبدالرزاق، حدیث نمبر ۹۲۴۷ عمل الیوم واللیلۃ للنسائي، حیدث نمبر ۹۵۵، السنن الکبری للنسائي ۲۳۶/۶، حدیث نمبر ۱۰۷۹۱، صحیح ابن خزیمہ، حدیث نمبر ۵۲۳، اوراس کی سند پر کلام ہے)۔

(جب تمہارے سامنے جن وبھوت مختلف شکلوں میں ظاہر ہوں تو اذان دینے میں جلدی کرو۔)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إذاتغولت لكم الغُول، فناادوابالأذان فإن الشيطان إذا سمع النداء أدبروله حصاص"

(المعجم الأوسط للطبراني ۲۵۶/۷، حدیث نمبر ۷۴۳۶، الدعاء للطبراني ص: ۵۵۸، حدیث نمبر ۲۰۰۹، اوراس کی سند پر کلام ہے، عدی بن الفصل راوی متروک ہیں)۔

(جب تمہارے سامنے جن وبھوت مختلف شکلوں میں ظاہر ہوں، تو اذان دو، کیوں کہ شیطان جب اذان سنتا ہے تو ہوا خارج کرتے ہوئے تیز دوڑتے ہوئے بھاگ کھڑا ہوتا ہے)۔

(۳) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ:

"إذا تغولت لنا الغول، أوإذارأينا الغول ننادي بالأذان۔"

(مسند بزار، حدیث نمبر ۱۲۴۷، دلائل النبوۃ للبیهقي ۱۰۴/۷، حدیث نمبر ۳۰۲۱، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے)

(جب ہمارے سامنے بھوت مختلف شکلوں میں ظاہر ہوں، یا جب ہم بھوت اور جن دیکھیں تو اذان دیں۔)

(۴) دیلمی کے حوالہ سے "مرقاۃ المفاتیح" میں ہے:

"عن علي –رضى الله تعالىٰ عنه –رآني النبي ﷺ حزينا، فقال:يا ابن أبي طالب !إني أراك حزينا، فمر بعض أهلك يؤذن في أذنك فإنه درأء الهم، قال:فجربته فو جد ته كذلك، وقال: كل من رواته إلى علي رضى الله عنه إنه جربه فو جده كذلك۔"

(ملاعلی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ۸۶/۳، شاملہ -اور دیلمی روایت عام طور سے ضعیف ہوتی ہے۔لیکن حافظ شمس الدین بن جزری کے مطابق اس کی رواۃ کے معتبر ہیں، دیکھیے: کنز العمال ۵۰۰۰ (۵۰۰۱)۔

(۵) دیلمی ہی کے حوالہ سے "مرقاۃ المفاتیح" میں ہے:

"عن علي رضى الله عنه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ساء خلقه من إنسان أودابة فأذنوا في أذنه۔"

(مرجع سابق ۸۶/۳ ۷، اور دیلمی کے روایت عام طور سے ضعیف ہوتی ہے، نیز دیکھیے: کنز العمال للمتقی ۴۲۱/۱۵، حدیث نمبر ۴۱۶۶۵، مسند دیلمی ۵۵۸/۳، حدیث نمبر ۵۷۵۲، حافظ عراقی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، دیکھیے: عراقی، المغني عن حمل الأسفار ۵۳۳/۱، حدیث نمبر ۲۰۶۹، ریاض، مکتبہ طبریہ، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء، تحقیق: اشرف عبدالمقصود، ع ۲:۰۱)

(جس انسان یا جانور کی عادت خراب ہوجائے اور اخلاق بگڑ جائیں اس کے کان میں اذان دو)۔

سوال نمبر (۲) کا جواب: دفع وبا کے لیے اجتماعی نماز

دفع وبا کے لیے اجتماعی نماز مشروع نہیں ہے، کیوں کہ نفل نماز جماعت کے ساتھ تداعی کے طور پر مشروع نہیں ہے۔ ''ہندیہ میں ہے:

''التطوع بالجماعة إذا كان على سبيل التداعي يكره .....والأصح أنه يكره۔''

(ہندیہ، کتاب الصلوٰۃ، الباب الخامس فی الإمامۃ، الفصل الأول في الجماعة ۱/۸۳، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء، ع ۱۰۱۰۶:۰)

(جماعت کے ساتھ نفل نماز جب کہ تداعی کے طور پر ہو، مکروہ ہے...اور صحیح یہ ہے کہ امام کے علاوہ چار افراد کی جماعت مکروہ ہے)۔

البتہ انفرادی طور پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔

دفع وبا کے لیے اجتماعی دعا کا اہتمام کرنے کے سلسلہ میں شرعی نقطۂ نظر

دفع وبا کے لیے اجتماعی دعا کا اہتمام کرنا شرعی اعتبار سے جائز ہے؛ کیوں کہ آفات ومصائب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہی آتے ہیں اور اسی کے حکم ومشیت سے ختم ہو سکتے ہیں، لہٰذا اس کے سامنے گریہ وزاری کرنا چاہئے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ثم إذا مسكم الضر فاليه تجارون ثم إذا كشف الضر عنكم إذا فريق منكم بربهم يشركون﴾

(۱۶/النحل: ۵۳-۵۴)

(پھر جب تم تکلیف میں مبتلا ہوتے ہو، تو اس کی طرف رخ کر کے گڑگڑاتے ہو۔ پھر جب وہ تمہاری تکلیف دور کر دیتا ہے تو تمہارے بہت سے لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں)۔

جب اسباب ووسائل جواب دینے لگتے ہیں، جب انسان اپنی بے بسی وعاجزی محسوس کرنے لگتا ہے، اس وقت صرف اسی خالق ومالک کا سہارا رہ جاتا ہے جو بے بس عاجز، ناچار، مجبور، ناتواں اور ضعیف انسان کی سنتا ہے، اس کی مصیبت پریشانی، دشواری، مشکل دکھ اور تکلیف کو دور کرتا، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿أمن يجيب المضطر إزا دعاه ويكشف السوء ويجعلكم خلفاء الأرض، أإله مع الله قليلا ماتذ كرون﴾

(۲۷/النمل: ۶۲)

(بتاؤ کون ہے جو مجبور ومضطری کی صدا سنتا ہے؟ اور اس کی مصیبت دور کرتا ہے، اور تم کو زمین میں یکے بعد دیگرے بساتا ہے، ہے کوئی اللہ کے ساتھ اور خدا؟ تم نصیحت پر توجہ نہیں دیتے)۔

لہٰذا دفع وبا کے لیے انفرادی دعا بھی کی جاسکتی ہے، اور اجتماعی دعا بھی کی جاسکتی ہے، فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔

فقد صرحوا بالاجتماع والدعاء بعموم الأمراض ....فتصريح أصحابنا بالمرض العام بمنزلة تصريحهم بالوباء، وقدعلمت أنه يشمل الطاعون، وبه علم جواز الاجتماع للدعاء برفعه، لكن يصلون فرادى ركعتين ينوي ركعتي رفع الطاعون۔'' (ابن نجیم، الأشباہ والنظائر، ص: ۳۸۳، بیروت، العلمیہ ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء، ع ۱۰۱۰:۱)

چنانچہ ہمارے فقہاء نے عمومی امراض میں اجتماعی دعا کی صراحت کی ہے....سو ہمارے فقہاء، عمومی مرض کی صراحت کرنا ان کے وبا کی صراحت کرنے کے درجہ میں ہے، اور تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ وبا طاعون کو شامل ہے، اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ دفع طاعون کے لیے اجتماعی دعا جائز ہے، لیکن تنہا تنہا دو رکعت دفع طاعون کی نیت سے پڑھیں گے)۔

شافعی دبستان فقہ:

شوافع کے یہاں دفع طاعون کے لیے اجتماعی دعا بدعت ہے۔ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

أما الدعاء برفعه، والخروج إلى الصحراء فبدعة، قيل: بل لو قيل بتحريمه لكان ظاهرا؛ لأنه إحداث كيفية يظن الجهال أنها سنة. وأما القنوت له في الصلوٰة فليس بمشروع عند غير الشافعية، واختلف الشافعية فبعضهم أفتى به، وبعضهم أفتى بامتناعه، والأوجه الأول ....ولا كراهة في الدعاء برفعه عن نفسه أو غيره من غير اجتماع۔"

(ابن حجر ہیتمی ،الفتاوی الفقھیۃ الکبری ۴/۲۷-۲۸، بیروت، دار الفکر)

شوافع کے نزدیک وبا طاعون کے علاوہ عمومی بیماری کو کہتے ہیں، طاعون وبا کے مقابلہ میں خاص ہے، ان کے نزدیک وبا کے لیے دعائے قنوت مشروع ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے:

"والأوجه أنه يقنت لرفع الوباء۔"

(ابن حجر ہیتمی ،الفتاوی الفقھیۃ الکبری ۱/۱۴۱)-(زیادہ قوی قول یہ ہے کہ دفع وبا کے لیے دعائے قنوت پڑھے گا)۔

خلاصۂ بحث:

(۱) وبا وہ بیماری ہے جو ہوا کے خراب ہوجانے سے پھیلتی ہے اور بہت سے لوگوں کی موت کا سبب بنتی ہے، جیسے طاعون اور ہیضہ وغیرہ۔

(۲) شریعت میں وبا کے ظاہری اسباب کو برقرار رکھتے ہوئے اسے گناہ و پاپ کے نتیجہ میں عذاب الٰہی سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

(۳) وبا سے تحفظ کے لیے شرعی رہنمائی اور اسلامی ہدایات درج ذیل ہیں:

(الف) وبا زدہ علاقہ کے مریضوں کو دوسروں سے علیحدہ رکھا جائے۔

(ب) صاف صفائی کا خصوصی خیال رکھا جائے۔

(ج) وبا کی حالت میں صبر و ہمت کا دامن تھامے رہنا چاہیے۔

(د) وبائی مرض میں مبتلا شخص کو بے یار و مددگار نہ چھوڑا جائے۔

(ھ) دفع وبا کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری کا اہتمام ہونا چاہیے۔

(۴) کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے اور اس سے بچنے کے سلسلہ میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل اور دیگر احتیاطی تدابیر اختیار کرنا شرعی اعتبار سے واجب ہے۔

(۵) احتیاطی تدابیر اختیار کرنا توکل علی اللہ اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف نہیں ہے۔

(۶) بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ کچھ بیماریاں متعدی ہوسکتی ہیں، لیکن ان کے اندر ذاتی تاثیر نہیں کہ لازمی طور پر مریض سے صحتمند آدمی کی طرف مرض منتقل ہوجائے، بلکہ یہ اسباب کے درجہ میں ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی تو ان کے اثرات ونتائج مرتب ہوں گے، ورنہ نہیں۔

(۷) کرونا کے زمانہ میں مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنے اجازت ہے، اور اگر جماعت کے لیے افراد موجود ہوں تو تنہا نماز پڑھنے سے افضل یہ ہے کہ ہر نماز جماعت سے پڑھی جائے۔

(۸) کورونا وائرس کی وجہ سے اگر بڑی جماعت پر پابندی ہو، تو پھر مسجد میں جمعہ وپنج وقتہ نماز کی ایک سے زائد جماعت کی گنجائش ہے، البتہ ضروری ہے کہ ہر جماعت کا امام الگ الگ ہو۔

(۹) کرونا وائرس کی پابندی کی وجہ سے جمعہ کی فرضیت ساقط ہے، اس کے باوجود اگر چار یا اس سے زائد عاقل، بالغ مرد گھروں یا دروازوں یا کسی اور جگہ میں ظہر کی نماز کی جگہ جمعہ کی نماز ادا کر لیتے ہیں تو فریضۂ وقت ادا ہو جائے گا۔

(۱۰) کرونا وائرس کی پابندی کی وجہ سے اگر لوگ مسجد میں جمعہ ادا کرنے پر قادر نہ ہوں تو گھروں میں ظہر با جماعت پڑھنا افضل ہے البتہ تنہا بھی پڑھ سکتے ہیں۔

(۱۱) وبا کے زمانہ میں اگر عیدگاہ یا مسجد میں عیدین کی نماز ادا کرنے پر پابندی ہو تو گھروں میں عیدین کی نماز ادا کر سکتے ہیں۔

(۱۲) وبا کی وجہ سے ماسک لگا کر نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

(۱۳) وبا کی وجہ سے صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنا جائز ہے۔

(۱۴) کرونا سے متأثر افراد کا مسجد آنا اور جماعت میں شریک ہونا مکروہ تحریمی ہے۔

(۱۵) کرونا سے متأثر فراد کے بارے میں اگر معتبر ماہر ڈاکٹر کی رائے ہو کہ روزہ سے اس میں شدت آنے کا غالب گمان ہے تو ان کے لیے روزہ ترک کرنا جائز ہے۔

(۱۶) معتبر و ماہر اطباء کی رائے میں اگر بڑی تعداد میں حج وعمرہ کے لیے آنے کی وجہ سے کرونا وائرس کا پھیلاؤ ہو سکتا ہو، تو پھر حج وعمرہ کی رغبت رکھنے والے عام مسلمانوں کی تعداد محدود کی جا سکتی ہے، باہر سے آنے والے افراد پر عارضی پابندی لگائی جا سکتی ہے، لیکن حرم اور کعبہ کے طواف کو مکمل طور پر معطل کرنا درست نہیں ہے، بلکہ احتیاطی تدابیر کے ساتھ حج وعمرہ جاری رہنا چاہئے۔

(۱۷) کرونا کے زمانہ میں مساجد کو بالکلیہ معطل اور ویران کر کے بند کر دینا درست نہیں ہے، بلکہ مسجدیں کھلی رہنی چاہئیں، البتہ مسجدوں میں آنے والے پر لازم ہوگا کہ حکومت کی گائڈ لائن اور دیگر احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے عبادت کریں۔

(۱۸) جماعت موقوف ہونے کی صورت میں بھی اذان دی جائے گی، کیوں کہ اذان ایک اہم اسلامی شعار ہے۔

(۱۹) جماعت کی تعداد محدود رکھنے کے سلسلہ میں گورنمنٹ کی ہدایات کی شرعی حیثیت ندب واستحباب کی ہے یعنی بہتر ہے کہ ان ہدایتوں کی پابندی کی جائے۔

(۲۰) مساجد کے کسی حصہ کو کووڈ سینٹر بنانا سخت حرام ہے۔

(۲۱) مسجد سے ملحق کوئی جگہ خالی ہو اور اسے ''کووڈ سینٹر'' بنانے سے مسجد کی فضا متأثر نہ ہو، تو اس جگہ کو اس کام کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے، البتہ مسجد کمیٹی سے اجازت لینی ضروری ہوگی۔

(۲۲) کرونا سے متأثر مریض کو الگ تھلگ کر دینا اور اس کی تیمارداری نہ کرنا شرعی اعتبار سے جائز نہیں ہے، بلکہ احتیاطی تدابیر اختیار کر کے اس کی تیمارداری ہونی چاہیے۔

(۲۳) کرونا سے متأثر مریض کے علاج کا خرچ افراد خاندان برداشت نہ کر سکیں، تو پھر ایسی صورت میں حکومت پر فرض ہے کہ اس کے

علاج ومعالجہ کا بندوبست کرے، اگر حکومت اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کرے تو ایسے محتاج مریض کا علم رکھنے والے سماج کی ذمہ داری ہے کہ اس کی مدد کرے تا کہ اس کا علاج ہو سکے۔

(۲۴) اگر عام میت کی طرح کرونا سے انتقال کرنے والے شخص کو غسل دینا ممکن نہ ہو، تو پھر ہاسپٹل کے مسلم عملہ چاہئے کہ پائپ کے ذریعہ مسلمان میت کے بدن کے اوپر غسل کی نیت سے پانی بہادے، اگر اس کی اجازت نہ ہو تو پھر حفاظتی لباس اور حفاظتی دستانہ پہن کر تیمّم کرادے، اگر اس کی بھی اجازت نہ ہو تو پھر غسل اور تیمّم کے بغیر ہی نماز پڑھ لی جائے اور مردہ کو دفن کر دیا جائے۔

(۲۵) اگر میت کو مخصوص کور کے اوپر کفن پہنانے کی اجازت ہو، تو پھر سنت کے مطابق کفن پہنایا جائے ورنہ اسی مخصوص کور پر اکتفا کرنا جائز ہے۔

(۲۶) کرونا میت کی بغیر جنازہ تدفین کے بعد گھر والوں کو اس کی اطلاع دی جائے تو ایسی صورت میں بعد تدفین قبر کے پاس نماز جنازہ اس وقت تک ادا کی جاسکتی ہے، جب تک وہ نہ پھولے پھٹے۔

(۲۷) میت کی تدفین کی اطلاع ملے اور قبر کی جگہ معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت ہے۔

(۲۸) کرونا سے انتقال کرنے والے مسلمان شہید ہیں۔

(۲۹) سینٹا ئزر اسپرے میں ڈالی جانے والی الکحل کے بارے میں ماہرین کا خیال ہے کہ یہ نشہ آور مادہ سے تیار نہیں کی جاتی ہے، اور نہ نشہ آور ہوتی ہے، لہٰذا مسجدوں کی صفائی میں اس کا استعمال کیا جاسکتا ہے، اور نماز پڑھنے والے شخص نے جسم اور کپڑے پر اس کا استعمال کیا ہو، تو اس کی نماز درست ہے۔

(۳۰) ویکسن لگوانا مباح ہے۔

(۳۱) دفع وبا کے لیے اذان دینا مشروع ہے۔

(۳۲) دفع وبا کے لیے اجتماعی نماز مشروع نہیں ہے۔

(۳۳) دفع وبا کے لیے اجتماعی دعا کا اہتمام کرنا شرعی اعتبار سے جائز ہے۔

کرونا سے متعلق کچھ اہم مسائل

خورشید احمد اعظمی مدنی
جامعہ عربیہ تعلیم الدین مئو، اتر پردیش

الحمد لله الذى أنزل الداء والدواء،والصلاة والسلام على إمام الأتقياء محمد بن عبدالله خاتم الأنبياء وبعد!

محور اول: کرونا وبا کے بارے میں شرعی نقطہ نظر

۱۔ وبا کا لغوی معنی، اور شرعی تصور

وبا کا اطلاق طاعون اور آب و ہوا میں فساد وخرابی کے سبب مرگ عام اور انتشار امراض پر ہوتا ہے، (ابن نفیس کا قول ہے کہ وبا آسمانی یا زمینی سبب سے جو ہر ہوا کو عارض ہونے والا فساد ہے، جیسے بدبودار پانی اور لاشوں کی بہتات، جیسا کہ جنگوں میں ہوتی ہے، اور ہمارے شیخ نے حکیم داؤد انطاکیؒ سے نقل کیا ہے کہ وبا درحقیقت علوی عوارض جیسے شعاعوں والے ستاروں کے اجتماع، یا سفلی عوارض جیسے جنگیں، قبروں کا کھل جانا اور فاسد بخارات کے چڑھ جانے کے سبب آب و ہوا کی تبدیلی ہے اور مذکورہ اسباب کے ساتھ ساتھ کائنات کا انقلاب اور عناصر وزمان کے موسموں کا تغیر بھی اس کے اسباب ہیں، اور اس کی کچھ علامات بھی ذکر کی گئی ہیں، جن میں بخار، چیچک، نزلہ، خارش اور سوجن وغیرہ ہیں (تاج العروس)

شرعی تصور:

شرعی طور پر وباء کی ایک حقیقت ہے اور اس کا وجود احادیث نبویہ سے ثابت ہے: عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "إِنَّ هَذَا الْوَبَاءَ رِجْزٌ أَهْلَكَ اللَّهُ بِهِ الْأُمَمَ قَبْلَكُمْ، وَقَدْ بَقِيَ مِنْهُ فِي الْأَرْضِ شَيْءٌ يَجِيءُ أَحْيَانًا، وَيَذْهَبُ أَحْيَانًا، فَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ، فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا، وَإِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ فِي أَرْضٍ، فَلَا تَأْتُوهَا" اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ وبا ایک عذاب ہے جس کے ذریعہ اللہ نے تم سے پہلے اقوام کو ہلاک کیا، اور کچھ اس میں سے زمین میں باقی رہ گیا ہے جو کبھی کبھی آتا جاتا ہے، لہذا جب کسی جگہ واقع ہو جائے تو وہاں سے نکلو مت، اور جب کہیں اس کے بارے میں پھیلنے کو سنو تو وہاں جاؤ مت۔ (مسند احمد: حدیث 21806، البانی نے اس کی تصحیح کی ہے)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: اے مہاجرین کی جماعت! پانچ فتنے ہیں جب کہ تم ان میں مبتلا کئے جاؤ، اور میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان تک پہونچو: (کبھی ایسا نہیں ہوا کہ) بے حیائی کسی قوم میں غالب ہو جائے اور لوگ اس میں علی الاعلان مبتلا ہوں مگر ان میں طاعون اور وہ بیماریاں پھیلتی ہیں جو ان کے گزرے ہوئے لوگوں (پرکھوں) میں نہیں ہوئیں۔ (سنن ابن ماجہ: 4019)

ان احادیث نبویہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وبا، سابقہ امتوں پر نازل ہوئے عذاب کی انواع میں سے ایک نوعیت ہے، اسی کا کچھ حصہ اس امت میں کبھی کبھی ظاہر ہوتا رہتا ہے، اور اس کے ظہور کا سبب انسان کی بداعمالیاں، اور بلا جھجک فواحش کا ارتکاب ہے، جیسا کہ اس کا

سبب، عدم نظافت، گندگی کی کثرت، اور فضائی آلودگی بھی ہے، ہجرت نبوی سے پہلے مدینہ منورہ جبکہ یثرب کے نام سے معروف تھا، گندی نالوں، اور بدبودار کیچڑ کے باعث کثیر الوبا سرزمین تھی، جیسا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گزشتہ قول سے ظاہر ہے۔

۲۔ وبا سے تحفظ کے لئے شرعی رہنمائی اور اسلامی ہدایات

ا۔ اسلامی تعلیمات ایک مکمل نظام حیات ہیں، اور انسان کو درپیش تمام احوال میں رہنما اصول ہیں، جب معلم انسانیت خاتم النبیین ﷺ کی احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ وبائیں سابقہ امم پر نازل ہونے والے عذاب کی انواع میں سے ایک نوع کے بقایا اور آثار ہیں جو کبھی کبھی ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور عذاب، اللہ کی نافرمانی کے عام ہونے، فواحش کی کثرت، اور حق سے سرکشی اور عناد پر اصرار سے نازل ہوتا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے انسان کو اور خاص طور سے اہل اسلام کو اپنے اعمال کا جائزہ لینا اور اس کا محاسبہ کرنا چاہئے، معاصی پر ندامت اور اس سے اجتناب کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں کثرت استغفار اور انابت الی اللہ کا سہارا لینا چاہئے۔

۲۔ جیسا کہ اطباء کا کہنا ہے کہ وبائی امراض، گندگی کی کثرت، فضائی آلودگی اور صفائی کا اہتمام نہ کرنے سے پھیلتے ہیں تو معاشرہ میں اخلاقی شفافیت کے ساتھ ظاہری نظافت اور صفائی پر بھی دھیان دینا چاہئے، دین اسلام نے صفائی اور نظافت کی بہت تاکید کی ہے۔

نظافت وصفائی سے متعلق شرع اسلامی کی مذکورہ تعلیمات پر ایک سرسری نظر سے بھی عیاں ہے کہ شریعت نے اپنے متبعین کو کس درجہ گندگی سے پرہیز اور نظافت وصفائی کی ترغیب دی ہے کہ جسم انسانی میں جہاں جہاں میل اور گندگی کے امکانات پائے جاتے ہیں وہاں تک پانی پہونچانے کا حکم دیا، کثرت سے مسواک کی ترغیب دی اور جو گندگی یا جراثیم کی پیداوار کا سبب بن سکتے ہیں انھیں زائل کرنے کی تاکید فرمائی، کپڑے، مکان، اندرون وبیرون کی نظافت کی تعلیم فرمائی اور خاص طور سے وبا سے بچنے کے لئے رات میں برتن وغیرہ ڈھکنے کا حکم دیا وغیرہ وغیرہ۔

۳۔ وبا سے بچاؤ کے لئے ایک شرعی رہنمائی یہ بھی ہے کہ جو شخص وبازدہ علاقہ میں موجود ہو وہ اس علاقہ سے باہر نہ نکلے اور جو شخص اس علاقہ سے باہر ہو تو دوران وبا اس علاقہ میں داخل نہ ہو۔ (صحیح مسلم: 4/1739، ح 2218)

حدیث کی کتابوں میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کا سفر کیا، اور ابھی اس میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ آپ کو خبر دی گئی کہ شام میں طاعون کی وبا پھیلی ہے، تو لوگوں نے آپ کو اس میں داخل نہ ہونے کا مشورہ دیا، اور رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ حدیث سنائی تو آپ واپس مدینہ منورہ لوٹ آئے، لہٰذا ان نصوص سے یہ بھی ظاہر ہے کہ وبازدہ مریض کے ساتھ اختلاط سے بھی پرہیز کیا جانا چاہئے۔

۳۔ وبا کو پھیلنے یا اس کے اثر سے بچنے کے لئے احتیاطی تدابیر اور حکومت کی گائڈ لائن پر عمل کا حکم

مذکورہ بالا احادیث سے یہ بھی واضح ہے کہ شرور وفتن اور امراض ووبا وغیرہ سے بچاؤ اور تحفظ کے لئے احتیاطی تدابیر کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے؛ بلکہ احتیاط وپرہیز بھی ایک شرعی امر ہے۔

طاعون کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد، نیز خلیفۂ ثانی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا عمل اوپر مذکور ہو چکا ہے، لہٰذا موجودہ دور میں بھی وبا سے بچاؤ کے لئے حکومت کی گائڈ لائن اور اطباء کی ہدایات پر عمل کرنا نہ توکل کے منافی ہے نہ شریعت کے خلاف، ایسے مواقع پر دوسروں سے بچنے کے ساتھ ساتھ خود سے بھی دوسروں کو بچانا پیش نظر رہنا چاہئے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے: "تكف شرك عن الناس فإنها صدقة منك على نفسك"، اپنے شر کو لوگوں سے روکو، اس لئے کہ یہ تمہاری طرف سے اپنے اوپر ہی صدقہ ہے۔ (صحیح مسلم: ح)

۴۔ بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر

اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ بیماری ہو یا دوا ہر ایک کا خالق اللہ عز وجل ہے، اور علاج ہو یا پرہیز سب اللہ کی تقدیر سے ہے، اور اس کائنات میں کوئی بھی حرکت اللہ عز وجل کے علم اور اس کے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں ہے جیسا کہ اللہ کے رسول نے خبر دی ہے: "إِنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ، وَجَعَلَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوَوْا وَلَا تَدَاوَوْا بِحَرَامٍ" اللہ نے دوا اور بیماری (دونوں) اتاری ہے، اور ہر بیماری کے لئے دوا بنائی ہے، لہٰذا علاج کرو اور حرام سے مت علاج کرنا، (سنن ابوداؤد: 4/7، ح 3874) اور ان احادیث سے یہ بھی واضح ہے کہ اسباب کی بھی حقیقت ہے، اور اسباب کا اختیار کرنا بھی مشروع ہے، توکل کے منافی نہیں ہے، اور جس طرح بیماری سے شفا کے لئے اسباب کو اختیار کرنے کی اجازت ہے اسی کے مثل بیماری سے بچنے کے اسباب اپنانے کی بھی اجازت ہے اور کسی اعلیٰ منفعت کی طلب کے بغیر اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا بھی ممنوع ہے، "مَنْ أَمَرَكُمْ مِنْهُمْ بِمَعْصِيَةِ اللَّهِ، فَلَا تُطِيعُوهُ."

چنانچہ اس حقیقت کو اجاگر کرنے کے لئے کہ مسبب حقیقی اور امراض کو کسی کے لئے مقدر کرنے والا اللہ عز وجل ہے، فرمایا گیا "لا عدوی" اور سدّ اللباب وصیانۂ للعقیدۃ، پرہیز اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے لئے یہ رہنمائی فرمائی گئی کہ "لَا تُورِدُوا الْمُمْرِضَ عَلَى الْمُصِحِّ"، مریض کو صحتمند کے ساتھ مت رکھو (صحیح بخاری: ح 5774) نیز "وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ." "مجذوم سے ایسا ہی بھاگو جیسا شیر سے بھاگتے ہو۔ (صحیح بخاری: ح 5707) اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں تعلیم و تربیت کا یہ طریقہ معروف ہے کہ جہاں بھی کسی امر سے عقیدہ میں فساد کا اندیشہ ہوا، آپ ﷺ نے اسی وقت اس کا ازالہ بھی فرمایا، جیسا کہ غزوۂ تبوک کے راستہ میں جب لشکر میں زاد کی کمی ہوئی اور لوگوں نے اپنے بعض اونٹ کاٹنے کا ارادہ فرمایا، تو آپ ﷺ نے بچے کھچے زاد و توشہ کو جمع کروایا، اور اس پر دعا فرمائی، جس سے اس میں اتنی برکت ہوئی کہ پورے لشکر نے اپنے توشہ دان بھر لئے، بچا ہوا بچا ہی رہ گیا، اس میں یہ اندیشہ موجود تھا کہ کبھی بھی کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ کو اختیار و قدرت حاصل ہے، اس کے سدباب کے لئے آپ ﷺ نے اسی وقت یہ ارشاد فرمایا: "أشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله لا يلقى الله بهما عبد غير شاك فيحجب عن الجنة" اسی لئے حدیث میں وارد ہوا ہے "لا عدوی" کہ امراض میں بذاتہ عدوی کی تاثیر نہیں ہوتی جب تک اس کے ساتھ اللہ کی تقدیر اور مشیت شامل نہ ہو، مگر چونکہ اس کا امکان ہے کہ تندرست شخص کے لئے بھی اس بیماری اور وبا میں ابتلاء مقدر ہو، اور اسی دوران وہ کسی مبتلا شخص سے ملا ہو اور اس کے بعد اس بیماری میں بتقدیر الٰہی مبتلا ہو جائے، اور اس کے دل میں یہ وساوس پیدا ہوں کہ اس کے قریب نہ جاتا تو اس بیماری میں مبتلا نہ ہوتا، اس سے دور رہنے کو کہا گیا کہ جہاں وبا پھیل گئی اگر اس علاقہ میں موجود ہو تو وہاں سے نکلو مت، اور وہاں موجود نہ ہو تو وہاں جاؤ مت۔

شیخ ماتریدی نے کہا ہے کہ اشیاء میں خاصیتیں ہوتی ہیں اور یہ اللہ کی اجازت سے مؤثر ہوتی ہیں اور اشیاء میں سبب اور مسبب ہونا اللہ کی ہی تخلیق سے ہے، اور یہی صحیح ہے، اور جب تم نے یہ جان لیا تو یہ سمجھو کہ علماء نے حدیث کی شرح میں اختلاف کیا ہے، تو ایک قول یہ کہا گیا ہے کہ عدوی کی نفی طبع پر محمول ہے یعنی کسی شی میں طبعاً عدوی اور چھوت نہیں ہے، رہا اللہ کی تخلیق اور اس کے حکم سے تو ثابت ہے، اور اس کی دوسری شرحیں بھی ذکر کی ہیں، اور زیادہ صحیح وہی ہے جو ابن القیم نے زاد المعاد میں ذکر کی ہے، کہ وہ عدوی جس کی نفی کی گئی ہے وہ درمیان میں کسی کو سبب قرار دیئے بغیر فقط اوہام کا اتباع ہے جیسا کہ ہندوستانی ہندو کہتے ہیں۔ (فیض الباری)

محور دوم: کرونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف

ا۔گھروں میں جماعت قائم کرنا یا انفرادی نماز پڑھنا

فرض نمازوں کے بارے میں شرعی حکم تو یہ ہے کہ انھیں ان کے اوقات میں جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کیا جائے،صحابۂ کرام حتی الوسع اس پر شدت سے پابندی کرتے تھے،ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میں عمر دراز اور نابینا ہوں،گھر دور ہے،کوئی ایسا معاون (قائد) نہیں جو من موافق ہو،تو کیا میرے لیے کوئی رخصت ہے (کہ گھر ہی پڑھ لیا کروں) تو آپ ﷺ نے پوچھا:اذان سنتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں،تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں آپ کے لیے کوئی رخصت نہیں پاتا۔(سنن ابن ماجہ:1/506،حدیث792)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے انھوں نے کہا کہ جس شخص کو اس بات سے خوشی ہو کہ وہ کل اللہ عزوجل سے اس حال میں ملے کہ مسلم واطاعت گزار ہو تو ان نمازوں کی پابندی کرے،ان مقامات پر جہاں سے ان کے لیے بلایا جائے،(یعنی مساجد میں) کیوں کہ اللہ نے تمہارے نبی کے لیے ہدایت کے طریقوں کو مشروع کیا ہے،اور یہ نمازیں ہدایت کے طریقوں سے ہیں،اور اگر تم لوگ اپنے گھروں میں ہی پڑھ لو جیسا کہ یہ پیچھے رہنے والا اپنے گھر میں ہی پڑھ لیتا ہے تو تم اپنے نبی کے طریقہ کو چھوڑ دو گے،اور اگر اپنے نبی کے طریقہ کو چھوڑ و گے تو گمراہ ہو جاؤ گے،اور نہیں ہے کوئی بھی آدمی جو طہارت حاصل کرے اور اپنی طہارت کو اچھا کرے پھر ان مساجد میں سے کسی مسجد کا قصد کرے مگر اللہ تبارک وتعالی اس کے لیے ہر اس قدم کے بدلہ جس کو وہ اٹھاتا ہے نیکی لکھتے ہیں،اور اس کی وجہ سے اس کا ایک مرتبہ بلند کرتے ہیں،اور اس کی ایک برائی ساقط کر دیتے ہیں،اور کاش! تم ہمیں دیکھتے،حال یہ کہ ان نمازوں سے پیچھے نہیں رہتا تھا مگر ایسا ہی منافق جس کا نفاق معلوم ہوتا،آدمی کو دو آدمیوں کے سہارے لایا جاتا تھا اور اسے صف میں کھڑا کر دیا جاتا۔(مسند احمد بن حنبل:7/50،حدیث:3936)

مگر اس کے ساتھ ہی ذخیرۂ احادیث میں اس کا ذکر بھی ملتا ہے کہ بعض صحابۂ کرام کو عذر کی وجہ سے آپ ﷺ نے فرض نماز گھر میں پڑھنے کی اجازت بھی دی ہے:

محمود بن ربیع انصاری سے مروی ہے کہ عتبان بن مالک اپنی قوم کی امامت کرتے تھے اور وہ نابینا ہو چکے تھے اور انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا کہ تاریکی ہوتی ہے اور بارش میں پانی لگ جاتا ہے اور میں نابینا آدمی ہوں آپ میرے گھر میں ایک جگہ نماز پڑھ دیں تا کہ میں اسے اپنا مصلی بنا لوں،چنانچہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے،اور فرمایا: آپ کہاں پڑھنا پسند کرتے ہیں تو انھوں نے گھر میں ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے وہاں نماز پڑھی۔(صحیح بخاری: حدیث667،باب الرخصة فی المطر و لعلةأن یصلی فی رحله)

لہٰذا اصل تو یہی ہے کہ فرض نمازیں مسجد میں ادا کی جائیں،اور جماعت سے ادا کی جائیں،اور جماعت کی تاکید کا منشاء یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک ساتھ سارے لوگوں کا اجتماع ہو جس سے باہمی جمعیت اور وحدت کا اظہار ہو،جو تکثیر فی الجماعت کا متقاضی ہے،چنانچہ امام سرخسیؒ تکرار جماعت کی کراہت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"(وَلَنَا) أَنَّا أُمِرْنَا بِتَكْثِيرِ الْجَمَاعَةِ وَفِي تَكْرَارِ الْجَمَاعَةِ فِي مَسْجِدٍ وَاحِدٍ تَقْلِيلُهَا لِأَنَّ النَّاسَ إِذَا عَرَفُوا أَنَّهُمْ تَفُوتُهُمُ الْجَمَاعَةُ يُعَجِّلُونَ لِلْحُضُورِ فَتَكْثُرُ الْجَمَاعَةُ وَإِذَا عَلِمُوا أَنَّهُ لَا تَفُوتُهُمْ يُؤَخِّرُونَ فَيُؤَدِّي إِلَى تَقْلِيلِ الْجَمَاعَاتِ" (اور جماعت ثانیہ کی کراہت کے لئے) ہماری دلیل یہ ہے کہ ہم کو تکثیر جماعت کا حکم دیا گیا ہے،اور ایک ہی مسجد میں اس کے تکرار میں جماعت کو کم کرنا (لازم آتا) ہے اس لیے کہ لوگ جب یہ جان لیں گے کہ جماعت ان سے فوت ہو جائے گی تو حاضر ہونے میں جلدی کریں گے،تو جماعت زیادہ ہوگی،اور جب ان کو یہ معلوم ہوگا کہ جماعت ان سے فوت نہیں ہوگی تو تاخیر کریں گے تو یہ تقلیل جماعت کا ذریعہ ہوگا۔(المبسوط للسرخسی:1/135)

اسی طرح تنہا گھروں میں نماز پڑھ لینے کو بھی شریعت میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا ہے۔

مگر جیسا کہ بعض اعذار کے سبب رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کو گھر میں ہی نماز پڑھ لینے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے، کرونا کی وبا بھی ایک مہلک مرض ہونے کے باعث ایک عذر ہے جب کہ اس کے ساتھ حاکم وقت کی طرف سے اجتماع کی سخت ممانعت کا حکم بھی صادر ہے، گھروں میں نمازیں انفراداً یا جماعت کے ساتھ پڑھی جاسکتی ہیں۔

۲۔ پنج وقتہ نمازیں یا جمعہ کی نماز ایک ہی مسجد میں ایک سے زائد بار ادا کرنا

(الف) جماعت ثانیہ کا قیام

اوپر مبسوط کی عبارت گزر چکی ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا منشا و مطلوب اجتماعیت اور نمازیوں کی تکثیر ہے، اسی لیے مذہب احناف میں کسی نماز کی جماعت ثانیہ اسی مسجد میں جسمیں وہ ادا کی جاچکی ہے مکروہ ہے، مگر بعض حالات میں ان کے نزدیک بھی بلا کراہت جماعت ثانیہ کی اجازت ملتی ہے، مثلاً ایسی مسجد جس کے نمازی متعین نہ ہوں جیسے راستہ اور روڈ کی مسجدیں جن میں بسا اوقات امام ومؤذن بھی متعین نہیں ہوتے ایسی مسجدوں میں اذان واقامت کے ساتھ تکرار جماعت احناف کے نزدیک بھی مکروہ نہیں ہے "وَإِنْ كَانَ مَسْجِدًا لَيْسَ لَهُ أَهْلٌ مَعْلُومٌ بِأَنْ كَانَ عَلَى شَوَارِعِ الطَّرِيقِ لَا يُكْرَهُ تَكْرَارُ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ فِيهِ" اور اگر ایسی مسجد ہو کہ اس کے مصلی متعین معلوم نہ ہوں بایں طور کہ شارع عام پر ہو، تو اس میں اذان اور اقامت کا تکرار مکروہ نہیں۔ (بدائع:279)

اور ایسی مسجدیں جن میں امام ومؤذن مقرر ہوتے ہیں، اور اس کے نمازی بھی معلوم ومتعین ہوتے ہیں یعنی عموماً پنج وقتہ نمازیں اسی مسجد میں پڑھتے ہیں، ایسی کسی مسجد میں اس کے معروف پابند مصلیوں کے علاوہ اجنبی لوگوں نے پہلے پڑھ لیا (اگرچہ اذان واقامت کے ساتھ ہو) یا اس مسجد کے مصلیان نے خفیف آواز میں اذان کے ساتھ پڑھ لیا تو بقیہ لوگوں کے لیے جماعت ثانیہ مکروہ نہیں ہے جیسا کہ مطلقا اذان واقامت کے بغیر جماعت ثانیہ بھی احناف کے نزدیک مکروہ نہیں ہے بعض لوگوں نے بغیر ہیئت اوّلی کی بھی قید لگائی ہے، محلّہ کی مسجد میں اذان واقامت کے ساتھ جماعت کا تکرار مکروہ ہے، مگر جب کہ اس مسجد میں اذان واقامت کے ساتھ پہلے وہ لوگ پڑھ لیں جو اس مسجد کے مصلی نہ ہوں، یا اس کے مصلیوں نے ہی پڑھ لیا ہو دھیمی اذان کے ساتھ، اور اس مسجد کے مصلی اذان واقامت کے بغیر جماعت کا تکرار کریں یا مسجد شارع عام کی ہو تو تکرار جماعت اجماعاً جائز ہے۔ (ردالمحتار:2/288)، امام ابو یوسفؒ کی طرف منسوب یہ صراحت بھی منقول ہے کہ جماعت اوّلی سے جماعت ثانیہ کی ہیئت دیگر ہو مثلاً امام کا قیام اسی محراب میں نہ ہو تو بھی کوئی کراہت نہیں، احناف کے نزدیک جماعت ثانیہ کی کراہت اس صورت میں ہے جب کہ کسی مسجد محلّہ میں اذان واقامت کے اعادہ کے ساتھ جماعت ثانیہ قائم کی جائے:

"وَرُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ إِنَّمَا يُكْرَهُ إِذَا كَانَتِ الْجَمَاعَةُ الثَّانِيَةُ كَثِيرَةً، فَأَمَّا إِذَا كَانُوا ثَلَاثَةً، أَوْ أَرْبَعَةً فَقَامُوا فِي زَاوِيَةٍ مِنْ زَوَايَا الْمَسْجِدِ وَصَلَّوْا بِجَمَاعَةٍ لَا يُكْرَهُ" اور امام ابو یوسف سے یہ روایت ہے کہ جب جماعت ثانیہ کثیر ہو تب مکروہ ہے، اور جب تین، چار ہوں اور مسجد کے کسی زاویہ میں کھڑے ہو کر جماعت کے ساتھ پڑھ لیں تو مکروہ نہیں (البحر الرائق:1/605)"وروى عن محمد أنه لم يرَ بالتكرار بأساً إذا صلوا في زاوية من المسجد على سبيل الخفية إنما يكره على سبيل التداعي والاجتماع" اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ پوشیدہ طور پر مسجد کے کسی زاویہ میں پڑھ لیں تو انھوں نے تکرار میں کوئی حرج نہیں سمجھا، اعلان اور اجتماع کے طور پر تکرار مکروہ ہے، (المحیط البرہانی: 2/14)، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہنگامی حالت میں ایسی ضرورت پیش آجائے تو جو دو چار آدمی جماعت میں شریک نہیں ہوسکے وہ ایک طرف مسجد میں جماعت ثانیہ کرلیں تو کراہت نہیں ہے، کراہت کا مصداق وہ جماعت ثانیہ ہوگی جو پلان اور منصوبہ کے تحت ہو۔

ان فقہی نصوص سے ظاہر ہے کہ جماعت ثانیہ کے ارادہ سے جماعت اوّل ی کا ترک کرنا مکروہ ہے، اور کسی عذر کے سبب بلا اذان و اقامت مسجد میں جگہ بدل کر جماعت ثانیہ احناف کے نزدیک بھی مکروہ نہیں ہے، لہٰذا کورونا وباء کے سبب حکومتی پابندیوں کی وجہ سے بلا اذان وا قامت تھوڑے تھوڑے وقفہ سے مسجد میں ایک سے زائد جماعت کی اجازت دی جاسکتی ہے، اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ لوگوں کے قلوب میں جماعت کی اہمیت باقی رہے گی۔

(ب) نماز جمعہ کی ایک سے زئد جماعت

نماز جمعہ کا حکم دیگر نماز پنجگانہ سے کچھ مختلف ہے کہ اس میں درحقیقت پورے شہر کی جمعیت مطلوب ہے، اسی لیے اس کے بارے میں یہ اختلاف بھی رہا ہے کہ ایک شہر میں متعدد مساجد میں جمعہ کا قیام جائز ہے یا نہیں؟ فتوی جواز کا ہے، البتہ ایک ہی مسجد میں نماز جمعہ کی جماعت ثانی کسی عذر یا فساد عوام کے خوف سے درست ہے یا نہیں؟ تو احناف کے نزدیک جماعت ثانیہ کی کراہت کی وجہ جماعت اوّل ی کی تقلیل کا باعث ہونا ہے، ورنہ اصلاً فرض نماز کا جماعت سے پڑھنا ہی افضل اور کثرت ثواب کا باعث ہے، کما ورد فی الحدیث: "وَإِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ وَحْدَهُ وَصَلَاتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ تَعَالَىٰ." آدمی کا آدمی کے ساتھ نماز پڑھنا اس کے تنہا نماز پڑھنے سے زیادہ پاکیزہ ہے، اور اس کا دو آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھنا اس کے ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھنے سے زیادہ پاکیزہ ہے اور جتنی زیادہ کثرت ہو تو وہ اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے، (سنن ابوداوٗد: باب فی فضل صلاۃ الجماعۃ) اور جماعت ثانیہ کا مطلقا جواز اس کی طرف سے بے اعتنائی کے مرادف ہے، لہٰذا جہاں جماعت ثانیہ کی وجہ تقلیل جماعت کے سوا کوئی دوسرا سبب ہو جو جماعت اوّل ی میں شریک نہ ہونے کا عذر شرعی ہوسکتا ہو تو ایسے مواقع پر مسجد واحد میں نماز جمعہ کی جماعت ثانیہ بھی جائز ہوسکتی ہے، مثلاً نمازیوں کی کثرت تعداد جو بیک جماعت مسجد میں نماز ادا نہ کر پائے، یا کوئی حکومتی پابندی جس کے سبب لوگ بیک وقت محدود تعداد میں ہی نماز با جماعت ادا کرسکیں، وغیرہ،

خیر الفتاوی: 3 / 95 پر بھی مذکورہ صورت میں فتاوی عبد الحی ہی کے حوالہ سے جمعہ کی دوسری جماعت کی اجازت دی گئی ہے۔ امداد الاحکام: 1 / 691 تا 693 میں حضرت مولانا عبد الکریم صاحب گمتھلوی کا رجحان بھی مسئلہ مذکورہ میں جواز کا ہے، حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ سے پوچھا گیا کہ جمعہ کے روز جگہ کی قلت کی وجہ سے تمام لوگ مسجد میں نہیں سما سکتے، تو کیا بقیہ لوگ دوسری مرتبہ جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا کہ: یہ دوسرے لوگوں کی جماعت، جماعت ثانیہ نہیں۔ (ملفوظات فقیہ الامت: 7 / 38'' (محمود الفتاوی: 1 / 531)

لہٰذا عام نمازوں کی طرح نماز جمعہ بھی کرونا وبا کے ماحول میں نیز حکومت کی طرف سے اجتماع کی ممانعت کے پیش نظر ایک ہی مسجد میں متعدد بار قائم کی جاسکتی ہے تا کہ بقیہ لوگ بھی جماعت کے ساتھ ہی جمعہ کی نماز ادا کرلیں، "لا يكلف الله نفسا إلا وسعها".

۳۔ وبا کے زمانہ میں گھروں میں جمعہ ادا کرنا

احناف کے نزدیک صحت جمعہ کے لیے، جماعت شرط ہے، اور راجح و مفتی بہ قول یہ ہے کہ امام کے علاوہ مقتدیوں میں تین افراد ہوں: "وَأَمَّا الْكَلَامُ فِي مِقْدَارِ الْجَمَاعَةِ فَقَدْ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٌ: أَدْنَاهُ ثَلَاثَةٌ سِوَى الْإِمَامِ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: اثْنَانِ سِوَى الْإِمَامِ"، (بدائع الصنائع: 1/)، "و منها الجماعة و أقلها ثلاثة سوى الامام، كذا في التبيين، ----- و الشرط فيهم أن يكونوا صالحين للإمامة" (فتاوی ہندیہ: 1 / 148) یعنی تین عاقل بالغ مرد ہوں، نابالغ بچے، مجنون یا عورتیں نہ ہوں، امام شافعیؒ کے نزدیک ان شروط کے ساتھ مصلیان کی تعداد بشمول امام چالیس ہونی چاہئے: "فَلَا تَصِحُّ الْجُمُعَةُ إِلَّا بِأَرْبَعِينَ رَجُلًا بالغين عقلاء احرارا مستوطنين للقرية أَوْ الْبَلْدَةَ" (المجموع شرح المهذب: 4 / 502)، لہٰذا کرونا وبا کے زمانہ میں عذر کی وجہ سے گھروں میں ادائیگی جمعہ کے لیے مذکورہ شروط کا لحاظ بھی لازم ہوگا۔

احناف کے نزدیک صحت جمعہ کے لیے دیگر شرائط کے ساتھ اذن عام کی بھی شرط ہے، اور کرونا وبا کی وجہ سے حکومتوں نے کسی بھی جگہ اجتماع سے منع کیا ہے، حتی کہ جمعہ کی نماز کے لیے بھی ایک محدود قلیل تعداد کی اجازت دی ہے، لہٰذا اس پابندی کو اذن عام کے منافی مانا جائے، اور محدود تعداد کے ساتھ نماز جمعہ کے قیام کو غیر صحیح قرار دیا جائے؟ یا کسی فتنہ (مثلاً عورت کو مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز سے منع کرنا) یا خوف عدو کی وجہ سے محدود تعداد کے ساتھ مسجد کے دروازہ کو بند کر کے نماز جمعہ پڑھنے کی بعض جزئیات کو سامنے رکھتے ہوئے، یا تیز بارش، راستہ کے کیچڑ، سخت ٹھنڈک، شدید آندھی، اور رات کی تاریکی کی وجہ سے احادیث نبویہ میں جو یہ اجازت مذکور ہے کہ مؤذن یہ اعلان کر دے کہ اپنی قیام گاہ پر ہی لوگ نماز ادا کرلیں، (اور جو لوگ مسجد چلے گئے وہ مسجد میں ہی پڑھیں گے) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک بارش کے دن اپنے مؤذن سے کہا: "أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ" کہنے کے بعد "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" مت کہنا، اور یہ کہنا کہ: اپنے گھروں میں نماز ادا کرلو، تو لگتا ہے کہ لوگوں نے اسے ناگوار سمجھا اسی لیے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ اس ذات نے کیا ہے جو مجھ سے بہتر ہے، جمعہ عزیمت ہے، میں نے اچھا نہیں سمجھا کہ تمھیں حرج میں مبتلا کروں اور تم کیچڑ اور پھسلن میں چل کر آؤ۔ (صحیح بخاری، حدیث: 850)، اور ابوالملیح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حدیبیہ کے زمانہ میں جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، اور بارش ہوئی تھی، لوگوں کے جوتوں کے نیچے کا حصہ بھی نہیں بھیگا تھا، آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اپنی قیامگاہ میں ہی نماز پڑھ لیں۔ (سنن ابوداؤد: حدیث: 1061)" اس کو سامنے رکھتے ہوئے اس ممانعت کو اذن عام کے منافی نہ مانا جائے۔

راقم سطور کی رائے یہ ہے کہ حکومت کی موجودہ پابندیاں اذن عام کے منافی منع صلاۃ کے لیے نہ قرار دی جائیں، کیوں کہ یہ پابندی کسی خاص شخص کو نماز سے روکنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ عدد کی تحدید حفظ صحت کی غرض سے اور وباء کے خوف کے سبب ہے، تخصیص کے لیے نہیں ہے، لہٰذا علی العموم کوئی بھی پانچ افراد جماعت میں شریک ہو سکتے ہیں، اور یہ تعداد جمعہ قائم کرنے اور صحت صلاۃ کے لیے کافی ہے، نیز یہ رکاوٹ متولی مسجد یا جمعہ قائم کرنے والوں کی طرف سے نہیں ہے، ان کی طرف سے دروازہ کھلا ہو، کوئی بھی پانچ مصلی آسکتے ہے، البتہ انتشار سے بچنے کے لیے مصلی متعین کرلیے جائیں، اور ایک ہی مسجد میں کئی جماعت معمولی وقفہ سے کرلی جائے، شہر کی سبھی مساجد میں جمعہ قائم کرلیا جائے، تو اس میں کوئی ایسا حرج نہیں معلوم ہوتا جو آئندہ کے لیے مضر ہو، یا صحت صلاۃ پر اثر انداز ہو، اور جو بعض قلعوں میں دشمن کے خوف سے دروازوں کا بند کرنا ہوتا ہے، یا وقت ہو جانے پر ان کا قدیم معمول رہا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ اس کے لوگوں کے لیے اذن عام مقرر ہے، پھر بھی ایسا نہ ہو تو زیادہ اچھا ہے، جیسا کہ شرح عیون المذاہب میں ہے اور بحر اور منح میں اس کے خلاف ہے، اور ہم نے جو کہا ہے وہ زیادہ بہتر ہے، اس لیے کہ جامع مسجد کا دروازہ کھول دینے اور رکاوٹ نہ ہونے سے اذن عام حاصل ہو جاتا ہے، اور قلعہ کا دروازہ کھولنے اور بند کرنے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے، اس لیے کہ اس کے دروازہ کا بند کرنا دشمن کو روکنے کے لیے ہے، نہ کہ ان کے غیر کو روکنے کے لئے، غور کرلو، اور ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک تو اذن عام کی شرط ہی نہیں ہے۔ (مجمع الانہر: 2/166)

کرونا وبا کی وجہ سے حکومتی پابندیوں کی موجودہ صورت حال میں جب کہ مسجد میں ایک وقت میں پانچ آدمیوں سے زیادہ کے جمع ہونے کی اجازت نہیں ہے، چھوٹی چھوٹی جماعتوں کا قیام جائز اور درست ہے، خواہ ایک ہی مسجد میں ایک سے زائد جماعت قائم کی جائے، یا شہر کی تمام مساجد میں اس طرح قائم کرلی جائے، یا الگ الگ مکانات اور جگہوں میں، کیوں کہ حدیث نبوی کے مطابق آدمی کی جماعت کی نماز انفرادی نماز سے ازکی و افضل ہے، اور چوں کہ یہ ایک عذر کے سبب ہے اور یہ عذر سب کے نزدیک واضح اور معروف ہے مسجد کی جماعت کی تقلیل کی غرض سے نہیں ہے، لہٰذا یہ وہم کہ اس سے تشتت پیدا ہوگا اور لوگ آئندہ کے لیے اس کو معمول بنالیں گے قابل توجہ نہیں ہے۔

۴۔ظہر پڑھنے کی صورت میں با جماعت پڑھیں یا تنہا

البتہ کرونا وبا کی موجودہ صورت حال میں شہر میں جو لوگ جمعہ کی نماز نہ پڑھ سکیں تو انھیں اپنے گھر ظہر کی نماز پڑھنی چاہئے، انفراداً ہو یا باجماعت، جماعت کے ساتھ ادا کرنا اوّلی ہوگا، اور یہ مسجد میں قیام جمعہ کے معارض نہیں ہوگا کیوں کہ یہ صورت حال مسجد میں کثرت اجتماع پر پابندی کی وجہ سے پیش آئی ہے، اور یہ ایسا عذر ہے جو مسجد میں جمع ہونے سے مانع ہے، لہٰذا مسجد میں جمعہ ہونے کے بعد جتنے افراد کے جمع ہونے کی رخصت ہے گھر میں انھیں جماعت کی فضیلت سے محروم نہیں کیا جانا چاہئے، امام العصر کشمیریؒ نے فیض الباری میں "المساجد فی البیوت" کے تحت منیۃ کے حوالہ سے کہا ہے: "أنَّ مَنْ جَمَعَ فی بیته یکون تارکًا لفضل المسجد، ولا یعد تارکًا للجماعة، ولیست هذه المسألة إلا فیها، وقد ثبتت الجماعات فی البیوت فی زمن أمراء الجور وعند أعذارٍ أخرى." (جس نے اپنے گھر میں جماعت کر لی تو مسجد کی فضیلت کا تارک ہوگا جماعت کا تارک نہیں مانا جائے گا، اور یہ مسئلہ اس کے علاوہ اور کہیں مذکور نہیں ہے، اور ظالم حکمرانوں کے عہد میں اور دیگر اعذار کے ہوتے ہوئے گھروں میں جماعت کے ساتھ ادا کر لینا ثابت ہے) (2 فیض الباری:/ 41)، منیۃ المصلی اور اس کی شرح کی عبارت اس طرح ہے: اور اگر کسی نے اپنے گھر میں جماعت کے ساتھ پڑھ لیا تو ان کو جماعت کا ثواب حاصل ہو گیا اور ان لوگوں نے جماعت کی فضیلت پالی، لیکن اس جماعت کی فضیلت نہیں پائی جو مسجد میں ہوتی ہے، مسجد کی فضیلت زیادہ ہونے کی وجہ سے، نیز تکثیر جماعت اور شعائر اسلام کے اظہار کی وجہ سے اور ایسے مکتوبات یعنی فرض نمازوں میں بھی اگر جماعت کے ساتھ مسجد میں جماعت کی ہیئت پر پڑھی گئی تو جماعت کی فضیلت پائیں گے اور یہ ستائیس گنا اضافہ ہے، لیکن مسجد میں ہونے والی جماعت کی فضیلت نہیں پائیں گے۔ (الغنیۃ: ص 402)

۵۔عیدین کی نماز

عیدین کی نماز احناف کے نزدیک واجب ہے اور اس کے لیے وہی شرائط ہیں جو جمعہ کے لیے ہیں، لہٰذا نماز عیدین کا بھی حکم وہی ہوگا جو اوپر نماز جمعہ کے بارے میں مذکور ہوا، کہ وبا کی زمانہ میں جب کہ اجتماع کثیر متعذر رہو عیدین کی نماز باجماعت گھروں میں اور متعدد مقامات پر ادا کی جاسکتی ہے۔

(حاشیة الدسوقی علی الشرح الکبیر: 1 396) سے معلوم ہوتا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک عید کی نماز سنت مؤکدہ ہے، اور جس سے اس کی جماعت مع الامام فوت ہوجائے تو اس کے لیے اس کی ادائیگی مستحب ہے، اور اس کی بھی گنجائش ہے کہ افراداً ادا کرلے،، اور تقریباً یہی حکم شوافع کے نزدیک بھی معلوم ہوتا ہے۔

۶۔ماسک لگا کر نماز پڑھنا، اور صفوں کے درمیان فاصلہ

حالت نماز میں منھ ڈھکنے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے: "عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنِ السَّدْلِ فِی الصَّلَاةِ وَأَنْ یُغَطِّیَ الرَّجُلُ فَاهُ." رسول اللہ ﷺ نے نماز میں سدل ثوب اور منھ کو ڈھکنے (چھپانے) سے منع کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد: حدث 643)'' اسی بنا پر فقہ حنفی میں بھی اسے غیر پسندیدہ اور مکروہ کہا گیا ہے، اور مکروہ ہے کہ نماز میں اپنے منھ کو ڈھکے، اس لیے کہ نبی ﷺ نے اس سے منع کیا ہے، اور اس لیے کہ منھ ڈھکنے میں قرأت اور اذکار مشروعہ میں رکاوٹ ہے، اور اس لیے کہ اگر اپنے ہاتھ سے ڈھکا تو ہاتھ کی سنت کو ترک کیا، جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: نماز میں اپنے ہاتھ کو روکے رکھو، اور اگر کسی کپڑے سے ڈھکا تو یہود کے ساتھ مشابہت اختیار کی، کیوں کہ وہ لوگ اپنی آگ کی پوجا میں منھ ڈھانکتے ہیں۔ (بدائع الصنائع:) مگر کرونا وائرس سے بچاؤ کے لیے چوں کہ اطباء کی تاکید ہے اور اسی وجہ سے حکومت نے پابند کیا ہے کہ بغیر

ماسک گھر سے باہر نہ نکلا جائے ورنہ مواخذہ کی زد میں آسکتے ہیں، اس عذر کی بنا پر ماسک لگا کر نماز پڑھنے کو مکروہ نہیں کہا جائے گا، کیوں کہ مروجہ ماسک سے اگر چہ منھ ڈھک جاتا مگر اس کی وجہ سے نہ قرأت میں رکاوٹ ہوتی ہے اور نہ اس میں ہاتھ وغیرہ مشغول ہوتا ہے اور چوں کہ ایک عذر کی وجہ سے ہے، لہٰذا مجوس کے ساتھ مشابہت پر محمول کرنا اس موقع سے مناسب نہیں ہوگا۔

صفوں کے درمیان فاصلہ

باجماعت نماز میں حکم مسنون یہ ہے کہ صف سیدھی ہو اور نمازی ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہوں، درمیان میں خلا اور فاصلہ نہ رکھا جائے، پہلی صف کو مکمل کرنے کے بعد ہی دوسری اور تیسری صف قائم کی جائے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”ألا تصفون كما تصف الملائكة عند ربها؟ فقلنا يا رسول الله وكيف تصف الملائكة عند ربها؟ قال: يتمون الصفوف الأول ويتراصون في الصف“، کیا تم لوگ ایسی صف بندی نہیں کروگے جیسا ملائکہ اپنے رب کے سامنے صف بندی کرتے ہیں، ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ملائکہ اپنے رب کے سامنے کیسے صف بندی کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور صف میں ایک دوسرے سے جڑے رہتے ہیں۔ (صحیح مسلم) اور بعض روایات میں منقول ہے: ”يُتِمُّونَ الصَّفَّ الْأَوَّلَ ثُمَّ يَتَرَاصُّونَ فِي الصَّفِّ“ مگر ظاہر ہے کہ یہ عام حالات کا حکم ہے، اور جب کہ کرونا جیسے حالات ہوں جہاں اطباء کی سخت تاکید اور سرکاری حکمنامہ ہو کہ ”دو گز کی دوری، ماسک ہے ضروری“ اور اس کا اہتمام نہ کرنے پر تاوان، جرمانہ کا مکلّف ہونا پڑے، تو اہون بلیتین کو اختیار کرتے ہوئے، ماسک اور صفوں کے فاصلہ کے ساتھ ہی باجماعت نماز ادا کر لی جائے گی۔

۷۔ کرونا سے متأثر افراد کا نماز باجماعت میں شریک ہونا

جب کہ کرونا کے بارے میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ یہ ایک مہلک اور متعدی مرض ہے، لہٰذا اس سے متأثر مریض کو مسجد میں آنے، جماعت میں شریک ہونے یا لوگوں کے ساتھ اختلاط سے پرہیز کرنا لازم ہے، اپنے شر سے لوگوں کو محفوظ رکھنا بھی صدقہ اور عمل صالح ہے، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں وارد ہے۔ انھوں نے افضل اعمال کے بارے میں دریافت کیا تھا، آپ ﷺ نے انھیں کچھ عمل بتایا، آخر میں انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول یہ بتائیں: اگر میں ان میں کچھ عمل نہ کرسکوں تو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے شر سے لوگوں کو بچاؤ (صحیح مسلم) نیز حدیث میں منقول ہے: ”من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تأذى، مما يتأذى منه الإنس“ جس نے اس بدبودار پودے سے کھایا تو ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے، کیوں کہ فرشتے ان اشیاء سے تکلیف میں ہوتے ہیں جن سے انسان کو اذیت ہوتی ہے۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ کوئی ایسی شئے جس میں بدبو ہو اس کے استعمال کے بعد جب تک اس کی بو زائل نہ ہو جائے مسجد میں آنا ممنوع ہے، اس کے پیش نظر فقہاء نے بعض لوگوں کی جماعت کے ساتھ شریک ہونے کے منع کا قول نقل کیا ہے، درمختار کی عبارت: ”ويمنع منه، وكذا كل مؤذ ولو بلسانه“ کے تحت علامہ شامی نے لکھا ہے: اور ایسے ہی بعض لوگوں نے اس سے ملحق کیا ہے اس شخص کو جس کے منھ میں بدبو ہو یا اس کو کوئی ایسا زخم ہو جس سے بو آرہی ہو، اور ایسے ہی قصاب کو، مچھیرے کو، اور مجذوم وابرص الحاق کے زیادہ مستحق ہیں، سحنون نے کہا: میں ان دونوں پر جمعہ کو فرض نہیں سمجھتا، اور حدیث سے استدلال کیا ہے، اور حدیث سے ملحق کیا ہے ہر اس شخص کو جو اپنی زبان سے لوگوں کو اذیت پہونچائے، اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسی کا فتوی دیا ہے، اور یہ حدیث اصل ہے ہر اس شخص کے منع لیے جس سے لوگوں کو اذیت ہو۔ (الرد المحتار: 2/435)

اس حدیث اور فقہی اقوال کی روشنی میں چوں کہ کرونا ایک مہلک اور متعدی مرض ہے، اس لیے اس سے متأثر افراد کو مسجد میں آنا ممنوع ہوگا۔

۹۔کرونا سے متأثر مریض کے لیے روزہ کا حکم

کرونا سے متأثر مریض اگر روزہ رکھنے پر قادر ہو، اس کے مرض میں شدت کا خوف نہ ہو تو روزہ رکھے گا، اور اگر روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو یا مرض میں شدت کا اندیشہ ہو تو فدیہ ادا کرے گا، اور شفایاب ہو گیا تو فوت شدہ روزوں کی قضا کرے گا۔

۱۰۔کرونا کی وجہ سے عام مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روکنا

کرونا ایک وبائی عالمی اور مہلک مرض ہے، اس مرض کے متعدی ومہلک ہونے کی وجہ سے ولی الامر کو یہ حق حاصل ہوگا کہ جب تک اس مرض کا خطرہ ہو وہ حج وعمرہ سے بیرونی لوگوں کو روک دے، یا جانچ اور ٹیسٹ کے بعد ہی کرونا سے غیر متأثر لوگوں کو احتیاطی تدابیر کے ساتھ اجازت دے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل کی ایک جماعت پر یا تم سے پہلے کے لوگوں پر نازل کیا گیا، لہٰذا جب تم اس کے بارے میں کسی جگہ واقع ہونے کو سنو تو وہاں مت جاؤ، اور جہاں تم ہو وہاں واقع ہو جائے تو اس سے فرار کے لیے وہاں سے مت نکلو۔(صحیح بخاری)

علامہ ابن نجیم اور علامہ سیوطی نے صراحت کی ہے کہ ایسی مشقت جس سے جان کی ہلاکت یا اعضاء جسم کے تلف اور ناکارہ ہونے کا خطرہ ہو، ایسی مشقت کے ہوتے ہوئے عبادت ساقط ہو جاتی ہے اور جس مشقت کی وجہ سے عبادات اکثر ساقط ہو جاتی ہیں اس کے چند مراتب ہیں: پہلا مرتبہ: عظیم زبردست مشقت، جیسے جان اور اعضاء جسم کی ہلاکت کا خوف، اور منافع اعضاء سے محرومی کے خوف کی مشقت، تو یہ تخفیف کی موجب ہے، اور ایسے ہی جب کہ حج کے لیے سمندر کے راستہ کے سوا کوئی راستہ نہ ہو، اور عدم سلامتی غالب ہو تو حج واجب نہیں۔(الاشباہ و النظائر لابن نجیمؒ: 2/116)، اور علامہ سیوطیؒ کی عبارت ہے: تو ایسی مشقت یقینی طور پر موجب تخفیف ہے، کیوں کہ کسی عبادت یا عبادات میں جسم وجان کو ہلاکت سے دوچار کرنا، جس کی وجہ سے اس جیسی عبادات فوت ہو جائیں، دین کی مصلحتوں کو قائم کرنے کے لئے، ان کو محفوظ رکھنا زیادہ بہتر ہے۔
(الأشباہ والنظائر للسیوطی: ۱/۱۶۸)

محور سوم: کرونا کے زمانہ میں مساجد سے متعلق مسائل

۱۔کرونا کے زمانہ میں مساجد کو بند کرنا

مسجد کی تعمیر نماز با جماعت، اور اذکار وتلاوت کے لیے ہوتی ہے، اس لیے اسے بند کرنا زیب نہیں دیتا، مگر کچھ ایسے ناگفتہ بہ احوال پیش آجاتے ہیں کہ مسجد کی مصلحت کے پیش نظر ہی جب کہ اس کے سامان محفوظ نہیں رہ پاتے، اس کی عظمت وحرمت کا لحاظ نہیں کیا جاتا، فقہاء نے اوقات جماعت کے علاوہ اوقات میں اس کے بند کرنے کی اجازت دی ہے: ”ویکرہ أن یغلق باب المسجد لأنہ یشبہ المنع من الصلاۃ، وقیل: لابأس بہ إذا خیف علی متاع المسجد فی غیر أوان الصلاۃ“ اور مکروہ ہے کہ مسجد کا دروازہ بند کیا جائے کیوں کہ یہ نماز سے روکنے کے مشابہ ہے، اور کہا گیا ہے کہ جب مسجد کے سامانوں کے نقصان کا ڈر ہو تو اوقات نماز کے علاوہ میں بند کرنے میں کوئی حرج نہیں (ہدایہ) ”أما فی زماننا، فلا بأس بإغلاق أبواب المساجد فی غیر أوان الصلاۃ؛ لأنہ لا یؤمن علی متاع المسجد وبنائہ وحصرہ من قبل السارق؛ لأن الغلبۃ فی زماننا لأھل الفسق، والحکم یختلف باختلاف أحوال الناس،“ رہا ہمارے زمانہ میں تو نماز کے علاوہ اوقات میں مساجد کے دروازوں کو بند کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ مسجد کے سامان، اس کی عمارت اور اس کی چٹائیوں کے بارے میں چوری کرنے والے پر اطمینان نہیں ہے، کیوں کہ ہمارے زمانہ میں اہل فسق کا غلبہ ہے اور لوگوں کے احوال بدلنے سے حکم بدلتا ہے۔(المحیط البرہانی)

”وقيل: لا بأس إذا خيف على متاع المسجد أحسن من التقييد بزماننا كما في عبارة بعضهم، فالمدار خشية الضرر على المسجد فإن ثبت في زماننا في جميع الأوقات ثبت كذلك إلا في أوقات الصلاة أو لا فلا، أو في بعضها ففي بعضها قوله، وقيل: هو قربة لما فيه من تعظيم المسجد“ اور کہا گیا ہے کہ جب مسجد کے سامان کا ڈر ہو تو بند کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ قول ”ہمارے زمانہ“ کے ساتھ مقید کرنے سے، جیسا کہ بعض فقہاء کی عبارتوں میں ہے، زیادہ بہتر ہے، مدار مسجد کے نقصان کے خوف پر ہے، تو اگر ہمارے زمانہ میں تمام اوقات میں پایا جائے تو اوقاتِ نماز کے سوا تمام اوقات میں بند کرنا ثابت ہوگا، یا نہیں، تو بند کرنا بھی نہیں ہوگا، اور اگر بعض اوقات میں ڈر ہو تو بعض اوقات میں بند کرنا ثابت ہوگا، اور کہا گیا ہے کہ یہ بھی کار ثواب ہے کیوں کہ اس میں مسجد کی تعظیم ہے۔(فتح القدیر)

إلا للفتنة على متاعه، به يفتي . كما في (الدرالمختار) (۱/۴۴۱). مگر مسجد کے سامان کے خوف سے، اسی کا فتوی دیا جائے گا، جیسا کہ درمختار میں ہے۔(عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایہ)

ان نصوص فقہیہ کی بنیاد پر جیسا کہ مسجد کے نقصان کے خوف سے اوقات نماز کے علاوہ میں مسجد کو مقفل کرنا مکروہ نہیں، کرونا وبا کے زمانہ میں اوقات جماعت کے ماسوا اوقات میں مساجد کو مقفل کرنا بھی مکروہ نہیں ہوگا، تا کہ کوئی نامعلوم کرونا سے متاثر اجنبی محلّہ کے مصلی لوگوں کے لیے مصیبت نہ بن سکے، اور امید ہے کہ کرونا کے ماحول میں مصلیان کے ضرر کا خوف ہو تو محدود تعداد مکمل ہوجانے پر اوقات جماعت میں بھی بند کرنا مکروہ نہیں ہوگا، کیوں کہ بعض مقامات پر مصلیان کو زیادہ تعداد ہوجانے پر ضرر اٹھا پڑا، اور اسی کے پیش نظر بعض مقامات پر دروازے بند کر کے نمازیں با جماعت ادا کی گئیں۔

۲۔مسجد میں جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان

مسجد میں جماعت کو موقوف نہیں کیا جائے گا، بلکہ جتنے لوگوں کو اجازت ہوگی ان کے ساتھ جماعت سے نماز قائم کی جائے گی، اور اذان مسلمانوں کے وجود کی دلیل ہے رسول اللہ ﷺ کسی بستی پر حملہ کرنے سے پہلے انتظار کرتے تھے، اگر اس بستی سے اذان کی آواز آتی تو حملہ نہیں کرتے تھے۔انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ حملہ نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ صبح ہوجاتی تو سنتے، اگر اذان سنائی دیتی تو باز رہتے اور اگر اذان نہیں سنتے تو حملہ کرتے، اذان وقتِ نماز کی اطلاع ہے، ”الأذان شرعاً: الإعلام بدخول وقت الصلاة بألفاظٍ مخصوصةٍ .“ (عمدۃ الاحکام: باب الأذان و الإقامة)، لہٰذا ”لا قدّرَالله“ اگر کبھی ایسا موقع آجائے کہ مسجد میں نماز موقوف ہوجائے، تب بھی اذان کہی جائے گی، اور کرونا کے ماحول میں تو محدود تعداد کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھنے کی گنجائش رہی ہے، نیز کتب احادیث سے اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ بارش وغیرہ کے عذر سے لوگوں کو جماعت میں شریک نہ ہونے کی رخصت کے باوجود مسجد سے اذان کہی گئی ہے، اور جتنے لوگ پہونچ گئے انھیں کے ساتھ باجماعت نماز پڑھی گئی، شوافع کے نزدیک تو مصائب وآفات کے دفعیہ کے لیے اذان مشروع بھی ہے۔

۳۔جماعت میں شریک ہونے والے نمازیوں کی تعداد کے بارے میں گورنمنٹ کی ہدایات کی شرعی حیثیت

اوّل والامر کی ہدایات اگر عوام کو مہلک ضرر سے بچانے کے لیے ہوں تو موقع اضطرار کی وجہ سے معصیت خالق کے دائرہ سے خارج ہونگی اور ان ہدایات کی اطاعت لازم ہوگی، عام طور پر لوگ ایسے ماحول میں متحمس ہوجاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ عزیمت پر عمل کرنا ہے اور کار جہاد ہے مگر یہ فہم درست نہیں ہے، خود کو ضرر سے بچانا اور اپنے شر سے دوسرے لوگوں کو بچانا شریعت کا ہی ایک حصہ ہے۔

۴۔مساجد کے کسی حصہ کوکووڈ سینٹر بنانا

مساجد وقف ہوتی ہیں،نماز ، ذکر وتلاوت اور عبادت کے لئے ،یعنی ان کا وقف مشروط بالعبادۃ ہونا معروف ومشروط ہےاور وقف کاحکم یہ ہے کہ اسے واقف کے منشاء کے خلاف استعمال نہ کیا جائے ،شَرْطُ الْوَاقِفِ یَجِبُ اتِّبَاعُهُ لِقَوْلِهِمْ: شَرْطُ الْوَاقِفِ كَنَصِّ الشَّارِعِ أَيْ فِي وُجُوبِ الْعَمَلِ بِهِ، وَفِي الْمَفْهُومِ وَالدَّلَالَةِ، واقف کی شرط کی اتباع لازم ہے،ان کے قول:واقف کی شرط شارع کی نص کے مثل ہے،یعنی اس پر عمل کے واجب ہونے میں،اور مفہوم ودلالت میں،(الاشباہ والنظائر لابن نجیم :2/305) نیز کتاب القضاء میں "مِمَّا لَا يَنْفُذُ الْقَضَاءُ بِهِ" کے تحت لکھتے ہیں:"السَّادِسُ: الْقَضَاءُ بِخِلَافِ شَرْطِ الْوَاقِفِ كَالْقَضَاءِ بِخِلَافِ النَّصِّ لَا يَنْفُذُ" واقف کی شرط کے خلاف (قاضی کا) فیصلہ نافذ نہیں ہوگا جیسا کہ نصف کے خلاف فیصلہ نافذ نہیں ہوتا،لہٰذا مساجد کے کسی حصہ کو کووڈ سنٹر بنانا صحیح نہیں ہوگا،اس کے لیے مسجد سے الگ کسی جگہ کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔

کتب احادیث میں بعض ایسی حدیثیں ملتی ہیں کہ مساجد کا استعمال نماز باجماعت کے علاوہ،مریض کی تیمارداری،قیدیوں کی بندش،اور دیگر بعض امور کے لیے کیا گیا ہے، کیوں کہ اس وقت ان امور کے الگ سے انتظامات نہیں تھے،مگر بعد میں جب کہ سرکاری طور پران امور کے لیے الگ سے محکمے،شعبے قائم ہوگئے،ان کے الگ انتظامات ہوگئے توان امور کے لیے مسجد کے استعمال کو مناسب نہیں سمجھا گیا،امام العصر انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں اور مصنف(بخاری) رحمہ اللہ نے مسجد میں نماز کے علاوہ افعال کے اثبات کی جو احادیث ذکر کی ہیں سبھی قلت کے ساتھ پیش آنے والے واقعات سے متعلق ہیں،اور شاید فقہاء بھی گاہے ایسے پیش آنے والے مواقع پر مسجد کے استعمال کا انکار نہیں کرتے ،کراہت تب ہے جب کہ عادت کے طور (یعنی اکثر) کیا جانے لگے۔اور اگر ایک – دومرتبہ ہو تو یہ ان کے نزدیک بھی جائز ہے،لہٰذا اگر مصنفؒ نے ان تراجم سے فقط ان افعال کے ثبوت کا ارادہ کیا ہے،تب تو یہ قابل تسلیم ہے اور فقہاء کے مخالف نہیں ہے،اور اور اگر ان احادیث کے ذکر سے احکام مساجد میں توسع کا ارادہ کیا ہے تو ان احادیث سے ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا،اس لیے کہ آپ نے یہ جان لیا ہے کہ یہ احادیث اس امر پر دلالت نہیں کرتیں کہ یہ افعال مساجد میں اس طور پر کئے جاتے تھے گویا کہ مساجد اسی لیے تیار کی گئی ہیں،اور جب نوافل کے بارے میں مستحب یہ ہے کہ گھروں میں پڑھی جائیں تو ان امور کی کیا گنجائش؟ (فیض الباری:2/39) باب نوم المرأۃ فی المسجد کے تحت کہتے ہیں۔اور مخصوص وقائع وحوادث اپنی قلت (احاطہ) کے ساتھ اس کثرت اور توسع کی حجت نہیں بن سکتے جس کا مصنفؒ نے ارادہ کیا ہے،ان کو ان کے موورد تک ہی محدود رکھنا چاہئے،مگر مصنفؒ رخصتوں کو پکڑتے ہیں اور انھیں عزیمت بنادیتے ہیں حالانکہ یہ حوادث،ضرورت کے تحت تھے،جن کا ذکر نہ کرنا مناسب ہے نہ کہ ان پر عمل کرانا۔(فیض الباری:2/48)،لہٰذا جب کہ بہت ساری جگہیں فراہم ہیں مساجد کو کووڈ سینٹر بنانا درست نہیں،مساجد کے احترام میں خلل پڑے گا،مساجد کی تلویث لازم آئے گی وغیرہ۔

محور چہارم: کرونا سے متأثر مریض کی تیمارداری

۱۔کرونا مریض کی تیمارداری

مریض کی تیمارداری اور اس کی عیادت ایک انسانی فریضہ ہے،اور ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے،رسول اللہ ﷺ سے غیر مسلم کی عیادت کرنا ثابت ہے"عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ،قَالَ: كَانَ غُلَامٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ ﷺ فَمَرِضَ فَأَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُهُ فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَقَالَ لَهُ أَسْلِمْ" -----الحدیث، ایک یہودی لڑکا نبی ﷺ کی خدمت کرتا تھا،وہ بیمار ہوگیا،تو نبی ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے،اس کے

سر کے پاس بیٹھے، اور اس سے کہا کہ اسلام قبول کرلو۔ (صحیح بخاری: حدیث 1356)، نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: مسلمان پر مسلمان کے پانچ حق ہیں، سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازہ کے ساتھ چلنا، دعوت کو قبول کرنا، اور چھینکنے والے کا جواب دینا۔ (صحیح بخاری: حدیث 1240)، لہٰذا کرونا سے متأثر مریض کو الگ تھلگ، بے یار و مددگار نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ کرونا کے اثر سے بچنے کی تمام تدابیر کو اختیار و استعمال کرتے ہوئے کرونا مریض کی عیادت اور اس کی دیکھ بھال کی جائے گی، اور اس کے علاج معالجہ کا مکمل اہتمام کیا جائے گا، خواہ اس کی جو بھی صورت بن سکے، عیادت و تیمارداری اور علاج معالجہ میں کوتاہی ناجائز اور غیر انسانی فعل ہوگا۔

۲۔ کرونا سے متأثر مریض کے علاج کا خرچ

اگر کرونا مریض یا کسی بھی مرض میں مبتلا مریض کے علاج کا خرچ افراد خاندان برداشت نہ کرسکیں تو اس کی ذمہ داری حکومت اور سماج پر عائد ہوتی ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے: "أن رسول الله ﷺ قال المسلم أخو المسلم لا يظلمه و لا يسلمه من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجتهٖ و من فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه بها كربة من كرب يوم القيامة، و من ستر مسلما ستره الله يوم القيامة" (صحیح مسلم حدیث: 2580) انھیں سے ایک روایت مرفوعاً یہ بھی منقول ہے: "مَنْ كَانَ وَصْلَةً لِأَخِيهِ الْمُسْلِمِ إِلَى ذِي سُلْطَانٍ فِي مَبْلَغِ بِرٍّ، أَوْ تَيْسِيرِ عَسِيرٍ أَعَانَهُ اللهُ عَلَى إِجَازَةِ الصِّرَاطِ يَوْمَ دَحْضِ الْأَقْدَامِ" جو آدمی اپنے کسی مسلمان بھائی کے لیے خیر تک پہونچنے میں یا کسی مشکل کو آسان کرنے میں صاحب منصب تک وسیلہ بنتا ہے تو پیروں کے پھسلنے کے دن پل صراط پار کرانے میں اللہ اس کی مدد کرتے ہیں۔ (شعب الایمان للبیہقی: 7243) اور وہ صحابی جنھوں نے اپنی اہلیہ سے ظہار کرلیا تھا، اور وہ اس کے کفارہ ادا کرنے پر قادر نہیں تھے تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ نے ان کا مالی تعاون کیا تھا "قال لست أملك ذلك يا رسول الله إلا أن تعينني قال: فأعانه رسول الله ﷺ بخمسة عشر صاعا و أعانه الناس حتى بلغ ثلاثين صاعاً، وقال له رسول الله ﷺ: أطعم ستين مسكينا" انھوں نے کہا کہ اللہ کے رسول میں اتنے کا مالک نہیں ہوں مگر یہ کہ آپ میری مدد فرمائیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے پندرہ صاع سے ان کی مدد فرمائی اور دیگر لوگوں نے ان کی مدد فرمائی یہاں تک کہ تیس صاع ہوگیا، اور آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا دیجئے۔ (سنن للبیہقی الکبری: حدیث 15065)، لہٰذا ایسے مریض کے علاج کا خرچ حکومتوں اور سرکاری اداروں کو اٹھانا چاہیے، عوام اور سماج کو بھی اس میں تعاون کرنا چاہیے۔

محور پنجم: کرونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

ا۔ کرونا سے انتقال کرنے والوں کو غسل کس طرح دیا جائے؟

احادیث نبویہ میں شہداء کے علاوہ دیگر وفات پانے والوں کو غسل دیئے جانے کا معمول بہ ہونا مستفاد ہوتا ہے، اور فقہ حنفی کی کتابوں میں سے فرض علی الکفایہ کہا گیا ہے، اور تثلیث مسنون ہے، لہٰذا جس طرح احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے کرونا مریض کی تیمارداری اور دوا علاج کیا جاتا ہے، اسی طرح احتیاطی تدبیریں اپناتے ہوئے مخصوص لباس پہن کر کرونا سے وفات پانے والے میت کو غسل بھی دیا جائے گا، جیسا کہ عام موتی کو غسل دیا جاتا ہے "(وَوَجَبَ لِلْمَيِّتِ) أَيِ الْغُسْلُ، فَرْضٌ عَلَى الْمُسْلِمِينَ عَلَى الْكِفَايَةِ لِأَجْلِ الْمَيِّتِ، وَهَذَا هُوَ مُرَادُ الْمُصَنِّفِ مِنَ الْوُجُوبِ كَمَا صَرَّحَ بِهِ فِي الْوَافِي فِي الْجَنَائِزِ، وَفِي فَتْحِ الْقَدِيرِ أَنَّهُ بِالْإِجْمَاعِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْمَيِّتُ خُنْثَى مُشْكِلًا،" اور میت کے لیے واجب ہے، یعنی غسل، میت کے لیے مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، اور وجوب سے مصنف کی یہی مراد ہے جیسا کہ وافی میں جنائز کے باب میں اسی کی

صراحت کی ہے،اور فتح القدیر میں ہے کہ بالا جماع فرض کفایہ ہے مگر یہ کہ میت خنثی مشکل ہو(البحر الرائق:)،"(وَالصَّلَاةُ عَلَيْهِ) صِفَتُهَا (فَرْضُ كِفَايَةٍ) بِالْإِجْمَاعِ فَيَكْفُرُ مُنْكِرُهَا لِأَنَّهُ أَنْكَرَ الْإِجْمَاعَ قُنْيَةٌ (كَدَفْنِهِ) وَغُسْلِهِ وَتَجْهِيزِهِ فَإِنَّهَا فَرْضُ كِفَايَةٍ" اوراس کی نماز جنازہ، بالا جماع فرض کفایہ ہے،لہٰذا اس کا منکر کافر ہوگا اس لیے کہ اس نے اجماع کا انکار کیا،قنیہ،اس کے دفن اور غسل وتجہیز کے مثل،کیوں کہ یہ فرض کفایہ ہیں۔(ردالمحتار:مع الدر:3/102)

غسل دینے کی اجازت نہ ہو یا غسل دینا ممکن نہ ہو

ان حالات میں جب کہ کرونا کے خطرات درپیش ہیں،اور اس مرض میں مبتلا ہوکر موت کا شکار ہونے کے واقعات ان اطباء اوڈاکٹروں کے بارے میں بھی سننے میں آئے جن کو اس مرض کے ابتلاء سے بچنے کے وسائل میسر تھے،اور انھوں نے تمامتر احتیاط اور تحفظات کا استعمال کرتے ہوئے کرونا کے مریضوں کے علاج میں اپنی خدمات پیش کیں،مگر وہ بھی بقضائے الٰہی اس کا شکار ہوگئے،تو ظاہر ہے عام لوگوں کے لیے طبی وحکومتی ہدایات اور پابندیوں کو نظرانداز کرنا،اپنے آپ کو خطرات وہلاکت میں ڈالنا ہے جب کہ اللہ عزوجل نے متنبہ فرمایا ہے:"وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ" جس کا ماحصل یہ ہے کہ جہاں ہلاکت کا خوف ہو،وہاں رخصت پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے،اور کرونا کی ہلاکت خیزی میں احتیاط نہ کرنا اپنے کو ہلاکت سے دوچار کرنا ہے،نیز قاعدہ فقہیہ ہے:''الضرر یزال'ضرر کو دور کیا جائے گا،اور اس سے متعلق قواعد میں ہے "درء المفاسد أولى من جلب المصالح" مصالح کے حصول سے بہتر مفاسد کو دور کرنا ہے۔(الاشباہ والنظائر)لہٰذا اگر میت کو غسل دینے کی اجازت نہ ہو،حکومت یا اطباء کی جانب سے ممانعت اور پابندی ہو یا غسل دینا ممکن نہ ہو میت کو غلاف میں لپیٹ دیا گیا ہو،تیمّم بھی نہیں کرایا جاسکتا تو ایسے میت سے غسل ساقط ہوجائے گا،جیسا کہ ایسے شخص سے وضو اور تیمّم ساقط ہوجاتا ہے جس کے اعضاء وضو غسل ومسح کے قابل نہ ہوں"(ولو قطعت يداه ورجلاه من المرفق والكعب وبوجهه جراحة صلى بغير طهارة ولا تيمم ولا يعيد هو الأصح) وقد مر في التيمم، وقيل: لا صلاة عليه" اگر اس کے ہاتھ پیر کو کہنیوں اور ٹخنوں سے کاٹ دیا گیا ہواور چہرہ پہ زخم ہو تو بغیر طہارت وتیمّم کے نماز پڑھے گا،اور اعادہ نہیں کرے گا یہی صحیح قول ہے،اور تیمّم کے باب میں گزرچکا ہے،،اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس پر نماز فرض نہیں ہے۔(الدر المختار:2/574)

ایسی صورت میں جب کہ کرونا کے میت کو غسل دینا ممکن نہ ہو تو بلا غسل ہی دفن کرنا جائز ہوگا۔

۲۔کرونا کے میت کی تکفین

مذکورہ صورت حال میں کورونا کے میت کو حفاظتی اقدامات کے ساتھ غسل دینے کی پوری کوشش کے باوجود بھی غسل دینے کی کوئی صورت نہ بنے تو بلا غسل وکفن اس کی نماز جنازہ کے بعد اسی حالت میں کور کے ساتھ دفن کیا جائے گا،اور جب کہ اس غلاف وکور کو کھولنے کی اجازت نہ ہو،تو اس کے اوپر سے پانی بہانا یا تیمّم کرانا بےسود ہے،اور کفن کا مقصد ستر عورت ہے جو اس غلاف سے حاصل ہوجاتا ہے۔"ثُمَّ التَّكْفِينُ إِمَّا أَنْ يَكُونَ فِي حَالَةِ الضَّرُورَةِ أَوْ لَا، فَإِنْ كَانَ الْأَوَّلُ كُفِّنَ بِمَا وُجِدَ" پھر کفن دینا یا تو حالت ضرورت میں ہوگا یا نہیں،پہلی صورت میں جو میسر ہوگا اسی کا کفن دیا جائے گا۔(العنایۃ:2/478)،"أما كفن الضرورة أن يكفن فيما يوجد" بہرحال کفن ضروری وہی ہے جو فراہم ہو اسی میں کفن دیا جائے۔(المحیط البرہانی:2/316)،ایسی حالت میں جب کہ غسل وتکفین ممکن نہ ہو،صورت اضطرار کی ہو،کور ہٹانے میں خود کو دومصیبت سے دوچار کرنا ہے،اس مرض میں ابتلاء کا بھی خدشہ ہے،اور قانونی گرفت کی زد میں آنے کا بھی،لہٰذا اس کا یہ غلاف کفن کے حکم میں قرار پائے گا،اس کے اوپر کفن لپیٹنا لازم نہیں ہوگا۔

۳۔قبر کے پاس نماز جنازہ

طبی عملہ کورونا کے میت کوخود قبرستان لے جا کر سپرد خاک کرتا ہے اور متعلقین کو حوالہ نہیں کرتا، مگر قبرستان اور قبر کی جگہ کا علم متعلقین کو ہوتا ہے یا متعلقین کے حوالہ کرتا ہے مگر دفن کے علاوہ مزید کوئی موقع نہیں دیتا، ان دونوں صورتوں میں اس میت کی نماز جنازہ اس کی قبر پر پڑھی جاسکتی ہے، جب تک اس کا اطمئنان ہو کہ میت کا جسم پھٹا نہیں ہوگا،"و شرطها (أي الصلاة على الميت) إسلام الميت و طهارته مادام الغسل ممكنًا، و إن لـم يـمكن بأن دفن قبل الغسل و لم يمكن إخراجه إلا بالنبش تجوز الصلاة على قبره للضرورة،" میت پر نماز جنازہ کی شرط میت کا مسلمان ہونا اوراس کی طہارت ہے جب کہ غسل ممکن ہو، اور اگر ممکن نہ ہو، بایں طور کہ غسل سے پہلے دفن کر دیا گیا، اور نبش کے بغیر اس کا نکالنا ممکن نہ ہو تو ضرورۃً قبر پر اس کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہوگا، (الفتاوی الھندیہ: 1/163، البحر الرائق)، (ان کا قول: اس کی قبر پر نماز پڑھے گا)، یہ تب ہے جب کہ اس پر مٹی ڈال دی گئی ہو، خواہ غسل دیا گیا ہو یا نہ دیا گیا ہو، اس لیے کہ اب وہ اپنے مالک کے سپرد ہو گیا اور ہمارے ہاتھ سے نکل گیا، لہٰذا اب اس سے تعرض نہیں کیا جائے گا برخلاف اس کے کہ ابھی مٹی نہ ڈالی گئی ہو، تو اسے نکالا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اور ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ جب اسے نماز کے بعد غسل سے پہلے دفن کر دیا گیا ہو، اگر لوگوں نے اس پر مٹی ڈال دی ہو تو اسے نکالا نہیں جائے گا اور اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے گی؟ تو ایک قول یہ ہے کہ نہیں اور امام کرخیؒ نے کہا ہے کہ ہاں، اور یہ استحسان ہے، اس لیے کہ امکان کے باوجود شرط کے متروک ہونے کی وجہ سے پہلی نماز کا اعتبار نہیں ہوا، اور اب امکان زائل ہو گیا تو غسل کی فرضیت ساقط ہوگئی، اس لیے کہ نماز جنازہ من وجہ نماز ہے اور من وجہ دعا ہے، لہٰذا اول کے اعتبار سے بلا طہارت جائز ہی نہیں، اور ثانی کے اعتبار سے بلا عجز بھی جائز ہے، تو دونوں مشابہتوں پر عمل کرتے ہوئے حالت عجز میں ہم نے کہا کہ جائز ہوگی نہ کہ حالت قدرت میں، (ان کا قول: یہی صحیح ہے)، احتراز ہے اس روایت سے جو امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ تین دن (کے اندر) تک پڑھی جاسکتی ہے، (ان کا قول: حال کے اختلاف کی وجہ سے) یعنی میت کے حال، موٹے اور دبلے ہونے سے، اور زمان کے حال گرم یا سرد ہونے سے، اور مکان کے حال سے، اس لیے کہ مکان میں بعض جگہ اس کو جلدی گلا دیتی ہے اور بعض میں نہیں، یہاں تک کہ اگر لوگوں کی رائے ہو کہ تین دن سے پہلے ہی میت کے اجزاء بکھر گئے ہوں گے، تو تین دن تک کی اجازت نہیں ہوگی۔ (فتح القدیر: 2/84)

۴۔نماز جنازہ غائبانہ

اگر میت کی تدفین کی اطلاع ملے، اور قبرستان یا قبر کی جگہ کا علم نہ ہو سکے، تو اس صورت میں اس کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء کی آراء میں اختلاف ہے، شوافع کے نزدیک وہ میت جو شہر سے باہر ہو اس کی نماز غائبانہ بلا کراہت جائز ہے، اور حنابلہ کے نزدیک ایک ماہ کے اندر اندر پڑھی جاسکتی ہے، (الفقہ علی المذاہب الاربعہ: 1/483)،"و تتوقف الصلاة على الغائب بشهر، كالصلاة على القبر" اور میت پر غائبانہ نماز بنی ہوگی ایک ماہ تک قبر پر اس کی نماز کے مثل۔ (المغنی لابن قدامۃ: 3/447) امام نووی شافعیؒ نے شرح مہذب میں لکھا ہے"تـجـوز الـصـلاة على الميت الغائب لِمَا رَوَى أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَى النَّجَاشِيَّ لِأَصْحَابِهِ وهو بالمدينة وصلى عـلـيـه و صلوا خلفه وإن كان الميت معه في البلد لم يجز" میت غائب پر نماز جنازہ جائز ہے، اس روایت کی وجہ سے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کی ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو نجاشی کی موت کی خبر دی جب کہ آپ ﷺ مدینہ میں تھے اور آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور صحابہ نے آپ ﷺ کے پیچھے پڑھی، اور اگر میت اس کے شہر میں ہو تو نہیں جائز ہوگی (المجموع شرح المہذب: 5/250)،"وَمَذْهَبُنَا جَوَازُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ الْغَائِبِ عَنْ الْبَلَدِ" ہمارا مذہب شہر سے غائب میت کی نماز کے جواز کا ہے۔ (5/252) اور میت جس شہر میں ہے، وہاں کے لوگوں کے لیے شوافع کے

نزدیک بھی اس کا جواز نہیں ہے۔

اور مالکیہ واحناف کے نزدیک نماز جنازہ کی شرائط میں جنازہ کا مصلیان کے سامنے حاضر ہونا بھی ہے، "ومن الشروط حضور المیت و وضعه و کونه أمام المصلی فلا تصح علی غائب و لا علی محمول علی دابة ولا علی موضوع خلفه" اور نماز جنازہ کی شرائط میں میت کا حاضر ہونا ہے اور مصلی کے سامنے اس کا رکھا جانا ہے، لہٰذا غائب کی نماز جنازہ نہیں ہے اور نہ اس میت کی جو سواری پر رکھا ہوا ہو، اور نہ اس میت کی جو مصلی کے پیچھے رکھا ہوا ہو۔ (الفتاوی الہندیہ: 1/164)، "وَهِیَ: سَتْرُ الْعَوْرَةِ، وَحُضُورُ الْمَيِّتِ، وَكَوْنُهُ أَوْ أَكْثَرُهُ أَمَامَ الْمُصَلِّی" اور یہ شرائط میت کی عورت کا مستور ہونا، میت کا حاضر ہونا اور اس کا یا اس کے اکثر حصہ کا میت کے سامنے ہونا۔ (رد المحتار علی الدر المختار: 3/103)، "وشرط صحتها إسلام المیت و طهارته و وضعه أمام المصلی، فلهذ القید لا تجوز علی غائب ولا حاضر محمول علی دابة أو غیرها" اور نماز جنازہ کے صحیح ہونے کی شرط میت کا مسلمان ہونا، اور اس کی طہارت اور اس کا مصلی کے سامنے رکھا ہوا ہونا ہے، اور اسی قید کی وجہ سے غائب کی جائز نہیں، اور نہ ایسے حاضر میت کی جائز ہے جو کسی سواری پر رکھا ہوا ہو۔ (فتح القدیر: 2/80)

رسول اللہ ﷺ سے نماز جنازہ غائبانہ کا ثبوت محض نجاشی کے بارے میں کتب حدیث میں منقول ہے اور آپ ﷺ نے ان کی نماز غائبانہ جو پڑھی ہے اس میں متعدد احتمالات ہیں، ان میں سے ایک قوی احتمال یہ ہے کہ ان کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے حاضر کیا گیا ہو، کیوں کہ آپ ﷺ کے حق میں یہ بعید نہیں ہے، کفار نے جب اسراء کی تکذیب کی، اور آپ ﷺ سے بیت المقدس کے متعلق کچھ سوالات کئے، تو آپ ﷺ کے لیے درمیان سے تمام حواجز کو اٹھا دیا گیا، اور آپ ﷺ نے اپنے سامنے بیت المقدس کو دیکھ کر ان کے جوابات دیئے، اس کا ذکر صحاح میں موجود ہے۔

نجاشی کے علاوہ نماز جنازہ غائبانہ کا ذکر معاویہ بن معاویہ لیثی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی بعض کتب حدیث میں ملتا ہے، جس کو محدثین نے ضعیف اور منکر بھی کہا ہے: جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ اس لیے ہے کہ آج مدینہ میں معاویہ بن معاویہ لیثی کی وفات ہوگئی ہے، تو اللہ نے ان کے لیے ہزار فرشتوں کو اتارا جو ان کی نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: اور یہ کس وجہ سے؟ تو فرمایا کہ: رات و دن چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ" کی قرأت کثرت سے کرتے تھے، تو اے اللہ کے رسول! کیا آپ کی خواہش ہے کہ میں آپ کے لیے زمین کو سمیٹ دوں تاکہ آپ ان کی نمازہ جنازہ پڑھ لیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی نماز پڑھی۔ (مسند ابو یعلی موصلی: 7/256، حدیث: 4267) اس کے محقق حسین سلیم اسد نے اسے ضعیف جدا کہا ہے، اور ان کے علاوہ لوگوں نے منکر بھی کہا ہے، رسول اللہ ﷺ سے ان دو کے سوا کسی کی نماز غائبانہ کا ثبوت نہیں ملتا، جب کہ آپ کے عہد مبارک میں دیگر کئی کبار صحابہ کی غزوات میں شہادت ہوئی، جن میں آپ شریک نہیں تھے، غزوۂ مؤتہ میں آپ ﷺ کے انتہائی عزیزوں کی شہادت ہوئی، زید بن حارثہ، جعفر طیار بن ابوطالب رضی اللہ عنہما، ان کی وفات کی خبر سن کر آپ ﷺ آبدیدہ ہوگئے، مگر ان کی نماز جنازہ غائبانہ کا بھی آپ سے ثبوت نہیں ملتا، اور نہ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام سے اس کا ثبوت ملتا ہے، لہٰذا یہ توارث کے بھی خلاف ہے۔

امام العصر علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: "أما الصلاةُ علی الغائبِ فلم تَثْبُت إلا واقعةُ النَّجاشی. أما واقعة ابن معاویة اللیثی فاختلفوا فیها، والظاهر أنه مُنْكَر. فإذا لم تَثْبُت تلك الصلاةُ فی عهد النبیِّ ﷺ مع أنَّ كثیرًا مِنَ المسلمینَ ماتوا فی دار غربةٍ فی عهدِه ﷺ نَاسَبَ أن تُخْتَمَ بِعَهْدِ النبیِّ ﷺ ولا سیما إذا لم یَجْرِ علیها توارثُ الأُمة أیضًا. بخلافِ الصلاةِ علی القَبْر فإن بعضَهم عَمِلوا بها فیما بعد أیضًا." بہر حال غائب پر نماز تو سوائے واقعہ نجاشی کے ثابت نہیں ہے، رہا واقعہ معاویہ بن معاویہ لیثی کا تو مختلف فیہ ہے، اور ظاہر یہ ہے وہ منکر ہے، لہٰذا جب یہ نماز

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ثابت نہیں باوجودیکہ بہت سارے مسلمان آپ ﷺ کے عہد میں (وطن سے دور) دارغربت میں وفات پائے، مناسب یہ ہے کہ عہد نبی ﷺ کے ساتھ ہی اسے ختم مانا جائے، اورخاص طور سے جب کہ اس پر امت کا توارث بھی نہیں رہا، برخلاف قبر پر نماز کے، کیوں کہ بعض نے بعد میں بھی اس پر عمل کیا ہے۔(فیض الباری: 2/469)۔

لہٰذا راقم السطور کی رائے یہی ہے کرونا کے ماحول میں بھی نماز جنازہ غائبانہ کا فتوی نہ دیا جائے، اور یہ بے مایہ اپنی کم علمی کے اعتراف کے ساتھ امام العصر کے اس قول کی تائید کرتا ہے کہ "وبالجملۃِ لا تُترك سنۃٌ فاشیۃٌ مستمرۃٌ لأَجل الوقائعِ الجزئیۃِ التی لم تَنکَشِف وجوھُھا ولم تُدرَ أسبابھا ." خلاصۂ کلام یہ کہ جزئی حوادث، جن کی وجوہات بھی ظاہر نہیں ہوئیں، اور نہ ان کے اسباب معلوم ہوئے، ان کو دلیل بنا کر ایک ظاہر جاری سنت کو ترک نہ کیا جائے۔

۵۔کرونا سے وفات پانے والے کا حکم

کرونا ایک وبائی مرض ہے جیسا کہ طاعون ایک وبا ہے، اور وبائی امراض کے بارے میں اجمالاً یہ گزر چکا ہے کہ یہ امم سابقہ پر نازل ہونے والے عذاب کے باقیات ہیں، جو اس امت میں کبھی کبھی طاری کئے جاتے ہیں، جو غیر مومن کے لیے عذاب اور مومنین کے لیے رحمت ہوتے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "وَمَا تَعُدُّونَ الشَّهَادَةَ إِلَّا مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللهِ، إِنَّ شُهَدَائِكُمْ إِذًا لَقَلِيلٌ، الْقَتْلُ فِي سَبِيلِ اللهِ شَهَادَةٌ، وَالْبَطْنُ شَهَادَةٌ، وَالْحَرَقُ شَهَادَةٌ، وَالْغَرَقُ شَهَادَةٌ، وَالْمَغْمُومُ - يَعْنِي الْهَدِمَ - شَهَادَةٌ، وَالْمَجْنُونُ شَهَادَةٌ، وَالْمَرْأَةُ تَمُوتُ بِجُمْعٍ شَهِيدَةٌ" تم لوگ شہادت نہیں شمار کرتے ہو مگر اسی کو جو اللہ کے راستہ میں قتل کیا جائے، تب تو تمھارے شہداء کم ہیں، اللہ کے راستہ میں قتل ہونا شہادت ہے، اور پیٹ کے مرض میں وفات پانا شہادت ہے، اور جل جانے میں موت ہو جانا شہادت ہے، اور ڈوب کر موت پا جانا شہادت ہے، اور دب کر مر جانا شہادت ہے، اور مجنون کی موت شہادت ہے، اور عورت جو حمل کے ساتھ وفات پا جائے شہید ہے (سنن النسائی)، اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے: "ذکر الشهداء عند ابن مسعود فقالوا: إن الشهادة القتل، فقال عبد الله: إن شهدائكم إذاً لقليل، ثم قال عبد الله: إن من يغرق في البحر ويتردى من الجبال، وتأكله السباع شهيد عند الله يوم القيامة.. عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے شہداء کا ذکر کیا گیا، لوگوں نے کہا شہادت قتل ہونا ہے، تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا تب تو شہداء بہت کم ہیں پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ شخص جو دریا میں ڈوب جائے، اور اوپر سے گر جائے، اور جسے درندے کھا جائیں قیامت کے دن اللہ کے نزدیک شہید ہے۔(سنن سعید بن منصور: 1/380، ح2618)"

ان نصوص کی روشنی میں اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ کرونا وبا میں وفات پانے والے مومنین بھی آخرت میں شہید شمار کئے جائیں گے کیوں کہ اہل علم نے شہداء کی تین قسمیں ذکر کی ہیں: ایک تو وہ جو دنیا و آخرت دونوں میں شہید کا حکم رکھتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اخلاص نیت کے ساتھ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کفار سے قتال کرتے ہوئے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی، دوسرے وہ لوگ جن پر دنیا میں شہادت کے احکام نافذ نہیں ہوتے، مگر عند اللہ آخرت میں ان کو شہداء میں شمار کیا جائے گا، یہ وہی لوگ ہیں جو مذکورہ بالا نصوص میں بیان کئے گئے، تیسرے وہ لوگ جنھیں دنیا میں تو شہید کہا جاتا ہے مگر عند اللہ آخرت میں ان کا شمار شہداء میں نہیں ہوگا، یہ وہ لوگ ہیں، جنھوں نے کسی دنیاوی غرض۔ حصول مال، شہرت، عصبیت وغیرہ ۔ کے لیے قتال مع الکفار میں شرکت کی، اور قتل ہوئے ان کی نیت اعلاء کلمۃ اللہ کی نہ ہو۔

محور ششم: کرونا ویکسین سے متعلق مسائل

۱۔الکوحل آمیز سینیٹائزر کے استعمال کا حکم

مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی تحقیق کے مطابق دواؤں میں ملائے جانے والے الکحل کی بڑی مقدار انگور اور کھجور کے علاوہ دوسری اشیاء مثلاً چمڑا، گندھک، شہد، شیرہ، جو وغیرہ سے حاصل کی جاتی ہے، نیز اس کو عموم بلوی بھی حاصل ہے، (تکملۃ فتح الملہم :۱/۵۵۱،فقہی مقالات :۱/۲۵۳)، لہٰذا جس الکحل کے بارے میں یقین سے معلوم نہ ہو کہ شراب سے تیار کیا گیا ہے، ایسے الکحل آمیز سینیٹائزر کا استعمال جائز ہوگا۔

۲۔کرونا ویکسین لگوانے کا حکم

عموماً دوا کا استعمال مرض لاحق ہونے کے بعد ہوتا ہے، اور دواؤں کا مثبت نتیجہ یقینی بھی نہیں ہے اغلبی ہے، لہٰذا وبائی امراض سے بچنے کے لیے ٹیکہ، ویکسین کا استعمال مباح ہوگا، واجب نہیں۔

محور ہفتم: کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے سے متعلق اسلامی ہدایات

۱۔وبا کے دفعیہ کے لیے اذان کہنا

نماز، اور مولود بچہ کے علاوہ کسی اور کے لیے کتاب وسنت سے اذان کا ثبوت نظر سے نہیں گزرا، اور رد المحتار میں بھی اس کی صراحت کی ہے کہ "(لا یسن لغیرھا) أی فی الصلوات وإلا فیندب للمولود" نمازوں کے علاوہ کے مسنون نہیں ورنہ مولود کے لیے مسنون ہے، (الدر المختار: 2/50)، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء احناف نے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں کیا ہے، لیکن صحیح مسلم میں سہیل کے والد ابوصالح تابعی کا قول مذکور ہے: "وَلَـكِنْ إِذَا سَمِعْتَ صَوْتًا فَنَادِ بِالصَّلَاةِ" جو ایک حدیث سے مستنبط ہے، حدیث کی مکمل عبارت کا ترجمہ اس طرح ہے: (حضرت سہیل سے مروی ہے کہ میرے والد نے مجھ کو بنو حارثہ کی جانب بھیجا، ہمارے ساتھ ایک لڑکا بھی تو باغ سے ایک پکارنے والے نے اس کا نام لے کر آواز دی، میرے ساتھی نے دیوار سے جھانک کر دیکھا تو کوئی دکھائی نہیں دیا، میں نے اس کا ذکر اپنے والد سے کیا تو انھوں نے کہا: اگر میں جانتا کہ تمھارے ساتھ ایسا پیش آئے گا تو نہ بھیجتا، لیکن جب تم کوئی آواز سنو تو اذان کہو، کیوں کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اذان کہی جاتی ہے تو شیطان تیزی سے دوڑتا ہوا اس طرح بھاگتا ہے، کہ آواز کے ساتھ اس کی ہوا نکل رہی ہوتی ہے) (صحیح مسلم: حدیث 389)، اسی طرح علامہ شامی نے فقہاء شافعیہ سے بعض دیگر مواقع پر اس کے جواز کا قول نقل کیا ہے: بحر پر خیر رملی کے حاشیہ میں ہے کہ میں نے شوافع کی بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ نماز کے علاوہ بھی اذان مسنون ہے، جیسے مولود، مغموم، مرگی کے مریض اور غصہ میں مبتلا شخص، یا اس انسان یا جانور کے کان میں جو بد خلق ہو، یا لشکر کے تصادم کے وقت اور آگ لگنے پر، اور کہا گیا ہے کہ میت کو قبر میں اتارنے کے وقت دنیا میں اس کے آنے کے وقت پر قیاس کرتے ہوئے لیکن ابن حجرؒ نے شرح عباب میں اس کا رد کیا ہے، اور جنات کی سرکشی کے وقت، اس بارے میں صحیح حدیث کے وارد ہونے کی دلیل سے، میں نے کہا کہ ہمارے نزدیک بھی اس میں کوئی بعد نہیں ہے۔ (الدر المختار: 2/50) نیز ملا علی قاریؒ کا بھی حوالہ دیا ہے۔

ان عبارات واقوال کے پیش نظر دفع وبا کے لیے اذان دیئے جانے کی اباحت معلوم ہوتی ہے، مگر راقم السطور کی رائے یہ ہے کہ ان مقاصد کے لیے اذان مسجد سے نہ دی جائے اور شخصی مصیبت کو دور کرنے کے لیے ہیئت بھی دیگر ہو جیسا کہ اوپر مذکور بعض روایت میں کان میں اذان کہنے کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۔ دفع وبا کے لیے اجتماعی نماز اور اجتماعی دعا کا اہتمام

صحابۂ کرام کے عہد میں طاعون کی وبا پھیلی، مگر ان سے اس کے دفع کے لیے نہ اجتماعی نماز کا ثبوت منقول ہے اور نہ ہی اجتماعی دعا یا اذان کی مشروعیت ثابت ہے، غزوۂ بدر کے موقع پر آپ ﷺ سے تنہا دعا میں مشغول ہونا منقول ہے، یا مصائب کے ازالہ کے لیے قنوت نازلہ کا ثبوت ہے، ہماری مشکلات کا حل اللہ اور اس کے رسول کی طاعت میں ہی مضمر ہے، فرض نمازیں باجماعت یا ان کے بعد کی اجتماعی دعاؤں پر مطمئن نہ ہونا بجائے خود بہت بڑی مصیبت اور کمزوری ہے جو امور عبادات کی قبیل سے ہیں ان امور میں خاص طور سے کتاب وسنت سے ثابت طریقہ پر ہی اکتفا کرنے میں تحفظ اور عافیت ہے، ایک بار حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے (ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن میں نے ابھی مسجد میں ایک بات دیکھی جو مجھے غیر مانوس لگی، اور الحمد للہ میں نے اچھی بات ہی دیکھی، انھوں نے پوچھا: وہ کیا؟ تو انھوں کہا: اگر آپ باحیات رہے تو جلد ہی دیکھ لیں گے، انھوں نے کہا: میں نے مسجد میں کچھ لوگوں کو حلقوں میں بیٹھے نماز کے انتظار میں دیکھا، ان کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں اور ہر حلقہ میں ایک آدمی لوگوں سے کہتا ہے کہ سومرتبہ اللہ اکبر کہو تو وہ سومرتبہ اللہ اکبر کہتے ہیں، کہتا ہے: سوبار لا الہ الا اللہ کہو، تو سوبار لا الہ الا اللہ کہتے ہیں، کہتا ہے سوبار سبحان اللہ کہو، تو سوبار سبحان اللہ کہتے ہیں، تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ نے ان سے کیا کہا؟ تو انھوں نے جواب دیا میں نے آپ کی رائے یا آپ کے حکم کے انتظار میں ان سے کچھ نہیں کہا، عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے ان کو حکم نہیں دیا کہ اپنی گناہیں شمار کریں اور میں ضمانت لیتا ہوں کہ ان کی حسنات ضائع نہیں ہوں گی، پھر وہ چلے ہم بھی ان کے ساتھ چلے، یہاںتک کہ ان حلقوں میں سے ایک کے پاس کھڑے ہوئے، اور کہا: میں تمھیں یہ کیا کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں؟ ان لوگوں نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! کنکریاں ہیں جن پر ہم تکبیر وتہلیل اور تسبیح شمار کررہے ہیں، انھوں نے کہا: اپنی سیئات شمار کرو، میں ضمانت لیتا ہوں کہ تمہاری حسنات میں کچھ بھی نقصان نہیں ہوگا، افسوس ہے تم پر اے امت محمد ﷺ، کتنی جلدی تمہاری ہلاکت سامنے ہے، یہ تمہارے نبی ﷺ کے صحابہ ابھی کثرت سے موجود ہیں، اور یہ نبی ﷺ کے کپڑے ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے، اور یہ ان کے برتن بھی ابھی نہیں ٹوٹے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے، کیا تم لوگ کسی ایسے دین پر ہو جو محمد ﷺ کے دین سے زیادہ ہدایت پر ہے یا تم لوگ کسی گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو؟ ان لوگوں نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن، سوائے خیر کے ہمارا کوئی ارادہ نہیں ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اور بہت سے خیر کا ارادہ کرنے والے ہیں کہ خیر تک پہونچ نہیں پاتے، رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان کیا کچھ لوگ قرآن پڑھیں گے اور وہ ان کی حلق سے نیچے نہیں اترے گا، اور اللہ کی قسم مجھے معلوم نہیں شاید تم میں سے اکثر لوگ انھیں میں سے ہوں، پھر عبداللہ رضی اللہ عنہ واپس چلے گئے، پھر عمرو بن سلمہ نے کہا: انھیں حلقوں والوں میں اکثر کو ہم نے دیکھا کہ نہروان کے دن خوارج کے ساتھ مل کر ہم پر نیزے چلارہے تھے۔ (سنن دارمی: حدیث ۲۱۰)

لہٰذا صحیح یہی ہے کہ جو امور سلف سے معروف اور معمول بہ نہ رہے ہوں، اگرچہ مباح ہوں انھیں رواج نہ دیا جائے، جب کہ دفع مصائب کے دوسرے معروف طریقے، استغفار، اعمال کی اصلاح، کثرت صدقات، انفرادی طور پر نماز میں مصروفیت، اور انابت الی اللہ وغیرہ موجود ہیں۔

کرونا وبا-شریعت کی روشنی میں

مفتی محمد عثمان بستوی

مدرسہ ریاض العلوم، گورینی، جون پور

دنیا میں جو کچھ آفت وبلا آتی ہے، وہ انسانوں کے کیئے ہوئے کاموں کا نتیجہ ہوتی ہے اور اللہ رب العزت بہت سی خطاؤں کو درگزر بھی کرتا رہتا ہے، ایک آیت میں ہے کہ خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں، تا کہ اللہ تعالی ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھادے، کہ وہ باز آجائیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کو چھوٹی بڑی جو بھی تکلیف پہنچتی ہے، خواہ لکڑی کا چبھنا ہو یا قدم کا پھسلنا یا رگ کا پھڑکنا، سب گناہوں کا نتیجہ اور ثمرہ ہوتی ہے اللہ رب العزت جو درگزر کر دیتے ہیں، وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔

آیات وروایات سے معلوم ہوا کہ وبا اور عمومی امراض اور دیگر آفات وبلیات سب انسان کے گناہوں کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں، اس لیے اس کا حقیقی علاج توبہ واستغفار ہر قسم کے ترک معاصی ہی ہے، اللہ رب العزت ساری انسانیت خصوصا امت مسلمہ کو صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین!

المحور الاول

وبا پھیلنے والے عمومی امراض کو کہا جاتا ہے؛ جیسے: طاعون، ہیضہ، بخار اور اڑتا ہوا مرض، جو یکبارگی کسی علاقے یا بستی میں پھیل جائے، اسی لیے طاعون کو بھی خاص طور سے وبا کہا گیا ہے کہ یہ عمومی اور پھیلنے والا متعددی مرض مانہ گیا ہے۔

شریعت میں وبا اس عذاب الہی کا نام ہے، جو کسی ملک یا بستی پر اس کے باشندوں کی بداعمالیوں کی پاداش میں سزائے عام کے طور پر نازل کیا جاتا ہے، لیکن اگر سزائے عام میں مجرمین کے علاوہ نیک وخواص بھی آجائیں تو ان کے لیے باعث اجر اور موجب شہادت ہے۔

چنانچہ ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے جس قوم میں کھلم کھلا بدکاری اور فحاشی پھیل جاتی ہے، تو ان لوگوں میں تعاون اور ایسی نئی بیماریاں وبائی شکل میں پھوٹ پڑتی ہیں، جو ان سے پہلے لوگوں میں ظاہر نہیں ہوئی تھی۔

بعض گناہوں کے مخصوص اثرات: ویسے تو عام طور پر ہر گناہ اللہ تعالی کی ناراضگی اور مصائب وحوادث کا سبب بنتے ہیں مگر بعض گناہ کے ارتکاب سے بعض مخصوص نتائج برامد ہوتے ہیں اور ان گناہوں سے بعض محسوس مصائب نازل ہوتے ہیں چنانچہ ایک روایت میں ہے، بدعہدی کے گناہ سے قتل وغارت گری عام ہوتی ہے، فحاشی وبے حیائی کے عام ہونے سے موت مسلط ہوتی ہے اور زکوۃ روک لینے سے قحط کی سزا ملتی ہے۔

اسی طرح حضرت تھانوی رحمہ اللہ جزاء الاعمال میں چند گناہوں کے نتیجے میں مخصوص مذاہب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (۳) ناحق فیصلہ کرنے اور بدعہدی کرنے پر دشمن مسلط کر دیا جاتا ہے۔ (۴) ناپ تول میں کمی کرنے سے قحط، تنگی اور حکام کے ظلم میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ (۵) خیانت کرنے سے دشمن کا رعب ڈال دیا جاتا ہے۔ (۶) دنیا کی محبت اور موت سے نفرت کرنے پر بزدلی پیدا ہوتی ہے اور دشمن کے دل سے رعب دور کر دیا جاتا ہے۔

وبائی امراض کے اسباب حقیقی: مذکورہ بالا ذکر کردہ روایات سے معلوم ہوا کہ جب کسی قوم میں معاشی کی کثرت ہوتی ہے، خصوصا بدکاری فحاشی اور بے حیائی تو اللہ رب العزت کی طرف سے بشکل عذاب وبائی امراض مسلط کردیے جاتے ہیں، جس کی وجہ سے کثرت سے اموات واقع ہوتی ہیں اور لوگوں کے اندر خوف وہراس پھیل جاتا ہے، اس لیے وبائی امراض خواہ کرونا ہو یا پہلے زمانے میں پھیلنے والے طاعون یا خسرہ و چیچک یا بیضہ، ڈائریا وغیرہ سب سے حفاظت کی اصلی اور حقیقی تدبیر تو یہی ہے کہ کثرت سے توبہ واستغفار کیا جائے، رجوع اور انابت بڑھادی جائے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام کیا جائے، خصوصا فحاشی اور بے حیائی کے گناہوں سے خاص طور پر توبہ واستغفار کیا جائے، امید کے توبہ واستغفار کے نتیجے میں اللہ رب العزت کی ناراضگی دور ہوگی اور لوگوں کے اندر اطمینان، چین سکون اور صحت وعافیت کی فضا قائم ہوگی، اللہ رب العزت ساری انسانیت کو صحیح سمجھ اور اسباب حقیقیہ کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

وبائی امراض کے دیگر اسباب ووجوہات: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کے زمانے میں وبائی امراض کی شکل میں طاعون کا تذکرہ ملتا ہے اور اس کے چند اسباب بتائے گئے ہیں، ان میں سے ایک طاعون اور وبائی امراض عذاب خداوندی ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے بارے میں سوال کیا، تو اپ نے ارشاد فرمایا: انه عذاب يبعثه الله على من يشاء وان الله جعله رحمة للمؤمنين وليس من عبد يقع الطاعون فيمكث في بلده صابراً محتسبا يعلم انه لا يصيبه الا ما كتب الله له الا كان له مثل اجر شهيد ۔ یعنی جو شخص قانون زدہ علاقے میں صبر وثواب کی امید سے تقدیر پر بھروسہ کرتے ہوئے ٹھہرا رہے، تو اس کو شہید کے اجر کے برابر اجر ملے گا۔ (بخاری)

محور اول جواب نمبر: ۲- وبا سے تحفظ کے لیے رہنما اصول

وبائی ومتعدی امراض سے تحفظ کے لیے، شریعت مطہرہ نے کچھ احتیاطی تدابیر کی تعلیم دی ہے، وہ ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایسی جگہ جانے سے منع فرمایا ہے، جہاں طاعون وغیرہ جیسے وبائی امراض پھیلے ہوں، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس آبادی میں طاعون پھیلنے کی اطلاع ملے، وہاں ہرگز نہ جائے اور جو لوگ اس جگہ موجود ہوں، وہ وہاں سے راہ فرار اختیار نہ کریں بلکہ وہیں رہ کر صبر کرے اور جو کچھ دوا، علاج اور تدابیر ممکن ہوں، اختیار کریں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ظاہری اسباب کے درجے میں انسان کو احتیاطی تدابیر اختیار کرنا چاہیے، نہ خود موضوع ہلاکت میں جائے اور نہ دوسروں کو ہلاکت میں مبتلا کرے، اس لیے شریعت نے یہ تعلیم دی کہ وبائی جگہ میں جا کر اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالے، بلکہ احتیاط کرے، اس طرح جو لوگ اس جگہ ہیں، تو ان کے نکلنے سے دوسرے لوگوں کے مبتلا ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے، اس لیے سختی کے ساتھ ان کو نکلنے سے منع کیا گیا اور نکلنے پر وعید بھی ائی ہے، بعض علماء نے طاعون زدہ علاقے میں جانے اور وہاں سے نکلنے کی حکمت ومصالح کے سلسلے میں درج ذیل نکات بیان کیے ہیں:

(۱) نکلنے والے کے ذریعے دوسرے تک بیماری متعدد نہ ہو۔ (۲) طاعون زدہ لوگوں کی تیمارداری وعیادت کی جا سکے، ورنہ سب نکل جائیں گے تو بیماروں کا کیا ہوگا۔ (۳) دخول سے منع کی وجہ یہ ہے کہ اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالے، بلکہ احتیاط کرے۔

(۲) نیز وبائی امراض سے تحفظ اور اس کے دفعیہ کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی تاکید کا علم طاعون عمواس کے واقعے سے یہ ہوتا ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ جو اس وبا سے تحفظ کے نظم وانتظام کے لیے شام جارہے تھے، جس وقت حضرت ابوعبیدہ وغیرہ سے بیماری کی شدت میں اضافے کا ہونا معلوم ہوا، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ حضرات صحابہ کے مشورے سے واپس مدینہ پاک چلے گئے، اور حضرت ابوعبیدہ کے اعتراض کے باوجود آگے جانا مناسب نہیں خیال کیا اور یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: نعم افر من قضاء الله الى قضاء الله اور ایک تدبیر اور حکمت

عملی سے حضرت ابوعبیدہ کو بھی وہاں سے واپس بلانا چاہا لیکن، وہ تیار نہ ہوا اور ان کی اسی مرض سے شہادت ہوئی اس کے، بعد حضرت معاذ ابن جبل ان کے جانشین ہوئے اور وہ بھی اس مرض کے شکار ہو گئے، اس کے بعد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہ لشکر کے امیر مقدر کیے گئے اور انہوں نے جو خطبہ دیا وہ یہ ہے کہ وباء جب شروع ہوتی تو آگ کی طرح پھیلتی ہے، اس لیے تمام فوج کو یہاں سے اٹھ کر پہاڑوں پر جا رہنا چاہیے، کچھ صحابہ کرام نے اس رائے کو پسند نہیں کیا، لیکن بہت سے حضرات نے اس کی تائید کی اور حضرت عمرو بن عاص کے حکم سے فوج پہاڑوں پر منتشر ہوگئی، اس کے بعد حالات قابوں میں اور وبا جاتی رہی، عمرو عمر دونوں بزرگان دین کے عمل سے صاف واضح ہوتا ہے کہ جو احتیاطی تدابیر ممکن ہوں ان کو ضرور اختیار کرنا چاہیے، البتہ ان تدابیر کو سبب حقیقی نہ سمجھے جو کچھ وعیدیں آئی ہیں وہ سبب حقیقی سمجھنے پر ہیں، نہ کہ دوا اور علاج کے درجے میں سبب ماننے پر، طاعون عمواس کا واقعہ تفصیل سے الفاروق جلد ا/صفحہ ۱۵۳ تا ۱۵۶ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

چونکہ زمانے جاہلیت میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ مرض میں خود منتقل ہونے کی صلاحیت ہے، تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد و عمل سے اس عقیدہ کی تردید فرمائی کہ مرض کے اندر ذاتی طور پر متعدی ہونے کی صلاحیت ہے اور عملی طور پر اس بداعتقادی کو ختم کرنے کے لیے ایک جذامی کے ساتھ کھانا تناول فرمایا، لیکن اسباب کے درجے میں اللہ رب العزت نے بعض بیماریوں میں متعدی ہونے کی صلاحیت رکھ دی ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب کے درجے میں ایسے مریضوں اور مرض کی جگہوں سے دور رہنے کی تعلیم دی، جیسا کہ اس سے متعلق چند روایات کو ذکر کر دیا گیا ہے۔

شرعی ہدایات کی روشنی میں تحفظ کے رہنما اصولوں کا خلاصہ

جو روایات اور واقعات ذکر کیے گئے ہیں ان سے شریعت کا مزاج یہ معلوم ہوتا ہے یہ وبا سے تحفظ کے لیے وبائی علاقوں سے حتی الامکان دوری اختیار کی جائے، بلاضرورت وہاں آمد ورفت سے احتراز کیا جائے، اسی طرح وبائی علاقے کے افراد محفوظ علاقوں میں بلاضرورت آمد ورفت سے احتراز کریں کہ ممکن ہے کہ مرض کے اثرات ان کے اندر سرایت کر چکے ہوں اور ان کے ذریعے دوسرے تندرست وصحت مند لوگ مرض کے شکار ہو جائیں نیز وبائی علاقے کے لوگ بقدر امکان وبا سے بچنے کی تدابیر بھی اختیار کریں، خواہ پرصحت فضا اور عمدہ آب وہوا میں نکلنے کے ذریعہ ہو یا آپسی دوری (سوشل ڈسٹنسنگ) کے ذریعہ ہو جیسا کہ طاعون عمواس میں اختیار کیا گیا، البتہ وبائی علاقوں سے خوف ودہشت کی بنیاد پر بھاگنا شرعاً جائز نہیں، اس کے بہت برے اثرات مرتب ہوتے ہیں اس لیے بھاگنے والے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الفار من الطاعون كالفار من الزحف والصابر فيه كالصابر في الزحف۔ (مسند احمد)

حکومت کی گائیڈ لائن پر عمل کا حکم: کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے حکومت کی طرف سے جو گائیڈ لائن اختیار کی جاتی ہیں، ان میں سے بہت سی ہدایات شریعت اسلامیہ کے اصولوں کے مطابق ہیں، لہذا ان کے اختیار کرنا شرعاً بھی ضروری ہے اور حکومتی ہدایات کے بعد اس کی اہمیت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور کچھ ہدایات حکمت ومصالح پر مبنی ہیں، لیکن شریعت کے اصولوں سے معارض نہیں، لہذا ان کو بھی اختیار کرنا ضروری ہے، بلاوجہ اپنے کو قانون یا طبی خطرات سے دوچار کرنا کوئی دانشمندی نہیں ہے، اس کے برعکس کچھ تدابیر اور گائیڈ لائن شرعی احکام اور اصولوں کے منافی ہیں، مثلاً: کرونا زدہ میت کے غسل وکفن نماز جنازہ سے روکنا یا اذان ونماز جمعہ عیدین کو بالکل پابند کرنا اس طرح کی حکومتی ہدایات کا شرعی حکم تو یہی ہے کہ: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق۔

لیکن شریعت نے جان ومال، عزت وآبرو کی حفاظت کا بے حکم دیا ہے، اس لیے اگر حکومتی ہدایات کو نظر انداز کرنے میں شخصی، قومی اور ملی مفادات پامال ہونے کا خطرہ ہو یا ذاتی جان ومال عزت وآبرو داؤ پر لگتی نظر آئے، تو بدرجہ مجبوری مکرہ کی طرح سے رخصت حاصل ہوگی اور اس طرح

کے مواقع میں ’’درأ المفاسد اولی من جلب المصالح ‘‘،’’الضرورات تبیح المحظورات‘‘،’’ الحرج مدفوع‘‘،’’ الحرج مدفوع‘‘ اور ’’المشقة تجلب التیسیر‘‘ جیسے اصول وضوابط کوضرور پیش نظر رکھنا چاہیے، مجبوری کے وقت گنجائش کے پہلو کو اختیار کرنا اور حالات کی نزاکت کو سمجھنا بزدلی اور مصلحت کی چادر اوڑھنا نہیں کہلائے گا بلکہ خود کو اور قوم وملت کو اور دینی شعائر کو محفوظ رکھنے اور بڑے ضرر سے بچنے اور بچانے کی ایک تدبیر ہوگی و بس اور اس کے برعکس اقدام بظاہر حماقت کے سوا کچھ نہیں اور ایسے اقدامات جہاد کے زمرے میں ہرگز نہ آئیں گے، بلکہ خودکشی کے مرادف ہوں گے۔

احتیاطی تدابیر اور توکل:

جس طرح علاج ومعالجہ دوا دارو کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں اسی طرح نقصان اور ہلاکت یا اسباب سے بچنا اور اس کی احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنا بھی توکل کے منافی نہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر نے اس سلسلے میں بڑی عمدہ بحث کی ہے، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے، فرماتے ہیں:

’’متعدد احادیث سے اسباب کا ثبوت ہوتا ہے دوا، علاج اور معالجہ (اسی طرح احتیاطی تدابیر) ایسے شخص کے لیے قطعاً توکل کے منافی نہیں، جس کا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ کی اجازت ومشیت اور اس کی تقدیر سے اسباب اور احتیاطی تدبیر مؤثر ہوتی ہیں، چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جنگ کے موقع پر دو زرہیں پہنیں، سر پر مغفر پہنی، گھاٹی کے سرے پر حفاظت کی غرض سے تیراندازوں کو بٹھایا، مدینہ پاک کے اردگرد خندق کھودنا، کفار کے مظالم سے بچنے کے لیے خود آپ کا اور صحابہ کا ہجرت کرنا، گھر والوں کے لیے سال بھر کا غلہ جمع رکھنا اور صحابی کو اونٹ باندھ کر توکل کرنے کا حکم دینا، یہ سب بطریق صراحت اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اسباب اور احتیاطی تدابیر اور اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہیں، بشرطیکہ یہی ہے کہ اسباب کو حقیقی موثر نہ سمجھے، بلکہ مسبب الاسباب جل وعلا کو حقیقی مؤثر جانے، تو اس طرح اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہیں بلکہ ضروری ہے۔

اسباب بحیثیت تاثیر:

تاثیر کے اعتبار سے اسباب اور تدابیر کی کل تین قسمیں کی گئی ہیں: (۱) اسباب قطعیہ: مثلاً: کھانا پانی بھوک مٹانے کے لیے (۲) اسباب ظنیہ جیسے: فصد، پچھنا اور دیگر ادویات وغیرہ ازالۂ مرض کے لیے (۳) اسباب وہمیہ مثلاً داغنہ جھاڑ پھوک کرانا، پہلے قسم کا اختیار کرنا فرض ہے، دوسرے قسم کا اختیار کرنا سنت ہے اور تیسری قسم کی گنجائش ہے البتہ اس کا اختیار نہ کرنا توکل ہے۔

طبی وسائنسی ریسرچ:

طبی وسائنسی ریسرچ اور تحقیقات سے جن چیزوں کو وائرس کے پھیلاؤ اور امراض کی تعدیہ میں مؤثر بتایا جاتا ہے، ان چیزوں سے احتیاط اور ان سے بچنے کا اہتمام توکل کے منافی ہے یا نہیں، یہ حکم سائنسی وطبی تحقیقات کی شرعی حیثیت پر موقوف ہے، اگر شریعت ان تحقیقات کو صحیح ودرست مانتی ہو تو ظاہر ہے ایسی چیزوں سے اعتراض واجتناب توکل اور ایمانی تقاضوں کے خلاف نہ ہوگا، اور اگر شریعت ان کو بے اصل وبے بنیاد مانتی ہو تو اس کا توکل اور ایمانی تقاضوں کے خلاف ہونا ظاہر ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سائنسی وطبی تحقیقات کا شرعی حکم ذکر کر دیا جائے۔

سائنسی وطبی تحقیقات کا شرعی حکم:

علامہ سید سلیمان صاحب ندوی رحمہ اللہ نے علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کے حوالے سے ایک مفصل کلام کیا ہے، جس کا خلاصہ اور مفہوم یہ ہے کہ اشیاء میں جو خواص وآثار ہیں، ان کا علم ہم کو محض تکرار احساس سے ہوتا ہے، اس کا دوسرا نام تجربہ ہے، بنی نوع انسان کے اصل سرمایہ علم وعلل ومعلول میں جو کچھ ہے وہ صرف ان کے تجربے کی کمائی ہے، اور اسی کی بنا پر استدلال تمثیلی کے طور پر وہ ایک چیز کو چند بار دیکھ کر اپنے ذہن میں ایک حکم کلی پیدا کر لیتے ہیں، مثلاً: ایک سیب کو دیکھا، اس کے مزے کو چکھا، اس کی خوشبو کو سونگھا، تو جب دوسرا سیب سامنے آئے گا تو اس کی شکل وصورت اور رنگت دیکھ کر، اس کی خوشبو سونگھ کر

ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ بھی سبب ہے، اسی طرح سائنسی وطبی تحقیقات میں بھی تجربے سے حکم لگایا جاتا ہے اور تجربے سے مرتب ہونے والا علم کبھی تو قطعیت کے درجے میں ہوتا ہے اور کبھی ظنیت کے، اگر یہ تجربہ حدتواتر تک پہنچا ہے، تو ظاہر ہے کہ اسے علم قطعی حاصل ہوگا اور اگر حدتواتر تک نہ پہنچا ہو بلکہ خبر آحاد کے درجے میں ہوں تو شرعا اس سے حاصل ہونے والا علم ظنی کہلائے گا، اور مخبر پر اطمینان کی صورت میں یہ قابل عمل ہوگا، تو معلوم ہوا کہ طبی اور سائنسی تحقیقات میں جن چیزوں کو اطبا وسائنسداں اپنے تجربے اور ریسرچ سے مرض کے ساتھ تعدیہ میں مؤثر گردانتے ہوں تو شریعت بلاوجہ ان کی تکذیب نہیں کرے گی، البتہ شریعت یہ ضرور کہتی ہے کہ ہر چیز کے آثار وخواص مؤثر حقیقی کے اذن ومشیت کی محتاج ہیں، لہذا طبی وسائنسی تحقیقات کو مرض کے پھیلنے میں یا مرض سے بچنے کے لیے سبق کے درجے میں صحیح ماننا اور اس پر عمل کرنا نہ توکل علی اللہ کے خلاف ہے اور نہ ایمانی تقاضوں کے معارض (سیرت النبی ملخصاً: ۳/۵۱ تا ۶۵)

خلاصۂ بحث:

وبا اور متعدی امراض سے بچاؤ کے لیے جتنی بھی مباح اور جائز تدابیر سائنس دانوں کی طرف سے بتلائی جاتی ہیں، ان کا درجہ کم سے کم اسباب ظنیہ کے برابر ہوگا، لہذا ان پر عمل کرنا اور وائرس اور بیماری سے تحفظ کے لیے ان کو اختیار کرنا توکل علی اللہ اور ایمانی تقاضوں کے خلاف نہیں، بلکہ کتاب وسنت کی تعلیم کی روشنی میں یہ توکل کے عین مطابق ہے، بشرطیکہ ان کو مؤثر حقیقی نہ خیال کیا جائے۔

امراض کے تعدیہ سے متعلق اسلامی نقطۂ نظر:

وبا سے تحفظ کے ضمن میں ذکر کردہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امراض میں تعدیہ کی صفت پائی جاتی ہے، اسی لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے امراض اور وبائی بیماریوں سے تحفظ کے لیے بیماری کے مقام میں جانے اور آنے سے منع فرمایا اور بیماروں کے ساتھ بلاضرورت اختلاط سے بچنے کی تعلیم دی۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماریاں دوسروں تک بھی متعدی ہوتی ہیں، بظاہر ان احادیث میں تعارض معلوم ہوتا ہے، اس لیے محدثین اور فقہاء نے تفصیلی گفتگو کی ہے، بعض لوگوں نے نسخ کا قول کیا ہے لیکن اکثر محدثین وفقہاء نے جمع وتطبیق کی صورت اختیار کی ہے، جو درج ذیل ہے:

(۱) تعدیہ کی نفی کرنے والی روایات کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی، البتہ سبب کے درجے میں متعدی ہونا ایسا بدیہی عمل اور ایک کھلی حقیقت ہے، جس کا انکار ممکن نہیں، اور تعدیہ پر دلالت کرنے والی روایت اسی پر محمول ہے۔

(۲) اصل مطلقا تعدیہ کی نفی کرنا ہے، کسی ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں متاثر کرتی ہے، مرض اور شفا سب اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے، کسی اور چیز کا دخل نہیں اور اس کے برعکس تعدیہ پر دلالت کرنے والی روایات ایمان وعقیدے کی حفاظت کے لیے ذکر کی گئی ہیں کہ ضعیف العقیدہ لوگ پھر ان کے خلط واختلاط سے مرض کا شکار ہو گئے، تو ان کا اعتقاد وایمان خراب ہو جائے گا، اور امراض کو لذاتہ مؤثر خیال کرنے لگیں گے تو اعتقاد فاسد سے حفاظت کے لیے اختلاط وغیرہ سے منع کر دیا گیا۔

(۳) لاعدوی والی روایت اصل ضابطہ اور حکم عام ہے، اور فر من المجذوم جیسی روایات خصوص پر مبنی ہیں، کہ عام طور سے امراض میں تعدیہ نہیں البتہ کچھ بیماریوں میں تعدیہ ہوتا ہے۔ اور ایک تاویل یہ کی جاتی ہے کہ بیماری میں تعدیہ نہیں لیکن بیماری جب شدت کو پہنچ جائے تو آب وہوا خراب ہو جاتی ہے نیز مریض سے بھی بدبو وغیرہ آنے لگتی ہے، جس کی وجہ سے طبعا کراہت پیدا ہو جاتی ہے، تو آپ علیہ السلام نے طبعی ایذاء وغیرہ سے بچانے کے لیے اختلاط سے منع کر دیا، یہ محدثین اور فقہاء کے کلام کا خلاصہ تھا، جو ذکر کیا گیا، لیکن صحیح اور حقیقی بات یہی ہے کہ بہت سے امراض سبب کے درجے میں متعدی ہوتے ہیں، اور آج کی طبی تحقیقات بھی اس کی مؤید ہیں، اور تجربہ مشاہدہ سے امراض کا انتقال بدیہی حقیقت بن چکا ہے، جس کا انکار ممکن نہیں، حضرت

تھانویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث لا عدوی میں مطلق عدوی کی نفی مقصود نہیں بلکہ اس عدوی کی نفی مقصود ہے جس کے قائل اہل جاہلیت تھے اور جس کے معتقدین سائنس اب بھی قائل ہیں، یعنی بعض امراض میں خاصیت طبعی لازمی ہے کہ ضرور متعدی ہوتے ہیں، تخلف کبھی نہیں ہوتا، سو حدیث میں اس کی نفی فرمائی گئی، اور اگر مثل دوسرے اسباب محتملہ کے اس کو مؤثر مان لیا جائے اس طرح کے عدوی کے قائل ہونے میں کچھ حرج نہیں اقرب الی التحقیق مجھ کو یہی مسلک معلوم ہوتا ہے۔(امداد الفتاوی،۴/۲۸۷)

اور علامہ ابن قیم نے مفتاح دار السعادہ میں اس مسئلے پر بڑی مفصل گفتگو فرمائی ہے اور اخر میں یہی تحریر فرمایا جو حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ سببیت کے درجے میں اس کی نفی نہیں کی جا سکتی البتہ اللہ رب العزت کی مشیت کے بغیر بذات خود کوئی مرض و دوا نہ مؤثر ہیں نہ ہو سکتے ہیں۔

علامہ زرقانی نے اس کے تحت فرمایا: المراد أن هجوم المرء على ما جهلكم منهي عنهم مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طاعون زدہ علاقے میں جانے سے جو منع فرمایا ہے تو احتیاط اور ہلاکت کے اسباب سے بچنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ اللہ رب العزت نے دشمنوں کے ہتھیار سے حفاظت اور ہلاکت وخطرات کے مواقع سے اجتناب کا حکم دیا ہے، اور علامہ زرقانی نے بھی یہی فرمایا کہ آدمی کو اپنے آپ کو ہلاکت و خطرات میں ڈالنا منع ہے، تو اب طاعون زدہ علاقے میں جانے کی ممانعت کی وجہ محدثین کے مطابق اسباب ہلاکت سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔

کروناوائرس کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر

مفتی محمد اشرف قاسمی
اجین، ایم پی

محوراول

وبائی امراض:

وبائی امراض میں خاص طور پر کتب احادیث میں طاعون کا مفصل ذکر ملتا ہے۔

طاعون چونکہ ایک وبائی مرض ہے اور انسان بکثرت اس وبا کے شکار ہوجاتے ہیں اس لیے محدثین نے طاعون سے مراد وبا لیا ہے؛ جیسے علامہ قسطلانی اور علامہ عینی نے طاعون کا مفہوم وبا سے بیان کیا ہے:

أی الذی یموت فی الطاعون أی الوباء." (إرشاد الساری شرح صحیح البخاری 2/29 مطبوعه مصر)

والطاعون مرض عام فیفسد له الهواء فتفسد الأمزجة والأبدان.

(عمدة القاری، ج5ص 171،داراحیاء التراث العربی، بیروت)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے بھی اس سے مطلقا وبائی مرض مرادلیا ہے۔

(أشعة اللمعات مترجم 3/753 فرید بك اسٹال لاهور)

طاعون چونکہ وباء کی صورت میں پھیلنے والی مہلک بیماری ہے اس لیے ہر وہ مہلک بیماری جو طاعون کی طرح کم یا زیادہ شدت کے ساتھ ہواؤں میں شامل ہوکر پھیلے وہ وبائی بیماری شمار ہوگی۔ ظاہر ہے کہ کرونا بھی ایک وبائی مہلک مرض ہے؛ اس لیے علت کے اشتراک کی بناپر اس سلسلے میں بھی وہی بات کہی جاسکتی ہے جو طاعون کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے۔

وبائی اور متعدی امراض کے سلسلے میں شریعت کی ہدایات

چونکہ کائناتِ عالم میں بہت سی چیزوں کو اللہ تعالی نے اسباب کے ساتھ جوڑا ہے، لیکن اسباب کے مؤثر ہونے کو اللہ رب العزت نے اپنے حکم کا پابند بنایا ہے؛ یہی معاملہ اللہ تعالی نے بیماریوں کے تعدیہ کے بارے میں بھی فرمایا ہے۔ بیماریوں کے تعدیہ کے سلسلے میں توہمات اور مشرکانہ خیالات پائے جاتے ہیں۔ خاص طور پر جب کہ سائنسی ایجادات سے جراثیم اور وائرس وغیرہ کا لوگوں کو علم نہیں تھا تو جو بیماریاں جن اسباب کے ذریعہ دوسروں کو لگتی تھیں، اُن اسباب کا علم نہ ہونے کی وجہ سے مختلف کے قسم کے غلط تصورات لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتے اور باطل معتقدات دل ودماغ میں اپنا نفوذ قائم کرتے تھے۔ چونکہ جراثیم یا وائرس جو کہ امراض کا سبب ہیں ان سے لوگ ناواقفیت کی بناپر ناقابلِ فہم باتوں کو معبودان باطلہ سے جوڑ دیتے یا خود بیماریوں کو ہی کسی باطل معبود کے قائم مقام سمجھ لیتے تھے۔ اس لیے شریعت مطہرہ نے توہمات اور باطل معتقدات کی بیخ کنی کے لیے ایسی ہدایات دی ہے جس سے کہ انسان کسی غیر اللہ کو مؤثر بالذات نہ مانے۔ اور چونکہ اسلام نے اشیاء کے وجود وتخلیق کو اسباب سے مربوط قرار دیا ہے۔ اس

لیے سائنسی تحقیقات سے جب یہ معلوم ہوگیا کہ اسباب جو خدائی مخلوقات ہیں ان میں منجانب اللہ صحت وسقم پیدا کرنے کی صلاحیت رکھی گئی ہے۔ان اسباب کو متعدی بالذات مان کر خلافِ توحید عقیدے میں مبتلاء ہونے کا اندیشہ ہے اس لیے شریعت کی ہدایت یہ ہے کہ اگر وہ اشیاء صحت کا باعث ہیں تو انھیں اختیار کیا جائے اور اگر سقم کا سبب ہیں تو ان سے بچا جائے۔اور اس صحت وسقم کے لیے ان اسباب کو مؤثر بالذات نہ سمجھا جائے۔

اسباب کو مؤثر بالذات نہ سمجھنے اور امراض کے تعدیہ اور متعدی امراض سے حفاظتی تدابیر کے طور پر اسباب کو اختیار کرنے کے سلسلے میں دو طرح کی ہدایات شریعت میں منقول ہیں۔حضرت نبی کریم ﷺ نے دو مختلف موقعوں پر ایسا عمل کیا جس سے بیماری کے تعدیہ اور عدم دونوں باتیں واضح ہوتی ہیں۔

تعدیہ کی نفی پر روایات

۱۔ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَاعَدْوَى وَلَا طِیَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ۔ (بخاری حدیث نمبر 5757 مسلم برقم الحدیث 2222)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''چھوت لگ جانا بدشگونی یا الو یا صفر کی نحوست یہ کوئی چیز نہیں ہے۔'' بخاری

۲۔ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک مجذوم (جذام کی بیماری والے صاحب،جس بیماری کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ پھیلتی ہے) آئے تو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ بِیَدِ مَجْذُومٍ فَأَدْخَلَهُ مَعَهُ فِی الْقَصْعَةِ ،ثُمَّ قَالَ: كُلْ بِسْمِ اللَّهِ ثِقَةً بِاللَّهِ وَتَوَكُّلًا عَلَیْهِ. (ترمذی 1817)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کوڑھی کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے ساتھ پیالے میں داخل کیا، پھر فرمایا:''اللہ کا نام لے کر اس پر بھروسہ رکھتے ہوئے اور توکل کرتے ہوئے کھاؤ''۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیمار آدمی سے یقینی طور پر بیماری لگ جانے کا اعتقاد درست نہیں ہے۔

تعدیہ کی روایات

ا۔ایک موقع پر ایک مجذوم آپ ﷺ سے بیعت ہونے کے لیے آئے تو نبی کریم ﷺ نے انھیں اپنے پاس آنے کی اجازت مرحمت نہیں فرمائی،ان سے ہاتھ ملائے بغیر ہی انھیں دور سے ہی پیغام بھجوادیا کہ ہم نے تمہیں بیعت کر لیا ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِیدِ، عَنْ أَبِیهِ، قَالَ: كَانَ فِی وَفْدِ ثَقِیفٍ رَجُلٌ مَجْذُومٌ، فَأَرْسَلَ إِلَیْهِ النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "إِنَّا قَدْ بَایَعْنَاكَ فَارْجِعْ." (مسلم برقم الحدیث 2231)

''عمرو بن شرید نے اپنے والد سے روایت کی، کہا: ثقیف کے وفد میں کوڑھ کے ایک مریض بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پیغام بھیجا: ہم نے (بالواسطہ) تمھاری بیعت لے لی ہے، اس لیے تم (اپنے گھر) لوٹ جاؤ۔''

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ احتیاط کے درجہ میں بیماری کے ظاہری اسباب سے بچنا جائز ہے۔

طاعون والی روایت میں لاک ڈاون کا پورا خاکہ پیش کر دیا گیا ہے کہ جو شخص متاثرہ علاقہ میں ہے وہ اس علاقہ سے باہر نہ جائے اور جو غیر متاثرہ علاقہ میں ہو وہ متاثرہ علاقہ میں جانے سے احتیاط کرے۔

۱۔ جہاں طاعون پھیلا ہو، وہاں جانے کی صورت میں وبائی مرض کے حوالے سے اللہ تعالی کی قدرت کے سامنے گویا جرأت کا اظہار ہے، اور جہاں موجود ہو وہاں سے بھاگنا گویا تقدیر سے بھاگنا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اس لیے یہ دونوں کام درست نہیں۔

۲۔ سبب کے درجے میں اگر وبا زدہ علاقے میں جا کر بیماری لگ گئی یا موت آ گئی تو لوگ یہ خیال کریں گے کہ یہ وبا کی وجہ سے مرا ہے، حالانکہ اس کی موت کا وقت متعین تھا، اور وبا میں مبتلا شخص اس علاقے سے نکلا اور اس کی بیماری سبب کے درجے میں دوسرے علاقے کے کسی شخص کو لگ گئی، جس کی وجہ سے جاہلیت اولیٰ کا یہ عقیدہ دوبارہ ذہنوں میں جگہ پکڑے گا کہ بیماریاں ذاتی طور پر متعدی ہوتی ہیں، حالانکہ یہ سب اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، ورنہ پہلے شخص کو بیماری کس سے متعدی ہو کر لگی؟

بہرحال اس ممانعت کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی اس وبا سے بھاگنا چاہتا ہو تو یہ منع ہے، لیکن اگر کسی ضرورت کی وجہ سے وبا زدہ علاقے کے رہائشی کو باہر جانا ہو اور اس کا یقین پختہ ہو کہ موت زندگی اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے، وہ کسی جگہ بھی بیماری اور وبا میں مبتلا کر سکتا ہے تو بوجہ ضرورت ایسے علاقے سے جا سکتے ہیں، اسی طرح وبا زدہ علاقے میں اگر کسی کو کام ہو (مثلاً ڈاکٹرز اور میڈیکل ٹیمیں یا دیگر رضا کار خدمت کے لیے جائیں) اور اللہ کی ذات پر پختہ یقین ہو کہ بیماری اور موت دینا اللہ ہی کے دستِ قدرت میں ہے، تو اختیاری تدابیر استعمال کرتے ہوئے وبا زدہ علاقے میں جا سکتے ہیں۔

وبا کے دور میں کرنے کے کام

امراض کا مقابلہ کرنے کے لیے انسان کو ضرورت ہوتی ہے کہ اس کی بدنی اور نفسیاتی مدافعت قوی ہو۔ یہی بات اطباء اور ماہرین بھی کہتے ہیں۔ مریض جس قدر سکون واطمینان کی حالت میں ہوگا اتنا ہی وہ مرض کا مقابلہ کرنے پر قادر ہوگا۔ ساتھ ہی احتیاط اور علاج کے اسباب اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔ اسبابِ مدافعت میں سے یہ بھی ہے کہ زندگی میں نظامِ صحت: غذا، حرکت اور احتیاط وغیرہ پر توجہ دی جائے۔

☆ اسلام نے صفائی ستھرائی کا تاکیدی حکم دیا ہے۔ فقہ اسلامی کا پہلا باب طہارت پر ہوتا ہے، جو عبادت کے لیے شرط ہے۔

مذکورہ تفصیلات سے وضح ہوتا ہے کہ:

۱۔ اسلام میں وباء اور اس کے پھیلاؤ کا تصور موجود ہے۔ البتہ یہ وبا بذات خود پھیلنے کے بجائے بندوں کی آزمائش کے لیے اللہ کی طرف سے پیدا کی جاتی ہے۔ وبا کے ماحول میں وبا سے بچنے کی تدبیریں اختیار کرنے کے ساتھ ہی اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

۲۔ وبا سے تحفظ کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ جس میں بستی میں وبا پھیلی ہو وہاں کے باشندے وہاں سے باہر نہ جائیں اور دوسری بستی کے لوگ وبا زدہ علاقہ میں نہ داخل ہوں۔ اور اصول حفظان صحت کا مکمل خیال رکھا جائے۔

۳۔ کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے اور اس سے بچنے کے سلسلہ میں حکومت کی طرف سے جو ہدایات دی گئیں عموماً وہ مزاج شریعت کے مطابق ہیں، اس لیے انھیں اختیار کرنا ایمان بالتقدیر کے منافی اور توکل کے خلاف نہیں ہے، بلکہ ایک تقدیر سے دوسری تقدیر اختیا کرنا ہے، اس لیے ان پر عمل کرنا جائز بلکہ بعض حالات میں واجب کے درجے میں ضروری ہے۔

۴۔ بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلام کا تصور یہ ہے کہ بیماری کے جراثیم دوسرے صحت مند کو بیمار بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، یہ جراثیم کسی دیوی دیوتا یا باطل معبود کا اثر نہیں ہوتے ہیں، اسلام بیماری کے تعدیہ میں باطل معبود، غیبی قوت کی نفی کر کے تعدیہ میں تخلف کا تصور بھی پیدا کرتا ہے۔ اسلامی تعلیم کے مطابق متعدی امراض ہمیشہ متعدی ہونا ضروری نہیں ہے۔

محور دوم: کرونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف

عبادات میں رخصت وتخفیف

عبادات میں تخفیف پنج وقتہ نمازوں اور جمعہ وعیدین میں لوگوں کی حاضری واجتماع سے متعلق وہ فقہی جزئیات اوّل اُذیل میں نقل کی جارہی ہیں جن میں معذورین کو جمعہ وجماعت میں حاضری سے رخصت اور عبادات میں تخفیف پر روشنی پڑتی ہے۔

عام حالات میں مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی بڑی فضلیت ہے۔

باجماعت ادا کرنے کے لیے بلاعذر مسجد میں نہ جانے والوں کے لیے بڑی محرومی اور سخت وعید کی روایتیں آئی ہیں۔

جوکوئی عام حالات میں مسجد کے بجائے گھر میں بلاعذر باجماعت ادا کرے تو اس کو جماعت کی فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن مسجد میں جو جماعت کی فضلیت ہے اس فضیلت سے محرومی رہتی ہے۔

واختلف العلماء فی إقامتها، والأصح أنها كإقامتها فی المسجد إلا فی الفضيلة. (ردالمحتارج 2/ص290/ زکریا)

عذر نہ ہونے کی صورت میں مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کرنے کی نیت ہوتو عذر کی وجہ سے مسجد کے بجائے گھر میں نماز ادا کرنے سے مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

وإذا انقطع عن الجماعة لعذر من أعذارها وكانت نيته حضورها لولا العذر، يحصل ثوابها. (ردالمحتار: ج1 ص554۔سعید)

درندہ، دشمن کے خوف یا تیز بارش، آندھی، سخت اندھیرا، مرض وغیرہ کی وجہ سے مسجد میں حاضری دشواری ہونے کے علاوہ کچھ مزید اعذار ہیں جن کی بنیاد پر مسجد میں حاضری معاف ہے:

ان جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کووڈ 19 / سے متاثر ہو یا کوئی متاثر نہ ہو لیکن فضاؤں میں موجود وبائی اثرات سے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو یا محکمۂ صحت کی سخت ہدایات، یا ایڈمنسٹریشن کی زیادتی وجارحیت کا خدشہ ہو، یا حکام کی کوتاہیوں کو چھپانے کے لیے مسجدوں میں ہماری حاضری سے گودی میڈیا کو پروپیگنڈہ کرنے کا موقع فراہم ہوتا ہو تو یہ تمام اعذار ایسے ہیں کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں جمعہ وجماعت میں حاضری معاف ہوگی۔

مسجدوں میں تکرارِ جماعت

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسجدوں میں تکرارِ جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ حضرت امام احمدؒ اور دوسرے کچھ علماء نے ایک دو روایات کی بنیاد پر تعدُّدِ جماعت کو جائز قرار دیا ہے۔ ائمہ متبوعین اور فقہائے امت سے عام مسلمانوں کو بدظن کرنے والے کچھ بدنصیب لوگ مسجدوں میں تکرارِ جماعت کی بڑی شدومد کے ساتھ تبلیغ کرتے ہیں۔ اس لیے تکرارِ جماعت کے جواز کے لیے بطور مستدل پیش کی جانے والی روایات کا تحقیقی جائزہ پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تکرار جماعت پر بطور مستدل ترمذی شریف کی درج ذیل حدیث عموماً پیش کی جاتی ہے:

''ایک شخص (مسجد) آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تھے تو آپ نے فرمایا: ''تم میں سے کون اس کے ساتھ تجارت کرے گا؟ ایک شخص کھڑا ہوا، اور اس نے اس کے ساتھ نماز پڑھی''۔

''امام ترمذی کہتے ہیں: 1- ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے، 2- اس باب میں ابوامامہ، ابوموسیٰ اور حکم بن عمیر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث آئی ہیں، 3- صحابہ اور تابعین میں سے کئی اہل علم کا یہی قول ہے کہ جس مسجد میں لوگ جماعت سے نماز پڑھ چکے ہوں اس میں (دوسری) جماعت سے

نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، یہی احمد اور اسحاق بن راہویہ بھی کہتے ہیں، 4- اور بعض دوسرے اہل علم کہتے ہیں کہ وہ تنہا تنہا نماز پڑھیں، یہی سفیان، ابن مبارک، مالک، شافعی کا قول ہے، یہ لوگ تنہا تنہا نماز پڑھنے کو پسند کرتے ہیں۔'' (ترمذی حدیث نمبر 220)

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے اس روایت کو سامنے رکھتے ہوئے اس روایت اور اس جیسی دوسری روایات پر تحقیقی کلام کیا ہے۔ جس سے تعدُّدِ جماعت کی کراہت اچھی طرح سمجھی جاسکتی ہے اور اس قسم کی روایات کا محمل بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ حضرت کی تحقیق کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

فقام رجل: بیہقی کی روایت کے مطابق یہ صاحب حضرت ابوبکرؓ صدیق تھے۔ جو کہ پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کر چکے تھے۔ (سنن کبری للبیھقی، ج 3/ص69/و 71/ وفیه فقام ابو بکرؓ فصلی معه وقد کان صلی مع رسول الله ﷺ)

وصلی معه: یہ جماعت ثانیہ تھی، اسی سے استدلال کر کے حنابلہ اور اہل ظاہر جماعت ثانیہ کے جواز کے قائل ہیں۔ حنابلہ کی دوسری دلیل حضرت انسؓ کا وہ واقعہ ہے جسے امام بخاریؒ نے تعلیقاً ذکر کیا ہے۔

وجاء أنس بن مالك إلى مسجد قد صلى فيه فاذن وأقام وصلى جماعةً. (بخاری، ج1/ص89/ باب فضل صلوۃ الجماعۃ)

اور یہ حدیث بیہقی میں بھی مروی ہے۔ (سنن الکبری للبیھقی ج3/ص70)

لیکن ائمہ ثلاثہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جس مسجد کے امام اور مؤذن مقرر ہوں اور اس میں ایک مرتبہ اہل محلّہ نماز پڑھ چکے ہوں وہاں تکرارِ جماعت مکروہ (تحریمی) ہے۔ البتہ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ ایسی صورت میں اگر محراب سے ہٹ کر بغیر اذان واقامت اور بغیر تداعی کے نماز ادا کر لی جائے تو جائز ہے۔ لیکن مفتی بہ قول یہی ہے کہ اس طرح بھی جماعت ثانیہ کرنا درست نہیں ہے۔۔۔۔ائمہ ثلاثہ کی دلیل طبرانی کی معجم کبیر اور معجم اوسط میں حضرت ابوبکرہؓ کی روایت ہے۔

(ملاحظہ ہو: آثار السنن، ص 135/ باب ما استدل به على كراهة تكرار الجماعة فى مسجد[قال النيموى]طبرانى فى الكبير والاوسط برقم الحديث 4601/ قال الهيثمى [فى مجمع الززوائد ج 2/ ص45/] رجاله ثقات۔ ابن ماجه برقم الحديث 312/ حاكم فى المستدرك ج4/ ص334/، مسند احمد ج 5/ص254/السنن الكبرى للبيهقى، ج 1/ص69/ إعلاء السنن ج 2/ص266/)

ظاہر ہے کہ اگر جماعت ثانیہ جائز یا مستحب ہوتی تو آپ ﷺ مسجد نبوی کی فضیلت کو نہ چھوڑتے، لہٰذا آپ ﷺ کا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں تکرار جماعت کی کراہت پر کھلی دلیل ہے۔

بعض حضرات حضرت ابو ہریرہؓ کی اِس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں:

عن النبی ﷺ قال لقد هممتُ ان آمر فتيتى أن يجمعوا حزم الحطب ثم آمر بالصلوة فتقام ثم أحرق على أقوام لا يشهدون الصلوة۔ (ترمذی ج1/ ص52/ باب ماجاء فيمن سمع النداء، فلا يجيب)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی جماعت میں ہی حاضری ضروری ہے۔ کیوں کہ اگر تکرارِ جماعت جائز ہوتا تو پہلی جماعت سے پیچھے رہ جانے والوں کے پاس عذر تھا کہ ہم دوسری جماعت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

حدیث باب کے ایک جزوی واقعہ کے سوا پورے ذخیرۂ حدیث میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس میں مسجد نبوی کے اندر دوسری جماعت کی گئی ہو، اور حقیقت یہ ہے کہ تکرارِ جماعت کی اجازت سے مسجد کی جماعت کا مطلوب وقار قائم نہیں رہ سکتا ہے۔ چنانچہ تجربہ یہ ہے کہ جہاں تکرار

جماعت کا رواج ہوتا ہے وہاں لوگ پہلی جماعت میں شریک ہونے میں بہت سُست ہوجاتے ہیں، کیوں کہ مسجد میں ہر وقت جماعت ہوتی رہتی ہے ۔علاوہ ازیں جماعتِ ثانیہ رکھنے میں جھگڑوں کا بھی شدید خطرہ رہتا ہے۔

جہاں تک حدیثِ باب کا تعلق ہے۔ جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ جماعت کُل دو آدمیوں پر مشتمل تھی۔ اور تداعی کے بغیر تھی، اور بغیر تداعی کے تکرار جماعت ہمارے نزدیک بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ احیاناً ہو، اور تداعی کی حد بعض نے یہ مقرر کی ہے کہ امام کے علاوہ جماعت میں چار آدمی ہوں یا ہو جائیں۔ نیز حدیث باب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ متنفل تھے۔ یعنی پہلے فرج ادا کر چکے تھے، یہاں جماعت میں نفل پڑھی اور مسئلہ مبحوث فیہا یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں مفترض یعنی ایک ہی فرض نماز پڑھنے والے ہوں، نیز اباحت وکراہت میں تعارض کے وقت کراہت کو ترجیح ہوتی ہے۔ پھر یہ امر بھی غور طلب ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ وہ تکرارِ جماعت پر کاربند رہا ہو۔ اگر حدیثِ باب کا واقعہ اجازت عام کی حیثیت رکھتا تو یقیناً صحابۂ کرامؓ کا عمل اس کے مطابق ہوتا۔

جہاں تک حضرت انسؓ کے واقعہ کا تعلق ہے۔ تو عین ممکن ہے کہ یہ مسجدِ طریق ہو۔ اس کی تائید اُس سے بھی ہوتی ہے جو مسند ابویعلی (کمافی فتح الباری ج2/ص109/) میں ہے جس میں یہ تصریح ہے کہ یہ مسجد بنی ثعلبہ تھی۔ اور اس نام سے مدینہ طیبہ میں کوئی مسجد معروف نہیں، اس سے ظاہر یہی ہے کہ یہ مسجد طریق تھی، ورنہ مدینہ طیبہ کی چھوٹی چھوٹی مسجد کا تذکرہ بھی کتابوں میں موجود ہے۔ نیز اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے۔ کہ خود حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ:

إن أصحاب رسول الله ﷺ كانوا إذا فاتهم الجماعة صلوا فى المسجد فرادى (قال العلامة البنورى كمافى البدائع ج 1/ص153/ معارف السنن ج2/ ص288/)

یہ جماعتِ ثانیہ کی نفی پر صریح ہے۔

(ملخصا من درس ترمذی ج ا/ص483/تا485/مفتی محمد تقی عثمانی، ترتیب مولانا رشید اشرف، طباعت: ربانی آفسیٹ پرنٹرس دیوبند، 2002ء)

جماعت کا مطلب اجتماعیت اور اتحاد ہے۔ اگر مساجد میں پنج وقتہ نمازوں یا جمعہ وعیدین میں تعدُّدِ جماعت کی اجازت دی جائے گی تو یہی نہیں جماعت کی اہمیت کم ہوجائے گی، بلکہ یہ تعدُّدِ جماعات ''جماعت'' عنوان سے افتراق وانتشار کا باعث ہوگا۔

جماعتِ ثانیہ کی ممانعت پر حضرت سالم کی روایت بھی صریح فرماتے ہیں:

عن سالم بن عبد الله قال: لاتجمع صلاة واحدة فى مسجد واحد مرتين۔

(المدونة الكبرى ج1/ ص89/ بحواله اعلا ؤالسنن ج4/ ص262/)

اس لیے فقہائے احناف نے مساجد میں تعدُّدِ جماعت کو مکروہ قرار دیا ہے۔

تعدُدِ جماعت کے سلسلے میں محولہ بالا فقہی جزئیات سے درج ذیل اَحکام معلوم ہوئے۔

ا۔ جس مسجد میں امام مؤذن مقرر ہوں، اور مصلین معلوم ہوں، وہاں تکرارِ جماعت مکروہ تحریمی ہے۔

۲۔ لیکن اذان آہستہ کہہ کر کچھ نمازیوں نے جماعت سے نماز ادا کرلی ہو تو معلوم نمازیوں کو دوسری جماعت کی اجازت ہے۔

۳۔ اذان بلند آواز میں ہوئی ہو یا آہستہ؛ جماعت سے نماز ادا کرنے والے معلوم نمازی نہ ہوں تو معلوم نمازیوں کو دوسری جماعت کی اجازت ہے۔

۴۔ ولکن یشکل سے تکرارِ جماعت کے جواز کی مزید ایک شکل بیان کی گئی ہے۔ مکہ اور مدینہ (زادالله شرفهما وكرمتهما) شہروں میں مساجد میں ائمہ ومؤذنین مقرر ہیں، اور اذان میں اخفا بھی نہیں ہے، لیکن وہاں واردین کی کا تسلسل قائم ہے۔ اس لیے وہاں مساجد میں

تکرارِ جماعت کی کراہت پر تمام وجوہات پائی جانے کے باوجود تکرارِ جماعت مکروہ نہیں ہے۔ کیوں کہ وہاں کے واردین کے تسلسل کی بنا پر وہ مسجدیں مسجد شارع کے حکم ہیں۔

۵۔ جس مسجد میں امام ومؤذن مقرر نہیں ہیں۔ وہاں تکرار جماعت جائز ہے۔

۶۔ راستے (بس اسٹینڈ، ریلوے اسٹیشن، ایئرپورٹ، مسافرخانہ) وغیرہ کی مسجدیں اگر چہ وہاں امام ومؤذن مقرر ہوں پھر بھی مسافروں کے لیے تکرارِ جماعت کی اجازت ہے۔

۷۔ (خاص حالات میں) ہیئت اوّلی کو تبدیل کر کے جماعت کا تکرار امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ اگر ہیئت اوّلی کو تبدیل نہیں کی تو نماز مکروہ ہوگی، ہیئت اوّلی کی تبدیلی یہ ہے کہ امام کے محراب سے ہٹ کر جماعت کی جائے، مصلی (جگہ) کو بدل دیا جائے تو جماعتِ ثانیہ مکروہ نہیں ہے۔

۸۔ اگر تین نمازی ہوں تو احیاناً جماعتِ ثانیہ مکروہ نہیں ہے۔

جماعتِ ثانیہ کی کراہت کی ایک وجہ سے اس کا سنت سے عدم ثبوت ہے۔ دوسری بڑی وجہ جماعتِ ثانیہ سے جماعت کے مقصد اتحاد واجتماع کے بجائے انتشار وافتراق اور تقلیل کا پایا جانا ہے۔ بغیر تداعی کے دو سے چار تک کے آدمیوں کی جماعتِ ثانیہ مکروہ نہیں ہے۔ ترمذی کی حدیث میں دو افراد پر مشتمل جماعتِ ثانیہ کا تذکرہ ہے۔ اس میں مقتدی متنفل تھے جو کہ جائز ہے۔

بخاری میں حضرت انسؓ نے جس مسجد میں جماعتِ ثانیہ فرمائی وہ مسجدِ طریق تھی۔ ورنہ عام حالات میں حضرت انسؓ خود روایت کرتے ہیں کہ جماعت چھوٹ جانے کے بعد صحابۂ کرامؓ مسجد میں جماعتِ ثانیہ کرنے کے بجائے تنہا تنہا نماز ادا کرتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں مسجدوں میں تکرارِ جماعت درست نہیں ہے۔

تعدُّدِ جمعہ اور یوم جمعہ میں ظہر کی جماعت

جس مقام پر جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہیں وہاں جمعہ کے لیے بالغ غیر معذور مسلمانوں پر جمعہ کی نماز فرض ہے۔ جمعہ کا بدل ظہر کی نماز نہیں ہو سکتی ہے۔

(الجمعة: هی فرض) عین(یکفر جاحدها)لثبوتها بالدلیل القطعی کما حققه الکمال وهی فرض مستقل آکد من الظهر ولیست بدلا عنه کما حرره الباقانی۔ (الرد المحتار مع الدر المختار ج 3/ص3تا5/ زکریا)

دورِ نبویؐ میں شہروں میں تعدُّدِ جمعہ نہیں تھا۔ اسی لیے شرائطِ جمعہ پائے جانے والے شہر میں تعدُّدِ جمعہ کے جواز میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک شہر میں دو جگہوں پر جمعہ کی جماعت جائز نہیں ہے۔ جب کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر ایک شہر میں بڑی نہر وغیرہ کی بنا پر کسی ایک جانب شہر کے تمام نمازیوں کا آنا دشوار ہو تو ایسے شہر میں دونوں جانب دو جگہوں پر جمعہ کی نماز ادا کرنا درست ہے۔ جب کہ امام محمدؒ کے مطابق کسی بھی شہر میں تعدُّد جمعہ جائز ہے۔

مفتی بہ قول کے مطابق اس دور میں شہروں کی متعدد مسجدوں میں جمعہ کی نماز ادا کی جا رہی ہے۔ جمعہ درحقیقت مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع رکھنے اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد واتفاق کی نشو ونما کا بہت ہی اہم عمل ہے۔ کتب فقہ میں بھی شہروں میں تعدُّدِ جمعہ کی ممانعت اور عدم ممانعت کی بحث ہوتی ہے۔ اس لیے مفتی بہ قول کے مطابق تعدد جمعہ کی اجازت کے باجود مسلمانوں کے درمیان نقطۂ اتحاد واتفاق کے طور پر جمعہ کی روح وصلاحیت کو باقی رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ جمعہ کی امامت کو پنچایتی نظام سے مربوط رکھا جائے۔ جیسا کہ تقریباً تمام کتب فقہ میں تصریحات موجود

ہیں کہ قیامِ جمعہ کے لیے خلیفہ، سلطان، امیر، قاضی وغیرہ میں سے کسی کی اجازت ضروری ہے۔ جہاں امیر و قاضی نہ ہوں وہاں عام مسلمانوں کو پابند کیا گیا ہے کہ باہم مشاورت سے جمعہ وعیدین کا امام منتخب کریں۔ اس لیے نمازِ جمعہ کی امامت کے لیے شہر یا مساجد کی پنچایتیں اماموں کو مقرر کریں گی۔

کووڈ19ر کے موقع پر لاک ڈاون کی وجہ سے مختلف ٹکڑیوں میں جمعہ کی امامت کے لیے وہی افراد اہل ہوں گے جن کو شہر یا محلّہ مسجد کی پنچایتیں یا مساجدِ جمعہ کے ائمہ اور شہر کے علماء مقرر کریں۔ مختلف ٹکڑیوں میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے مسلمان ایسے ہی منتخب ائمہ کی اقتداء میں جمعہ وعیدین ادا کریں۔ اور اگر جمعہ کی جماعت کا اس طرح اہتمام نہ ہو سکے تو مسلمان بغیر جماعت کے تنہا تنہا ظہر کی نماز ادا کریں۔

ظہر پڑھنے کی صورت میں جماعت

ہمیشہ سے اسلاف کا معمول یہ رہا ہے کہ اگر کسی وجہ سے وہ جمعہ کی نمازوں میں شریک نہ ہو سکتے تو وہ گھروں میں بغیر اقامت اور بغیر جماعت کے انفرادی طور پر ظہر کی نماز ادا کیا کرتے تھے۔ ظہر کی جماعت نہیں کرتے تھے۔

فإنهم يصلون الظهر بغير أذان و لا إقامة و لا جماعة " (الدر المختار مع الرد المختار: ج3ر ص32و33، زکریا، ج2 ص157 بیروت)

جمعہ کے دن گھروں میں ظہر کی جماعت کرنے میں یہ قباحت ہے کہ اس سے جمعہ کی عظمت ختم یا کم ہو جائے گی۔ چوں کہ امت مسلمہ کے لیے جمعہ ایک تحفہ ہے؛ اس لیے اس سے معارض ہر عمل کی ممانعت ہوگی، جمعہ کے دن ظہر کی جماعت کرنا، جمعہ سے معارض ہو کر جمعہ پر راجح یا متوازی بن جاتی ہے؛ اس لیے جمعہ کے دن ظہر کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔

اگر مساجد کمیٹیوں، ائمۂ جمعہ، یا علماء شہر کی طرف سے مقررہ امام لوگوں کو دستیاب نہ ہوں تو تنہا تنہا بغیر جماعت کے ظہر ادا کریں۔ عذر وحالات کی وجہ سے جمعہ نہ ادا کر سکنے پر انھیں جمعہ کی فضیلت حاصل ہوگی۔ جمعہ کے دن جہاں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہیں وہاں با جماعت ظہر کی نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

نمازِ جمعہ کی صحت کے لیے جامع مسجد یا مسجد شرط نہیں ہے۔

اس لیے ایسے مقامات جہاں جمعہ کی شرائط پائی جارہی ہیں اور وہاں پہلے سے متعدد مقامات پر جمعہ کی نماز ہو رہی ہے تو اگر نمازِ جمعہ میں امام کے علاوہ تین آدمی ہوں تو چاہے مسجد ہو یا مکان، ٹیرس ہو یا کارخانہ، وہاں نمازِ جمعہ درست ہوگی۔ لیکن مسجدوں کے علاوہ مقامات پر جمعہ کی امامت کے لیے وہی شخص امام بنے جسے شہر یا مساجد کمیٹیاں یا ائمہ مساجد نے منتخب و مقرر کیا ہو۔ قانونی مجبوری اور محکمۂ صحت کی طرف سے ازدحام سے بچانے کے لیے یہاں تقلیل مقصود ہے۔ اس لیے اذنِ عام ضروری نہیں ہے۔

فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو إعادة قديمة لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا للمصلى."

(الردالمحتار ج 2ص25 أحسن الفتاوى: ج 4 ص112)

متاثرہ افراد یا مشکوک لوگ مسجدوں یا جماعت میں شریک ہونے کے بجائے اپنے گھروں میں نمازیں ادا کریں۔ ایسی صورت حال میں انہیں گھروں میں نماز ادا کرنے پر بھی مسجدوں میں با جماعت نماز کی ادائیگی کا ثواب حاصل ہوگا۔ (رد المحتار: ج 1 ص 554۔ سعید)

قال رسول الله ﷺ: "من سمع النداء فلم يمنعه من اتباعه عذر؛ قالوا: وما العذر؟ قال: خوف أو مرض؛ لم يقبل منه الصلوة التى صلى." (إعلاء السنن، أبواب الإمامة: ج4 ص 179)

جن اعذار سے مسجدوں میں حاضری کی رخصت ہوتی ہے ان میں کووڈ19ر کی وبا اور لاک ڈاؤن بھی ہے۔ فقہی عبارات ''مسجدوں میں

تکرار جماعت‘‘عنوان سے قبل نقل کی جا چکی ہیں۔

کووڈ19 ر کے موقع پر لاک ڈاون کی وجہ سے مسجد میں جمعہ یا عیدین کی جماعت ہو جانے کے بعد جو لوگ رہ جائیں وہ مساجد کمیٹیوں، ائمہ جمعہ، علماءشہر کی طرف سے مقرر کیے گئے اماموں کی اقتداء میں مختلف مکانوں، ٹیرس، دالانوں، ہالوں، جماعت خانوں، برآمدوں، پورچوں میں جمعہ وعیدین کی نماز ادا کریں۔ایسے موقع پر جمعہ وعیدین میں اگر سہوا کوئی واجب چھوٹ جائے تو سجدہ سہو کرنا ضروری ہوگا۔

نمازِ عید کے اَحکام

نماز عید کے لیے جمعہ کی طرح کم از کم تین بالغ مرد اور ایک امام یعنی چار لوگوں کا ہونا ضروری ہے۔اگر چار سے کم ہوں گے تو نماز عید درست نہیں ہوگی۔

(و السادس: (الجماعة) وأقلها ثلاثة رجال (ولو غير الثلاثة الذين حضروا سوى الإمام) بنص ”فاسعوا إلى ذكر الله“[الجمعة: 9] ” (رد المحتارمع الدر: ج1 ص151)

نمازِ عیدالفطر کی ادائیگی کے لیے شہر سے باہر کھلے میدان میں جانا سنت ہے۔

یہ حکم عام صحت منداور غیر معذورین کے لیے ہے۔لیکن جو لوگ اپنی پیرانہ سالی یا ضعف وبیماری کی وجہ سے باہر جا کر عید کی نماز ادا نہیں کرسکتے ہیں ان کے لیے گنجائش ہے کہ وہ شہر ہی میں پنچایتوں کی طرف مقرر کردہ امام کی اقتداء میں دوسری جماعت کر کے عید کی نماز ادا کرلیں۔

السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، ويستخلف غيره ليصلي المصر بالضعفاء، بناء على أن صلوة العيدين فی موضعين جائزة بالاتفاق، وإن لم يستخلف فله ذلك. (رد المحتار: ج 3ص 46، ط: بيروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کمزوروں اور ضعیفوں کے لیے شہر کے اندر ہی الگ سے عیدین کی جماعت کا اہتمام فرماتے تھے۔

جب عام حالات میں ضُعَفاء کے لیے یہ رعایت ہے کہ وہ عیدگاہ جانے کے بجائے شہر کے مسلمانوں کی پنچایت یا کمیٹی کی ہدایت وانتظام کے مطابق شہر کے اندر مسجد ہی میں عید کی نماز ادا کرلیں تو آج کے مخصوص حالات میں جن مقامات پر شرائطِ جمعہ پائی جاتی ہیں وہاں عیدین کی نماز میں تعدُّ دبدرجہ اوّلی جائز ودرست ہے۔

ویشترط للعيد مايشترط للجمعة إلا الخطبة..... فإنها سنة بعد الصلوة، وتجوز الصلوة بدونها.

(الفتاوی الهندية: ج1 ص 150وفی حاشية الطحطاوی ص528)

فإنها سنة بعد ها---حتى لولم يخطب أصلا صح وأساء لترك السنة. (البحرالرائق، باب العيدن ج2 ص166، کراچی)

جن لوگوں پر جمعہ واجب ہے ان پر عیدین کی نماز ادا کرنا بھی واجب ہے۔

وتجب صلوتها على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المقدمة۔ (ردالمحتار: ج3ص 45 و 46، زکریا)

ایسے مقامات پر لاک ڈاون کے عذر کی وجہ سے متعدد مقامات پر عید کی نمازیں ادا کی جاسکتی ہیں،اوران مقامات میں مسجد کے علاوہ رہائشی مکان، ہال، کارخانہ، دالان، برآمدہ، بیٹھکا، رِسَپشن ہال وغیرہ جگہوں پر عیدین کی نماز ادا کی جاسکتی ہے۔

کووڈ19 ر کے موقع پر جماعت میں تقلیل مقصود ہے؛اس لیے اس طرح گھروں میں عیدین یا جمعہ کے لیے تعددِ جماعت اذنِ عام کی شرط کے منافی نہیں ہے؛ کیوں کہ ان صورتوں میں غلق ابواب ممنوع نہیں ہے۔کتب فقہ میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔

(الدر المختار مع الرد: ج2ص 151، احسن الفتاوی ج4 ص112، الدر المختار مع رد المحتارج3 ص25زکریا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہدایت پر تکلیف سے بچانے کے لیے شہر کے اندر صرف ضعفاء ومعذورین کی جماعت کی جاتی تھی، جس میں اذنِ عام کی کوئی تصریح نہیں ہے۔ پھر بھی کمزور وضعیف صحابہ کرامؓ کی نمازوں کی صحت پر کسی صحابی نے اعتراض اور نکیر نہیں کیا۔ اسی طرح کووڈ 19/ اور لاک ڈاون کے موقع پر تکلیف سے بچنے و بچانے کے لیے تقلیلِ جماعت ہی مقصود ہے جو کہ اذنِ عام کے منافی نہیں ہے۔

کچھ لوگوں کی طرف سے یہ بات کہی جارہی ہے کہ حکومت کی طرف سے اجازت نہیں ہے۔ یہ بات صحیح نہیں ہے؛ بلکہ حکومت نے جمعہ وعیدین کی ادائیگی پر پابندی لگانے کے بجائے مجمع اور بھیڑ سے منع کیا ہے۔ جو علماء شہر کے مختلف مکانات میں مختصر ٹکڑیوں میں جمعہ وعیدین کو ناجائز کہتے ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر اور غلق ابواب کے سلسلے میں فقہاء کی تصریحات پر سنجیدگی سے غور فرمالیں۔

اگر ایک مقام پر کسی کی نمازِ عید چھوٹ جائے تو کوشش کرنی چاہیے کہ دوسری جگہ جہاں عید کی جماعت ملنے کی امید ہو وہاں جا کر عید کی نماز ادا کرلے۔

اگر کہیں نمازِ عید نہ ملے تو وہ تنہا دو یا چار رکعتیں چاشت کی نیت سے پڑھ سکتا ہے۔ افضل یہ ہے کہ چار رکعتیں پڑھے؛ لیکن اس میں نماز عید کی طرح زائد تکبیریں نہیں کہی جائیں گی، نیز نمازِ عید کی قضا واجب اور ضروری نہیں ہے۔ اگر معذوری یا مجبوری میں نمازِ عید نہیں پڑھ سکا اور اس کے بدل کے طور پر اس طرح دو یا چار رکعت نہ پڑھے تو گنہ گار نہیں ہوگا۔

کووڈ 19/ وبا یا کسی بھی موقع پر نمازیوں کی تعداد کم ہونے کی صورت میں نماز جمعہ یا عیدین کی نماز میں اگر کوئی واجب سہواً چھوٹ جائے تو سجدہ سہو ادا کرنا ضروری ہے۔

کووڈ 19/ یا اس جیسی وبائی بیماری کی موجودگی میں مسجدوں میں پابندی کے ساتھ اذان اور با جماعت پنج وقتہ نمازوں کا اہتمام ہونا چاہئے۔ مصلین کی تعداد مقرر ہو تو اس مقررہ تعداد میں بھی مسجدوں کے معمولات جاری رکھے جائیں۔ جہاں تک مسجدوں میں تکرارِ جماعت کی بات ہے تو لاک ڈاون کے موقع پر مقررہ تعداد کے ذریعہ چوں کہ تقلیلِ جماعت مطلوب ہے، اس لیے تکرارِ جماعت؛ جماعت اوّل ی کی عظمت واجتماعیت اور مقصدِ اتحاد واتفاق کے منافی نہیں ہے۔ نیز مصلین کی تعداد اتنی کم ہے کہ جماعتِ ثانیہ کے لیے تداعی کی صورت نہیں پائی جاتی ہے۔ اس لیے تکرارِ جماعت جائز ہے۔

لیکن یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ وبائی بیماری میں شریعت نے اختلاط ومیل جول سے منع کیا ہے۔ تکرارِ جماعت کے لیے اگر لوگ مسجدوں میں حاضر ہوں گے تو شریعت کی ہدایت کے مطابق وبائی دور میں اُنھیں اختلاط سے بچانا مشکل ہوگا۔ اور یہ بھی کہ کئی ٹکڑیوں میں مسلمانوں کا مسجدوں میں نماز کی ادائیگی کے لیے نکلنے سے ایڈمنسٹریشن کی تشویش اور اس کی بداخلاقی پر برانگیختگی کا باعث ہے۔ نیز اربابِ اقتدار کو اُن کی کوتاہیوں کی پردہ پوشی کا ذریعہ فراہم ہوگا اور غیر ذمہ دار گودی میڈیا کو ملک ومعاشرہ کے اہم مدعوں سے توجہ عوام کی توجہ ہٹانے کا موقع ملے گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ مسجدوں میں تکرارِ جماعت کے بجائے گھروں وغیرہ میں ہی باجماعت نمازیں ادا کی جائیں۔

کووڈ 19/ یا لاک ڈاون کے موقع پر مسجدوں میں تکرارِ جماعت کی صورت میں دو باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہئے۔

پہلی بات یہ ہے کہ:

ایک بار اذان کہی جائے، اور باقی جماعتوں میں صرف اقامت پر اکتفا کیا جائے۔ اور اصل امام یا کوئی بڑا عالم یا بڑا ذمہ دار کوئی بھی نماز مسجد میں نہ پڑھائے۔ بلکہ اصل امام سے فروتر شخص مسجد میں امامت کرے۔ کیوں کہ اصل امام یا بڑے عالم کی امامت کی وجہ سے اس کی اقتدا میں نماز نہ ادا کر سکنے والے دوسرے مقتدیوں کو رشک ورنج ہوگا اور ممکن ہے بعد میں یہ بات عداوت انتشار کا باعث بن جائے۔ اگر اصل ائمہ یا بڑے علماء مسجدوں میں

نہیں حاضر ہوں گے تو عام مسلمانوں کو وبائی دور میں مسجدوں میں حاضری سے روکنے میں سہولت ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ:

محکمۂ صحت و مخلص اطباء کی ہدایات کی پابندی کی جائے۔مثلا معاشرتی فاصلہ کا اہتمام کیا جائے۔

چند متدیّن حلقوں کے علاوہ عام لوگوں کی اگر جماعت چھوٹ جاتی ہے تو ان میں بہت سے ضعیف الایمان افراد سرے سے نماز ہی چھوڑ دیتے ہیں اور جو لوگ نماز ادا کرتے ہیں عموما وہ بغیر جماعت کے ادا کرتے ہیں۔اس لیے موجودہ حالات میں گھروں میں باجماعت نماز ادا کرنے سے تشتت سے زیادہ اس بات کی امید ہے کہ کسی وجہ سے مسجدوں میں جماعت چھوٹ جانے پر گھروں میں باجماعت نماز ادا کرنے کو رواج ملے گا جو کہ (باجماعت نماز ادا کرنا بھی) مطلوب و محمود ہے۔

مساجد میں باجماعت نمازوں کی فضیلتیں (بخاری 647/)، مسجدوں میں علماء کی اقتداء میں باجماعت نمازوں کی فضیلتیں، (خلاصة الفتاوی، ج 1/ص 228/آ داب المساجد، ص 19/و 20/بحوالہ الاشباہ 195/) بڑے مجامع میں باجماعت نمازوں کی فضیلتیں (بخاری، 619/ابن ماجہ 972/) اور عام حالات میں مسجدوں میں حاضر نہ ہونے کی جو وعیدیں ہیں (ترمذی ج 1/ ص52/ باب ماجاء فيمن سمع النداء، فلا يجيب، مسلم، كتاب المساجد برقم الحديث 654/) ان کی وجہ سے مسجدوں کی جماعت ترک کرکے گھروں میں باجماعت نماز ادا کرنے کے معمول و رواج کا خیال موہوم ہے۔

ماسک لگا کر نماز ادا کرنا

حالت نماز میں منہ اور ناک بند کرکے نماز پڑھنا خلاف سنت اور مکروہ ہے؛ کیوں کہ اس طرح نماز پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے؛ لیکن اعذار کی بنا پر شریعتِ اسلامی نے جس طرح بہت سی چیزوں میں رعایت برتی ہے اور حرج کو دور کرنے کی تلقین کی ہے اسی طرح اس سلسلے میں بھی شرعی تخفیف برتی جا سکتی ہے، چنانچہ کرونا وائرس جیسی مہلک اور متعدی بیماری سے بچنے کے لیے اگر وقتی اور عارضی طور پر ماسک پہن کر نماز پڑھی جائے تو شرعاً حرج نہیں۔

صفوں کے درمیان فاصلہ

باجماعت نماز کے لیے صفوں کو جوڑنے اور ملانے کی بڑی تاکید ہے:

" قال ﷺ من وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله عزوجل ." (النسائی: ج1ص131)

المراد من قطع الصف كمافى المنادى أن يكون فيه، فيخرج بغيرحاجة أو ياتى إلى صف ويترك بينه وبين من فى الصف فرجة۔

لیکن خاص حالات میں احکام میں تبدیلی ہوتی ہے۔

الضرورات تبيح المحظورات. (الاشباه و النظائر لابن نجيم المصرى)

المشقة تجلب التيسير. (الاشباه و النظائر لابن نجيم)

الحرج مدفوع . (موسوعة القواعد الفقهية: ص 107)

اس لیے جو مقامات بیماری سے متاثر ہیں، وہاں صفوں میں فاصلے کی گنجائش ہے۔ بریں بنا (ملک کے موجودہ بگڑے سیاسی و فکری حالات

کے پیش نظر) متاثرہ علاقوں کی مسجدوں میں اذان اور باجماعت نماز کا سلسلہ موقوف کرنے کے بجائے وقت پر اذان دی جائے اور جماعت کے لیے نمازیوں کی تعداد بہت مختصر رکھی جائے اور چوں کہ محکمۂ صحت نے ایک میٹر دور رہنے کی ہدایت کی ہے؛ اس لیے باجماعت نماز کی ادائیگی کے لیے صفوں کی ترتیب اس طرح قائم کی جائے کہ امام کے پیچھے جو صفیں لگائی جائیں اس میں ایک ایک میٹر کے فاصلے پر مقتدی کھڑے ہوں تو بھی نماز صحیح ہوگی۔

اور ایسا بھی کیا جا سکتا ہے کہ ایسے مقامات پر نمازیوں کے درمیان ایسے پردے وغیرہ حائل کر دیے جائیں جن سے امام کی حرکاتِ انتقال مقتدیوں پر مشتبہ نہ رہے۔ تو بھی نماز درست ہو جائے گی۔

والحائل لايمنع الاقتداء إن لم يشتبه حال إمام...... ولم يختلف المكان ـــ حاصل كلام الدر: ان اختلاف المكان مانع مطلقا، وأما إذا اتحد، فإن حصل اشتباه،منع، وإلا فلا۔

(الدر المختار مع الرد المحتار، باب الامامة: ج 1 ص 584 و 587۔ط: سعید)

کرونا متاثرہ شخص مسجد میں آنا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا يُورِدَنَّ مُمرِض على مُصحّ (بخاری:،5771 مسلم:2220)

''مریض صحت مند کے پاس ہرگز نہ جائے''۔

وإذا انقطع عن الجماعة لعذرمن اعذارها وكانت نيته حضورها، لولا العذر يحصل ثوابها۔

(ردالمحتار: ج 1ص 554۔ سعید،مشکوۃ ص 391۔ 392۔ مرقات حدیث نمبر: 4577ج8 ص 343۔فتح الباری، حدیث نمبر: 725۔ ج2 ص268)

خلاصۂ کلام یہ کہ متأثر شخص کو مسجد آنے سے روکا جا سکتا ہے۔

کرونا متاثرہ شخص کے روزے کا حکم

اسلام نے مریض اور مسافر کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے، تاکہ وہ شدید مشقت اور ضرر سے بچا رہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴿184﴾البقرة

کورونا متأثر شخص کو روزہ نہیں رکھنا چاہئے۔ بلکہ صحت کے بعد قضا کرنا چاہئے۔

خاص طور پر لاک ڈاون کے ماحول میں جو شخص کورنٹائین کر دیا جائے، اسے روزہ کے بجائے افطار کرنا چاہئے۔

کورنٹائن کیے گئے مسلمانوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اس مدت میں روزہ نہ رکھیں۔ ایسے لوگ بعد میں روزوں کی قضا کریں۔

ہمارے ملک ہند میں کورونا وائرس کے موقع پر صورتِ حال یہ رہی کہ: اکثر مقامات پر پرائیویٹ دواخانے بند کر دیئے گئے، صرف گورنمنٹ ہاسپٹلس کام کرتے رہے۔ اور وہاں بھی عموماً کورونا وائرس سے حفاظت کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ اگر کوئی OPD کا مریض کسی دوسری بیماری کا علاج لینے کے لیے سول ہاسپٹل میں جاتا تو اس کے علاج پر خاص توجہ نہیں مل پائی۔ اور اگر اس کو کھانسی، نزلہ، زکام، چھینک یا بخار کی شکایت ہوئی تو اسے کورونا متاثر یا مشکوک مریض مان کر ہاسپٹل یا گھر پر چودہ دنوں کے لیے احتیاطاً کورنٹائن کر دیا جاتا رہا۔ گویا نزلہ، زکام، کھانسی، بخار کوئی جرم ہے کہ اس کی دوا تو ٹھیک سے ملی نہیں؛ لیکن احتیاطی قید کی پریشانی گلے پڑ گئی۔

کورونا وائرس کا شکار عموما وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی قوتِ مدافعت (vital force / Immunity) کمزور ہوتی ہے۔جیسے بچے، بوڑھے یا کسی مزمن بیماری(Chronicdiseases) میں مبتلا اشخاص۔

مختلف قسم کی بیماریوں کے جراثیم یا وائرس جب کسی پر حملہ آور ہوتے ہیں تو اس کے جسم کا مدافعتی نظام ان جراثیم یا وائرس کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اگر مدافعتی نظام قوی ہوتا ہے تو وہ حملہ آور جراثیم یا وائرس کو دفع کر دیتا ہے۔اور انسان اُن حملہ آور جراثیم یا وائرس کے ذریعے جسم میں پیدا ہونے والی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔بہت سی بیماریوں میں ایسا ہوتا ہے کہ ان بیماریوں کے جراثیم یا وائرس جب کسی پر حملہ آور ہوتے ہیں تو جسم میں مخفی طور پر کچھ دنوں کے لیے رُکے رہتے ہیں اور اپنی طاقت بڑھاتے رہتے ہیں۔اس مدت کو مدتِ حضانت (Incubationperiod) کہتے ہیں۔کورونا کی مدتِ حضانت غالبا چودہ دن ہے۔اس مدت میں اگر متاثر شخص کی قوتِ مدافعت کمزور پڑتی ہے،تو حملہ آور جراثیم طاقتور ہوکر متاثرہ شخص کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔اور انسان ان جراثیم یا وائرس کا مریض بن جاتا ہے۔اور اگر قوتِ مدافعت طاقتور رہتی ہے یا مقوی خوراک وغیرہ کے ذریعے قوتِ مدافعت مزید قوی ہوجاتی ہے تو وہ وائرس فنا بھی ہوسکتے ہیں اور ان کے اثرات بد سے متاثرہ شخص محفوظ رہ سکتا ہے۔اپنی مدتِ حضانت کے بعد اگر ان کے اثرات نہ ظاہر ہوں تو عموما اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ حملہ آور جراثیم یا وائرس کو انسان کے مدافعتی نظام نے فنا کر دیا ہے۔اب غالب گمان یہ ہے کہ متاثر شخص پر ان جراثیم یا وائرس کا اثر نہیں ہوگا۔کورونا وائرس کے اثرات ظاہر ہونے کا بھی یہی اصول ہے۔

کورونا چوں کہ ایک متعدی بیماری ہے؛اس لیے جب کوئی شخص کسی کورونا مریض کے رابطے یا کسی نامعلوم مقام سے آتا ہے تو اس وقت یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ وہ کورونا سے متاثر ہے کہ نہیں؟ اس لیے اس کو کورونا کی مدتِ حضانت تک کے لیے دوسرے صحت مند افراد سے الگ رہنے کے لیے چودہ دن تک کورنٹائن کیے جانے کا معمول بنایا گیا۔اگر یہ متاثر ہے،تو اس کے مدافعتی نظام کمزور پڑنے کی صورت میں مدتِ حضانت کے بعد اس پر کورونا کے اثرات بد ظاہر ہوں گے۔اور متاثرہ شخص کورونا مثبت (پوزیٹیو) ہوجائے گا۔

اور اگر متاثر نہیں ہے؛ لیکن کورنٹائن عمارت میں کوئی پوزیٹیو ہے،اور اِس شخص کی قوت مدافعت کمزور ہے تو چوں کہ یہ کورونا مریض سے قریب ہے یا کورونا مریض کے علاج وغیرہ کی خدمات انجام دینے والوں سے یہ کورنٹائنڈ صحت مند بھی رابطہ میں آتا رہتا ہے؛اس لیے اس صحت مند کو متاثر ہونے کا کافی امکان رہتا ہے۔

اور اگر کورنٹائن شخص کی قوتِ مدافعت قوی ہے۔تو اگرچہ وہ متاثر ہے، پھر بھی اس کی صحت کی کافی امید رہتی ہے۔اور اگر متاثر نہیں ہے تو متاثر ہونے کا امکان بہت کم ہوجاتا ہے۔

کورنٹائن مریض اگر روزہ رکھتا ہے تو حالتِ صوم میں وقتی طور پر کمزوری آتی ہے،اور قوت مدافعت میں کمی واقع ہوجاتی ہے۔جس کی وجہ سے وہ کورونا سے متاثر ہوسکتا ہے۔اور اگر اس کے اندر کورونا مثبت (پوزیٹیو) ہے تو کورونا بیماری بڑھ کر اس کی ہلاکت کا باعث بن سکتی ہے۔

نیز روزہ کے نتیجے میں کھانے پینے کے نظام الاوقات میں تبدیلی اور سحری وافطاری کے وقت کھانوں میں ٹھنڈے وگرم ماکولات ومشروبات سے سردی، زکام، کھانسی، بخار، پیٹ درد کی شکایات ہوسکتی ہیں، جو کہ کورونا کی علامات (Symptoms) شمار کی جاتی ہیں۔کورنٹائین شخص کے اندر جب یہ علامات پائی جاتی ہیں تو ڈاکٹرس اور طبی عملہ اس سے دوری بنانے لگتے ہیں،خصوصا فرقہ وارانہ زہریلی سوچ کی وجہ سے ایسی صورت میں اہلِ ایمان مریضوں کے لیے کافی دشواریاں کھڑی ہوجاتی ہیں؛اس لیے سرکاری عمارات، ہاسپٹلس ،اسکولس، کالجز،مہاڈا،مسافر خانوں وغیرہ میں جو لوگ کورنٹائن ہیں، جہاں کورنٹائن کیے گئے لوگوں کو گھریلو سہولیات دستیاب نہیں ہیں،ان لوگوں کے لیے بہتر یہی ہے کہ روزہ نہ رکھیں۔وہ خوب خوش وخرم رہنے کی کوشش کریں اور مقوی غذاؤں کا استعمال کرتے رہیں۔آئندہ ان روزوں کی قضا کریں۔

اور جو لوگ اپنے گھروں میں کورنٹائن ہیں اور روزہ کے نتیجے میں ان کو جو جسمانی پریشانیاں پیش آسکتی ہیں (نزلہ، زکام، کھانسی وغیرہ) بر وقت ان کے علاج کی سہولیات دستیاب ہیں، خاص طور پر پانی کی کمی کی وجہ سے کمزوری و چکر سے حفاظت کے لیے گلوکوز باٹل (Salinedrip) لگانے کی سہولت دستیاب ہے۔ وہ لوگ روزہ رکھنا چاہیں تو رکھ سکتے ہیں۔ ورنہ کورنٹائن کیے گئے عام لوگوں کے لیے بھی بہتر یہی ہے کہ روزہ نہ رکھیں۔ اور آئندہ قضا کریں۔

تفصیلات بالا کی روشنی میں محور دوم ذیل میں قائم سوالات کے جوابات حسب ذیل ہیں:

۱۔ کرونا کے زمانہ میں مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنے یا انفرادی نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔

۲۔ کرونا کے زمانے میں ایک مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ پنج وقتہ نمازیں اسی طرح جمعہ کی نماز ادا کرنے کے بجائے گھروں، دالانوں، برآمدوں وغیرہ میں جماعتیں کی جائیں۔

۳۔ چوں کہ جمعہ کی ادائیگی کے لیے مسجد شرط نہیں ہے، اس لیے جہاں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہیں وہاں گھروں میں جمعہ کی نماز ادا ہو جائے گی۔ صحت جمعہ کے لیے دیگر شرائط کے ساتھ ہی امام کے علاوہ تین بالغ مرد مقتدی ہونا ضروری ہے۔

۴۔ جہاں شرائط جمعہ پائی جاتی ہیں وہاں با جماعت ظہر کی نماز ادا کرنا مکروہ ہے، وہاں انفرادی طور پر ظہر کی نماز ادا کی جائے گی، اور جہاں شرائط جمعہ نہیں پائی جاتی ہیں وہاں با جماعت ظہر کی نماز ادا کی جائے گی۔

۵۔ وبا کے زمانے میں عیدین کی نماز گھروں میں ادا کر سکتے ہیں، شرط وہی جمعہ کی ہے کہ امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مرد مقتدی ہوں، عیدین کے لیے صحت کے شرط نہیں ہے۔ نیز ایسے موقع پر چوں کہ مقتدیوں کی تعداد کم رہتی ہے اس لیے جمعہ اور عیدین کی نماز میں اگر سہو ہو جائے تو سجدۂ سہو کرنا ضروری ہے، ورنہ نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔

۶۔ عام حالت میں نماز میں چہرے کو ڈھکنا مکروہ ہے، لیکن صحت کی حفاظت کے لیے کرونا کے دور میں ماسک لگا کر نماز ادا کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ اسی طرح اصول حفظان صحت کی رعایت میں جسمانی فاصلہ کے لیے صفوں میں دور دور کھڑے ہونا بھی مکروہ نہیں ہے۔

۷۔ کرونا سے متاثر شخص کو مسجد یا کسی مجمع میں جہاں لوگوں کو اس سے تکلیف ہو شریک ہونا جائز نہیں ہے۔

۸۔ کرونا متاثر افراد کو روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔ بلکہ اچھی خوراک لینا چاہیے۔ وہ بعد میں رمضان کے روزوں کی قضا کرے گا۔

۹۔ کرونا کی وجہ سے جس طرح دیگر مقامات پر آمد و رفت سے رکنے کا حکم ہے اسی طرح حرمین میں بھی حاضری پر روک لگائی جاسکتی ہے۔

محور سوم: کرونا کے زمانہ یں مساجد سے متعلق مسائل

کووڈ-۱۹/ دور میں باہم اختلاط و اجتناب

اطباء نے بڑے وثوق کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ کورونا وائرس کے حامل شخص پر مرض کی علامات بعض اوقات طویل مدت تک ظاہر نہیں ہوتی ہیں اس لیے وہ ہر اس شخص تک جس سے ملاقات کرے گا، وائرس منتقل کر سکتا ہے، مساجد میں لوگوں کے آنے جانے، صفوں میں مختلف لوگوں کے سجدہ کرنے سے یہ امکان بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے کورونا وائرس کے تعدیہ سے لوگوں کو بچانے کے مقصد سے اگر مساجد میں نمازیں موقوف کر دی جائیں اور گھروں میں ادا کی جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سلسلے میں طاعون زدہ علاقوں میں آمد و رفت پر ممانعت والی روایات (بخاری 5729، مسلم 2291) مریض کو دوسرے مریض سے اختلاط پر ممانعت کی روایات (بخاری: 5771 مسلم: 2220) جماعت میں حاضری کے

لیے رخصت پر عذر کی تعریف میں مرض یا خوف کو شمار کرنے والی روایات (ابوداود 551 ابن ماجہ 793) مستدل ہیں۔

شریعت کے کچھ متفق علیہ قواعد ہیں: مثلاً لاضرر ولا ضِرار (ضرر کو دور کیا جائے گا۔) الضرورات تُبیح المحظورات (ناگزیر صورتِ حال میں ناجائز چیزیں جائز ہو جاتی ہیں۔) ان اصولوں سے بھی زیر بحث موضوع پر رہنمائی ملتی ہے۔

مسجدوں میں حاضری سے رخصت کو اُس رخصت پر قیاس کیا جاسکتا ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے بارش کی صورت میں دی تھی۔

تنبیہ: اس اذان کے بارے میں کچھ لوگ کلمات اذان کے درمیان صَلُّوا فِی الرِّحَالِ کے جملہ کا اضافہ کرنے کے قائل ہیں جو کہ درست نہیں ہے۔

اس میں شک نہیں کہ وائرس کا خطرہ اور اس سے پہنچنے والی مشقت بارش میں نماز کے لیے مسجد جانے کی مشقت سے بڑھ کر ہے۔

لیلۃ الباردۃ میں اذان کے بعد رحال میں نماز کی ادائیگی کا اعلان ہوا اس کا مطلب یہ ہے کہ خاص حالات میں اذان موقوف نہیں ہوگی۔ البتہ جماعت میں حاضری کی رخصت ہوگی۔ اس لیے گاؤں یا محلّہ کی مسجد کی اذان پڑھی جائے گی اور محلّہ و مسجد کی اذان سے مسجدوں میں جماعتِ ثانیہ یا اپنے گھروں وغیرہ میں نماز ادا کی جائے گی۔

موجودہ حالات میں منظّم و منصوبہ بند ہو کر معاندین اسلام مسلمانوں کو اسلام اور ان کے مراکز سے دور کرنے کی سعی نامسعود میں مصروف ہیں ایسی صورت میں مساجد بالکل مقفل کر دینا مناسب نہیں ہے بلکہ اذان تو برابر جاری رکھی جائے اور نماز کے سلسلے میں جتنے لوگوں کی اجازت ہو، اُتنی تعداد میں صحت مند افراد ضرور مسجد میں پنج وقتہ نمازوں کے لیے حاضر ہوں۔

مسجد کو کورنٹائن سینٹر (Quarantine Centre) بنانا

عام حالات یعنی اختیاری حالت میں تو مساجد کو کورنٹائن سینٹر بنانا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ تعمیر مسجد کے بنیادی مقصد کے خلاف یہ چیز ہے، لیکن بعض خاص حالات میں یعنی اضطراری حالت میں اور ضرورت کی بناء پر مسجد کے ایک خاص حصے کو نماز کے لیے چھوڑ کر باقی حصے کو کورنٹائن سینٹر بنانے کی گنجائش ہے، اس سینٹر میں مسلم اور غیر مسلم دونوں طرح کے لوگ کورنٹائن ہو سکتے ہیں، مسلمان کا مسجد میں ٹھہرنا، سونا اور دوا علاج کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دور صحابہ سے بھی ثابت ہے، چنانچہ اصحاب صفہ کی ایک بڑی تعداد مسجد نبوی میں قیام و آرام کرتی تھی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مسجد میں سونا صحیح بخاری سے ثابت ہے۔

حَدَّثَنِي نَافِعٌ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ أَنَّهُ كَانَ يَنَامُ - وَهُوَ شَابٌّ أَعْزَبُ لَا أَهْلَ لَهُ - فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(صحيح البخاري رقم الحديث 440 كِتَابٌ: الصَّلَاةُ ،بَابُ نَوْمِ الرِّجَالِ فِي الْمَسْجِدِ)

سیدہ فاطمہؓ سے ناراض ہو کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مسجد میں قیام کر لینا بھی کتب حدیث منقول ہے، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں دوا علاج کے لیے ٹھہرایا تھا، اسی طرح بنو غفار کا بھی ایک خیمہ (علاج سینٹر) مسجد نبوی میں موجود تھا، ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہنگامی حالات اور ضرورت کے موقع پر مساجد کو نماز و ذکر کے علاوہ دیگر جائز کاموں کے لیے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

مسجد کے کورنٹائن سینٹر میں غیر مسلم کو بھی رکھ سکتے ہیں، اس سلسلے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے ہمیں رہنمائی ملتی ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد کافروں اور ان کے وفود سے مسجد نبوی میں ملاقات کی ہے اور وہیں بیٹھ کر بات چیت کی ہے، جن میں سر فہرست نجران کا وفد اور ثقیف کا وفد شامل ہے:

عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: جَاءَ أَهْلُ نَجْرَانَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ابْعَثْ إِلَيْنَا رَجُلًا أَمِينًا. فَقَالَ: "لَأَبْعَثَنَّ إِلَيْكُمْ رَجُلًا أَمِينًا، حَقَّ أَمِينٍ، حَقَّ أَمِينٍ." قَالَ: فَاسْتَشْرَفَ لَهَا النَّاسُ، قَالَ: فَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ. (صحیح مسلم رقم الحدیث 2420 كِتَابٌ: فَضَائِلُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ ۔ بَابٌ: فَضَائِلُ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ)

ضمام بن ثعلبہ نے حالت کفر میں مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لمبی ملاقات کی تھی اور اپنی قوم کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انٹرویو بھی لیا تھا، ضمام بن ثعلبہ کی اس روایت سے امام خطابی نے کافر کے مسجد میں داخلہ کے جواز پر استدلال کیا ہے، وفد ثقیف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باضابطہ مسجد میں قیام کرایا تھا، چنانچہ اس روایت کی بنا پر علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ کافر کو مسجد میں ٹھرایا جا سکتا ہے؛

اسی طرح ثمامہؓ بن اثال کہ کئی دنوں تک مسجد نبوی میں باندھے رکھا حالانکہ وہ کافر تھے:

يُقَالُ لَهُ: ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ، فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث 4372 كِتَابٌ: الْمَغَازِي، بَابُ وَفْدِ بَنِي حَنِيفَةَ، وَحَدِيثِ ثُمَامَةَ بْنِ أُثَالٍ)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض خاص حالات میں مساجد میں غیر مسلموں کو ٹھہرانا درست ہے۔

موجودہ حالات میں کرونا نے جو حالات پیدا کئے ہیں وہ لوگوں سے مخفی نہیں ہیں، ان حالات میں اگر کوئی دوسری جگہ نہ مل سکے تو جہاں ضرورت ہو وہاں مساجد کو کرونا سینٹر کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے، اس کے لیے مسجد کا بیسمنٹ، صحن، اندرونی مسجد، مسجد کی چھت وغیرہ سب استعمال کی جا سکتی ہے، ہاں نماز کے لیے کچھ جگہ ضرور چھوڑنی چاہیے تا کہ پنج وقتہ نماز ہوتی رہے اور بیماروں کے کانوں تک آواز توحید پہنچتی رہے، واضح رہے کہ یہ پوری تفصیل بیان جواز کے لیے ہے یعنی اگر مساجد میں کرونا سینٹر بنا دیا جائے تو حرج نہیں ہے، تاہم بہتر یہی ہے کہ مدارس، اسکول، کالج، ہوٹل اور اسٹیڈیم وغیرہ کو اگر کوارنٹائن سینٹر بنایا جائے اور ان سے اس ضرورت کی تکمیل کی جائے۔

محولہ بالا تفصیل کے مطابق:

۱۔ کورونا یا اس جیسے دوسرے حالات میں مسجد کو وقتی طور پر بند کر دینا جائز ہے۔لیکن موجودہ حالات میں منظّم و منصوبہ بند انداز میں معاندین اسلام و مسلمانوں کو اسلام اور ان کے مراکز سے دور کرنے کی سعی نامسعود میں مصروف ہیں۔تو ایسی صورت میں مساجد کو بالکل مقفل کر دینا مناسب نہیں ہے بلکہ نماز کے سلسلے میں جتنے لوگوں کی اجازت ہو، اتنی تعداد میں صحت مند افراد ضرور مسجد میں پنج وقتہ نمازوں کے لیے حاضر ہوں۔

۲۔ لیلۃ الباردہ والی روایت کی روشنی میں مساجد میں جماعت موقوف ہو جانے کے بعد بھی اذان تو برابر جاری رکھی جائے گی۔

۳۔ وبائی موقعوں پر اختلاط سے بچانے کے لیے اُصول حفظان صحت کی پابندی کرتے ہوئے مساجد میں حاضر ہونے والوں کی تعداد محدود کر دی جاتی ہے شرعی طور پر استحباب کے درجے میں ان ہدایات کی پابندی کرنے کا حکم ہے۔

۴۔ ان حالات میں اگر کوئی دوسری جگہ مدارس، اسکول، کالج، ہوٹل اور اسٹیڈیم وغیرہ کو اگر کوارنٹائن سینٹر بنا کر ان سے اس ضرورت کی تکمیل کی جائے۔جگہ نہ مل سکے تو جہاں ضرورت ہو وہاں مساجد کو کرونا سینٹر کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے، اس کے لیے مسجد کا بیسمنٹ، صحن، اندرونی مسجد، مسجد کی چھت وغیرہ سب استعمال کی جا سکتی ہے، ہاں نماز کے لیے کچھ جگہ ضرور چھوڑنی چاہیے تا کہ پنج وقتہ نماز ہوتی رہے۔

محور چہارم: کرونا مریض کی تیمارداری

مریض کی عیادت کا حکم وفضیلت

حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ۔

(صحيح البخاري: كِتَابُ الجَنَائِزِ (بَابُ الأَمْرِ بِاتِّبَاعِ الجَنَائِزِ، رقم 1240)

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فُكُّوا الْعَانِيَ يَعْنِي الْأَسِيرَ وَأَطْعِمُوا الْجَائِعَ، وَعُودُوا الْمَرِيضَ۔

(بخاری حدیث نمبر3046 و 5174و 5649)

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا عَادَ مَرِيضًا يَقُولُ أَذْهِبْ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ اشْفِهِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا(مسلم 5709)

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ أَبُو الرَّبِيعِ رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي حَدِيثِ سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَائِدُ الْمَرِيضِ فِي مَخْرَفَةِ الْجَنَّةِ حَتَّى يَرْجِعَ۔(مسلم6551و 6552و 6553و 6554)

عیادت نہ کرنے پر وعید

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ في حديث طول: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: يَا ابْنَ آدَمَ! مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي؟ قَالَ: يَا رَبِّ! كَيْفَ أَعُودُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِي فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِي عِنْدَهُ. (مسلم6556)

ان روایات کی روشنی میں واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کسی مریض کو بالکل الگ تھلگ چھوڑ دینا اوراس کی تیمارداری سے پہلوتہی اختیار کرنا اسلامی تعلیمات اور مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔

ایسے مریضوں کے علاج معالجے اور تیمارداری کے سلسلے میں امام نوویؒ نے بہترین کلام فرمایا ہے۔

(ملاحظہ ہو: شرح النووی علی صحیح مسلم المجلد الثانی ص233 باب اجتناب المجذ وم ونحوہ، ثاقب بک ڈپو، دیوبند)

متعدی مریض جذامی سے اجتناب اور اختلاط دونوں طرح کی روایات موجود ہیں۔ امام نوویؒ نے ان دونوں قسم کی روایات میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ اجتناب کا حکم وجوب کے لیے نہیں ہے بلکہ احتیاط اور استحباب کے لیے ہے۔ پھر مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ کن کن صورتوں میں جذامی کو اختلاط کی اجازت ہوگی، ایک صورت نماز جمعہ میں حاضری کی بیان فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں جمعہ وجماعت کے بیان میں مفصل لکھ چکا ہوں کہ: جمعہ میں بھی شریک ہونا اس پر واجب نہیں ہے، اس لیے وہ جمعہ یا جماعت میں بھی شریک نہیں ہوگا۔ آخر میں امام نوویؒ نے بہت بہترین اصولی بات بیان فرمائی ہے کہ: اگر اہل بستی کو اس سے تکلیف ہو تو بستی کے لوگ اس کے لیے پانی نکالنے کا انتظام کریں یا کسی ملازم کا انتظام کریں جو اس کے لیے پانی نکالنے کا کام کرتا رہے گا۔

امام نوویؒ کی تحریر کے اس اقتباس سے یہ معلوم ہوا کہ جذامی کو عام لوگوں سے الگ تھلگ کرنے کے بعد اس کی ضروریات کو پوری کرنا

متعلقہ لوگوں پر لازم ہے۔ اگر لوگ اس کی ضروریات کو پوری نہیں کرتے ہیں تو اسے علیحدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

جذام چوں کہ عسیر العلاج مزمن ومتعدی مرض ہے، جس کے لیے الگ تھلگ کرکے اس کی تیماری داری (پانی کی حصولیابی) کا ضابطہ امام نوویؒ نے بیان فرمایا۔ لیکن کووڈ19 اگر چہ متعدی اور عسیر العلاج ہے، لیکن یہ حادمرض ہے اس میں فوری امداد کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس لیے کووڈ19 مریض کے علاج اور اس کے تعدیہ سے بچنے کے لیے انتظامات کرنا مریض کے متعلقین میں سے اُن افراد واقربا پر واجب کے درجے میں ضروری ہے جو اصول حفظان صحت کا اہتمام کرتے ہوئے اس کی تیماری داری اور خدمات انجام دے سکتے ہیں۔

عیادت کی فضیلت اور ترکِ عیادت پر وعید کی جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ میڈیکوز (ڈاکٹرس، نرسز، پیرامیڈیکل اسٹاف) اور مریض کے اعزہ واقرباء (جواُصول حفظان صحت کی پابندی کرتے ہوئے مریض کی تیمارداری کرسکتے ہیں) سے متعلق ہیں۔

اخراجات کے سلسلے میں سماج اور حکومت کی ذمہ داری

لَيۡسَ الۡبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلَٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ ءَامَنَ بِاللَّهِ وَالۡيَوۡمِ الۡأٓخِرِ وَالۡمَلَٰٓئِكَةِ وَالۡكِتَٰبِ وَالنَّبِيِّـۧنَ وَءَاتَى الۡمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِۦ ذَوِي الۡقُرۡبَىٰ وَالۡيَتَٰمَىٰ وَالۡمَسَٰكِينَ وَابۡنَ السَّبِيلِ وَالسَّآئِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَوٰةَ وَءَاتَى الزَّكَوٰةَ۔ ﴿177﴾ بقرة

اس آیت کی تفسیر میں کلمہ "أتى المالَ" کے تحت حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

"پھر اس جگہ مال خرچ کرنے کی دو صورتیں مقدم بیان کردیں، جو زکوۃ کے علاوہ ہیں، زکوۃ کا ذکر اس کے بعد کیا، شاید تقدیم کی وجہ یہ ہو کہ عام طور سے ان حقوق میں غفلت اور کوتاہی برتی جاتی ہے، صرف زکوۃ ادا کردینے کو کافی سمجھ لیا جاتا ہے۔

مسئلہ: اسی سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ مالی فرض صرف زکوۃ سے پورا نہیں ہوتا ہے، زکوۃ کے علاوہ بھی بہت جگہ پر مال خرچ کرنا فرض وواجب ہوتا ہے، (جصاص/قرطبی) جیسے رشتہ داروں پر خرچ کرنا کہ جب وہ کھانے سے معذور ہوں تو نفقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔ کوئی مسکین غریب مر رہا ہے اور آپ اپنی زکوۃ ادا کرچکے ہیں، مگر اس وقت مال خرچ کرکے اس کی جان بچانا فرض ہے۔"

(معارف القرآن ج1 ص423و 433 نعیمیہ دیوبند)

بیان کردہ مسئلے میں یتیم بچے کی پرورش سے متعلق قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت سے بھی رہنمائی ملتی ہے:

وَعَلَى الۡوَارِثِ مِثۡلُ ذَٰلِكَ ﴿233﴾ بقرة

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

"آیت متذکرہ میں اس کے بعد یہ ارشاد ہے: وَعَلَى الۡوَارِثِ مِثۡلُ ذَٰلِكَ یعنی اگر باپ زندہ نہ ہو تو بچے کو دودھ پلانے یا پلوانے کا انتظام اس شخص پر ہے جو بچے کا جائز وارث اور محرم ہے۔ یعنی اگر بچہ مرجائے تو جن کو اس کی وراثت پہنچتی ہے، وہی باپ نہ ہونے کی حالت میں اس کے نفقہ کے ذمہ دار ہوں گے، اگر ایسے وارث کئی ہوں تو ہر ایک پر بقدر میراث اس کی ذمہ داری عائد ہوگی۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ یتیم بچے کو دودھ پلوانے کی ذمہ داری وارث پر ڈالنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نابالغ بچے کا خرچہ دودھ چھڑانے کے بعد بھی وارثوں پر ہوگا، کیوں کہ دودھ کی کوئی خصوصیت نہیں، مقصود بچے کا گذارہ ہے۔" (معارف القرآن ج1 ص582، نعیمیہ دیوبند)

حکام اور رُعاۃ کے بارے میں شریعت نے دوٹوک انداز میں اپنے ماتحتوں کی خبر گیری کی تعلیم فرمائی ہے۔ (بخاری 893 مسلم 1201)

سورہ بقرہ آیتِ بر 177 اور آیت حضانت 233 سے معلوم ہوا کہ: کورنا کا جو مفلس مریض ہو یا کسی دوسرے معاملے میں کوئی حاجتمند ہوا

گراس کی ضروریات کا انتظام اس کی طرف سے نہ ہو سکے تو اس کے اعزہ واقرباء پر اس کا تعاون کرنا لازم ہے،لزوم تعاون میں اقربیت کی ترتیب ہوگی۔ اگر اعزہ واقرباء بھی اس کے علاج کا انتظام نہ کرسکیں تو سماج ومعاشرہ، رفاہی تنظیموں اور حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے حاجت مندوں کی مدد کریں۔

۱۔ اس لیے کووڈ 19 سے متأثر شخص کو عوام لوگوں سے الگ تھلگ کرنے کے بعد اس کی ضروریات کو پوری کرنا متعلقہ لوگوں پر لازم ہے۔اگر لوگ اس کی ضروریات کو پوری نہیں کرتے ہیں تو اسے علیحدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

عیادت کی فضیلت اور ترکِ عیادت پر وعید کی جو روایات نقل کی گئی ہیں، وہ میڈیکوز (ڈاکٹرس، نرسز، پیرامیڈیکل اسٹاف) اور مریض کے اعزہ واقرباء (جو اصول حفظان صحت کی پابندی کرتے ہوئے مریض کی تیمارداری کر سکتے ہیں) سے متعلق ہیں۔

۲۔ کورنا کا مفلس مریض ہو یا کسی دوسرے معاملے میں کوئی حاجتمند ہوا گر اس کی ضروریات کا انتظام اس کی طرف سے نہ ہو سکے تو اس کے اعزہ واقرباء پر اس کا تعاون کرنا لازم ہے،لزوم تعاون میں اقربیت کی ترتیب ہوگی۔اگر اعزہ واقرباء بھی اس کے علاج کا انتظام نہ کرسکیں تو سماج ومعاشرہ، رفاہی تنظیموں اور حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے حاجت مندوں کی مدد کریں۔

محور پنجم: کرونا میں فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

غسل میت

اگر میت کا جسم موجود ہو لیکن جسم اس طرح پھول پھٹ گیا ہو کہ اس پر ہاتھ پھیرنا دشوار ہو تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ: اس پر اوپر ہی سے پانی بہا دیا جائے۔

جس کے اعضاء وضو پر ایسا زخم ہو کہ اس پر پانی بہانے سے تکلیف ہوتی ہو یا کوئی عضوِ وضو موجود ہی نہ تو اس پر مسح وغسل کے بغیر بھی طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔

فروع :فی أعضاء ہ شقاق غسلہ أن قدر، وإلا مسحہ وإلا ترکہ ولو بیدہ، ولا یقدر علی الماء،تیمم ولو قطع من المرفق غسل محل القطع.

وفی الرد قولہ: ولو قطع: قال فی البحر: ولو قطعت یدہ أو رجلہ فلم یبق من المرفق والکعب شیء سقط الغسل، ولو بقی وجب. (ردالمحتار مع الدر المختار، ج 1/ص 217/و 218/ زکریا)

کفن

جو میتیں قبروں سے دوبارہ نکالی جائیں ان کو بھی دوبارہ غسل دیا جائے گا۔اور اگر وہ لاش پھول پھٹ گئی ہو تو اس کو ایک ہی کپڑے میں کفن دیا جائے گا۔

(و) آدمی (منبوش طری) لم یتفسخ(یکفن کالذی لم یدفن) وإن تفسخ کفن فی ثوب واحد، (درالمختار، ج 3/ص 100/ز کریا)

کوڈ 19 / سے متأثرہ میت منبوش متفسخ کے حکم میں ہے، جس کے لیے ایک ہی کپڑا کافی ہوگا کوڈ 19 / سے متأثرہ میتوں کو جو غلاف پہنایا جاتا ہے، اس لباس سے کفن ضرورت کی کفایت ہو جاتی ہے۔ عام حالات میں پانچ یا تین سے کم کپڑے میں دفن کرنے کا حکم ہے۔لیکن مخصوص

حالات کہ کفن کے لیے کپڑے نہ ہوں یا ہوں لیکن کسی مجبوری کی وجہ سے کپڑوں کو پہنایا نہیں جاسکتا ہو تو میتوں کی کفن ضرورت جس سے کفن کا فریضہ ادا ہو جائے گا وہی کافی ہے۔

اس تفصیل کے مطابق چوں کہ سترِ عورت کے علاوہ پورا بدن ڈھکا ہونا کفن ضرورت ہے، اس لیے کووڈ 19/ سے متاثرہ میتوں پر جو کور ہوتا ہے وہی کفنِ کفایت ہے۔

نماز جنازہ

میتوں پر نماز جنازہ کی صحت کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ میت کو شرعی اصول کے مطابق پاک کیا گیا ہو۔ اگر میتوں کو غسل یا تیمّم نہیں کرایا گیا ہے تو نماز جنازہ درست نہیں ہوگی۔ لیکن جس طرح فاقد الطہورین کی نمازیں بغیر طہارت حاصل کئے درست ہو جاتی ہیں، اسی طرح جو کووڈ 19/ کی میتوں کی نماز جنازہ بغیر غسل کے بھی درست ہوگی۔

اسی طرح جو کووڈ 19/ کی میتیں براہِ راست ہاسپٹل سے قبرستان میں بغیر نمازِ جنازہ ادا کیے دفن کردی جائیں تو جب تک اُن کی پھولنے و پھٹنے کا اندیشہ نہ ہو اُن کی نمازِ جنازہ بھی قبر پر ہی بغیر غسل کے ادا کی جائے گی۔

ولی یا مستحق امامتِ جنازہ کی اجازت کے بغیر کسی غیر مستحقِ امامت نے نمازِ جنازہ پڑھا دی تو ولی یا مستحقین امامتِ جنازہ کو نماز جنازہ کے اعادہ کا حق حاصل ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کووڈ 19/ سے متاثرہ میت کی نماز جنازہ اگر مستحق امامت جنازہ یا ولّی کی اجازت کے بغیر ادا کرلی گئی، جس میں ولی یا مستحق امامت جنازہ شریک نہیں تھے، تو ولی کو حق ہے کہ دوبارہ میت کی نماز جنازہ ادا کرلے۔

غائبانہ نماز جنازہ

نماز جنازہ میں میت کا سامنے موجود ہونا ضروری ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں ہے۔ اگر غائبانہ نماز جنازہ درست ہوتی تو رسول اللہ ﷺ دیگر صحابہ کرام کی غائبانہ نماز جنازہ ضرور ادا کرتے۔ حضرت نجاشیؓ کی نماز جنازہ کا جہاں تک معاملہ ہے تو یہ حضرت نجاشیؓ کی خصوصیت تھی۔ اور ایسا بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ کے معجزہ اور حضرت نجاشی کی کرامت کے طور پر حضرت نجاشی کی نعش آپ ﷺ کے سامنے حاضر کردی گئی ہو، تو یہ جنازہ کی نماز درحقیقت میت کی موجودگی میں ادا کی گئی ہے۔ اس لیے غائبانہ نمازِ جنازہ کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ میت امام کے سامنے موجود ہو۔ اگر میت سامنے موجود نہیں ہے تو نمازِ جنازہ درست نہیں ہوگی۔ اس لیے کووڈ 19/ کی میتوں کی اگر نعشیں نہ مل سکیں تو ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ درست نہیں ہے۔ بلکہ ان کے لیے استغفار اور بلندیِ درجات کی دعا کرنی چاہئے۔

کورونا میں انتقال کرنے والے مسلمان شہید؟

طاعون کے بارے میں صحیح احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ طاعون مؤمنوں کے لیے رحمت ہے، رحمت اس معنیٰ کر ہے کہ اگر اس بیماری میں کسی شخص کی وفات ہو جائے اس حال میں کہ وہ اس پر صبر کرتا رہا اور اللہ سے ثواب کا امیدوار بھی رہا اور اس کا یقین اس قدر پختہ رہا کہ جو کچھ بھی اسے مصیبت پہنچی وہ اللہ کی تقدیر کے مطابق پہنچی، پھر اس شخص کی وفات اسی بیماری میں ہو جائے تو اسے شہید کا اجر ملے گا:

طاعون چوں کہ ایک وبائی مرض ہے اور انسان بکثرت اس وبا کے شکار ہو جاتے ہیں اس لیے محدثین نے طاعون سے مراد وبا لیا ہے؛ جیسے

علامہ قسطلانی اورعلامہ عینی نے طاعون کا مفہوم وبا سے بیان کیا ہے:

"أي الذی یموت فی الطاعون أی الوباء." (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری 2/29 مطبوعہ مصر)

هو الذی یموت فی الطاعون أی الوباء ولم یرد المطعون بالسنان لأنه الشهيد في سبيل الله والطاعون مرض عام فیفسد له الهواء فتفسد الأمزجة والأبدان. (عمدة القاری 5/171 داراحیاء التراث العربی، بیروت)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے بھی اس سے مطلقاً وبائی مرض مراد لیا ہے۔

(أشعة اللمعات مترجم 3/753 فريد بك اسٹال لاهور)

گویا وبا میں مرنے والا شہید ہوگا اور ظاہر ہے کہ کرونا وائرس بھی ایک وبائی مرض ہے؛ اس لیے علت کے اشتراک کی بنا پر اس سلسلے میں بھی وہی بات کہی جاسکتی ہے جو طاعون کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے، چنانچہ وہ شرائط جو طاعون زدہ کے بارے میں ہیں یعنی مسلمان ہونا، بیماری کا من جانب اللہ ہونا، اور اسی مرض میں موت ہونا وغیرہ اگر وہ کرونا وائرس کے مریض میں پائی جائیں تو ان شاء اللہ وہ بھی شہید آخرت ہوگا اور شہداء کی طرح اسے بھی ثواب ملے گا۔

مذکورہ احادیث وفقہی جزئیات کی روشنی میں محور پنجم کے جوابات حسب ذیل ہیں:

۱۔ اگر جسم کو غسل دینا ممکن ہو، مثلاً اطباء طبی اصول کی پابندی کرتے ہوئے غسل دے دیں، تو ایسا کرنا چاہئے۔ اور اگر بلا غسل کور میں لپیٹ دیں اور کور کھولنے کی اجازت نہ ہو، تو کور کے اوپر بھیگا کپڑا پھیر کر مسح کرایا جائے، اور اگر مسح کرنا بھی ممکن نہ ہو تو فاقد الطہورین کے حکم میں ہو کر بلا غسل ومسح کے ہی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔

۲۔ میت پر جو کور ہے اگر اس کو کھولنے اور ہٹانے کی اجازت نہ ہو تو کفن سنت کے لیے اس کور پر مزید کپڑا بڑھایا جاسکتا ہے۔ اور اگر مزید کپڑا بڑھانے کی اجازت نہ ہو تو وہی کور کفن کے قائم مقام ہوگا۔

۳۔ اگر کرونا میت کو بغیر نماز جنازہ کے دفن کردیا گیا ہو تو جب تک اس کے پھولنے اور پھٹنے کا امکان نہ ہو اس وقت تک اس کی قبر پر اس کی نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے۔

۴۔ اگر بغیر نماز جنازہ ادا کئے میت کی تدفین ہوگئی اور جگہ نہیں معلوم ہوسکی تو غائبانہ نماز جنازہ درست نہیں ہے۔ میت کے لیے استغفار اور ایصال ثواب کے دیگر ذرائع اختیار کئے جائیں۔

۵۔ کرونا طاعون کی طرح وبائی بیماری ہے اس لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے باوجود کرونا میں مرنے والا مسلمان حکمی (یعنی ثواب وفضیلت میں) شہید ہے۔ لیکن اس کی نماز جنازہ، غسل وکفن وغیرہ میں اس کے ساتھ عام میتوں کا سا عمل کیا جائے گا۔

محور ششم: کرونا ویکسین سے متعلق مسائل

الکوحل آمیز سینا ٹائزر کا استعمال

الکوحل مختلف اشیاء سے تیار ہوتا ہے، جو الکوحل کھجور یا انگور سے تیار ہو (اور اس میں الکوحل کی ماہیت باقی ہو) وہ ناپاک ہے۔ اس میں نمکیات یا کسی اور چیز کی آمیزش کے بعد اسے سرکہ کی ماہیت میں تبدیل کرلیا جائے تو اس کا بھی حکم بدل جائے گا۔

جو الکوحل کھجور یا انگور کے علاوہ سے بنایا گیا ہو وہ پاک ہے۔ ہندوستان میں عام طور پر کھجور اور انگور کے علاوہ مہوا، گنا، گیہوں، مکا، جوار،

پٹرول، پھلوں کے چھلکوں وغیرہ سے الکوحل بنایا جاتا ہے؛ اس لیے جب تک کسی الکوحل کے بارے میں یہ صراحت نہ مل جائے کہ یہ کھجور یا انگور سے بنا ہے، اس وقت تک وہ الکوحل ناپاک نہیں ہے۔

بریں بنا سینٹائزر (sanitizer) کو ہاتھوں پر ملنے، کپڑوں اور فرش پر چھڑکاؤ سے کوئی چیز ناپاک نہ ہوگی؛ اس لیے اطباء (ڈاکٹروں) کے مشوروں پر عمل کرتے ہوئے سینیٹائزر (sanitizer) اور دوسری اشیاء جس میں الکوحل کی آمیزش ہو ان کو ہاتھوں پر ملنے اور گھروں وفرش پر چھڑکاؤ کی اجازت ہے۔

کرونا ویکسین

کورونا ویکسین حفظ ماتقدم کے طور پر ہے، اس سلسلے میں حکم یہ ہے کہ حفظ ماتقدم کے طور پر علاج لینا جائز ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ''حفظ ماتقدم کے لیے طاعون کی دوا کرنا'' عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''تداوی بالمباح قبل سے بھی جائز ہے۔'' (امداد الفتاوی، ج4 ص284 زکریا)

ویکسین کی افادیت ومضرت کے سلسلے میں اطباء کے درمیان اختلاف ہے، اسی طرح مختلف ممالک الگ الگ ویکسین کو اپنے ملکوں میں قبول کررہے ہیں۔ اس سلسلے میں مسلم اطباء کو چاہئے کہ خوب محنت کرکے کورونا ویکسین کی افادیت ومضرت کا جائزہ لیں، اور بہتر سے بہتر ویکسین تیار کرنے کی کوشش کریں ساتھ ہی کسی حکومتی دباؤ کے بغیر لوگوں کو ویکسین کی افادیت اور مضرت سے آگاہ کریں۔ اسی طرح علماء اسلام اور ملی اداروں کی دینی وملی ذمہ داری ہے کہ وہ اطباء سے سکریٹ میٹنگ (خفیہ ملاقات) کے ذریعہ کورونا ویکسین کی صحیح کیفیت معلوم کرکے قوم وملت کو اس کی افادیت ومضرت سے باخبر کریں۔

اوپر نقل کردہ فقہی جزئیات کی روشنی میں اس محور کے دونوں سوالات کے جوابات حسب ذیل ہیں:

۱۔ سیناٹائزر کا استعمال جائز ہے۔

۲۔ کورونا ویکیسن لگوانا جائز ہے۔

محور ہفتم: کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے سے متعلق اسلامی ہدایات

وبا وغیرہ کے موقع پر اذان

وبا کے موقع پر اذان کے تعلق سے کچھ روایات ذیل میں نقل کی جاتی ہیں اور پھر کچھ معتمد فتاویٰ جات کے اقتباسات بھی پیش کیے جائیں گے۔ ذیل میں مرویاتِ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اِذَا اَذَّنَ فِی قَرۡیَۃٍ اٰمَنَهَا اللهُ مِن عَذَابِه فِی ذٰلِكَ الیَومِ.''

''جب کسی بستی میں اذان دی جائے تو اللہ تعالیٰ اس دن اسے اپنے عذاب سے امن دے دیتا ہے''

(المعجم الکبیر مرویات انس بن مالک، جلد1، صفحہ 257، حدیث: 746، مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ، بیروت)

ابونعیم وابن عساکر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا:

"نَزَلَ آدَمُ بِالهِندِ فَاستَوحَشَ فَنَزَلَ جِبرَئِيلُ عَلَيه الصَّلاةُ وَالسَّلام فَنَادىٰ بِالاَذَان."

''جب آدم علیہ الصلاۃ والسلام جنت سے ہند میں اترے، انہیں گھبراہٹ ہوئی تو جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نے اتر کر اذان دی۔''

(حلية الأولياء، مرويات عمرو بن قيس الملائى، جلد2، صفحه 107، رقم:299، مطبوعه دارالكتاب العربية، بيروت)

مسند الفردوس میں حضرت امیرُ المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت ہے:

قَالَ رَأَى النَّبِيُّ صَلّٰى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيهِ وَسَلَّم حَزِيناً، فَقَالَ: يَا ابنَ اَبِى طَالِبٍ: اِنِّى اَرَاكَ حُزِيناً فَمُر بَعضَ اَهلِهٖ يُؤَذِّنُ فِى اُذُنِك فَاِنَّه دَرَاءُ الهَّمِ.

''حضرت علیؓ کہتے ہیں مجھے حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غمگین دیکھا تو ارشاد فرمایا: اے علی! میں تجھے غمگین پاتا ہوں اپنے کسی گھروالے سے کہہ کہ تیرے کان میں اذان کہے، اذان غم و پریشانی کی دافع ہے۔''

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوہ المصابیح باب الاذان، جلد2، صفحہ 149، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

ان مرویات پر محدثین نے کلام بھی کیا ہے۔ محدثین کا کلام بھی وباو غیرہ موقعوں پر اذان کے مانعین کے لیے قوی دلیل ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں:

''ان مواقع میں اذان سنت ہے۔ فرض نماز، بچہ کے کان میں بوقت ولادت، غضب کے وقت، جب مسافر راہ بھول جائے، جب کسی کو مرگی آوے، جب کسی آدمی یا جانور کی بدخلقی ظاہر ہو، اس کو صاحب ردالمحتار نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ اور بعض بزرگوں کا عمل وقت عموم امراض وخوف وغرق کے بھی ہے۔'' (امدادالفتاوی، باب الاذان: ج1 ص107)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ لکھتے ہیں:

''دفع وبا کے لیے اذانیں دینا، تنہا یا جمع ہو کر بطور علاج اور عمل؛ مباح ہے۔ سنت یا مستحب نہیں ہے۔'' (کفایت المفتی: ج۳، ص۵۱)

وباؤں کے موقع پر منصوص اور مسنون ومتوارث اعمال کو ترک کر کے مختلف فیہ مندوب اعمال میں اشتغال کو دیکھتے ہوئے موجودہ دور کے معتمد علمائے عظام ومفتیان کرام وباؤں کے موقع پر اذان سے منع کرتے ہوئے منصوص، مسنون ومتوارث اعمال کی تلقین کرتے ہیں۔ ان علماء کرام میں سے کسی نے اس اذان کو فی نفسہ ناجائز نہیں کہا؛ بلکہ وہ لوگوں کو سنت کی طرف لانے کے لیے احتیاطاً اس سے روکتے ہیں۔

لیکن آج جب کہ مشرکانہ تہذیب وفکر حملہ آور ہے تو اس طرح اذان کی اہمیت وافادیت بڑھ جاتی ہے۔ آج جو صورت حال ہے وہ یہ کہ علی الاعلان شرک وکفر کے اندھیروں میں تمام اہل اسلام کو بھی لپیٹا جارہا ہے؛ ہمارے وزیراعظم نے کووڈ 19 کے موقع پر سائنٹفک اور بہتر میڈیکل انتظامات کے ذریعہ وبا کی روک تھام کے بجائے ویدک ومشرکانہ اعمال (تالی یا تھالی بجانا اور لائٹنگ کرنا) کی اپیل کی جس میں صرف اور صرف ویدک مذہب اور خلافِ عقل ویدک تصورات اور مشرکانہ خیالات ہیں جو اسلامی تعلیمات کے مغائر ہیں۔ دیوی دیوتاؤں کے بجائے خالق کائنات، رب السموت والارض، قادر مطلق اللہ کی ذات سے مدد مانگنا توحید وایمان کا اٹوٹ حصہ ہے۔ اس لیے وزیراعظم کے ذریعے وبا کو ختم کرنے کے لیے جب مشرکانہ اعمال کے ذریعے دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کی نامعقول تعلیم دی گئی ہے تو ایسی صورت میں ضروری ہے کہ اہل ایمان شرک کی ظلمتوں سے اپنے سینوں کو محفوظ رکھنے کے لیے خدا کی عظمت وکبریائی بیان کریں اور توحید ورسالت کے کلمے کو بلند کر کے اپنے سینوں کو نورِ توحید ورسالت سے منور اور آباد کریں اور ساتھ میں اپنی دعوتی ذمہ داری بھی ادا کریں۔

هو الذى أنزل السكينة فى قلوب المؤمنين ليزدادوا إيمانا مع إيمانهم ولله جنود السماوات والأرض.

اس لیے موجودہ حالات میں صاحبانِ اقتدار کی طرف سے پھیلائے جارہے مشرکانہ اندھیروں سے بچنے کے لیے اذان کہی جاسکتی ہے۔ ایسے موقع پر اذان سے جہاں وبائیں دور ہوں گی وہیں اسلام کا کلمہ بھی بلند ہوگا اور طاغوت اور کفر کی حوصلہ شکنی بھی ہوگی؛ ان شاءاللہ۔

لہٰذا (ٹکراؤ سے بچتے ہوئے) گھر کی چھتوں اور بلند مقامات پر اجتماعی اور انفرادی اذان بھی دی جاسکتی ہے۔ اور پھر اسی کے ساتھ دوسری سائنسی اور میڈیکل تدبیریں بھی اختیار کریں۔

دفع وبا کے لیے اجتماعی نماز اور اجتماعی دعا

دفع وبا کے لیے فرض نمازوں کے علاوہ یا انفرادی نوافل کے علاوہ کسی اجتماعی نماز کی روایت نہیں معلوم ہوسکی۔ جہاں تک دعا کا تعلق ہے تو چوں کہ فرض نمازوں کے بعد کا وقت دعاؤں کی مقبولیت کا ہوتا ہے اور اس وقت دعا کرنا سنت سے ثابت ہے اس لیے بغیر کسی تداعی کے اُس وقت اجتماعی دعا کی جاسکتی ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرض نمازوں کے بعد دعا اور بغیر تداعی کے اجتماعی دعا کے جواز واستحباب پر مفصل کلام فرماتے ہوئے مستقل ایک رسالہ ’’ رسالة استحباب الدعوات عقيب الصلوات‘‘ تحریر فرمایا جس میں فقہائے اربعہ کی کتب سے عقیب الصلوات المکتوبۃ دعاؤں کے استحباب کو ثابت فرمایا ہے:

خلاصۂ کلام یہ ہے:

۱۔ موجودہ حالات میں صاحبانِ اقتدار کی طرف سے پھیلائے جارہے مشرکانہ اندھیروں سے بچنے کے لیے اذان کہی جاسکتی ہے۔ ایسے موقع پر اذان سے جہاں وبائیں دور ہوں گی وہیں اسلام کا کلمہ بھی بلند ہوگا اور طاغوت اور کفر کی حوصلہ شکنی بھی ہوگی؛ ان شاءاللہ۔

۲۔ وبا کے دفعیہ کے لیے فرض نمازوں کے علاوہ کسی دوسری اجتماعی نماز کا ثبوت نہیں ہے۔ فرض نمازوں کے بعد بغیر تداعی کے اجتماعی کا ثبوت ہے اس لیے فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کی جاسکتی ہے۔

فقط واللہ أعلم بالصواب

کورونا کے بارے میں شرعی نقطہ نظر

مفتی شکیل منصور القاسمی

محور اوّل

پوری شریعت اسلامیہ ''جلب منافع'' اور ''دفع ضرر'' کی بنیاد پر قائم ہے۔ یعنی شریعت اسلامیہ کا مقصد ہی:

(۱) دینی اور دنیوی منافع اور مصالح کا حصول۔

(۲) دینی اور دنیوی نقصانات اور فسادات کا دفعیہ وازالہ۔

وبا کیا ہے؟

بہت کم وقت میں انسانی معاشرے کے متعدد افراد کو غیر معتاد طور پہ اپنی لپیٹ میں لے لینے والے سریع الانتشار ہر متعدی مرض کو 'وباء' کہتے ہیں۔ جیسے ملیریا، ہیضہ اور پلیگ (طاعون) وغیرہ۔

طاعون (پلیگ) بھی وبائی مہلک مرض ہے، جو بیکٹیریا کے ذریعہ دوسرے شخص میں متعدی ہوجاتا ہے، طاعون میں گردن، بغل اور ران کی جڑ میں آم کی گٹھلی کے برابر گلٹیاں نکل آتی ہیں، جن میں سوزش وجلن کے ساتھ ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہے، سخت بخار آتا ہے اور آنکھیں سرخ ہوجاتی ہیں، مریض شدت درد اور شدید بے چینی وبے قراری میں تڑپ تڑپ کر مرجاتا ہے۔

جناتی اور شیطانی دخل واثر انگیزی سے یہ بیماری پھیلتی ہے۔

ملاحظہ ہو: (شرح مسلم للنووی، كتاب السلام، باب الطاعون والطيره والكهانة، ٤٠٢/٧، الجزء الرابع عشر)

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ طاعون ان پھوڑوں کو کہتے ہیں جو جسم پر نکلتے ہیں جبکہ وبا عمومی امراض کے پھیلنے کو کہتے ہیں اور وبا کو بھی طاعون کہا گیا کیونکہ اس سے بھی طاعون کی طرح کثرت سے ہلاکتیں ہوتی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ طاعون ایک وبا ہے لیکن ہر وبا طاعون نہیں۔

(فتح الباری: ۲۲۲/۱۰)

چونکہ سریع الانتشار اور متعدی ہونے میں طاعون کی طرح کورونا بھی مشترک ہے؛ اس لئے وباء کا اطلاق دونوں پہ ہوگا؛ البتہ طاعون کی گلٹی وتکلیف کورونا سے علیحدہ ہے؛ اس لئے مرض کی اس تکلیف میں دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے، ایک خاص وباء (کورونا) کو اصالۃً طاعون نہیں کہا جاسکتا۔ (الجوہری، اسماعیل بن حماد، ۱۹۸۷م، ج۱، ص ۷۹)، (مؤسسۃ سجل العرب، د.ت، ج ۱۳، ص ۱۸۹۴)، (النووی، ۱۹۷۰م، ج ۱۴، ص ۲۰۴)

پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لینے والے ایک بے جان جرثومے؛ لیکن اٹل حقیقت ''کرونا'' کے بارے لوگوں کی متضاد بحثیں جاری ہیں کہ آیا یہ پلاننگ کے تحت رچائی گئی سازش ہے یا آفت سماوی؟ تاہم اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی، اچھی بری چیز، اپنی ذات وصفات، حرکات وتغیرات کے لحاظ سے صرف اللہ تعالیٰ کے ارادہ، قدرت، مشیت اور علم سے وجود میں آئی ہے، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہوجاتا ہے،

اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ "اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَکِیلٌ." [الزمر: ٦٢]

جس طرح امراض ومصائب، اضطرابات، مشکلات ودشواریاں ظاہری اسباب کے تحت وجود پذیر ہوتے ہیں، ویسا ہی نظامِ کائنات کی اصلاح وفساد کے کچھ باطنی اور معنوی اسباب بھی ہیں، انسانوں کے اعمال بد اور معصیت خداوندی ابتلاء وآزمائش اور وباء وبلاء میں مؤثر ہوتے ہیں۔

پھر جس قسم کی معصیت ہوتی ہے اسی کی مناسبت سے ابتلا بھی ہوتا ہے، اگر بدعملی فرد سے تعلق رکھتی ہو اور حد سے تجاوز کرتی ہو تو تکوینی نظام کے تحت اس ایک فرد کی بھی پکڑ ہوتی ہے اور اگر اعلانیہ یا بہت عام ہوتی ہو تو ابتلا بھی عام ہو جاتا ہے:

"وَمَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُصِیبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیکُمْ وَیَعْفُو عَنْ کَثِیرٍ." [الشوری: ٣٠]

ترجمہ: اور تم کو (اے گناہگارو!) جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کیے ہوئے کاموں سے (پہنچتی ہے) اور بہت سی تو درگزر ہی کر دیتا ہے۔ (بیان القرآن)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جس شخص کو کسی لکڑی سے کوئی خراش لگتی ہے، یا کوئی رگ دھڑکتی ہے یا قدم کو لغزش ہوتی ہے، یہ سب اس کے گناہوں کے سبب سے ہوتا ہے اور ہر گناہ کی سزا اللہ تعالیٰ نہیں دیتے بلکہ جو گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیتے ہیں وہ ان سے بہت زیادہ ہیں جن پر کوئی سزا دی جاتی ہے۔

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ فساد سے مراد: قحط اور وبائی امراض اور آگ لگنے اور پانی میں ڈوبنے کے واقعات کی کثرت اور ہر چیز کی برکت کا مٹ جانا، نفع بخش چیزوں کا نفع کم نقصان زیادہ ہو جانا وغیرہ آفات ہیں۔

اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان دنیوی آفات کا سبب انسانوں کے گناہ اور اعمال بد ہوتے ہیں جن میں شرک وکفر سب سے زیادہ اشد ہیں، اس کے بعد دوسرے گناہ ہیں۔ اسی آیت کے آخر میں فرمایا: "لِیُذِیقَھُمْ بَعْضَ الَّذِی عَمِلُوا" یعنی تاکہ چکھاوے اللہ تعالیٰ کچھ حصہ ان کے برے اعمال کا۔

کورونا کی حقیقت

چین میں 19 دسمبر کو پھیلنے والے عالمگیر مہلک وائرس "کورونا" سے دنیا بھر میں گذشتہ سالوں میں ملینوں افراد ہلاک ہو چکے ہیں، ان مہلوکین اور متاثرین کا تعلق دنیا کے 107 ممالک سے ہے۔ آج یہ وائرس 135 ملکوں میں پہنچ چکا ہے،

عالمی ادارہ صحت ڈبلیو ایچ او نے اس مرض کو وبائی مرض قرار دیدیا ہے، دنیا کے تمام ممالک اس کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے حفاظتی پیشگی تدبیر اختیار کررکھے ہیں، متاثرہ ممالک کی پروازیں، زمینی سرحدیں، عوامی اجتماع گاہیں معطل کر دی گئی ہیں، عالمی ادارہ صحت کی ویب سائٹ کے مطابق اس وائرس کی علامات میں بخار، سردرد، گلے کی خارش، تھکاوٹ اور خشک کھانسی شامل ہیں، احتیاطی تدابیر کے تحت مراکز صحت نے گلے کو خشک نا رکھنے، وقفہ وقفہ سے تھوڑا تھوڑا پانی پیتے رہنے۔ بڑے کو 50c° تک پانی پینے، چھوٹے کو 30c° تک پانی پینے، پُر ہجوم جگہوں پر نا جانے، سفر کرتے وقت، گھر سے باہر جاتے وقت اور مارکیٹ وغیرہ جاتے وقت ماسک ضرور پہننے، مصالحہ دار اور فرائی فوڈ سے گریز کرنے، باہر سے آتے وقت فوراً ہاتھ دھونے، سبزیاں اور پھل زیادہ استعمال کرنے اور گوشت سے پرہیز کرنے کی ہدایت جاری کی ہے۔

کرونا وائرس کی عام علامات میں نظام تنفس کے مسائل (کھانسی، سانس پھولنا، سانس لینے میں دشواری)، نزلہ، نظام انہضام کے مسائل (الٹی، اسہال وغیرہ) اور کل بدنی علامات (جیسے تھکاوٹ) شامل ہیں۔ شدید انفیکشن نمونیہ، سانس نہ آنے یہاں تک کہ موت کا سبب بن سکتا ہے۔

یہ وائرس متاثرہ شخص کی کھانسی یا چھینک سے خارج ہونے والی رطوبتوں کے چھوٹے قطروں اور ایسی چیزوں کی سطح کو چھونے سے پھیلتا ہے جو کورونا وائرس سے آلودہ ہو چکی ہوں۔کورونا وائرس کی عمومی علامات بخار، تھکاوٹ اور خشک کھانسی ہیں۔

کورونا وائرس کا کوئی خاص تصدیق شدہ علاج یا دوا نہیں ہے البتہ چند احتیاطی تدابیر بتائی جاتی ہیں:

صابن یا پانی سے بار بار ہاتھ دھونا۔

گندے ہاتھوں سے ناک، آنکھ اور منھ کو چھونے سے گریز کرنا۔

متاثرہ افراد سے براہ راست اور ان کی استعمالی چیزوں سے دور رہنا۔

کائنات میں سب سے اہم اور قیمتی شئ انسان کی ذات ہے، اس کے جان وصحت کے تحفظ، اس کی فلاح اور مفاد کے لئے ہی شریعت اسلامیہ کا نزول ہوا ہے، اسے مضرتوں ومشقتوں سے بچا کر آسانیاں فراہم کرنا مقصد شرع ہے، شریعت اسلامیہ کی تمام تعلیمات وہدایات میں انسانی جان وصحت کے تحفظ وسلامتی کے مؤثر اصول کارفرما ہیں۔

اسلامی شریعت جس طرح اپنے ماننے والوں کی روحانیت کا لحاظ کرتی ہے، اسی طرح ان کی جسمانی صحت کا لحاظ بھی رکھتی ہے۔صحت کی حفاظت مقاصدِ شریعت میں سے ایک ہے۔

انسانی جان وصحت کے تحفظ سے متعلق بعض ہدایات وارشادات احتیاطی تدابیر کے بطور ہیں جب کہ بعض امراض وبلایا کے علاج معالجے سے متعلق اور دیگر بعض وباء زدہ افراد کے ساتھ سلوک ورویے سے متعلق ہیں، ذیل میں تینوں شرعی ہدایات پہ مستقل روشنی ڈالی جارہی ہے۔

وباؤں سے تحفظ کے لئے شریعت اسلامیہ کی اوّلین ہدایات

اسلام میں صفائی ستھرائی کو آدھا ایمان قرار دیا گیا ہے، ہر شخص کو ہاتھ منہ، اعضاء وجوارح، لباس وپوشاک، جگہ ومکان کو صاف ستھرا رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے، شب کو برتن کھلے رکھنے، کھاتے ہوئے اور پانی پیتے ہوئے برتن میں سانس لینے سے منع کیا گیا ہے، چھینکتے اور کھانستے ہوئے منہ پہ ہاتھ رکھنے کی تلقین کی گئی ہے، دن رات میں کم از کم پانچ بار ہاتھ منہ دھونے (وضوء) کرنے کا حکم دیا گیا ہے، سوکر اٹھنے اور سونے سے پہلے دونوں گٹے اچھی طرح دھونے کے حکم دیا گیا ہے، ادھر ادھر اور عام نشست گاہ یا عبادت گاہ میں تھوکنے سے منع کیا گیا ہے، ٹھہرے ہوئے پانی یا سایہ دار جگہوں میں بول وبراز کرنے سے منع کیا گیا ہے:

وباؤں سے حفاظت کے لئے سماجی فاصلہ اختیار کرنا

یہ دراصل اسلامی ہدایت ہے: رسولِ اکرم ﷺ نے مہلک امراض سے بچاؤ کے لیے حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کی تعلیم بھی فرمائی ہے۔

وباء زدہ علاقوں میں جانے سے، اسی طرح موذی مرض سے متاثرہ فرد ومعاشرے سے میل جول سے منع فرمایا، تاکہ اختلاط جسمانی کے باعث وباء ایک سے دوسرے میں متعدی نہ ہوجائے، یہی سوشل ڈسٹینس یا سماجی فاصلہ یا قرنطینہ ہے۔حدیث شریف میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''طاعون ایک صورتِ عذاب ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلی امتوں یا بنی اسرائیل پر مسلط فرمایا، سو جب کسی جگہ یہ بیماری پھیل جائے، تو وہاں کے لوگ اس بستی سے باہر نہ جائیں اور جو اس بستی سے باہر ہیں، وہ اس میں داخل نہ ہوں۔''

(سنن النسائی، کتاب الطب، باب الْخُرُوجُ مِنَ الْأَرْضِ الَّتِی لَا تُلَائِمُهُ.(صحیح مسلم،الطاعون، رقم الحدیث:۵۷۳۳)

اگر کسی قوم یا علاقے میں کوئی وبائی مرض آجائے تو ایسے علاقے کے باسیوں کے لیے الگ احکام ہیں اور دوسرے علاقوں سے یہاں آنے والوں کے لیے الگ احکام ہیں۔ باہر سے آنے والوں کے لیے حکم ہے کہ وہ از راہِ احتیاط، تحفظِ عقیدہ کی خاطر ایسے علاقے اور قوم کا رُخ نہ کریں، کیونکہ اگر کوئی اتفاقاً ہی سہی تقدیرِ الٰہی کی بنیاد پر ہی اگر وبائی مرض کا شکار ہو جائے تو ایسے موقع پر کوئی ضعیف الاعتقاد مسلمان وبائی مرض کے مؤثر حقیقی ہونے کا خیال نہ کر بیٹھیں، حالانکہ تمام اشیاء اور ان کی ہر نوع کی تاثیرات اللہ کے حکم، ارادے اور مشیت کے تابع ہیں، خود تو بے حقیقت ہیں، نظریاتی وفکری مسلمان کی نظر وفکر کہیں مؤثر حقیقی یعنی باری تعالیٰ کی بجائے ظاہری سبب کی طرف جاسکتی ہے، اس لیے شریعت نے وبائی امراض کے زیرِ اثر قوموں اور علاقوں کے اختلاط سے منع فرمایا ہے۔

جہاں تک وباء زدہ علاقے کے مقامی لوگوں کے لیے ہدایات کا تعلق ہے، ان ہدایات کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمان یہ عقیدہ پختہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی بھی بیماری ایک انسان سے دوسرے انسان کو نہیں لگ سکتی: ''لا عدوٰی ولا طیرۃ'' جیسی حدیثوں میں اس کا بیان ملتا ہے، اگر مسلمان راسخ العقیدہ بن کر اس نظریئے سے چمٹا رہے گا تو یقیناً وہ وبائی مرض کے موہوم مضر اثرات سے محفوظ رہے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جذام میں مبتلا شخص کو اپنے ساتھ بٹھایا اور انہیں اپنے ساتھ کھانا کھلایا تھا۔

مگر اس کے ساتھ ہی یہ حکم بھی موجود ہے کہ مجذوم سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بچنے کے لیے بھاگتے ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی متعدی وبائی بیماری کا حقیقی اثر نہ سہی مگر ظاہری سبب کے درجے میں اثر انداز ہونے کا انکار بھی نہیں کیا جاسکتا، بلکہ ایسی وبائی بیماریوں سے بچنے کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا بھی شریعت کے منافی نہیں، بلکہ شریعت کے مزاج کے عین مطابق ہے۔(ماہنامہ بینات، شعبان ورمضان 1441ھ (مشترکہ شمارہ) اپریل، مئی 2020ء)

وباء سے متاثرہ فرد کے لئے اسلامی ہدایات

اپنے ذہن ودماغ میں یہ بات اچھی طرح پیوست کرلے کہ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی، اچھی بری چیز، اپنی ذات وصفات، حرکات وتغیرات کے لحاظ سے صرف اللہ تعالیٰ کے ارادہ، قدرت، مشیت اور علم سے وجود میں آئی ہے، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے، اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔

اچھی اور بری تقدیر کا مالک وہ پاک ذات ہے، جو لکھا ہوا ہے وہ ہو کر رہے گا اور جو نہیں لکھا ہے وہ ہرگز نہیں آسکتا۔

تقدیرِ الٰہی پر بندۂ مومن کی راسخ الاعتقادی وہ مفید عقیدہ ہے جو بڑی سے بڑی مصیبت کو خدائی فیصلہ قرار دے کر ذہنی طور پر قبول کرنے، سہہ جانے اور مافات پر بے جا اشکہائے حسرت ویاس بہانے سے محفوظ رکھتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جو چاہت ہے وہ پوری ہو کر رہے گی اور جس امر سے اللہ تعالیٰ کی چاہت متعلق نہ ہو تو وہ کائنات کے سارے اسباب کی یکجائی کے باوجود بھی ظہور پذیر یا اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ ابتلاء وآزمائش کائنات کا نظام ہے۔

اگر کورونا کسی کو واقعی لاحق ہو جائے تو ایسے مریض کی ڈھارس بندھائی جائے، حوصلہ بڑھایا جائے، اسے مایوس نہیں دلائی جائے۔ مریض کو یہ کہا جائے کہ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے، بیماری گناہوں کی صفائی کے لیے ہوتی ہے۔ مریض اگر مرضِ وفات میں ہو تب بھی اسے خوش گوار زندگی کی اُمید دلانے والی باتیں کرنے کا حکم ہے۔ بعض کے حق میں یہ ابتلا گناہوں کی معافی کا ذریعہ بنتی ہے، بعض کے حق میں رفعِ درجات اور بعض (جو ایمان قبول نہیں کرتے یا گناہ گار رجوع نہیں کرتے، ان) کے حق میں غضبِ خداوندی کا مظہر، اس سے مومن کا درجہ بڑھتا ہے، موت ہو جانے سے شہادت کا رتبہ ملتا ہے۔ کورونا کے اثرات محسوس ہونے کے بعد ماہر اطباء سے فوری رجوع کرے۔

انسانی جان وصحت کائنات کی سب سے قیمتی شئی ہے، سستی وکاہلی یا تفریط سے اسے ضائع کر دینا عند اللہ قابل مواخذہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ

وسلم رئیس المتوکلین ہونے کے علی الرغم اپنے بیمار اصحاب کوطبیب العرب حارث بن کلدہ سے رجوع کر کے اپنی بیماری کا علاج کرنے کا حکم فرماتے۔ (الطبقات الکبری، لابن سعد (۶/ ۴۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تین طریقہائے علاج میں سے دعاء اور دوا دونوں ایک ساتھ ہونا زیادہ مجرب ومؤثر رہا ہے، آپ خود بھی اور اپنے اہل خانہ کا بھی علاج کرتے:

(وكان علاجه صلى الله عليه وسلم للمرض ثلاثة أنواع: أحدها: بالأدوية الطبيعية .والثاني: بالأدوية الإلهية .والثالث: بالمركب من الأمرين) زاد المعاد في هدى خير العباد (٤/ ٢٢)

کورونا وبائی مرض ہے، خدا کے غیظ وغضب کا مظہر ہے، صفائی ستھرائی کے اہتمام اور طبی وحفظان صحت کی ہدایات پہ عمل درآمد کے ساتھ اللہ کے حضور توبہ واستغفار اور دعاؤں کے اہتمام کا متقاضی ہے، اس موقع سے خدائی حفظ وامان کی ادعیہ ماثورہ پڑھنے کا سخت اہتمام کیا جائے۔

حکومتی گائیڈ لائن پر عمل کرنا؟

کورونا جیسے وبائی مرض، اس کے منفی اثرات اور اس سے بچاؤ کی حفاظتی تدبیریں بیان کرنا، بتانا ان پر یا حکومتی گائیڈ لائن پر عمل کرنا تعلیماتِ نبوی کا حصہ ہے، کرونا جیسی وبا سے نمٹنے کے لیے احتیاطی تدابیر ضروری ہیں۔ حکومت یا ادارہ صحت کی ہدایات پر عمل کرنا۔ "الضرر يُزال، درء المفاسد مقدم على جلب المصالح، الضرورات تبيح المحظورات، لا واجب مع عجز...إلخ)

جیسے فقہی وشرعی ضابطے کی بنیاد پر شرعاً لازم ہے۔

ہمارے مذہب میں ترک وابطال اسباب کا حکم ہے نہ اسباب وعلل کو مؤثر حقیقی وفاعل مختار سمجھنے کی اجازت! اجتناب اسباب کے تحت امراض سے ممکنہ احتیاطی تدابیر برت لینے کے بعد معاملہ اللہ فاعل مختار کو سونپ دینا چاہئے۔

جلب منافع پہ درء مفاسد کا مقدم ہونا بھی فقہ اسلامی کا مسلمہ اصول ہے، مہلک کورونا سے حفاظتی احتیاطی تدابیر اختیار کرنا شریعت کا حکم ہے، خطرات کے لئے خود کو پیش کرنا اور بداحتیاطی کے باعث مرض کا آسان ہدف بن جانا اسلامی تعلیم نہیں ہے۔

توکُّل ترکِ اسباب اور ترکِ تدابیر کا نام نہیں

دنیا دار الاسباب ہے، یہاں اشیاء میں باری تعالی نے ظاہری تاثیر رکھی ہے، جس طرح مرض خدا تعالی کی مخلوق ہے ایسا ہی شفاء بھی خدا کا پیدا کردہ ہے، اسباب شفاء کو اختیار کر کے مطلوبہ نتائج مسبب الاسباب ذات باری تعالی کو سونپ دینے کا حکم ہے۔

جس طرح صحت انسانی کے تحفظ کے لئے احتیاطی پیشگی تدابیر اختیار کرنا شریعت میں مطلوب تھا اسی طرح بیماری کی حالتوں میں شفاء وصحت کے اسباب اختیار کر کے صحت انسانی کو محفوظ بنانا بھی مطلوب شرع ہے، توکل جلب منفعت اور دفع مضرت میں دل کے اللہ پر سچے اعتماد کا نام ہے۔

مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی رحمہ اللہ کے بقول: ''توکل ترک اسباب اور ترک تدابیر کا نام نہیں؛ بلکہ اسباب قریبہ کو چھوڑ کر توکل کرنا سنت انبیاء اور تعلیمات قرآن کریم کے خلاف ہے'' (معارف القرآن، صفحہ۲۲)۔

علامہ ابن قیمؒ جوزیہ لکھتے ہیں کہ: احادیث صحیحہ میں علاج کرنے کا حکم ہے اور یہ توکل کے خلاف نہیں، جیسے کہ بھوک وپیاس اور گرمی وسردی کو اس کی ضد کی مدد سے دور کرنا خلاف توکل نہیں، بلکہ حقیقت توحید اس کے بغیر تمام نہیں ہوسکتی کہ اللہ تعالی نے جن امور کو جن باتوں کے لیے شرعاً وتکویناً سبب بنایا ہے، ان باتوں کے حاصل کرنے کے لیے ان اسباب کو اختیار کیا جائے؛ بلکہ ان اسباب سے پہلوتہی خود توکل میں مانع ہے۔

کسی شئ کو حاصل کرنے کے لئے اس کے اسباب کو حاصل کرنے کے بعد اس کے نتیجہ کو اللہ پر چھوڑ دینا ''توکل'' ہے، نہ کہ اسباب کو بھی چھوڑ دیا جائے۔

تعدیۂ امراض، اسلام کی نظر میں

بحیثیت مسلمان ہم سب کا عقیدہ ہے اور ہماری تقدیر کا حصہ ہے کہ اللہ تعالی کی مرضی اور حکم ومشیت کے بغیر کوئی بھی مرض بیمار سے تندرست شخص میں منتقل نہیں ہوسکتا، اسلام نے چھوت چھات اور توہم پرستی کی نفی کرتے ہوئے اس عقیدے کو باطل اور لغو قرار دیا ہے کہ طبعیت اور خلقت کے لحاظ سے کوئی بھی بیماری منشاء خداوندی کے بغیر از خود دوسرے میں منتقل ہوجائے، یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی بھی بیماری ایک انسان سے دوسرے انسان کو نہیں لگ سکتی: ''لا عدوٰی ولا طیرۃ'' جیسی حدیثوں میں اسی کا بیان ہے، اگر مسلمان راسخ العقیدہ بن کر اس نظریے سے چمٹا رہے گا تو یقیناً وہ وبائی مرض کے موہوم مضر اثرات سے محفوظ رہے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جذام میں مبتلا شخص کو اپنے ساتھ بٹھایا اور انہیں اپنے ساتھ کھانا کھلایا تھا۔

مگر اس کے ساتھ ہی یہ حکم بھی موجود ہے کہ مجذوم سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بچنے کے لیے بھاگتے ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی متعدی وبائی بیماری کا حقیقی اثر نہ سہی؛ مگر ظاہری سبب کے درجے میں اثر انداز ہونے کا انکار بھی نہیں کیا جاسکتا؛ بلکہ ایسی وبائی بیماریوں سے بچنے کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا بھی شریعت کے منافی نہیں، بلکہ شریعت کے مزاج کے عین مطابق ہے۔

محورِ دوم: کورونا کے زمانے میں عبادات میں تخفیف

سوال ۱: کیا کورونا کے زمانے میں مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنے یا انفرادی نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

جواب: جب جماعت ساقط کرنے والے شرعی اعذار موجود نہ ہوں تو مردوں کے لیے حالتِ صحت وتندرستی میں مساجد میں باجماعت نماز ادا کرنا واجب ہے۔ جماعت ترک کرکے انفرادی نماز پڑھنے اور مسجد میں آنے کے بجائے بغیر کسی شرعی عذر کے مردوں کے گھروں میں نماز ادا کرنے پر احادیثِ مبارکہ میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔

ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے:

''وعن ابن عبّاسٍ قال: قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: مَن سمِع المُنادِیَ فلم یمنعہ مِن اتِّباعِہ عُذرٌ، قالُوا: وما العُذرُ؟ قال: خوفٌ أو مرضٌ لم تُقبل مِنہ الصّلاۃ الّتی صلّی ''شعیب الأرناؤو ط. تخریج سنن أبی داود ۵۵۱.

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عباس راوی ہیں کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو آدمی اذان کہنے والے (یعنی مؤذن) کی اذان سنے اور مؤذن کی تابعداری (یعنی مسجد پہنچ کر جماعت میں شریک ہونے) سے اسے کوئی عذر نہ روکے، لوگوں نے پوچھا کہ عذر کیا ہے؟ فرمایا کہ: (دشمن سے) ڈرنا یا بیماری، تو اس کی نماز جو بغیر جماعت (اگرچہ مسجد ہی میں پڑھے) قبول نہیں کی جاتی۔''

ترکِ جماعت کے درج ذیل چودہ اعذار میں سے ہیں:

(۱) مسجد کے راستے میں سخت کیچڑ ہو کہ چلنا دشوار ہو۔

(۲) پانی بہت زور سے برستا ہو۔

(۳) سخت سردی ہو کہ باہر نکلنے میں یا مسجد تک جانے میں کسی بیماری کے پیدا ہوجانے یا بڑھ جانے کا خوف ہو۔

شدید بارش یا تیز آندھی طوفان کی وجہ سے لوگوں کو اپنے گھروں میں نماز کا حکم دیا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک ٹھنڈی اور برسات کی رات میں اذان دی، پھر یوں پکار کر کہہ دیا: "ألا صلوا في الرحال" کہ لوگو! اپنی قیام گاہوں پر ہی نماز پڑھ لو پھر فرمایا:

إنَّ رَسولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ كانَ يَأْمُرُ المُؤَذِّنَ إذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ ومَطَرٍ، يقولُ: أَلَا صَلُّوا في الرِّحَالِ.

(صحيح البخاري:٦٦٦)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سردی و بارش کی راتوں میں مؤذن کو حکم دیتے تھے کہ وہ اعلان کردے کہ لوگو! اپنی قیام گاہوں پر ہی نماز پڑھ لو۔

اسی طرح صحیح بخاری (٦٦٨) میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جمعہ کے دن خطبہ سنایا اور بارش و کیچڑ کی وجہ سے مؤذن کو یہ حکم دیا کہ اذان میں آج "حي على الصلاة" کی جگہ یوں پکار دو "الصلاة في الرحال" کہ نماز اپنی قیام گاہوں پر ہی ادا کرلو۔

جب لوگوں نے آپ کے اس عمل پر تعجب کیا تو انہوں نے کہا:

كَأَنَّكُمْ أَنْكَرْتُمْ هذا، إنَّ هذا فَعَلَهُ مَن هو خَيْرٌ مِنِّي، - يَعْنِي النبيَّ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ - إنَّهَا عَزْمَةٌ، وإنِّي كَرِهْتُ أَنْ أُحْرِجَكُمْ.

ترجمہ: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے شاید اس کو برا جانا ہے۔ ایسا تو مجھ سے بہتر ذات یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا تھا۔ بیشک جمعہ واجب ہے مگر میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ "حي على الصلاة" کہہ کر تمہیں باہر نکالوں (اور تکلیف میں مبتلا کروں)

قابل غور ہے کہ جب بارش اور کیچڑ کی وجہ سے بستی اور محلے کے سارے لوگ مسجد کی بجائے اپنے اپنے گھروں میں نماز ادا کرسکتے ہیں، تو جس محلے میں کرونا وائرس کی وباء عام ہوجائے تو اس محلّہ کے لوگوں کے لیے مسجد میں نماز نہ پڑھنے کی رخصت بدرجہ اوّل ی ہوگی؛ کیوں کہ کورونا کے ابتلاے عام میں جان کا خطرہ ہے، اسلامی تعلیمات میں مشقت کے وقت آسانی اختیار کرنے اور خطرات ونقصانات کے وقت احتیاطی تدابیر اپنانے کا حکم دیا گیا اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالنے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔

لیکن خوب واضح رہے کہ تاہم جس محلّہ میں کرونا وائرس کی وبا عام نہ ہو تو کرونا وائرس کے ڈر سے جماعت کی نماز ترک کردینا شرعی عذر نہیں ہے، بلکہ تو ہم پرستی ہے جو کہ ممنوع ہے۔

فتویٰ بنوریہ میں ہے:

اور جس محلّہ میں کرونا وائرس کی وباء عام ہوجائے تو اس محلّہ کے لوگوں کے لیے مسجد میں نماز نہ پڑھنے کی رخصت تو ہوگی، البتہ اس محلے کے چند لوگوں کو پھر بھی مسجد میں باجماعت نمازوں کا اہتمام کرنا ہوگا اور اگر مسجد میں باجماعت نماز پورے محلے والوں نے ترک کردی تو پورا محلّہ گناہ گار ہوگا،؛ کیوں کہ مسجد کو اس کے اعمال سے آباد رکھنا فرض کفایہ ہے۔ (فتویٰ نمبر: 144107200752)

سوال۲: کورونا کے زمانے میں ایک مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ پنج وقتہ نمازیں پڑھنے اور متعدد بار نماز جمعہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: جس مسجد میں امام و مؤذن مقرر ہو اور اس کے نمازی بھی مقرر مخصوص ہوں اور وہاں نماز پنجگانہ اپنے وقت پہ باجماعت ادا ہوتی ہوں تو ایسی مسجد میں پہلی جماعت ہی اصل ہے، جب اذان واقامت کے ساتھ پہلی جماعت ختم ہو چکی ہو تو اب اس نماز کی دوسری جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ جس کی جماعت چھوٹ گئی ہو وہ یا انفرادی نماز پڑھے، یا حدود مسجد سے باہر دوسری جماعت کرلے، جو حکم پنج وقتہ نماز کا ہے وہی حکم جمعہ کی نماز کا بھی ہے۔

شامی میں ہے:

”ولنا أنه علیه الصلاة والسلام کان خرج لیصلح بین قوم، فعاد إلی المسجد وقد صلی أهل المسجد، فرجع إلی منزله فجمع أهله وصلی.“ (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، ج۱ ص۵۱۸، ط.س۔ج۱ص۵۵۳-۱۲)

ان نصوص شرعیہ وفقہیہ سے واضح ہے کہ معتدل احوال میں جمعہ کے بشمول کسی بھی نماز میں ایک سے زیادہ جماعت کرنا مکروہ ہے؛ لہٰذا اس سے حتی المقدور احتیاط کرنی چاہئے؛ البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہیئت کی تبدیلی کے ساتھ دو جماعتیں ہو جائیں تو حرج نہیں ہے، اور ہیئت کی تبدیلی کے لیے یہ کافی ہے کہ امام نے جس جگہ سے امامت کی تھی، دوسری جماعت کا امام اس جگہ سے ہٹ کر کھڑا ہو؛ چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

وعن أبی یوسف: لا بأس به مطلقاً إذا صلیٰ فی غیر مقام الإمام. (البحر الرائق: ۸۰۵/۲)

امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ تکرار جماعت میں حرج نہیں، اگر پہلے امام کی جگہ سے ہٹ کر نماز پڑھائے۔

اور علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

وعن أبی یوسفؒ: أنه إذا لم تکن الجماعة بهیئة الأولیٰ لا تکره وإلا تکره وهو الصحیح، وبالعدل عن المحراب تختلف الهیئة کذا فی البزازیة (ردالمحتار: ۲۹۸/۲)

امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ اگر دوسری جماعت پہلی جماعت کی ہیئت پر نہ ہو تو اس میں کراہت نہیں ہے، اور اگر پہلی جماعت کی ہیئت پر ہو تو مکروہ ہے، یہی درست قول ہے اور محراب سے ہٹ جانے کی وجہ سے ہیئت بدل جاتی ہے۔

لہٰذا اگر مسجد کی کئی منزلیں ہوں اور عام دنوں میں جمعہ کی نماز کے لیے وہ تمام منزلیں استعمال نہیں ہوتی ہوں تو نمازیوں کے درمیان مناسب فاصلہ رکھنے کے لیے ان منزلوں کو بھی استعمال میں لانا چاہئے، اگر مسجد تنگ ہو اور نماز جمعہ کے لیے محلّہ کا کوئی فنکشن ہال حاصل کیا جا سکتا ہے تو مسجد کے علاوہ فنکشن ہال میں بھی جماعت رکھنی چاہئے، اور اگر مسجد کے تنگ ہونے اور دوسری جگہ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے نمازیوں کے درمیان فاصلہ رکھنے میں دشواری ہو اور ایک جماعت میں معدودے چندے افراد ہی شریک ہو سکیں اور دیگر متعدد کی جماعت چھوٹ جائے اور کوئی متبادل جگہ بھی دستیاب نہ ہو تو اس مجبوری کے باعث امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے مسجد میں پنج وقتہ وجمعہ کی ایک سے زیادہ جماعت اس طرح رکھی جا سکتی ہے کہ پہلی جماعت کا امام جس جگہ کھڑا ہوا ہو، دوسری جماعت کا امام اس سے ایک صف پیچھے کھڑا ہو۔ (فتویٰ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)

سوال۳: وباء کے زمانے میں گھروں میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی کیا شرطیں ہیں؟

جواب: مصر جامع، قصبہ، بڑے گاؤں (جہاں ضروریات زندگی کے سامان مہیا ہوں) کے باشندگان؛ جو آزاد ہوں، مرد ہوں، مقیم ہوں اور صحت مند ہوں، پر جمعہ فرض ہے۔ غلام، عورت، مسافر اور معذور پر جمعہ نہیں ہے، بلکہ ان کے حق میں ظہر ہے۔

اسی طرح گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں ہے، وہ روز جمعہ باجماعت ظہر ادا کریں گے:

و أما أهل القری فانهم یصلون الظهر بجماعة بأذان وإقامة لأنه لیس علیهم شهود الجمعه ...فکان هذا الیوم فی حقهم کسائر الأیام. (بدائع الصنائع: ۲۷۰/۱ دار الکتب العلمیه بیروت)

جمعہ کے لیے مسجد کا ہونا بھی شرط نہیں ہے؛ بلکہ شہر اور اس کی خصوصیات کا ہونا ضروری ہے: والمسجد الجامع لیس بشرط لصحة الجمعة...(حلبی کبیر: ۵۵۱/۱ لاهور)

صحت جمعہ کے لیے امام کے لیے علاوہ کم سے کم تین لوگوں کا ہونا بھی ضروری ہے:

دیگر ائمہ متبوعین کے برخلاف فقہاء احناف کے نزدیک ایک اضافی شرط ''اذن عام'' بھی صحت جمعہ کے لیے مشروط رکھی گئی ہے:

و يشترط لصحتها سبعة أشياء ....والسابع الإذن العام من الإمام وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين (الدر مع الرد ٣/٥ تا ٢٥ ط. زكريا، باب الجمعة)

اذن عام کی یہ شرط ظاہر الروایہ کے برخلاف نادر الروایہ کی ہے، اس لیے ہدایہ (جس میں عموماً ظاہر الروایہ کے مسائل کے ذکر کا اہتمام والتزام ہے) میں یہ شرط مذکور نہ ہوئی ہے:

واعلم أن هذا الشرط لم يذكر في ظاهر الرواية ولذا لم يذكره في الهداية بل هو مذكور في النوادر و مشى عليه في الكنز و الوقاية و النقاية و الملتقى و كثير من المعتبرات: (ردالمحتار ٢٥/٣ الجمعه ط. زكريا)

ولم يذكر صاحب الهداية هذا الشرط لأنه غير مذكور في ظاهر الرواية وإنما هورواية النوادر كما في البدائع. (البحر الرائق ١٧٤/٥)

اذن عام کا مفہوم ومصداق

اذن عام کی شرطیت تو تقریباً ہماری مستند متون وفتاوی میں معتبر ہے؛ البتہ اس کے مصداق کے تعین میں آراء مختلف ہیں، بعض کے یہاں کسی طرح کی بھی کوئی بندش نہ ہونے اور بلا روک ٹوک ہر کسی کو آنے کی اجازت ملنے کو اذن عام کہتے ہیں، اس کے بغیر جمعہ صحیح نہ ہوگا:

أى أن يأذن للناس إذناً عاما بأن لا يمنع أحدا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذى تصلى وهذا مراد من فسر الأذن العام بالاشتهار. (شامى ٢٥/٣ ط. زكريا)

جب کہ دیگر فقہاء انتظامی، وحفاظتی بندش کو اذن عام میں مخل نہیں مانتے۔ ان کے یہاں اذن عام یہ ہے کہ جس بڑی جگہ اور بڑی آبادی میں جمعہ ہو رہا ہو اس آبادی کے لوگوں کو وہاں آنے کی اجازت ہو؛ خواہ باہر کے لوگوں کو دفاعی، حفاظتی، یا انتظامی وجوہ سے وہاں آنے کی اجازت نہ ہو۔

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

''اذن عام کی جو شرط فقہاءِ کرام نے صحتِ جمعہ کے لیے ضروری قرار دی ہے اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جس بڑے علاقے میں نماز ادا کی جارہی ہے وہاں کے لوگوں کو جمعہ میں شرکت کی عام اجازت ہو خواہ اس بڑے علاقے میں باہر کے لوگوں کو انتظامی یا دفاعی اسباب کی بنا پر داخلے کی عام اجازت نہ ہو۔'' (فقہی مقالات ۴/۳۱)

اس سے واضح ہے کہ راجح قول کے مطابق اذن عام کے تحقق کے لیے موضع جمعہ میں عمومی داخلہ، اور ہر عام وخاص کا بلا روک ٹوک پہونچنا ان حضرات کے یہاں ضروری نہیں ہے۔

پھر اس ذیل میں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اذنِ عام کی شرط مقصودً انہیں ہے؛ بلکہ اس لیے شرط ہے کہ دوسروں کا جمعہ فوت نہ ہو اور جب شہر میں عملاً متعدد جگہ پر جمعہ ہوگا تو اب فوتِ جمعہ کا اندیشہ باقی نہیں رہے گا؛ اس لیے تعدد جمعہ کی صورت میں یہ شرط ضروری نہیں ہے اس کے بغیر بھی جمعہ ادا ہو جائے گا۔

قلت وينبغى أن يكون محل النزاع ما إذاكانت لاتقام إلا فى محل واحد أما لو تعددت فلا؛ لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل. (شامى ٢٦/٣ ط. زكريا ديوبند)

جن فقہاء احناف کے یہاں اذن عام شرط صحت جمعہ ہے ان کے یہاں بھی یہ شرط ذکورت اور اقل عدد جیسی لازمی شرطوں جیسی نہیں ہے؛ کیوں کہ خوف عدو اور عادت قدیمہ کے سامنے یہ شرط بے اثر اور لغو ہو جاتی ہے۔ تو قابل غور ہے کہ او بیہ کے ابتلائے عام کے وقت خوف جان متحقق ہے جس کا تحفظ مقاصد شرع میں سے ہے؛ لہٰذا اگر ایسے احوال میں اذن عام کی شرط میں نرمی دی جائے تو بیجا نہیں؛ بلکہ بجا ہے اور اذن عام کے فقدان کے باوجود بھی جمعہ صحیح ہو جائے گا۔ البتہ بر بنائے احتیاط پاس والوں کو اطلاع دیدے تو بہتر ہے۔

سوال ۴: ظہر پڑھنے کی صورت میں باجماعت پڑھیں یا تنہا؟

جواب: وبائی یا لاک ڈاؤن کے زمانے میں شہر یا قصبہ کے لوگ کسی وجہ سے جمعہ میں شریک نہ ہوسکیں یا کسی وجہ سے اپنے گھر یا بیٹھک میں جمعہ قائم نہ کر سکیں تو وہ شرعی اعتبار سے معذور سمجھے جائیں گے، وہ اپنے گھروں میں جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز ادا کریں۔ اب ظہر کی نماز انفراداً ادا کریں گے یا باجماعت؟ اس بابت علماء کے مابین شدید اختلاف ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ظہر کی نماز باجماعت اور انفرادی ہر دو طریقوں سے بلا کراہت درست اور جائز ہے، جہاں شہر میں باضابطہ مساجد میں جمعہ کی نماز ہو رہی ہو وہاں پر اہل شہر یا معذورین یا مسافرین، جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھیں گے تو مساجد میں جمعہ کی نماز متاثر ہوسکتی ہے، نیز مساجد کی جمعہ کے ساتھ ایک قسم کا معارضہ بھی ہے؛ اس لیے مکروہ لکھا ہے؛ جب کہ آج کے حالات میں وہ علت سرے سے مفقود ہے؛ لہٰذا آج کے حالات میں گھروں میں ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا بلا کراہت جائز اور درست ہو جائے گا، یعنی محبوسین کے لیے باجماعت ظہر کی ممانعت کا مدار دراصل علت پر ہے، مطلقاً نہیں ہے، جہاں علت پائی جائے گی وہاں باجماعت نماز کی ممانعت ہوگی جب کہ علت کے مفقود ہونے کی صورت میں بلا کراہت باجماعت نماز درست ہوگی۔

جب کہ جمہور علماء امت اور مفتیان کرام کا خیال ہے کہ شہر یا قصبہ کے معذور شخص کو صرف دو چیزوں کا پابند بنایا گیا ہے۔ اوّل یہ کہ وہ جماعت سے نماز نہ ادا کریں، ثانی یہ کہ وہ جمعہ میں حاضر ہو جائیں، اگر جمعہ میں آ جائیں گے تو ان کے حق میں جمعہ فرض ہو جائے گا ورنہ ان کے لیے لازم ہے کہ وہ نماز ظہر کی ادائیگی کرتے وقت جماعت کا اہتمام نہ کریں۔

لأن ساكن المصر مأمور بشيئين في هذا الوقت بترك الجماعات وشهود الجمعة والمعذور قدر على أحدهما وهو ترك الجماعات فيؤمر بالترك. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۷۰ دار الكتب العلمية، بيروت)

اگر یہ لوگ جمعہ کے روز ظہر کی نماز باجماعت پڑھیں گے تو تقلیل جماعت، اور صورت معارضہ کے باعث باجماعت نماز پڑھنا مکروہ ہوگا۔

تقلیل جماعت بایں طور کہ جو معذور جمعہ میں حاضر ہونے کا آرزومند ہو اور کسی سہارے سے مسجد آنے پر قادر ہو، مذکورہ جماعت کی صورت میں وہ اپنے عذر کو دیکھتے ہوئے ارادے کو ملتوی کر سکتا ہے۔

اور صورت معارضہ یہ ہے کہ جمعہ کے روز ظہر کے وقت میں اصل تو یہ ہے کہ جمعہ کی ادائیگی عمل میں آئے، لیکن اگر کوئی جمعہ تو ادا نہ کرے بلکہ باجماعت ظہر ادا کرے تو یہ جمعہ کے معارض ایک عمل ہے:

"وصورة المعارضة" لأن شعار المسلمين في هذا اليوم صلاة الجمعة وقصد المعارضة لهم يؤدي، إلى أمر عظيم، فكان في صورتها كراهة التحريم، رحمتي (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ۳: ۳۳، ط: مكتبة زكريا ديوبند)

دلائل کے اعتبار سے انفراداً ظہر ادا کرنے والے موقف میں قوت اور وزن ہے، لہٰذا ظہر باجماعت سے احتیاط برتا جائے۔

جن علاقوں میں قیام جمعہ کی شرائط نہ پائی جائیں یعنی اہل بوادی، وہاں کے باشندے روز جمعہ اپنے گھروں یا مساجد میں حسب معمول باجماعت ظہر ادا کریں گے، انہیں اہل مصر کی طرح انفراداً ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

سوال۵: کیا وبا کے زمانے میں عیدین کی نماز گھروں پر پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

جواب: جن شہروں میں جمعہ کے قیام کی شرطیں پائی جاتی ہوں وہاں عیدین کی نماز بھی واجب ہوگی، البتہ جمعہ میں خطبہ بھی شرط ہے جب کہ عیدین میں خطبہ مسنون، جمعہ کی صحت کے لیے دیگر شرائط کے ساتھ اذن عام کا تحقق بھی ضروری ہے جب کہ عیدین میں یہ شرط نہیں۔

جمعہ میں امام کے علاوہ تین بالغ مردوں کا ہونا ضروری ہے جب کہ عیدین کی جماعت میں اس بابت قدرے نرمی وسہولت ہے کہ امام کے علاوہ ایک مرد کے شریک جماعت ہونے سے بھی عیدین کی جماعت صحیح ہو جائے گی۔ عیدین کی نماز کے وجوب کا مقصد اسلامی شان وشوکت وقوت کا اظہار ہے، اسی لیے عیدگاہ میں عیدین پڑھنا مسنون ہے، البتہ کرونا کے ابتلائے عام میں جہاں حکومتی اور قانونی طور پر پانچ چھ افراد سے زیادہ کا جمع ہونا مساجد میں ممنوع قرار دیدیا گیا ہو اور مساجد یا عیدگاہ میں مجمع عام کے ساتھ عیدین کی ادائی ممکن نہ رہی ہو تو شہر اور قصبہ کے باشندگان کے لیے اپنے اپنے گھروں میں کم سے کم دو مردوں کے ساتھ مل کر عیدین پڑھنے کی شرعی اجازت ہوگی۔

”ولأنها من شعائر الإسلام فلو كانت سنةً فربما اجتمع الناس على تركها فيفوت ما هو من شعائر الإسلام؛ فكانت واجبةً؛ صيانةً لما هو من شعائر الإسلام عن الفوت.“ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (۸۴/۳)

”وأما شرائط وجوبها وجوازها فكل ما هو شرط وجوب الجمعة وجوازها فهو شرط وجوب صلاة العيدين وجوازها من الإمام والمصر والجماعة والوقت إلا الخطبة فإنها سنة بعد الصلاة“ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (۸۵/۳) ”(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة) فإنها سنة بعدها.“

(الدر المختار وحاشية ابن عابدين (۱۶۶/۲)

سوال۶: ماسک لگا کر نماز پڑھنے اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا حکم کیا ہے؟

جواب: نارمل حالات میں دوران نماز ناک منہ ڈھکنا مجوسیوں کے عمل سے مشابہت رکھنے کی وجہ سے مکروہ ہے:

”يكره اشتمال الصماء والاعتجار والتلثم والتنخم وكل عمل قليل بلا عذر.“

(الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار) (۶۵۲/۱)

متعدی، موذی ومہلک امراض سے بچاؤ جیسے معقول ومعتبر عذر کی وجہ سے ناک منہ ڈھک کر نماز پڑھنے کی رخصت ہے، کوئی کراہت نہیں۔

جماعت کی نماز میں تسویۃ الصفوف اور سدِّ خلل: یعنی سیسہ پلائی دیوار کی طرح صف ملانا اور دو آدمیوں کے درمیان فاصلہ نہ چھوڑنا ائمہ ثلاثہ کے یہاں مسنون ہے، حنابلہ وغیرہ کے یہاں واجب ہے۔

اگر یہ تاکید نہ ہوتو پھر جماعت کی نماز کی ہیئت ہی نہ بن پائے گی؛ بلکہ جو، جہاں، جیسے چاہتا کھڑا ہو جاتا۔

مختلف احادیث میں سدّ خلل کے فضائل اور کشادگی چھوڑنے پر وعید وارد ہوئی ہے؛ لیکن یہ ساری تاکید معتدل احوال میں ہے۔ ضرورت، عجز، اور عذر کے وقت نماز کی شرائط اور فرائض وواجبات بھی ساقط ہو جاتے ہیں۔

ستر عورت شرط نماز ہے؛ لیکن کپڑا نہ پانے والا اشارے سے ننگا نماز پڑھتا ہے، جگہ کی تنگی کے باعث اسطوانہ کے درمیان میں بھی نماز

پڑھنے کی گنجائش ہے۔ امام رکوع میں ہو اور مسبوق امام کو رکوع میں پالے، تو وہ رکعت پانے والا شمار ہوتا ہے؛ حالانکہ اس سے قیام وغیرہ سب چھوٹ گیا ہے؛ لیکن ضرورت کے وقت اسے برداشت کیا گیا ہے۔ صف کے پیچھے ایک مقتدی ہو تو وہ اکیلا ہی کھڑا ہوگا . یہاں عذر ہے؛ اس لیے سد خلل کا حکم اس سے ساقط ہے۔

غرضیکہ ''ضرورت، عذر اور عجز'' کے وقت سنت ہی کیا؟ فرائض وشرائط بھی ساقط ہوجاتے ہیں۔

کورونا وائرس کی وجہ سے دو نمازیوں کے درمیان ایک میٹر فاصلہ بنائے رکھنے کا حکم اگر انتظامیہ یا ادارہ صحت کی طرف سے آجائے تو اب ہم سد خلل پہ قادر نہیں؛ کیوں کہ اپنے کو خطرہ میں ڈالنا بھی اسلامی تعلیم نہیں، ایسے موقع سے ہم عاجز ومجبور شمار ہونگے، عجز کے وقت فرائض وشرائط کے سقوط کی متعدد نظائر موجود ہیں، کچھ اوپر پیش کئے گئے ہیں۔

موجودہ حالات میں انتظامی حکم سامنے آجانے کے بعد نمازوں میں ایک میٹر فاصلہ رکھنے کی گنجائش ہے، یہ گنجائش عجز وعذر کے باعث ہے۔

جہاں حکومتی طور پہ اس قدر لزوم نہ ہو وہاں یہ گنجائش نہیں ہوگی؛ بلکہ وہاں اتنا معمولی فاصلہ رکھا جائے جس سے جماعت کا تصور اور ہیئت باقی رہے، دور سے دیکھنے میں محسوس ہو کہ یہ سب نماز باجماعت میں شریک ہیں، کسی کھیل اور میچ کے تماشہ بین نہیں!

جذامیوں کی بیماری سے بچنے کے لیے حضور اکرم ﷺ نے ان سے ایک نیزہ کے فاصلہ سے بات چیت کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ حدیث میں ہے کہ:

"لا تديموا النظرَ إلى المجذمينَ وإذا كلَّمتموهم فليكُنْ بينَكم و بينَهم قيدُ رمحٍ." (عن الحسين بن علی بن أبی طالب ./ الهيثمی .مجمع الزوائد. ٥/١٠٤)

أخرجه أبو يعلى (٦٧٧٤) واللفظ له، والطبرانی (٣/١٣١) (٢٨٩٧) مختصراً، وابن عدی فی (الكامل فی الضعفاء) (٤/١٥٥) باختلاف يسير..)

(جب تم ان (جذامی) سے بات چیت کرو تو تمہارے اور ان کے درمیان ایک نیزہ کا فاصلہ ہونا چاہئے)

ایک نیزہ کا فاصلہ تقریباً ایک میٹر کے مساوی ہے، کورونا کے تعدیہ میں جسمانی اتصال کافی حد تک مؤثر ہے، ادارہ صحت یا اطباء کی ہدایت کے مطابق بوقت ضرورت دو شخصوں کے درمیان حدود مسجد کے اندر ایک میٹر فاصلہ برتنے کی گنجائش ہے، باجماعت نماز میں دو افراد کے درمیان ایک میٹر فاصلے سے کھڑے ہونے کی صورت میں بوجہ مجبوری نماز بلا کراہت کے ادا ہوجائے گی۔

سوال ۷: کرونا سے متاثر افراد کا مسجد آنا اور جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے؟

جواب: کرونا متعدی وباء ہے، جسمانی اختلاط سے ایک سے دوسرے میں متعدی ہوجاتی ہے، اس لیے یقینی طور پر کورونا وائرس کے شکار مریض کے لیے جماعت میں شریک ہونا اور مسجد آنا منع ہے، ایسا بندہ جماعت میں شریک ہونے سے معذور سمجھا جائے گا۔ پنج وقتہ نمازوں کی جماعت میں لوگوں کو ایذا سے محفوظ رکھنے کے لیے ایسے شخص کو جماعت میں شامل نہیں ہونا چاہیے، اور ایسے مریض کو دیگر اجتماعی جگہوں سے بدرجہ اوّلیٰ دور رہنا چاہیے۔ البتہ اس سے جمعے کا وجوب ساقط ہوجائے گا، تاہم اگر وہ جمعہ میں شرکت کرنا چاہے تو منع نہیں کیا جائے گا:

"عن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلايقربنّ مسجدنا؛ فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس."

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اس بدبودار پودے میں سے کچھ کھایا وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے؛ اس لیے کہ ملائکہ کو اس چیز سے تکلیف پہنچتی ہے جس سے انسان کو تکلیف پہنچتی ہے۔ صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الھامۃ، (۸۵۹/۲) ط: قدیمی کراچی۔

"عن عمرو بن الشريد عن أبيه قال: كان في وفد ثقيف رجل مجذوم، فأرسل إليه النبي ﷺ إنا قد بايعناك فارجع."

ترجمہ: عمرو بن شرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بنوثقیف کے وفد میں ایک جذامی شخص بھی آیا، رسول اللہ ﷺ نے اسے پیغام بھجوایا کہ ہم نے تمہیں (یہیں سے) بیعت کرلیا ہے، چناں چہ آپ لوٹ جایئے!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر اہلِ سلف کی رائے یہ ہے کہ ایسے مریض (جذامی) کے ساتھ کھانا کھایا جائے، اور ان کا خیال یہ ہے کہ اس سے دور رہنے کا حکم منسوخ ہے۔ لیکن صحیح بات جو جمہور کی رائے ہے اور (تمام نصوص کو دیکھتے ہوئے) اسی نتیجے تک پہنچنا متعین ہوجاتا ہے وہ یہ ہے: جذامی سے دور رہنے کا حکم منسوخ نہیں ہوا، بلکہ دونوں حدیثوں میں تطبیق ضروری ہے، لہٰذا مجذوم سے دور رہنے کا حکم استحباب اور احتیاط پر محمول ہے، نہ کہ وجوب پر، جہاں تک اس کے ساتھ کھانے کی بات ہے تو آپ ﷺ نے ایسا بیانِ جواز کے لیے کیا۔ واللہ اعلم (یعنی اگر کوئی ساتھ رہتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل بھروسہ اور یقین ہے تو اسے دور رہنے اور اجتناب پر مجبور نہیں کیا جاسکتا)۔۔۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں: علماء فرماتے ہیں: جذامی کو مسجد اور لوگوں کے ساتھ اختلاط سے روکا جائے گا۔ اور اہلِ علم کا اس میں اختلاف ہے کہ اگر جذامی مریض زیادہ ہوجائیں تو کیا انہیں حکم دیا جائے گا کہ وہ اپنے لیے لوگوں سے جدا مستقل جگہ بنائیں البتہ ان کے منافع والے تصرفات سے انہیں نہیں روکا جائے گا، یا ان پر صحت مند لوگوں سے دور رہنا لازم نہیں ہوگا؟ اکثر کی رائے پہلی والی ہے۔ البتہ اگر ایسے مریض کم ہوں تو بالاتفاق انہیں اختلاط سے نہیں روکا جائے گا۔ قاضی عیاض مزید فرماتے ہیں: انہیں جمعہ کی نماز سے نہیں روکا جائے گا، البتہ دیگر نمازوں کی جماعت سے روکا جائے گا۔ آگے فرماتے ہیں: اگر کسی بستی میں جذامی مریضوں کے پانی میں اختلاط کی وجہ سے بستی والوں کو ضرر لاحق ہو، تو اگر یہ جذامی مریض بغیر ضرر کے اپنے لیے پانی کا انتظام کرسکتے ہوں تو انہیں اس کا پابند کیا جائے گا، ورنہ دوسرے (صحت مند) لوگ ان کے لیے پانی کا انتظام کریں یا کسی کی ذمہ داری لگائیں کہ وہ ان کے لیے پانی بھرے، اور اگر یہ انتظام نہ ہوسکے تو جذامی مریضوں کو (اپنے ضروری منافع سے) نہیں روکا جائے گا۔ واللہ اعلم

کفایت المفتی میں ہے:

''ان صورتوں میں خود مجذوم پر لازم ہے کہ وہ مسجد میں نہ جائے اور جماعت میں شریک نہ ہو، اور اگر وہ نہ مانے تو لوگوں کو حق ہے کہ وہ اسے دخولِ مسجد اور شرکتِ جماعت سے روک دیں اور اس میں مسجدِ محلّہ اور مسجدِ غیر محلّہ کا فرق نہیں ہے، محلّہ کی مسجد سے بھی روکا جاسکتا ہے تو غیر محلّہ کی مسجد سے بالاوّلی روکنا جائز ہے اور یہ روکنا بیماری کے متعدی ہونے کے اعتقاد پر مبنی نہیں ہے، بلکہ تعدیہ کی شرعاً کوئی حقیقت نہیں ہے، بلکہ نمازیوں کی ایذا یا خوفِ تلویث مسجد یا تنجیس وباءِ نفرت وفروش پر مبنی ہے''۔ (ج۳/ص۱۳۸، دارالاشاعت)

سوال ۸: کرونا سے متأثر افراد کے لیے روزہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: جن پانچ عوارض کی وجہ سے رمضان کے مہینے میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے اور رفع عذر کے بعد قضا رکھنا لازم ہے، ان میں ایک ایسا مرض بھی ہے جس کی وجہ سے روزہ کی سکت نہ ہو، یا روزہ سے مرض بڑھ جانے کا غالب گمان ہو، یا ماہر مسلمان دین دار طبیب کی رائے روزہ نہ رکھنے کی ہو۔

واضح رہے کہ کورونا وائرس جسم کا مدافعتی نظام کمزور ہونے کی وجہ سے ہی حملہ آور ہوتا ہے اور اگر مریض بھوکے یا پیاسے رہیں تو اس سے

مدافعتی نظام مزید کمزور ہوجانے کا خدشہ ہوتا ہے۔لہٰذا جن لوگوں کا کرونا ٹیسٹ مثبت ہے، انہیں طبیب کی رائے کی بنیاد پر روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوگی۔اور جولوگ ابھی اس میں مبتلا نہیں ہوئے، انہیں روزہ چھوڑنا جائز نہیں، بلکہ احتیاطی تدابیر اپنائیں اور سحری، افطاری میں صحت افزا اور متوازن غذائیں استعمال کریں، جس سے ان کے جسم کا نظام مضبوط اور طاقت ور رہے، اور قوتِ مدافعت میں کمی نہ آئے۔

سوال ۹: کیا کرونا کی وجہ سے عام مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روکا جاسکتا ہے؟

جواب: جلب منافع پہ درء مفاسد کا مقدم ہونا مسلمہ اصول ہے، مہلک کورونا سے حفاظتی احتیاطی تدابیر اختیار کرنا شریعت کا حکم ہے، خطرات کے لیے خود کو پیش کرنا اور بداحتیاطی کے باعث مرض کا آسان ہدف بن جانا اسلامی تعلیم نہیں ہے، لیکن توہم پرستی کی آخری حد کو عبور کرجانا اور چھوت چھات کا قائل ہوجانا بھی جائز نہیں ہے،

وجوب حج کی من جملہ شرائط میں سے راستے کا پرامن ہونا اور خطرات سے مامون ومحفوظ ہونا بھی اہم شرط ہے، اس کے بغیر استطاعت نہیں پائی جائے گی، اس پہ چاروں فقہی مسالک کا اتفاق ہے۔

ماہرین ومتخصصین کی تحقیق وتجزیہ سے اگر حجاز مقدس میں کرونا کا ابتلاء عام ہوجائے، حجاج ومعتمرین کے ازدہام وکثرت سے وباء پھیلنے کا قوی امکان وخطرہ ہو اور اس بات کا گمان غالب ہو کہ حجاج ومعتمرین اس مہلک وباء کی زد میں آسکتے ہیں، جانی نقصانات سے دوچار ہوسکتے ہیں تو حالات معتدل ہونے تک درء مفاسد اور ازالہ ضرر کے تئیں مسلمانوں کو حج وعمرہ سے وقتی طور پہ روکا جاسکتا ہے۔

لیکن اگر ابتلائے عام نہ ہو اور عمومی خطرات نہ ہوں، اکا دکا کیس سامنے آنے کی خبریں موصول ہوئی ہوں تو ایسے موہوم ضرر کا اعتبار نہیں ہے، ضرر موہوم کی وجہ سے مناسک حج کو بالکلیہ بند کردینا اور حج وعمرہ پہ پابندی لگادینا توکل کے خلاف اور اسلام نے جس چھوت چھات کے عقیدے کی بیخ کنی کی ہے اور اس کی بنیاد پر کاری ضرب لگائی ہے اس کے صریح خلاف ہے، خطرات سے دوچار ہوجانے کا غلبہ ظن ہو تو گنجائش ہے۔محض ''وہم'' کا کوئی اعتبار نہیں۔

"درء المفاسد أولى من جلب المصالح."

(شرح مجلة الأحكام: م: ۳۰ ص: ۳۸، الأشباه للسيوطي: ۸۷، ابن النجيم: ۹۰، الوجيز: ۲۰۸، القواعد للندوي: ۲۶۰)

محورسوم: کرونا کے زمانے میں مساجد سے متعلق مسائل

سوال ۱: کرونا کے زمانے میں مساجد کو بند کرنا کیسا ہے؟

جواب: جس علاقے یا شہر میں کورونا کے کیسز عمومی صورت حال اختیار کرلیں تو وباء عام سے بچنے کے لیے مسجدوں میں نقصان دہ تعداد میں لوگوں کے جمع ہونے پہ پابندی لگائی جاسکتی ہے اور جمعہ وغیرہ کے جمع کثیر پہ بندش لگ سکتی ہے، نفس، مال اور اہل وعیال کے ضیاع وہلاکت کا خطرہ متحقق ہو تو جمعہ وغیرہ کی جماعتوں میں عدم شرکت کی گنجائش بھی شریعت میں موجود ہے۔

لیکن جہاں اس طرح کے عمومی خطرات نہ ہوں، اکا دکا کیس سامنے آنے کی خبریں موصول ہوئی ہوں تو ایسے موہوم ضرر کا اعتبار نہیں ہے، ضرر موہوم کی وجہ سے مسجدوں کو بالکلیہ بند کردینا اور جماعت کی نماز پہ پابندی لگادینا توکل کے خلاف اور اسلام نے جس چھوت چھات کے عقیدے کی بیخ کنی کی ہے اور اس کی بنیاد پر کاری ضرب لگائی ہے اس کے صریح خلاف ہے، خطرات سے دوچار ہوجانے کا غلبہ ظن ہو تو گنجائش ہے۔محض

''وہم'' کا کوئی اعتبار نہیں۔موہوم خطرہ کی وجہ سے مسجدوں میں نماز و اذان پہ پابندی لگانا مسجدوں کو ویران کرنا اور عبادتوں سے روکنا ہے:

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِیْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآئِفِيْنَ، لَهُمْ فِی الدُّنْيَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ. [البقرة: ١١٤]

اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں پر اس بات کی بندش لگادے کہ ان میں اللہ کا نام لیا جائے، اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔ایسے لوگوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان (مسجدوں) میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور انہی کو آخرت میں زبردست عذاب ہوگا۔

فتح القدیر للشوکانی (۱/۱۵۳) میں ہے:

"والمراد بالسعي في خرابها: هو السعي في هدمها، ورفع بنيانها، ويجوز أن يراد بالخراب: تعطيلها عن الطاعات التي وضعت لها، فيكون أعم من قوله: أن يذكر فيها اسمه فيشمل جميع ما يمنع من الأمور التي بنيت لها المساجد، كتعلم العلم وتعليمه، والقعود للاعتكاف، وانتظار الصلاة ويجوز أن يراد ما هو أعم من الأمرين، من باب عموم المجاز."

جان و مال کا تحفظ شریعت کے مقاصد خمسہ میں سے ہے، جلب منافع پہ درء مفاسد کا مقدم ہونا بھی مسلمہ اصول ہے، مہلک کورونا سے حفاظتی احتیاطی تدابیر اختیار کرنا شریعت کا حکم ہے، خطرات کے لیے خود کو پیش کرنا اور بد احتیاطی کے باعث مرض کا آسان ہدف بن جانا اسلامی تعلیم نہیں ہے۔

کورونا وائرس کے موہوم خطرات کے باعث پنج وقتہ جماعت پہ پابندی لگا کر مسجدوں کو ویران کر دینا افسوس ناک، المناک و شرمناک ہے۔

اگر حکومت و انتظامیہ کی طرف سے ایسی کوئی پابندی ہو تب تو ہم مجبور ہیں، وا گرنہ ہم از خود جماعت و اذان کو بند کر کے اپنے پاؤں پہ خود سے کلہاڑی نہ ماریں، کورونا کے کیسیز کی تصدیق جس علاقے میں ہوگئی اور وبا عام ہوگئی ہو تو اس محلّہ کے لوگوں کے لیے مسجد میں نماز نہ پڑھنے کی رخصت تو ہوگی، البتہ اس محلے کے چند لوگوں کو پھر بھی مسجد میں با جماعت نمازوں کا اہتمام کرنا ہوگا اور اگر مسجد میں با جماعت نماز پورے محلے والوں نے ترک کردی تو پورا محلّہ گناہ گار رہوگا؛ کیوں کہ مسجد کو اس کے اعمال سے آباد رکھنا فرض کفایہ ہے۔جہاں اس طرح کا کوئی خدشہ نہ ہو وہاں خواہ مخواہ ہیجان انگیز خبروں کی اشاعت اور خوف و دہشت کی فضا قائم کرنا بھی از روئے شروع جائز نہیں ہے۔

بغیر شرعی عذر کے مساجد کو بند کر دینے پر نصوص میں سخت وعید وارد ہوئی ہے اور ان کے اس عمل کو "ظلم" قرار دیا گیا ہے۔اس لیے کہ با جماعت نمازیں پڑھنا اور بالخصوص جمعہ کی نماز پڑھنا، یہ شعائرِ اسلام میں سے ہے۔

البنایۃ شرح ہدایۃ (۳/۸۷) میں ہے:

"وفي" المرغيناني: "إذا منع الإمام أهل المصر أن يجمعوا لايجمعون، وقال أبو جعفر: هذا إذا منعهم باجتهاد، وأراد أن يخرج تلك البقعة أن تكون مصرًا، فأما إذا نهاهم تعنتًا أو إضرارًا بهم، فلهم أن يجمعوا على من يصلي بهم."

قاضی عبدالرحمٰن القرشی الدمشقی الشافعی اپنے زمانہ میں ۷۶۴ھ کے طاعون سے متعلق لکھتے ہیں:

''جب طاعون پھیل گیا اور لوگوں کو ختم کرنے لگا، تو لوگوں نے تہجد، روزے، صدقہ اور توبہ و استغفار کی کثرت شروع کردی اور ہم مردوں، بچوں، اور عورتوں نے گھروں کو چھوڑ دیا ہے اور مسجدوں کو لازم پکڑ لیا، تو اس سے ہمیں بہت فائدہ ہوا''۔

قال قاضي عبد الرحمٰن محمد القرشي (ت: بعد ٧٨٠هـ) في (شفاء القلب المحزون في بيان ما يتعلق بالطاعون/مخطوط) متحدثًا عن الطاعون سنة ٧٦٤هـ:

”وكان هذا كالطاعون الأول عمّ البلاد وأفنى العباد، وكان الناس به على خير عظيم: مِن إحياء الليل، وصوم النهار، والصدقة، والتوبة.... فهجرنا البيوت؛ ولزمنا المساجد، رجالنا وأطفالنا ونسائنا؛ فكان الناس به على خير.“

سوال۲: کیا جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان دی جائے گی؟

جواب: اذان؛ شعار اسلام اور اسلامی شان وقوت کا مظہر ہے، نماز باجماعت کی دعوت ہے، اسی لیے شریعت اسلامیہ نے اس کو پنج وقتہ نمازوں اور جمعہ کے لیے سنتِ مؤکدہ قرار دیا ہے۔

اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کسی بستی والے اذان کے ترک کرنے پر اتفاق کرلیں، امام المسلمین خلیفہ وقت اس بستی والوں سے قتال کرے گا، کیوں کہ یہ عمل استخفاف فی الدین کو شامل ہے۔ (حاشیہ ابن عابدین) (۱/۳۸۴)

اذان کا شعار اسلام ہونا اس حدیث سے واضح ہوتا ہے:

عن أنسٍ رضي الله عنه قال: (كان رسولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم إذا غزَا قومًا لم يُغِرْ حتَّى يُصبِحَ، فإنْ سمِعَ أذانًا أمْسَكَ، وإنْ لم يَسْمَعْ أذانًا أغارَ بعدَما يُصبِحُ. (صحيح بخاری ۲۹۴۳)

کرونا وباء کی شدت چاہے جیسی بھی ہو، اذان کسی حال میں ترک کرنا جائز نہیں ہے، اگر حکومتی طور پہ اس کی بندش ہوگئی ہو تب تو خوف ظلم اور رفع حرج کے باعث عذر ہے؛ لیکن جبری انتظامی بندش کے بغیر مسلمانوں کا از خود اذان کو موقوف کردینا باعث گناہ عمل ہے، ایسا کرنے سے سب گنہگار ہونگے۔ چار پانچ افراد پہ مشتمل مختصر جماعت اور اذان کا نظام چلتے رہنا چاہیے۔ اگر کسی وجہ سے جماعت پر بھی عائد کردی جائے تو اذان تو بہر حال مسجدوں میں ہوتی رہنے چاہئے، مختصر جماعت کی بھی اگر قانونی اجازت نہ ہو تو گھروں میں باجماعت نماز ادا کی جائے؛ صدائے اذان منارۂ مساجد سے بہر حال بلند ہوتی رہنی چاہئے۔

سوال۳: جماعت میں کتنے افراد شریک ہوں؟ اس بارے میں گورنمنٹ کی ہدایات کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

جواب: پنج وقتہ نمازوں کی جماعت، دو افراد سے قائم ہو جاتی ہے۔

اِثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ. (ابن ماجه، السنن، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب الاثنان جماعة، ۱/۵۲۲، رقم: ۹۷۲)

”دو یا دو سے زیادہ (مردوں) پر جماعت ہے۔“

اس صورت میں امام، مقتدی کو اپنے دائیں جانب کھڑا کرے گا، جیسا کہ حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھی۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بائیں طرف کھڑا ہوگیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سر کو پیچھے کی طرف سے پکڑ کر مجھے دائیں طرف کر دیا۔

صَلَّيْتُ مع النبيِّ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَقُمْتُ عن يَسَارِهِ، فَأَخَذَ رَسولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ برَأْسِي مِن ورَائِي، فَجَعَلَنِي عن يَمِينِهِ (صحيح البخاري: ۷۲۶، كتاب الجماعة والإمامة، باب إذ قام الرجل عن يسار الإمام)

کورونا جیسے وبائی مرض، اس کے منفی اثرات اور اس سے بچاؤ کی حفاظتی تدبیریں بیان کرنا، بتانا ان پر یا حکومتی گائیڈ لائن پر عمل کرنا تعلیماتِ نبوی کا حصہ ہے، کرونا جیسی وبا سے نمٹنے کے لیے احتیاطی تدابیر ضروری ہیں۔ حکومت یا ادارہ صحت کی ہدایات پر عمل کرنا ”الضرر يُزال، درء المفاسد مقدم على جلب المصالح، الضرورات تبيح المحظورات، لا واجب مع عجز...إلخ“)

جیسے فقہی وشرعی ضابطے کی بنیاد پر شرعاً لازم ہے۔

وباء کے بڑھتے اثرات پہ قابو پانے کے مقصد سے طبی وحفاظتی بنیادوں پہ اگر حکومت کی طرف سے جماعت ودیگر اجتماعات کو محدود ومختصر کر دینے کی گائیڈ لائن سامنے آجائے، اور شرکت کرنے والوں کی تعداد یا عمر کی تحدید کر دی جائے تو اس کی پابندی شرعاً لازم ہوگی، الحرج مدفوع، لایحل لمومن ان یذل نفسه .

جیسے اصول وضوابط کی روشنی میں اس کی پاسداری ضروری ہوگی۔

انسانی جان ومال کے تحفظ کو یقینی بنانے والے ہر اسباب واشکال کی پیروی شرعاً واجب ہے۔

سوال۴: مساجد کے کسی حصہ یا اس کے ملحق جگہ کو کووڈ سینٹر بنانا کیسا ہے؟

جواب: مذہب اسلام کا خلاصہ ومقصد ہی دوسروں کو نفع پہنچانا ہے۔ اسلام کے علاوہ دنیا کے کسی مذہب نے بھی خلق خدا کی دادرسی کو عبادت قرار نہیں دیا۔ یہ مذاہب کی تاریخ کا خاص امتیاز ہے کہ اسلام نے انسانیت کے رشتہ کی بنیاد پہ انسانوں کی خدمت کو عبادت کا درجہ دے کر سب سے بہتر اس شخص کو قرار دیا ہے جو ذاتی منفعت کے لیے نہیں، بلکہ اجتماعی مفاد کے لیے جیتا ہو۔

فقال: خيرُ الناسِ من ينفعُ الناسَ فكن نافعًا لهم. (عن خالد بن الوليد، مجموع فتاوى ابن باز – الرقم: ٢٦/ ٣٣٠)

محبوبیت خداوندی کے حصول کا سب سے "شارٹ کٹ" اور مختصر راستہ "خدمت خلق" ہے۔

اس کی اتنی ترغیب دی گئی ہے کہ جو شخص دنیا میں کسی کے دکھ درد دور کرے۔ اللہ اس کے بدلہ قیامت میں اس کی مشکلات دور فرمائیں گے۔

اسی لیے اسلام نے ''بیت المال'' کا تصور دیا ہے تا کہ حالات گزیدہ لوگوں کی راحت رسانی کا کام بآسانی انجام پاتا رہے۔ اور کوئی کسی شخص واحد کا دست نگر بن کے نہ رہ جائے۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس ''رفاہی سسٹم'' میں جو توسیع فرمائی تھی اسے آج چودہ سو سال بعد اسلام کی سخت مخالف حکومتیں بھی نہ صرف رول ماڈل کے بطور دیکھ رہی ہیں بلکہ اسے غربت وافلاس کی موجودہ ناہمواریوں میں نجات دہندہ تصور کر رہی ہیں۔

انہی فضائل وترغیبات کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی ذوات قدسیہ مشکل ترین لمحات میں بھی اس عالی تصور کا خیال ملحوظ رکھا۔ خود بھوکے رہتے لیکن اوروں کا پیٹ بھرنا ان کی ترجیح ہوتی۔

اس وقت ہمارا ملک؛ بلکہ پورا عالم کورونا وائرس کی لپیٹ میں کراہ رہا ہے، لاک ڈاؤن کی وجہ سے غریب ومفلوک الحال لاچار وبے بس لوگ گھروں میں پھنس کے رہ گئے ہیں۔

الحمدللہ ملک کے علماء وملی تنظیمیں راحت رسانی میں اپنی بساط کی حد تک مصروف عمل ہیں، ہر فرد اپنے طور پر اس عمل خیر میں لگ جائے تو غریب ومحنت کش طبقہ فقر وافلاس کے باعث ہلاکتوں سے بچ سکتا ہے۔

لیکن خوب واضح رہے کہ کووڈ سینٹر بنانے کے لیے مساجد یا اس کے کسی حصے کا استعمال شریعت کے منشا اور مقصد مسجدیت کے خلاف ہے، مسجد عبادت (مثلاً نماز، تلاوت، ذکر وغیرہ) کے لیے وقف کی جاتی ہے۔

البحر الرائق میں ہے:

لِأَنَّ الْـمَسْـجِـدَ مَا بُنِيَ إِلَّا لَهَا مِنْ صَلَاةٍ وَاعْتِكَافٍ وَذِكْرٍ شَرْعِيٍّ وَتَعْلِيمِ عِلْمٍ وَتَعَلُّمِهِ وَقِرَاءَةِ قُرْآن. [البحر الرائق: ٢/ ٣٦، فصل استقبال القبلة بالفرج]

مسجد کے بنیادی مقاصد کے علاوہ کوئی بھی کام اس میں انجام دینا جائز نہیں:

وَيَدْخُلُ فِي هَذَا كُلُّ أَمْرٍ لَمْ يُبْنَ لَهُ الْمَسْجِدُ مِنَ الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ وَنَحْوِ ذَلِكَ...... .(لَمْ تُبْنَ لِهَذَا) ا ؟يُ: لِنِشْدَانِ الضَّالَّةِ وَنَحْوِهِ، بَلْ لِذِكْرِ اللَّهِ تَعَالَى وَتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَالْوَعْظِ. [مرقاة المفاتيح: ۲/ ۷۹۵، باب المساجد]

مریضوں کو اسپتال یا کورنٹائن سینٹر کے طور پر مختص عمارتوں میں رکھنے کے بجائے مسجد کو اسپتال کے قائم مقام قرار دے کر کورنٹائن سینٹر بنا کر مسجد بند کر دینا ناجائز ہے اور مسجد کی بے ادبی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے سخت گناہ کی بات ہے، مساجد کو عارضی ہسپتال یا کووڈ سینٹر بنانے میں بے شمار مفاسد ہیں، مثلاً: مساجد کو کووڈ سینٹر بنانے کی صورت میں اس میں بہت سے مریض پیشاب و پائخانہ بستر میں کرنے کی وجہ سے مساجد کو ملوث کریں گے اور بہت سے مریض تو مستقل ناپاکی کی حالت میں رہیں گے، جب کہ یہ مسجد کی حرمت کے خلاف اور ناجائز ہے، مساجد کو گندگیوں سے پاک و صاف رکھنا ضروری اور واجب ہے:

(وَ) كُرِهَ تَحْرِيمًا (الْوَطْءُ فَوْقَهُ، وَالْبَوْلُ وَالتَّغَوُّطُ) لِأَنَّهُ مَسْجِدٌ إلَى عَنَانِ السَّمَاءِ (وَاتِّخَاذُهُ طَرِيقًا بِغَيْرِ عُذْرٍ) وَصَرَّحَ فِي الْقُنْيَةِ بِفِسْقِهِ بِاعْتِيَادِهِ (وَإِدْخَالُ نَجَاسَةٍ فِيهِ) [در مختار مع الشامي: ۵/ ۵۷، فروع اشتمال الصلاة على الصماء]

اسی طرح مساجد میں معتکف اور مسافر کے علاوہ لوگوں کے لیے کھانا، پینا، سونا اور مستقل قیام کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا مساجد کو کووڈ سینٹر بنا کر علاج و معالجہ کے لیے مریضوں کو مستقل ٹھہرانا درست نہیں ہے:

وَلَا تَجُوزُ إعَارَةُ الْوَقْفِ وَالْإِسْكَانُ فيه كَذَا فى مُحِيطِ السَّرَخْسِيِّ. [الفتاوى الهندية: ۲/ ۴۲۰، الباب الخامس فى ولاية الوقف و تصرف القيم]

اسی طرح مساجد کو کووڈ سینٹر بنانے کی صورت میں لوگوں کا آنا جانا لگا رہیگا، جب کہ مسجدوں کو بلا وجہ گزرگاہ بنانا بھی جائز نہیں ہے، یہ بھی مسجد کے احترام کے خلاف ہے، شامی میں ہے:

قُلْتُ: وَبِهَذَا عُلِمَ أَيْضًا حُرْمَةُ إحْدَاثِ الْخَلَوَاتِ فِي الْمَسَاجِدِ كَالَّتِي فِي رِوَاقِ الْمَسْجِدِ الْأُمَوِيِّ، وَلَا سِيَّمَا مَا يَتَرَتَّبُ عَلَى ذَلِكَ مِنْ تَقْذِيرِ الْمَسْجِدِ بِسَبَبِ الطَّبْخِ وَالْغَسْلِ وَنَحْوِهِ.

محور چہارم: کرونا سے متأثر مریض کی تیمارداری

سوال۱: کرونا سے متأثر مریض کو الگ تھلگ کر دینا اور اس کی تیمارداری نہ کرنا کیسا ہے؟

سوال۲: کرونا سے متأثر مریض کے علاج کا خرچ اگر افراد خاندان برداشت نہ کر سکیں تو حکومت یا سماج کی کیا ذمہ داری ہوگی؟

جواب (۱-۲) کرونا سے متأثر مریض کو اپنے ذہن و دماغ میں یہ بات اچھی طرح پیوست کر لینی چاہئے کہ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی، اچھی بری چیز، اپنی ذات وصفات، حرکات و تغیرات کے لحاظ سے صرف اللہ تعالیٰ کے ارادہ، قدرت، مشیت اور علم سے وجود میں آئی ہے، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے، اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔

اگر کورونا کسی کو واقعی لاحق ہو جائے تو ایسے مریض کی ڈھارس بندھائی جائے، حوصلہ بڑھایا جائے، اسے مایوس نہیں دلائی جائے۔ مریض کو یہ کہا جائے کہ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے، بیماری گناہوں کی صفائی کے لیے ہوتی ہے۔ مریض اگر مرضِ وفات میں ہو تب بھی اسے خوش گوار زندگی

کی اُمید دلانے والی باتیں کرنے کا حکم ہے۔

کورونا وائرس سے متاثر مریض کو بے یار و مددگار چھوڑ دینا، اسے ذہنی ایذا پہنچانا اور تکلیف کو دوبالا کر دینا ہے، اس کی تیمارداری یا عیادت سے خود کو بیماری لگنے کا وہم رکھنا عقیدہ کی کمزوری اور فساد کی نشانی؛ بلکہ ایمان کے لیے خطرناک سوچ ہے، جو قابل مذمت اور مستحق وعید عمل ہے۔

اگر کرونا مریض کی بیماری میں تیمارداری اور خدمت کا کوئی انتظام نہ ہو تو اس کی خدمت میں لگنا، سماج، معاشرے اور حکومت کے اداروں کو اس کی دیکھ ریکھ کرنا، مالی معاونت کرنا واجب وضروری اور باعث اجر وثواب ہے۔

ہجرت مدینہ کے بعد وہاں کی آب وہوا میں وبائی مرض کے باعث بہت سے مہاجر صحابہ بیمار ہو گئے، حضرت عائشہ رضی فرماتی ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی اس وبائی مرض میں مبتلا ہو گئے تھے، تو میں ان کی عیادت کرنے گئی اور میں نے ان سے پوچھا کہ ابا جان! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ اور اے بلال! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ بہر حال دیگر صحابہ کرام بھی ان مریضوں کی تیمارداری اور خیال داری اپنے ہی گھروں میں کرتے رہے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا سے یہ وبا مدینہ منورہ سے منتقل کر کے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مدینہ منورہ کی آب وہوا کو پاک کر دیا:

یوں وبائی مرض کے انتشار وابتلاء کے زمانے میں متاثرین کی عیادت وتیمارداری تسلسل کے ساتھ جاری رکھنے کے عملی نمونے اس حدیث میں موجود ہیں۔

نادار ومفلس مریض کے علاج معالجے کے لیے دست تعاون بڑھانا، اور تبرعات، صدقات اور قرض حسنہ کے ذریعہ فراخدلانہ معاونت کرنا، افراد، اشخاص، حکومتوں، ان کے اداروں اور حکمرانوں کا حق واجبی ہے۔

محور پنجم: کرونا سے وفات ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

سوال ا: کرونا سے انتقال کرنے والوں کو غسل کس طرح دیا جائے؟ اگر غسل دینے کی اجازت نہ ہو یا غسل ممکن نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ کیا بلا غسل دفن کرنا جائز ہوگا؟

جواب: پوری کائنات میں سب سے افضل واشرف مخلوق انسان ہے۔ خواہ زندہ ہو یا مردہ، مسلم ہو یا کافر بحیثیت انسان اس کی تکریم واحترام کو اسلام میں واجب قرار دیا گیا ہے، اس کی یا اس کے کسی عضو جسمانی کی توہین وتنقیص اسلام میں جائز نہیں ہے۔

اسی لیے اس کے کسی بھی جزء سے انتفاع واستفادہ کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

ہر اس عمل سے اسلام نے روکا ہے جو انسان کی اشرفیت وافضلیت کے منافی ہو۔ اگر اسلام انسان کی تکریم واحترام کی اتنی موکد تعلیم نہیں دیتا تو انسان قابل تکریم اور اشرف الخلوقات کی بجائے متاع بازار بن کے رہ جاتا اور لوگ اس کے گوشت پوست سے سر بازار بھوک مٹاتے نظر آتے!

جس طرح حین حیات انسان واجب التکریم ہے اسی طرح موت کے بعد بھی اس کے جسم کے ساتھ یہی عزت وتکریم واجب رکھی گئی ہے، پھر بندہ مومن کا اکرام واحترام بوجہ ایمان دوچند ہو جاتا ہے۔

جس طرح بندہ مومن کے لیے حین حیات حقوق ہیں اسی طرح اسلام نے بعد موت بھی اس کے لیے حقوق واجب وثابت کیے ہیں، موت واقع ہوتے ہی بندہ، احکام خداوندی کی تعمیل وامتثال کا اہل اگرچہ نہیں بچتا؛ یعنی وہ مکلّف اور احکام شرائع کا اہل نہیں رہتا؛ تاہم زندہ لوگوں پر اس

میت کے تئیں کچھ حقوق واجب کئے گئے ہیں، ان میں سے میت کی تغسیل، تکفین اور تدفین بھی ہے۔

زندہ لوگوں پر میت کی تغسیل، تکفین اور تدفین فرض کفایہ ہے، تاکہ مردہ مکمل طہارت، نظافت اور ستر کامل کے ساتھ اپنے رب کے حضور جائے، تجہیز و تکفین کی فرضیت میں وہی نوع انسان کی عزت و تکریم واحترام آدمیت کا مقصد کارفرما ہے جس کی رعایت اسلام کے ہر ہر تشریع میں کی گئی ہے۔

بینما رجُلٌ واقِفٌ بعَرَفَةَ، إذْ وقعَ عن راحِلَتِهِ، فوَقَصَتْهُ – أوْ قالَ: فأَوْقَصَتْهُ – قالَ النبيُّ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ: اغْسِلُوهُ بماءٍ وسِدْرٍ، و كَفِّنُوهُ فى ثَوْبَيْنِ، ولَا تُحَنِّطُوهُ، ولَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ، فإنَّه يُبْعَثُ يومَ القِيامَةِ مُلَبِّيًا. صحيح البخارى: ۱۲۶۵ ومسلم: ۱۲۰۶)

شریعت اسلامیہ میں معتدل احوال میں میت کو غسل، کفن، دفن کرنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، موت خواہ طبعی واقع ہوئی ہو یا کسی وباء کے باعث، تجہیز و تکفین کے احکام وآداب سارے احوال میں یکساں ہیں۔

اگر معتدل احوال میں میت کو، غسل وکفن دیے بغیر دفن کر دیا گیا تو جن مسلمانوں کو معلوم تھا اور انہوں نے میت کو غسل وکفن نہیں دیا وہ سب گناہ گار ہوں گے۔

اگر کوئی قانونی یا طبی رکاوٹ و بندش نہ ہو تو طبی ہدایات کی رعایت اور احتیاطی تدابیر واسباب حفاظت کے لحاظ کے ساتھ کرونا سے فوت شدہ شخص کا بھی غسل مسنون طریقے کے مطابق انجام دیا جانا ضروری ہے، میت کا غسل عام حالات میں فرض کفایہ یعنی واجب ہے لیکن اگر ڈاکٹر کورونا میں مرنے والے کو غسل دینے سے کورونا وائرس کے پھیلنے کا شدید خطرہ ظاہر کر رہے ہوں اور غسل دینے کی اجازت بالکل نہ ملے، تو میت کو پیک کرنے سے پہلے تیمّم کرا دیا جائے، مجبوری میں یہ تیمّم، غسل کے بدل ہو جائے گا۔ اور اگر ہسپتال کا عملہ تیمّم کا طریقہ سیکھ کر خود تیمّم کرا دے تو یہ بھی کافی ہوگا۔

اور اگر کسی جگہ تیمّم کی بھی صورت نہ بن سکے اور ہسپتال کی طرف سے میت کو مکمل پیک اور سیل کر دیا گیا ہو اور اُسے کھولنے کی قطعاً اجازت نہ ہو اور بہ صورت دیگر مختلف ناقابل برداشت مسائل و پریشانیوں کا اندیشہ ہو تو یہ مجبوری کی صورت ہوئی، اب ایسی مجبوری میں غسل اور تیمّم کا حکم واجب شرعاً ساقط ہو جائے گا اور اسی حالت میں مرحوم کی نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کر دی جائے گی۔

اسپتال یا انتظامیہ کی طرف سے فراہم کردہ پیکنگ پہ ہاتھ پھیرنے یا اس کے اوپر سے تیمّم کرانے کی قطعی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ شریعت میں غسل یا تیمّم کا حکم براہ راست بدن سے متعلق ہوتا ہے، کسی پیک کردہ چیز سے نہیں۔ اور پانی بہانے یا مسح کرنے کو مسح علی الجبیرہ پر قیاس کرنا بھی اس لیے غلط ہے کہ جبیرہ یا جبیرہ جیسی چیز پر مسح اس وقت جائز ہوتا ہے؛ جب وہ عضو پر بندھی ہوئی ہو، یعنی: جسم سے اچھی طرح چپکی ہوئی ہو:

(ولو على جبيرة): ويجب شدها إن لم تكن مشدودة، ط (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، ۱: ۷۳۱، ط: مكتبة الاتحاد، ديوبند)

اور باڈی بیگ (Body Bag)، جسم سے منفصل ہوتا ہے؛ لہٰذا باڈی بیگ، ڈبل باڈی بیگ (Double Body Bag) یا کافین (Coffin) یعنی: تابوت وغیرہ پر بھیگا ہاتھ یا بھیگا کپڑا پھیر کر مسح کرنے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ عذر و مجبوری کی وجہ سے طہارت کا حکم سرے سے ساقط ہو جائے گا اور اسی حالت میں نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کر دی جائے گی۔ دار العلوم دیوبند کے دار الافتاء سے اس بابت تفصیلی فتوی مرقومہ: Fatwa:748-113T/N=9/1441 جاری ہو چکا ہے۔

عذر و مجبوری کے وقت وضوء و تیمّم کے وجوب کے سقوط اور اس کے بغیر ہی صحت نماز کا حکم ان جزئیات فقہیہ سے مستفاد ہے:

☆ بخلاف المريض إذا لم يستطع غسل الأعضاء ولا التيمم فإن الأعضاء يجعل كالذاهبة أصلاً للعذر فلهذا يصلى بغير

طهارة كذا فى الإيضاح. (الضياء المعنوی، ص: ۲۸۱، ب، مخطوطة)

☆ (ولو قطعت يداه ورجلاه من المرفق والكعب وبوجهه جراحة صلى بغير طهارة ولا تيمم ولا يعيد، هو الأصح)، وقد مر فى التيمم (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، باب التيمم، ۴۲۳-۱، ط: مكتبة زكريا ديوبند)

☆ قال محمد بن الفضل: إن مقطوع اليدين والرجلين إذا كان بوجهه جراحة يصلى بغير طهارة وهذا صحيح (الضياء المعنوى على مقدمة الغزنوى، ص: ۱۸۷،ب، مخطوطة، وص:۱۴۱، ب، مخطوطة أخرى)

سوال۲: اگر کورونا کے میت کو اسپتال کی طرف سے مخصوص کور (cover) میں لپیٹ کر دیا جائے اور اسے کھولنے اور ہٹانے کی اجازت نہ ہو تو کیا وہ کور (cover) کفن کے حکم میں ہوگا؟ یا اس کے اوپر کفن لپیٹ کر دفن کیا جائے گا؟

جواب: اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ غسل کا مقصد مردے کی طہارت ونظافت اور کفن کا مقصد مردے کا ستر ہے، عام حالات میں مردے کو کفن پہنانا فرض کفایہ ہے، کرونا سے وفات یافتہ شخص کو کفنانے کا مسئلہ بھی طبی وانتظامی عملہ کی ہدایات پہ منحصر ہوگا، اگر حکومت الگ سے کفن پہنانے کی اجازت دیتی ہو اور اس سے کفن پہنانے والے کو ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو کرونا سے وفات یافتہ شخص کو بھی باضابطہ کفن پہنایا جائے گا، اگر ڈاکٹر کسی کور میں لپیٹ کر لاش حوالہ کرتا ہے اور اس کو کھولنے سے منع کرتا ہے اور کھولنے میں ناقابل تحمل ضرر کا اندیشہ ہو تو یہ عذر ہے، اور اس عذر کے باعث وجوب تکفین ساقط ہو جائے گا؛ بلکہ اسی کور کو کفن تصور کیا جائے گا، کیوں کہ کفن کا مقصد ستر میت ہے، جس چیز سے بھی ستر حاصل ہو جائے گا وہ کفن ہی کے حکم میں ہوگا، کفن کی واجبی مقدار یہ ہے کہ میت کے پورے بدن کو کپڑا یا کسی بھی چیز سے ڈھک دیا جائے۔ ("حاشية ابن عابدين" (۳......۹۸)، "المغنى" (۳۸۶/۳)، "مواهب الجليل" (۲۶۶/۲)

شہید حقیقی کو ان کے خون آلود کپڑے میں ہی دفن کر دینے کا حکم ہے، شہدائے احد کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"زَمِّلُوهُمْ بِدِمَائِهِمْ." مسند أحمد ط. الرسالة، (۲۳۶۶۰) (۶۴/۳۹)

درمختار میں ہے:

ويصلى عليه بلا غسل ويدفن بدمه وثيابه ......الخ. (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب الشهيد زكريا. (۱۶۱/۳)

غزوۂ احد کے دن کپڑوں کی کمی تھی، حضرت مصعب بن عمیرؓ کی لاش پر صرف ایک چادر تھی کہ جس سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں برہنہ ہو جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتے، بالآخر چادر سے چہرہ چھپایا گیا، پاؤں پر اذخر کی گھاس ڈال کر پورے بدن کو چھپایا گیا تھا۔

(رواه البخارى (۴۰۴۷) ومسلم (۹۴۰).

مردے کا پورا بدن ڈھکنا واجب ہے، جس چیز سے بھی ستر حاصل ہو جائے وہی کفن تصور کیا جائے گا؛ لہٰذا اس کور کو اس کا کفن تصور کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ شریعت میں اس کی تحدید نہیں کی گئی ہے کہ کس قسم کے کپڑوں سے کفنایا جائے؟

حالات، ضرورت اور عذر کے وقت اذخر گھاس سے بھی کفن کا کام لیا گیا ہے، کرونا میت کے غسل وکفن کے بارے میں سخت حکومتی ہدایات وپابندیوں کے مدنظر اسپتال کی طرف سے فراہم کردہ مخصوص کور (cover) بھی کفن کے قائم مقام ہوگا، اب اس کور کے اوپر کفن لپیٹنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ہاں عام حالات میں کفن کے لیے سفید کپڑوں کا استعمال بہتر ضرور ہے:

سوال۳: اگر کرونا میت کی بغیر نماز جنازہ تدفین کے بعد گھر والوں کو اس کی اطلاع دی جائے تو ایسی صورت میں بعد تدفین قبر کے پاس نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: مسلمان میت کی نماز جنازہ ادا کرنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، اگر میت کو نمازِ جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا تو جن مسلمانوں کو معلوم تھا اور انہوں نے نماز جنازہ نہیں پڑھی وہ سب گناہگار ہوں گے۔

(الصَّلَاةُ عَلَيْهِ فَرْضُ كِفَايَةٍ) بِالْإِجْمَاعِ حَيْثُ يَسْقُطُ عَنْ الْآخَرِينَ بِأَدَاءِ الْبَعْضِ، وَإِلَّا يَأْثَمُ الْكُلُّ، وَقَدْ صَرَّحَ الْبَعْضُ بِكُفْرِ مَنْ أَنْكَرَ فَرْضِيَّتَهَا؛ لِأَنَّهُ أَنْكَرَ الْإِجْمَاعَ، وَقِيلَ: سُنَّةٌ." (مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر – مشكول – (٩٥/٢): فَصْلٌ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ)

"الصلاة علی الجنازة فرض كفاية إذا قام به البعض واحدًا كان أو جماعةً، ذكرًا كان أو أنثى، سقط عن الباقين، وإذا ترك الكل أثموا، هكذا فی التتارخانية." (الفتاوى الهندية – (٤/٤٥) (الفصل الخامس فی الصلاة على الميت)

اگر حکومتی اہلکار کرونا میت کو بلا غسل وکفن اور بلا نماز جنازہ کے دفن کر دیں اس کے بعد میت کے گھر والوں کو اطلاع کریں تو غسل وکفن تو ساقط ہوگیا، البتہ تدفین کے بعد جب تک نعش میں تغیر نہ ہونے کا اندازہ ہو، قبر کے پاس بھی نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، قبر کے پاس نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں فقہی کتابوں میں مسئلہ یوں درج ہے کہ اگر کسی میت کو نماز جنازہ کے بغیر دفن کر دیا گیا تو جب تک اس کی نعش کے پھٹ جانے کا اندیشہ نہ ہو اس وقت تک اس کی نماز اس کی قبر پر پڑھی جائے گی اس کے بعد نہیں، اور نعش پھٹنے کی مدت ہر جگہ کے تفاوت کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہے، اسی طرح موسم کے اعتبار سے بھی مختلف ہوسکتی ہے:

وإن دفن الخ، بغير صلاة الخ، صلى على قبره ما لم يغلب على الظن بفسخه من غير تقدير، هو الأصح (درمختار) وفی الشامی:لأنه يختلف باختلاف الأوقات حراً وبرداً والميت سمناً وهزالًا والأمكنة. (شامی زكريا ١٢٥/٣، بيروت ١١٧/٣، البحر الرائق ١٨٢/٢)

سوال۴: اگر میت کی تدفین کی اطلاع ملے اور قبر کی جگہ معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: حنفیہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں ہے؛ اگر کرونا میت کو انتظامیہ نے کہیں دفن کر دیا اور گھر والوں کو قبر کی جگہ کا پتہ نہیں ہے تو گھر والے اس کے لیے صرف دعائے مغفرت وایصال ثواب کریں گے، غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں، کیوں کہ نماز جنازہ کی صحت کے لیے میت کا موجود ہونا یا اکثر بدن کا موجود ہونا یا سر کے ساتھ نصف بدن کا نمازی کے سامنے موجود ہونا ضروری ہے:

شرط صحتها شرائط الصلاة المطلقة وإسلام الميت وطهارته ووضعه إمام المصلی، وبهذا القيد علم أنها لا تجوز على غائب. (حلبی، فصل فی صلاة الجنائز،الفصل الرابع فی الصلاة على الميت. (٣٨٥)

سوال۵: کیا کرونا سے انتقال کرنے والے مسلمان شہید کہلائیں گے؟

جواب: شہید کی دو قسمیں ہیں، حقیقی اور حکمی، حقیقی شہید وہ کہلاتا ہے جس پر شہید کے احکامات لاگو ہوتے ہوں کہ اس کو غسل وکفن نہیں دیا جائے گا اور جنازہ پڑھ کر انہی کپڑوں میں دفن کر دیا جائے جس میں شہید ہوا ہے مثلا اللہ کے راستہ میں شہید ہونے والا، یا کسی کے ہاتھ ناحق قتل ہونے والا بشرطیکہ کہ وہ بغیر علاج معالجہ اور وصیت وغیرہ کے موقع پر ہی دم توڑ جائے۔ اور حکمی شہید وہ کہلاتا ہے جس کے بارے میں احادیث میں شہادت کی بشارت وارد ہوئی ہو، ایسا شخص آخرت میں تو شہیدوں کی فہرست میں شمار کیا جائے گا البتہ دنیا میں اس پر عام میتوں والے احکام جاری ہوں گے

یعنی اس کوغسل دیا جائے گا اور کفن بھی پہنایا جائیگا۔ متفرق احادیث میں ایسے شہداء کی چالیس سے زیادہ قسمیں مذکور ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

ڈوب کرموت آئے یا کسی آسمانی آفت میں اس کی موت آجائے یا ہیضہ، طاعون یا دیگر ایسے اسباب سے اس کی موت واقع ہو یا مسافر کا سفر میں انتقال ہو جائے وغیرہ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شہداء پانچ ہیں: (۱) طاعون زدہ (۲) پیٹ کی بیماری (یعنی دست اور استسقاء) میں مرنے والا (۳) پانی میں ڈوب کر مر جانے والا (۴) دیوار یا چھت کے نیچے دب کر مر جانے والا (۵) اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا)۔

اس حدیث کے عموم سے واضح ہے کہ کسی بھی تکلیف دہ بیماری سے فوت شدہ شخص شہید اخروی ہے، خصوصیت کے ساتھ مبطون اور ذات الجنب کو شہید اخروی کہا گیا ہے، مبطون اور ذات الجنب کی تطبیق کرونا سے وفات یافتہ پر بھی ہوتی ہے۔

کرونا میں پھیپھڑے اور جگر متاثر ہوتے ہیں۔

ذات الجنب (نمونیا) میں بھی کھانسی، بخار اور نظام تنفس متاثر ہوتا ہے۔

مبطون پیٹ، جگر اور پھیپھڑے کے مریض کو کہتے ہیں، صرف مرض اسہال ہی مخصوص نہیں، پیٹ و جگر کے جملہ مرض کو مبطون شامل ہے۔

لہٰذا مبطون کے عموم میں شامل ہو کر کرونا میت شہید اخروی ہوگا:

محور ششم: کرونا ویکسین سے متعلق مسائل

سوال ا: الکوحل آمیز سینیٹائزر کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب: کھجور انگور اور منقی سے بنی الکوحل نجس اور حرام ہے، پھل یا دیگر مائعیات سے کشید کردہ الکحول نجس وحرام نہیں ہے۔ جراثیم کُش لیکویٹ سینیٹائزر جو، ان دنوں ہاتھ دھونے کے لیے زیادہ مستعمل ہے، ماہرین امراض جلد کی ہدایات کے مطابق ہینڈ سینیٹائزر کا استعمال جلد کے لیے کافی نقصان دہ ہے؛ لیکن چوں کہ الکوحل مخلوط ہونے کی وجہ سے کورونا وائرس کے لیے اس کی طلب زیادہ ہوگئی ہے، اس میں ملی ہوئی الکوحل کھجور اور انگور کے علاوہ سے کشید کی جاتی ہے۔

اس لیے اس کا خارجی استعمال نجس ہے نہ وہ ناقض وضو ہے۔ اگر اس میں مخلوط الکحل انگور اور کھجور کے علاوہ کسی اور اشیاء سے بنائی گئی ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں اس کا حکم سہولت پر مبنی ہے، اسی طرح دوائیوں اور کسی دوسری مباح اشیاء میں اس کا استعمال حرام نہیں ہے، جب تک کہ یہ نشے کی حد یا مقدار کے برابر نہ پہنچ جائے؛ کیوں کہ یہ دیگر مرکبات میں استعمال ہوتا ہے اور اس پر نجاست کا حکم نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق۔ آج الکحل کا بیشتر حصہ دوائیوں، عطروں اور دوسری چیزوں میں استعمال ہوتا ہے جو کہ انگور یا کھجور سے نہیں بنایا جاتا؛ بلکہ دانوں، چھلکوں یا پٹرول سے بنایا جاتا ہے یا ان جیسی دوسری چیزوں سے بنایا جاتا ہے۔

آج کل اس (معاملے) میں کشادگی پائی جاتی ہے امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق:۔ کیوں کہ اس میں عموم بلوی ہے یعنی اکثریت کا اس پر عمل ہے۔

تکملہ فتح الملہم / مفتی تقی عثمانی صاحب میں ہے:

و إن معظم الحكول التى تستعمل اليوم فى الأودية و العطور و غيرهما لاتتخذ من العنب أو التمر، إنما تتخذ من

الحبوب أو القشور أو البترول و غيره، كما ذكرنا فى باب بيوع الخمر من كتاب البيوع." (كتاب الأشربة، حكم الكحول المسكرة، ۳/۶۰۸، ط: مكتبة دار العلوم)

سوال۲: کرونا ویکسین لگوانے کا حکم کیا ہے؟ واجب یا مباح؟

جواب: انسانی جان کا تحفظ مقصد شرع ہے اور واجب ہے، بیماریوں سے بچاؤ کے لیے احتیاطی تدابیر کرنا اور علاج معالجہ کرانا واجب شرعی ہے:

"تَدَاوَوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ دَوَاءً، غَيْرَ دَاءٍ وَاحِدٍ الْهَرَمُ." [سنن أبی داود. الرقم: ۳۸۵۵]

آدم خور بے قابو جرثومہ کرونا کے مہلک اثرات سے تحفظ کے لیے آج کل مارکیٹ میں مختلف کمپنیوں کی ویکسینز دستیاب ہوگئی ہیں، ویکسینز کے اجزاء ترکیبی تجارتی پالیسی کے تحت مخفی رکھے جارہے ہیں، صرف اس قدر وضاحت کردی جارہی کہ ویکسین میں کوئی حرام اشیاء شامل نہیں ہیں، لیکن اس کے باوجود ان ویکسینز کے استعمال کے تئیں لوگوں میں کافی تردد پایا جاتا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ویکسین میں خنزیر کے گوشت کا جلیٹن استعمال ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کے استعمال کی شرعی حیثیت کے بارے میں بھی لوگ متردد ہیں اور یہ پوچھتے ہیں کہ ویکسین لگوانا واجب ہے یا مباح؟

تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ اس وقت طبی اداروں میں کئی طرح کی ویکسینز دست یاب ہیں، ویکسینز کی اجزاے ترکیبی اور لگوانے والے کی حالتوں کے اختلاف کے باعث اس بابت شرعی حکم بھی مختلف ہوگا جو ذیل میں درج ہے:

(الف) اگر ویکسین حرام و ناپاک چیز پر مشتمل نہ ہو (یقین یا گمان غالب ہو، وہم محض کا اعتبار نہیں) اور ماہر اطباء اس کی افادیت، و نافعیت کی، اور جسم انسانی کے لیے مضرت رساں نہ ہونے کی تصدیق کردیں تو ایسی ویکسین احتیاطی تدابیر کے تحت عام لوگوں کے لیے لگوانا جائز ہوگا، اور ڈاکٹر مریض کے لیے تشخیص کردیں تو واجب ہوگا۔

(ب) ویکسین میں حرام و ناجائز چیزوں کی آمیزش نہ ہونے کا یقین یا گمان غالب تو ہو؛ لیکن ماہر اطباء یا معتبر طبی تحقیق کے مطابق وہ جسم وصحت انسانی کے لیے ضرر رساں ثابت ہوتی ہو تو ایسی ویکسین لگوانا جائز نہ ہوگا۔

(ج) ویکسین کے اجزاے ترکیبی خنزیر وخمر وغیرہ کے گوشت کے جلیٹن پہ مشتمل ہوں؛ لیکن جیلیٹن کی ماہیت تبدیل ہوگئی ہو (واضح رہے کسی بھی ناپاک اور حرام چیز کی ماہیت تبدیل ہونے کے بعد (یعنی کسی چیز کے اپنی حقیقت و ماہیت چھوڑ کر دوسری حقیقت و ماہیت میں بدل جانے سے) ناپاک چیز پاک اور حرام چیز حلال بن جاتی ہے، لہٰذا تبدیلی ماہیت کے بعد حلت اور طہارت کے حکم میں نجس (جو چیز اپنے آپ نجس ہو) اور متنجس (جو چیز کوئی اور ناپاک چیز پڑنے کی وجہ سے ناپاک ہوگئی ہو) دونوں چیزیں برابر ہوجاتی ہیں۔ اور ماہر اطباء اس کی افادیت کی تصدیق کردیں تو پھر دیکھا جائے گا کہ مباح اجزاء پہ مشتمل والی کوئی متبادل ویکسین دستیاب ہے یا نہیں؟

حلال متبادل کی دستیابی کی صورت میں اس حرام آمیزش والی ویکسین کا استعمال جائز نہ ہوگا، لیکن حلال ویکسین کی عدم دستیابی کی صورت میں مجبوراً بطور دوا و علاج بقدر ضرورت حرام اجزاء ملی انجیکشن استعمال کی گنجائش ہوگی۔ اگر ماہر اطباء کہہ دیں جان کا تحفظ اس پہ منحصر ہے تو اب ویکسین لگوا کر جان بچانا واجب ہوجائے گا۔

(د) ویکسین حرام و نجس چیزوں پہ مشتمل ہو، اور ماہر اطباء اس کی افادیت کی تصدیق نہ کریں، صحت انسانی کے لیے مضر ہو، تو ایسی ویکسین کا استعمال جائز نہ ہوگا۔

محورِ ہفتم: کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے سے متعلق اسلامی ہدایات

سوال ۱: وباء کے دفعیہ کے لیے کیا اذان دی جاسکتی ہے؟

جواب: سنت، مستحب، لازم وضروری سمجھے بغیر، اور مخصوص یا اجتماعی ہیئت، یا تداعی کے التزام واہتمام کے بغیر مسجد کے سوا، انفرادی وشخصی مقامات پہ مصائب وبلایا کے دفعیہ کے لیے اذان دینے کی مشروط گنجائش ہے۔

کفایت المفتی میں ہے:

''سوال: دفعِ وباء کے لیے اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟ تنہا یا گروہ کے ساتھ مسجد میں یا گھر میں؟

جواب: دفعِ وباء کے لیے اذانیں دینا تنہا یا جمع ہوکر بطور علاج اور عمل کے مباح ہے، سنت یا مستحب نہیں''۔ (۳/ ۲۵، دارالاشاعت)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

''بلا کے دفعیہ کے لیے اذان کہنا ثابت بلکہ مستحب ہے، اور بخار کے دفعیہ کے لیے اذان کہنا ثابت نہیں ہے، شرعاً دفع بلا کے لیے اذان اس طرح کہی جائے کہ اذان نماز کا اشتباہ نہ ہو''۔ (۳/ ۸۹۲، دارالافتاء فاروقیہ)

جواز کی حدود وقیود کی عوامی رعایت وپاسداری نہ ہوسکنے کے باعث سدّ ذریعہ کے بطور ہمارے بعض اکابر نے دفع بلیات کے لیے اذان کی بالکل گنجائش نہیں دی ہے:

مفتی عزیز الرحمٰن نور اللہ مرقدہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''سوال (۳۹): زمانہ قحط اور وباء میں اور دیگر حوادثات میں اور دفن میت کے بعد اذان کہنا کیسا ہے؟

جواب: ان حوادثات میں اذان شارع علیہ السلام سے اور اقوال وافعال سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے بلکہ بدعت ہے۔''

(فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۲/ ۶۷، باب الاذان، عنوان: دفن اور قحط وباء اذان دینا ثابت ہے یا نہیں، ۱/ ۳۷، باب الاذان، سوال وجواب نمبر: 111، عنوان: خشک سالی اور طاعون کے موقع پر اذان دینا ثابت ہے یا نہیں، مکتبہ دارالاشاعت کراچی، پاکستان)

مفتی نظام الدین صاحب اعظمی سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''اذان طاعت وقربت ہے اس کا اجراء شارع علیہ السلام کی تجویز اور فقہاء کرام کی تخریج وبیان پر موقوف ہے اور اس موقعہ میں کسی بھی روایت یا فقہاء کی تخریج میں کہیں اذان ثابت نہیں اس لیے بدعت ہے۔'' (نظام الفتاوی: جلد اوّل حصہ دوم، ص 126، عنوان: دفع وباء کے لیے اذان دینا بدعت ہے، زکریا بکڈپو دیوبند)

الغرض کرونا کے دفعیہ کے لیے اذان کی ترغیب وتشہیر نہ کی جائے، تشہیر وتداعی کے بغیر شخصی مقامات میں سنت واستحباب کا عقیدہ رکھے بغیر محض تدبیر وعلاج کے طور پہ اتفاقاً کوئی اذان دیدے تو مضائقہ نہیں۔

شامی میں ہے:

"ولا بعد فيه عندنا ..." الخ (كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في المواضع التي يندب لها الأذان في غير الصلاة، (۱/ ۳۸۵) ط: سعيد)

سوال۲: دفع وبا کے لیے اجتماعی نماز اور اجتماعی دعا کا اہتمام کرنا کیسا ہے؟

جواب: سخت عمومی پریشانی، اور مصائب وبلایا کے انتشار وابتلائے عام کے حالات میں نماز، توبہ، استغفار، دعاء واذکار اور انابت الی اللہ کے ذریعہ خدا قادر مطلق سے نصرت طلب کرنا شرعاً مطلوب، محمود ومامور ہے۔ مصائب اللہ کی طرف سے آتے ہیں، جو درد دیتا ہے وہی درد کا درماں بھی ہوتا ہے، متعدد آیات مبارکہ میں اجتماعی پریشان کُن حالات میں توبہ، استغفار، دعاء واذکار اور انابت الی اللہ کی ترغیب آئی ہے:

"أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللهِ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ." [النمل:٦٢]

حسن بصری سے مروی ہے کہ امواج بلاء کا استقبال دعاء اور تضرع سے کرو:

ورُوی مُرسلًا عن الحسن البصری أن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم قال: "اسْتَقْبِلُوا أَمْوَاجَ الْبَلَاءِ بِالدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ." رواه أبو داود فی "مراسیله."

امام ابن بطال ''شرح صحیح البخاری'' (۳/۴۷)، ط. مکتبۃ الرشد) میں فرماتے ہیں کہ بلا وآفات کے وقت استغفار، ذکر، تضرع مخلصانہ دعاؤں، گناہوں سے توبہ کرنا مسنون ہے، اس کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ عذاب وبلائیں ٹالتے ہیں:

ذکر ودعاء، تضرع، الحاح وزاری کے صیغے قرآن کریم میں عموماً جمع کے ساتھ آئے ہیں، جس سے اس بات کی طرف لطیف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ انفرادی دعاؤں کے بالمقابل اجتماعی دعائیں قبولیت خداوندی کے زیادہ مستحق ہیں۔

حافظ عسقلانی باجماعت نماز کے ۲۴ گنا زیادہ اجر ملنے کی وجہ یہی بتاتے ہیں اُس میں اجتماعی ادعیہ واذکار کیے جاتے ہیں:

قال الحافظ ابن حجر العسقلانی فی "فتح الباری" (۱۳۳/۲) فی باب فضل صلاة الجماعة:]الرابع والعشرون: الانتفاع باجتماعهم علی الدعاء والذکر وعود برکة الکامل علی الناقص[اهـ.]

نصوص قرآنیہ میں دفع مصائب وبلایا کے لیے الحاح وتضرع کا حکم مطلق ہے، جو احوال واشخاص، زمان ومکان اور ہیئات وکیفیات کے عموم وشیوع کو بتاتا ہے، امر مطلق کو کسی ایک ہیئت کے ساتھ مخصوص کر دینا درست نہیں، لہٰذا اگر کسی امر منکر کو شامل اور مقصد شرع سے متصادم نہ ہو تو رفع بلاء کے لیے اجتماعی ذکر کی اصلاً گنجائش نکلتی ہے۔

لیکن کرونا جیسے متعدی وباء جس کے تعدیہ میں جسمانی قرب واتصال ہی وجہ بنتا ہے، جسمانی فاصلہ اختیار کرنے کی لازمی ہدایت کی جاتی ہے۔

قرب جسمانی کے باعث متعدی وباء کرونا کے دفعیہ کے لیے اجتماعی ذکر ودعاء شرعاً ممنوع ہوگا، لوگ اپنے گھروں میں انفرادی دعائیں کریں۔ متعدد احادیث میں طاعون کا ذکر آیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں طاعون بلاخیز رونما ہوا، سیکڑوں صحابہ اس کی زد میں آئے، تفقد احوال کے لیے حضرت عمر مدینہ سے شام کا سفر کیا، لوگوں کو آبادی سے پہاڑوں میں منتشر ہوجانے کا حکم فرمایا؛ لیکن دفع طاعون کے لیے اجتماعی ذکر ودعاء کا اہتمام بالکل نہیں کیا گیا؛ کیوں کہ متعدی وباؤں کے شیوع کے زمانے لوگوں کا اجتماع خود ایک بڑی مصیبت ثابت ہوتا ہے، ایسے میں دعاؤں کے لیے جمع ہونا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہوا، جب کہ انسانی جان کی حفاظت واجب وضروری ہے:

وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة: ١٩٥]، (خُذُوا حِذْرَكُمْ) [النساء: ٧١]

جذامی شخص سے شیر کی طرح دور بھاگنے کا نبوی فرمان موجود ہے:

"فِرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ." [أخرجه البخاری فی صحیحه]

جلب منفعت پہ دفع مضرت کا مقدم ہونا بھی شرعی وفقہی اصول ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی مشہور کتاب ''بذل الماعون'' میں متعدد نظائر پیش کیے ہیں جن میں تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ متعدی وباء طاعون کے زمانے میں دعاؤں کے لیے لوگوں کے اجتماع نے انسانی ہلاکت کی تعداد میں کس قدر حیرت انگیز اضافہ کردیا؟ لکھتے ہیں:

قال الحافظ ابن حجر العسقلانی فی "بذل الماعون فی فضل الطاعون" (ص: ۳۲۸، ط .دار العاصمة): [قرأت فی جزء "المنبجی"، بعد إنكاره على من جمع الناس فی موضع، فصاروا يدعون ويصرخون صراخًا عاليًا، وذلك فی سنة أربع وستين وسبع مائة، لما وقع الطاعون بدمشق، فذكر أن ذلك حدث سنة تسع وأربعين، وخرج الناس إلى الصحراء، ومعظم أكابر البلد، فدعوا واستغاثوا، فعظم الطاعون بعد ذلك وكثر، وكان قبل دعائهم أخف.]

ابن حجر ہیتمی اور غمز عیون البصائر کے مصنف ابوالعباس حنفی وغیرہم کا خیال یہ ہے کہ دفع بلاء کی دعاؤں کے لیے جمع ہونا بدعت ہے اور ممنوع ہے:

لو قيل: بتحريمه لكان ظاهراً؛ لأنه إحداث كيفية يظن الجهال أنها سنة، وكذا السيوطی منع ذلك (بذل الماعون فی فضل الطاعون (۲۱۹) فتاوی ابن حجر (۲۷/٤) ما رواه الواعون فی أخبار الطاعون للسيوطی (۱۶۷)

قال أبو العباس الحنفی فی غمز عيون البصائر: (وصرح ابن حجر بأن الاجتماع للدعاء برفعه بدعة إلخ أقول: ما قاله ابن حجر هو الحق الذی لا مرية فيه، فإن تعريف البدعة صادق عليه۔(غمز عيون البصائر (١٣٦/٤)

دفع بلاء کے لیے اجتماعی ذکر اصلاً مشروع ہے لیکن وبائی مرض کرونا میں اجتماع انسانی جان کے ضیاع کا سبب بنے گا؛ اس لیے اس خصوص میں اجتماعی دعاؤں کا اہتمام جائز نہیں۔

جہاں تک دفع بلاء کے لیے اجتماعی نماز کی بات ہے تو اس کی کوئی اصل شریعت میں موجود نہیں، طاعون عہد صحابہ میں بھی پیش آیا لیکن کہیں اجتماعی نماز کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ مسلمانوں پہ پریشان کن حالات آج نہیں، ہر دور میں آتے رہے ہیں۔

بئر معونہ میں اڑسٹھ قراء صحابہ شہید اور دو گرفتار ہوگئے، یوں کہ لیں: اصحاب رسول میں بالکل ''کریم'' اور ''ہیرا'' جماعت کو دغا بازی اور دجل وفریب کے ذریعہ اُچک کر ختم کردیا گیا، یہ انتہائی مشکل اور دل فگار اجتماعی حادثہ تھا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا؛ لیکن اتنے بڑے حادثہ سے دوچار ہوجانے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعی نمازوں کے ذریعے دعائیں کرنے کی تجویز نہیں دی؛ بلکہ دعائیں کرنے کی عملی ہدایت پیش فرمائی۔

عبادات میں اصل ''اتباع'' ہے۔ ''ابتداع'' نہیں!۔

اس لیے حالات کتنے بھی پُرخطر کیوں نہ ہوجائیں، جس چیز کی کوئی نظیر واصل عہد صحابہ میں دستیاب نہ ہو اس کے جواز کی کوئی گنجائش مستنبط کرنا بدعتی سعی، یعنی سعی نامحمود کہلائے گی۔ جن عبادتوں کی اجتماعی ہیئت کے ساتھ ادائی شرع سے ثابت ہے یا جس کی اجتماعی ہیئت کی کوئی نظیر ملتی ہو، وہاں ہیئت اجتماعیہ جائز ہوگی۔ جہاں ایسا کچھ نہ ہو وہاں اجتماعی ہیئت کے ساتھ عبادت کی ادائی دین متین میں نئی اختراع شمار ہوگی۔

مسلمان اگر کہیں سخت پریشان حال ہوں تو نماز، توبہ، استغفار، دعاء واذکار اور انابت الی اللہ کے ذریعہ خدا قادر مطلق سے نصرت طلب کریں۔

ہر کوئی اپنی بشاشت اور سہولت سے اپنے اپنے طور پر دفع مصائب کے لیے دعائیں کرسکتا ہے، تاہم اس کے لیے باضابطہ اجتماعی شکل بنانا اور پورے ملک میں اجتماعی نماز کے ذریعے دفع وبا کے لیے دعائیں کرنا نوایجاد چیز ہے، جس کی شرعاً گنجائش نہیں۔

کورونا سے پیدا ہونے والے اہم مسائل

مولانا عبید اللہ ندوی
استاد حدیث وادب دار العلوم ماٹلی والا، بھروچ، گجرات

الحمد لله رب العالمين، و الصلاة و السلام الأتمان على خير عباد الله أجمعين، و على آله وصحبه و من سار على هديهم إلى يوم الدين، وبعد!

تمہید: یہ موضوع انتہائی نازک اور حساس ہے، یہ عصری نوازل میں شمار کیا جاتا ہے، کیوں کہ کورونا وائرس (COVID-19) نے پوری دنیا میں کہرام برپا کردیا ہے، ہرطرف افراتفری، تباہی، خوف اور سناٹے کا ماحول ہے، یہ وائرس بلا استثناء پوری دنیا میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، لاکھوں لوگ لقمۂ اجل بن گئے، پوری دنیا میں لاک ڈاؤن ہوگیا، بازار، تفریح گاہیں، چڑیا گھر، شاپنگ مال، میوزیم، اسکول، تعلیمی ادارے سب بند ہیں، ٹرانسپورٹ، ہوائی پروازیں، ریلوے کا نظام، ہوٹلس، تھیٹرس اور سنیما گھر سب معطل ہو گئے، حتی کہ مندر، مسجد اور عبادت گاہیں بھی مقفل کردی گئیں، دنیا کا خوشنما منظر ویرانے میں تبدیل ہوگیا، ساری دنیا میں ایک ہُو کا عالم چھا گیا، شاید انسانی تاریخ میں ایسے واقعات بہت کم پیش آئے ہوں گے، حالانکہ فی زماننا ایسے کئی مہلک اور متعدی امراض کی دریافت ہوئی ہے جو اس سے پہلے نہیں پائے جاتے تھے، مثلاً ایڈز (Adis) ایبولا (Ebola)، سارس (Sars) اور انفلونزا (برڈ فلو) وغیرہ مگر وہ دنیا کے مخصوص علاقوں میں ہی محصور تھے لیکن اس بیماری نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور لاکھوں لوگ اس بیماری کا شکار ہوکر لقمۂ اجل بن گئے، خلاصہ یہ کہ اس نے پوری دنیا کو اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کیا ہے، دینی اور دنیوی ہر سطح کے اتنے مسائل پیدا کردئے کہ اس موضوع پر پورا ایک سمینار ہوسکتا ہے، یہاں ہم اس مقالہ میں اس سے متعلق چند اہم مسائل کے بارے میں تفصیل سے بحث کریں گے۔

وبا کیا ہے؟

وباء کی لغوی تعریف:

”الوباء: جمعه أوبئة، مثل متاع جمعه أمتعة، والوباء بالهمز، يُمدّويقصر، وقد جاء في المعاجم وكتب اللغةلمعان منها: أنه كل مرض عام، وقيل: هو الطاعون، وقيل؛الإيماء، فتؤمي لمن أمامك، بأن تشير إليه بيدك، و تقبل بأصابعك نحو راحتك تأمره بالإقبال إليك أو تؤبء لمن خلفك فتفتح أصابعك إلى ظهر يدك تأمره بالتأخر عنك۔“

(المحكم والمحيط الاعظم ۱۰/ ۵۶۶، المصباح المنیر ۲/ ۶۴۶، تاج العروس ۱/ ۴۷۸)

(وباء کی جمع اوبئۃ آتی ہے، جیسے متاع کی جمع امتعہ آتی ہے، وباء ہمزہ کے ساتھ ہوگا، اس میں مد اور قصر دونوں صورتیں جائز ہیں، معاجم اور لغت کی کتابوں میں یہ لفظ مختلف معانی کے لیے آیا ہے، مثلاً ہر وہ بیماری جو عام ہوجائے، ایک قول یہ ہے کہ: وباء طاعون کو کہتے ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ: وباء ایماء (Nodding Disease) کو کہتے ہیں، (یہ مرض عام طور سے پانچ سے پندرہ سال کے بچوں کو لگتا ہے) جس میں انسان سامنے

والے کو ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے اپنی انگلیوں کو آگے کی طرف جھکا تا ہے اور اپنے پاس آنے کا حکم دیتا ہے، یا پیچھے والے کو اشارہ کرتا ہے اور ہاتھ کی انگلیاں پشت کی طرف کھولتا ہے اور پیچھے ہٹنے کا حکم دیتا ہے، (عقلی اور جسمانی طور پر آدمی بالکل بے کار ہوجاتا ہے اور اہل خانہ کے رحم وکرم پر جی رہا ہوتا ہے ۱۹۶۰ء کے آس پاس پہلی بار یہ مرض تنزانیہ اور سوڈان کے علاقے میں ظاہر ہوا تھا)۔

وباء کی اصطلاحی تعریف

قدیم اطباء نے وباء کی متعدد تعریفات کی ہیں جن کی صرف عبارتیں الگ الگ ہیں لیکن معانی ومفہوم سب کے ایک ہیں، ان میں سے چند تعریفات ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

''ابن نفیس (ان کا نام علی بن حزم قرشی ہے، طب میں ان کی ''کتاب الشامل'' نامی کتاب ہے، فقہ، اصول فقہ اور منطق پر بھی ان کی تصنیفات ہیں، اپنے زمانے میں علم طب کے بڑے ماہر تھے ان کا کوئی ثانی نہیں تھا، ۶۸۷ھ میں وفات ہوئی ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: طبقات الشافعیۃ ۲/ ۱۸۶-۱۸۸، ابن قاضی شہبہ کی، نیز الاعلام للزرکلی ۴/ ۲۷۱)

فرماتے ہیں:

"الوباء فساد يعرض لجوهر الهواء لأسباب سماوية أو أرضية، كالماء الآسن والجيف الكثيرة۔"

(دیکھئے: حوالہ نمبر ۱) (ترجمہ: وبا اُس فساد کو کہتے ہیں جو آسمانی یا زمینی اسباب کے تحت ہوا کے جوہر کو لاحق ہوتا ہے، جیسے خراب اور گندا پانی، (جس کا رنگ، بو اور مزہ تبدیل ہوگیا ہو) اور بہت سے مردار۔)

حکیم داود انطا کی (پورا نام داود بن عمر ہے، اپنے زمانہ کے رئیس الاطباء تھے، انطا کیہ میں پیدا ہوئے پھر قاہرہ ہجرت کر گئے، اور وہاں سے مکہ مکرمہ کوچ کر گئے، ''تذکرۃ اولی الالباب'' اور ''الفیۃ فی الطب'' ان کی تصانیف ہیں، دیکھئے: الاعلام للزرکلی ۲/ ۳۳۳ معجم المؤلفین ۴/ ۱۴۰) کہتے ہیں:

"الوباء حقيقة تغير الهواء بالعوارض العلوية، كاجتماع كواكب ذات أشعة، والسفلية كالملاحم، وانفتاح القبور، وصعود الأبخرة الفاسدة، وله علامات: منها الحمى، والجدرى، والنزلات والحكة، والأورام وغير ذاك۔"

(ذخیرۃ العقبی فی شرح المجتبی ۲۶/ ۲۶۲)

(وباء ایک ایسی حقیقت ہے جو-علوی (آسمانی) عوارض جیسے شعاع دار ستاروں کا اجتماع، یا سفلی عوارض جیسے ملاحم، قبروں کا کھلنا، اور فاسد بخارات کا اوپر چڑھنا- ہوا کو تبدیل کردیتی ہے، اور اس کی کچھ علامات ہوتی ہیں: جیسے بخار چیچک، نزلہ، کھجلی اور ورم وغیرہ۔)

ابن سینا (حسین بن عبد اللہ بن سینا بلخی، فلسفی اور طبیب تھے، طب، فلسفہ اور منطق میں کتابیں تصنیف کی ہیں، ''القانون'' اور ''الشفاء'' ان کی مشہور کتابیں ہیں، تفصیل کے لیے دیکھئے: الکامل فی التاریخ ۷/ ۸۳، عیون الأنباء فی طبقات الأطباء، ص: ۴۳۷-۴۳۹، وفیات الاعیان ۲/ ۱۵۷) کہتے ہیں:

"الوبائفساد جوهر الهواء الذى هو مادة الروح ومدده، ولذلك لايمكن حياة شئى من الحيوان بدون استنشاقه۔"

(مایفعلہ الاطباؤ والداعون بدفع شر الطاعون، ص: ۸۳)

(وباء ہوا کے جوہر کے اس فساد کو کہتے ہیں جو روح کا مادہ اور مدد ہے، اور اسی لیے جانداروں میں سے کسی بھی جاندار کی زندگی بغیر ہوا خوری کے ممکن نہیں ہے۔)

''موسوعہ طبیہ حدیثہ'' میں اس کی یہ تعریف نقل کی گئی ہے:

"کل مرض یصیب عددا کبیرا من الناس فی منطقة واحدة فی مدة قصیرة من الزمن، فإن أصاب المرض عددا عظیما من الناس فی منطقة جغرافیة شاسعة تسمی وباء عالمیا۔" (الموسوعة الطبیة الحدیثة ۱۳/۱۸۹٤)

(ہر وہ بیماری جو کسی ایک علاقہ میں، بہت کم مدت میں، بہت زیادہ لوگوں کو اپنا شکار بنالے، اور اگر بیماری دور دراز جغرافیائی علاقے میں بڑی تعداد میں لوگوں کو لگ جائے تو اسے عالمی وباء کہا جاتا ہے۔)

وبا اور طاعون میں فرق:

طاعون کی تعریف

"الطاعون بثر وورم مؤلم جدا یخرج مع لهب ویسود ما حوله أو یخضر أو یحمر حمرة بنفسجیة کدرة ویحصل معه خفقان القلب والقئی۔" (المنهاج شرح مسلم ۱/۱۰۵، فتح الباری ۱۰/۱۸۰)

(ایک تکلیف دہ چھالا اور نہایت خطرناک سوجن ہے، جس میں جلن ہوتی ہے اور آس پاس کی جگہ کالی یا نیلی یا سرخ گہرا جامنی ہوجاتی ہے، اور اس سے دل میں دھڑکن اور طبیعت میں مالش اور قئی ہوتی ہے۔)

بعضوں نے یہ تعریف کی ہے کہ: طاعون وبا ہی ہے، یا وبا سے ہونے والی اموات ہے۔

(دیکھئے: القوانین الفقہیہ ص؛ ۲۹۵، القاموس المحیط ص: ۵۵، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ ۶/۲۱۵۸)

صاحب ''النہایۃ'' نے یہ تعریف کی ہے:

"الطاعون المرض العام الذی یفسد له الهوائو تفسد به الأمزجة والأبدان۔" (النہایہ فی غریب الحدیث والاثر ۳/۱۲۷)

(طاعون وہ عام بیماری ہے جس میں ہوا اور فضا خراب ہوجاتے ہیں اور مزاج و بدن بگڑ جاتے ہیں۔)

اس کے علاوہ اور بہت سی تعریفات کی گئی ہیں تفصیل کے ملاحظہ ہو ''فتح الباری'' ج: ۱۰ ص: ۱۸۰۔

سابقہ تعریفات میں غور کرنے سے علمائے دو نقطۂ نظر سمجھ میں آتے ہیں:

۱- طاعون اور وبا دونوں مرادف ہیں، ابن سینا کا ظاہری قول یہی ہے، نیز طاعون وبا کے زمانہ میں، وبازدہ علاقوں میں کثرت سے پھیلتا ہے، اور یہیں سے طاعون کا اطلاق وبا پر اور وبا کا اطلاق طاعون پر کیا گیا ہے۔ (دیکھئے: الفتاوی الفقہیۃ الکبری ۴/۱۲)۔

۲- دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ دونوں متغایر ہیں، دونوں کے درمیان عموم خصوص کی نسبت ہے، وبا عام ہے طاعون خاص ہے، ہر طاعون وبا ہے لیکن ہر وبا طاعون نہیں ہے اور یہی محققین فقہاء محدثین کی رائے ہے، لیکن اس تغایر کے باوجود ایک کا اطلاق دوسرے پر مجازا کیا جاتا ہے۔ (دیکھئے: فتح الباری ۱۰/۱۸۰)

شریعت میں وبا کے بارے میں تصور:

اسلام ہمیں تمام شعبہائے حیات کی طرح مرض اور وبا میں بھی صحیح ہدایات دیتا ہے، اسلام اور مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ اور اصول یہ ہے، کہ تمام بیماریاں اور وبائیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہیں دنیا کے اندر جو کچھ بھی ہو رہا ہے اللہ کی منشا اور حکم سے ہو رہا ہے، اللہ کے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا ہے، اور بیماری سے شفا دینے والی ذات بھی اللہ کی ہی ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وإذامرضت فهو يشفين۔﴾ (شعراء: ٨٠)

(اور جب میں بیمار ہوجاتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے)

نیز دنیا میں جتنی وبائیں، بلائیں اور آفتیں آتی ہیں وہ ہمارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

چنانچہ حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں: جب دنیا میں زناکاری، بدکاری، بے حیائی، فحاشی اور حرام کاری عام ہوجاتی ہے اور انسان اپنے حدود کو پار کرکے "انا ربكم الاعلى" کا نعرہ لگانے لگتا ہے، نافرمانی عام ہوجاتی ہے چھوٹوں پر ظلم، بڑوں کی بے حرمتی ہونے لگتی ہے، والدین کے ساتھ کھلے عام بدسلوکی اور وحشیانہ برتاؤ کیا جانے لگتا ہے تو اللہ کی غیرت جاگ جاتی ہے، اس کا غضب بھڑک اٹھتا ہے، اور لوگوں پر مختلف طریقوں سے مصیبت، آفت اور عذاب کا نزول ہونے لگتا ہے۔

دنیا کے اندر مرض کی بہت سی نوعتیں اور مختلف قسمیں ہیں، لیکن کوئی بھی مرض مؤثر بالذات نہیں، بلکہ اصل مؤثر بالذات اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، وائرس سے بچنے کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے، شریعت نے اس کی ہدایت دی ہے، تاہم اس سے خوف ودہشت میں آنے کی ضرورت نہیں ہے، مسلمانوں کے پاس عقیدے کی مضبوط طاقت ہے، جس کے ذریعہ وہ اپنے پاس آنے والے خوف کو ختم کرسکتے ہیں، مسلمان کا عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ موت کا ایک وقت متعین ہے اس سے پہلے کسی کی موت نہیں ہوسکتی اور اگر موت کا وقت آجائے تو کوئی اسے ٹال نہیں سکتا ہے:

﴿إن أجل الله إذا جاء لا يؤخر۔﴾ (نوح: ٤)

(اور جو وعدہ کیا ہے اللہ نے جب آپہنچے گا اس کو ڈھیل نہ ہوگی۔)

ایک مسلمان کا یہ بھی عقیدہ ہونا چاہئے کہ اگر اللہ کسی کو نقصان پہونچانا چاہے تو پوری دنیا مل کر اسے فائدہ نہیں پہونچا سکتی، اور اگر اللہ کسی کو نفع پہونچانا چاہے تو پوری دنیا مل کر اسے نقصان نہیں پہونچا سکتی۔

آپ ﷺ نے یہ دعا سکھائی ہے:

اللهم لا مانع لما أعطيت و لا معطى لمامنعت و لا ينفع ذالجد منك الجد۔" (بخاری: ٨٤٤)

ایک مسلمان کا یہ بھی عقیدہ ہونا چاہئے کہ بیماری دینے والی ذات اللہ کی ہے اور شفا دینے والی ذات بھی وہی ہے، حدیث میں ہے کہ بیماری اور شفاء کے درمیان ایک پردہ حائل ہوتا ہے "جب اللہ کا حکم شفاء کا ہوتا ہے تو وہ پردہ زائل ہوجاتا ہے اور دوا کارگر ہوتی ہے اور مریض شفاء یاب ہوجاتا ہے۔" (مرقاۃ کتاب الطب والرقی ۷/ ۴۱۲۸)

وباء سے تحفظ کے لیے شرعی رہنمائی اور اسلامی ہدایات:

یہ بات ہم سب کو معلوم ہے کہ شریعت اسلامیہ اور اس کے احکام مختلف صفات میں ممتاز ہیں، ان میں سے "رفع حرج"، "دفع مشقت"، "قلت تکالیف" اور "تیسیر" ہے، اگر ایسے حالات پیش آجائیں کہ عمل دشوار ہوجائے اور معاملہ ضرورت کے درجہ تک پہونچ جائے تو اللہ نے شریعت میں ایسی رخصتیں رکھی ہیں جو مکلفین کے لیے حرام کو مباح اور وجوب کو ساقط کردیتے ہیں اور یہ اللہ کا اپنے بندوں پر کرم، احسان اور رحمت ہے، چنانچہ فقہ اسلامی میں ایسے اہم قواعد فقہیہ موجود ہیں جو نازک حالات میں فیصلہ کن ثابت ہوتے ہیں، جیسے: الحرج مدفوع"، "المشقة تجلب التيسير"، "إذا ضاق الأمر اتسع" "الأخذ بالرخص أولى من العزيمة"، "لا ضرر و لا ضرار"، "التصرف على الرعية منوط بالمصلحة"، "للإمام تقييد المباح فى حدود اختصاصه مراعاة للمصلحة العامة" وغیرہ۔

اسی لیے انسانی صحت اور جان کی حفاظت ایک ضرورت ہے اور مسلمانوں پر اپنی جان کی حفاظت حتی الامکان واجب ہے، چنانچہ شریعت

نے جان کی حفاظت اور اسے ہلاکت سے بچانا واجب قرار دیا ہے اور بیماری لاحق ہونے سے قبل اس کے اسباب سے بچنا اور لگ جانے کے بعد دوا علاج کرنا ہر فرد کا حق مانا گیا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

"یا عباد الله!تداووا، فإن الله تعالیٰ لم یضع داء إلا وضع له دوائإلا داء واحدا، الهرم۔"

(بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی اور بیہقی تمام کتب احادیث میں یہ روایت متقارب الفاظ کے ساتھ موجود ہے)

(اے اللہ کے بندو! علاج کیا کرو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی بیماری پیدا کی ہے اس کا علاج بھی رکھا ہے، سوائے ایک بیماری کے، اور وہ بڑھاپا ہے۔)

نیز اسی طرح مجاز حکام کا حق ہے کہ وہ لوگوں پر علاج لازم کر دیں، نیز خصوصی طبی مداخلت اور ابتدائی طبی امداد بہم پہونچانا بھی ان کا حق ہے، اور مصلحت کا تقاضا ہو تو حکومتیں انفرادی آزادی پر پابندیاں بھی عائد کر سکتی ہیں، مثال کے طور پر شہروں میں دخول وخروج پر پابندی، ادھر ادھر گھومنے، مخصوص علاقوں اور محلوں پر پابندی، سفر، کاغذی نوٹوں اور سکوں کے لین دین کی ممانعت، کام کاج، آفیسز، تعلیم گاہیں، مارکیٹ، شاپنگ مول اور ذرائع آمد ورفت بند کرنے کا حکم بھی دے سکتی ہیں، نیز اسی طرح سماجی دوری (Social Distance) کا حکم نافذ کر سکتی ہیں، اور حکومت کی ان تمام گائیڈ لائنس پر عمل کرنا لازم ہے تاکہ وائرس سے بچا جا سکے اور اس کے پھیلاؤ کو روکا جا سکے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿أطیعوا الله وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم۔﴾

(اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے حکمرانوں کی)

نیز اس لیے کہ شریعت کا قاعدہ ہے:

"تصرفات الامام منوطة بالمصلحة۔"

(امام 'حکمراں' کے تصرفات رعایا کی مصلحتوں سے جڑے ہوتے ہیں۔)

وباء سے تحفظ کے لیے شرعی رہنمائی:

اسلام میں نظافت ایک عبادت اور قربت ہے، اور شریعت میں اس کے بے شمار دلائل موجود ہیں۔

"الطهور شطر الإیمان۔" (مسلم ۲۲۳)

(طہارت نصف ایمان ہے۔)

اسی لیے مسلمان پر واجب ہے کہ ذاتی نظافت وطہارت اور خصوصی احتیاط کی پابندی کرے مثلاً ہاتھوں کو پانی اور صابون سے اچھی طرح دھوئے، ماسک اور دستانے (Gloves) پہننے کا اہتمام کرے، سینا ٹائزر کا استعمال کرے، اور ادارہ صحت کی جانب سے دی گئی ہدایات پر عمل کرے اور یہ سب شرعاً واجب ہے۔

نیز حدیث شریف میں آیا ہے:

"إذا سمعتم بالطاعون بأرض فلا تدخلوها، وإذا وقع بأرض و أنتم بها فلا تخرجوا منها۔"

(صحیح بخاری رقم: ۵۷۲۸، مسلم، رقم: ۲۲۱۸)

(جب تم سنو کہ کسی علاقے میں طاعون پھیلا ہوا ہے تو وہاں مت جاؤ، اور اگر کسی علاقے میں طاعون پھیل گیا ہے اور تم وہیں ہو تو وہاں سے مت نکلو۔)

خلاصہ یہ کہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنا واجبات دینیہ میں سے ہے، اس سے کنارہ کشی اختیار کرنا صحیح نہیں ہے، نیز یہ توکل علی اللہ اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف بھی نہیں ہے، بلکہ تدابیر اختیار نہ کرنا دینی تعلیم سے دوری اور ان شرعی احکام سے منہ موڑنا ہے جن میں اسباب اختیار کرنے کا حکم اور ترغیب دی گئی ہے۔

بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر

مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی مرض بذات خود متعدی نہیں ہوتا، بلکہ سبب کے درجے میں اگر اللہ چاہے تو دوسرے انسان کو مرض لگ سکتا ہے ورنہ نہیں، اسباب کے درجہ میں احتیاط کرنا توکل اور منشائے شریعت کے خلاف نہیں ہے، لیکن کسی خاص مرض کے ہر حال میں دوسرے میں منتقل ہونے کا عقیدہ رکھنا جائز نہیں ہے۔

واضح رہے کہ ذات باری تعالی نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت کائنات عالم میں بہت سی چیزوں کو اسباب کے ساتھ جوڑا ہے، تاہم اس کے مؤثر ہونے کو اللہ رب العزت نے اپنے حکم کا پابند بنایا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو مختلف موقعوں پر امت کو اس حقیقت سے روشناس کرانے کے لیے ایسا عمل کیا جس سے یہ دونوں باتیں واضح ہوتی ہیں۔

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک مجذوم (جذام کی بیماری میں مبتلا شخص، جس کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ بیماری پھیلتی ہے) آیا تو آپ ﷺ نے اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیمار آدمی سے یقینی طور پر بیماری لگ جانے کا اعتقاد رکھنا درست نہیں ہے۔

دوسرے موقع پر ایک مجذوم آپ ﷺ سے بیعت ہونے کے لیے آئے تو آپ ﷺ نے اسے اپنے پاس آنے کی اجازت مرحمت نہیں فرمائی، ان سے ہاتھ ملائے بغیر ہی انھیں دور ہی سے پیغام بھجوادیا کہ ہم نے تمھیں بیعت کرلیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ احتیاط کے درجہ میں بیماری کے ظاہری اسباب سے بچنا جائز ہے۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

"لا عدوى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر۔" (بخاري: ۵۷۵۷)

(تعدیہ امراض (چھوت چھات) پرندہ، الو اور صفر کا مہینہ کچھ نہیں ہے۔)

نیز ان ہی سے مروی ہے:

"لا يورد ممرض على مصح۔" (بخاري: ۱۷۷۵، مسلم: ۲۲۲۱)

(بیمار اونٹوں کو صحت منداونٹوں میں نہ لے جایا جائے)

ایک دوسری حدیث میں ہے:

"فرّ من المجذوم فرارك من الأسدَ" (بخاري: ۵۷۰۷)

(جذامی سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔)

ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابیؓ نے کہا تھا: کہ خارش زدہ اونٹ صحیح سالم اور تندرست اونٹوں میں ہوتے ہیں تو میل جول اور اختلاط سے ان کو بھی خارش ہو جاتی ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

"فمن أعدى الأولَ؟" (بخاري: ۱۷۱/۰۱) (كتاب الطب)

(تو پہلے میں بیماری کہاں سے آئی؟)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"لا تديموا النظر إلى المجذومين۔" (سنن ابن ماجه: ٣٥٤٣)

(جذام زدہ مریضوں کو زیادہ دیر تک نہ دیکھا کرو۔)

یہی نہیں بلکہ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

"كلم المجذوم وبينك و بينه قدر رمح أو رمحين" لا تديموا النظر إلى المجذومين، فمن كلمه منكم فليكن بينهم و بينه قدر رمح۔" (المجموع، للنووى ١٢/٢٦٩ حديث ضعيف هے ليكن معنى و مفهوم صحيح هے)

(جذام زدہ مریضوں پر زیادہ دیر تک نظر نہ ڈالا کرو اور جب تم ان سے کلام کرو تو تمھارے اور ان کے درمیان ایک یا دو نیزے کا فاصلہ ہونا چاہئے۔) (مسند احمد:۵۸۱)

چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

''اہلِ مسلکِ ثانی نے یہ کہا کہ عدوی کی نفی سے مطلقاً نفی کرنا مقصود نہیں، کیوں کہ اس کا مشاہدہ ہے۔۔۔مگر اہلِ مسلکِ ثانی نے اس کو خلاف ظاہر سمجھ کر یہ کہا کہ مطلق عدوی کی نفی اس سے مقصود نہیں ہے، بلکہ اس عدوی کی نفی مقصود ہے جس کے قائل اہل جاہلیت تھے اور جس کے معتقدینِ سائنس اب بھی ہیں، یعنی بعض امراض میں خاصیت طبعی لازم ہے کہ ضرور متعدی ہوتے ہیں، تخلف کبھی ہوتا ہی نہیں، سو اس کی نفی فرمائی گئی ہے۔'' (امداد الفتاوی ۴/ ۲۸۷)

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ ظاہری سبب کے طور پر پھیلنے والی بیماری کی جگہ یا شخص سے بچنا جائز ہے، تاہم یہ عقیدہ رکھنا کہ ایسی جگہ میں جانے یا رہنے یا قرب سے بیماری کا لگنا یقینی ہے، صحیح نہیں ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

"لا يعدى شىء شيئا۔" (ترمذى ٤/ ٤٥٠، كتاب القدر)

(کوئی بیماری کسی میں تعدیہ نہیں کرتی ہے۔)

یعنی کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی ہے، بلکہ اللہ تعالی نے جس طرح پہلے میں بیماری ابتداءً پیدا کی ہے اسی طرح دوسرے میں ابتداءً پیدا کرتا ہے، رہی بات مجذوم سے بھاگنے کی تو یہ سداً للذ ریعہ ہے، تا کہ ایسا نہ ہو کہ کسی شخص کو بیماری ابتداءً اللہ کی تقدیر کی وجہ سے لگ جائے (نہ کہ عدوی منفیہ سے) تو وہ شخص یہ سمجھنے لگے کہ یہ مجذوم سے اختلاط اور میل جول کیوجہ سے ہوا ہے، اور اس کے نتیجہ میں وہ تعدیہ امراض (بیماری کے متعدی ہونے اور چھوت چھات) کا عقیدہ رکھنے لگے اور پھر نتیجتاً گناہ میں مبتلا ہو، چنانچہ اسی لیے مجذوم سے دور رہنے کا حکم دیا گیا تا کہ وہ اس اعتقاد میں مبتلا نہ ہو جو گناہ میں وقوع کا سبب بنتا ہے۔ اللہ اعلم۔

ماسک لگا کر نماز پڑھنا

ماسک لگا کر نماز پڑھنے میں مرد و عورت دونوں کے لیے کوئی حرج نہیں ہے نماز صحیح ہو جائے گی، یہ وہی ہے جسے عربی میں ''تلثُّم'' یا ''لِثام'' کہتے ہیں (یعنی نماز میں منہ اور ناک کو ڈھکنا) یا وباء اور وائرس کے انتشار سے بچنے کے لیے لوگ جس سے اپنا منہ اور ناک ڈھک لیتے ہیں جسے ہم ''ماسک'' یا ''Esopase'' کہتے ہیں۔

بعض علماء نے جو منہ اور ناک چھپا کر نماز پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے تو وہ ان مواقع کے لیے ہے جہاں ضرورت نہ ہو یا اس کے پہننے کا کوئی معتبر سبب موجود نہ ہو، نیز فقہائکی عبارات میں جو کراہت کا لفظ ہے وہ بھی جواز ہی کا ایک شعبہ ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں:

أنها كراهة تنزيهية لحديث أبی هريرةؓ أن رسول الله ﷺ نهی أن يغطی الرجل فاه فی الصلاة۔"

(ابوداود، رقم:۶۴۳، ابن ماجہ:۹۶۶، ۷۹۸)

(نماز میں منہ اور ناک ڈھکنا مکروہ تنزیہی ہے حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث کی وجہ سے، کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی آدمی نماز میں اپنا منہ ڈھانکے۔)

لہٰذا یہ صحت صلاۃ میں مانع نہیں ہے اور کراہت ضرورت کیوجہ سے ختم ہو جاتی ہے، اور جب جب بھی ایسی ضرورت پائی جائے گی جو منہ اور ناک ڈھکنے کا تقاضہ کرے تو کراہت ختم ہو جائے گی۔ (المجموع ۳/۱۷۹، دار الفکر بیروت)

حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں:

"أجمع الفقهاء على أن على المرأة أن تكشف وجهها فی الصلاة والإحرام، ولأن ستر الوجه يُخِلُّ بمباشرة المصلی بالجبهة والأنف ويغطی الفم، وقد نهی النبی ﷺ الرجل عنه، فإن كان لحاجة كحضور أجانب فلا كراهة، و كذلك الرجل تزول الكراهة فی حقه إذا احتاج إلى ذلك۔" (التمهيد ٦/٣٦٤)

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کی اس کرونا مہاماری میں اس کی ضرورت ہے۔

شرع شریف نے نماز میں منہ اور ناک ڈھکنے سے جو منع کیا گیا ہے وہ اس لیے کہ یہ خشوع، حسن اکمال قرأت اور کمال سجدہ میں مانع ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

"أن رسول الله ﷺ نهی عن السدل فی الصلاة، و أن يغطی الرجل فاه۔" (ابوداود، مسند بزار، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، بیہقی)

(آپ ﷺ نے نماز میں سدل سے منع فرمایا ہے، اور اس بات سے منع فرمایا ہے کہ آدمی نماز میں اپنا منہ ڈھکے۔)

عن عبد الله بن عمرؓ أن رسول الله ﷺ قال: لا يضعنَّ أحدكم ثوبه على أنفه فی الصلاة، إن ذلكم خطم للشيطان۔"

(طبرانی فی الاوسط ۹/۱۴۹، وفی الکبیر ۱۳/۵۴، ابن وھب فی "الاستذکار الجامع ۱/۳۹۶)و(الموطأ، وابوداود فی المراسیل:۸۲)

(حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی بھی ہرگز نماز میں اپنی ناک پر کپڑا نہ رکھے بے شک یہ (منہ نہ ڈھکنا) شیطان کے لیے نکیل ہے۔)

عن عبد الرحمن بن المحبر "أنه يرى سالم بن عبد الله، إذا رأى الإنسان يغطی فاه وهو يصلی، جبذ الثوب عن فيه جبذا شديدا حتى ينزعه عن فيه۔" (رواه مالك فی الموطا)

(حضرت عبد الرحمان بن محبرؒ سے روایت ہے کہ وہ حضرت سالم بن عبد اللہؒ کو دیکھتے تھے کہ وہ جب کسی انسان کو منہ ڈھک کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے تو کپڑا اس کے چہرہ سے تیزی سے کھینچتے تھے یہاں تک کہ چہرہ سے ہٹا دیتے تھے۔)

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

"و أن يغطی الرجل فاه" أی فمه فی الصلاة، كانت العرب يتلثمون بالعمائم، ويجعلون أطرافها تحت أعناقهم، فيغطون أفواههم كيلا يصيبهم الهواء المختلط من حر أو برد، فنهوا عنه، لأنه يمنع حسن إتمام القرأة وكمال السجود، اهـ۔ والكراهة الواردة فی هذه الآثار كراهة تنزيهية لا تمنع صحة الصلاة، و الفقهاء مختلفون فی علة النهی التی يدور معها وجودا و عدما، فقيل: لأنها عادة جاهلية، و قيل: لما فيها من التشبه بالمجوس، وقيل: لما فيها من معنى الكبر۔" (مرقاة المفاتيح ٢/٣٣٦)

معلوم ہونا چاہئے کہ نماز میں منہ ڈھکنے کی ممانعت علی الاطلاق نہیں ہے، چنانچہ فقہاء اس پر متفق ہیں کہ اگر نماز میں جمائی آجائے تو اللہ سے مناجات میں ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے، ضرر اور تکلیف سے بچنے کے لئے، نمازی کو اپنا منہ ڈھک لینا چاہئے، جب کہ بعض کی رائے یہ ہے کہ اصل کراہیت اس کے لیے ہے جس نے کوئی بدبودار چیز مثلا پیاز یا لہسن وغیرہ کھائی ہو پھر منہ بند کرلے اور اسی حال میں نماز پڑھے، امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"إن ترك تغطية الفم عند التثاؤب فی المحادثةمع الناس تعد من سوء الأدب، ففی مناجاة الرب أولی۔"

(المبسوط ۱/ ۳۹، ط، دار المعرفة)

(لوگوں سے بات چیت کرتے وقت اگر جمائی آجائے تو منہ نہ ڈھکنا بے ادبی ہے، تو اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے وقت بدرجہ اوّلی بے ادبی ہوگی۔)

علامہ شرنبلالی حنفیؒ فرماتے ہیں:

"فیکره التلثم و تغطیة الأنف و الفم فی الصلاة، لأنه یشبه فعل المجوس حال عبادتهم النیران۔"

(مراقی الفلاح، ص: ۱۲۸ ط: المکتبة العصریة)

(تلثم اور منہ اور ناک نماز میں ڈھکنا مکروہ ہے، اس لیے کہ یہ مجوسیوں کے فعل کے مشابہ ہے جو وہ اپنی آگ کی پوجا کے وقت کرتے ہیں۔)

امام ابن عبد البر مالکی فرماتے ہیں:

و أما تغطیة الفم و الأنف فی الصلاةفمکروه لمن أکل ثوما، وإنما أصل الکراهة فیه، لأنهم کانوا یتلثمو ن و یصلون علی تلك الحال، فنهوا عن ذلك۔" (الاستذکار ۱/ ۱۱۹، ط: دار الکتب العلمیه)

(جہاں تک نماز میں منہ اور ناک ڈھکنے کی بات ہے تو یہ اس کے لیے مکروہ ہے جس نے لہسن کھایا ہو، اور اصل میں کراہت اس میں اس لیے ہے کہ وہ لوگ اپنا منہ ڈھکتے تھے اور اسی حال میں نماز پڑھتے تھے اس لیے ان کو اس سے روکا گیا۔)

امام ابو الولید باجی مالکیؒ فرماتے ہیں:

"روی ابن القاسم عن مالك فی المجموعةلا یلتثم المصلی ولا یغطی فاه، ومعنی ذلك: أن الخشوع مشرو ع فی الصلاة، واللثام ینافی الخشوع، لأن معناه الکبر۔" (المنتقی شرح الموطا ۱/ ۳۳، ط: مطبعة السعادة)

(ابن قاسم "مجموعہ" میں امام مالکؒ سے روایت کرتے ہیں کہ نمازی نماز میں نہ اپنا منہ ڈھک سکتا ہے نہ ہی تلثم کرسکتا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں خشوع مشروع ہے اور لثام (منہ ڈھکنا) خشوع کے منافی ہے، نیز اس لیے کہ اس میں تکبر کے معنی پائے جاتے ہیں۔)

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"یکره أن یصلی الرجل متلثما، أی: مغطیا فاه بیده أوغیرها، ویکره أن یضع یده علی فمه فی الصلاة إلا إذا تثاء ب، فإن السنة وضع الید علی فیه، والمرأة والخنثی کالرجل فی هذا، وهذه کراهة تنزیهیةلا تمنع صحة الصلاة، والله أعلم۔"

(المجموع ۳/ ۱۷۹، ط: دار الفکر)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"و فی معنی وضع الید علی الفم وضع الثوب ونحو ه مما یحصل ذلك المقصود، وإنما تتعین الیدإذا لم یرتد التثاؤب بدونها، ولا فرق بین هذا الأمروبین المصلی وغیره، بل یتأکد فی حال ا لصلاة کما تقدم، ویستثنی ذلك من النهی عن وضع

المصلی یده علی فمه۔"   (فتح الباری ١٠/٦١٢، ط: دار المعرفة)

علامہ مناویؒ فرماتے ہیں:

وأن یغطی الرجل فاه" لأنه من فعل الجاهلیة، کانوا یتلثمون بالعمائم فیغطون أفواههم فنهوا عنه، لأنه ربما منع من إتمام القراءة أو إكمال السجود۔"   (فیض القدیر٦/٣١٥، ط: المکتبة التجاریة الکبری)

(اور یہ کہ آدمی نماز میں اپنا منہ ڈھکے' اس لیے کہ یہ جاہلیت کے عمل میں سے ہے، وہ لوگ اپنے عمامہ کو لپیٹتے تھے اور منہ بھی ڈھک لیتے تھے، اس لیے ان کو منع کیا گیا، کیوں کہ بسا اوقات یہ اتمام قراءت اور اکمال سجدہ میں رکاوٹ بنتا ہے۔)

نیز یہی بات علامہ عبداللہ المواق مالکی نے بھی لکھی ہے (دیکھئے، التاج والاکلیل ۲/۶۸۱، ط: دار الکتب العلمیۃ) اور علامہ حطاب مالکی نے بھی یہی لکھا ہے: (دیکھئے، مواھب الجلیل ۱/۳۰۵، ط: دار الفکر)

خلاصہ یہ کہ کورونا وائرس سے بچنے کے لیے ماسک پہننا ان اعذار میں سے ہے جن کے لیے فقہاء نے منہ اور ناک ڈھکنے کی اجازت دی ہے، اور یہ ان منہی عنہا امور میں سے نہیں ہے جس کی حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے، بلکہ یہ اشد رخصت اور تاکیدی مشروعیت اور عذر مبیح ہے کیوں کہ اس وائرس کا ضرر اور انتقال ثابت ہو چکا ہے اور عالمی ادارۂ صحت (HWO) کی رپوٹ ہے کہ کھانسی، چھینک، آپسی میل جول اور کورونا کے مریض کو چھونے کی وجہ سے یہ وائرس بڑی تیزی سے پھیلتا ہے، اور فقہاء نے جو منع کیا ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ بلا ضرورت ہو اور دوام واستمرار کے ساتھ ہو۔

کرونا سے متأثر افراد کا مسجد میں آنا:

اس مسئلہ میں فقہاء کی تین آرا ہیں:

نوٹ: (فقہاء کے اقوال کے مطابق اس مسئلہ کی تخریج جذام اور برص کے مریض کو مسجد سے دور رکھنے کے حکم پر کی گئی ہے، انھیں دونوں پر باقی امراض معدیہ کو قیاس کیا جائے گا، اور ان ہی امراض میں سے یہ کورونا بھی ہے)

الف: متعدی مرض میں مبتلا مریض کو جمعہ اور جماعت میں شرکت سے روکا جائے گا یہ قول جمہور فقہاء احناف، شوافع، حنابلہ اور ایک قول کے مطابق مالکیہ کا ہے۔ (دیکھئے: (۱) رد المحتار علی الدر المختار ۱/۶۶۱، ط: دار الفکر، بیروت، (۲) مغنی المحتاج ۱/۴۷۶، ن: دار الکتب العلمیۃ، اسنی المطالب ۱/۲۱۵، ن: دار الکتاب الاسلامی، البیان فی مذھب الامام الشافعی ۲/۳۷۰، ن: دار المنہاج، جدہ، (۳) مطالب اولی النھی فی شرح غایۃ المنتھی ۱/۶۹۹، ن: المکتب الاسلامی، غایۃ المنتھی فی جمع الاقناع والمنتھی ۱/۲۲۷، ن: مؤسسۃ غراس کویت (۴) الشرح الکبیر علی مختصر خلیل ۲/۳۳، ن: دار الفکر، منح الجلیل شرح مختصر خلیل ۱/۴۵۰، ن: دار الفکر بیروت)

ان حضرات نے درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے:

۱- متعدی مرض میں مبتلا شخص کے مسجد میں آنے سے مسلمانوں کو ایذا پہونچے گی اور ایذاء مسلم حرام ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بهتانا وإثما مبینا۔﴾ (احزاب: ۵۸)

(اور جو تہمت لگاتے ہیں مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو بدون گناہ کئے تو اٹھایا انھوں نے بوجھ جھوٹ کا، اور صریح گناہ کا۔)

۲- "عن أبی هریرةؓ عن النبی ﷺ قال: لا یورد ممرض علی مُصِحّ۔" (مسلم ٤/١٧٤٣)

(بیمار اونٹوں کو تندرست اونٹوں میں نہ لایا جائے۔)

۳- "وعنه قال: قال رسول اللهﷺ: فِرّ من المجذوم كما تفر من الأسد۔" (بخاری، باب الجذام، ۱۲٦/۷)
(جذامی سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔)

وجہ دلالت:

آپ ﷺ نے متعدی مرض میں مبتلا شخص سے میل جول رکھنے سے منع فرمایا ہے کہ کہیں اتفاق سے اللہ کی تقدیر سے اسے بھی یہ بیماری نہ لگ جائے، اور نماز کی ادائیگی کے لیے مریض کا جماعت میں شریک ہونا مظنہ اختلاط کا ہے۔

٤- عن عبادة بن الصامتؓ أن رسول اللهﷺ: قضى أن لا ضرر ولا ضرار۔" (سنن ابن ماجہ ۷۸٤/۲)
(نہ کسی کو نقصان پہونچاؤ نہ کسی سے نقصان اٹھاؤ۔)

وجہ دلالت:

شریعت میں ضرر کی نفی پر یہ حدیث اصل ہے، اور ضرر میں سے وباء کا پھیلنا بھی ہے، اور اسے روکنے کا طریقہ اختلاط سے ممانعت ہے۔

٥- "عن ابن عمرؓ أن النبی ﷺ قال فی غزوة خيبر: من أكل من هذه البقلة، الثوم-وقال مرة: من أكل البصل والثوم والكراث فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه بنو آدم۔" (مسلم ۳۹۵/۱، باب نهى من أكل ثوما أو بصلا أو كراثا أو نحوها)
(حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے غزوہ خیبر کے موقع پر فرمایا تھا: جوان سبزیوں میں سے کوئی چیز یعنی لہسن وغیرہ کھالے، اور ایک بار یہ فرمایا تھا کہ جس نے پیاز، لہسن اور مولی کھائی ہو اس کو چاہئے کہ ہماری مسجد نہ آئے، اس لیے کہ فرشتوں کو بھی انھیں چیزوں سے تکلیف ہوتی ہے جن سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے،،۔

وجہ دلالت:

آپ ﷺ نے لہسن، پیاز اور کوئی بدبودار چیز کھا کر مسجد آنے سے منع فرمایا ہے، کیوں کہ اس سے ددوسروں کو تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح متعدی مرض میں مبتلا شخص کے مسجد آنے سے بھی دوسروں کو تکلیف پہونچتی ہے۔

٦- (حضرت عمرؓ کا گزر ایک جذامی عورت کے پاس سے ہوا وہ طواف کر رہی تھی تو آپؓ فرمایا: اے اللہ کی بندی لوگوں کو تکلیف نہ پہونچاؤ، کیا اچھا ہوتا کہ تم اپنے گھر میں بیٹھی رہتیں، چنانچہ وہ اپنے گھر میں بیٹھ گئیں، پھر اس واقعہ کے کئی سال بعد ایک آدمی کا اس خاتون کے پاس سے گزر ہوا تو اس نے ان خاتون سے کہا: جس نے آپ کو منع کیا تھا وہ فوت ہوگئے، (اب گھر سے نکلنے میں کیا حرج ہے) اب نکلئے، اس خاتون نے جواب دیا: میں ایسی عورت نہیں ہوں کہ زندگی میں ان کی اطاعت کروں اور وفات کے بعد نافرمانی کروں، (میں نہیں نکلوں گی)۔

وجہ دلالت:

حضرت عمرؓ کا یہ اثر مجذومین اور لوگوں میں اختلاط کے درمیان حیولہ پر دلالت کرتا ہے، اس لیے کہ اس میں لوگوں کو ضرر، اور ایذا رسانی پائی جاتی ہے، (دیکھئے: البیان والتحصیل والشرح والتوجیہ، لابن رشد القرطبی ۳۹۱/۹، ن: دار الغرب الاسلامی، بیروت) اور اسی معنی میں کرونا کے مریض کا دوسروں سے مختلف وسائل کے ساتھ، اختلاط کی ممانعت ہے، نیز اسی میں مسجد، جمعہ اور جماعت میں حاضری کی ممانعت بھی داخل ہے۔

۷- نیز فقہ کا قاعدہ ہے: ''درء المفاسد أولى من جلب المصالح۔'' (مفاسد کو دور کرنا مصالح (منافع) کے حصول سے زیادہ اولٰی بہتر ہے۔)
امام قرافیؒ فرماتے ہیں: جب واجب اور حرام میں تعارض ہو جائے تو حرام کو مقدم رکھا جائے ہوگا، اس لیے کہ تحریم کا مدار مفاسد پر ہے اور

وجوب کا مدار مصالح پر، اور صاحب شریعت اور عقلاء کے نزدیک تحصیل منافع سے زیادہ ضروری مفاسد کو دور کرنا ہے۔
(الفروق، للقرافی ۲/ ۱۸۸، ن: عالم الکتب)

شرع شریف میں اصل بندوں پر تیسیر، ان کو حرج وتنگی سے بچانا، اور ضرر کو ان سے دور کرنا ہے، لہٰذا ہر وہ چیز جو بندوں کے لیے حرج وتنگی، دشواری، لوگوں کے تنفر اور دوری کا سبب بنے، شریعت میں اس کا حکم ساقط ہو جاتا ہے۔
(موسوعۃ القواعد الفقھیۃ ۹/ ۳۸، ن: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

ب: دوسرا قول مالکیہ کا ہے کہ متعدی بیماری میں مبتلا شخص کو جمعہ اور جماعت میں حاضر ہونے سے روکا نہیں جائے گا۔
(حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۱/ ۳۸۹، منح الجلیل شرح مختصر خلیل ۱/ ۴۵۰)

ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- أن عمر بن الخطابؓ مر بامرأة مجذومة، و هی تطوف بالبیت، فقال لها: یا أمة الله! لاتؤذی الناس، لو جلست فی بیتك، فجلست، فمر بها رجل بعد ذلك، فقال لها: إن الذی کان قد نهاك قد مات، فاخرجی، فقالت: ما کنت لأطیعه حیا، وأعصیه میتا۔" (موطأ امام مالک ۳/ ۶۲۵)

وجہ دلالت:

حضرت عمرؓ نے ان خاتون کو طواف نہ کرنے اور بیت اللہ میں داخل نہ ہونے کا تاکیدی حکم نہیں دیا تھا، بلکہ ان کا خطاب بر سبیل رفق اور "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" تھا۔ (المنتقی شرح الموطأ ۳/ ۸۱، ن: مطبعہ السعادۃ)

مناقشہ:

مالکیہ کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیوں کہ حضرت عمرؓ کا "لاتؤذی الناس" اور "لو جلستِ فی بیتك" کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آپ کا حکم اور فیصلہ تھا، البتہ لب ولہجہ میں آپ نے رحمت وشفقت کرتے ہوئے نرمی اختیار فرمائی تھی، نیز یہ سمجھا تھا کہ یہ انداز بیان ان کے لیے کافی ہوگا اور وہ باز آجائیں گی چنانچہ ایسا ہی ہوا، ان خاتون نے آپؓ کی فراست اور دوراندیشی کو بھانپ لیا، اور لوگوں کے کہنے پر یہ جواب دیا:
"ما کنت لأطیعه حیا، وأعصیه میتا"
(میں زندگی میں ان کی اطاعت کروں اور مرنے کے بعد نافرمانی، میں ایسا نہیں کر سکتی ہوں) (البیان والتحصیل لابن رشد ۹/ ۴۱۱)

ج: تیسرا قول یہ ہے کہ جمعہ اور جماعت اسوقت ان سے ساقط ہو جائیں گے جب کہ ان کو ایسی جگہ نہ ملے جہاں وہ لوگوں سے الگ اور ممتاز ہو کر نماز ادا کر سکیں، اگر ایسی جگہ مل جاتی ہے تو جمعہ اور جماعت ان پر واجب ہوگی البتہ اختلاط سے روکا جائے گا، یہ مالکیہ کے کئی اقوال میں سے ایک قول ہے (دیکھئے: منح الجلیل شرح مختصر خلیل ۱/ ۴۵۰) اور اسی پر مصر کے دار الافتاء نے فتوی دیا ہے۔
(دیکھئے: فتاوی بحثیہ- الجماعۃ للمریض بمرض معد، موقع دار الافتاء المصریۃ)

استدلال:

انھوں نے استدلال اس سے کیا ہے کہ انھیں مسجد میں حاضری سے صرف اس لیے روکا گیا ہے کہ لوگوں کو ضرر نہ ہو، لیکن جب انھیں ایسی جگہ مل جائے جہاں وہ نماز پڑھ سکیں اور لوگوں کو ضرر بھی لاحق نہ ہو تو جمعہ اور جماعت ان پر واجب ہوگی۔ (حاشیۃ الدسوقی ۱/ ۳۸۹)

راجح قول:

فقہاء کے اقوال اور دلائل کا جائزہ لینے سے قائلین قول اوّل کی رائے راجح معلوم ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ متعدی مرض میں مبتلا شخص کو مسجد اور جمعہ و جماعت میں شرکت سے روکا جائے گا کیوں کہ لوگوں میں بیماری کے متعدی ہونے اور جراثیم پھیلنے کا اندیشہ ہے، لہذا لوگوں کو وہ ضرر پہونچے گا جس سے آپ ﷺ نے اس حدیث میں منع فرمایا ہے: "لا ضرر ولا ضرار۔"

نیز حضرت عمرو بن شریدؓ کی حدیث سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے وہ فرماتے ہیں:

كان في وفد بني ثقيف رجل مجذوم، فأرسل إليه النبي ﷺ: إنا قد بايعناك فارجع۔"

(مسلم، باب اجتناب المجذ وم نحوہ، ۴/۱۷۵۲)

دیکھئے نبی کریم ﷺ نے ان صحابی کو نہ صرف مسجد میں داخل ہونے سے منع فرمایا بلکہ مدینہ منورہ کی (وباء سے حفاظت کی خاطر) مدینہ ہی میں داخل ہونے سے منع فرمادیا۔ (الفقہ المیسر، عبداللہ بن محمد الطیار ۹/۵۲، ن؛ مدار الوطن الریاض)۔

خلاصہ یہ کہ کورونا وائرس میں مبتلا شخص، یا ایسا شخص جس کے بارے میں اندیشہ ہو کہ اس کو وائرس لگ گیا ہے، اس کو مسجد، جمعہ اور جماعات میں شرکت سے روکا جائے گا۔

کورونا سے متأثر افراد کے لیے روزے کا حکم

تمام فقہائے کا اس پر اتفاق ہے کہ مریض کے لیے روزہ نہ رکھنا مباح ہے، مرض سے شفایابی کے بعد قضاء کرلے گا، اس کی دلیل اللہ کا یہ ارشاد ہے:

﴿فمن كان منكم مريضا أو على سفر فعدة من أيام أخر۔﴾ (بقرة:١٨٤)

(پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا مسافر تو اس پر ان کی گنتی ہے اور دنوں سے۔) (شیخ الہند)

لیکن مرض مبیح کا ضابطہ کیا ہے؟ اس کے لیے بیماری کو تین اقسام میں منقسم کیا جا سکتا ہے:

۱- وہ بیماری جس سے ہلاکت یا شدید نقصان اور تکلیف کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھنا واجب ہوگا، جمہور فقہاء احناف و مالکیہ و شوافع اور حنابلہ کی ایک جماعت کے نزدیک روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔

(دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۹۴، التاج والاکلیل ۳/۳۸۲، اسہل المدارک ۱/۴۱۹، مغنی المحتاج ۲/۱۶۹، المبدع فی شرح المقنع ۳/۱۳)

ان حضرات نے "ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة" "ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيما" اور "لا ضرر ولا ضرار" جیسی آیات واحادیث سے استدلال کیا ہے۔ (بدائع الصنائع ۲/۹۴، البنایۃ ۴/۷۷)۔

۲- وہ بیماری جو روزہ رکھنے سے بڑھتی ہے، یا شفاء یابی میں تاخیر کا اندیشہ ہے تو جمہور فقہاء کے نزدیک روزہ نہ رکھنا مباح ہے۔

(دیکھئے: ردالمحتار ۲/۴۲۲، بدایۃ المجتہد ۲/۵۹، روضۃ الطالبین ۲/۳۶۹، الکافی فی فقہ الامام احمد ۱/۴۳۵)۔

۳- معمولی مرض جس سے روزہ رکھنے میں کوئی دشواری نہ ہو جیسے سر درد، ہلکا بخار اور ہاتھ پاؤں میں درد وغیرہ یا اس طرح کی کوئی اور تکلیف جسے انسان برداشت کر سکتا ہے تو جمہور فقہاء کے نزدیک ایسی صورت میں روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔

(دیکھئے: بدائع الصنائع للکاسانی ۲/۹۴، الفواکہ الدوانی ۱/۳۱۲، البیان فی مذہب الامام الشافعی ۳/۴۶۷، الکافی فی فقہ الامام احمد ۱/۴۳۵)

البتہ بعض اہل علم کے نزدیک جنہوں نے ایسی صورت میں بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے۔(اصحاب ظواہر کی رائے یہی ہے کہ ہر وہ چیز جس پر مرض کا اطلاق ہوتا ہے وہ عذر مبیح ہے، یہی ابن سیرین کا قول ہے، چنانچہ طریف بن تمّام عطاردی فرماتے ہیں: میں رمضان المبارک میں ایک مرتبہ ابن سیرین کے پاس گیا، تو دیکھا کہ کھا رہے ہیں، میرے پوچھنے پر انھوں کہا کہ میری اس انگلی میں درد ہے۔" (تفسیر بغوی ۱/ ۲۱۸)

دلائل:

ان حضرات نے درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے:

۱- شریعت میں رخصت بیماری کی وجہ رکھی گئی ہے تا کہ مریض کے لیے تخفیف اور سہولت ہو، اس معنی کر کہ روزہ رکھنے میں مشقت ہوگی، جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر۔﴾ (بقرہ:۱۸۵)

(اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری۔) (دیکھیے بدائع الصنائع ۲/۹۴)

۲- اس نے رمضان کا مہینہ پایا اور روزہ رکھنے میں کسی مشقت کا اندیشہ نہیں ہے تو افطار کرنا (روزہ نہ رکھنا) جائز نہیں ہے، جیسے صحیح سالم تندرست آدمی کے لیے جائز نہیں۔ (دیکھیے: البیان فی مذھب الامام الشافعی ۳/ ۴۶۷، المغنی ۳/ ۱۵۶)

۳- بیماری کا کوئی ضابطہ نہیں ہوتا ہے، امراض مختلف قسم کے ہیں، بعض روزے دار کو نقصان پہونچاتے ہیں، جب کہ بعض کا روزہ پر کوئی اثر نہیں ہوتا، لہٰذا مرض کا ضابطہ نہیں بن سکتا، البتہ اس کی حکمت کا اعتبار کیا جائے گا اور وہ یہ ہے کہ جس سے ضرر کا اندیشہ ہو۔ (حوالۂ سابق)

اسی بنیاد پر کورونا وائرس میں مبتلا شخص کے روزے کا دار و مدار معالج اور طبیب کی تشخیص پر موقوف ہوگا، بیماری کا معیار اور اسکی سنگینی کی تحدید کا مدار ماہر ڈاکٹروں اور حکومت کی طرف سے مختص کردہ شعبوں اور اداروں پر ہوگا، اگر کورونا وائرس میں مبتلا مریض اس وائرس کی پوشیدہ علامات سے دوچار ہے یا علامات ہیں تو مگر اس پر ظاہر نہیں ہو رہی ہیں، تو بہتر ہے کہ روزہ رکھنے سے قبل وہ ڈاکٹر سے مشورہ کر لے اگر ڈاکٹر کہتا ہے کہ روزہ سے وہ متأثر ہوگا یا بیماری بڑھ جائے گی یا شفا میں تاخیر ہوگی تو اس کے لیے بلاشبہ روزہ نہ رکھنا مباح ہوگا۔

اور اگر اس پر بیماری کی علامات ظاہر ہو چکی ہیں مثلاً بخار، شدید خشکی، کھانسی، درد اور تکلیف وغیرہ، نیز مرض کی شدت بڑھ گئی ہو، مزید وہ دوسری کئی بیماریوں میں بھی مبتلا ہو تو اس پر روزہ نہ رکھنا واجب ہوگا، اس کو اللہ کی طرف سے دی گئی رخصت کا فائدہ اٹھانا چاہئے، اللہ فرماتے ہیں:

﴿يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر۔﴾ (بقرہ:۱۸۵)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إن الله يحب أن تؤتى رخصه كما يحب أن تؤتى عزائمه۔" (ابن حبان: ۱/ ۳۸۸، باب الصوم فی السفر)

(بیشک اللہ چاہتا ہے کہ اس کی رخصتوں کو بروئے عمل لایا جائے بالکل اسی طرح جیسے اس کی عزیمتوں کو عمل میں لایا جاتا ہے۔)

اسی کا فتوی "مجمع البحوث الاسلامية جامع ازهر، دار الافتاء المصرية" "مجمع الفقه التابع لمنظمة التعاون الاسلامی" اور "دار الافتاء الاردنية" نے بھی دیا ہے۔

کورونا کی وجہ سے عام مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روکنا کیسا ہے؟

سابقہ بحث میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ لوگوں کی جانوں کی حفاظت کے لیے کورونا وائرس جیسے متعدی بیماری میں مبتلا شخص کو جمعہ اور

جماعت میں شرکت سے روکا جائے گا، کیوں کہ لوگوں کے درمیان کورونا پھیلنے کا سبب ''اختلاط'' پایا جارہا ہے اور اختلاط نمازیوں کے لیے ضرررساں ہے اور شریعت اسلامیہ ضرر کی نفی کرتی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا ہے:"لاضرر ولا ضرار۔"

لہٰذا جس طرح کورونا میں مبتلا شخص کو جمعہ اور جماعت سے روکا جائے گا تو حج وعمرہ سے بدرجۂ اوّل روکا جائے گا، اس لیے کہ حج اختلاط کی جگہ ہے اور وہاں بیماری پھیلنے کا اندیشہ قوی تر ہے، اور عامۃ المسلمین کی جان کی سلامتی ایک مریض کی ادائیگی حج کی مصلحت پر بدرجہا مقدم ہے۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ فرضیت ہی ساقط ہوجائے گی یا صرف مطالبۂ ادائیگی ساقط ہوگا؟ ایک رائے کے مطابق حج ہی فرض نہیں ہوگا اور دوسری رائے کے مطابق حج تو فرض رہے گا البتہ ادائیگی کا مطالبہ ساقط ہوجائے گا، اور دونوں صورتوں میں حج نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوگا، البتہ مطالبہ ساقط ہونے کی صورت میں اگر حج کرنے سے پہلے مرگیا تو حج بدل کا انتظام کرنا ہوگا،

لیکن دین کی حفاظت کی خاطر شعائر کو مطلقاً معطل نہیں کیا جائے گا، مقامی لوگ پوری احتیاطی تدابیر کے ساتھ جس طرح دیگر ارکان ادا کرتے ہیں اسی طرح اسلام کے پانچویں رکن حج کو بھی ادا کریں گے اور بہتر ہوگا کہ حکومت کی طرف سے ایک خاص تعداد متعین کردی جائے اور حفاظتی انتظامات بڑھادیئے جائیں۔

کورونا کے زمانے میں مساجد بند کرنے کا حکم

جس جگہ کورونا وائرس کی وباء عام ہوجائے تو اس محلّہ کے لوگوں کے لیے مسجد میں نماز نہ پڑھنے کی رخصت تو ہوگی لیکن مسجد کو بالکلیہ بند کردینا کسی صورت جائز نہیں ہوگا، محلّہ کے چند لوگوں کو مسجد میں باجماعت نمازوں کا اہتمام کرنا ہوگا، اگر مسجد میں نماز باجماعت سب نے ترک کردی تو پورے محلے والے گنہگار رہوں گے، کیوں کہ مسجد کو اس کے اعمال کے ساتھ آباد رکھنا فرض کفایہ ہے، نیز اصحاب اقتدار کا مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے پر پابندی لگانا جائز نہیں ہے اور بغیر شرعی عذر کے مساجد کو بند کرنے پر نصوص میں سخت وعید آئی ہے اور ان کے اس عمل کو ''ظلم'' قرار دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر وسعى في خرابها۔﴾ (بقرہ: ۱۱۴)

اس لیے نمازیں باجماعت پڑھنا اور بالخصوص جمعہ کی نماز پڑھنا شعائر اسلام میں سے ہے۔

چنانچہ فتح القدیر میں ہے:

"والمراد بالسعي في خرابها: هو السعي في هدمها، ورفع بنيانها، ويجوز أن يراد بالخراب: تعطيلها عن الطاعات التي وُضِعت لها، فيكون أعم من قوله: أن يذكر فيها اسمه فيشمل جميع ما يمنع من الأمور التي بُنِيَتْ لها المساجد، كتعلم العلم وتعليمه، والقعود للاعتكاف، وانتظار الصلاة، ويجاز أن يراد ماهو أعم من الأمرين من باب عموم المجاز۔" (فتح القدير للشوكاني ۱۵۳/۱)

البنایۃ میں ہے:

"وفي "المرغيناني" إذا منع الإمام أهل المصر أن يجمعوا، لا يجتمعون، وقال أبو جعفر: هذا إذا منعهم باجتهاد، وأراد أن يخرج تلك البقعة أن تكون مصراً، فأما إذا نهاهم تعنتا أو إضرارا بهم، فلهم أن يجمعوا على من يصلي بهم۔"

(البنایۃ شرح الھدایۃ ۷۸/۳)

اگر حکومت کی طرف سے باجماعت نمازوں پر پابندی لگادی جائے تو ایک طرف یہ کوشش جاری رکھنی چاہئے کہ انھیں اسلامی احکام سے

آگاہ کریں اور ہر ممکن کوشش کی جائے کہ پابندی ہٹالیں، لیکن اگر وہ پابندی نہیں ہٹاتے تو جب تک پابندی رہے خوف وظلم کی وجہ سے اور نفی حرج کے پیش نظر مسجد کی نماز چھوٹ جانے کا عذر معتبر مانا جائے گا۔

البتہ جمعہ اور جماعات میں شرکت کی ممانعت کے باوجود اذان دی جاتی رہے گی کیوں کہ یہ خصوصیات دین اور شعائر اسلام میں سے ہے، اور تمام ائمہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے بلکہ بعض علماء (حنابلہ اور احناف میں سے امام محمدؒ اور بعض شوافع) کے نزدیک تو فرض کفایہ ہے، اہل محلّہ پر اذان دینا واجب ہے اگر کسی ایک نے بھی اذان دے دی تو سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا اور اگر سب نے چھوڑ دیا تو سب کے سب گنہگار ہونگے، اور احناف کے نزدیک اذان اگرچہ سنت مؤکدہ ہے لیکن ترک پر ایسے ہی گناہ ہوگا جیسے واجب چھوڑنے پر ہوتا ہے۔ (دیکھئے: الفقہ علی المذاهب الاربعہ، الموسوعۃ الفقہیۃ، کتاب الصلاۃ، الفصل الاوّل: الأذان)۔

مساجد کے کسی حصے یا اس سے ملحق جگہ کو کووڈ سینٹر بنانے کا حکم

مساجد کو کووڈ سینٹر بنانا ناجائز اور منشاء شریعت کے خلاف ہے، یہ اللہ کی عبادت کے لیے خاص ہوتی ہیں، ایک مرتبہ شرعی مسجد بن جانے اور اقامت صلاۃ سے ہی وہ بانی اور واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے اور رب العالمین کی ملکیت ہو جاتی ہے، اب اس کی حیثیت ختم کرنا یا تبدیل کرنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے، اور مصالح مسجد کے خلاف امور انجام دینا خود متولیان کے لیے بھی جائز نہیں، البحر الرائق" میں ہے:

"فقد قال الله تعالى؛ ﴿وأن المساجد لله﴾ (الجن:۱۸) وما تلونا من الآيةالسابقةفلا يجوز لأحد مطلقاأن يمنع مؤمنامن عبادةيأتى بها فى المسجدلأن المسجد مابنى إلالها من صلاةواعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه قرأة قرآن."

(البحر الرائق ۲/۳۶، کتاب الصلاۃ، ط: دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

(چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور بیشک مساجد اللہ کے لیے ہیں' اور ہم نے جو سابقہ آیت تلاوت کی اس کی بنا پر مطلقاً کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کو مسجد میں عبادت کرنے سے روکے، اسلیے کہ مسجدیں صرف عبادت- نماز، اعتکاف، ذکر شرعی، تلاوت قرآن اور تعلیم وتعلم- کے لیے ہی بنائی گئی ہیں۔)

مساجد کو کوِڈ سینٹر بنانے میں کئی مفاسد ہیں

۱- تلویث مسجد کا قوی اندیشہ ہے، مریض کے پیشاب پائخانہ بستر پر کرنے کی وجہ سے مسجد کی تلویث لازم آئے گی، اور بہت سے مریض تو مستقل ناپاکی کی حالت میں رہیں گے جب کہ یہ مسجد کی حرمت کے خلاف اور ناجائز ہے، شریعت میں مساجد کو پاک صاف رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ درمختار میں ہے:

"وكره تحريما(الوطءفوقه والبول والتغوط) لأنه مسجد إلى عنان السماء(واتخاذه طريقا بغير عذر) وصرح فى القنيةبفسقه باعتياده(وإدخال نجاسةفيه) ۔ (در مختار ۵/۷۵)

(اور اس کی (چھت کے) اوپر وطی کرنا، اور پیشاب، پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے اس لیے کہ وہ آسمان کی چھت تک مسجد ہے، (نیز مسجد کی چھت بھی مسجد کے حکم میں ہے) اور اس کو بلا عذر راستہ بنانا بھی مکروہ تحریمی ہے، اور "قنیہ" میں اس شخص کو صراحتاً فاسق قرار دیا گیا ہے جو اس کا عادی بن جائے، اور اس میں نجاست داخل کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔)

۲- مساجد میں معتکف اور مسافر کے علاوہ کسی کے لیے کھانا، پینا، سونا اور مستقل کرنا قیام جائز نہیں ہے، لہذا مساجد کو کووڈ سینٹر

بنانا اور علاج ومعالجہ کے لیے مریضوں کو ٹھہرانا درست نہیں ہے، فتاوی ہندیہ میں ہے:

”و يكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف وإذا أراد أن يفعل ذلك ينبغي أن ينوى الاعتكاف فيدخل فيه ويذكر الله تعالىٰ بقدرما نوى أويصلي ثم يفعل ما شائكذا في السراجية۔“ (الفتاوى الهندية٥/٣٢١، الباب الخامس في آداب المسجد)

(اور غیر معتکف کے لیے اس میں سونا اور کھانا مکروہ ہے، اور اگر وہ ایسا کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ اعتکاف کی نیت کر لے پھر داخل ہو اور نیت کے بقدر اللہ کا ذکر لے یا نماز پڑھ لے پھر جو چاہے کرے، ''سراجیہ'' میں ایسا ہی ہے'' نیز اسی میں ہے:

قيم المسجد لا يجوز له أن يبنى حوانيت فى حد المسجدأو فى فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتا ومسكنا تسقط حرمته وهذا لا يجوز، والفناء تبع للمسجدفيكون حكمه حكم المسجد، كذا محيط السرخسي۔“ (ہندیہ۲/۴۶۲، الثانی فی الوقف)

(اور مسجد کے ذمہ دار کے لیے جائز نہیں کہ وہ مسجد کی حد میں یا اس کے صحن میں دوکانیں بنوائے، اس لیے کہ جب دوکان یا مکان بنا دیا جائے گا تو اس کی حرمت ختم ہو جائے گی، اور یہ جائز نہیں ہے، اور صحن چوں کہ مسجد کے تابع ہوتا ہے اس لیے اس کا حکم بھی مسجد کے جیسا ہی ہوگا۔''

اسی طرح ''محیط سرخسی'' میں ہے۔

۳- مساجد کو کوِڈ سینٹر بنانے میں ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ لوگوں کا مستقل آنا جانا لگا رہے گا حالانکہ مساجد کو بلا وجہ گزرگاہ بنانا صحیح نہیں ہے، احترام مسجد کے خلاف ہے، چنانچہ شامی میں ہے:

”قلت: وبهذا علم أيضاحرمة إحداث الخلوات في المساجد كالتي في رواق المسجد الأموي، ولا سيما ما يترتب على ذلك من تقذير المسجدبسبب الطبخ والغَسل ونحوه۔“ (شامی١٧/٢٢٨، فرع بناء بيت للامام)

(میں کہتا ہوں: اور اسی سے معلوم ہوا کہ مساجد میں علاحدہ کمرہ بنانا جائز نہیں ہے، جیسا کہ جامع اموی میں ہے، خاص طور پر اس وقت جب کہ اس میں کھانا پکانے اور کپڑا وغیرہ دھونے اور نہانے سے مسجد کی تلویث وتقذیر اور آلودگی پھیلنے کا اندیشہ ہو۔)

دیکھئے باوجودیکہ مساجد میں خلوات (علاحدہ کمرے) طالبان علوم نبوت اور عابدین کے لیے بنائے جاتے تھے، لیکن ان کے ٹھہرنے سے تلویث مسجد کا اندیشہ تھا اسی لیے علامہ شامیؒ ان کی تعمیر کے عدم جواز کا فتوی دیتے تھے۔

۴- مساجد کو کوِڈ سینٹر بنانے کی صورت میں اس میں خرید وفروخت اور دنیاوی معاملات بھی ہونگے، دوا اور دیگر ضروریات کے لیے دکان لگانی پڑ سکتی ہے، اور یہ سب کو معلوم ہے کہ ایسے معاملات مسجد میں صحیح نہیں ہیں، نیز بسا اوقات آوازیں بھی بلند ہوں گی جو حرمت مسجد کے خلاف ہے، چنانچہ حدیث میں ہے:

جنِّبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم، وشرائكم وبيعكم، وخصوماتكم ورفع أصواتكم۔“ (ابن ماجه: ٧٥٠)

(اپنے بچوں اور مجانین کو اپنی مسجدوں سے دور رکھو، اور بیع وشراء سے، جھگڑے اور خصومات سے، اور آوازیں بلند کرنے سے مسجدوں کو محفوظ رکھو۔)

شریعت اسلامیہ نے تو مسجد کا اتنا پاس ولحاظ رکھا ہے کہ کسی گمشدہ چیز کا اعلان کرنا ممنوع قرار دیا گیا اور ممنوع ہی نہیں بلکہ سامان نہ ملنے کی بددعا دینے کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ حدیث میں ہے:

”من سمع رجلا ينشد ضالةفي المسجدفليقل: لا ردها الله عليك، فإن المساجد لم تبن لهذا۔“ (مسلم: ١٢٨٨)

(جو کسی آدمی کو مسجد میں کسی گم شدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے سنے تو کہے: اللہ کرے تمہاری گمشدہ چیز نہ ملے، اس لیے کہ مساجد اس کے

لیے نہیں بنائی گئی ہیں۔)

ملاعلی قاریؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

”ویدخل فی هذا کل أمرلم یُبن له المسجدمن البیع والشرائونحو ذلك، إنما بنی لذکر الله تعالیٰ وتلاوة القرآن والوعظ۔“

(مرقاۃ المفاتیح ۲/۵۹۷)

(اور اس حکم میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کے لیے مسجد نہیں بنائی گئی ہے مثلاً خرید وفروخت وغیرہ.....، بلکہ مسجدیں اللہ کے ذکر، تلاوت قرآن اور وعظ ونصیحت کے لیے بنائی گئی ہیں۔)

اور یہی نہیں بلکہ بعض ائمہ خصوصاً امام مالکؒ وغیرہ نے تو علمی بحث وتکرار کو بھی مسجد میں پسند نہیں کیا ہے، اگرچہ احناف اور مالکیہ میں سے محمد بن مسلمہؒ نے اس کی اجازت دی ہے، چنانچہ اوجز المسالک میں ہے:

”قال القاری: فیه دلالةظاهرة علی جواز التدریس......حتی کره مالك البحث العلمی، وجوزه أبو حنیفةوغیره لأنه مما یحتاج إلیه الناس لأن المسجد مجمعهم۔“

(۳/۳۳۵، ۳۳۶ کتاب قصر صلاۃ السفر، الابواب والتراجم، کتاب الصلاۃ، باب رفع الصوت فی المسجد ۲/۲۴۳)

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ آیت کریمہ ﴿إنما یعمر مساجد الله من آمن بالله﴾ کے تحت فرماتے ہیں: مفسر قرآن قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ نے فرمایا:

’’کہ عمارت مسجد میں یہ بھی داخل ہے کہ مسجد کو ایسی چیزوں سے پاک کرے جن کے لیے مسجدیں نہیں بنائی گئی ہیں، مثلاً خرید وفروخت، دنیا کی باتیں، کسی گم شدہ چیز کی تلاش، یا دنیا کی چیزوں کا لوگوں سے سوال، یا فضول قسم کے اشعار، لڑائی اور شور وشغب وغیرہ۔‘‘

(معارف القرآن ۴/۳۳۱)

۵- ایسا کرنے سے مساجد کے مقاصد فوت ہوجائیں گے، یہ عمل مساجد کے پیغام پر اعتماد کمزور کرے گا اور مختلف قسم کے بدعات وخرافات کا دروازہ کھولے گا، ایسے مفاسد اور غیر شرعی امور وجود میں آجائیں گے کہ ہمارے لیے ان کو روکنا مشکل ہوگا اور خصوصا ہندوستان جیسے ملک میں جہاں ایک خاص ذہنیت کے لوگوں کی گندی نظر ہمیشہ ہماری مسجدوں پر ہوتی ہے اور کسی نہ کسی بہانے وہ مساجد کے تقدس کو پامال کرکے اسے ویران بنانا چاہتے ہیں، لہٰذا اس صورتحال میں مساجد کو کووِڈ سینٹر بنانا غیر دانشمندی کا فیصلہ ہوگا اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کا متبادل مقامات، سرکاری وپرائیویٹ اسکولس، کالجز، اور شادی گھر (Marrige hall) وغیرہ موجود ہیں، جن سے یہ مقاصد بآسانی حاصل ہوسکتے ہیں۔

جن علماء نے مساجد کو کوِوڈ سینٹر بنانے کی اجازت دی ہے جن میں زیادہ تر عرب علماء ہیں انھوں نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ کے لیے مسجد نبوی کے اندر حضرت رفیدہ اسلمیہؓ کے لیے خیمہ نصب کرایا تھا نیز اس سے آپ ﷺ کی سنت زندہ ہوگی، اسلام کی کشادہ قلبی اور سماحت کا اظہار ہوگا اور انسان کی زندگی پر اس کی خصوصی توجہ کا پتہ دنیا کو چلے گا، یہ دلیل بالکل صحیح ہے لیکن یہاں کے حالات کو وہاں کے حالات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے، وہاں مساجد کی ذمہ داری اپنوں کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر طرح سے محفوظ ہیں، نیز بیمار اور زخمی بھی صحابۂ کرام ہی ہوتے تھے جن کی پاکی وطہارت مسلم تھی اور یہاں تو غیر ہمیشہ ناپاکی میں ہی رہتے ہیں، دوسری بات یہ کہ یہاں ہر وقت مساجد پر خطرہ منڈلاتا ہے اسلام دشمن طاقتیں ہمیشہ ان کو ہتھیانے کے انتظار میں رہتی ہیں، خدانخواستہ وہ بعد میں بزور وجبر ہمارے اس عمل کو ہمارے ہی خلاف دلیل بنالیں، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ مساجد کو کووِڈ سینٹر نہ بنایا جائے۔

کورونا سے متأثر مریض کی تیمارداری کا حکم

کورونا کے مریض کو گھر میں قرنطینہ(Home quarantine) کرنا شرعا واجب ہے،اور گھر کے افراد سے فاصلہ بنا کر رکھنا ضروری ہے،اس کے ضروری سامان مثلاً پلیٹ اور تولیہ وغیرہ الگ کر دیا جائے دوسرے اس میں شریک نہ ہوں لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو تو باتھروم کی صفائی کا اہتمام کیا جائے،گھر کی کھڑکیاں کھلی رکھیں تاکہ باہر کی صاف ستھری اور تازی ہوا آتی رہے،نیز سماج کا امن محفوظ اور سلامت رہے،چنانچہ شرعی قاعدہ ہے:"درء المفاسد مقدم علی جلب المنافع" نیز"لا ضرر ولا ضرار۔"

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مریض کو بے یارومددگار چھوڑ دیا جائے، بلکہ پوری احتیاط کے ساتھ ماسک، دستانہ اور ممکن ہو تو پی پی کیٹ وغیرہ پہن کر اس کی دیکھ بھال کریں گے۔

نیز حکومت اور سماج کی ذمہ داری ہے کہ مریض کی،اس کے گھر والوں کی ہر ممکن مدد کریں،اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿آمنوا بالله ورسوله وأنفقوامما جعلكم مستخلفين فيه فالذين آمنوا منكم وأنفقوا لهم أجر كبير۔﴾ (حديد:٧)

(یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو اس میں سے جو تمہارے ہاتھ میں دیا ہے اپنا نائب کر کر،سو جو لوگ تم میں سے یقین لائے ہیں اور خرچ کرتے ہیں انکو بڑا ثواب ہے۔)(شیخ الہند)

حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مثل المؤمنين فی توادّهم وتراحمهم وتعاطفهم مثلُ الجسدإذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى۔" (بخاری: ٦٠١١، مسلم: ٢٥٨٦)

(مؤمن کی مثال اس کی آپسی محبت،ایک دوسرے پر رحم کرنے اور نرمی کرنے میں،ایک جسم کی طرح ہے کہ جب اس کے کسی عضو کو تکلیف پہونچتی ہے تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں اس کو محسوس کرتا ہے۔)

لہٰذا حکومت اور سماج کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرض حسن دیں محتاجوں اور ضرورتمندوں کا تعاون کریں نیز اس طرح کے حالات میں تعجیل زکوۃ بھی کر سکتے ہیں، نیز حکومتیں اشیاء خوردنی اور دواؤں اور ضرورت کی دیگر اشیاء کی قیمتوں پر کنٹرول کریں،تاکہ دوکاندار من مانی نہ کرسکیں،اور ضرورت مندوں کو بسہولت علاج مہیا ہو سکے۔

کورونا کے ماحول میں نمازِ جمعہ

کورونا کے ماحول میں گھروں میں اقامت جمعہ کا مدار ایک مسئلہ پر ہے،اور وہ یہ کہ کیا صحت جمعہ کے لیے مسجد کا ہونا شرط ہے؟اس سلسلہ میں فقہاء کی دو رائیں ہیں:

۱- مالکیہ کے یہاں مسجد کا ہونا شرط ہے،چنانچہ "منح الجلیل شرح مختصر خلیل" میں ہے:"وشرط صحة الجمعة وقوعها بجامع۔" (منح الجلیل شرح مختصر خلیل ۱/ ۴۲۶)

۲- دوسرا قول جمہور علمائے احناف وشوافع اور حنابلہ کا ہے، کہ نماز جمعہ مسجد کے علاوہ کسی بھی جگہ قائم کی جا سکتی ہے،لہٰذا جمعہ کا قیام ایسے گاؤں میں بھی ہو سکتا ہے جہاں مسجد نہ ہو، نیز آبادی کے قریب صحراء میں بھی ہو سکتا ہے،اور ہر ایسی جگہ جہاں لوگوں کا اجتماع ممکن ہو، چاہے وہاں مسجد نہ پائی جاتی ہو۔(دیکھئے بدائع الصنائع کاسانی ۱/ ۲۵۸،روضۃ الطالبین للنووی ۲/ ۳۱،المغنی ابن قدامہ ۲/ ۲۱۸)

اس کی دلیل حضرت عبدالرحمان بن کعب بن مالک کا اثر ہے، وہ اپنے ابا کی بینائی چلے جانے کے بعد ان کے رہبر تھے، وہ اپنے ابا حضرت کعب بن مالک سے روایت کرتے ہیں:

(جب وہ (کعب بن مالک) جمعہ کے دن اذان کی آواز سنتے تو حضرت اسعد بن زرارہؓ کے لیے رحمت کی دعا کرتے، میں نے عرض کیا (ابا جان) کیا بات ہے جب آپ اذان کی آواز سنتے ہیں تو اسعد بن زرارہؓ کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں؟ فرمایا: اسلیے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے "هـزم الـنبيت" (مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلہ پر حرّہ بنو بیاضہ میں سے ایک جگہ کا نام ہے) میں ہم سب کو جمعہ کے لیے جمع کیا اور جمعہ پڑھائی، جسے نقيع خضمات (مدینہ منورہ کے نواحی میں ایک جگہ ہے) کہا جاتا ہے، میں نے پوچھا آپ لوگ اس دن کتنے تھے؟ فرمایا: چالیس۔"
(ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ فی القری رقم:۱۰۶۹)

معلوم ہوا کہ جمعہ کے لیے مسجد شرط نہیں ہے، اگر مسجد کی شرط ہوتی تو حضرت اسعد بن زرارہؓ کی طرف سے "نقیع خضمات" میں اقامت جمعہ صحیح نہیں ہوتی۔

راجح یہ ہے کہ اقامت جمعہ کے لیے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے، اس لیے کہ وجوب کی کوئی صحیح دلیل نہیں پائی جاتی ہے، لہٰذا جمعہ کی نماز خارج مسجد صحیح ہوگی اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اب ہم اصل مسئلہ پر آتے ہیں، گھروں اور مکانات میں اقامت جمعہ کے سلسلہ میں علمائکے دو قول ہیں جب کہ مشروط تعداد- دو یا تین یا بارہ یا چالیس- پائی جائے:

الف: گھروں، جیلوں اور اس طرح کے دیگر مقامات میں لوگوں کے لیے نماز جمعہ مشروع ہے، اور یہ بات قائلین نے امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت سے اخذ کیا ہے جو ان کے صاحبزادے ابوالفضل صالح نے روایت کیا ہے؛ فرماتے ہیں:

وسألته عن الصلاة يوم الجمعة إذا أخروها؟ فقال: يصليها لوقتها، و يصليها مع الإمام۔"

(مسائل الامام احمد بن حنبل ۱/۱۵۶)

یہی ابن حزم ظاہری، اور بعض شوافع کا قول ہے۔ (دیکھئے المحلی لا بن حزم ۳/۲۵۲ الفتاوی الفقہیۃ الکبری، ابن حجر ھیثمی ۱/۲۵۹) البتہ حنابلہ نے چالیس کی تعداد کی شرط لگائی ہے۔

التعلیق الکبیر میں ہے:

"و قد أخذ أحمدؒ بظاهر هذا الحديث فى الجمعة، أى حديث: إنه ستكون عليكم أمراء يؤخرون الصلاة عن ميقاتها۔"
(مسلم، كتاب الصلاة، رقم: ٦٤٨، التعليق الكبير، قاضى ابو يعلى ٣/٢٨١)

(اور امام احمد نے جمعہ کے تعلق سے اس حدیث کے ظاہر کو لیا ہے، (تمہارے اوپر ایسے حکمراں مسلط ہوں گے جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کریں گے)۔

نیز "المحلی" میں ہے:

"و يصليها المسجونون، والمختفون ركعتين فى جماعة بخطبة كسائر الناس۔"
وفيه أيضاً: ولو صلاها الرجل المعذور بامرأته ركعتين، وكذلك لو صلاها النساء" (المحلی ابن حزم، ۳/۲۵۲-۲۵۳)
(اور قیدی اور چھپے ہوئے (The Disappeared) لوگ خطبہ کے ساتھ دو رکعت عام لوگوں کی طرح پڑھیں گے۔)

نیز اسی میں ہے: ''اگر معذور شخص اپنی بیوی کے ساتھ پڑھے تو دو ہی رکعت پڑھے گا، اسی طرح عورتیں اگر جماعت کے ساتھ پڑھیں تو دو ہی رکعت پڑھیں گی۔''

قائلین جواز کے دلائل

ان حضرات نے دو دلیلوں سے استدلال کیا ہے:

۱- ان نصوص کے عموم سے جن میں اقامت جمعہ کا حکم دیا گیا ہے، مساجد کی شرط نہیں لگائی گئی ہے، اور گھروں وغیرہ کا استثناء نہیں کیا گیا ہے۔

۲- گھروں میں پنج وقتہ نمازِ با جماعت پر قیاس کیا ہے کہ جب ضرورتاً پنج وقتہ نماز با جماعت گھروں میں پڑھی جاسکتی ہے تو جمعہ بھی اسی طرح ایک نماز ہے وہ بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

مگر قائلین جواز کی یہ دونوں دلیلیں درست نہیں معلوم ہوتی ہیں، جہاں تک پہلی دلیل کا تعلق ہے جس میں ان نصوص کے عموم سے استدلال کیا گیا ہے جن سے اقامت جمعہ کا حکم سمجھ میں آتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان عموم نے یہ واضح کر دیا کہ نماز جمعہ ایک مخصوص اور متعین کیفیت کے ساتھ مشروع ہے، اور جب اس کیفیت کا حصول دشوار ہو جائے تو اس کا بدل نماز ظہر مشروع ہوگا، اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر جمعہ کا قیام دشوار ہو جائے تو ظہر اس کا بدل ہوگا۔

اور رہی بات ''ضرورت کے وقت گھروں میں پنج وقتہ نماز با جماعت پر قیاس'' کرنے والی دلیل کی، تو یہ قیاس مع الفارق ہے، اس لیے کہ نماز جمعہ ایک مخصوص نماز ہے، اس کی اپنی متعین شرائط ہیں جو پنج وقتہ نماز پر منطبق نہیں ہوتی ہیں۔

ب: گھروں، جیلوں اور اس طرح کے دیگر مقامات میں نماز جمعہ مشروع نہیں ہے اور یہی عام سلف کا مسلک ہے، بلکہ اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے، (دیکھئے فتح الباری، ابن رجب ۸/ ۶۸) البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ظہر کی نماز گھر میں جماعت سے پڑھی جائے گی یا تنہا؟ تو اس بارے میں علماء کے دو اقوال ہیں: صحیح قول یہ ہے کہ بغیر ضرر کے اگر جماعت کے ساتھ پڑھنا ممکن ہو تو جماعت کے ساتھ پڑھیں گے، چنانچہ ابن رجب فرماتے ہیں:

(اور بعض متاخرین شوافع نے مکہ مکرمہ میں اقامت جمعہ کے بارے میں ایک دوسرے مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے، اور وہ یہ کہ اقامت جمعہ کا مقصد شعار اسلام کا اظہار ہے اور اس کے اظہار پر قدرت صرف دار الاسلام میں ہی ہوسکتی ہے، لہٰذا جیل میں جمعہ قائم نہیں کی جائے گی اگرچہ چالیس افراد ہی کیوں نہ ہوں، اور اس بارے میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف معلوم نہیں ہوتا ہے۔)

راجح قول:

اس سلسلہ میں کوئی حتمی رائے پیش کرنا مشکل ہے، کیوں کہ یہ ایک نیا موضوع ہے، اہل علم و ارباب افتاء کو ان مسائل میں غور وفکر کرنا چاہئے، حالات اور علاقے کے اعتبار سے احکام بدل سکتے ہیں، تاہم میں اپنے ناقص مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ درج ذیل دلائل کی بنیاد پر علماء سلف وخلف کا مسلک راجح ہے اور وہ یہ ہے کہ جمعہ کی نماز گھروں میں مشروع نہیں ہے، بلکہ ظہر کی نماز پڑھنی چاہئے:

۱- سلف کے زمانہ سے اس پر تعامل نہیں رہا ہے، حالانکہ ان کو گھروں میں اقامت جمعہ کی ضرورت تھی، نیز اللہ نے ظہر کو جمعہ کا بدل بنایا ہے، اور کوئی ایسی صریح دلیل نہیں ہے جو اس کے مقابل ہو۔

۲- گھروں میں جمعہ قائم کرنے سے اس کے مقاصد پورے نہیں ہونگے، مثلاً جمعہ کے لیے سعی، محلے یا شہر والوں کا اسکی ادائیگی لیے ایک جگہ جمع ہونا وغیرہ، نیز یہ اسلام کے ظاہری شعار میں سے ہے، اور اس کا تقاضا ہے کہ اس کا اعلان و اظہار ہوتا کہ لوگ حاضر ہوسکیں، اور گھروں میں

اس کی ادائیگی اس کے منافی ہے۔ (المبسوط للسرخسی ۲/۱۲۳، المجموع للنووی ۴/۵۰۱، المغنی لابن قدامہ ۲/۲۷۵)

۳- صحت جمعہ کی شرائط میں سے بعض اہل علم کے نزدیک اذن امام ہے، اور اس بنیاد پر بغیر اذن امام گھروں نماز جمعہ نہیں پڑھی جاسکتی ہے۔
(دیکھئے بدائع الصنائع، کاسانی ۱/۲۶۱)

۴- جمہور علماء کے نزدیک معروف یہ ہے کہ بغیر کسی معتبر عذر کے- مثلاً مسجد تنگ ہو اور لوگ زیادہ ہوں، یا آپس میں عداوت ہو، وغیرہ ذلك- ایک شہر میں تعدد جمعہ جائز نہیں ہے، تو ہر گھر میں اقامت جمعہ کا تعدد بدرجۂ اولیٰ جائز نہیں ہوگا۔
(حوالہ سابق ۱/۲۶۰، حاشیۃ الدسوقی ۱/۳۴۷، المحلی علی المنہاج ۱/۲۷۲، المغنی ابن قدامہ ۲/۲۷۷، ۲۷۸)

۵- اکثر علماء معاصرین کی رائے گھروں عدم اقامت جمعہ کی ہے، قائلین جواز کی تعداد بہت کم ہے، اور انھوں نے کوئی مضبوط دلیل پیش نہیں کی ہے۔

۶- آپ ﷺ نے جمعہ کی نماز مخصوص صفت اور ہیئت پر پڑھی ہے، اور اپنے فعل سے قرآن کریم کے مجمل ﴿فاسعوا الی ذکر الله﴾ کی وضاحت فرمائی ہے، جیسا کہ بعض دوسرے حالات میں گھروں میں ادائیگی جمعہ پر قدرت کے باوجود اسے ترک بھی کیا ہے اور شرعاً آپ ﷺ سے ترک جمعہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ آپ ﷺ ہی اس کے اصل مخاطب تھے، نیز نہ آپ ﷺ سے، نہ صحابہ کرام سے، نہ ہی بعد کے لوگوں سے یہ ثابت ہے کہ انھوں نے جمعہ کی نماز قدرت کے باوجود اس کی غیر ہیئت اور صفت پر پڑھی ہو خواہ ایک بار ہی کیوں نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ اہل عوالی جمعہ کے دن جمعہ کی نماز مسجد نبوی میں پڑھنے کے لیے اپنی مسجدوں میں تالا لگا دیتے تھے، اس لیے کہ ان کو اپنے گھروں یا مسجدوں میں اقامت جمعہ کی اجازت نہیں تھی۔

۷- گھروں میں اقامت جمعہ کے جواز کا قول احناف کی رائے کے مطابق اس تعداد پر توقف ہوتی ہے جس سے جمعہ منعقد ہو جائے، لیکن ظاہر سی بات ہے صرف یہ کافی نہیں ہے، جب تک کہ احناف کے بقیہ شرائط نہ پائے جائیں، مثلاً کسی کھلی ہوئی جگہ میں ہو اور اذن عام ہو، آنے والوں میں سے ہر ایک کے لیے دروازہ کھلا ہو، اور ظاہر ہے کہ یہ شرط متحقق نہیں ہوتی ہے، گھروں میں جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کے قول کا مدار تلفیق بین المذاہب الفقہیہ پر ہے، جو کسی بھی مسلک کے شرائط سے میل نہیں کھاتی ہے، اور یہ صورت علماء کے نزدیک ناقابل قبول ہے۔

۸- گھروں میں اقامت جمعہ کا قول ''قول محدث'' ہے، جواز روئے حدیث: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد" (بخاری، رقم: ۲۶۹۷، مسلم، رقم: ۱۷۱۸) ناجائز ہے، کیوں کہ کورونا کوئی نئی آفت اور بیماری نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے نماز کی ایسی کوئی شکل گڑھ لی جائے جس کا کوئی قائل نہیں ہے، چنانچہ تاریخ میں ایک نہیں کئی بار ایسا ہوا ہے کہ جمعہ اور جماعت تو موقوف کر دی گئی ہیں، لیکن کسی سے بھی عہد نبوی اور مابعد کے ادوار کے خلاف اقامت جمعہ کا قول منقول نہیں ہے، چنانچہ امام ذہبی ''سیر اعلام النبلاء'' میں عباسی خلیفہ قائم بامر اللہ ابو جعفر عبداللہ بن قادر باللہ کے حالات میں لکھتے ہیں:

"وكان القحط عظيما بمصر و بالأندلس وما عهد قحط ولا وباء مثله بقرطبة، حتى بقيت المساجد مغلقة بلا مصلّ وسمي عام الجوع الكبير۔" (سیر اعلام النبلاء ۱۳/۴۳۸)

(اور مصر و اندلس میں قحط بڑا زبردست تھا، قرطبہ میں اس جیسا قحط اور وباء دیکھنے میں نہیں آئی، یہاں تک کہ مساجد مقفل کر دئے گئے کوئی نماز پڑھنے والا نہ رہا حتی کہ اس سال کا نام ہی ''عام الجوع الکبیر'' (بڑی بھوک مری کا سال) پڑ گیا۔)

مقریزی تحریر کرتے ہیں:

”و بطلت الأفراح وا لأعراس من بين الناس، فلم يعرف أن أحداَعمل فرحاَفى مدة الوبائو لا سمع صوت غناءٍ، و تعطل الأذان من عدة مواضع، و بقى فى المشهوربأذان واحد، وغلقت أكثر المساجدو الزوايا۔“ (السلوک لمعرفۃ دول الملوک ۴/۸۸)

(شادیاں اور تقریبات لوگوں کے درمیان سے ختم ہوگئے، چنانچہ وباء کی مدت میں کسی نے کوئی خوشی کی تقریب منائی ہو یا گانے کی آواز سنی ہو،علم میں نہیں آیا، کئی جگہوں پر اذانیں بند کردی گئیں صرف ایک جگہ باقی رہی، اور اکثر مساجد وخانقاہوں میں تالا لگا دیا گیا۔)

ابن حجر فرماتے ہیں:

”وفى أوائل هذه السنة وقع بمكة وباء عظيم بحيث مات فى كل يوم أربعون نفساً وحصر من مات فى ربيع الأول ألفاَو سبع مأة، و يقال إن إمام المقام لم يصل معه فى تلك الأيام إلا إثنين، و بقية الأئمة بطلوا، لعدم من يصلى معهم۔“ (إنباء الغمر بأبناء العمر ۳/۳۲۶)

(اور اس سال کے اوائل (یعنی سن ۸۲۷ھ) میں مکہ مکرمہ میں بہت بڑی وباء پھیلی، ہر روز اس کی وجہ سے چالیس لوگ مرتے تھے، اور ماہ ربیع الاوّل میں مرنے والوں کی تعداد ایک ہزار سات سو شمار کی گئی، بیان کیا جاتا ہے کہ محلے کے امام کے ساتھ صرف دو لوگ ہی نماز پڑھتے تھے، بقیہ ائمہ بیکار سے ہوگئے تھے، اس لیے کہ ان کے ساتھ کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے۔)

اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ نے ۶۵۶ھ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ

”بغداد میں بڑی تباہی آئی یہاں تک کہ مسجدوں میں جمعہ اور جماعات کئی مہینے تک موقوف رہیں، اور اس وباء میں بہت زیادہ لوگوں کی موتیں واقع ہوئیں۔“ (البدایۃ والنہایۃ ۱۳/۲۰۳)

۹- جمہور فقہاء ایک ہی شہر میں تعدد جمعہ سے منع کرتے ہیں، جمعہ کے معنی (تکثیر واجتماع اور ملاقات) کو باقی رکھنے کے لئے، اور مساجد میں تکثیر جماعت اس کے منافی ہے، شیخ تقی الدین سبکیؒ نے اس مسئلہ سے متعلق ”الاعتصام بالواحد الأحد من إقامة جمعتين فى بلد۔“ نامی مستقل ایک رسالہ لکھا ہے، اور بلا ضرورت عدم تعدد جواز والے قول کو ترجیح دی ہے، پھر فرمایا ہے:

”وأما تخيل أن ذلك-أى تعدد الجمعة-يجوز فى كل المساجدعند عدم الحاجة، فهذا من المنكر بالضرورة فى دين الإ سلام۔“ (فتاوى السبكى ۱/۱۸۰)

(اور جہاں تک اس خیال کا تعلق ہے کہ یہ-یعنی تعدد جمعہ- بلا ضرورت ہر مسجد میں جائز ہے، تو یہ دین اسلام میں ایک منکر ہے۔)

قابل غور بات یہ ہے کہ جب مساجد میں تعدد جمعہ درست نہیں تو گھروں میں کیسے درست ہوسکتا ہے، اور جب فقہاء ایک ہی شہر میں تعدد جمعہ سے منع کرتے ہیں حالانکہ وہ مسجد میں، امام اور مجمع کثیر کی موجودگی میں ادا کی جاتی ہے تو وہ گھروں میں، بغیر امام (مسجد) وہ بھی تین چار افراد کی موجودگی میں تعدد جمعہ کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں؟ اور کیا یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے کہ ایک ایک گاؤں اور ایک ایک محلے میں دسیوں، بیسیوں جمعہ قائم کئے جائیں؟

۱۰- اصل ضرورت پر قولِ جواز کی بنیاد رکھنا بھی صحیح نہیں ہے، کیوں کہ ضرورت کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مکلّف اس کا مخاطب ہو، اور صحیح بات یہ ہے کہ عذر کورونا کی وجہ سے تکلیف شرعی ساقط ہے، بلکہ تکلیف (شرعی) تو اس سے بھی کم درجہ کے اعذار سے ساقط ہوجاتی ہے، جیسے بارش، آندھی، سخت ٹھنڈی اور خوف وغیرہ، نیز گھروں میں اقامت جمعہ کی اجازت دینے کی صورت میں اندیشہ یہ ہے کہ لوگ بیماری اور آفت ختم ہونے کے بعد بھی اسی پر قائم رہیں گے اور مسجد جانے کو حقیر سمجھنے لگیں گے، نیز جن علماء معاصرین نے اس کی اجازت دی ہے

انھوں نے اپنے فتاوی کی بنیاد آفت اور بیماری پر نہیں رکھی ہے، بلکہ ان عام فقہی اقوال پر رکھی ہے جو ہر حالات واوقات پر صادق آتے ہیں۔

۱۱- علماء نے جمعہ اور عرفہ کے درمیان موازنہ اور تقابل کیا ہے اور صرف لوگوں کے اجتماع اور دعا کی وجہ سے فضیلت کا حکم لگایا ہے چنانچہ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

”صلاة الجمعة التی هی من آکد فروض الإسلام، و من آعظم مجامع المسلمین، و هی آعظم من کل مجمع یجتمعون فیه، وأفرضه سوی مجمع عرفة۔“ (زاد المعاد، أحکام الجمعة، خصائص یوم الجمعة)

(نماز جمعہ جو کہ اسلام کے اہم تاکیدی فرائض میں سے ہے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع ہے، وہ ہر اس مجمع سے بڑا ہے اور فرضیت کا حامل ہے جس میں لوگ جمع ہوتے ہیں، سوائے عرفہ کے مجمع کے۔)

تو کیا اس طرح کا فریضہ گھروں میں، وہ بھی دو تین لوگوں سے ادا ہوسکتا ہے؟

۱۲- اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ نے اپنی قرارداد میں لکھا ہے: ”مساجد بند ہونے کی صورت میں لوگ جمعہ کی نماز گھروں میں ظہر کی نیت سے پڑھیں گے، کیوں کہ گھروں میں جمعہ جائز نہیں ہے اور گھروں میں جمعہ پڑھ لینے سے فرضیت ساقط نہیں ہوگی۔“

(دیکھئے توصیات الندوة الطبیة الفقهیه الثانیة للعام ۲۰۲۰م- بعنوان: فیروس کورونا المستجد (کوفید-۱۹) وما یتعلق به من معالجات طبیة وأحکام شرعیة)

خلاصہ یہ کہ نماز جمعہ اپنی معروف صورت وشرائط کے ساتھ مفاخر اسلام میں شمار کی جاتی ہے، اور اہل اسلام پر اللہ کی ایک نعمت ہے، ابن قیمؒ نے زادالمعاد میں لکھا ہے کہ نماز جمعہ دیگر نمازوں کے مقابلہ تینتیس خصوصیات سے مخصوص کی گئی ہے مثلاً اجتماع مخصوص تعداد، اقامت کے شرائط وغیرہ، اور گھروں میں اقامت جمعہ کی اجازت دینا ان امتیازات وخصوصیات کو ختم کرنے کے مرادف ہوگا، لہٰذا ائمہ اور عامۃ المسلمین پر ضروری ہے کہ جمعہ کی مخصوص شرعی صفات اور صورت کو لازم پکڑیں، اور اس کو کسی ایسی صورت میں ہرگز تبدیل نہ کریں جو کسی بھی صورت فقہاء اوّلین کی مراد نہیں تھی۔

ایک ہی مسجد میں ایک سے زائد جماعت کا حکم

ایسی مسجدیں جن میں امام اور مؤذن مقرر ہوں اور مقتدی معلوم ہوں، نیز جماعت کے اوقات بھی متعین ہوں اور وہاں پنج وقتہ نماز باجماعت ہوتی ہو تو ایسی مسجد میں ایک مرتبہ اذان واقامت کے ساتھ محلے والوں یا اہل مسجد کی جماعت کے ساتھ نماز ادا کرلینے کے بعد دوبارہ نماز کے لیے جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے، وجہ یہ ہے کہ دوسری جماعت سے لوگوں کے دلوں سے پہلی جماعت کی اہمیت وعظمت ختم ہوجائے گی اور پہلی جماعت کے افراد بھی کم ہوجائیں گے نیز جماعت میں کثرت بھی مطلوب ہے، جب کہ ایک سے زائد جماعت کرنے میں کثرت کے بجائے قلت اور تفریق ہے۔

روایات میں آتا ہے:

عن أبی بکرة أن رسول الله ﷺ أقبل من نواحی المدینة یرید الصلاة، فوجد الناس قد صلوا، فمال إلی منزله، فجمع أهله فصلی بهم۔“ (طبرانی المعجم الاوسط، رقم ٤٦٠١)

(حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ کے مضافات سے تشریف لائے، نماز ادا کرنا چاہتے تھے، لیکن معلوم ہوا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں تو آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے اور گھر والوں کو جمع کیا اور (جماعت سے) نماز پڑھائی۔)

البتہ ایسی مساجد جو راستوں پر بنی ہیں اور ان میں امام مقرر نہیں ہوتا، جہاں مسافر آکر اپنی جماعت کرتے ہیں تو اس قسم کی مساجد میں جماعت ثانیہ جائز ہے، چنانچہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اسی نوعیت کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

’’جس مسجد میں پنج وقتہ جماعت اہتمام وانتظام سے ہوتی ہو،اس میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک جماعت ثانیہ مکروہ ہے،اور مسجد میں ایک وقت کی فرض نماز کے لیے ایک ہی جماعت مطلوب ہے،حضور انور ﷺ کے زمانۂ مبارک اور خلفاء اربعہ اور صحابہ کرامؓ کے زمانوں میں مساجد میں صرف ایک ہی مرتبہ جماعت کا معمول تھا،پہلی جماعت کرنے کے بعد پھر جماعت کرنے کا طریقہ اور رواج نہیں تھا،دوسری جماعت کی اجازت دینے سے پہلی جماعت میں نمازیوں کی حاضری میں سستی پیدا ہوتی ہے،اور جماعت اوّل ی کی تقلیل لازمی ہوتی ہے،اس لیے جماعت ثانیہ کو حضرت امام صاحبؒ نے مکروہ فرمایا اور اجازت نہیں دی،اور جن ائمہ نے اجازت دی انھوں نے بھی اتفاقی طور پر جماعت اوّل ی سے رہ جانے والوں کو اس طور سے اجازت دی کہ وہ اذان واقامت کا اعادہ نہ کریں،اور پہلی جماعت کی جگہ بھی چھوڑ دیں،لیکن روزانہ دوسری جماعت مقرر کر لینا اور اہتمام کے ساتھ اس کو ادا کرنا اور اس کے لیے تداعی-یعنی لوگوں کو بلانا اور ترغیب دینا- یہ تو کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے،نہ اس کے لیے کوئی فقہی عبارت دلیل بن سکتی ہے،یہ تو قطعاً ممنوع اور مکروہ ہے۔‘‘ (کفایت المفتی ۳/۱۴۰)

مسجد میں ایک جماعت کے علاوہ جو لوگ رہ جائیں وہ گھروں میں جماعت بنا سکتے ہیں،اسی طرح مجمع کم کرنے کے لیے جماعت ثانیہ کا اہتمام کیا جا سکتا ہے،جماعت ثانیہ عام حالات میں فقہاء احناف کے یہاں مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر ہیئت اوّل ی پر نہ ہو تو حضرت امام ابو یوسفؒ کے یہاں اجازت ہے،چنانچہ شامی میں ہے:

”وعن أبی یوسف أنه إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الاوّل ی، لا تكره، و إلا تكره، و هو الصحيح“

(فتاوی الشامی ۱/۵۵۳)

(امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ اگر جماعت ہیئت اوّل ی پر نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے ورنہ (یعنی اگر ہیئت اوّل ی پر ہو تو) مکروہ ہوگی اور یہی صحیح ہے۔)

نیز جماعت ثانیہ کی کراہت کی علت تقلیل جماعت ہے یعنی کہ پہلی جماعت میں مجمع کم ہو جائے گا اس لیے دوسری جماعت کرنے سے منع کیا گیا ہے لیکن یہاں تو مجمع کم کرنا ہی مقصود ہے اس لیے یہاں پر جماعت ثانیہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

کورونا سے وفات پانے والے میت کی تغسیل وتکفین کا حکم

جیسا کہ ہم سب کو معلوم ہے کہ فتاوی واحکام زمان ومکان اور ظروف واحوال کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں اور فقہ اسلامی میں ایسے اصول و قواعد پائے جاتے ہیں جو استثنائی صورتحال اور ضرورت کے حالات کی رعایت کرتے ہیں،مثلاً ”الضرورات تبيح المحظورات“ اور ”المشقة تجلب التيسير“ ”لا تكليف إلا بالمقدور“ اور ان تمام قواعد اور ان کے نظائر وفروع کی بنیاد نصوص پر ہے جیسے اللہ کا ارشاد:﴿لا يكلف الله نفسا إلا وسعها﴾ ﴿وما جعل عليكم في الدين من حرج﴾ اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد:”يسروا و لا تعسروا“ وغیرہ،ان ہی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے ہم کورونا سے وفات پانے والے مسلم میت کے غسل اور جنازے کے متعلق آراء تحریر کرتے ہیں:

’’مسلمان میت کی تغسیل کے حکم میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے،جمہور فقہاء وجوب کے قائل ہیں،جب کہ احناف ومالکیہ کے ایک قول کے مطابق تغسیل میت سنت مؤکدہ ہے،اور سبب اختلاف یہ ہے کہ غسل عمل سے ثابت ہے نہ کہ قول سے،اور عمل میں کوئی ایسا صیغہ نہیں ہوتا جس سے وجوب یا عدم وجوب سمجھا جائے،بہر حال راجح یہی ہے کہ میت کو غسل دینا عام طبعی احوال میں واجب ہے،البتہ استثنائی صورتحال میں جیسے طاعون،وباء اور کورونا وغیرہ میں ترک تغسیل اور تیمم جائز ہوگا۔‘‘

کورونا سے وفات پانے والے کو غسل اور تیمّم دینے والا تعدی مرض کے خطرے سے محفوظ نہیں ہے جیسا کہ ادارۂ صحت کا بیان ہے، قواعد فقہیہ اور نصوص شرعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ صحیح اور تندرست زندہ انسان کی زندگی کی حفاظت کو میت کے حق میں سنت یا واجب کی ادائیگی پر مقدم رکھا جائے گا، اور اس سلسلہ میں غلبۂ ظن کافی ہوگا، (یعنی یہ گمان غالب ہو کہ غسل دینے والوں کو جراثیم منتقل ہو جائیں گے اور بیماری لگ جائے گی) اور اس وبائی صورت میں میت کو اس طرح (بغیر غسل و تیمّم) دفن کرنے سے ثواب کم نہیں ہوگا، اور گھر والے اور مسلمان شرعاً ذمہ سے بری ہو جائیں گے، کیوں کہ بعض نصوص ایسے ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ عند اللہ شہید ہے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

”فليس من عبد يقع في الطاعون فيمكث في بلده صابراً يعلم أنه لا يصيبه إلا ما كتب الله له إلا كان له مثل أجر الشهيد۔“ (رواه البخاري، رقم: ٥٧٥٤)

(جو بندہ بھی طاعون میں مبتلا ہوا اور صبر کر کے اپنے ہی شہر میں ٹھہرا رہا اس یقین کے ساتھ کہ اللہ نے جو مقدر میں لکھ دیا ہے وہ لاحق ہو کے رہے گا، تو اس کو شہیدوں جیسا اجر ملے گا۔)

نماز جنازہ:

نماز جنازہ میت کا حق ہے اور جمہور فقہاء کے نزدیک فرض کفایہ ہے، اگر بعض لوگ ادا کر لیں تو بقیہ مکلفین کی طرف سے ساقط ہو جائے گا، اور قانوناً جن کو اجازت ہو ان کا پڑھ لینا کافی ہوگا، خواہ وہ دو تین ہی ہوں، بلکہ بعض علماء کی رائے تو یہاں تک ہے کہ اگر ایک مکلّف مرد یا عورت بھی نماز پڑھ لیتے ہیں تو وجوب ساقط ہو جائے گا، جیسا کہ احناف، شوافع اور حنابلہ کی رائے ہے، چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

”و الصلاة على الجنازة تتأدى بأداء الإمام وحده، لأن الجماعة ليست بشرط للصلاةعلى الجنازة، كذا في النهاية۔ (الفتاوى الهنديه، الفصل الخامس في الصلاةعلى الميت ١٦٢/١)

(نماز جنازہ تنہا امام کے پڑھ لینے سے ادا ہو جاتی ہے، اس لیے کہ نماز جنازہ میں جماعت شرط نہیں ہے۔)

نیز اسی میں ہے: ”الصلاة على الجنازة فرض كفاية إذا قام به البعض واحدا كان أو جماعة، ذكرا كان أو أنثى، سقط عن الباقين، وإذا ترك الكل أثموا، هكذا في التتارخانية۔“ (حواله سابق)

(نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، اگر کچھ لوگ اس کو ادا کر لیں خواہ ایک ہو یا پوری جماعت، مرد ہو یا عورت، تو بقیہ کی طرف سے ساقط ہے جائے گا، اور اگر سب نے چھوڑ دی تو سب گنہگار ہوں گے۔)

لہٰذا کورونا سے فوت ہونے والے شخص کی نماز جنازہ اسی طرح پڑھی جائے گی جیسے دوسرے امراض میں فوت ہونے والوں کی پڑھی جاتی ہے، البتہ بسا اوقات طبی عملہ کورونا کے میت کو خود قبرستان لے جا کر سپرد خاک کرتا ہے، اور لاش متعلقین کے حوالہ نہیں کرتا، یا کچھ کرنے کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ بعض اوقات تدفین کی خبر دیتا ہے اور جگہ بتا دیتا ہے، اور کبھی تو جگہ بھی نہیں بتاتا، تو ایسی صورت میں:

الف: اگر متعلقین کو قبرستان اور قبر کا علم ہو جائے، یا طبی عملہ میت کو حوالہ کر دے مگر دفن کے علاوہ مزید کسی چیز کی اجازت اور موقع نہ دے، تو مندرجہ ذیل دلائل کی بنیاد پر قبر پر اس کی نماز جنازہ ادا کی جا سکتی ہے:

۱- ”عن أنس رضی اللہ عنہ أن النبي ﷺ صلى على قبر“ (صحیح مسلم ۱/۵۰۳ رقم الحدیث: ۹۵۵)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے قبر پر نماز (جنازہ) پڑھی ہے۔)

۲- ”عن جابرؓ أن النبی ﷺ صلی علی قبر إمرأة بعد ما دفنت۔“ (نسائی، رقم: ۲۰۲۷)

(حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک عورت کی قبر پر تدفین کے بعد نماز جنازہ ادا کی۔)

معلوم ہوا کہ قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے بشرطیکہ لاش پھٹی نہ ہو، اور جب تک اس بات کا غالب گمان ہو کہ لاش نہیں پھٹی ہوگی اسوقت تک نماز جنازہ پڑھنا فرض ہوگا، اور اگر لاش کے پھٹ جانے کا غالب گمان ہو تو جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی، اور ایسی صورت میں جنازہ نہ پڑھنے والے گنہگار ہوں گے، انھیں کثرت سے توبہ واستغفار کرتے رہنا چاہئے۔

اور راجح قول کے مطابق لاش پھٹنے کا کوئی خاص وقت متعین نہیں ہے، کیوں کہ موسم، جگہ، اور میت کے موٹے اور پتلے ہونے کی وجہ سے مدت مختلف ہوسکتی ہے۔

اور ہندیہ میں ہے:

”ولو دفن المیت قبل الصلاۃ أو قبل الغسل فإنه یصلی علی قبره إلی ثلاثة أیام، و الصحیح أن هذا لیس بتقدیر لازم بل یصلی علیه ما لم یعلم أنه قد تمزق، کذا فی السراجیة۔“ (فتاوی ہندیہ، کتاب الصلاۃ، الفصل الخامس فی الصلاۃ علی المیت ۱/۶۵)

(اور اگر میت کو نماز سے قبل (جنازہ پڑھے بغیر) یا غسل سے قبل دفن کردیا گیا تو تین دن تک اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ (تین دن کا) اندازہ لازم نہیں ہے بلکہ اسوقت تک قبر پر نماز پڑھی جاسکتی ہے جب تک لاش پھٹنے کا غالب گمان نہ ہو' سراجیہ میں مسئلہ اسی طرح ہے۔)

اور اگر لاش کے پھٹ جانے میں شک وشبہ ہو تو ایسی صورت میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔

مسئلہ کی یہ تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ قبر پر مٹی ڈال دی گئی ہو، اگر ابھی مٹی نہیں ڈالی گئی ہے اور پتہ چل جائے تو لاش کو نکالیں گے اور غسل وجنازہ پڑھ کر تدفین کریں گے۔“

غائبانہ نماز جنازہ

غائبانہ نماز جنازہ کا مسئلہ شروع دور سے ہی اختلافی رہا ہے، احناف اور مالکیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور شوافع وحنابلہ اسے جائز مانتے ہیں۔

قائلین جواز کے دلائل:

۱- عن أبی هریرةؓ قال: نعی النبی ﷺ النجاشی فی الیوم الذی مات فیه، خرج بهم إلی المصلی فصف بهم، و کبرعلیه أربع تکبیرات۔“ (بخاری رقم: ۱۳۲۷، مسلم رقم: ۹۵۲)

(حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نجاشی کی وفات کی خبر دی اس دن جس دن ان کا انتقال ہوا، اور صحابہؓ کو لے کر عیدگاہ گئے اور ان کی صف بندی کی اور چار تکبیر کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی۔)

صحیح مسلم میں یہی روایت ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں: ”فقام فأمنا و صلی علیه۔“ (صحیح مسلم ۱/۳۰۹)

(چنانچہ آپ کھڑے ہوئے اور ہماری امامت کروائی، اور ان کی جنازہ کی نماز پڑھی۔)

مانعین جواز کے دلائل:

۱- یہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص تھا، آپ غائبانہ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں، امت نہیں پڑھ سکتی۔ (دیکھئے فتح الباری: ۳/۲۴۳)

۲- آپ ﷺ اور نجاشی کی میت کے درمیان سے تمام حجابات اٹھالیے گئے تھے اور میت کو آپ کے سامنے ظاہر کر دیا گیا تھا۔

۳- نجاشی کے علاوہ کسی اور کی غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا گیا حالانکہ آپ ﷺ کی حیات میں بہت سے صحابہؓ فوت ہوئے۔

۴- نجاشی ایسے علاقہ میں فوت ہوئے جہاں مسلمان نہیں تھے اور اسلامی طریقہ کے مطابق ان کی نماز جنازہ نہیں ہوئی تھی، اس لیے آپ ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

۵- آپ ﷺ کا جنازہ پڑھنا امت کے لیے برکت اور پاکیزگی کا ذریعہ ہے، چنانچہ صحیح مسلم اور ''ابن حبان'' میں ہے:

"فصلى على القبر، ثم قال: إن هذه القبور مملوئة ظلمةعلى أهلها وأن الله ينورها لهم بصلاتى عليهم"

(التعلیق الممجد ۲/۱۲۴ رقم: ۳۱۷)

(آپ ﷺ نے قبر پر نماز جنازہ پڑھی، پھر فرمایا: یہ قبور اہل قبور پر تاریکیوں سے بھرے ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ میرے جنازہ پڑھنے کی وجہ سے ان کے کے لیے ان کی قبر کو منور کرتے ہیں۔)

بہر حال مسئلہ زیر بحث میں چوں کہ کورونا کے میت کی نماز ہی نہیں پڑھی گئی ہے اسلیے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز ہی نہیں بلکہ وجوب کا درجہ رکھتا ہے، اور امام خطابی، رویانی (فخر الاسلام قاضی ابوالحاسن عبدالواحد بن اسماعیل، شافعی فقیہ) شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیمؒ وغیرہ محققین علماء کی رائے یہی ہے، چنانچہ ''زادالمعاد'' میں ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

" و قال شيخ الإسلام ابن تيمية: الصواب أن الغائب إن مات ببلد لم يصل عليه فيه، صلى عليه صلاة الغائب، كما صلى النبى ﷺ على النجاشى، لأنه مات بين الكفار ولم يصل عليه۔" (زاد المعاد)

(شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: اور درست یہ ہے کہ اگر (میت) غائب ایسے شہر میں فوت ہوا ہے جہاں اسکی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی ہے تو اس غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی، کیوں کہ آپ ﷺ نے نجاشی کی غائبانہ جنازہ کی نماز پڑھی تھی کیوں کہ وہ کفار کے درمیان فوت ہوئے تھے اور ان جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی۔)

نیز عصر حاضر کے محقق سلفی عالم شیخ البانی اسی کے قائل ہیں کہ اگر جنازہ کی نماز نہیں پڑھی گئی ہے تو غائبانہ نماز پڑھیں گے ورنہ نہیں، اور جید سلفی عالم شیخ عبداللہ بن بازؒ نے بھی اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ نہ پڑھی جائے الا یہ کہ اس نماز پڑھی ہی نہ گئی ہو۔

دور حاضر کے ایک جید حنبلی عالم شیخ صالح العثیمینؒ فرماتے ہیں:

''اہل علم کے اقوال میں سے راجح قول یہ ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں ہے، الا یہ کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی ہی نہ گئی ہو، مثلاً کوئی شخص کسی کافر ملک میں فوت ہوگیا اور اس کی کسی نے جنازہ نہیں پڑھا، یا کوئی سمندر یا دریا، یا وادی میں غرق ہوگیا ہو اور اس کی لاش نہ ملی ہو تو اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے۔'' (من ارکان الصلاۃ: ص: ۳۳۹، الشرح الممتع ۵/۴۴۰)

کیا کورونا سے مرنے والے شہید ہوں گے

شہداء کی تین قسمیں ہیں:

۱-شہید دنیا:

وہ شہید ہے جو میدان جنگ میں مرا ہو لیکن اس کی نیت اعلاء کلمۃ اللہ کی نہ ہو، بلکہ اس نے غیر اللہ کے لیے جان دی ہو، یا مالِ غنیمت کے

لیے لڑا ہو، یا اپنی بہادری دکھانے لئے، یا میدان جہاد سے راہ فرار اختیار کرلیا ہو یا مال غنیمت میں چوری اور خیانت کی ہو۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو نہ غسل دیا جائے گا، نہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی، (یعنی اس کے ساتھ شہداء کا معاملہ کیا جائے گا) لیکن وہ ثواب آخرت سے محروم ہوگا۔

۲-شہید دنیا وآخرت:

وہ شہید ہے جو میدان جنگ میں کفار کے ساتھ لڑتے ہوئے مارا گیا ہو، اور اس کی نیت اعلاء دین وکلمۃ اللہ ہو، وہ آگے بڑھنے والا ہو، پیٹھ پھیر کر بھاگنے والا نہ ہو اور نہ ہی مال غنیمت اس کا مطلوب ومقصود ہو، صرف شہادت ہی اس کا مطلوب ومقصود ہو، یہی شہید کامل ہے اور اللہ کے نزدیک شہداء میں سب سے بلند درجہ اور جنت میں افضل ترین مقام کا حامل ہے، اس کو غسل نہیں دیا جائے گا بلکہ اس کو اسی کے کپڑوں میں دفنا دیا جائے گا۔

۳-شہید آخرت:

وہ ہے جو میدان جنگ میں نہ مرا ہو بلکہ ایسی کسی بیماری میں مرا ہو جس میں مرنے والے کو حدیث میں شہید قرار دیا گیا ہے، جیسے ڈوب کر، یا جل کر مرنے والا، یا طاعون اور پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو کر مرنے والا، اور اسی قسم کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

"الشهداء خمسة: المطعون والمبطون و الغريق، وصاحب الهدم والشهيدفى سبيل الله۔" (بخاری رقم:۲۸۲۹، مسلم:۱۹۱۴)

(شہداء پانچ طرح کے ہیں: وہ شخص جو طاعون میں مرا ہو، وہ جو پیٹ کی بیماری میں مرا ہو، وہ جو ڈوب کر مرا ہو، جو مکان یا کسی چیز کے نیچے دب کر مرا ہو، وہ جو اللہ کی راہ میں شہید ہوا ہو۔)

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

"القتل فى سبيل الله شهادة، والطاعون شهادة، والغرق شهادة، والبطن شهادة، والحرق شهادة، والسل شهادة، والنفساء يجرها ولدها بسررها إلى الجنة" (جامع صغير: ٦١٥٩)

ایک اور حدیث میں ہے، حضرت جابر بن عتیکؓ روایت کرتے ہیں کہ جب وہ بیمار ہوئے تو آنحضرت ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے تو گھر والوں میں سے کسی نے کہا کہ ہماری خواہش تھی کہ ان کی وفات اللہ کے راستے میں شہادت ہوتی، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"إن شهداء أمتى إذا لقليلٌ، القتل فى سبيل الله شهادة، والمطعون شهادة، والمرأة تموت بِجُمعٍ شهادة-يعنى الحامل-والغَرِقُ والحَرِقُ والمَجُنُوبُ -يعنى ذات الجنب -شهادة۔" (ابن ماجه:٢٢٧٩)

نوٹ: ذات الجنب ایک بیماری ہے جس میں پھیپھڑے کے غلاف میں ورم آجاتا ہے اور سانس لینے میں پھیپھڑے میں زیادہ حرکت نہیں ہوتی ہے، نیز بخار، کھانسی اور سانس لیتے وقت تکلیف کا سبب بنتا ہے، اسے انگریزی میں پلوریسی (Pleurisy) کہتے ہیں، یہ نمونیہ ہی کی ایک شکل ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر دنیاوی احکام جاری ہوں گے مثلاً باقی مردوں کی طرح اسے غسل دیا جائے گا، کفن دیا جائے گا، جنازہ پڑھا جائے گا اور تدفین کی جائے گی، شریعت نے اسے شہدا آخرت میں شمار کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ کورونا بھی اپنی ہیئت وشکل اور اثرات وعلامات کے اعتبار سے ان ہی بیماریوں میں شامل ہے جن کا احادیث میں باقاعدہ ذکر ہے، لہٰذا اس میں مرنے والا بھی شہید آخرت ہوگا۔

الکوحل آمیز سینا ٹائزر کے استعمال کا حکم

اصل حکم شرعی سے پہلے چند باتیں ذہن نشین کر لینا ضروری ہے:

الکوحل کی دو قسمیں ہیں:

۱- ایک وہ جو منقیٰ، انگور، یا کھجور کی شراب سے بنائی گئی ہو، یہ بالاتفاق ناپاک اور حرام ہے، اس کا استعمال اور خرید و فروخت ناجائز ہے۔

۲- دوسری وہ جو مذکورہ بالا اشیاء کے علاوہ کسی اور چیز سے مثلاً جَو، آلو، شہد، گنا، اور سبزی وغیرہ سے حاصل کی گئی ہو، تو اس کا استعمال اور اس کی خرید و فروخت جائز ہے بشرطیکہ نشہ آور نہ ہو۔

الکحل ایک ''کیمیکل'' کا بھی نام ہے، ''کیمیکل الکحل'' کی بہت سی اقسام ہیں، جیسے: ایتھے نال (ایتھائل الکحل) میتھے نال (میتھائل الکحل) ''پروے نال'' ''بیوٹے نال'' وغیرہ، جو کیمیاوی طور پر تیار کی جاتی ہیں، انہیں ''سینتھیٹک الکحل'' بھی کہتے ہیں، صنعتوں میں ان کا بڑے پیمانے پر استعمال ہوتا ہے، اور بالعموم ان کا استعمال غیر غذائی صنعتوں میں ہوتا ہے، الکحل کی مندرجہ بالا اقسام میں سے صرف ''ایتھے نال'' (ایتھائل الکحل) کو ہی بطور غذا استعمال کیا جا سکتا ہے، اب اس کا نیا استعمال پٹرول کے متبادل کے طور پر بھی کیا جانے لگا ہے، اجناس یا پھلوں سے تیار شدہ شراب یا ''وائن'' بھی کیمیاوی طور پر ''ایتھے نال'' ہی ہے۔

کیمیکل ''الکحل'' کو نیل پالش، فرنیچر پالش، اور پرفیوم وغیرہ میں بھی (بطور نان فوڈ) استعمال کیا جاتا ہے، عام طور پر ادویات، پرفیوم اور دیگر مرکبات میں جو الکحل استعمال کی جاتی ہے وہ انگور یا کھجور وغیرہ سے حاصل نہیں کی جاتی ہے بلکہ دیگر اشیاء سے بنائی جاتی ہے، لہٰذا کسی چیز کے بارے میں جب تک تحقیق سے ثابت نہ ہو جائے کہ اس میں پہلی قسم (منقیٰ، انگور یا کھجور کی شراب) سے حاصل شدہ ''الکحل'' ہے اس وقت تک اس کے استعمال کو ناجائز اور حرام نہیں کہہ سکتے۔

انگور اور کھجور کے علاوہ دیگر ذرائع سے حاصل شدہ ''ایتھائل الکحل'' کا استعمال ذاتی استعمال کی صنعت خارجی استعمال کی مصنوعات میں جائز ہے، مثلاً ٹوتھ پیسٹ، ہاتھ صاف کرنے کی خوشبودار اشیائ اور ذاتی استعمال کی دیگر اشیائ وغیرہ، جب کہ ان ہی مصنوعات میں اگر انگور یا کھجور سے حاصل شدہ ''ایتھائل الکحل'' استعمال ہو تو ان کا استعمال جائز نہیں ہے، چنانچہ ''فتح الملہم'' میں ہے:

"وأما غير الأشربة الأربعة، فليست نجسةعند الإمام أبي حنيفةؒ، وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة (**Alcohals**) التي عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعل في كثير من الأدوية والعطوروالمركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب أو التمرفلاسبيل إلى حلتها أو طهارتها، وإن اتخذت من غيرهمافالأمر فيها سهل على مذهب الإمام أبي حنيفةؒولا يحرم استعمالها للتداوي أولأغراض مباحة أخرى، ما لم تبلغ حد الإسكار، لأنها إنما تستعمل مركبة مع المواد الأخرى، ولا يحكم بنجاستها أخذا بقول أبي حنيفةؒ۔

وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدويةوالعطوروغيرهمالا تتخذمن العنب أو التمر، إنما تتخذ من الحبوب أو القشورأو البترول وغيره، كما ذكرنا في باب بيوع الخمرمن كتاب البيوع۔"

(فتح الملہم ۳/ ۶۰۸، کتاب الاشربۃ، حکم الکحول المسکرۃ، ط: مکتبۃ دار العلوم)

خلاصہ یہ کہ موجودہ دور میں جو ''الکوحل'' پرفیومز، یا سینا ٹائزر میں استعمال ہوتی ہے وہ انگور یا کھجور سے حاصل نہیں کی جاتی ہے بلکہ دیگر اشیاء

سے بنائی جاتی ہے، یہ نجس نہیں بلکہ پاک ہے، لہذا کورونا وائرس یا کسی بھی بیماری سے بچاؤ کے لیے ایسے سینا ٹائزر (Sanitizer) کا استعمال جائز ہے، یہ ہاتھ اور کپڑے میں لگی ہو تو بھی نماز ادا ہو جائے گی اور مساجد میں اس کا استعمال جائز ہے، یہی دار العلوم دیو بند اور پڑوسی ملک کے کئی دار الافتاء کا فتوی ہے۔

کورونا ویکسین لگوانے کا حکم

علاج کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ بیماری پیدا ہو جائے اور اس کے بعد اس کی دوا لی جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ ابھی بیمار تو نہیں ہوا ہے لیکن جسم کی اندرونی کیفیت، ماحول وغیرہ کی وجہ سے بیمار پڑنے کا اندیشہ ہے، ان دونوں صورتوں میں بیماری سے شفاء پانے یا بیماری کے امکانی خطرہ سے بچنے کے لیے دواؤں کا استعمال جائز ہے، کورونا ویکسین بنیادی طور پر دوسری قسم میں شامل ہے کہ کوئی شخص ابھی کورونا کے مرض میں مبتلا نہیں ہوا ہے لیکن وبائی صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے حفاظتی تدبیر کے طور پر ویکسین لیتا ہے۔

کسی خاص دوا کے جائز اور ناجائز ہونے میں بنیادی طور پر دو باتوں کا دخل ہوتا ہے، ایک یہ کہ اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟ دوسرے یہ کہ مریض کو کس حد تک اس کی ضرورت ہے؟

جہاں تک دوا کے اجزائے ترکیبی کی بات ہے تو بنیادی طور پر دوائیں تین چیزوں سے بنائی جاتی ہیں:

(۱) **جمادات**: یعنی مٹی، لوہا، چونا، سونا، چاندی، پتھر وغیرہ

(۲) **نباتات**: یعنی پودوں، پھلوں، پھولوں، پتوں، اور درخت کی چھالوں وغیرہ سے،

(۳) **حیوانات**: یعنی جانوروں کے اجزاء، گوشت، ہڈی، اور چمڑے وغیرہ سے، پہلی قسم کی تمام چیزیں جائز ہیں، ان میں سے کسی چیز کو شریعت میں حرام نہیں قرار دیا گیا ہے، دوسری قسم میں سوائے نشہ آور جز و کے تمام درخت، پودے اور ان سے نکلنے والی اشیاء حلال ہیں، اور قدیم زمانے سے لے کر آج تک زیادہ تر دوائیں نباتات سے ہی بنائی جاتی ہیں، اگر کسی ویکسین یا دوا میں ان دونوں چیزوں کا استعمال ہو تو ان کا جائز ہونا ظاہر ہے۔

اصل مسئلہ حیوانات کا ہے، کہ ان میں بعض حلال ہیں اور بعض حرام، اور جو حلال ہیں ان کے بھی بعض اجزاء حرام ہیں اسی طرح اگر جانور کو شرعی طور پر ذبح نہ کیا گیا ہو تو بھی وہ حرام اور مردار کے حکم میں ہے، اب اگر شرعی طریقہ پر ذبح کئے گئے حلال جانوروں کے حلال اجزاء مثلاً چمڑے، گوشت، اور ہڈی سے دوا بنائی جائے تو اس کے جائز ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے، لیکن اگر حرام جانور، یا حلال جانور کے حرام اجزاء، یا غیر شرعی طریقہ پر ذبح کئے گئے جانوروں سے دوا حاصل کی جائے تو یہ قابل غور ہے، جیسے ان کا کھانا حرام ہے، ویسے ہی دوا کے طور پر ان کا کھانا یا انھیں رگ اور گوشت وغیرہ کے ذریعہ جسم کے اندر پہونچانا بھی جائز نہیں ہے، البتہ اس سے دو صورتیں مستثنیٰ ہیں:

۱- ایک یہ کہ ان کے اجزائسے اس طرح دوا بنائی جائے کہ ان کی ماہیت (حقیقت) ہی تبدیل ہو جائے تو ان پر حرام ہونے کا حکم باقی نہیں رہے گا، کیوں کہ شریعت کے احکام کسی چیز کی موجودہ شکل سے متعلق ہوتے ہیں، جب شکل ہی بدل گئی تو حکم بھی بدل جائے گا، لیکن قلب ماہیت (حقیقت کی تبدیلی) کس وقت مانی جائے گی؟ یہ نہایت دقیق اور پیچیدہ مسئلہ ہے، فقہاء نے اس پر جو بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اشیاء کی نوعیت اور کیفیت تین چیزوں سے ظاہر ہوتی ہے: رنگ، بو اور مزا، اگر یہ تینوں چیزیں بدل جائیں تو اسے حقیقت کے بدل جانے کی علامت مانا جائے گا، ہندوستان کے دو اہم فقہی تحقیقی اداروں (اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور ادارہ مباحث فقہیہ جمعیت علماء ہند) نے اصحاب علم وارباب افتاء اور

ماہرین کے مشورہ سے یہی فیصلہ کیا ہے، لہٰذا اگر ویکسین میں حرام حیوانی اجزاء شامل کئے گئے ہوں اوران میں کیمیکل کے ذریعہ ایسی تبدیلی پیدا ہوگئی ہوتو ان کا استعمال جائز ہوگا۔

۲- دوسرے اگر حقیقت وماہیت تبدیل نہ ہوئی ہو، لیکن علاج کے لیے ماہر اطباء کی تحقیق کے مطابق اس کا استعمال ضروری ہوتب بھی اس کا استعمال کیا جاسکتا ہے کیوں کہ خود قرآن مجید میں جان بچانے کے لیے حرام شئی کے استعمال کی اجرت دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا إثم عليه، إن الله غفور رحيم﴾ (بقره: ۱۷۳)

(پھر جوکوئی بے اختیار ہوجائے نہ تو نافرمانی کرے نہ زیادتی، تو اس پر کچھ گناہ نہیں، بیشک اللہ ہے بڑا بخشنے والا نہایت مہربان۔)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فمن اضطر في مخمصة غير متجانف لإثم، فإن الله غفور رحيم.﴾ (مائدة: ۳)

(پھر جوکوئی لاچار ہوجاوے بھوک میں لیکن گناہ پر مائل نہ ہوتو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔)

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں اگر کورونا ویکسین کے مسئلے پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں حرام اجزاء کا شامل ہونا ابھی تک پایۂ تحقیق کو نہیں پہونچا ہے، سوشل میڈیا پر اس طرح کی باتیں گردش ضرور کررہی ہیں لیکن کسی فارمیسی کمپنی نے اس کی تصدیق نہیں کی ہے اور نہ ہی کسی لیبارٹی (Laboratory) میں تجزیہ کرایا گیا ہے اور نہ اس کی مصدقہ رپورٹ پیش کی گئی ہے، بلکہ کئی دواساز کمپنیوں نے تو کووڈ ویکسین میں سور کے مادوں سے متعلق وضاحت پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں ایسا کوئی مادہ استعمال نہیں کیا گیا ہے، نیز برطانیہ میں بننے والی ویکسین کے متعلق یہ خبر آئی ہے کہ اسے نباتات سے تیار کیا گیا ہے، اس لیے صرف شک کی بنیاد پر اسے حرام قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، اور اگر حرام اجزاء کا استعمال کیا بھی گیا ہو تو کیا وہ اپنی حقیقت کے ساتھ باقی ہیں؟ یہ بات واضح نہیں ہے، بلکہ ویکسین کی جو شکل ہے وہ عرق جیسی ہے بظاہر اس سے یہی گمان ہوتا ہے کہ اس کے اجزاء مکمل طور پر تبدیل ہوچکے ہیں، اس لیے اگر اس کی وجہ سے انسان کی زندگی یا اس کی کسی صلاحیت پر منفی اثر نہ پڑتا ہو تو اس کے استعمال میں شرعا کوئی حرج نہیں ہے، اور طبی اعتبار سے کیا اثر پڑسکتا ہے؟ اس کا فیصلہ ماہرین کی رائے سے ہوسکتا ہے، رہ گئی بات لوگوں کے اس افواہ کی کہ ویکسین کیوجہ سے نقصان ہورہا ہے اور لوگ مررہے ہیں، تو لاکھوں افراد میں سے دوچار کا ویکسین لینے کے بعد نقصان سے دوچار ہونا تو یہ کوئی دلیل نہیں ہے، کیوں کہ روزمرہ جو دوائیں استعمال کی جاتی ہیں، کبھی کبھار ان کا بھی ری ایکشن ہوتا ہے اور بہت سی اموات ہوجاتی ہیں، بہرحال علاج ایک تدبیر ہے اور تدبیر کوئی بھی ہو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی سے نتیجہ خیز ہوتی ہے۔

وبا کے دفعیہ کے لیے اذان اور اجتماعی نماز ودعا کے اہتمام کا حکم

اصل یہ ہے کہ اذان لوگوں میں فرض نماز کے اوقات کے دخول کا اعلان کرنے کے لیے مشروع کی گئی ہے، یعنی پنج وقتہ نمازوں اور جمعہ کے لئے، جہاں تک نوافل جیسے عیدین یا استسقاء وغیرہ کی بات ہے تو ان کے لیے اذان مشروع نہیں ہے البتہ نماز کے علاوہ کسی اور مقصد مثلاً آفات ومصائب کے دفعیہ کے لیے اذان دینا، تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض حضرات نے اجازت دی ہے اور بعض نے منع کیا ہے، شوافع کے یہاں غیر نماز کے لیے اذان کے جواز میں زیادہ توسع پایا جاتا ہے، چنانچہ ''الموسوعۃ الفقہیہ'' میں ہے:

اذان اصلا نماز کی اطلاع دینے کے لیے مشروع ہوئی ہے مگر یہ کہ غیر صلاۃ کے لیے تبرکاً اور استیناساً مسنون ہے یا کسی غم کے ازالہ کے لیے بھی اذان دے سکتے ہیں، اور اس میں سب سے زیادہ وسعت فقہاء شافعیہ کے یہاں ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

تسن الأذان فی أذن المولود حین یولد، وفی أذن المهموم فإنه یزیل الهم، وخلف المسافر، ووقت الحریق، وعند مزدحم الجیش، وعند تغول الغیلان (انتشار الشیاطین) وعند الضلال فی السفر (أی لمن ضلَّ فی الطریق) وللمصروع، والغضبان، ومن سائخلقه من إنسان أوبهیمة، وعند إنزال المیت القبرَقیاسا إلی أول خروجه من الدنیا۔"

(الموسوعۃ الفقہیۃ ۳۹/ ۳۴۸)

فقہاءِ احناف سے اس موقع پر کوئی روایت منقول نہیں ہے البتہ شوافع کی جو رائے اوپر نقل کی گئی ہے احناف بھی اس مسئلہ میں ان کے ساتھ ہیں اور ان مواقع پر اذان دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

"لأن ما صح فیه الخبر بلا معارض فهو مذهب للمجتهد وإن لم یُنصَّ علیه۔" (حاشیہ شامی ۱/ ۴۱۵)(۵۲/۳، دار الاشاعت)

جب کہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا رشید احمد لدھیانویؒ نے اس کی شرعی حیثیت کا انکار کیا ہے، فرماتے ہیں: ''وبا کے وقت اذان دینا شرعاً ثابت نہیں ہے، اس کو ''سنت یا مستحب سمجھنا درست نہیں۔'' (احسن الفتاوی ۱/ ۳۷۵، فتاوی رشیدیہ: ۱۵۲)

علامہ ابن حجر ہیتمیؒ نے بھی ''التحفہ'' میں یہی لکھا ہے۔

حنابلہ صلاتیہ اذان کے علاوہ صرف نومولود بچے کے کان میں اذان کو درست مانتے ہیں اور مالکیہ ان تمام امور کو ناپسند کرتے ہیں اور اسے بدعت سمجھتے ہیں، سوائے بعض مالکیہ کے، جو کہتے ہیں کہ اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ وبا کے دفعیہ کے لیے قرآن وحدیث میں اذان دینے کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ ہی فقہاءِ احناف سے کوئی روایت منقول ہے البتہ شوافع کے یہاں مصائب، شدائد اور عمومی پریشانیوں کے مواقع پر اذان دینے کی اجازت منقول ہے اور احناف نے اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کیا ہے، اس لیے وبا کے خاتمہ کے لیے اذان دینے کی درج ذیل شرائط کے ساتھ گنجائش ہوگی:

۱- اس کے سنت ومستحب ہونے کا اعتقاد نہ رکھا جائے۔

۲- اس کو لازم اور ضروری سمجھ کر نہ کیا جائے۔

۳- مساجد میں اذان نہ دی جائے۔

۴- ایسی وضع کے ساتھ نہ دی جائے کہ اذانِ نماز کا اشتباہ ہو۔

۵- اس کے لیے کسی مخصوص ہیئت اور اجتماعی کیفیت کا اہتمام نہ کیا جائے۔

جہاں تک وبا کے دفعیہ کے لیے اجتماعی نماز کی بات ہے، تو اس بارے میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں:

۱- ہر خوف اور گھبراہٹ کے موقع پر، جیسے سخت آندھی، زلزلہ، شدید تاریکی، تیز بارش وغیرہ، نماز پڑھنا مستحب ہے، یہ احناف اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا مسلک ہے۔ (دیکھئے: الاصل للشیبانی ۱/ ۴۴۴، تحفۃ الفقہاء ۱/ ۱۸۳، بدائع الصنائع ۱/ ۲۸۲)

ان حضرات کی دلیل وہ اثر ہے جو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ: انھوں نے بصرہ میں زلزلہ آنے پر نماز پڑھی تھی۔ (بیہقی سنن کبری، باب من صلی فی الزلزلۃ بزیادۃ عدد من الرکوع والقیام قیاسا علی صلاۃ الخسوف ۳/ ۳۴۳، مصنف ابن ابی، کتاب الصلاۃ، باب فی الصلاۃ فی الزلزلۃ ۲/ ۴۷۲)

نیز یہ بھی سورج اور چاند گرہن کی طرح دہشت اور خوف کی چیز ہے، لہٰذا اسی طرح اس میں بھی نماز پڑھی جائے گی، (بدایۃ المجتھد ۱/ ۲۲۴)

۲- مذکورہ بالا صور میں سے کسی کے لیے نماز نہیں پڑھی جائے گی، سوائے دائمی زلزلہ کے، اگر دائمی زلزلہ ہو تو اس کے دفعیہ کے لیے

صلاۃ الکسوف کی طرح نماز پڑھی جائے گی، یہ حنابلہ کا مسلک ہے۔ (المقنع ص:۳۰۷، الانصاف ۵/ ۴۰۵، کشاف القناع ۲/ ۶۶)

ان حضرات کی دلیل بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا وہی فعل ہے جو اوپر نقل کیا گیا، نیز یہ کہ سخت بارش اور تیز آندھی یا کسی بھی خوف و دہشت کے موقع پر نماز پڑھنا نہ آپ ﷺ سے ثابت ہے نہ آپ کے صحابہؓ سے، حالانکہ ان کے دور میں بھی یہ چیزیں پیش آئی ہیں۔ (دیکھئے: الشرح الممتع ۵/ ۱۹۴)

۳- تیسرا قول یہ ہے کہ سورج اور چاند گرہن کے علاوہ کوئی نماز جماعت سے نہیں پڑھی جائے گی، بلکہ اپنے گھر میں تنہا پڑھنا مستحب ہے، اور اللہ کی ان نشانیوں کو دیکھ کر دعا و تضرع، آہ و زاری اور اللہ کے سامنے گریہ و بکا تنہائی میں کیا جائے، یہ شوافع کا قول ہے۔ (دیکھئے: المجموع ۵/ ۴۴، تحفۃ المحتاج ۳/ ۶۵)

یہ حضرات دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کسوف کے علاوہ کسی بھی خوف و دہشت کے موقع پر جماعت سے نماز نہیں پڑھی ہے۔ (المجموع ۵/ ۵۵)

۴- چوتھا قول مالکیہ کا ہے جو اس کے قائل ہیں کہ ان نشانیوں کے ظہور کے وقت مطلقاً کوئی نماز نہیں پڑھی جائے گی، (دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۲۴، مواہب الجلیل ۲/ ۲۰۰، الفواکہ الدوانی ۱/ ۲۷۹)

ان حضرات نے دلیل یہ دی ہے کہ آپ ﷺ سے یہ عمل منقول نہیں ہے، حالانکہ آپ ﷺ کا زمانہ مبارک اس طرح کے واقعات سے خالی نہیں گزرا ہے، پھر بھی اجتماعی نماز کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ (شرح التلقین ۱/ ۱۱۰۰)

خلاصہ یہ کہ سوائے کسوف اور خسوف کے دوسری کسی بھی آیات کونیہ مخیفہ کے لیے نماز پڑھنا حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے، احناف کے یہاں اگرچہ کسوف و خسوف پر قیاس کر کے استحباب کی بات کی گئی ہے لیکن کورونا متعدی اور سریع الانتشار بیماری ہے اسلیے اجتماعی طور پر نماز دعا و مناجات کا اہتمام کرنا شرعاً درست نہیں ہے، حافظ ابن حجرؒ نے "بذل الماعون فی فضل الطاعون" میں لکھا ہے: کہ قاہرہ میں ۸۳۳ھ میں طاعون کی وبا پھیلی جس سے روزانہ اوسطاً چالیس لوگ لقمۂ اجل بنتے تھے، چنانچہ شہر کے بزرگوں نے فیصلہ کیا کہ شہر سے باہر جا کر اجتماعی دعا کی جائے وہاں انھوں نے کئی ہفتے گزار کر اجتماعی دعا اور عبادات کا اہتمام کیا، لیکن واپس شہر پہونچنے کے بعد اچانک اموات میں کئی گنا اضافہ ہوگیا، اور روزانہ مرنے والوں کی تعداد بڑھ کر ہزاروں تک پہونچ گئی، یعنی اجتماعی شکل میں جمع ہونا دراصل مزید ہلاکتوں کا سبب بنا، اسی قسم کا ایک اور واقعہ ۷۴۹ھ دمشق میں پیش آیا، ان روایات و واقعات سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جب کوئی ناگہانی صورت پیش آجائے جیسے طاعون یا وبا، تو انسانی جان کا تحفظ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل بن جاتا ہے، اور اسوقت کوشش اس بات کی ہونی چاہئے کہ انسانی جان کے نقصان سے بچا جا سکے، البتہ موجودہ صورتحال میں وبا کے خاتمہ کے لیے قرآن کریم کی تلاوت، صدقہ وخیرات، استغفار اور دعاؤں کا اہتمام کیا جائے انفرادی طور پر نوافل پڑھے جائیں۔

میرے خیال میں ایسے موقع پر صرف انھیں کاموں پر اکتفا کرنا چاہئے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہیں، دوسرے کاموں سے احتراز کرنا چاہئے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ قنوت کا اطلاق لغت میں کئی معانی پر ہوتا ہے: مثلاً طاعت، نماز میں دعا، طول قیام، طول قراءت، سکوت، اِمساک عن الکلام، خشوع خضوع، اور اقرار عبودیت وغیرہ، البتہ موضع ورود میں سیاق وسباق سے اس کے معنی متعین کئے جائیں گے۔

جہاں تک طاعون اور وبا کے دفعیہ کے لیے اجتماعی دعا کی بات ہے تو اس بارے میں علماء کے دو قول ہیں:

۱- نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا مستحب ہے، احناف، مالکیہ اور شوافع کے معتمد علیہ قول کے مطابق۔ (دیکھئے: رد المحتار ۲/ ۱۱، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۳۷۷، حاشیۃ الدسوقی ۱/ ۳۰۸، نہایۃ المحتاج ۱/ ۵۰۸، تحفۃ المحتاج ۲/ ۶۸)

ان حضرات نے اس سے استدلال کیا ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ سے وبا کے دفعیہ کے لیے دعا فرمائی تھی، جیسا کہ حضرت ام المو؟ منین

عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ جب ہم مدینہ منورہ آئے تو موؤوب (وبا زدہ) سرزمین تھی، حضرت ابوبکر اور حضرت بلال اور کئی صحابہؓ بیمار پڑ گئے تو آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی تھی:

"اللهم حبب إلينا المدينة كما حببت مكة أو أشد وبارك لنا في صاعها ومدها، وحول حماها إلى الجحفة۔"

(بخاری، رقم:۵۶۷۷، مسلم:۱۳۷۶)

(اے اللہ مدینہ کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے جیسے کہ مکہ کی محبت ڈالی ہے یا اس سے بھی زیادہ، اور مدینہ کے مد اور صاع میں برکت عطا فرما، اور اس کے بخار کو جحفہ کی طرف پھیر دے۔)

نیز یہ کہ طاعون سخت مصائب اور نوازل میں سے ہے تو اس کے دفعیہ کے لیے قنوت پڑھی جائے گی جیسے دوسرے نوازل کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ (حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح ص:۳۷۷)

۲- دوسرا قول حنابلہ اور بعض شوافع کا یہ ہے کہ طاعون وغیرہ کے دفعیہ کے لیے دعا مشروع نہیں ہے۔ (الفروع ۲/۳۶۷، کشاف القناع ۱/۴۲۱، المبدع ۲/۱۷، الإنصاف ۲/۱۷۵، روضۃ الطالبین ۱/۲۵۴، المجموع ۳/۴۹۴، نھایۃ المحتاج ۱/۵۰۸)۔

ان حضرات نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں طاعون پھیلا تھا مگر پھر بھی انہوں نے اس کے دفعیہ کے لیے قنوت نہیں پڑھی۔ (الفروع ۲/۳۶۷)

سابقہ دلائل سے یہی راجح معلوم ہوتا ہے- واللہ اعلم - کہ طاعون اور وبا کے دفعیہ کے لیے قنوت نازلہ بھی پڑھی جاسکتی ہے اور دعا بھی کی جاسکتی ہے، عدم مشروعیت کے قائلین کی طرف سے جو یہ دلیل پیش کی گئی کہ یہ سبب شہادت ہے لہذا اس کے دفعیہ کی دعا نہیں کی جائے گی، یہ قنوت نازلہ سے ٹوٹ جاتی ہے، لہذا قنوت نازلہ پڑھے گا اور دعا کریگا اور اگر مر جاتا ہے تو بھی شہادت کا درجہ بھی ملے گا۔

نیز حضور ﷺ نے فرمایا ہے: "لا تتمنوا لقاء العدو واسئلوا الله العافية۔" (دشمن سے ملاقات کی تمنا نہ کرو، بلکہ اللہ سے عافیت مانگو۔)

(بخاری رقم:۷۲۳۷، مسلم رقم:۱۷۴۲)

وبا ایسے علماء اور صلحاء اور اہل اللہ کو اٹھا لیتی ہے جن کا وجود ہمارے لیے بھی اور دنیا کے لیے بھی باعث رحمت ہے، اور انکے دنیا سے رخصت ہو جانے سے دین کا نظام مختل ہو جاتا ہے اور دینی کاز کو زبردست نقصان پہونچتا ہے۔ لہذا وبا کے ختم ہو جانے میں ہی مصلحت ہے۔

خلاصۂ بحث: محورِ اول

۱- ہر وہ بیماری جو کسی ایک علاقہ میں، بہت کم مدت میں، بہت زیادہ لوگوں کو اپنا شکار بنالے اسے وبا کہتے ہیں، اور اگر بیماری دور دراز جغرافیائی علاقے میں بڑی تعداد میں لوگوں کو لگ جائے تو اسے عالمی وباء کہا جاتا ہے،،۔

۲- اسلام اور مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ اور اصول یہ ہے، کہ تمام بیماریاں اور وبائیں اللہ تعالی کی طرف سے آتی ہیں دنیا کے اندر جو کچھ بھی ہو رہا ہے اللہ کی منشا اور حکم سے ہو رہا ہے، اللہ کے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا ہے، اور بیماری سے شفا دینے والی ذات بھی اللہ کی ہی ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿وإذا مرضت فهو يشفين﴾ (شعراء:۸۰) (اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے)۔ نیز بیماریاں اور وبائیں ہمارے گناہوں کا نتیجہ ہوتی ہیں، اللہ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہیں۔

۳- (الف) جہاں وبا پھیلی ہو وہاں نہ جایا جائے اور اگر وہاں ہیں تو وہاں سے نہ نکلیں۔

(ب) صفائی ستھرائی کا خاص اہتمام کیا جائے اوراس سلسلے سب اہم یہ ہے کہ گھر، کمرہ، عبادت کی جگہوں اورسوسائٹی کوصاف ستھرا رکھا جائے، اسی طرح کپڑا، جسم، بال اور داڑھی کی صفائی کا خیال رکھا جائے، نیز مکھی، مچھر، کھٹمل، پسّو اورحشرات الارض کو ماردیا جائے، اورصابون وغیرہ سے وقفہ وقفہ سے ہاتھ دھویا جائے۔

(ج) ماسک کا استعمال کیا جائے، معاشرتی دوری برقرار رکھی جائے، سلام ومصافحہ سے گریز کیا جائے،

(د) جولوگ بیماری کا شکار ہو چکے ہیں وہ جمعہ، جماعات وغیرہ میں شریک نہ ہوں، بلکہ گھروں میں اپنی نماز علاحدہ پڑھ لیں۔

ھ: بلاضرورت گھروں سے باہر نہ نکلا جائے۔

۴- احتیاطی تدابیر اختیار کرنا اورحکومت کی گائیڈ لائن پرعمل کرنا شرعاً واجب ہوگا، بشرطیکہ وہ احکام عام شرعی مصلحت سے متعلق ہوں، نیز نصوص شرعیہ میں سے کسی نص کے خلاف نہ ہوں، کیونکہ عام طور سے یہ وہی چیزیں ہیں جن کا قرآن وحدیث اور فقہاء کی عبارتوں میں کہیں نہ کہیں ذکر ہے، نیز یہ توکل علی اللہ اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف نہیں ہے۔

۵- تعدی امراض کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ کوئی مرض بذات خود متعدی نہیں ہوتا، بلکہ سبب کے درجے میں اگر اللہ چاہے تو دوسرے انسان کو مرض لگ سکتا ہے ورنہ نہیں، اسباب کے درجہ میں احتیاط کرنا توکل اور منشاءِ شریعت کے خلاف نہیں ہے، لیکن کسی خاص مرض کے ہر حال میں دوسرے میں منتقل ہونے کا عقیدہ رکھنا جائز نہیں ہے۔

محورِ دوم

۶- کورونا کے زمانے میں گھروں میں انفرادی اور باجماعت نماز قائم کرنا کی اجازت ہے، بشرطیکہ جماعت میں شرکت کرنے والے افراد اہل خانہ ہی ہوں باہر کے لوگوں کو مدعو نہ کیا جائے، البتہ اگر اتفاقاً کوئی آجائے تو کوئی حرج نہیں۔

۷- عام حالات میں کسی بھی نماز کی جماعت ثانیہ مکروہ ہے البتہ مخصوص احوال (کورونا، مجمع زائد ہونا نیز دوسری جگہ کا نہ ہونا) میں ایک ہی مسجد میں جماعت ثانیہ کی اجازت مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ ہوسکتی ہے:

(الف) اذان واقامت کا اعادہ نہ کیا جائے۔

(ب) پہلی جماعت کی جگہ بھی چھوڑ دی جائے۔

(ج) روزانہ یا ہمیشہ کے لیے اس کو معمول نہ بنایا جائے۔

(د) تداعی (لوگوں کو بلانا یا ترغیب دینا) نہ ہو۔

(ھ) امام علاحدہ ہو۔

(و) ہیئت اولیٰ پر نہ ہو۔

۸- ایسی صورتحال میں جب کہ مجمع زائد ہو اور مسجد میں جگہ تنگ ہو، سڑکوں اور گلی کوچوں میں جمعہ پڑھنے کی نوبت آتی ہو جیسا کہ فی زمانا بہت سی جگہوں پر عام مشاہدہ ہے تو مسجد میں ایک سے زائد جمعہ کرسکتے ہیں، بلکہ فی زمانا فساد اور ہنگامہ کی کیفیت سے بچنے کے لیے جمعہ کی ایک سے زائد جماعتیں کرنا ہی بہتر ہوگا۔

۹- راقم الحروف کی رائے تو یہی ہے کہ محلّہ کے مکانات اور گھروں میں جمعہ کی اقامت درست نہیں ہے، اوراس سے فرضیت ادا نہیں ہوگی، ہاں

اگر مساجد میں اقامت جمعہ کی بالکل اجازت نہ ہوتو الگ بات ہے،لیکن اسلامک فقہ اکیڈمی نے جواز کی قرارداد منظور کی ہے اس لیے اسی پر عمل کرنا بہتر ہوگا۔

۱۰- افضل تو یہی ہے کہ اگر بغیر ضرر کے جماعت سے نماز پڑھنا ممکن ہوتو جماعت کریں گے، ورنہ ظہر کی نماز تنہا پڑھیں گے۔

۱۱- جو حکم جمعہ کا ہے وہی عیدین کا بھی ہوگا۔

۱۲- دونوں صورتوں میں (ماسک لگا کر اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھ کر نماز پڑھنا) نماز بلا کراہت جائز ہے۔

۱۳- کورونا وائرس میں مبتلا شخص، یا ایسا شخص جس کے بارے میں اندیشہ ہو کہ اس کو وائرس لگ گیا ہے، کو مسجد، جمعہ اور جماعات میں شرکت سے روکا جائے گا، وہ گھروں میں نماز پڑھ لیں، انشائاللہ ان کو مسجد اور جماعت کا ثواب مل جائے گا، البتہ اگر مساجد میں ان کے لیے الگ سے انتظام ہوتو آنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔

۱۴- کورونا وائرس میں مبتلا شخص کے روزے کا دارومدار معالج اور طبیب کی تشخیص پر موقوف ہوگا، بیماری کا معیار اور اسکی سنگینی کی تحدید کا مدار ماہر ڈاکٹروں اور حکومت کی طرف سے مختص کردہ شعبوں اور اداروں پر ہوگا، اگر کورونا وائرس میں مبتلا مریض اس وائرس کی پوشیدہ علامات سے دوچار ہے یا علامات اس پر ظاہر نہیں ہورہی ہیں، تو بہتر ہے کہ روزہ رکھنے سے قبل وہ ڈاکٹر سے مشورہ کرلے، اگر ڈاکٹر کہتا ہے کہ روزہ سے وہ متاثر ہوگا یا بیماری بڑھ جائے گی یا شفاء میں تاخیر ہوگی تو اس کے لیے بلاشبہ روزہ نہ رکھنا مباح ہوگا۔

اور اگر اس پر بیماری کی علامات ظاہر ہو چکی ہیں مثلاً بخار، شدید خشکی، کھانسی درد اور تکلیف وغیرہ، نیز مرض کی شدت بڑھ گئی ہو، مزید وہ دوسری کئی بیماریوں میں بھی مبتلا ہوتو اس پر روزہ نہ رکھنا واجب ہوگا، اس کو اللہ کی طرف سے دی گئی رخصت کا فائدہ اٹھانا چاہیے۔

۱۵- جب کورونا میں مبتلا شخص کو جمعہ اور جماعت سے روکا جائے گا تو حج وعمرہ سے بدرجۂ اوّلیٰ روکا جائے گا، اس لیے کہ حج اختلاط کی جگہ ہے اور وہاں بیماری پھیلنے کا اندیشہ قوی تر ہے، اور عامۃ المسلمین کی جان کی سلامتی ایک مریض کی ادائیگی حج کی مصلحت پر بدرجہا مقدم ہے۔

لیکن دین کی حفاظت کی خاطر شعائر کو مطلقاً معطل بھی نہیں کیا جائے گا، مقامی لوگ پوری احتیاطی تدابیر کے ساتھ جس طرح دیگر ارکان ادا کرتے ہیں اسی طرح اسلام کے پانچویں رکن حج کو بھی ادا کریں گے اور بہتر ہے کہ حکومت کی طرف سے ایک خاص تعداد متعین کردی جائے اور حفاظتی انتظامات بڑھا دیے جائیں۔

محور سوم

۱۶- اگر حکومت کی طرف سے باجماعت نمازوں پر پابندی لگادی جائے تو ایک طرف یہ کوشش جاری رکھنی چاہیے کہ انھیں اسلامی احکام سے آگاہ کریں اور دوسری طرف ہر ممکن کوشش کی جائے کہ پابندی ہٹالیں، لیکن اگر وہ پابندی نہیں ہٹاتے تو جب تک پابندی رہے خوف وظلم کی وجہ سے اور نفی حرج کے پیش نظر مسجد کی نماز باجماعت موقوف کی جاسکتی ہے، لیکن جہاں حکومت کی طرف سے چند افراد کی اجازت ہو وہاں جماعت موقوف کرنا جائز نہیں ہوگا بلکہ گنہگاری کا سبب بنے گا۔

۱۷- نیز اذان چوں کہ شعائر اسلام میں سے ہے، بلکہ بعض علماء نزدیک واجب ہے اسلیے جماعت موقوف ہونے کی صورت میں بھی دی جاتی رہے گی۔

۱۸- کم سے کم اتنے افراد جس سے جماعت قائم ہوسکے، اور وہ بھی متعین لوگ ہوں تو بہتر ہے، نیز گورنمنٹ کی ہدایات پر عمل شرعاً واجب ہوگا،

کیوں کہ اکثر ہدایات تو وہی ہیں جن کا شریعت میں ذکر ہے، البتہ اگر احکام خلاف شریعت ہوں تو حکم بدل جائے گا۔

۱۹- مساجد کو کوویڈ سینٹر بنانا ناجائز اور منشاء شریعت کے خلاف ہے، مساجد اللہ کی عبادت کے لیے خاص ہوتی ہیں، اس کی حیثیت ختم کرنا یا تبدیل کرنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے، اور مصالح مسجد کے خلاف امور انجام دینا خود متولیان کے لیے بھی جائز نہیں، نیز مسجد سے متصل جگہ اگر مسجد کے لیے وقف ہے تو اس کا حکم بھی مسجد کا ہوگا، بہتر ہوگا کہ اس کام کے لیے اس کا متبادل (جن کا ذکر مقالہ میں کیا گیا ہے) استعمال میں لایا جائے۔

محور چہارم

۲۰- کورونا کے مریض کو گھر میں قرنطینہ (Home quarantine) کرنا شرعاً واجب ہے، اور گھر کے افراد کا اس سے فاصلہ بنا کر رکھنا ضروری ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کی مریض کو بے یار و مددگر چھوڑ دیا جائے، پوری احتیاط کے ساتھ ماسک، دستانے اور ممکن ہو تو پی پی کیٹ وغیرہ پہن کر اس کی دیکھ بھال کرنا چاہئے۔

۲۱- نیز حکومت اور سماج و افراد کی ذمہ داری ہے کہ مریض کی، اس کے گھر والوں کی ہر ممکن مدد کریں، اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿ آمنوا بالله ورسوله وأنفقوا مما جعلكم مستخلفين فيه فالذين آمنوا منكم وأنفقوا لهم أجر كبير۔﴾ (حديد: ۷)

(یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو اس میں سے جو تمہارے ہاتھ میں دیا ہے اپنا نائب کر کر سو جو لوگ تم میں سے یقین لائے ہیں اور خرچ کرتے ہیں انکو بڑا ثواب ہے۔) (شیخ الہند)

محور پنجم

۲۲- اگر کوئی حرج نہ ہو اور حکومت کی طرف سے پابندی بھی نہ ہو تو عام معمول کے مطابق غسل دیا جائے گا، اور اگر پابندیوں کی وجہ سے غسل دینا یا تیمّم کرانا دشوار ہو تو فریضۂ غسل ساقط ہو جائے گا۔ اس پر نماز جنازہ اسی حالت میں پڑھنا جائز ہوگا۔

۲۳- اگر کورونا کے میت کو کفن دینا ممکن ہو تو کور پر کفن مسنون پہنانا بہتر ہے، اور شواری یا ممانعت کی صورت میں کور ہی کفن کے حکم میں ہوگا۔

۲۴- اگر کورونا میت کو نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا ہو تو اس کی قبر پر اس وقت تک نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے جب تک کہ اس کی لاش کے تغیر کا ظن غالب نہ ہو، بلکہ نماز جنازہ پڑھنا فرض ہوگا، اور اگر لاش کے پھٹ جانے کا غالبِ گمان ہو تو جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی، اور ایسی صورت میں (بلا عذر) جنازہ نہ پڑھنے والے گنہگار ہوں گے انھیں توبہ واستغفار کرتے رہنا چاہئے۔

۲۵- راجح یہی ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں ہے البتہ صورت مسئولہ میں چوں کہ میت کی نماز جنازہ پڑھی ہی نہیں گئی ہے اس لیے اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنا جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔

۲۶- کورونا اور اس جیسے کسی بھی وبائی مرض میں مرنے والا شہادت کا درجہ پائے گا، ان شاءاللہ، کیوں کہ احادیث میں جن بیماریوں کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کی جو علامات بیان کی گئی ہیں ان کو کورونا سے خاصی نسبت ہے، البتہ شہید فی المعرکہ جیسا نہیں ہوگا، بلکہ شہید آخرت ہوگا اور اس کا ثواب بھی پائے گا۔

۲۷- موجودہ دور میں جو 'الکوحل' پرفیومز، یا سینا ٹائزر میں استعمال ہوتی ہے وہ انگور یا کھجور سے حاصل نہیں کی جاتی ہے بلکہ دیگر اشیاء سے بنائی جاتی ہے، یہ نجس نہیں بلکہ پاک ہے، لہذا کورونا وائرس یا کسی بھی بیماری سے بچاؤ کے لیے ایسے سینا ٹائزر (Sanitizer) کا استعمال جائز

ہے، یہ ہاتھ اور کپڑے میں لگی ہو تو بھی نماز ادا ہو جائے گی اور مساجد میں اس کا استعمال جائز ہے، یہی دار العلوم دیوبند اور پڑوسی ملک کے کئی دار الافتاء کا فتوی ہے۔

۲۸- جائز اور مباح ہے۔

۲۹- وبا کے دفعیہ کے لیے قرآن وحدیث میں اذان دینے کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ ہی فقہاء احناف سے کوئی روایت منقول ہے البتہ شوافع کے یہاں مصائب، شدائد اور عمومی پریشانیوں کے مواقع پر اذان دینے کی اجازت منقول ہے اس لیے وبا کے خاتمہ کے لیے اذان دینے کی درج ذیل شرائط کے ساتھ گنجائش ہوگی:

(الف) اس کے سنت و مستحب ہونے کا اعتقاد نہ رکھا جائے۔

(ب) اس کو لازم اور ضروری سمجھ کر نہ کیا جائے۔

(ج) مساجد میں اذان نہ دی جائے۔

(د) ایسی وضع کے ساتھ نہ دی جائے کہ اذانِ نماز کا اشتباہ ہو۔

(ھ) اس کے لیے کسی مخصوص ہیئت اور اجتماعی کیفیت کا اہتمام نہ کیا جائے۔

لیکن ظاہر سی بات ہے لوگ ان شرائط کا لحاظ نہیں رکھ سکیں گے اس لیے زیادہ بہتر ہے کہ ایسے موقع پر صرف انھیں کاموں پر اکتفا کیا جائے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہیں، دوسرے کاموں سے احتراز کیا جائے۔

۳۰- سوائے کسوف اور خسوف کے دوسری کسی بھی آیات کو نیہ مخیفہ کے نماز پڑھنا حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے، احناف کے یہاں چوں کہ کسوف وخسوف پر قیاس کر کے استحباب کی بات کی گئی ہے لیکن کورونا متعدی اور سریع الانتشار بیماری ہے اس لیے اجتماعی طور پر نماز دعا ومناجات کا اہتمام کرنا شرعا درست نہیں ہے، البتہ اگر آن لائن اجتماعی دعا کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب.

کرونا کے مسائل کا حل شریعت کی روشنی میں

مفتی محمد ممتاز خان ندوی
مدرسہ ضیاء العلوم، میدان پور
تکیہ کلاں، رائے بریلی (یو۔پی)

محور اول: کرونا وبا کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر

(۱) وبا کیا ہے؟ اور شریعت میں وبا کے بارے میں کیا تصور ہے؟

(الف)-وبا کیا ہے؟

وبا ایسی بیماری کو کہتے ہیں، جو بیماری کسی زمین، علاقہ وشہر کی فضاء اور آب وہوا میں اس طرح سرایت کر جاتی ہے کہ وہاں کے رہنے والے یا آنے جانے والے لوگ اس بیماری سے متأثر ہوتے رہتے ہیں، جیسے کہ مدینہ منورہ کا حال تھا کہ وہاں بخار کی وباء آئی تھی، اور وہاں آنے جانے والے اور رہنے والے سب اس سے متأثر ہوتے رہتے تھے، واضح رہے کہ وبا زدہ علاقہ میں لوگوں کی آمد ورفت کی وجہ سے وبائی بیماری کے اثرات بہت دور تک بلکہ پوری دنیا میں منتقل ہوسکتے ہیں، جیسا کہ کرونا بیماری میں دیکھا گیا کہ شاید ہی دنیا کا کوئی خطہ اس سے محفوظ ہو۔

(ب)-شریعت میں وبا کے بارے میں کیا تصور ہے؟

وبا کی بیماری سابقہ امتوں میں بھی آئی ہے، اور عہد نبوی میں بھی آئی ہے، شریعت میں اس کے بارے میں تصور یہ ہے کہ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ سے غافل ہوجاتی ہے، شرک عام ہوجاتا ہے، اور لوگ اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقہ سے ہٹ جاتے ہیں، اور من چاہی زندگی گذارتے ہیں، تو ایسی صورت میں ایسی قوم پر اللہ تعالیٰ اپنا عذاب وبائی شکل میں نازل فرماتے ہیں، خود حدیث پاک کے اس ٹکڑے سے اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

"أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ الْوَجْعَ فَقَالَ : رِجْزٌ أَوْ عَذَابٌ عُذِّبَ بِهِ بَعْضُ الْأُمَمِ ثُمَّ بَقِيَ مِنْهُ بَقِيَّةٌ۔"

(۲) وبا سے تحفظ کے لئے شرعی رہنمائی اور اسلامی ہدایات کیا ہیں؟

جس علاقہ یا شہر میں وبائی بیماری پھیلی ہوئی ہو، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اپنے علاقہ یا شہر ہی میں ٹھہرا رہے، وبا زدہ علاقہ میں نہ جائے، اور دوسری جگہ کے لوگ جہاں یہ وبا پھیلی نہیں ہے، ان کو وبا زدہ جگہ میں نہیں آنا چاہئے، حدیثوں میں تاکیداً یہ بات آئی ہے کہ نہ طاعون کی جگہ سے جاؤ اور نہ بھاگو، اور نہ طاعون کی جگہ میں جاؤ۔

اور اس کے ساتھ ہر وہ طریقہ اور تدبیر اختیار کرنی چاہئے، جس سے وبا زدہ علاقہ کے لوگ خود وبا سے محفوظ رہیں۔

اگر وبا زدہ آبادیوں میں جن کے پاس کھلی جگہیں، میدان وپہاڑ ہوں، وہاں منتقل ہونے میں ان کے لئے دشواریاں نہ ہوں، تو وبا زدہ

علاقہ کے لوگ ان جگہوں میں منتقل ہو سکتے ہیں، کیونکہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے طاعون کے زمانہ میں اپنے لشکر کو شہر سے باہر پہاڑوں میں جا کر چند یوم قیام فرمایا، یہاں تک کہ بیماری دور ہوگئی۔ (امداد الفتاوی ۴/۲۹۹۔ کتاب الحظر والإباحة)

(۳) کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے اور اس سے بچنے کے سلسلہ میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل اور دیگر احتیاطی تدابیر کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا ایسا کرنا توکل علی اللہ اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہے؟

(الف) حکومت کی گائڈ لائن پر عمل کا حکم

کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے اور اس سے بچنے کے سلسلہ میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل خصوصاً جبکہ حکومت ظالم ہو، اور مسلمانوں کو نشانہ بنانا ان کا اصل مقصد ہو، اور گائڈ لائن پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کو بدنام کیا جائے، اور گائڈ لائن ایسی نہ ہو کہ جو شریعت کے خلاف ہو، ظاہر بات ہے کہ کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنا اصلاً شریعت کے خلاف نہیں ہے، تو ایسی صورت میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل کرنا راقم کے نزدیک واجب ہے۔

اس کی تائید سنن ترمذی کی روایت سے بھی ہوتی ہے:

"قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يُذِلَّ نَفْسَهُ قَالُوْا: وَكَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهُ؟ قَالَ: يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا يُطِيْقُ۔" (ترمذی۔ كتاب الفتن، باب لا يتعرض من البلاء لما لا يطيق (٢٢٥٤)

(اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مومن کو اپنے آپ کو ذلیل نہیں کرنا چاہئے، صحابہ کرام نے عرض کیا: وہ کیسے؟ فرمایا: کوئی ایسا کام نہ کرے، جو نا قابل برداشت ہو)

اور اگر حکومت کی گائڈ لائن ایسی ہے، جو شریعت کے مزاج کے خلاف ہے، اور شریعت کے احکام سے ٹکراتی ہو، تو ایسی صورت میں گائڈ لائن پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اگر حکومت کی طرف سے دباؤ ہو، اور عمل نہ کرنے میں پکڑ ہو، تو ایسی صورت میں مجبوراً دل میں ناگوار سمجھتے ہوئے عمل کرنے کی گنجائش ہوگی، اس کی تائید سورۂ نحل کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهِ، إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (سورئہ نحل آیت ١٠٦)

(جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے، مگر جس شخص پر زبردستی کی جائے، بشرطیکہ اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو، لیکن ہاں جی کھول کر کفر کرے، تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہوگا، اور ان کو بڑی سزا ہوگی۔)

(ب) کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے دیگر تدابیر کو اختیار کرنے کا حکم

کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے دیگر تدابیر کا اختیار کرنا راقم کے نزدیک واجب تو نہیں ہے، البتہ مباح ہے، اس کی تائید درج ذیل فقہی عبارتوں سے بھی ہوتی ہے۔

ہندیہ کی عبارت ہے:

"والرجل إذا استطلق بطنه أو رمدت عيناه فلم يعالج حتى أضعفه ذلك وأضناه ومات منه فلاإثم عليه۔"

(ہندیہ ۵/۳۵۵۔ کتاب الکراھیۃ فی التداوی والمعالجات)

(جب کسی آدمی کا پیٹ چل جائے یا اس کو آشوب چشم ہو جائے، اور وہ علاج نہ کرے، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے وہ کمزور اور لاغر ہو جائے، اور وہ مر جائے، تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا)

فتاویٰ ہندیہ ہی کی عبارت ہے:

”فی الجراحات المخوفة والقروح العظیمة والحصاة الواقع فی المثانة ونحوها إن قیل قد ینجو أو قدیموت أو ینجو ولا یموت یعالج وإن قیل لا ینجو أصلاًلایداوی بل یترك“ (ہندیہ۳۵۵/۵۔کتاب الکراھیۃ فیمایسع من جراحات الخ)

(سنگین اور خطرناک زخم اور بڑے پھوڑے اور مثانہ کی پتھری وغیرہ، اگر ان میں مبتلا مریض کے بارے میں کہا جائے کہ اس کو شفایابی ہو بھی سکتی ہے، اور وہ مر بھی سکتا ہے، یا شفایابی ہو اور مرے گا نہیں، تو ایسے مریض کا علاج کیا جائے، اور اگر کہا جائے کہ مریض کی شفایابی ممکن نہیں ہے، اس کا علاج نہ کیا جائے، بلکہ مریض کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے گا)

(ج) گائڈ لائن پر عمل اور تدابیر کا اختیار کرنا توکل علی اللہ اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف نہیں:

کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے اور اس سے بچنے کے لئے حکومت کی گائڈ لائن پر عمل اور دیگر تدابیر کا اختیار کرنا، جبکہ عقیدہ یہ ہو کہ تدبیر اور حکومت کی گائڈ لائن ایک سبب ہے، اور کرنے والی ذات تو اللہ تعالیٰ کی ہے، تو یہ توکل اور ایمان باللہ کے خلاف نہیں ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا علاج کیا، اور علاج کرنے کا دوسروں کو حکم بھی دیا۔

(صحیح حدیثوں میں علاج کا حکم دینا، یہ توکل کے منافی نہیں ہے، جیسے کہ بھوک اور پیاس، سردی اور گرمی کو اس کی اپوزٹ چیزوں سے دور کرنا، توکل کے منافی نہیں ہے، بلکہ توحید کی حقیقت اسباب کو اختیار کرنے ہی سے مکمل ہوتی ہے، جن اسباب کو اللہ تعالیٰ نے عقلاً وشرعاً مسببات کے تقاضوں کے طور پر متعین فرمادیا ہے۔)

معلوم ہوا کہ کرونا پھیلاؤ کو روکنے اور اس کے لئے حکومت کی گائڈ لائن پر اور دیگر تدابیر اختیار کرنا، چونکہ یہ بھی علاج کی ایک شکل ہے، لہٰذا یہ توکل علی اللہ اور ایمانی تقاضوں کے خلاف نہیں ہے۔

(۴) بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے؟

قرآن کریم میں بیماریوں کے متعدی ہونے یا نہ ہونے کی بابت کوئی صراحت نہیں آئی ہے، البتہ احادیث دونوں طرح کی ہیں، بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماریاں متعدی ہوتی ہیں، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماریاں متعدی نہیں ہوتی ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے مذکورہ دونوں طرح کی حدیثوں کا جواب یہ دیا ہے کہ جن حدیثوں میں تعدیہ کی نفی ہے، وہ اہل جاہلیت کے عقیدہ کی نفی ہے، اہل جاہلیت سمجھتے تھے کہ کچھ بیماریاں ایسی ہیں، جو طبعاً اور لازماً دوسرے میں منتقل ہوجاتی ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا ہے، اور جن حدیثوں سے بیماریوں کے تعدی کا اثبات ہوتا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ خود بیماریاں دوسروں میں منتقل نہیں ہوتی ہیں، بلکہ بیماریوں کے اسباب بحکم خداوندی دوسروں میں منتقل ہوتے ہیں۔

شارح مسلم امام نوویؒ نے اسی جواب کو صحیح قرار دیا ہے، اور اسی پر جمہور علماء کا رجحان نقل کیا ہے۔

”فهذا الذی ذکرناه من تصحیح الحدیثین والجمع بینهما هو الصواب الذی علیه جمهور العلماء ویتعین المصیر علیه۔“ (شرح مسلم للنوویؒ ۲۱۰/۸)

موجودہ دور کی میڈیکل تحقیقات بھی اس کی تائید کرتی ہیں، کیونکہ جتنے بھی امراض شمار کئے گئے ہیں، ان میں تعدیہ، جراثیم اور وائرس کے ذریعہ سمجھا گیا ہے، جو خود اس بیماری کا سبب بنتے ہیں، تاکہ خود بیماری دوسرے میں منتقل ہوتی ہے۔

محور دوم: کرونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف

(۱) کیا کرونا کے زمانہ میں مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنے یا انفرادی نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

حدیثوں میں یہ بات آئی ہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں جب بارش ہوتی، اور گھروں سے مسجد جانے میں مشکل کا سامنا کرنا پڑتا، تو اذان کے ساتھ اعلان کیا جاتا تھا کہ لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیں، جس کے لیے یہ الفاظ منقول ہیں:

"أَلَا صَلُّوا فِی الرِّحَالِ۔"

(اے لوگو: نماز اپنے ٹھکانوں میں پڑھ لو۔)

کرونا کے زمانہ میں لوگوں کا مسجدوں میں آنا ایک مشکل چیز تھی، اور کرونا بیماری سے جو نقصان ہو سکتا ہے، وہ بارش کے نقصان سے کہیں بڑھ کر ہے، لہٰذا کرونا کے زمانہ میں لوگوں کا اپنے گھروں میں نماز پڑھنا جائز ہے، تنہا بھی پڑھ سکتے ہیں، اگر گھر میں کئی افراد ہوں، اور کوئی امام بن سکتا ہے، تو بہتر ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، کیوں کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلہ میں حدیث میں بڑا ثواب بتایا گیا ہے۔

بخاری شریف کی روایت ہے:

"عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَؓ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَعْدِلُ خَمْسًا وَّعِشْرِیْنَ مِنْ صَلٰوةِ الْفَذِّ۔"

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نماز با جماعت تنہا پچیس نمازوں کے برابر ہے۔)

(۲) کرونا کے زمانہ میں ایک مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ پنج وقتہ نمازیں پڑھنے اور متعدد بار نماز جمعہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

(الف) ایک ہی مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ پنج وقتہ نماز پڑھنا:

فقہی کتابوں میں عذر کی وجہ سے ایک ہی مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ پنج وقتہ نمازیں ادا کرنے کی گنجائش ہے، ظاہر بات ہے کہ کرونا جیسی بیماری کہیں اس عذر سے بڑھ کر ہے، جس عذر کی وجہ سے فقہاء کرام نے تعدد جماعت کی گنجائش رکھی ہے، بشرطیکہ ہر جماعت کا امام الگ ہو، اور بہتر ہے کہ جماعت ثانیہ کی ہیئت تبدیل کر دی جائے، تاکہ نمازیوں کو دھوکہ نہ ہو، لہٰذا کرونا کے زمانہ میں راقم کے نزدیک ایک سے زائد مرتبہ پنجوقتہ نمازیں پڑھنا ایک ہی مسجد میں جائز ہوگا، اس کی تائید درج ذیل دلائل سے بھی ہوتی ہے۔

بخاری شریف کی روایت ہے:

(۱) "رَوَی الْبُخَارِیُ تَعْلِیْقاً: جَاءَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ إِلٰی مَسْجِد قَدْ صُلِّیَ فِیْهِ فَأَذَّنَ وَأَقَامَ وَصَلّٰی فِیْهِ جَمَاعَةً"

(امام بخاریؒ نے تعلیقاً روایت کیا ہے: حضرت انس بن مالکؓ ایک مسجد میں آئے، جس میں نماز پڑھی جا چکی تھی، تو آپ نے اذان دی اور اقامت کہی، اور اس میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔)

فقہ حنفی کا دائرۃ المعارف فتاوی ہندیہ میں ہے:

"المسجد إذا كان له إمام معلوم و جماعة معلومة فی محله فصلی أهله فيه بالجماعة لايباح تكرارها فيه بأذان ثان، أما إذا صلوا بغير أذان يباح إجماعاً و كذا في قارعة الطريق۔"

فقہ حنفی کی معروف و مستند کتاب: رد المحتار میں ہے:

"نعم قد علمت أن الصحيح أنه لايكره تكرار الجماعة إذا لم تكن على الهيئة الأولىٰ ۰۰۰۰ وعن أبی یوسف إذا لم تكن على الهيئة الأولىٰ لا تكره وهو الصحيح، و بالعدول عن المحراب تختلف الهيئة۔"

(ہاں میں نے جان لیا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ جماعت کی تکرار مکروہ نہیں ہے، جب کہ دوسری والی جماعت پہلی والی جماعت کی ہیئت پر نہ ہو، اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ جب دوسری والی جماعت پہلی والی جماعت کی ہیئت پر نہ ہو، تو مکروہ نہیں ہے، اور یہی صحیح ہے، اور دوسری والی جماعت میں محراب سے ہٹ کر پڑھنے میں ہیئت بدل جائے گی۔)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

(۳) محراب سے ہٹ کر مسجد کے گوشہ میں جماعت ثانیہ کرنے میں کوئی حرج ہے؟

جواب: ''جماعت خانہ میں جماعت ثانیہ کا رواج جماعت اوّل پر اثر انداز ہوتا ہے، لہٰذا جماعت ثانیہ کراہت سے خالی نہیں۔ اگر کبھی کسی عذر کی وجہ سے جماعت فوت ہوجائے، تو گھر میں یا مسجد شرعی سے دور باہر (فنائے مسجد میں) جماعت کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں، مگر اس کی عادت نہ کر لی جائے۔''

(ب) متعدد بار نماز جمعہ ادا کرنا:

ایک ہی مسجد میں ایک بار جمعہ کی نماز پڑھ لینے کے بعد دوسری بار پڑھنا مکروہ ہے، فقہ حنفی کی معروف اور مستند کتاب ''ردالمحتار'' میں ہے:

"والظاهر أنه يغلق أيضاً بعد إقامة الجمعة لئلا يجتمع به أحد بعدها۔"

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جمعہ کی نماز ایک ایسی عبادت ہے، جس کو مسلمان ایک ساتھ ادا کرتے ہیں، اور ایک بڑی تعداد ایسی ہوتی ہے کہ وہ صرف جمعہ ہی میں مسجد آتے ہیں، اب اگر حکومت کی پابندی کی وجہ سے ایک ساتھ لوگ جمع ہو کر جمعہ کی نماز نہ پڑھیں، بلکہ کچھ افراد ہی پڑھیں، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ایک بڑی تعداد میں لوگ اس اہم فریضہ کی سعادت سے محروم ہوجائیں گے، ایسی صورت میں راقم کی رائے یہ ہے کہ مسجد کے ذمہ دار حضرات مسجد سے قریب میں کوئی جگہ یا ہال وغیرہ کا انتظام کرلیں، اور بقیہ لوگ وہیں جمعہ کی نماز کریں، تا کہ ایک مسجد میں تکرار جماعت کا جو ضرر ہے، اس سے بچا جا سکے، اگر ایسی کوئی صورت ممکن نہ ہو، تو ایک ہی مسجد میں کرونا جیسے حالات میں، اور نیز تقلیل جماعت کے جس خدشہ کی وجہ جماعت ثانیہ سے منع کیا گیا ہے، وہ یہاں مفقود بھی ہے، لہٰذا راقم کے نزدیک ایسے حالات میں ایک ہی مسجد میں کئی بار جمعہ کی نماز ہو سکتی ہے۔

اس کی تائید درج ذیل فقہی قاعدوں سے بھی ہوتی ہے:

(۱) "الضرورات تبيح المحظورات."

(۲) "إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما "

(۳) " لو كان أحدهما أعظم ضرراً من الآخر فإن الأشد يزال بالأخف"

(اگر ان دونوں میں سے ایک ضرر دوسرے ضرر سے بڑا ہو، تو بڑے ضرر کو چھوٹے ضرر سے دور کیا جائے گا۔)

اس کی تائید درج ذیل فقہی عبارتوں سے بھی ہوتی ہے۔

الحاوی الکبیر میں ہے:

"وإن كان المسجد صغيراً من مساجد المحال والأسواق التي يؤم فيها جيرانها جاز إقامة الجماعة بعد جماعته والجهر بالأذان بعد أذانه والله أعلم۔"

درمختار میں ہے:

"ولو كرر بدونهما .... جاز إجماعاً۔"

(۳) وبا کے زمانہ میں گھروں میں جمعہ ادا کرنا:

جمعہ کی نماز کی بڑی اہمیت آئی ہے،اوراس کی بڑی فضیلتیں آئی ہیں،اور جمعہ کی نماز چھوڑنے والے کے لیے بڑی وعیدیں بھی سنائی گئی ہیں،تمام فقہاء کے نزدیک جمعہ کی نماز تنہا نہیں پڑھی جاسکتی ہے، بلکہ جمعہ کے لیے جماعت شرط ہے،جیسا کہ جمعہ کے لفظ سے ظاہر ہے،ہدایہ اوّلین میں ہے:

”ومن شرائطها :الجماعة لأن الجمعة مشتقة منها۔“

اب اگر وبا کے زمانہ میں لوگ جمعہ کی نماز مسجدوں میں نہ پڑھ سکیں،تو لوگ جمعہ جیسی عبادت سے محروم رہ جائیں گے،اورایک بڑی تعداد جو صرف جمعہ ہی کی عادی ہے،اور ہفتہ میں ایک مرتبہ ان کی پیشانی جو خدا کے سامنے ٹکتی ہے،اس سے بھی محروم ہو جائیں گے۔

اس تناظر میں راقم کی رائے یہ ہے کہ وبا کے زمانہ میں جمعہ کی نماز گھروں میں پڑھنا جائز ہے،اس کی تائید درج ذیل فقہی عبارتوں سے بھی ہوتی ہے۔

فقہ حنفی کی معروف کتاب کبیری میں ہے:

”وفي الفتاوى الغياثية :لو صلى الجمعة في قرية بغيرمسجد جامع والقرية كبيرة لها قرى، وفيها وال وحاكم جازت الجمعة بنو المسجد أو لم ينوا، والمسجد الجامع ليس بشرط ولهذا أجمعوا على جوازها بالمصلى وفي فناء مصر۔“

جامعۃ العلوم الإسلامیۃ بنوری ٹاؤن نے بھی گھر میں جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی ہے،استفادہ کی غرض سے استفتاء وفتوی دونوں نقل کئے جاتے ہیں۔

سوال: گھر میں نماز جمعہ کی ادائیگی درست ہے یا نہیں؟

جواب: عام حالات میں فنائے شہر یا بڑے قصبہ میں جمعہ کی نماز جامع مسجد میں جا کر پڑھنا چاہیے، اس لیے کہ اس طرح مسلمانوں کا اجتماع اوراس کی شان وشوکت کا اظہار ہے،بغیر کسی عذر کے گھر میں جمعہ کی ادائیگی شرعاً ناپسندیدہ ہے۔

البتہ کسی ناگہانی صورت حال میں یا مساجد بالکلیہ بند ہوں، یا حکومتی احکامات کی بنا پر بعض صحت مند افراد کو جمعہ کی نماز میں شرکت سے روک دیا جائے، یا افراد کی تعداد اتنی محدود کردی جائے، کہ تمام لوگوں کا مسجد میں جمعہ ادا کرنا ممکن نہ ہو،تو اس صورت میں (شہر یا بڑی بستی میں) مساجد کے علاوہ جہاں چار یا چار سے زیادہ بالغ مرد جمع ہوسکیں، وہ اذن عام (یعنی نماز پڑھنے والوں کی طرف سے دوسرے لوگوں کی شرکت کی ممانعت نہ ہو) کا خیال رکھتے ہوئے جمعہ قائم کرنے کی کوشش کریں، جس جگہ نماز ادا کررہے ہیں وہاں کا دروازہ کھلا رکھیں، تاکہ اگر کوئی نماز میں شریک ہونا چاہے،تو شریک ہوسکے،تو جمعہ درست ہوجائے گا۔

(ب) گھروں میں جمعہ قائم ہونے کی شرطیں:

(۱) جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لیے خطبہ شرط ہے،خواہ جمعہ مسجد میں ہو یا گھر میں ہو،اگر گھر میں جمعہ کی نماز بغیر خطبہ کے پڑھ لی گئی،تو جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہوگی،فقہ حنفی کی معروف ومستند کتاب ’’درمختار‘‘ میں ہے:

”الخامس (وكونها قبلها)لأن شرط الشيء سابق عليه۔“

(۲) جمعہ کی نماز خواہ مسجد میں ہو یا گھر میں،احناف کے یہاں امام کے علاوہ شرط یہ ہے کہ کم ازکم تین افراد عاقل، بالغ اور مرد ہوں، اگر امام کے علاوہ تین سے کم افراد ہیں،تو ایسی صورت میں جمعہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی، بلکہ ظہر کی نماز پڑھی جائے گی۔

(۳) جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے ایک شرط اذن عام کا پایا جانا بھی ہے،خواہ جمعہ کی نماز مسجد میں ہو، یا کسی عذر کی وجہ سے گھر میں ہو، اذن عام سے مراد یہ ہے کہ جس مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی جائے، اس کے دروازے تمام لوگوں کے لیے کھلے ہوئے، ایسا نہ ہو کہ کچھ لوگ آئیں اور

اس کے بعد مسجد کا دروازہ بند کردیا جائے، تو ایسی صورت میں جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔

مراقی الفلاح میں ہے:

"والخامس من شروط صحة الجمعة :الإذن العام كذا فی الكنز لأنها من شعائر الإسلام وخصا ئص الدين، فلزم إقامتها علی سبيل الاشتهار والعموم حتی غلق الإمام باب ۰۰۰۰ الذی يصلی فيه باصحابه لم يجز وإن أذن للناس بالدخول فيه صحت ولكن لم يقض حق المسجد الجامع فيكره۔"

(۴) جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کے لیے اذن عام کی جو شرط ہے، جمعہ چاہے مسجد میں ہو یا گھر میں، ہر جگہ ہے، جیسا کہ اوپر تحریر کیا گیا ہے، لیکن اگر گھر میں جمعہ کی نماز پڑھنے کی صورت میں ہر شخص کے آنے سے کوئی بڑے نقصان کا خطرہ ہو، جیسے کہ سامان چوری ہوسکتا ہے، یا کوئی اور دوسرا خطرہ درپیش ہے، تو ایسی صورت میں اگر مخصوص لوگوں کو آنے کی اجازت ہو، تو راقم کے نزدیک جائز ہے، اس کی تائید حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی درج ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے:

''فوجی کیمپوں یا کارخانوں میں جب کہ فوجی کیمپ اور کارخانہ شہر میں ہو، جمعہ کی نماز پڑھنے کی عام اجازت ہو، لیکن کسی مصلحت یا کسی سبب کی وجہ سے عام لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی جائے، تو ایسی صورت میں جمعہ کی نماز صحیح ہوجائے گی۔''

(۴) ظہر پڑھنے کی صورت میں باجماعت پڑھیں یا تنہا:

دیہات کے جو لوگ شہر یا بڑے قصبہ میں آکر جمعہ کی نماز پڑھتے تھے، کرونا یا کسی اور وجہ سے نہ پڑھ سکیں، اور وہ اپنے گھروں میں ظہر کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں، تو راقم کی رائے یہ ہے کہ اگر ایک سے زیادہ افراد ہیں، اور ان میں کوئی امام بن سکتا ہے، تو ایسی صورت میں تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں جماعت سے نماز پڑھنا بہتر ہے، کیوں کہ جماعت سے نماز پڑھنے میں جمعہ کی نماز سے مشابہت ہے، اس کی تائید فقہی عبارتوں سے بھی ہوتی ہے۔

فتاوی خانیہ کی عبارت ہے:

"ومن لا تجب عليهم الجمعة من أهل القری والبوادی لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة بأذان وإقامة۔"

جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا مسئلہ اس وقت ہے، جب کہ ظہر کی جماعت گاؤں اور دیہات میں ہورہی ہے، جہاں پر جمعہ کی نماز ادا نہ کی جاتی ہو، لیکن اگر صورت یہ ہے کہ جن مقامات میں جمعہ ہورہا ہے، خواہ قصبہ ہو یا شہر، اگر وبا یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے جمعہ کی نماز لوگ نہ پڑھ سکیں، تو ایسے مقامات میں لوگ ظہر کی نماز تنہا تنہا پڑھیں گے، جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور و مستند کتاب درمختار میں ہے:

"وكره تحريماًلمعذور ومسجون ومسافرأداء ظهر بجماعة فی مصر قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة۔"

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

"فی القنية:سئل عن أهل مصر تركوا الجمعة بعذر مانع يجوز أداء الظهر بالجماعة فی ذلك اليوم ؟فقال يكره لهم ويستحب أن يصلوا وحداناًلعموم قول محمد فی كتاب الصلوة۔"

اس کی تائید دارالعلوم دیوبند کے اس فتوی سے بھی ہوتی ہے:

''قصبہ یا بڑے گاؤں میں جن لوگوں کے لیے جمعہ کا نظم نہ ہوسکے، وہ کسی عذر کی بنا پر یا بلا عذر جمعہ نہ پڑھ سکیں، وہ ظہر کی نماز تنہا تنہا پڑھیں گے، جماعت کے ساتھ نہیں، کیوں کہ بستی میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہوں اور وہاں جمعہ قائم ہوتا ہو، خواہ ایک جگہ میں یا متعدد جگہ، نیز بڑی جماعت

کے ساتھ یا چھوٹی چھوٹی جماعت کے ساتھ، وہاں معذور یا غیر معذور ہر ایک کے لیے ظہر کی نماز با جماعت مکروہ ہے، فقہ حنفی کی تمام کتابوں اور اکابر علماء دیوبند کے فتاوی میں ایسا ہی ہے، اور فقہی دلائل کی بنیاد پر یہی صحیح ہے، اور جو لوگ ظہر با جماعت کی اجازت دیتے ہیں، ان کی رائے پر اکثر اہل علم واصحاب فتوی کا عدم اطمینان ہے۔''

(۵) کیا وبا کے زمانہ میں عیدین کی نماز گھروں میں پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

عیدین کی نماز کی ادائیگی کی درستگی کے لیے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے، البتہ عیدین کی نماز کا عیدگاہ میں ادا کرنا سنت ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول رہا ہے، صحیح بخاری کی روایت ہے:

''كَانَ رَسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ والْأَضْحى إِلى الْمُصَلّٰى۔''

عیدگاہ کے دور ہونے کی وجہ سے اگر لوگ شہر یا قصبہ کی بڑی مسجدوں میں عیدین کی نماز ادا کر لیں، تو یہ بھی جائز ہے۔

درمختار میں ہے:

''الخروج إليها أى الجبانة، يصلون العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح۔''

وبا کے زمانہ میں جب کہ حکومت کی طرف سے سختی ہے کہ لوگ مسجدوں میں عید کی نماز ادا نہ کریں، یا خطرہ ہے کہ مسجدوں میں لوگوں کے جمع ہونے کی وجہ سے بیماری کے اثرات دوسروں میں منتقل ہو سکتے ہیں، تو ایسی صورت میں عیدین کی نماز گھروں میں پڑھی جاسکتی ہے، لیکن گھروں میں پڑھنا اسی صورت میں جائز ہے، جہاں جمعہ کی شرطیں پائی جاتی ہوں۔

الجوهرة النيرة میں ہے:

''ويشترط لإحداهما مايشترط للأخرى سوى الخطبة۔''

اذن عام کے تعلق سے یہاں بھی وہی تفصیل رہے گی، جو گھر میں جمعہ کے تعلق سے لکھی گئی ہے، عذر کی وجہ سے عیدین کی نماز گھر میں جائز ہونے کی تائید مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ کے اس فتوی سے بھی ہوتی ہے۔

سوال: ہم انگلینڈ میں (لسٹر) نامی مقام میں رہتے ہیں، اور یہاں سے مسجد پچاس میل دور دوسرے شہر میں ہے، اور وہ مسجد بھی عید، جمعہ وغیرہ میں مصلیین کے لیے ناکافی ہے، وہاں کے باشندوں کو بھی نماز عید کے لیے کرایہ پر مکان رکھنا پڑتا ہے، معاً ہم میں اتنی استطاعت نہیں کہ وسیع جگہ خرید یں، لہٰذا اگر ہم کوئی حجرہ کرایہ پر لے کر نماز عید اس میں ادا کریں، تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے؟

نوٹ: ہر عید کے موقع پر ہم یہاں حجرہ کرایہ پر لے کر نماز اس میں ادا کرتے ہیں، کیوں کہ یہاں دو، تین مسلمانوں کے اپنے خود کے مکان بھی ہیں، مگر ان میں جگہ ناکافی ہوتی ہے، نیز حجرہ وقف کرنے کی استطاعت نہیں، اس لیے حجرہ کرایہ پر لے کر نماز ادا کی جاتی ہے۔

جواب: نماز جمعہ وعید کے صحیح ہونے کے لیے مسجد کا ہونا شرط نہیں، شہر اور فنائے شہر میں پڑھ سکتے ہیں، جائے نماز کا وقف ہونا بھی ضروری نہیں، ذاتی مکان اور کرایہ کے حجرہ میں ادا ہو جاتی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اذن عام ہو، یعنی سب مسلمانوں کو وہاں نماز پڑھنے کی اجازت ہو، لہٰذا آپ حضرات مسجد بننے تک اپنے گھروں میں نماز پڑھ سکتے ہیں، بہتر یہ ہے کہ نماز کے لیے کوئی مکان یا حجرہ خاص کر لیا جائے، جہاں اذان واقامت کے ساتھ نماز با جماعت ادا کر سکیں۔''

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر عید کی نماز کسی وجہ سے عید یا مسجد میں یا وبا کی وجہ سے حکومت نے عیدگاہ یا مسجد میں ادا کرنے پر پابندی لگادی، تو ایسی صورت میں راقم کے نزدیک عیدین کی نماز گھر میں پڑھی جاسکتی ہے، واضح رہے کہ عید کی نماز گھر میں اسی وقت پڑھی جاسکتی ہے، جہاں

جمعہ کی نماز کی شرطیں پائی جاتی ہوں، جیسا کہ اوپر الجوھرۃ النیر ۃ کی عبارت سے ظاہر ہے۔

(۶) ماسک لگا کر نماز پڑھنا اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنا:

(الف) ماسک لگا کر نماز:

عام حالات میں بغیر کسی ضرورت کے ناک اور منھ کو ڈھانک کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، درمختار میں ہے:

"والتلثم وهو تغية الأنف والفم في الصلوة، لأنه يشبه فعل المجوس حال عبادتهم النيران۔"

(تلثم (مکروہ ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں ناک اور چہرہ کو ڈھک کر نماز پڑھنا، کیوں کہ اس میں مجوسیوں سے مشابہت ہے، وہ آگ کی عبادت اسی طرح کرتے تھے) اسی طرح دوران نماز بلا عذر آنکھیں بند رکھنا مکروہ ہے، مجمع ا لأنهر میں ہے: "وتغميض عينيه للنهي" البتہ عذر یا توجہ اور یکسوئی حاصل کرنے کے لیے آنکھیں بند کرے، تو اس کی گنجائش ہے، مجمع الأنهر ہی کی عبارت ہے "إلا إذا قصد النظر عن الأغيار والتوجه إلى جانب الملك الستار۔"

ظاہر ہے کہ وبا کے زمانہ میں ماسک لگانا خواہ قانونی طور پر ہو یا بیماری سے بچنے کے لیے ایک عذر ہے، لہٰذا ماسک لگا کر عذر کے پیش نظر نماز پڑھنا جائز ہے، اس کی تائید مولانا ناظم ندوی دامت برکاتہم کی کتاب ''کورونا وائرس عالمی وبا اور مسلمان'' سے بھی ہوتی ہے، جس میں انہوں نے پہلے سوال قائم کیا ہے، اور پھر اس میں شریعت کی روشنی میں جواب دیا ہے۔

سوال: کورونا وائرس سے بچاؤ کے لیے لوگ ماسک (MASK) کا استعمال کر رہے ہیں، کیا ماسک پہن کر نماز ادا کرنا درست ہے؟

جواب: عام حالات میں بلا کسی ضرورت ناک اور منھ کو ڈھانک کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ بوقت عذر بلا کراہت جائز ہے۔

(ب) صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنا:

نمازیوں کا صفوں میں مل جل کر کھڑے ہونے کی حدیثوں میں بڑی تاکید آئی ہے، اور صفوں کے درمیان فاصلہ ہونے پر بڑی وعیدیں سنائی گئی ہیں۔

مسند احمد کی روایت ہے: "سَوُّوا صُفُوفَكُمْ وَحَاذُوا بَيْنَ مَنَاكِبِكُمْ وَلِينُوا فِي أيديكم إخوانكم وَسُدُّوا الْخَلَلَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ بَيْنَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْحَذَفِ يَعْنِي أَوْلَادِ الضَّأْنِ الصِّغَارِ۔"

(اپنی صفوں کو سیدھا رکھو، اور اپنے کندھوں کو ہموار رکھو، اور خالی جگہ پر رکھو، کیوں کہ شیطان بھیڑ کا بچہ بن کر تمہارے درمیان گھس جاتا ہے)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صفوں کو سیدھی اور پر کرنے کی کتنی اہمیت آئی ہے۔ وبا کے زمانہ میں بیماری سے بچاؤ کے لیے اگر طبیب حاذق یا حکومت نماز میں ایک خاص فاصلہ کو از حد ضروری قرار دیں، تو یہ ایک عذر ہے، لہٰذا عذر کے سبب نماز با جماعت میں ایسا فاصلہ رکھنے کی گنجائش ہے۔

فقہی اصولوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

(۱) الضرورات تبيح المحظورات. (ضرورتیں ممنوع چیزوں کو جائز قرار دیتی ہیں)

(۲) الضرر يزال۔ (ضرر کو دور کیا جائے گا)

(۳) المشقة تجلب التيسير۔ (مشقت آسانی پیدا کرتی ہے)

اس کی تائید مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب کی درج ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے:

’’البتہ صفوں میں کھڑے ہونے میں جو اتصال ہوتا ہے، اور جس کا حکم وتاکید ہے، کرونا کی ہدایات اس کے خلاف ہیں، لیکن اس کا لحاظ کرنے میں حرج نہیں ہے، صف میں دو نمازوں کے درمیان ایک میٹر کے فاصلے سے نماز کی صحت پر اثر نہیں پڑے گا، عام حالات میں یہ ناپسندیدہ اور نماز میں نقص کا سبب ہے، لیکن خاص حالات میں اس کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔‘‘

(۷) کرونا سے متاثر افراد کا مسجد آنا اور جماعت میں شریک ہونا

کچی لہسن کھا کر مسجد میں آنے سے منع کیا گیا ہے، بخاری شریف کی روایت ہے:

”مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ يَعْنِي الثُّومَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا۔“

(جس نے اس درخت میں سے یعنی لہسن کھائی، تو ہماری اس مسجد کے قریب بھی نہ آئے)

نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ کچی لہسن کھانے سے منہ سے ایک طرح کی بدبو آتی ہے، جس سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے، فقہ کی کتابوں میں جذام وغیرہ جیسے امراض، نیز ایسے امراض جو بدن میں بدبو پیدا کرتے ہوں، ان لوگوں کو مسجد آنے سے منع کیا گیا ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

”و كذلك ألحق بعضهم بذلك من بفيه بخر أو به جرح له رائحة، كذلك القصاب والسماك والمجذوم والأبرص أولىٰ بالإلحاق۔“

کرونا جیسی وبا میں اگرچہ بدبو وغیرہ کی بات تو نہیں ہے، لیکن یہ ایک ایسی بیماری ہے، جو بدبو وغیرہ سے بڑھ کر ہے، کرونا سے متأثر مریض کے مسجد میں آنے سے بیماری دوسرے نمازیوں میں منتقل ہونے کا خطرہ ہے، اور بہت امکان ہے کہ ایسے مریض کے مسجد میں آنے کی وجہ سے نمازی مسجد میں آنا بند کر دیں، فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ ہر ایسے شخص کو مسجد میں آنے سے روکا جائے گا، جو جماعت میں تقلیل کا سبب ہو، لہٰذا کرونا مریض کو گھر ہی میں نماز پڑھنی چاہئے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جماعت کا ثواب دے دیں گے، اگر مسجد میں آئے، تو مسجد کے ذمہ داروں کو روکنے کا حق ہے۔

(۸) کرونا سے متأثر افراد کے لیے روزہ کا کیا حکم ہے؟

مریض کے لیے جس طرح نماز میں سہولتیں رکھی گئی ہیں، اسی طرح روزہ میں بھی سہولتیں رکھی گئی ہیں، بلکہ مرض کے سبب روزہ توڑ دینے یا روزہ نہ رکھنے کی بھی اجازت دی گئی ہے، سورۂ بقرہ کی آیت ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضاً أَوْ عَلىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾

(پھر تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو، تو اس کے لیے دوسرے دنوں کا شمار کرنا (لازم) ہے۔)

کرونا سے متأثر افراد کے لیے اگر روزہ رکھنے میں دشواری ہو یا مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو یا شفا میں تاخیر ہو، تو ایسی صورت میں ایسے مریض کے لیے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

فقہ حنفی کی دائرۃ المعارف فتاوی ہندیہ میں ہے:

”المريض إذا خاف على نفسه التلف أو ذهاب عضو يفطر بالإجماع وإن خاف زيادة العلة وامتدادها فكذلك عندنا وعليه القضاء وإذا أفطر، وكذا في المحيط۔“

اگر مریض بیماری سے ٹھیک ہو جاتا ہے، تو ایسی صورت میں اس پر قضا واجب ہو جائے گی، آیت کریمہ ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضاً أَوْ عَلىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾

(پھر تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو، تو اس کے لیے دوسرے دنوں کا شمار کرنا (لازم) ہے۔)

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے:

”ومن كان مريضاًفي رمضان فخاف إن صام ازداد مرضه أفطر وقضى۔“

(اور جو رمضان میں بیمار ہوجائے، اور وہ ڈرے کہ اگر وہ رمضان میں روزہ رکھے گا، تو اس کا مرض بڑھ جائے گا، تو وہ روزہ نہ رکھے، اور اس کی قضا کرے۔)

اگر مریض بیماری کی حالت میں انتقال کرجاتا ہے، تو نہ اس پر قضا ہوگی، اور نہ اس کے بدلہ اس پر کوئی کفارہ واجب ہوگا، فقہ حنفی کی معروف درسی کتاب: شرح الوقایۃ میں ہے۔

”ولا قضاء إن مات في سفره أو في مرضه أي لا تجب الفدية۔“

(اور قضا نہیں ہے، اگر آدمی سفر یا مرض میں مرجائے، قضا سے مراد فدیہ واجب نہیں ہوگا۔)

اور اگر ایک شخص کرونا سے متاثر تو ہے، لیکن مرض بہت معمولی ہے، جس میں روزہ آسانی کے ساتھ رکھ سکتا ہے، اور بیماری کے بڑھنے کا بھی کوئی خطرہ نہیں ہے، تو ایسی صورت میں راقم کی رائے میں بہتر ہے کہ ایسا شخص روزہ رکھ لے، کیوں کہ رمضان کے روزہ کے مہینے کی جو برکتیں ہیں، وہ قضا روزے رکھنے سے حاصل نہیں ہوسکتی ہیں۔

(۹) کیا کرونا کی وجہ سے عام مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روکا جاسکتا ہے؟

کرونا ایک ایسی بیماری ہے، جس کے جراثیم دوسروں میں منتقل ہوسکتے ہیں، عمرہ اور خاص طور سے حج میں دنیا کے گوشہ گوشہ سے لاکھوں لاکھ افراد اکٹھا ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے دوسرے لوگ جو کرونا بیماری سے محفوظ ہیں، اس بیماری کا شکار ہوسکتے ہیں، لہٰذا حکومت کا حج وعمرہ سے لوگوں کا روکنا جائز ہے، اور لوگوں کو حکومت کی ہدایات پر عمل کرنا چاہئے، اور ایسی صورت میں جب تک حکومت کی پابندی ہے، حج کا مطالبہ ساقط ہوجائے گا، جب وبا ختم ہوجائے، اور حکومت کی طرف سے پابندی ختم ہوجائے، تو اب حج کے لیے جانا فرض ہوجائے گا۔ اس کی تائید ”غنیۃ الناسک“ کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے:

”فالمحبوس والخائف من السلطان كالمريض لا يجب عليهما أداء الحج بأنفسهما ولكن يجب عليهما الإحجاج أو الإيصاء به عند الموت عندهما۔“

اگر حج یا عمرہ کے احرام باندھنے کے بعد کرونا وبا کی وجہ سے حج یا عمرہ سے روک دیا گیا، تو اب محرم کیسے احرام سے نکلے گا، فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد کسی بیماری یا دیگر وجوہات کی وجہ سے حج یا عمرہ سے روک دیا جائے، تو اس کے احرام سے نکلنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ حدودِ حرم میں ایسے جانور کی قربانی دے، جس کی قربانی شرعاً درست ہے، جیسے اونٹ، بکری، گائے وغیرہ۔

فقہ حنفی کی مشہور درسی کتاب: شرح الوقایہ میں ہے:

”إن أحصر المحرم بعدو أو مريض بعث المفرد دماً، والقارن دمين وعين يوماًيذبح فيه ولو قبل يوم النحر۔“ (۲)

محور سوم: کرونا کے زمانہ میں مساجد سے متعلق مسائل

(۱) کرونا کے زمانہ میں مساجد کا بند کرنا کیسا ہے؟

اگر کوئی مسجد کے دروازے کو بند کرادے، تاکہ لوگ مسجد میں نماز نہ پڑھ سکیں، یہ بہت گناہ کا کام ہے، اور ایسا شخص ظالم ہے، اس کے کہنے

پر مسجد کو بند نہیں کیا جاسکتا ہے، قرآن کریم میں ہے:

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِي خَرَابِهَا﴾

(اوراس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں پر اس بات کی بندش لگادے کہ ان میں اللہ کا نام لیا جائے، اوران کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔)

درمختار میں ہے کہ نماز کے علاوہ بھی مسجدوں کے دروازے کو بند نہیں کیا جائے گا، مگر یہ کہ مسجد کے سامان وغیرہ کے چوری ہونے کا خدشہ ہو، تو مسجد بند کی جاسکتی ہے، معلوم یہ ہوا کہ سامان وغیرہ کے چوری ہونے کا خدشہ نہ ہو، تو مسجد بند نہیں کی جائے گی، تو مسجد کو نماز کے لیے کیسے بند کی جاسکتی ہے۔

”وكما كره غلق باب المسجد إلا لخوف على متاعه، به يفتى.“

(اور جیسے کہ مسجد کے دروازے کو بند کرنا مکروہ ہے، مگر مسجد کا سامان چوری ہونے کے خوف کی وجہ سے، اوراسی پر فتوی بھی ہے۔)

البتہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اعذار کی وجہ سے جماعت سے نماز پڑھنا ساقط ہوجاتا ہے، وبا بھی ایک عذر ہے، اس کی وجہ سے بھی جماعت میں حاضر ہونا ساقط ہوجائے گا، اگر کوئی وبائی بیماری کا شکار ہو، تو اس کو جماعت میں شرکت نہ کرنا جائز ہے، اور مسجد کے ذمہ داروں کو اس کے روکنے کا حق ہے تاکہ بیماری دوسرں میں منتقل نہ ہونے پائے، لیکن کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا ہے کہ کسی بیماری کے عام ہوجانے کی وجہ سے مسجد کو بند کردیا جائے، البتہ یہ ذکر ضرور ہے کہ مسجد کو آباد رکھنا فرض کفایہ ہے، جس کے سبب محلّہ کے چند افراد پر لازم ہوگا کہ وہ مسجد میں جماعت کا اہتمام کریں، لہٰذا کرونا کے زمانہ میں مسجد میں نمازیوں کے آنے کی وجہ سے کرونا بیماری کہیں دوسروں میں منتقل نہ ہوجائے، اس مقصد سے مسجدوں کو بند کرنا یہ طریقہ شرعاً ناجائز ہے، صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی وبا آئی ہے، لیکن ایسا ثابت نہیں ہے کہ وبا کی وجہ سے مسجدوں کے دروازوں کو بند کردیا گیا ہو، اس کی تائید جامعۃ العلوم الإسلامیۃ کے فتاوی سے بھی ہوتی ہے، استفادہ کی غرض سے استفتاء وفتوی دونوں نقل کئے جاتے ہیں:

سوال: کیا وبا میں مسجد پر پابندی لگانا صحیح عمل ہے، کیوں کہ وبا تو صحابہ کرام کے زمانہ میں آئی تھی؟

جواب: ”شریعت مطہرہ نے انفرادی طور پر جماعت ترک کرنے یا مسجد میں حاضر نہ ہونے کے کچھ اعذار بیان کئے ہیں، جن میں سے ایک عذر بیماری بھی ہے، یعنی جو شخص بیمار ہو، اس کے حق میں بیماری کو عذر قرار دیا ہے، جب کہ کسی اور کی بیماری کو صحت مند افراد کے لیے عذر قرار نہیں دیا ہے، ہاں جو شخص بیمار کی تیمارداری وخدمت پر مامور ہو، وہ بھی شریعت کی نگاہ میں جماعت ترک کرنے کے حوالہ سے معذور شمار ہوگا۔

پس صورت مسئولہ میں جو شخص وبائی مرض کا شکار ہو، اس کے لیے مسجد کی جماعت میں شرکت نہ کرنے کی اجازت ہوگی، اسی طرح اگر کسی علاقہ میں وبا عام ہوگئی ہو، تو علاقہ کے مکینوں کے لیے مسجد میں نماز نہ پڑھنے کی رخصت تو ہوگی، تاہم مسجد بند کرنے کی اجازت پھر بھی نہ ہوگی، کیوں کہ مسجد آباد رکھنا فرض کفایہ ہے، جس کے سبب محلّہ کے چند افراد پر لازم ہوگا کہ وہ مسجد میں جماعت سے نماز بالکلیہ ترک کردیں، تو پورا محلّہ گناہ گار رہوگا۔

اور جس علاقہ میں وبا عام نہ ہو، وہاں کے صحت مند مکینوں کے لیے جماعت ترک کرنے کی اجازت نہیں، مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں مساجد کا بند کرنا جائز نہیں، اور نہ وبائی صورت میں حال میں مساجد بند کرنے کا کوئی ثبوت خیر القرون وسلف صالحین کے ادوار میں ثابت ہے۔“

البتہ اگر حکومت کی طرف سے مسجدوں کے بند کرنے کی ہدایت ہو، اور اس ہدایت پر عمل ضروری ہو، تو ایسی مجبوری کی صورت میں مسجدوں کو بند رکھا جاسکتا ہے، اس کی تائید قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ، إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾

(جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے، مگر جس شخص پر زبردستی کی جائے بشرطیکہ اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو، لیکن ہاں جو جی کھول کفر کرے، تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہوگا، اور ان کو بڑی سزا ہوگی۔)

ایسی صورت میں بہتر شکل یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے، مسجد کا صدر دروازہ بند کر کے دیگر دروازوں سے کچھ لوگ آکر نماز پڑھ لیں، اس طرح سے مسجد آباد رہے گی، اور فرض کفایہ پر عمل بھی ہو جائے گا۔

(۲) کیا جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان دی جائے؟

اگر مسجدیں بند ہیں، کسی کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، تو اذان دینے کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے، لہٰذا ایسی صورت میں اذان نہیں دی جائے گی، بلکہ اذان ہونے کی وجہ سے لوگوں کو اشتباہ ہو جائے گا کہ مسجد میں نماز ہو رہی ہے، اور جس چیز سے اشتباہ ہو اس سے منع کیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر دوسری جماعت ہو رہی ہے، تو پہلی والی جماعت جہاں پر ہوئی ہے، وہاں سے ہٹ کر نماز پڑھی جائے گی، تاکہ لوگوں کو پہلی جماعت کا اشتباہ نہ ہونے پائے، اور اگر اکا دکا لوگ آکر نماز پڑھ لیتے ہیں، تو ایسی صورت میں آہستہ آواز میں اذان دی جائے گی، بلند آواز سے اذان نہ دی جائے۔

(۳) جماعت میں کتنے افراد شریک ہوں، اس بارے میں گورنمنٹ کی ہدایات کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

وبا کے زمانہ میں جماعت میں کتنے افراد شریک ہوں، اس کے بارے میں حدیث اور فقہ کی کتابوں میں کوئی تحدید ذکر نہیں ہے، البتہ اس بارے میں راقم کی رائے یہ ہے کہ مسجد اللہ کا گھر ہے، اور لوگ ایک اللہ کی عبادت کے لیے مسجد میں جمع ہوتے ہیں، لہٰذا حسب معمول لوگ جماعت میں شریک ہو سکتے ہیں، وبا کے زمانہ میں کچھ ہی لوگوں کو مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کی اجازت یہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے، اور اگر لوگ حسب معمول مل جل کر کھڑے ہونے میں تنگی محسوس کر رہے ہوں، اور بیماری منتقل ہونے سے گھبرا رہے ہیں، تو ایسی صورت میں ماہر ڈاکٹروں کی جو رائے ہو، اس پر عمل کیا جائے، اگر ڈاکٹروں کی رائے جماعت میں نمازی کے ایک میٹر کے فاصلہ پر کھڑے ہونے کی ہو، تو جماعت میں شریک ہونے والے لوگ ایک میٹر کے فاصلہ پر کھڑے ہوں گے، اور اس طرح جماعت میں جتنے لوگ شریک ہو سکیں، صرف اتنے ہی لوگوں کو جماعت میں شریک ہونے کی اجازت ہونی چاہئے۔

(ب) گورنمنٹ کی ہدایات کی شرعی حیثیت:

اگر مسلمانوں پر ہدایات میں دباؤ نہ ہو، بس ہدایات اختیاری ہوں، لوگ ان ہدایات کو اختیار کر سکتے ہیں، تو ایسی ہدایات پر شرعی لحاظ سے عمل کرنا ضروری نہیں ہوگا، اور اگر ہدایات ایسی ہیں کہ ان میں دباؤ ہے، اور عمل نہ کرنے کی صورت میں مسلمانوں کو ذلیل کیا جا سکتا ہے، اور مسجدوں کو بند کیا جا سکتا ہے، تو ایسی صورت میں گورنمنٹ کی ہدایات پر عمل کرنا واجب ہوگا، اس کی تائید ترمذی شریف کی درج ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے:

"قَالَ رَسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَنْبَغِيْ لِلْمُؤمِنِ أنْ يُذِلَّ نَفْسَهُ قَالُوْاوَكَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهُ ؟قَالَ يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَالَايُطِيْقُ۔"

(کسی مسلمان کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ خود کو ذلیل کرے، عرض کیا گیا، وہ کیسے؟ فرمایا: ایسی مصیبتوں کا سامنا کرے، جس کا اس کے اندر تحمل نہ ہو، مراد یہ ہے کہ ایسا کام کر کے یا نہ کر کے ایسی مصیبت کھڑی نہ کرے، جو نا قابل تحمل ہو۔)

(۴) مساجد کے کسی حصہ یا اس کے ملحق جگہ کو کووڈ سینٹر بنانا کیسا ہے؟

مسجد کا مقصد یہ ہے کہ اس میں ایک اللہ کی عبادت کی جائے، اور مسجد میں کوئی ایسا کام نہ کیا جائے، جس سے نمازیوں کو حرج لازم آئے، مسجد کے کسی حصہ کو کووڈ سینٹر بنانا مسجد کے حترام کے خلاف ہے، اور مسجدوں میں لوگوں کی آمد و رفت اور نماز کے اوقات میں شور شرابا کرنا آداب مسجد

کے خلاف ہے، اور فتنہ انگیزی کا باعث ہے، لہٰذا راقم کے نزدیک مسجد کے کسی حصہ کو یا اس سے متصل حصہ کو کووڈ سینٹر بنانا جائز نہیں ہے، اس کی تائید حجۃ اللہ البالغۃ کی درج ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

"وآداب المسجد ترجع إلى معان :منها تعظيم المسجد .... ومنها تنظيفه ممايستقذرويتنفر منه، ومنها الاحتراز عن تشويس العباد، وهيشات الأسواق الخ۔"

الحلبی الکبیر کی عبارت ہے:

"فالحاصل أن المساجد بنيت لأعمال الآخرة ولم تبن لأعمال الدنيا (إلى قوله) فما كان فيه نوع عبادة وليس فيه إهانة ولا تلويث لا يكره وإلا كره۔"

نیز اس کی تائید ردالمحتار کی درج ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے:

"فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالك فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية۔"

البتہ اگر مسجد کا کوئی کمپاؤنڈ ہے، اور وہ مسجد سے الگ تھلگ ہے، اس جگہ کو کووڈ سینٹر بنانے میں نمازیوں کو کوئی حرج نہ ہو، تو ایسی صورت میں مسجد کے کمپاؤنڈ کو کووڈ سینٹر کے لیے دیا جاسکتا ہے۔

محور چہارم: کرونا سے متاثر مریض کی تیمارداری

(۱) کرونا سے متاثر مریض کو الگ تھلگ کر دینا اور اس کی تیمارداری نہ کرنا کیسا ہے؟

اسلام نے مریض کی عیادت، اس کے ساتھ ہمدردی اور اس کو تسلی اور اس کی دیکھ ریکھ کی تعلیم دی ہے۔

بخاری شریف کی روایت ہے:

"عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍؓ أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ :عِيَادَةِ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ وَنَصْرِ الضَّعِيفِ وَعَوْنِ الْمَظْلُومِ وَإِفْشَاءِ السَّلَامِ وَإِبْرَاءِ الْمُقْسِمِ۔"

(حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا ہے: (۱) مریض کی عیادت کرنا، (۲) جنازے کے پیچھے چلنا (۳) چھینکنے والے کے الحمد للہ کہنے کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا (۴) کمزور آدمی کی مدد کرنا (۵) مظلوم کی امداد کرنا (۶) سلام کو رواج دینا (۷) قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنے میں تعاون کرنا)

مسلم شریف کی روایت ہے:

"إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا عَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِي خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ۔"

(جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے، تو جتنی دیر وہ عیادت کرتا ہے، وہ مسلسل جنت کے باغ میں رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ واپس آجائے۔)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عیادت کے آداب میں ایک ادب یہ بتایا ہے کہ جب انسان کسی کی عیادت کرے، تو اس کا حال دریافت کرے کہ کیسی طبیعت ہے؟ جب مریض اپنی طبیعت بیان کرے، تو پھر اس کو اس دعا کے ذریعہ تسلی دے۔

"لَا بَأْسَ طَهُورٌ إِنْشَاءَ اللّٰهُ ۔"

اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ اس کو تکلیف سے کوئی نقصان نہیں ہے، اور یہ بیماری آپ کے گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ بنے گی، اس دعا میں ایک طرف تو مریض کو تسلی دے دی کہ تکلیف تو ضرور ہے، لیکن یہ تکلیف گناہوں سے پاکی اور آخرت کے ثواب کا ذریعہ بنے گی، دوسری طرف یہ بھی دعا ہے کہ اے اللہ اس تکلیف کو اس کے حق میں اجر وثواب کا سبب بنا دیجئے اور گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ بنائیے۔

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ کرونا سے متاثر مریض کو الگ تھلگ کر دینا، اور اس کی تیمارداری نہ کرنا، یہ شرعی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں ہے، البتہ اگر جراثیم دوسروں میں منتقل ہونے کا خطرہ ہو، تب بھی مریض کے گھر والے اور معاشرہ کے افراد اس کو شجر ممنوعہ نہ سمجھیں، بلکہ علاج ومعالجہ اور اس کی دیکھ ریکھ میں اس کی مدد کریں، احتیاطی تدبیر اور حکمت عملی کے ساتھ اس سے ربط وتعلق رکھیں۔

اس کی تائید درج ذیل حدیثوں سے بھی ہوتی ہے۔

المعجم الأوسط کی روایت ہے:

"مَنْ لَا يَهْتَمُّ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنَّا۔"

(جو مسلمان کے معاملہ کی فکر نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے)

مسلم شریف کی روایت ہے:

"اَللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ أَخِيْهِ۔"

(اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد اس وقت تک کرتا رہتا ہے، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے)

طاعون زدہ شہر سے صحت مند لوگوں کے بھاگنے کو جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، اس کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اس سے مریضوں کی دیکھ ریکھ کرنے والا کوئی باقی نہ رہ جائے گا، احکام شریعت کے رمز شناس امام غزالی تحریر فرماتے ہیں:

''اگر صحت مند لوگوں کو باہر جانے کی اجازت دے دی جائے، تو شہر میں صرف وہ بیمار رہ جائیں گے، جن کو طاعون نے مجبور کر رکھا ہے، تو اس سے ان کی دل شکنی ہوگی، وہ تیمارداروں سے محروم رہ جائیں گے، ان کو دوا پلانے اور کھلانے والا بھی نہیں رہے گا، وہ خود بھی اپنی ضرورت کی انجام دہی سے معذور ہوں گے۔''

البتہ اگر حکومت کی طرف سے مریض کو کسی مخصوص جگہ میں کورن ٹائن کر دیا جائے، اور مریض کے پاس جانے سے سختی سے منع کر دیا جائے، اور حکومت کا عملہ علاج ومعالجہ اور مریض کی دیکھ ریکھ کر رہا ہے، تو ایسی صورت میں مریض کے متعلقین کو مریض سے دور رہنے کی گنجائش ہے، لیکن مریض کے لیے اس کی صحت وعافیت کی دعا کرتے رہیں۔ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾

محور پنجم: کرونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

سوال کے جواب سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ضروری وضاحت کر دی جائے، تاکہ اصل مسائل کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

غسل کی مصلحت

اللہ تعالیٰ کا جو بندہ اس دنیا سے رخصت ہو کر موت کے راستے سے آخرت کی طرف جاتا ہے، اسلامی شریعت نے اس کو اعزاز واکرام کے ساتھ رخصت کرنے کا ایک طریقہ مقرر کیا ہے، جو نہایت پاکیزہ، انتہائی خدا پرستانہ اور نہایت ہمدردانہ اور شریفانہ ہے، اور بندہ اللہ تعالیٰ سے بالکل پاک وصاف ہو کر ملے، اس مصلحت کے تحت میت کو غسل دیا جاتا ہے۔

میت کے غسل کا حکم

میت کو غسل دینا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کچھ لوگوں نے میت کو غسل دے دیا، تو دوسرے لوگ جو غسل میں شریک نہیں رہے، تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، اور بغیر غسل کے دفن کر دیا جائے، تو وہ تمام لوگ جن کو میت کے موت کی خبر تھی، سب کے سب گناہ گار ہوں گے، بدائع الصنائع میں ہے:

”وأما بيان كيفية وجوبه فهو واجب على سبيل الكفاية، إذا قام به البعض سقط عن الباقين لحصول المقصود بالبعض۔“

اس اہم وضاحت کے بعد اب ہم اصل سوالات کے جوابات کی طرف آتے ہیں۔

(۱) کرونا سے انتقال کرنے والے کو غسل دیا جائے گا؟

اگر کرونا مریض کا گھر میں انتقال ہوا یا اسپتال میں ہوا اور اسپتال والے میت کی لاش کو کسی کور وغیرہ میں لپیٹ کر نہ دیں، اور کہیں کہ میت کے متعلقین اپنے معمولات کے مطابق کفن دفن کریں، تو اس صورت میں احتیاط کے ساتھ اس طور سے کہ نہلانے کی جگہ میں زیادہ لوگ نہ ہوں، اور نہلانے والا اپنی پوری حفاظت کرے، میت کو غسل دلایا جائے گا، ایسی صورت میں راقم کے نزدیک تیمّم درست نہیں ہوگا، کیوں کہ جب غسل ممکن ہے، تیمّم کی اجازت کیسے ہوگی۔

اگر غسل کی اجازت نہ ہو یا غسل ممکن نہ ہو، تو ایسی صورت میں راقم کی رائے یہ ہے کہ میت کو تیمّم دلایا جائے گا، اور یہ تیمّم غسل کے قائم مقام ہو جائے گا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:”إذا كان للمرأة محرم يتممها باليد وأما الأجنبی فبخرقة علی يده و بغض بصره عن ذراعيه و كذلك الرجل فی إمرأته إلا فی غض البصر۔“

اگر تیمّم بھی ممکن نہ ہو، تو ایسی صورت میں تیمّم کے بغیر دفن کرنا راقم کے نزدیک جائز ہوگا، اس کی تائید قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ﴾

(اللہ تعالیٰ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا ہے)

اور اس کی تائید بخاری شریف کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔

”وَإِنۡ أَمَرۡتُكُمۡ بِشَیۡئٍ فَأۡتُوۡا مِنۡهُ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ۔“

(اور اگر میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں، تو تم لوگ اس کو اپنی طاقت بھر کرو)

(۲) میت کو اسپتال کی طرف سے مخصوص کور (cover) میں لپیٹنے کے بعد کفن کا حکم

اگر میت کو اسپتال کی طرف سے مخصوص کور (cover) میں لپیٹ کر دیا گیا، اور اسے کھولنے اور ہٹانے کی اجازت نہ ہو، اگر میت کو اس طرح لپیٹا گیا ہے کہ چہرہ اور دونوں ہاتھ کھولے جا سکتے ہیں، تو احتیاط کے ساتھ میت کو تیمّم کرا دیا جائے گا، تو یہی تیمّم غسل کے قائم مقام ہو جائے گا، جیسا کہ اوپر ہندیہ کی عبارت گزر چکی ہے۔

اور اگر تیمّم بھی ممکن نہ ہو، تو بغیر تیمّم کے دفن کر دیا جائے گا، فقہ حنفی کی معروف و مستند کتاب ردالمحتار میں ہے:

”وينبغی أن يكون فی حكم من دفن بلا صلوة من تردی فی نحو بئرأو وقع عليه بنيان ولم يمكن إخراجه بخلاف مالو غرق فی بحر لعدم تحقق وجوده أمام المصلی۔“

رہا مسئلہ کور کو کفن قرار دینے کا، جس کو کھولنے اور ہٹانے کی اجازت نہ ہو، اس بابت راقم کی رائے یہ ہے کہ ایسا کور کفن کے درجہ میں ہو جائے گا، کیوں کہ کفن کا اصل مقصد ستر ہے، اور وہ کور سے حاصل ہو جاتا ہے، ایک مشہور صحابی حضرت مصعب بن عمیرؓ کا کفن چھوٹا پڑ گیا تھا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیروں پر گھاس ڈلوادی، معلوم یہ ہوا کہ کفن نہ ہو، تو دوسری چیزوں سے مردے کا جسم ڈھک جائے اور ستر چھپ جائے، تو مقصد حاصل ہو جائے گا، اسپتال کی طرف سے مردہ کو مخصوص کور میں جو لپیٹ کر دیا گیا ہے، اس سے مردے کا بدن اور ستر چھپا ہے، لہٰذا یہ کفن کے درجہ میں ہے۔

المحیط البرہانی میں ہے: ”أما كفن الضرورة أن يكفن فيما يوجد۔“

درمختار میں ہے: ”ولو كان في مكان ليس فيه إلا واحد، وذلك الواحد ليس له إلا ثوب لا يلزمه تكفينه به۔“

اس کی تائید حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم کے اس فتوی سے بھی ہوتی ہے:

”اسپتال کی طرف سے لاش کپڑے میں کر دی جاتی ہو، اور حکومت کی طرف سے اس کو دفن کرنے کا حکم ہو، تو اس صورت میں جس کپڑے میں لپیٹا گیا ہے، وہی اس کا کفن ہے، اور یہ کافی ہو جائے گا، کیوں کہ اس درجہ کا کفن ضروری ہے، جس سے میت کا جسم ڈھک جائے اور ستر کے تقاضے پورے ہو جائیں، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔“

مفتی سلمان صاحب قاسمی تحریر فرماتے ہیں:

”اگر ڈاکٹر جھلی یا پلاسٹک میں لپیٹ کر لاش حوالہ کرتا ہے، اور اس کے کھولنے سے منع کرتا ہے، تو اس جھلی یا پلاسٹک کو کفن کا درجہ دیا جائے گا، جیسے شہید کے خون آلود کپڑے کو اس کے لیے کفن تصور کیا جاتا ہے، کیوں کہ کفن کا اصل مقصد مردے کا ستر ہے، اور وہ اس کور سے حاصل ہو جاتا ہے، اور کس قسم کے کپڑے میں مردے کو دفن کیا جائے، تو اس کی شریعت میں کوئی تحدید نہیں۔“

(۳) اگر میت کی بغیر نماز جنازہ تدفین کے بعد گھر والوں کو اس کی اطلاع دی جائے، تو ایسی صورت میں تدفین کے بعد قبر کے پاس جا کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

اس صورت میں اگر میت کے متعلقین کو میت کی قبر کا علم ہے، تو اگر لاش پھولی یا پھٹی نہیں ہے، میت کی قبر پر جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی، فقہ حنفی کی معروف و مستند کتاب: البحر الرائق میں ہے:

”وقيده بعدم التفسخ لأنه لا يصلى عليه بعد التفسخ لأن الصلوة شرعت على بدن الميت فإذاتفسخ لم يبق بدنه قائماً۔“

روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین میں ہے:

”وسواء حضر الذين لم يصلوا قبل الدفن أو بعده، فإن الصلوة على القبر عندنا جائزة، ولو دفن بلا صلوة أثم الدافنون فإن تقديم الصلوة على الدفن واجب، لكن لا ينبش بل يصلون على قبره۔“

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ میت کی لاش کتنے دنوں میں پھولے اور پھٹے گی، تو اس بابت کئی اقوال ہیں، ایک قول تین دن، دوسرا قول دس دن، تیسرا قول ایک ہفتہ، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ میت کی حالت، اور جہاں وہ دفن کیا گیا ہے، وہاں کی آب و ہوا کے لحاظ سے خود اندازہ لگایا جائے کہ کتنے دنوں میں میت کا بدن پھول اور پھٹ سکتا ہے، جس طرف غالب گمان ہو، اسی پر عمل کیا جائے، فقہ حنفی کی معروف کتاب ”البحر الرائق“ میں ہے:

”وإنما كان هذا هو الأصح، لأنه يختلف باختلاف الأوقات في الحر والبرد وباختلاف حال الميت في السمن والهزال وباختلاف الأمكنة فيحكم في غالب الرأي۔“

(۴) اگر میت کی تدفین کی اطلاع ملے، اور قبر کی جگہ معلوم نہ ہو، تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

نماز جنازہ کی درستگی کے لیے میت کے جسم کا سامنے ہونا شرط ہے، اور میت کے موجود نہ ہونے کی صورت میں یہ شرط مفقود ہوتی ہے، اسی لیے حنفیہ کے مسلک کے مطابق غائبانہ جنازہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی بادشاہ کی نماز غائبانہ پڑھی، محدثین حضرات نے اس حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاصیت تھی، یا پھر بحکم خداوندی جنازہ آپ کے سامنے ہوگیا تھا، یہ صرف آپ ہی کی خصوصیت تھی، اس کو عام نہیں کیا جاسکتا ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

”قال أصحابنا :لا يصلى على ميت غائب، وقال الشافعیؒ: يصلى عليه استدلالاًلصلوة النبی صلى الله عليه وسلم على النجاشی وهو غائب، ولا حجة له فيه، بينا على أنه روى أن الأرض طويت له، ولا يوجد مثل ذلك فی حق غيره۔“

فقہ حنفی کا دائرۃ المعارف فتاوی ہندیہ میں ہے:

”ومن الشروط حضور الميت ووضعه وكونه أمام المصلی فلا يصح على الغائب۔“

(۵) کیا کرونا سے انتقال کرنے والے مسلمان شہید کہلائیں گے؟

شہید تین طرح کے ہوتے ہیں، (۱) دنیا اور آخرت کا شہید (۲) آخرت کا شہید (۳) دنیا کا شہید

شہید کامل:

شہید کامل کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو ناحق قتل کیا گیا ہو، یا سچے دل سے اللہ کے راستے میں شہید ہوگیا ہو۔

آخرت کا شہید:

آخرت کے شہید کا مطلب یہ ہے کہ جو قتل تو نہ کیا جائے، بلکہ کسی بیماری جیسے پیٹ کی بیماری، کینسر یا طاعون میں انتقال ہوجائے یا ولادت کے وقت عورت کا انتقال ہوجائے، کسی پر چھت یا دیوار گر جائے یا ڈوبنے یا جلنے کی وجہ سے انتقال ہوجائے، تو ایسے شخص کو آخرت میں تو شہادت کا درجہ نصیب ہوگا، لیکن دنیا میں اس کے ساتھ عام میت کی طرح معاملہ کیا جائے گا۔

دنیاوی شہید:

دنیاوی شہید کا مطلب یہ ہے کہ ایسا منافق جو ظاہری طور سے اسلام کا حامی ہو، اور اندر سے اسلام کا مخالف ہو، ایسا شخص مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شہید ہوگیا ہو، دنیاوی اعتبار سے اس کو شہید کہا جائے گا، لیکن آخرت میں اس کو شہادت کا درجہ نصیب نہیں ہوگا۔

اس اہم تفصیل کے بعد کرونا سے انتقال کرنے والا مسلمان چوں کہ ایک بیماری کی وجہ سے انتقال ہوا ہے، لہٰذا یہ شہید کامل یعنی دنیا و آخرت کا شہید، اور دنیاوی شہید تو نہیں ہوگا، بلکہ آخرت کا شہید ہوگا، حدیث شریف میں طاعون کی بیماری میں مرنے والے کو شہید کہا گیا ہے، لیکن اس سے شہید آخرت مراد ہے۔

بخاری کی روایت ہے:

”عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَؓ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :اَلشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ :اَلْمَطْعُونُ، وَالْمَبْطُونُ، وَالْغَرِقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِيدُ فِی سَبِيلِ اللّٰهِ ۔“

(حضرت ابو ہریرہؓ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہداء کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) طاعون کی بیماری میں مرا ہو (۲) پیٹ کی بیماری میں مرا ہو (۳) ڈوب کر مرا ہو (۴) عمارت کے گرنے سے مرا ہو (۵) اللہ کے راستے میں شہید ہوا ہو)

فقہ حنفی کی معروف و مستند کتاب درالمختار میں ہے:

"والغريق والحريق والغريب والمهدوم عليه والمبطون والمطعون والنفساء والميت ليلة القبلة۔"

محور ششم: کرونا ویکسین سے متعلق مسائل

(۱) الکوحل آمیز سینٹا ئزر کا استعمال کیسا ہے؟

الکوحل ضروری نہیں ہے کہ شراب اور نشہ والی چیزوں ہی سے تیار کیا جائے، یہ مادہ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ کوئلہ وغیرہ سے بنتا ہے اور شراب اور نشہ والی چیزوں سے بھی بنتا ہے، اگر الکوحل شراب یا دوسری نشہ والی چیزوں سے بنا ہے، تو ایسے الکوحل آمیز سینٹا ئزر کا استعمال جائز نہیں ہوگا، اور اگر کوئی اس کو چھڑک کر نماز پڑھتا ہے، تو اس کی نماز نہیں ہوگی، بخاری کی روایت ہے:

"كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ۔"

(ہر نشہ آور مشروب حرام ہے۔)

امام جصاص رازیؒ "احکام القرآن" میں تحریر فرماتے ہیں:

"والخمر هي عصير العنب النيئ المشتد وذلك متفق عليه أنه خمر وقد سمى بعض الأشربة المحرمة باسم الخمر تشبيهاً بها۔"

(خمر انگور کے جوش مارے ہوئے کچے شیرے کا نام ہے، اس کے خمر ہونے پر اتفاق ہے، اور بعض حرام شرابوں کو بھی اسی سے تشبیہ دے کر بعض اوقات خمر کہہ دیا جاتا ہے۔)

اور اگر الکوحل کوئلہ وغیرہ اشیاء سے بنا ہے، جس میں نشہ نہیں ہوتا ہے، تو ایسے الکوحل آمیز سینٹا ئزر کا استعمال جائز ہوگا۔

اس کی تائید مولانا ناظم صاحب ندوی کی کتاب (کورونا وائرس عالمی وبا اور مسلمان) سے بھی ہوتی ہے، جس میں انہوں نے پہلے سوال قائم کیا ہے اور پھر اس کا جواب دیا ہے:

سوال: کیا ہینڈ سینٹا ئزر (HAND.SANITIZER) کا استعمال درست ہے، کیوں کہ اس میں الکوحل (ALCOHAL) ہوتا ہے؟

جواب: ہینڈ سینٹا ئزر کا استعمال جائز ہے، البتہ تحقیق سے یہ علم ہو جائے کہ یہ کھجور یا انگور سے تیار شدہ ہے، تو اس کا استعمال جائز نہیں۔

راقم کی رائے یہ ہے کہ سینٹا ئزر جس کے بارے میں معلوم نہ کہ وہ کس سے بنا ہے، اس کے بجائے ایسی چیز کا استعمال کیا جائے، جس سے بیماری کے جراثیم دور ہو جائیں، جیسے کہ ڈیٹال صابن یا کوئی دوسری چیز جس کے استعمال سے جراثیم دور ہو جائیں، اس کا استعمال کیا جائے۔

(۲) کرونا ویکسین لگوانے کا کیا حکم ہے؟ واجب یا مباح؟

موجودہ حالات میں کرونا وائرس کا جو انجکشن مرض سے بچاؤ کے لیے بطور ویکسین لگایا جاتا ہے، چوں کہ یہ ویکسین احتیاط کے طور پر مبینہ بیماری سے بچاؤ اور پیشگی علاج کے طور پر لگائی جا رہی ہے، یقینی بیماری کا علاج مقصود نہیں، اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کوئی ماہر دین دار ڈاکٹر اس کی بات کی تصدیق کر دے کہ یہ مضر صحت نہیں اور تجربہ سے اس کا مفید ہونا ثابت ہو جائے، نیز اس میں کوئی حرام یا ناپاک چیز ملی ہوئی ہونے کا یقین یا ظن غالب نہ ہو تو اس کا لگانا شرعاً جائز ہے، لازم یا ضروری نہیں ہے، اور کسی ویکسین کو لگانے پر مجبور کرنا بھی جائز نہیں ہے، اور اگر حرام اجزاء یا ناپاک چیز ملی ہوئی ہونے کا یقین یا ظن غالب ہو، تو اس صورت میں پیشگی علاج کے طور پر اس کا استعمال جائز نہیں ہوگا۔

سنن ابی داؤد کی روایت ہے:

"إِنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوُوا وَلَا تَتَدَاوُوا بِحَرَامٍ۔"

(اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں اتاری ہیں، اور ہر بیماری کے لیے علاج رکھا ہے، تو تم لوگ علاج کرو اور حرام چیز سے علاج نہ کرو)

سنن ابی داؤد ہی کی روایت ہے:

"عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَؓ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّوَاءِ الْخَبِيْثِ۔"

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام چیزوں سے علاج کرنے سے منع فرمایا ہے)

البحر الرائق میں ہے:

"الاستشفاء بالحرام يجوز إذا علم أن فيه شفاء ولم يعلم دواء آخر۔"

(حرام چیز سے شفایابی جائز ہے، جب کہ یقین ہو جائے کہ اسی میں شفا ہے، اور کسی دوا کا علم نہ ہو۔)

محور ہفتم: کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے سے متعلق اسلامی ہدایات

(۱) وبا کے دفعیہ کے لیے کیا اذان دی جاسکتی ہے؟

نماز کے علاوہ صرف ولادت کے موقع پر بچہ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کا ثبوت ملتا ہے، اس کے علاوہ حدیثوں میں اذان کا ثبوت نہیں ملتا ہے، تاہم فقہ کی کتابوں میں بعض مواقع جیسے کہ آندھی، طوفان، آگ، نیز وبا وغیرہ کے وقت اذان کا ذکر ملتا ہے، فقہاء احناف نے ایسے مواقع پر اذان کی گنجائش رکھی ہے۔

فقہ حنفی کی معروف اور مستند کتاب ردالمحتار میں ہے:

"ولا يسن لغيرها أى من الصلوات وإلا فيندب للمولود، وفى حاشية البحر للخير الرملى :رأيت فى كتب الشافعية :أنه قد يسن الأذان لغير الصلوة كما فى أذان المولود والمهموم والمصروع والغضبان ومن ساء خلقه من إنسان أو بهيمة وعند مزدهم الجيش وعند الحريق، وقيل: و عند إنزال الميت القبر قياساً على أول خروجه للدنيا، لكن رده ابن حجر فى شرح العباب۔"

لہٰذا وبا چاہے وہ کرونا بیماری کی شکل میں ہو یا کوئی دوسری وبا ہو، جیسے طاعون وغیرہ، ایسے موقع پر اذان دینے کی گنجائش ہے، لیکن ایسی صورت میں مسجدوں کے بجائے گھر کی چھت وغیرہ پر اذان دی جائے، مسجدوں میں اذان اس وجہ سے نہ دی جائے کہ لوگوں کو نماز کی اذان کا اشتباہ نہ ہو جائے۔

راقم کے نزدیک اس موقع پر جو اذان دی جائے گی، وہ عبادت سمجھ کر نہیں، بلکہ بطور علاج دی جائے گی، علماء کرام کے فتاویٰ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وبا کے دفعیہ کے لیے اذان دی جاسکتی ہے، اور یہ بطور علاج ہوگی۔

(۲) دفع وبا کے لیے اجتماعی نماز اور اجتماعی دعا کا اہتمام:

(الف) دفع وبا کے لیے اجتماعی نماز:

دفع وبا کے لیے اجتماعی نماز کا ثبوت قرآن وحدیث میں نہیں ملتا ہے، اور فقہی کتابوں میں میری ناقص معلومات کے مطابق کوئی ایسی عبارت نہیں گذری ہے، جس سے معلوم ہو کہ دفع وبا کے لیے اجتماعی نماز پڑھی جاسکتی ہے، البتہ انفرادی نماز پڑھی جاسکتی ہے، قرآن کریم میں ہے: "وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ."

(اور تم لوگ صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔)

حدیثوں میں بھی صلوۃ الحاجۃ کا ذکر ہے، وبا جو ایک طرح کی مصیبت ہے، اور ہر انسان پریشانی کے عالم میں ہوتا ہے، لہٰذا دفع وبا کی نیت سے صلوٰۃ الحاجۃ پڑھی جائے، تو اس کی گنجائش ہے، صلوۃ الحاجۃ کا جو ذکر حدیث میں ملتا ہے، وہ انفرادی نماز کا ملتا ہے، اجتماعی نماز کا نہیں ملتا ہے۔

ترمذی شریف کی روایت ہے:

حضرت عبداللہ بن اوفیٰ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت ہو، تو اچھی طرح وضو کرے، پھر دو رکعت نماز پڑھے پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وتعریف بیان کرے، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ کر یہ دعا کرے:

”لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، أَسْئَلُكَ مُوجِبَاتِ رَحْمَتِكَ، وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ، وَالْغَنِيمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ، وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ، لَا تَدَعْ لِي ذَنْباً إِلَّا غَفَرْتَهُ، وَلَا هَمّاً إِلَّا فَرَّجْتَهُ، وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضاً إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔“

(ب)- دفع وبا کے لیے اجتماعی دعا:

دفع وبا کے لیے بہتر ہے کہ انفرادی دعا کی جائے، خاص طور سے رات کے آخری حصہ میں جو کہ قبولیت کا وقت ہوتا ہے، خوب گریہ وزاری کے ساتھ دفع وبا کے لیے دعا کرے، قرآن کریم میں ہے:

﴿اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾

(تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے پکارا کرو۔ یقیناً وہ حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔)

دفع وبا کے لیے اجتماعی دعا بھی کی جا سکتی ہے، لیکن اجتماعی دعا کے لیے کوئی مخصوص وقت لازم نہ کیا جائے، اور جو لوگ دعا میں شریک نہ ہوں، ان پر لعن وطعن نہ کی جائے، اس کی تائید علامہ شاطبیؒ کی مشہور کتاب: ''الاعتصام'' سے بھی ہوتی ہے:

”ومنها (أى من البدع) التزام العبادات المعينة فى أوقات معينة لم يوجد لها ذلك ۰۰۰۰۰ فى الشريعة كالتزام صيام يوم النصف من شعبان وقيام ليلته۔“

مرقاۃ المفاتیح میں ہے: ”وفيه أن من أصر على مندوب وجعله عزماً۔ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر۔“

اس کی تائید جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے درج ذیل فتوی سے بھی ہوتی ہے۔

سوال: کسی مصیبت کے وقت اکٹھے تلاوت قرآن کا اہتمام جائز ہے؟ تا کہ بعد میں اللہ تعالیٰ کے حضور با آواز بلند اللہ سے اس مصیبت سے نجات کی دعا مانگی جائے؟ میرا سوال کرونا جیسی وبا جس میں اکٹھے ہونے کی ممانعت ہے، سے متعلق نہیں ہے، بلکہ دوسری قسم کی وبا یا مصیبت جس میں اکٹھے ہونے پر کوئی خطرہ نہ ہو، اس سے ہے۔

جواب: ''قرآن کا پڑھنا خیر وبرکت کا ذریعہ ہے، اس سے مصیبت، غم اور پریشانی سے نجات ملتی ہے، لیکن کسی وبا یا مصیبت کے وقت اجتماعی طور پر جمع ہو کر قرآن شریف کی تلاوت کرنا اور آواز بلند دعا کرنا شریعت میں ثابت نہیں ہے، اس لیے اس طریقہ کو دین کا حصہ سمجھنا، اس کو دین کا حصہ سمجھتے ہوئے اس کا التزام اور اس پر اصرار کرنا، اور اس میں شرکت نہ کرنے والوں پر نکیر کرنا بدعت ہے، کسی دن کی تعیین اور اس خاص طریقہ کو شریعت کا حصہ سمجھے بغیر اور شرکت نہ کرنے والوں پر لعن طعن کئے بغیر اگر کبھی وبا یا مصیبت کی وجہ سے لوگ اجتماعی طور پر جمع ہو کر قرآن مجید کی تلاوت کرلیں، اور اس کے بعد دعا کرلیں، تو اس کی گنجائش ہوگی۔''

وبا سے متعلق چند اہم سوال

مولانا محمد صابر حسین ندوی
استاد جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور کرناٹک

محور اول: کرونا وبا کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر

(۱) وبا کیا ہے اور اسلام میں وبا کا کیا تصور ہے؟

الجواب بعون الوہاب:

اس وقت عالمی سطح پر کورونا وائرس کی ہلاکت خیزی کا چرچا ہے، اس وائرس سے متاثرین کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی ہے؛ نیز مہلوکین ومتاثرین کی تعداد روز بروز بڑھتی ہی جارہی ہے، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ ایک وبائی مرض ہے جس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ ڈاکٹروں کی تحقیق یہ ہے کہ یہ بیماری متعدی ہے اور اس کی کچھ علامات ہیں جس سے یہ بیماری دوسروں میں منتقل ہوسکتی ہے۔

اس وبا اور بیماری میں دنیا کی عظیم طاقتوں کے لیے ایک عبرت ونصیحت ہے، انہیں تکبر بالکل زیب نہیں دیتا، روئے زمین درحقیقت ایک خالق ومالک کی ہے، جس کے قبضہ قدرت میں اس کا سارا نظام ہے، جو صبح وشام کو پیدا کرتا ہے، سورج وچاند کو نکالتا ہے، موسموں کو تبدیل کرتا ہے، زمین سے غلہ نکالتا ہے، آسمان سے پانی برساتا ہے، اسی پروردگار کو خدائی کا دعویٰ زیب دیتا ہے اور اسی کی جانب رجوع کرنا بندگی کا شیوہ ہے۔

اسلام ہمیں تمام شعبۂ حیات کی طرح مرض اور وبا میں بھی رہنمائی اور صحیح ہدایات دیتا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ اور اصول یہ ہے کہ تمام بیماریاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ دنیا کے اندر جو کچھ بھی ہورہا ہے، اللہ تعالیٰ کی منشا اور حکم سے ہورہا ہے۔ اللہ کے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی حرکت نہیں کرسکتا اور جب کوئی بیمار پڑتا ہے تو شفا دینے والی ذات اللہ ہی کی ہے، ارشادِ ربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی ہے: ''جب میں بیمار ہوجاتا ہوں تو اللہ ہی شفا دیتا ہے''۔ (شعراء: ۸۰)

اسی طرح شریعت نے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور ان احتیاطی تدابیر پر جس حد تک عمل ممکن ہو، کرنا چاہیے، طاعون کے سلسلے میں اسلام کی ہدایات موجود ہیں، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جس علاقے میں طاعون پھیلا ہو، لوگ وہاں نہ جائیں اور وہاں کے لوگ وہاں سے نہ نکلیں، بلکہ صبر کرکے انہی علاقوں میں رہیں، اگر موت مقدر ہوگئی تو شہادت کی موت ہوگی، وہاں سے نکلنا موت سے فرار اختیار کرنے کے مترادف ہے، جب کہ اگر کسی کی موت کا وقت آگیا ہے تو وہ موت سے بھاگ نہیں سکتا۔ (مسند احمد حدیث نمبر: ۱۴۹۱)

وبائی امراض یا وائرس کا پھیلنا ایک قسم کا عذاب خداوندی ہے، اس سے نہ صرف لوگوں کی موت واقع ہورہی ہے، بلکہ دنیا بالکل سمٹ سی گئی ہے، معیشت کا بہت بڑا نقصان ہورہا ہے، چیزیں بہت سے علاقوں میں مہنگی ہوگئی ہیں جس سے عام لوگ تکلیف میں مبتلا ہیں، ظاہر ہے کہ یہ سب عام لوگوں کے لیے کسی عذاب سے کم نہیں ہے، اس لیے بحیثیت مسلمان، ایک عالمی وآفاقی امت ہونے کے ناطے ہمیں آپ ﷺ نے جو تعلیمات دی ہیں، انہیں بروئے کار لاکر اس سے نجات پانے کی سعی وکوشش کرنی چاہیے، آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کوئی مصیبت اور پریشانی آتی،

آندھی طوفان کی شکل میں ہو یا آفات وبلیات کی شکل میں، آپ ﷺ مسجد کی طرف جاتے اور مسجد میں حضرات صحابہؓ کو جمع کرتے، نماز اور دعا کی تلقین فرماتے، حضرات صحابہؓ کی زندگی میں بھی یہ چیز بہت اہمیت کے ساتھ ملتی ہے۔(سنن ابوداود حدیث نمبر:۱۱۹۶) اس لیے آج جب کہ دنیا میں کورونا وائرس کی دہشت ہے، مسلمانوں کو نماز اور دعاؤں کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔

صدقہ وخیرات رب کے غضب اور بلا کو ٹالتے ہیں، اس لیے صدقہ وخیرات کا اہتمام کرنا چاہیے۔ بیماری کے حملہ آور ہونے میں گندگی کو بہت دخل ہے۔ احتیاطی تدابیر کے طور پر صفائی ستھرائی کا خاص خیال کرنا بہت ضروری ہے، عالمی ادارہ صحت کی طرف سے جو رپورٹ شائع کی گئی ہے، اس کے مطابق وائرس ایک شخص کے ہاتھ یا منہ کے ذریعے دوسرے شخص کے اندر منتقل ہوتا ہے، اس لیے اس موقع پر کثرت سے ہاتھ دھونا چاہیے اور پر ہجوم جگہوں سے دور رہنا، ماسک استعمال کرنا، لوگوں سے مصافحہ کرنے سے وقتی تقاضے کے تحت رکنا چاہیے۔

(۲) کرونا سے تحفظ کے لئے شرعی رہنمائی اور اسلامی ہدایات کیا ہیں؟

اسلام ایک نظام حیات ہے، زندگی کے ہر مسئلہ اور معمہ کے حل کی رہنمائی قرآن وحدیث میں موجود ہے، کرونا وائرس جو ایک وبائی مرض ہے، شرعی رہنمائی بھی موجود ہے۔

بیماری سے بچنے کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے پر شریعت نے تاکید کی ہے، وبائی مؤثر علاقہ میں گھومنا اور رابطہ قائم کرنے سے پرہیز کرو، ورنہ آپ بھی اس وبا کے شکار ہو سکتے ہو۔

شریعت تندرست آدمی کو بیماری آدمی سے دور رہے۔ اور بیمار آدمی کو تندرست اور اچھے لوگوں کے ساتھ رہنے سے منع فرمایا ہے بلکہ صریح قرنطینہ (کورن ٹائن) میں رہنے کو کہا ہے۔

خلاصہ

ہر مشکل گھڑی میں اللہ پر توکل واعتماد کے ساتھ بھروسہ کریں۔
بیماری سے بچنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔
فاصلہ بنائے رکھیں۔
ہاتھ دھوتے رہیں۔
ماسک وغیرہ کا اہتمام کریں۔
متاثر علاقہ کے اشخاص نہ باہر جائیں اور نہ وہ اندر آئیں۔

(۳) کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے اور اس سے بچنے کے سلسلہ میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل اور دیگر احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا ایسا کرنا توکل علی اللہ اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہے؟

اللہ تعالیٰ پر توکل یعنی بھروسہ کرنا انبیاءِ کرام علیہم السلام کے طریقہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے، قرآن وحدیث میں توکل علی اللہ کا بار بار حکم دیا گیا ہے، قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے کہ اللہ پر ایمان لانے والوں کو صرف اللہ ہی کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیے۔(سورۃ التوبۃ:۵۱) اس اعتبار سے توکل کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ واعتماد کرنا اور اس یقین کے ساتھ اسباب اختیار کرنا کہ دنیوی واُخروی تمام معاملات میں نفع ونقصان کی مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، ہر چھوٹی بڑی چیز اپنے وجود اور بقا کے لیے اللہ کی محتاج ہے، اللہ تعالیٰ کے منشاء کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا، اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے تو اُسے مرض سے شفایابی کے لیے دوا کا استعمال تو کرنا ہے، لیکن اس یقین کے ساتھ کہ جب تک اللہ

تعالیٰ شفا نہیں دے گا، دَوا اثر نہیں کرسکتی۔یعنی دنیاوی اسباب کو اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا نظام یہی ہے کہ بندہ دنیاوی اسباب اختیار کرکے اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ کرے، یعنی یہ یقین رکھے کہ جب تک حکم خداوندی نہیں ہوگا، اسباب اختیار کرنے کے باوجود شفا نہیں مل سکتی۔غرض یہ ہے کہ اسباب اختیار کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حدیث شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا بغیر باندھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: باندھو اور اللہ پر بھروسہ کرو۔''

(سنن ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، ج:۴،ص:۶۷۰،طبع: دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اسی طرح ایک اور حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ: ''اہل یمن بغیر ساز و سامان کے حج کرنے کے لیے آتے اور کہتے کہ ہم اللہ پر توکل کرتے ہیں، لیکن جب مکہ مکرمہ پہنچتے تو لوگوں سے سوال کرنا شروع کردیتے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی سورۃ البقرۃ میں آیت:۱۹۷/نازل فرمائی کہ: ''حج کے سفر میں زادِ راہ ساتھ لے جایا کرو''۔(صحیح البخاری، باب قول اللہ تعالیٰ: وتزودوا فإن خیر الزاد التقوی، رقم الحدیث:۱۵۲۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے ساتھ ساتھ بیماری کا علاج کرنے کا حکم بھی دیا ہے، جیسے حدیث شریف میں ہے: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بیماری کی دوا ہے، جب بیماری کو اس کی اصل دوا میسر ہو جائے تو انسان اللہ کے حکم سے شفایاب ہو جاتا ہے''۔

(صحیح مسلم، باب لکل داء دواء، رقم الحدیث:۵۷۰۵)

لیکن دوسری طرف شریعت نے یہ ہدایت بھی دی ہے کہ کسی وبائی مرض میں مبتلا مریض سے نفرت نہ کی جائے؛ تاکہ اسے حوصلہ ملے اور اس کے دل میں احساسِ محرومی پیدا نہ ہو۔جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے ثابت کیا ہے، حدیث میں ہے: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جذام کے مریض کو اپنے ساتھ بیٹھا کر ایک برتن میں کھانا کھلایا اور فرمایا کہ کھائیے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے۔''(سنن ابن ماجہ، باب الجذام، رقم الحدیث:۳۵۴۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح کرنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ کسی موذی مرض میں مبتلا مریض سے احتیاط تو کی جائے، لیکن اس سے نفرت نہ کی جائے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو متعدی وبا سے بچنے کے لیے جائز حفاظتی تدابیر اختیار کرنا چاہیے اور جائز حفاظتی تدابیر کا اختیار کرنا توکل اور تقدیر پر ایمان کے منافی نہیں ہے، بلکہ توکّل کی حقیقت یہی ہے کہ اسباب کو اختیار کیا جائے، لیکن اَسباب کو موثّر بِالذّات ماننے کے بجائے خداوندِ مسبّب الاسباب پر ایمان رکھا جائے، کیوں کہ اسباب میں تاثیر اسی نے پیدا کی ہے اور اسی کے حکم سے یہ مؤثر ہوتے ہیں، تقدیر پر ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احادیث میں تعلیم دی ہے کہ ان بیماریوں کو مؤثر بالذات نہ سمجھا جائے، بلکہ مؤثر بالذات اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جیسے کہ حدیث شریف میں ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی مرض (بذاتِ خود) مُتعدّی نہیں ہوتا''۔

(صحیح مسلم، باب لا عدوی ولا طیرۃ، رقم الحدیث:۵۷۳۹)

لہٰذا ہر بیماری اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، اور اس بیماری کا علاج کرنا، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس بیماری سے بچاؤ کی جائز احتیاطی تدابیر اختیار کرنا اور حکومتی گائڈ لائن پر عمل کرنا (مثلاً ماسک پہننا، باجماعت نماز کے علاوہ فاصلہ رکھنا، بار بار ہاتھ ملانے سے گریز کرنا، چھینک کے وقت منہ پر کپڑا وغیرہ رکھنا) یہ سب توکل کے خلاف نہیں ہے۔

(۴) بیماری کے متعدی ہونے میں اسلامی نظریہ کیا ہے؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بیماری کا ایک سے دوسرے کو لگنا، بدشگونی، ہامہ، اور صفر یہ سب

چیزیں بے حقیقت ہیں (البتہ) تم جذامی سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو‘‘۔ (رواہ البخاری (۵۷۰۷)

مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کوئی مرض بذاتِ خود متعدی نہیں ہوتا، بلکہ سبب کے درجے میں اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو دوسرے انسان کو مرض لگتا ہے ورنہ نہیں لگتا، اسباب کے درجہ میں احتیاط کرنا توکل اور منشاءِ شریعت کے خلاف نہیں ہے؛ لیکن کسی خاص مرض کے ہر حال میں دوسرے کو منتقل ہونے کا عقیدہ رکھنا جائز نہیں ہے۔

جن احادیثِ مبارکہ میں مرض کے متعدی ہونے کی نفی ہے اس سے مراد جاہلیت کے اس عقیدے کی نفی ہے کہ مرض بذاتہ یقینی طور پر متعدی ہوتا ہے، بالفاظِ دیگر ہر مرض کے اندر مافوق الاسباب متعدی ہونے کی صلاحیت ہے، لہٰذا جاہلیت میں یہ نظریہ اس قدر پختہ تھا کہ مریض کے قریب جانے سے بیماری لازمی متعدی ہوتی ہے، وہ اس میں طبی اعتبار سے نہ فرق ملحوظ رکھتے تھے، نہ ہی اسے مشیت وقدرتِ خداوندی کا نتیجہ کہتے تھے، اس بداعتقادی کے قلع قمع کے لیے رسول اللہ ﷺ نے بیماری کے متعدی ہونے کی نفی فرمائی، باقی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تقدیر کے تحت اس کے ضرر یا سبب بننے کی نفی نہیں کی۔

اور جن احادیثِ مبارکہ میں بیماری متعدی ہونے یا مریض سے دور رہنے کا حکم ہے اس سے مراد ماتحت الاسباب، اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت اور تقدیرِ خداوندی کے تحت بیماری کا متعدی ہونا ہے، اگر اللہ پاک چاہیں تو بیماری لگے گی اور نہ چاہیں تو نہیں لگے گی، نیز ہر بیماری متعدی نہیں ہوتی، بلکہ بعض بیماریاں سبب کے درجے میں متعدی ہوسکتی ہیں، اور اَسباب میں تاثیر پیدا کرنا محض اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت ہے، عادت اور معمول کے مطابق اَسباب میں تاثیر ہوتی ہے، تاہم جس وقت اللہ چاہے وہ تاثیر ختم بھی کردیتا ہے۔

نیز اگر کسی علاقے میں کوئی وبا (مثلاً طاعون وغیرہ اور فی الحال کورونا جیسی بیماری) پھیل جائے تو اس حوالے سے کتبِ حدیث میں روایات منقول ہیں کہ جس جگہ طاعون کا مرض پھیل جائے وہاں جانے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا، اور جہاں آدمی موجود ہو، اور وہاں طاعون کا مرض پھیل جائے تو ڈر کر وہاں سے بھاگنے سے منع فرمایا۔

محورِ دوم: کورونا کے زمانے میں عبادات میں تخفیف

(ا) کیا کرونا کے زمانے میں مساجد کی بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنے یا انفرادی نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

اسلامی تعلیمات میں مشقت کے وقت آسانی اختیار کرنے اور خطرات ونقصانات کے وقت احتیاطی تدابیر اپنانے کا حکم دیا گیا اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالنے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں بہت ساری دلیلیں ہیں جو عموماً معلوم ہیں، بالخصوص ایسا کوئی بھی راستہ اختیار کرنا جس سے ہلاکت کا اندیشہ بھی ہو ممنوع ہے۔

رہا مسئلہ شرعی نقطہ نظر سے کیا وبائی امراض کے خوف سے مساجد کی بجائے گھروں میں فرائض ادا کرسکتے ہیں کہ نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ متعدد احادیث سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ شدید بارش یا تیز آندھی طوفان کی وجہ سے لوگوں کو اپنے گھروں میں نماز کا حکم دیا جاسکتا ہے، چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک ٹھنڈی اور برسات کی رات میں اذان دی، پھر یوں پکار کر کہہ دیا: ’’الا صلوا فی الرحال‘‘ کہ لوگو! اپنی قیام گاہوں پر ہی نماز پڑھ لو! پھر فرمایا:

’’إنَّ رَسولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ كانَ يَأْمُرُ المُؤَذِّنَ إذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ ومَطَرٍ، يقولُ: الَا صَلُّوا فی الرِّحَالِ۔‘‘

(صحيح البخاري:٦٦٦)

اسی طرح فقہائے کرام نے یہ بات لکھی ہے کہ عام حالت میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے؛ نیز جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا

اسلامی شعائر میں داخل ہے، اس لیے جماعت کے ساتھ نماز اس طرح ادا کرنا متعین ہے کہ اس سے شعار ظاہر ہو، چوں کہ مساجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے شعار کا اظہار ہوتا ہے، اس لیے کہ عام طور پر سارے حضرات مسجد میں جماعت میں شریک ہوکر با جماعت نماز ادا کرتے ہیں، جہاں تک مسجد کے علاوہ گھروں میں با جماعت نماز ادا کرنے کا مسئلہ ہے تو ظاہر ہے کہ اگر مختلف گھروں میں الگ الگ جماعت بنا کر نماز با جماعت ادا کی جارہی ہو اور ان جماعتوں میں مصلیوں کی تعداد کافی کم ہو تو جماعت کا شعار ظاہر نہیں ہوگا اور شعار کے اظہار کے بغیر جماعت ادا کرنا کافی نہیں ہوگا اور مساجد کے علاوہ گھروں میں شعار ظاہر ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جہاں جماعت ہو رہی ہے وہاں پر کسی کے جانے کی ممانعت نہ ہو بلکہ مسجد کی طرح ہر کسی کو داخل ہونے کی اجازت ہو، جب کہ گھروں وغیرہ میں اس قدر لوگوں کا جمع ہونا ممکن نہیں ہے۔

نیز ہر ایک دوسرے کے گھروں میں جانا پسند بھی نہیں کرتا، اس لیے مساجد کے علاوہ گھروں میں جمع ہونا شعار ظاہر نہ ہونے کی بناء پر گھروں، بازاروں میں جماعت سے نماز ادا کرنا کافی نہیں ہوگا اس لیے کسی گھر کی چھت پر یا بلڈنگ کی چھت پر اہل مسجد کے لیے عمومی انتظام کرنا ضروری ہے تا کہ شعار کے ساتھ با جماعت نماز ادا کرنے سے فرض کفایہ ادا ہو سکے؛ لیکن چھوٹے چھوٹے گاؤں میں اگر گھروں میں با جماعت نماز ادا کرنے والوں کی تعداد اتنی ہے کہ اس سے جماعت کا شعار ظاہر ہوتا ہو تو ایسی صورت میں ان کا با جماعت ادا کرنا کافی ہے، اور شعار ظاہر ہونے کے لیے کتنے لوگ ہونا ضروری ہے اس کا دارومدار عرف پر ہے یعنی اس گاؤں کے لوگوں کے اعتبار سے شعار کی تعداد کا اعتبار ہوگا جیسا کے حدیث میں وارد ہے کہ جس گاؤں میں بھی تین لوگ ہوں اور وہ جماعت قائم نہ کریں تو ان پر شیطان غالب آجاتا ہے(۱) البتہ بعض فقہاء کے بقول شعار کے اظہار کے لیے کم از کم تیس افراد کافی ہیں۔

کرونا کی موجودہ حالت میں پابندی کے اصول کے مطابق نہ مساجد میں با جماعت نماز ادا کرنے والوں کی تعداد اتنی ہوتی ہے کہ اس سے شعار ظاہر ہو سکے اور نہ گھروں میں چھوٹی چھوٹی جماعت بنا کر نماز ادا کرنے والوں سے شعار ظاہر ہوتا ہے۔ اس لیے ان حالات میں کم از کم کسی ایک جگہ اتنے لوگوں کا جمع ہوکر با جماعت نماز ادا کرنا ضروری ہے جس سے جماعت کا شعار ظاہر ہو سکے، چوں کہ یہ مسجد میں ممکن نہیں ہے، اس لیے محلّہ میں یا کسی گھر میں اتنے لوگ جمع ہوں کر با جماعت نماز ادا کریں جس سے شعار ظاہر ہو سکے کیوں کہ اس صورت میں فرض کفایہ کے ذمہ سے سبکدوشی حاصل ہو سکتی ہے، اور باقی حضرات چھوٹی چھوٹی جماعت بنا کر اپنے گھروں میں با جماعت نماز ادا کرتے ہیں تو اس کی گنجائش ہے، اس لیے کہ جماعت کے سلسلے میں جواز کی حد تک صرف دو لوگوں کا با جماعت نماز ادا کرنا کافی ہے جیسا کہ حدیث پاک میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم دو لوگ ہو تو تم میں سے بڑا امام بنے اور دوسرا اقامت کہے۔ (رواہ ابوداود ۵۴۷) اور مساجد کھلنے کے بعد سب کو مساجد میں جمع ہوکر ایک ساتھ با جماعت نماز ادا کرنا چاہیے تا کہ جماعت کے ذریعے شعار کا اچھی طرح اظہار ہو سکے۔ اور ترک شعار کا ماحول نہ بنے۔ (ملاحظہ ہو: نہایۃ المحتاج ۲/۱۳۷-۱۳۶) نیز تحفۃ المحتاج ۱/۲۴۷)

(۲) کرونا کے زمانے میں مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ پنج وقتہ نماز ادا کرنا اور متعدد بار نماز جمعہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

تکرار جماعت سے جن علماء نے رکنے کی وجہ بیان کی اس میں تمام مشترکہ ہے اور وہ یا تو شیرازہ کا بکھیرنا ہے یا جماعت سے غفلت کا باعث ہے جیسے فقہاء کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

(وَلَنَا) اَنَّا اُمِرْنَا بِتَكْثِيرِ الْجَمَاعَةِ وَفِي تَكْرَارِ الْجَمَاعَةِ فِي مَسْجِدٍ وَاحِدٍ تَقْلِيلُهَا لِاَنَّ النَّاسَ إِذَا عَرَفُوا اَنَّهُمْ تَفُوتُهُمُ الْجَمَاعَةُ يُعَجِّلُونَ لِلْحُضُورِ فَتَكْثُرُ الْجَمَاعَةُ وَإِذَا عَلِمُوا اَنَّهُ لَا تَفُوتُهُمْ يُؤَخِّرُونَ۔" (المبسوط للسرخسی ۱ /۱۳۵)

☆ المسجد اذا كان له امام معلوم و جماعة معلومة فى محله فصلى اهله فيه بالجماعه لا يباح تكرارها فيه بأذان ثان، أما إذا صلوا بغير أذان يباح إجماعا، و كذا فى مسجد قارعه الطريق۔" (الفتاوى الهندية ۸۳)

اسی طرح جمعہ کے سلسلے میں فقہائے کرام کا کہنا ہے کہ جمعہ صحیح ہونے کے جو شرائط ہیں ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ ایک ہی بستی میں ایک

سے زائد جمعہ نہ ہو؛لیکن اگر لوگوں کے جمع ہونے کی وجہ سے مشقت یا پریشانی لاحق ہورہی ہوان کی کثرت کی بناء پر یا آپس میں جھگڑا وفسادات ہونے کی بنا پر تو تعدد جمعہ بقدر ضرورت جائز ہے؛ لہٰذا ایسے حالات میں جہاں ایک مرتبہ جمعہ ادا ہونے کے بعد جولوگ جمعہ کی نماز ادا نہیں کر پاتے جس کی وجہ سے جھگڑا وفساد ہونے کا اندیشہ ہو وہاں جمعہ کی ایک سے زائد جماعت بنانا جائز ہوگا۔

”إن كان المسجد صغيرا من مساجد المحال والأسواق التى يؤم فيها جيرانها جاز إقامة الجماعة بعد جماعته والجهر بالأذان بعد أذانه، والله اعلم۔“ (الحاوی الكبير ٦٥/٢)

مولانا خالد سیف اللہ صاحب رقم طراز ہیں: ”اصل یہ ہے کہ مسجد میں ایک ہی جماعت ہو، اس لیے اس کے لیے کوشش جاری رکھنی چاہئے اور جب تک یہ سہولت نہ پہنچے تکرار جماعت کے ساتھ ہی سہی تمام آنے والوں کے لیے جمعہ کی سہولت برقرار رکھنا چاہئے، کہ اس سے فریضہ دین کی اہمیت لوگوں کے ذہن میں باقی رہے گی، اور ان کے ذہنوں میں اپنی مذہبی شناخت بھی قائم رہے گی۔“ (کتاب الفتاوی ۳۸۱)

فتاوی قاسمیہ میں ہے: ”اگر شہر میں اس مسجد کے علاوہ کوئی دوسری مسجد دور دور تک نہیں ہے، جہاں جا کر یہ لوگ اپنا فریضہ ادا کرسکیں اور دوسری جماعت کرنے کے لیے کوئی دوسری جگہ بھی نہیں ہے، اور دوسری جماعت نہ کرنے کی صورت میں لوگوں کی ایک بھاری تعداد جمعہ سے محروم ہوجاتی ہے اور اس تعداد کو وقت پر حاضر ہونے میں کوئی تاخیر بھی نہیں ہوتی ہے تو ایسی شدید ضرورت کے تحت اس مسجد میں دو مرتبہ جمعہ کی نماز پڑھی جانے کی گنجائش ہے، اگر یہ اعذار نہیں ہیں تو جائز نہیں ہے، جماعت ثانیہ کے لیے باقاعدہ اذان نہ دی جائے، اس کی گنجائش اس وقت تک ہے جب تک دوسری مسجد کا نظم نہ ہو، سب لوگوں پر ضروری ہے کہ دوسری مسجد قائم کرنے کا انتظام کریں، تکرار جماعت کی ممانعت اس لیے ہے کہ اس کی وجہ سے جماعت متاثر ہوتی ہے، نیز یہاں تکرار جماعت نہ کیا جائے تو شہر کی بھاری تعداد کو جمعہ سے محروم ہونا پڑے گا“۔ (فتاوی قاسمیہ ۴۱۲/۲-۴۲۲-۴۷۲/۹، ۵۲۲)

(۳) وباء کے زمانہ میں گھروں میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی کیا شرطیں ہیں؟

نمازِ جمعہ فرض ہے اور اسکی فرضیت ظہر سے زیادہ مؤکد ہے، اس کا تارک گنہگار اور منکر کافر ہے۔ عمومی حالات میں جمعہ کے اجتماع کا انعقاد جامع مسجد میں کرنے کا حکم ہے، یہ اسلام کا شعار اور مسلمانوں کی شان وشوکت کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ تاہم مخصوص حالات میں نمازِ باجماعت یا اجتماعِ جمعہ کی ادائیگی کا حکم عمومی حالت سے مختلف ہے۔ جیسا کہ حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک ٹھنڈی اور آندھی والی رات میں نماز کے لیے اذان کہی اور پھر فرمایا: ”سنو! نماز اپنے گھروں میں پڑھ لو“ پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات ٹھنڈی اور بارش والی ہوتی تو مؤذن کو یہ کہنے کا حکم فرماتے۔ اور محمد بن سرین رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بارش کے روز اپنے مؤذن سے فرمایا:

جب تم ”اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ“ کہہ لو تو حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ نہ کہنا بلکہ ”صَلُّوا فِي بُيُوتِكُم“ (اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو) کہنا۔ لوگوں نے اس پر تعجب کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسا اس ہستی نے کیا جو مجھ سے بہتر ہے۔ بے شک جمعہ ضروری ہے لیکن میں نے ناپسند کیا کہ تمہیں باہر نکالوں تو تم کیچڑ اور پھسلن میں چلو۔ مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے بارش، آندھی اور شدید سردی میں انسان کو تکلیف سے بچانے کی خاطر نماز باجماعت اور نماز جمعہ میں رخصت دینے کا ثبوت ملتا ہے جب کہ جان لیوا وبائی امراض میں اس سے کہیں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے: وفی ا الحديث دليل على سقوط الجمعة بعذر المطر ونحو وهو مذهبنا ومذهب آخرين۔ (شرح مسلم: ۵/۲۰۸)

اس لیے جب کسی ناگہانی صورتِ حال جیسے موجودہ دور میں کرونا وائرس (COVID-19) کے باعث کہ جب حکومت کی طرف سے مساجد میں اجتماعات پر پابندی عائد ہے تو جن آبادیوں میں عمومی حالات میں جمعہ کے اجتماعات کا انعقاد ہوتا تھا وہاں گھروں یا ایسی کھلی جگہوں میں

نمازِ جمعہ ادا کی جاسکتی ہے، جہاں امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مرد جمع ہو سکیں اور اذنِ عام ہو یعنی نماز پڑھنے والوں کی طرف سے دوسرے لوگوں کی شرکت کی ممانعت نہ ہو، جس جگہ نماز ادا کر رہے ہیں وہاں کا دروازہ کھلا رکھیں تا کہ اگر کوئی نماز میں شریک ہونا چاہے تو شریک ہو سکے۔
(فتاوی بنوری ٹاؤن: ۱۴۴۱۰۸۲۰۱۷۱۵)

"وامّا الشَّرائِطُ الَّتِی تَرجِعُ إلی غَیرِ المُصَلِّی فَخَمسَةٌ فِی ظاهِرِ الرِّوایاتِ، المِصرُ الجامِعُ، والسُّلطانُ، والخُطبَةُ، والجَماعَةُ، والوَقتُ۔"(بدائع الصنائع ۱/۵۸۳)

(۴) ظہر پڑھنے کی صورت میں با جماعت پڑھیں یا تنہا؟

احادیث پاک میں با جماعت نماز کی بہت زیادہ فضیلت وارد ہوئی ہے حتی کہ اگر دو آدمی بھی ہوں تو جماعت قائم کی جائے۔ان میں ایک امام بنے اور دوسرا مقتدی جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ۔" (ابن ماجہ، السنن، کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها، باب الاثنان جماعة، ۱:۵۲۲، رقم:۹۷۲)

با جماعت نماز کی فضیلت کے حوالے سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً۔" (بخاری، الصحیح، کتاب الاذان، باب فضل صلاة الجماعة، ۱:۲۳۱، رقم:۶۱۹)

ان جیسی احادیث کے پیشِ نظر فقہائے شوافع اور بعض احناف کا کہنا ہے کہ کرونا وبا کی وجہ سے جو لوگ شہر میں جمعہ کی نماز نہ پڑھ سکے انہیں اپنے گھر میں ظہر پڑھنی چاہیے اور ظہر کی نماز جماعت سے پڑھے تو بہتر ہے، چنانچہ فتاوی تاتر خانیہ میں ہے:

"ومن لا تجب علیهم الجمعة من اهل القری والبوادی لهم ان یصلوا الظهر جماعة یوم الجمعة باذان وإقامة۔"
(الفتاوی الخانیہ علی ہامش الهندیة ۱/۱۷۷)

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

"قَومٌ لا يَجِبُ عَلَيهِم انْ يَحضُرُوا الجُمُعَةَ لِبُعدِ المَوضِعِ صَلَّوُا الظُّهرَ جَماعَةً؛ لِانَّهُ لا يُوَدِّی إلی تَقلِیلِ الجَماعَةِ فِی الجُمُعَةِ اهـ۔ فَإنْ كانُوا فِی السَّوادِ فَظاهِرٌ، وإنْ كانُوا فِی المِصرِ فَهِیَ مُستَثناةٌ مِن كَلامِ المُصَنِّفِ۔" (البحر الرائق کتاب الصلاة باب یوم الجمعة ۲/۱۶۶)

(۵) کورونا وائرس جیسے وبائی دور میں عید کی نماز گھر پر پڑھنے کا حکم؟

عید کی نماز فقہائے احناف کے نزدیک واجب اور شوافع کے نزدیک مسنون ہے۔اس لحاظ سے لاک ڈاؤن کی وجہ سے اگر عید کی نماز مساجد یا عیدگاہ میں ادا کرنے پر حکومت کی جانب سے پابندی رہی تو اس صورت میں لوگوں کو چاہیے کہ موجودہ قانون کے مطابق وہ مساجد کے علاوہ گھر میں چار پانچ افراد مل کر عید کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کریں، البتہ اگر صرف دو لوگ یا میاں بیوی بھی با جماعت عید کی نماز ادا کریں تو گنجائش ہے اور اگر امام خطبہ دے سکتا ہو تو نماز کے بعد دو خطبہ بھی مسنون ہیں، لہذا اگر جماعت کے ساتھ نماز عید ادا کرنا ممکن نہ ہو تو تنہا نماز ادا کرے، البتہ تنہا نماز ادا کرتے وقت خطبہ مشروع نہیں ہے۔

سنن بیہقی میں ایک حدیث ہے کہ اگر حضرت انس رضی اللہ کی عید کی نماز فوت ہو جاتی تو وہ گھر والوں کو جمع کر کے عید کی نماز پڑھاتے تھے۔
(السنن الکبری للبیہقی حدیث نمبر ۶۲۳۷) (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۱/۲۷۵)

علامہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"تسن صلاۃ العید جماعة وھذا مجمع علیه للأحادیث الصحیحة المشھورة فلو صلاھا المنفرد فالمذھب صحتھا۔"
(المجموع۔ ۱۹/۵، الدیباج ۱/۴۹۹)

(۲) ماسک پہن کر نماز پڑھنے اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا کیا حکم ہے

فقہاءِ کرام نے لکھا ہے کہ عام حالات میں بلا عذر ناک اور منہ کسی کپڑے وغیرہ میں لپیٹ کر نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے، البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے نماز میں چہرہ کو ڈھانپا جائے یا ماسک پہنا جائے تو نماز بلا کراہت درست ہوگی؛ لہٰذا موجودہ وقت میں وائرس سے بچاؤ کی تدبیر کے طور پر احتیاطاً ماسک پہن کر نماز پڑھنے سے نماز بلا کراہت ادا ہوجائے گی۔

"اتَّفَقَ الفُقَهاءُ عَلى كَراهَةِ التَّلَثُّمِ فِي الصَّلاَةِ، لِحَدِيثِ أبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعالى عَنْهُ أنَّ رَسُول اللَّهِ ﷺ نَهى أنْ يُغَطِّيَ الرَّجُل فاهُ فِي الصَّلاَةِ .والتَّلَثُّمُ عِنْدَ الشّافِعِيَّةِ هُوَ تَغْطِيَةُ الفَمِ، وقال الحَنَفِيَّةُ والحَنابِلَةُ: هُوَ تَغْطِيَةُ الفَمِ والأْنفِ.وهُوَ عِنْدَ المالِكِيَّةِ ما يَصِل لِآخِرِ الشَّفَةِ السُّفْلى۔" (الموسوعة الفقھیة الکویتیة ۲۱۰/۳۲)

صفوں میں فاصلہ رکھنے کا حکم

صف بندی کے سلسلے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسلم نے بڑی تاکید فرمائی ہے، لہٰذا صفوں کو مکمل کرنا، مل مل کر کھڑا ہونا اور درمیان میں خالی جگہ نہ چھوڑنا، اکثر فقہائے کرام کے نزدیک ایک مستقل سنت عمل ہے، اگر دو صفوں کے درمیان یا ایک صف میں کھڑے دو مقتدیوں کے درمیان تین ذراع (تقریباً سوا میٹر) سے کم فاصلہ ہو تو جماعت کی فضیلت حاصل ہوگی اگر اس سے زیادہ فاصلہ ہو تو جماعت کی فضیلت فوت ہو جائے گی، اسی لیے دو مقتدیوں کے درمیان تین ذراع (سوا میٹر) سے زیادہ فاصلہ نہ رکھنا سنت ہے، البتہ عذر کی وجہ سے اس سے زائد فاصلہ ہو تو جماعت کی فضیلت حاصل ہوجائے گی، چنانچہ کورونا وائرس کی وجہ سے مساجد میں جو دو مقتدیوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے، عام طور پر یہ فاصلہ تین ذراع (سوا میٹر) سے زیادہ نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس سے کم ہوتا ہے اس اعتبار سے اس صورت میں جماعت کی فضیلت حاصل ہوجائے گی اور اگر زیادہ فاصلہ پر بھی مقتدی کھڑے ہوجائیں تو چوں کہ یہ عذر کی وجہ سے ہے، اس بناء پر جماعت کی فضیلت فوت نہیں ہوگی۔

(۱) علامہ خطیب شربینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ویسن سد فرج الصفوف، وأن لا یشرع فی صف حتی یتم الأول وأن یفسح لمن یریده، وھذا کله مستحب لاشرط، فلو خالفوا صحت صلاتھم مع الکراھة۔" (مغنی المحتاج: ۴۹۳/۱)

علامہ رملی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"نعم: ان کان تأخرھم عن سد الفرجة لعذر کوقت الحر بالمسجد الحرام لم یکره لعدم التقصیر... قوله لعدم التقصیر أی فلا تفوتھم الفضیلة۔" (نھایة المحتاج: ۱۹۷/۲)

علامہ دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قوله: (بل یدخله) أی الصف الذی فیه سعة ولو وجدھا و بینه وبینھا صفوف کثیرة خرق جمیعھا لیدخل تلك الفرجة، لأنھم مقصرون بترکھا، ولکراھة الصلاۃ لکل عن صفھا وبھذا یعلم ضعف ما قیل من عدم فوت الفضیلة ھنا علی المتأخرین، نعم! ان کان تأخرھم لعذر کوقت الحر بالمسجدالحرام، فلاکراھة، ولا تقصیر کماھو ظاھر۔" (اعانةالطالبین: ۱۳/۲)

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ويسن تسوية الصفوف وأن لا يزيد ما بين كل صفين أو شخصين على ثلاثة أذرع وإلأفات ثواب الجماعة من تأخر بذلك۔“ (نهایہ الزین ۱/۱۳۲)

(۷) کرونا سے متأثر افراد کا مسجد آنا اور جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے؟

رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لہسن اور پیاز کھا کر مسجد میں نہ آؤ، اس لیے کہ لوگوں کو اس سے پریشانی لاحق ہوگی، فقہائے کرام نے ان جیسی حدیثوں کے پیش نظر جذام اور مرض متعدی میں ملحق کے مسجد میں آنے کی ممانعت کی ہے اور امام اس ایسا شخص کو مسجد میں آنے سے بھی روک سکتا ہے۔

فقہائے کرام نے ایسے شخص سے جماعت کو بھی ساقط کر دیا ہے تاکہ مرض زیادہ نہ ہو اور دوسرے لوگ بھی اس کے شکار ہونے سے محفوظ رہیں۔

(۸) کورونا سے متأثر افراد کے لیے روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ”اور جو مریض یا مسافر ہو، وہ دوسرے دنوں میں اتنے ہی دنوں روزہ رہے، تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں نہ کہ دشواری۔“ (البقرۃ:۱۸۵)

اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن روزہ ہے اللہ تعالیٰ نے روزہ کو فرض قرار دیا ہے؛ لیکن کچھ اسباب کے پائے جانے کی وجہ سے فرضیت ختم ہوجاتی ہے، انہیں اسباب میں سے ایک سبب بیماری کا پایا جانا ہے۔ بیماری ایسا عذر ہے، جس کی وجہ سے وقتی طور پر روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے، بیماری سے ایسی بیماری مراد ہے کہ جس میں روزہ سے نقصان کا اندیشہ ہو، یعنی اگر روزہ رکھے، تو بیماری بڑھ جائے گی یا طول پکڑ لے گی یا مریض کے اندر بھوک کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہ ہو، جس کا فیصلہ ماہر معتبر معالج کے مشورہ سے اور خود مومن کے ضمیر کی آواز پر ہوگا، کوئی ایک ہی حد ہر مریض کے لیے متعین ومقرر نہیں؛ کیوں کہ قویٰ، عمر، موسم اور ہمت وحوصلہ کے فرق کے اعتبار سے ہر انسان کے اندر قوتِ برداشت مختلف ہوتی ہے، لہٰذا جو افراد کورونا سے متاثر ہیں انکے لیے یا بیماری کے عام ہونے کی وجہ سے انہیں یہ گمان ہو کہ بیماری لاحق ہوجائے گی تو ایسے افراد کے لیے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

محورسوم: کرونا کے زمانہ میں مساجد سے متعلق مسائل

(۱) کرونا کے زمانہ میں مساجد کو بند کرنا کیسا ہے؟

اسلامی تعلیمات انسانی زندگی کی حفاظت کرنے اور اسے ہر طرح کی اذیت سے بچانے کی تلقین کرتی ہیں۔ اس کا شمار ان اعلیٰ اقدار میں ہوتا ہے جنھیں اسلام نے استحکام بخشا ہے۔ انسانی زندگی کی حفاظت کو اسلام نے اتنی اہمیت دی ہے کہ جبر وکراہ کی صورت میں مسلمان کو کلمۂ کفر زبان پر لانے کی اجازت دی گئی ہے۔

اسلام نے مریض اور مسافر کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے، تاکہ وہ شدید مشقت اور ضرر سے بچا رہے۔

کورونا وائرس کے تعدیہ سے لوگوں کو بچانے کے مقصد سے مساجد میں نمازیں موقوف کردی جائیں اور گھروں میں ادا کی جائیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ”اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے روکے۔“ (البقرۃ:۱۱۴)

اس آیت کی بناء پر فقہائے کرام فرماتے ہیں مساجد کو بند کرنا لوگوں کو منع کرنے کے مشابہ ہے اس لیے مساجد کو بند کرنا مکروہ ہے، البتہ بعض فقہاء کرام نے یہ قید لگائی ہے کہ اگر مساجد پر ضرر کا اندیشہ ہے تو مکروہ نہیں ہے اور آج اس کورونا کے دور میں حکومت کی طرف سے پابندی ہے کہ مساجد میں چار سے زائد افراد نماز نہیں پڑھ سکتے اور باقی اوقات میں مساجد کو بند کرنا ہوگا لہٰذا اگر ہم حکومت کے اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو مساجد ہمیشہ کے لیے بند کردی جائیں گی، مساجد پر ضرر کا اندیشہ ہے اس لیے اگر حکومت کے حکم پر عمل کرتے ہوئے مساجد کو بند کرتے ہیں تو مکروہ

نہیں ہےاوراور آیت کی ممانعت میں داخل نہیں ہے۔

ذَهَبَ جُمْهُورُ الفُقَهاءِ وهُوَ قَوْلٌ لِلْحَنَفِيَّةِ إلى أنَّهُ لَا بَأسَ بِإغْلَاقِ المَساجِدِ فِي غَيْرِ أوُقاتِ الصَّلَاةِ، صِيانَةً لَها و حِفْظًا لِما فِيها مِن مَتاعٍ، وتَحَرُّزًا عَنْ نَقْبِ بُيُوتِ الجِيرانِ مِنها، وخَوْفًا مِن سَرِقَةِ ما فِيها۔ الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٢٨/٣٧)

(۲) کیا جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان دی جائے گی؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ’’جب نماز کا وقت ہوجائے تو ایک شخص اذان دے اور تم میں جو بڑا ہے وہ امامت کرے۔‘‘

(رواہ البخاری:۶۲۸)

اذان دینا اسلام کے شعائر میں سے ہے، اذان دینا سنت مؤکدہ ہے اور آذان کی مشروعیت نماز کا وقت داخل ہوگیا ہے اس کو بتلانے کے لیے کی گئی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نام کو ’’اللہ اکبر‘‘ کے ذریعہ بلند کرنے، اللہ کی شریعت کو ظاہر کرنے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت بیان کرنے اور لوگوں کو کامیابی وکامرانی کی طرف بلانے کے لیے کی گئی ہے اس لیے اگر مساجد میں جماعت سے نماز پڑھنا موقوف کردیا گیا ہے تب بھی اذان دی جائے گی۔

”اتَّفَقَ الفُقَهاءُ عَلى أنَّ الأَذانَ مِن خَصائِصِ الإسْلَامِ وشَعائِرِهِ الظّاهِرَةِ، ......شُرِعَ الأَذانُ لِلْإعْلَامِ بِدُخُول وقُتِ الصَّلَاةِ، وإعْلَاءِ اسْمِ اللّهِ بِالتَّكْبِيرِ، وإظْهارِ شَرْعِهِ ورِفْعَةِ رَسُولِهِ، ونِداءِ النّاسِ إلى الفَلَاحِ والنَّجاحِ۔“ (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ،۲/۳۵۷-۳۵۹)

”قالَ (سُنَّ لِلْفَرائِضِ) أيْ الأَذانُ وهُوَ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ عِنْدَ عامَّةِ المَشايِخِ۔“ (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ٩٠/١)

والإقامَةِ) أيْ كُلٌّ مِنهُما (سُنَّةٌ) مُؤَكَّدَةٌ لِمُواظَبَةِ السَّلَفِ والخَلَفِ عَلَيْهِما۔“ (حاشية القليوبي والعميرة، ١٤٢/١)

(۴) مساجد کے کسی حصہ یا اس کے ملحق جگہ کو کوڈ سینٹر بنانا کیسا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے: ’’میرے گھر کو طواف کرنے والوں نیز قیام، رُکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا‘‘۔(الحج:۲۶)

اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا: ’’ان گھروں میں جن کا ادب کرنے کا اور جن میں اپنا نام لینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، وہ لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں‘‘۔(النور:۳۶)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ ”رفعت“ کے اصل معنی بلندی کے ہیں، کسی چیز کو بلند کرنا کبھی معنوی اعتبار سے ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا ادب واحترام کیا جائے، اسی لحاظ سے آیت کا ترجمہ کیا گیا ہے، اور مسجد کے ادب واحترام کے واجب ہونے پر پوری اُمت کا اتفاق ہے، رسول اللہ ﷺ کو اس کا اتنا لحاظ تھا کہ آپ ﷺ نے کچی لہسن، پیاز کھانے والے کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا:

”من أكل من هذه الشجرة فلا يأتين المساجد۔“ (ابو داود، كتاب الاطعمة، باب في اكل الثوم، حديث نمبر: ٥٢٨٣)

اور اسی لیے مشہور مفسر علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو اس کے کام کی نوعیت کی وجہ سے یا کسی بیماری کی وجہ سے بدبو آتی ہو تو اس کو بھی مسجد میں آنے سے روکا جانا چاہئے۔(قرطبی:۱۲/۲۶۷)

ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’مسجدیں انہی کاموں کے لیے ہوتی ہیں جن کے لیے بنائی گئی ہیں۔‘‘(رواہ مسلم:۵۶۹)

اس حدیث کی تشریح میں علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مساجد اللہ کے ذکر، نماز کی ادائیگی، اور علم اور بھلائی کے مذاکرے کے لیے بنائی گئی ہیں:

”وقَوْلُهُ ﷺ إنَّما بُنِيَتِ المَساجِدُ لِما بُنِيَتْ لَهُ مَعْناهُ لِذِكْرِ اللّهِ تَعالى والصَّلَاةِ والعِلْمِ والمُذاكَرَةِ فِي الخَيْرِ ونَحْوِها۔“

(شرح مسلم (٥/٥٥)

ان مذکورہ آیات واحادیث کی روشنی میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ مساجد میں کووڈ سینٹر بنانے سے مساجد کے مقاصد فوت ہو جائیں گے، ان کا احترام ختم ہو جائیگا، اس سے مساجد کے نجاست میں ملوث ہونے کا قوی اندیشہ ہے، اور آپ ﷺ نے مساجد کو پاک وصاف رکھنے کا حکم دیا ہے۔

"أمر رسول الله ﷺ ببناء المساجد في الدُّور، وأن تُنظَّف وتُطيَّب۔" (رواہ ابو داود: ٤٥٥)

چنانچہ موجودہ حالات میں کورونا کے یقینی یا ممکنہ مریضوں کو اسپتال یا کورنٹائن سینٹر کے طور پر مختص عمارتوں میں رکھنے کے بجائے مسجد کو اسپتال کے قائم مقام قرار دیکر؛ خصوصاً موجودہ صورتحال میں کورنٹائن سینٹر بنا کر مسجد بند کر دینا نا مناسب ہے، مسجد عبادت کے لیے وقف کی جاتی ہے، مسجد کو کورنٹائن سینٹر بنا کر لوگوں کو عبادت کے لیے مسجد آنے سے روک کر مسجد کو کورونا کے یقینی یا ممکنہ مریضوں کا ٹھکانہ بنادینے کی شریعت مطہرہ میں بہتر نہیں ہے؛ نیز مفتیان کرام نے کہا ہے کہ مساجد کے علاوہ بہت سے متبادل مقامات، سرکاری، و پرائیویٹ اسکول، کالج اور شادی گھر وغیرہ موجود ہیں جنہیں ہنگامی حالات میں کووڈ سینٹر بنایا جاسکتا ہے۔ (فتاوی بنوری ٹاؤن: ١٤٤١٠٩٢٠٠٧٣٦)

محور پنجم: کرونا سے فوت ہونے والے افراد کا حکم

(۱) کرونا سے انتقال کرنے والے کو غسل کیسے دیا جائے؟ اگر غسل دینے کی اجازت نہ ہو یا غسل دینا ممکن نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ کیا بلا غسل دفن کرنا جائز ہے؟

میت سے متعلق حقوق میں غسل، کفن، دفن اور نماز کا عمل شامل ہے؛ لہٰذا میت کے رشتہ دار یا عام مسلمان نماز جنازہ ادا کرنے سے پہلے میت کو غسل دینے یا تیمم کرانے کی پوری کوشش کریں، تمام تر کوششوں کے باوجود اگر غسل اور تیمم کرانا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں بدرجہ مجبوری میت سے غسل اور تیمّم دونوں ساقط ہو جائیں گے اور شہداء کی طرح میت کو بغیر غسل اور تیمّم کے تعذر کی وجہ سے نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جائے گا، اس لیے کہ فقہی قاعدہ "المیسور لا یسقط بالمعسور" یعنی ایک ناممکن کام دوسرے ممکن کام کو ساقط نہیں کرتا، اسی طرح متاخرین فقہاء شوافع اس بات کے قائل ہیں کہ غسل اور تیمّم ممکن نہ ہونے کی صورت میں بھی میت پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اس لیے کہ نفس نماز ترک کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے، اس لیے کہ نماز جنازہ کا مقصد میت کے لیے دعا اور شفاعت طلب کرنا ہوتا ہے، لہٰذا کورونا وائرس کی وجہ سے انتقال کرنے والے مریض کو غسل اور تیمّم کرانے کی ساری کوششیں ناکام ہو جائیں تو اس پر نماز جنازہ پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی چیز کے نیچے دب کر مرنے والے یا گہرے پانی میں گر کر مرنے والے شخص کو نکالے بغیر نماز ادا کی جاتی ہے۔

چنانچہ علامہ خطیب شربینی فرماتے ہیں:

"(فَلَوْ ماتَ بِهَدْمٍ ونَحْوِهِ) كَأنْ وقَعَ فِي بِئْرٍ أوْ بَحْرٍ عَمِيقٍ (وتَعَذَّرَ إخْراجُهُ وغُسْلُهُ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ، ويُشْتَرَطُ أنْ لا يَتَقَدَّمَ عَلى الجِنازَةِ الحاضِرَةِ ولا القَبْرِ عَلى المَذْهَبِ فِيهِما۔" (مغنی المحتاج: ۲/ ۵۸-۵۹)

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

"فَيَجِبُ تَطْهِيرُهُ بِالغُسْلِ شَرْعًا كَرامَةً لَهُ وشَرَفًا اهـ۔ وصَحَّحَهُ فِي الكافِي ونَسَبَهُ فِي البَدائِعِ إلى عامَّةِ المَشايِخِ قالَ فِي فَتْحِ القَدِيرِ، وقَدْ رُوِيَ فِي حَدِيثٍ۔" (البحر الحرائق ۳/ ۳۰۷)

علامہ ابن عابدین رقمطراز ہیں:

"يَنْبَغِي أنْ يَكُونَ فِي حُكْمِ مَن دُفِنَ بِلا صَلاةٍ مَن تَرَدّى فِي نَحْوِ بِئْرٍ أوْ وقَعَ عَلَيْهِ بُنْيانٌ ولَمْ يُمْكِنْ إخْراجُهُ بِخِلافِ ما لَوْ

غَرِقَ فِي بَحْرٍ لِعَدَمِ تَحَقُّقِ وُجُودِهِ أمامَ المُصَلِّی۔ (رد المختار ۱۰۳/۳)

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ ملاحظہ ہو:

اگر کسی جگہ تیمّم کی بھی صورت نہ بن سکے اور اسپتال کی طرف سے میت کو مکمل پیک اور سیل کر دیا گیا ہو اور اسے کھولنے کی قطعا اجازت نہ ہو اور یہ صورت دیگر مختلف نا قابل برداشت مسائل و پریشانیوں کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں لواحقین کا میت سے دست بردار ہو جانا یا یوں ہی نماز جنازہ کے بغیر دفن کر دینا درست نہ ہوگا، بلکہ ایسی مجبوری میں غسل اور تیمّم ساقط ہو جائے گا اور اسی حالت میں مرحوم کی نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کر دی جائے گی۔ اور اس صورت میں چوں کہ میت کی پیکنگ یا لفافے پر پانی بہانے یا بھیگا کپڑا پھیرنے یا اوپر ہی سے تیمّم کرانے کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے، اس لیے پیکنگ پر پانی بہانے، مسح کرنے یا تیمّم کرانے کی ضرورت نہیں ہے لہٰذا ان سب چیزوں سے پرہیز کیا جائے۔ (کرونا مسائل واحکام ص ۱۰۴)

"الموسوعة الفقهية الكويتية میں لکھا ھے: فَلَوْ دُفِنَ بِلاَ غُسْلٍ ولَمْ يُمْكِنْ إخراجُهُ إلَّا بِالنَّبْشِ سَقَطَ الغُسْل وصُلِّيَ عَلى قَبْرِهِ بِلاَ غُسْلٍ لِلضَّرُورَةِ۔" (الموسوعة الفقهية الكويتية)

(۲) اگر کرونا کے میت کو اسپتال کی طرف سے مخصوص کور (Cover) میں لپیٹ کر دیا جائے اور اسے کھولنے اور ہٹانے کی اجازت نہ ہو تو کیا وہی کور (Cover) کفن کے حکم میں ہوگا؟ یا اس کے اوپر کفن لپیٹ کر دفن کیا جائے گا؟

دین اسلام ایک ایسا دین ہے جو ہمیشہ آسانیاں چاہتا ہے، خود اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ''اللہ تعالیٰ تم لوگوں سے آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا''۔ (البقرۃ: ۱۸۵) چنانچہ میت کے کفن پہنانے کے سلسلے میں فقہائے کرام کا کہنا ہے کہ میت کو کپڑے میں کفن دینا واجب ہے مگر کسی دشواری کے باعث مثلاً کپڑا نہ ملنے کی صورت میں میت کو کپڑے کے علاوہ چیز مثلاً چمڑا یا گھاس وغیرہ میں کفن پہنایا جائے تو اس کی گنجائش ہے، اس لیے کہ کفن کا اصل مقصد ستر کرنا ہے؛ لہٰذا کرونا کے زمانے میں بعض پابندیوں کی بنا پر عام طور پر استعمال ہونے والا کپڑے کا کفن کا استعمال دشوار ہوتا ہے اس لیے کہ اسپتال کا عملہ ایک مخصوص کور میں لپیٹ کر لاش حوالے کرتے ہیں لہٰذا ایسے کور میں دفن کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ فقہائے کرام کی عبارتوں سے سمجھ میں آرہا ہے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی لکھتے ہیں:

"وكَذا الطِّينُ والحَشِيشُ فَإنْ لَمْ يُوجَدْ ثَوْبٌ وجَبَ جِلْدٌ ثُمَّ حَشِيشٌ ثُمَّ طِينٌ فِيما يَظْهَرُ۔" (تحفة المحتاج۔ ۱/۱۰ ٤)

ابن مازہ رقمطراز ہیں:

"يجب أن يعلم بأن الكفن أنواع ثلاثة: كفن ضرورة وكفن كفاية وكفن سنّة، أما كفن الضرورة أن يكفن فيما يوجد، فإن حمزة استشهد، وعليه نمرة إذا غطى بها رأسه بدت قدماه وإذا غطى بها قدماه بدا رأسه فغطى بها رأسه، وجعل على قدميه الإذخر۔"

(المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی ۱۷۱/۲۔ ابن مَازَةَ (ت ٦١٦) کتاب الصلاۃ الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں: اسپتال کی طرف سے ہی لاش کپڑے میں کر دی جاتی ہو اور حکومت کی طرف سے اس طرح اس کو دفن کرنے کا حکم ہو تو اس صورت میں جس کپڑے میں لپیٹا گیا ہے وہی اس کا کفن ہے اور یہ کافی ہو جائے گا؛ کیوں کہ اس درجہ کا کفن ضروری ہے جس سے میت کا جسم ڈھک جائے اور ستر کے تقاضے پورے ہو جائیں اس پر فقہاء کا اتفاق ہے (سہ ماہی مجلّہ بحث و نظر: ۵۴، شمارہ جنوری، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)۔

(۳) اگر کرونا میت کی بغیر نماز جنازہ تدفین کے بعد گھر والوں کو اس کی اطلاع دی جائے تو ایسی صورت میں بعد تدفین قبر کے پاس نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

اگر کسی میت کو بغیر نماز جنازہ کے دفن کر دیا گیا تو اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے چوں کہ میت کا حق ہے بشرطیکہ میت پر کسی نے بھی نماز جنازہ نہ پڑھی ہو، میت کے قبر میں نہ پھولنے اور پھٹنے کا ظن غالب ہو، حدیث پاک سے بھی اس طرح کا عمل ملتا ہے، چند احادیث پیش کی جاتے ہیں:

”عن عقبة بن عامر أن رسول الله ﷺ خرج يوما فصلى على أهل أحد صلاته على الميت، ثم انصرف إلى المنبر فقال: إني فرط لكم وأنا شهيد عليكم۔“ (بخاری ۱۱۷۹، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهيد)

”عن أبی هريرةؓ أن امرأة سوداء كانت تقم المسجد، ففقدها رسول الله ﷺ فسأل عنها بعد أيام فقيل له: إنها ماتت، قال: فهلا أذنتمونی، فأتى قبرها فصلى عليها۔“

(ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الصلاۃ علی القبر، حدیث نمبر: ۱۵۲۷)

اسی طرح فقہائے کرام کی عبارتوں سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قبر پر نماز جنازہ ادا کرنے کی گنجائش ہے عبارتیں ملاحظہ ہو:

علامہ ابن رشد فرماتے ہیں:

”واتَّفَقَ القائِلُونَ بِإجازَةِ الصَّلاةِ عَلى القَبرِ أنَّ مِن شَرطِ ذَلِكَ حُدُوثُ الدَّفنِ، وهٰؤُلاءِ اختَلَفُوا فِی هَذِهِ المُدَّةِ وأكثَرُها شَهرٌ۔ (بداية المجتهد و نهاية المقتصد ۲۵۲/۱)

علامہ ابن عابدین رقمطراز ہیں:

”ما لَم يُهَلْ عَلَيهِ التُّرابُ فَيُصَلّى عَلى قَبرِهِ بِلا غُسلٍ، وإنْ صَلّى عَلَيهِ أوَّلًا، أی ثُمَّ تَذَكَّرُوا أنَّهُ دُفِنَ بِلا غُسلٍ (قَولُهُ استِحسانًا)، لِأنَّ تِلكَ الصَّلاةَ لَم يُعتَدَّ بِها لِتَركِ الطَّهارَةِ مَعَ الإمكانِ والآنَ زالَ الإمكانُ وسَقَطَت فَرِيضَةُ الغُسلِ (الدر المختار وحاشية ابن عابدين ۔“ (رد المحتار ۲۰۷/۲)

موسوعۃ الفقہیۃ الکویتیہ میں ہے:

”فَلَو دُفِنَ بِلا غُسلٍ ولَم يُمكِن إخراجُهُ إلَّا بِالنَّبشِ سَقَطَ الغُسل وصُلِّيَ عَلى قَبرِهِ بِلا غُسلٍ لِلضَّرُورَةِ، ولو دفن الميت قبل الصلاة أو قبل الغسل فإنه يصلى عليه وهو فی غيره ما لم يعلم أنه تمزق، وهذا مذهب الحنفية۔“

(الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۶۰/۱۶، ۲۸/۱۶، الفتاوی الہندیۃ ۶۵/۱)

(۴) اگر میت کی تدفین کی اطلاع ملے اور قبر کی جگہ معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

اگر کسی میت کو بغیر جنازہ کے دفن کر دیا گیا اور اس کی قبر اور قبرستان کا علم بھی نہیں ہے تو چوں کہ جنازہ ایک مومن کا حق ہے اس لیے مخصوص حالات اور مجبوری کی وجہ سے اسے عذر تصور کرتے ہوئے اس میت کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے؛ اس کا ثبوت احادیث پاک سے ملتا ہے، نیز فقہائے شوافع کا کہنا ہے کہ کسی بھی میت پر غائبانہ نماز ادا کرنے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ گاؤں سے باہر ہو، اگر گاؤں میں ہی ہو گرچہ گاؤں بڑا ہو تو نماز غائبانہ کی اجازت نہیں ہے، چاہے نماز جنازہ میں حاضر ہونے سے کوئی عذر مانع ہو لیکن متاخرین فقہاء شوافع نے حاضر میت کے جنازے میں مرض یا قید وبند کے عذر کی وجہ سے شرکت ناممکن ہونے کی صورت میں نماز غائبانہ کو جائز قرار دیا ہے، لہٰذا حکومت کی طرف سے پانچ سے زیادہ افراد کے جنازے

میں شرکت کی ممانعت بھی ایک عذر ہے، ایسے حالات میں حکومت کی جانب سے جتنے افراد کو میت کی تجہیز وتکفین میں شریک ہونے کی اجازت ملتی ہے اتنے افراد تجہیز وتکفین کے فرائض کو انجام دیں، باقی حضرات اپنے اپنے گھروں میں اس میت پر غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنا چاہیں تو اس کی گنجائش ہے۔

”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه : »أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نعى النَّجاشِيَّ فِي اليَوْمِ الَّذِي ماتَ فِيهِ خَرَجَ إلى المُصَلّى، فَصَفَّ بِهِمْ و كَبَّرَ أَرْبَعًا۔“ (صحیح البخاری ۱۳۳۴)

”إذا ماتَ المُسلم بِبَلَد من البلدانِ وقد قضى حَقه من الصَّلاة عَلَيْهِ فَإِنَّهُ لا يصلى عَلَيْهِ من كانَ بِبَلَد آخر غائِبا عَنهُ، فَإِن علم أنه لم يصل عَلَيْهِ لعائق أو مانع عذر كانَ السّنة أن يصلى عَلَيْهِ ولا يترك ذَلِك لبعد المسافَة، فَإِذا صلوا عَلَيْهِ استقبلوا القبْلَة ولم يتوجهوا إلى بلد المَيِّت إن كانَ فِي غير جِهَة القبْلَة۔“ (عمدة القاری ۲۲/۸)

علامہ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

”الصَّوابُ أَنَّ الغائِبَ إِنْ ماتَ بِبَلَدٍ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ فِيهِ، صُلِّيَ عَلَيْهِ صَلاةَ الغائِبِ، كَما صَلّى النَّبِيُّ - ﷺ - عَلى النَّجاشِيِّ، لِأَنَّهُ ماتَ بَيْنَ الكُفّارِ ولَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ، وإِنْ صُلِّيَ عَلَيْهِ حَيْثُ ماتَ، لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ صَلاةَ الغائِبِ؛ لِأَنَّ الفَرْضَ قَدْ سَقَطَ بِصَلاةِ المُسْلِمِينَ عَلَيْهِ، والنَّبِيُّ - ﷺ - صَلّى عَلى الغائِبِ، وتَرَكَهُ، وفِعْلُهُ وتَرْكُهُ سُنَّةٌ، وهَذا لَهُ مَوْضِعٌ۔ (زاد المعاد ۵۰۱/۱)

(۵) کیا کرونا سے انتقال کرنے والے مسلمان شہید کہلائیں گے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شہداء پانچ ہیں: طاعون کی وبا میں مرنے والا، پیٹ کے مرض میں مرنے والا، ڈوب کر مرنے والا کسی چیز کے نیچے دب کر مرنے والا اور اللہ کے راستے میں جہاد کر کے مرنے والا (۱) حدیث مبارک میں ان حضرات کو شہید کہا گیا ہے، البتہ فقط اللہ کے راستے میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جو جہاد کر کے شہید ہونے والا ہو وہ دنیا وآخرت میں شہید کہلائے گا بقیہ دیگر شہداء آخرت کے اعتبار سے شہید کہلائیں گے۔

کورونا وائرس کی وجہ سے مرنے والے کو چند وجوہات کی بنا پر آخرت کیا عتبار سے شہید شمار کیا جائے گا:

(۱) اللہ تبارک وتعالی نے اخروی اعتبار سے جن بیماریوں کو شہادت کا درجہ دیا ہے وہ ان بیماریوں کی شدت اور تکلیف کی وجہ سے ہے، لہٰذا کورونا وائرس نامی بیماری جب آخری مرحلے میں ہوتی ہے اس میں مریض کو بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے، اس اعتبار سے اس مرض میں موت کو شہادت میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

(۲) حدیث میں مبطون کا لفظ ذکر کیا ہے، مبطون کے ایک معنی فقہاء نے پیٹ کا مرض نقل کیا ہے، لہٰذا کورونا وائرس سے جو اموات واقع ہو رہی ہیں، اس میں پھیپڑے بہت زیادہ متاثر ہو رہے ہیں اور بعض حضرات نے پھیپھڑوں کو بھی پیٹ میں شامل کیا ہے اس اعتبار سے کورونا وائرس سے مرنے والا شخص شہید شمار ہوگا۔

(۳) بعض حضرات نے طاعون کی طرح کورونا وائرس متعدی (ایک دوسرے کے ذریعہ پھیلنے ہونے کی وجہ سے طاعون میں شمار کیا ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی کورونا وائرس نامی میں وبا سے وفات پائے تو اس کے لیے اللہ تبارک وتعالی کی ذات سے امید ہے کہ اخروی اعتبار سے شہداء میں اس کا شمار کیا جائے گا لیکن دنیاوی اعتبار سے شہید شمار نہیں کیا جائے گا، اس کو غسل، کفن دفن دیگر میت کی طرح انجام دئے جائیں گے۔(۱)

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

”وكَذا الجُنُبُ ونَحْوُهُ، ومَن قَصَدَ العَدُوَّ فَأصابَ نَفْسَهُ، والغَرِيقُ والحَرِيقُ والغَرِيبُ والمَهْدُومُ عَلَيْهِ والمَبْطُونُ

والمَطعُونُ والنُّفساءُ والمَيِّتُ لَيلَةَ الجُمُعَةِ وصاحِبُ ذاتِ الجَنبِ ومَن ماتَ وهُوَ يَطلُبُ العِلمَ، وقَد عَدَّهُم السُّيُوطِيّ نَحوَ الثَّلاثِين........" تفصیل کے لیے دیکھیں (الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین (رد المختار۔۲/۲۵۲)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أما المبطون فهو صاحب داء البطن وهو الإسهال قال القاضي وقيل هو الذى به الاستسقاء وانتفاخ البطن وقيل هو الذى تشتكى بطنه، قال العلماء وانما كانت هذه الموتات شهادة بتفضل الله تعالىٰ بسبب شدتها و كثرة ألمها۔" (المجموع:٥/٢٦٤)

محور ششم: کرونا ویکسین کے متعلق

(ا) الکوحل آمیز سینیٹائزر (Sanitizer) کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

اس وقت کرونا وائرس وبا نے متعدد ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، اس وبا سے بچاؤ سے متعلق طبی ماہرین کی جانب احتیاطی تدابیر بتلائی جا رہی ہیں، ان میں سے ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ ہینڈ سینیٹائزر سے بار بار ہاتھ دھوئے جائیں، لیکن سینیٹائزر سے متعلق بہت سے لوگوں کو یہ شبہ درپیش ہے کہ اس میں تو الکوحل ہوتا ہے اور الکوحل تو حرام اور ناپاک ہے، اس لیے وہ سینیٹائزر کے استعمال کو ناجائز سمجھتے ہیں، حالاں کہ یہ غلط فہمی پر مبنی بات ہے، ذیل میں اس تعلق سے وضاحت کی جاتی ہے۔

مذہب اسلام میں نشہ پیدا کرنے والی چیزوں کا استعمال کرنا ممنوع اور حرام ہے، البتہ بعض صورتوں میں مثلاً علاج وغیرہ کی غرض سے اسلام نے چند شرائط کے ساتھ اس طرح کی چیزوں کے استعمال کی اجازت بھی دی ہے۔ الکوحل بھی اسی قبیل سے ہے، ماہرین کے مطابق الکوحل کی بعض قسمیں کھجور اور انگور کے علاوہ شکر، جو، گنا، چقندر اور جوار وغیرہ کے دانوں سے تیار کی جاتی ہے جو (Ethyl alcohol) کے نام سے جانی جاتی ہے، اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ ادویات (medicines) اور مشروبات (Beverages) کی میعاد ختم (Expiry date) تک خراب ہونے سے حفاظت کرتا ہے، نیز اگر انگور اور کھجور سے بنا ہوا الکوحل کسی دواء میں موجود ہو تو چوں کہ اس کی مقدار بھی عام طور پر اصل مادہ میں مستہلک (Expendable material) کی سی ہوتی ہے، لہذا کورونا وائرس کے موقع پر جو ہینڈ سینیٹائزر کا استعمال ہو رہا ہے وہ بھی ایک قسم کی دواء ہے اس لیے اس کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

فائدہ: یہاں یہ بات واضح رہے کہ احتیاطی تدابیر کے طور پر ہاتھوں کی صفائی کے لیے سینیٹائزر ہی ضروری نہیں، بلکہ اس کے لیے کوئی بھی مناسب صابن وغیرہ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ ایسی احتیاطی تدابیر مفید ہوتی ہیں اس لیے ان پر عمل کرنا چاہیے۔ مزید تفصیل درج ذیل عبارات اور فتاوی میں ملاحظہ فرمائیں۔

فقہی عبارات اور فتاویٰ

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"قال بعض الناس الخمر حرام و السكر من كل الشراب ولا يحرم المسكر حتى يسكر منه ولا يحد من شرب نبيذا مسكرا حتى يسكره۔" (كتاب الام٦/١٥٦)

امام ابن حجر ہیتمی فرماتے ہیں: "أما مستهلكة مع دواء آخر فيجوز التداوى بها كصرف بقية النجاسات إن عرف أو أخبره عدل طب بنفعها وتعينها بأن لا يغنى عنها طاهر۔" (تحفة المحتاج:٤/١٥٨)

نیز دیکھئے:مغنی المحتاج: ۵۱۸/۵،إعانة الطالبین: ۱۷۶/۴،دار الإفتاء المصریة :(حکم استعمال الکحول)،مجموع فتاوی ورسائل الشیخ محمد صالح العثیمین المجلد الحادی عشر - باب إزالة النجاسة)

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ ہے:''آج کل مختلف دواؤں اور پرفیومز وغیرہ میں جوالکوحل استعمال کیا جاتا ہے وہ عام طور پر کھجور، انگور، کشمش اور منقی تیار شدہ نہیں ہوتا، بلکہ وہ گنے کا رس، مختلف دانوں، سبزیات، پٹرول اور کوئلہ وغیرہ سے تیار کیا جاتا ہے، اور اس طرح کا الکوحل حضرات شیخین: امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے مسلک کے مطابق حرام وناپاک نہیں ہے، کذا فی عامة کتب الفقه والفتاوی۔ اور دورِ حاضر میں علاج ومعالجہ کی ضرورت اور عموم بلوی کی وجہ سے محققین علمائے کرام نے الکوحل کے مسئلہ میں اصل اصول کے مطابق شیخین کے قول کو راجح قرار دیا ہے، کیوں کہ جس علت کی بنا پر ماضی میں علمائے کرام نے امام محمد کے قول کو راجح قرار دیا تھا وہ دواؤں اور پرفیومس وغیرہ میں استعمال ہونے والے الکوحل میں نہیں پائی جاتی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: تکملة فتح الملهم :۳/۵۱۵،۵۱۶، ۵۰۶، ۵۰۷، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی بیروت، احسن الفتاوی ۲/ ۹۵، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، اختری بہشتی زیور مدلل ۹/ ۱۰۲، مطبوعہ: کتب خانہ اختری متصل مظاہر علوم سہارن پور اور فتاوی نظامیہ ۱/ ۴۳۸ وغیرہ)، لہٰذا ایسے پرفیومز اور خوشبوؤں کا استعمال جائز ہے، اور اگر کوئی احتیاط کرے تو اس کے افضل وبہتر ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم''

محور ہفتم

(۱) وبا کے دفعیہ کے لیے اذان دی جاسکتی ہے؟

قدرتی آفات ومصائب (مثلاً وبائی امراض طاعون، شدید بارش یا زلزلہ وغیرہ) کے وقت اجتماعی یا انفرادی طور پر اذان دینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے ثابت نہیں ہے، نیز نماز کے علاوہ اذان دینے کے جو مواقع ائمہ مجتہدین نے ذکر کئے ہیں ان میں بھی مذکورہ مواقع پر اذان دینے کا ذکر نہیں ہے (ان مواقع کی تفصیل علامہ شامی نے ردالمحتار میں اور ابن نجیم مصری نے البحر الرائق میں کتب شافعیہ کے حوالے سے ذکر کی ہے) اس لیے اگر سنت اور مستحب سمجھے بغیر محض تدبیر اور علاج کے طور پر دفعِ بلاء اور مصائب کے لیے اذان دی جائے تو شرعاً اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے جیسا کہ مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی نور اللہ مرقدہ نے ''کفایت المفتی" جلد:۳/ ۵۱، کتاب الصلاۃ، اور فقیہ الامت مفتی محمود الحسن گنگوہی علیہ الرحمہ نے ''فتاوی محمودیہ'' جلد: ۵/ ۴۰۷، باب الاذان، میں تحریر فرمایا ہے۔

''.... لیکن چوں کہ عوام اس کی حدود وقیود کا پاس ولحاظ نہیں رکھتے اور اسے شریعت کا حکم سمجھنے لگتے ہیں، نیز ملک میں پھیلی وبائی مرض کے پیش نظر ایک خاص طبقہ کی جانب سے باضابطہ اعلان جاری کیا جارہا ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے گھروں کی چھتوں پر اذان کا اہتمام کرے، ظاہر ہے کہ عوام الناس شریعت کا ایک حکم سمجھ کر اس پر عمل کریں گے، حالانکہ شریعت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے''۔

دوسری طرف شریعت کا ضابطہ ہے کہ اگر کسی امر مباح کو لازم اور ضروری قرار دیا جانے لگے اور عوام اسے سنت یا مستحب سمجھنے لگے تو پھر وہ مباح عمل مباح نہیں رہتا، بلکہ وہ مکروہ اور قابل ترک عمل ہوجاتا ہے، بلکہ فقہاء نے تو امر مستحب کے اصرار کو بھی ممنوع اور مکروہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ''تنقیح الفتاوی الحامدیۃ''میں ہے:

"کل مباح یؤدی إلی زعم الجهال سنیة أمر أو وجوبه فهو مکروه، کتعیین السورة للصلاة، وتعیین القرائة لوقت ونحوه۔" (تنقیح الفتاوی الحامدیة: ۷۴۵/۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

ارشاد الساری میں ہے:"إن المندوب ربما انقلب مکروها إذا خیف علی الناس أن یرفعوه عن رتبته۔" (إرشاد الساری

شرح صحيح البخاري: ٢/٥٨٦)، كتاب الأذان، باب الانتقال والانصراف عن اليمين والشمال (دارالفكر بيروت)

مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

"من أصر على مندوب وجعله عزماً ولم يجعل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر۔" (مرقاة المفاتيح: ٣/٢٦، المكتبة الأشرفية ديوبند)

اسی بنا پر بعض کتب فتاوی میں اس طرح کے مواقع پر اذان دینے کو ممنوع اور بدعت قرار دیا گیا ہے، چنانچہ فقیہ النفس حضرت اقدس مفتی عزیز الرحمٰن نور اللہ مرقدہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: "زمانہ قحط اور وباء میں اور دیگر حوادثات میں اور دفن میت کے بعد اذن کہنا کیسا ہے۔ جواب: ان حوادثات میں اذان شارع علیہ السلام سے اور اقوال وافعال سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے بلکہ بدعت ہے"۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند: ۲/ ۶۷، باب الاذان، عنوان: دفن اور قحط وباء اذان دینا ثابت ہے یا نہیں۔ ۱/ ۴۳۷، باب الاذان، سوال وجواب نمبر: ۱۱۱، عنوان: خشک سالی اور طاعون کے موقع پر اذان دینا ثابت ہے یا نہیں، مکتبہ دار الاشاعت کراچی، پاکستان)

مفتی نظام الدین صاحب اعظمی سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: "اذان طاعت وقربت ہے، اس کا اجراء شارع علیہ السلام کی تجویز اور فقہاء کرام کی تخریج وبیان پر موقوف ہے اور اس موقعہ میں کسی بھی روایت یا فقہاء کی تخریج میں کہیں اذان ثابت نہیں، اس لیے بدعت ہے"۔

(نظام الفتاوی: جلد اوّل حصہ دوم، ص ۱۲۶، عنوان: دفع وباء کے لیے اذان دینا بدعت ہے، زکریا بکڈپو دیوبند)

غرض یہ کہ قدرتی آفات ومصائب کے وقت اذان دینا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال وافعال سے ثابت نہیں ہے، اس لیے موجودہ وقت میں ملک اور بیرون ملک میں پھیلی "کرونا وائرس" نامی وباء کے دفعیہ کے لیے اجتماعی یا انفرادی اذان دینے کی ترغیب دینا اور لوگوں کا اس پر عمل کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، بلکہ بدعت ہے جس سے احتراز کرنا لازم اور ضروری ہے۔ لیکن اگر اس کے باوجود کوئی اپنی طرف سے بطور علاج اتفاقیہ طور پر اذان دے دے بشرطیکہ التزام واہتمام نہ ہو اور اشتہار وعمومی دعوت نہ ہو تو گنجائش ہے، اس پر نکیر نہ کی جائے، اذان کے مقابلے میں ایسے مواقع کے لیے جو اوراد ووظائف منقول ہیں ان کا اہتمام زیادہ نفع بخش ہوگا۔

عن عائشة رضى الله عنهما قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث فى أمرنا هذا ماليس منه فهو رد۔"

(صحيح البخاري: ١/ ٣١٧، رقم: ٢٦١٩، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على جور فالصلح مردود)

حدیث کی تشریح کے لیے دیکھیں: (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح: ۱/ ۳۳۶، کتاب الایمان/ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

نیز مبارق الازہار فی شرح مشارق الانوار: ۱/ ۵۳، الباب الاوّل / الفصل الاوّل ابتداء بمن الموصولۃ، دار الجبل بیروت۔

مزید دیکھیں: (مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح: ۱/ ۲۳۶، کتاب الایمان/ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ایسے حوادث ومصائب چوں کہ انسان کے اعمالِ بد کے نتائج ہوتے ہیں اس لیے ایسے موقع پر لازم ہے کہ اپنے اپنے گھروں میں نماز، دعا اور کثرت سے توبہ واستغفار کا اہتمام کیا جائے، اللہ تعالیٰ تمام امتِ مسلمہ کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین!

کورونا کے مختلف پہلوؤں پر ایک نظر

مفتی حبیب اللہ قاسمی
بانی ومہتمم: جامعہ اسلامیہ دار العلوم، مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ (یوپی)

محور اول: کورونا کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر

۱-وباعمومی بیماری کو کہتے ہیں جوکسی شہر یابستی کی اکثریت کواپنی لپیٹ میں لے کر متأثر کردے،اس کے کچھ ظاہری اسباب ہوتے ہیں، جو اطباء وڈاکٹر حضرات بیان کرتے ہیں اس کے علاوہ کچھ باطنی اسباب بھی ہوتے ہیں جیسے گناہوں کی کثرت، فحاشیت وعریانیت، کھلم کھلا بدکاری و شراب نوشی وغیرہ، جس کی وجہ سے اللہ رب العزت بطور عذاب کے وبائی امراض واسقام کو پیدا کردیتا ہے جیسا کہ قدیم زمانہ میں طاعون وغیرہ وبائی امراض آئے جس سے گاؤں کے گاؤں، محلّہ کے محلّہ لقمۂ اجل بن گئے، قرآن مجید میں باری تعالیٰ عز اسمہ کا ارشاد ہے: وما اصابکم من مصيبة فبما كسبت أيديكم ويعفو عن كثير (سورۃ الشوریٰ، آیت: ۳۰)۔

حدیث شریف میں فرمان نبوی ہے: لم تظهر الفاحشة في قوم حتى يعلنوا بها الإفشا فيهم الطاعون والأوجاع التي لم تكن مضت في أسلافهم الذين مضوا. (جس قوم میں فحش کاری عام ہوجائے حتیٰ کہ وہ اس کو علی الاعلان کرے اس قوم میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیلتی ہیں جو ان کے آباء واجداد میں نہیں گزریں۔) (ابن ماجہ، حدیث نمبر ۴۰۰۹، مستدرک حاکم ۵۱۸/۴۳)

۲-وبا سے تحفظ کے لئے شرعی واسلامی ہدایات یہ ہیں کہ استغفار وتوبہ کی کثرت کی جائے۔ اللہ رب العزت کی طرف رجوع کیا جائے، صبر ونماز کے ذریعہ مدد طلب کی جائے، صدقات وخیرات سے غرباء ومساکین کی امداد واعانت کی جائے، جہاں وبائی امراض پھیلے ہوئے ہوں وہاں سے باہر نکل کر راہ فرار اختیار نہ کیا جائے اور نہ دوسری جگہوں سے وبازدہ علاقوں میں جایا جائے۔ الغرض وبازدہ علاقوں سے بھاگ کر دوسری جگہ جانا یا دوسری جگہوں سے وہاں آنا، دونوں باتیں شرعاً ممنوع ومنہی عنہ ہیں۔

۳-حکومت کی گائڈلائن پر حتی الامکان عمل کرنا اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے، تاہم مسلمانوں کا یہ ایمان ویقین ہونا چاہئے کہ اصل شئ تقدیر اور حکم الٰہی ہے اور اس کے حکم کے بغیر کسی چیز میں نفع وضرر کی کوئی طاقت وصلاحیت نہیں۔ اور احتیاطی تدابیر کا اختیار کرنا شرعاً مامور بہ ہے، یہ ایمان وتوکل کے خلاف نہیں۔ جیسا کہ صلوۃ الخوف کے متعلق قرآن مجید میں اسباب کو اختیار کرنے کی تلقین ہے: وليأخذوا حذرهم واسلحتهم ...... و خذوا حذركم. (سورہ نساء: ۱۰۲)۔ اور حدیث میں ایک موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "عقل و توكل."

۴-بیماری کے متعدی ہونے کے متعلق اسلامی نظریہ یہ ہے کہ بالذات کوئی بھی بیماری متعدی نہیں، ہاں! خدا کے حکم اور مشیت سے بیماری متعدی ہوسکتی ہے، تو مؤثر حقیقی اور فاعل حقیقی اللہ رب العزت ہے اور ظاہری سبب کے درجہ میں بیماری متعدی ہوتی ہے۔ اکثر محققین علماء کی یہی رائے اور موقف ہے، جن میں ابن الصلاح، بیہقی، علامہ ابن القیم، امام نووی وغیرہم ہیں اور یہی ان احادیث شریفہ میں تطبیق کی بہترین شکل ہے جو بظاہر متعارض ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف کی حدیث ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (لاعدوى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر)

وفر من المجذوم كما تفر من الأسد (بخاری حدیث:۵۳۸۰)(بیماری لگنے کا عقیدہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور نہ بدفالی کوئی چیز ہے اور نہ ہامہ اور ماہ صفر کے بارے میں عقیدہ کوئی چیز ہے، ہاں جذامی سے ایسا بھاگ جیسے تو شیر سے بھاگتا ہے) لیکن کمال ایمان وعقیدہ کی اعلیٰ مثال بھی ملتی ہے کہ آنحضور نے مجذوم کا ہاتھ پکڑا اور اپنے پیالہ میں اس کو شریک طعام فرمایا: أخذ بيد مجذوم، وقال: كل ثفقه بالله و توكلاً عليه۔

سورۃ التوبہ آیت ۵۱ میں فرمان الٰہی ہے:قل لن يصيبنا إلا ما كتب الله لنا هو مولانا و على الله فليتو كل المومنون۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری ہے:ما اصاب من مصيبة إلا بإذن الله و من يؤمن بالله يهد قلبه والله بكل شئ عليم. (التغابن: ١١)

محور دوم: کورونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف

۱-کورونا کے زمانہ میں مساجد کے بجائے گھروں میں باجماعت یا انفرادی طور پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے کیوں کہ حکومتی پابندی کی وجہ سے ترک جماعت میں وہ معذور ہے و يسقط حضور الجماعة بواحد من ثمانية عشر شيئاً: مطر و برد و خوف و ظلمة و حبس و عمى و فلج و قطع يد و رجل، و سقام وإقعاد ووحل و زمانة و شيخونة و تكرار فقه بجماعة تفوته، و حضور طعام تتوقه نفسه، و إرادة سفر، و قيامه بمريض، و شدة ريح ليلاً لا نهاراً. (نورالایضاح:۷۷)

۲-عام حالات میں ایک مسجد میں جماعت ثانیہ مکروہ وممنوع ہے، اس لیے کہ ایسا کرنے سے پہلی جماعت متاثر ہوگی جو تقلیل جماعت کا ذریعہ ہوگی حالانکہ مقصود شرعی تکثیر جماعت ہے، لیکن کورونا جیسے ہنگامی حالات میں ایک ہی مسجد میں پنجگانہ نمازوں و جمعہ وعیدین میں تکرار جماعت کی اجازت ہوگی۔تاہم بہتر یہ ہے کہ اگر دوسری مسجد یا کوئی مناسب ہال یا جگہ موجود ہو تو ایک مسجد میں تکرار جماعت کے بجائے دوسری فراہم شدہ مسجد یا ہال میں نماز ادا کی جائے۔(مستفاد فتاوی قاسمیہ ۲۲۵/۶-۲۳۳)

۳-وبا کے زمانہ میں مجبوری کی وجہ سے گھروں میں نماز جمعہ ادا کرنا جائز ہے لیکن اس کے لیے شرائط ہیں جیسے جماعت، خطبہ، شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں پھر جماعت کے لیے حنفیہ کے معروف قول کے مطابق امام کے علاوہ تین مرد جو عاقل بالغ ہوں کا ہونا ضروری ہے، مگر دوسرا قول جو امام ابو یوسفؒ کا ہے وہ امام کے علاوہ دو فرد کے موجود ہونے کا ہے، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ وغیرہم نے گھروں میں اعذار وموانع کی وجہ سے ضرورتاً نماز جمعہ کی اجازت دی ہے۔(کفایت المفتی ۳۳۱/۳، فتاوی دار العلوم دیوبند ۷۵/۵، فتاوی رحیمیہ:۴۲۱/۳)۔و من شرائطها الجماعة و أقلهم عند أبي حنيفةؒ ثلثة سوى الإمام، و قالا اثنان سواه قال والأصح أن هذا قول أبي يوسفؒ وحدهٗ (ہدایۃ ۱۴۹/۱، باب صلوۃ الجمعۃ)۔

۴-ظہر پڑھنے کی صورت میں تنہا پڑھنا بہتر ہے تاہم اگر باجماعت ظہر کی نماز ادا کی جائے تو یہ بھی درست اور بلا کراہت جائز ہے۔و يكره أن يصلى المعذورون الظهر بجماعة يوم الجمعة في المصر و كذا أهل السجن لما فيه من الإخلال بالجمعة إذ هي جامعة للجماعات، والمعذور قد يقتدى به غيره بخلاف أهل السواد لأنه لا جمعة عليهم. (ہدایہ ۱۵۰/۱، باب صلوۃ الجمعۃ)۔

۵-وبا کے زمانہ میں عیدین کی نماز گھروں میں پڑھنا جائز ہے لیکن اس کے لیے وہی شرائط ہیں جو جمعہ کے لیے ہیں، یعنی جماعت کا ہونا جس میں امام کے علاوہ حنفیہ کے معروف قول کے مطابق تین افراد عاقل، بالغ کا ہونا، شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں کا ہونا، البتہ عیدین کی صحت کے لیے خطبہ شرط نہیں بلکہ سنت ہے، اگر انتظامیہ کی طرف سے صرف تین افراد کی اجازت ہو تو حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق امام کے علاوہ دو افراد کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ جمعہ میں ایسی بندشوں اور حکومتی ممانعت کی وجہ سے اس قول پر عمل کرنے کی گنجائش دی گئی ہے، وہی اجازت اور گنجائش یہاں یعنی عیدین میں ہوگی کہ امام کے علاوہ دو افراد عاقل وبالغ موجود ہوں تو عیدین کی جماعت درست ہے بلکہ عیدین کی بابت متعدد حضرات کا فتوی وسعت کا ہے۔

۶-عام حالات میں کپڑا سے منہ یاناک کوڈھاپ کرنماز پڑھناممنوع ومکروہ ہے،اسی طرح عام حالات میں شریعت نے صف بندی کا جو طریقہ اوراصول بتلایاہے وہ یہ کہ ایک صف کے افراد باہم متصل کھڑے ہوں، درمیان میں فاصلہ نہ ہو،ایسا فاصلہ خلاف سنت اورمکروہ ہے،اسی طرح دوصفوں کے درمیان ایک میٹر سے لے کرچارفٹ تک یا کچھ مزید فاصلہ رہنا چاہئے اس سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے،لیکن کورونا جیسی ہنگامی صورت حال میں ماسک لگاکرنماز پڑھنے اور پانچ فٹ یا مزید صفوں کے درمیان فاصلہ کوقائم کرنے کی اجازت ہوگی اوراس طرح شرعاًنماز درست ہوگی تا کہ حکم شرعی کی بجاآوری کے ساتھ قانونی گرفت سے بھی حفاظت ہو۔فقہاء کامشہورضابطہ ہے:الضرورات تبيح المحظورات۔

۷-کورونا سےمتاثرافراد کے لیےمسجدآ کر جماعت میں شریک ہوناممنوع ہے کیوں کہ ان سے جماعت ساقط ہےایسےلوگوں کے لیےبہتر یہی ہے کہ گھر میں تنہانمازادا کرلیں کیوں کہ ایسے مریضوں سے دیگرنمازیوں کوتکلیف واذیت ہوتی ہےفقہاء کرام نے جذام، برص وغیرہ امراض جس سےلوگوں کو تکدرہواورمتعدی سمجھے جائیں ایسے مریضوں کومسجد میں آنے سےمنع کیاہے:عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: ”من أكل من هذه الشجرة يعني الثوم فلا يؤذينا في مسجدنا، وقال في موضع آخر: فلا يقربن مسجدنا و لا يؤذينا بريح الثوم. (مسندابن حنبل۲/۲۶۶)۔

۸-مریض اور مسافرشرعی کوشریعت نے روزہ نہ رکھنے کی رخصت واجازت دی ہے تاہم اگرروزہ مشقت وپریشانی کاباعث نہ ہوتو روزہ رکھناہی بہتر ہے، یہی حال کورونا سے متاثر مریض کا ہے کہ اس کوروزہ نہ رکھنے کی رخصت ہےاور اگرروزہ رکھ سکتا ہوکوئی مشقت نہ ہوتو بہتر روزہ رکھنا ہے۔فمن كان منكم مريضا أو على سفر فعدة من أيام أخر. (سورۃالبقرہ:۱۸۴)۔

۹-کورونا کی وجہ سےاحتیاطی تدابیر کااختیارکرناشرعاًجائز ہے،لہٰذاعام مسلمانوں کوان ہنگامی حالات میں حج وعمرہ سےروکناجائز ہےالبتہ مکمل طور پر حج یاعمرہ کوبندکردینایہ مزاج شریعت وروح شریعت کےمنافی ہے،تندرست افرادکومخصوص شرائط کےساتھ اجازت ہونی چاہئے۔و إذا أحصر المحرم بعدّ و أو أصابه مرض فمنعه من المضي جاز له التحلل. (ہدایہ۱/۲۷۲)۔فمن كان منكم مريضا أو على سفر فعدة من أيام أخر (سورہ البقر:جز۲آیت:۱۸۴)۔اگرچہ یہ آیت روزہ کی رخصت کےسلسلہ میں عبارۃالنص ہےلیکن دلالت النص سےحج وغیرہ کےاحکام میں بھی رخصت کی علت بن رہی ہے۔

محورسوم: کورونا کے زمانہ میں مساجد سے متعلق مسائل

۱-کورونا کے زمانہ میں مساجد کومکمل بندکردینا کہ اذان ونماز بند ہوجائے اسلامی شریعت کے قطعاًخلاف ہے،ہاں احتیاطی تدابیراورحکومتی ہدایات کوملحوظ رکھ کرایساطریقہ کاراختیارکیاجائے کہ مساجدمیں اذان وجماعت کاسلسلہ مکمل بندنہ ہواورقانونی گرفت سےبھی حفاظت رہے،قرآن کریم میں ارشادربانی ہے:و من أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه و سعى في خرابها، أولئك ما كان لهم أن يدخلوها إلا خائفين. (سورۃالبقرہ:۱۱۴)

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم اورصحابہ کرامؓ کی یہ عادت شریفہ تھی کہ مصائب کے وقت وہ مساجد کارخ کرتے تھےاوراللہ رب العزت سےامدادونصرت حاصل کرتے تھے۔

۲-اذان دی جائے گی کیوں کہ اذان شعائراسلام میں سے ہے اور وہ ایک مضبوط دعوت ہے، تاکہ تمام لوگوں کونماز کے اوقات کی جانکاری ہوجائے، بہتر تو یہ ہے کہ مائک سے اذان دی جائے اگرانتظامیہ کی طرف سے مائک سےممنوع ہوتو بغیر مائک کے ہی اذان دی جائے اسے حتی الامکان ترک نہ کیاجائے۔

۳-جماعت میں کتنے افرادشریک ہوں اس بارے میں اصل حکم تو شریعت کی ہدایات اورتعلیمات ہیں کہ جولوگ اس بیماری سے متاثر ہیں وہ معذور ہیں،اس کےعلاوہ جوغیرمعذورین ہیں وہ احتیاطی تدابیر کے ساتھ جماعت میں شریک ہوں لیکن ہندوستان کی موجودہ حکومت طرح طرح کے قوانین اوردستور بنارہی ہے جوسب کومعلوم ہےاوراس بارے میں مختلف ہدایات جاری کررہی ہے، دفع شر کے پہلو سےان ہدایات کابھی پاس ولحاظ رکھنا

چاہئے، قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لینا چاہئے، خلاصہ یہ کہ شریعت پر عمل کرتے ہوئے حکومتی قوانین کا بھی پاس ولحاظ ضروری ہے۔ لا طاعة للمخلوق في معصية الخالق۔ درء المفاسد أولى من جلب المنافع (قواعد الفقه ۸۱، قاعدہ ۱۳۳)۔

۴- مساجد کے کسی حصہ کو کووڈ سینٹر بنانا احترام مسجد اور آداب مسجد کے خلاف ہے، مسجد عبادت وذکر کے لیے ہے نہ کہ بیماروں کی قیام گاہ ہے، البتہ خارج مسجد کوئی مناسب جگہ ہو جس سے مسجد متاثر نہ ہو اور اس کے آداب واحترام میں کوئی خلل پیدا نہ ہو تو خارج مسجد کسی دوسری ملحق جگہ کو کووڈ سینٹر بنانا جائز ہے تاہم اعلیٰ اور ارفع بات یہ ہے کہ مسجد سے ملحق ومتصل جگہ کے علاوہ دیگر عمومی مقامات جیسے اسکول اور سرکاری دیگر عمارات کو کووڈ سینٹر بنایا جائے، فقہاء نے صرف دو شخصوں کو مسجد میں قیام ونوم کی اجازت دی ہے ایک معتکف، دوسرے مسافر کو۔ قالوا يكره إحضار السلعة للبيع و الشراء لأن المسجد محرز عن حقوق العباد و فيه شغله بها و يكره لغير المعتكف البيع و الشراء فيه. (ہدایہ ۱/۲۱۰، باب الاعتکاف)

محور چہارم: کورونا سے متأثر مریض کی تیمارداری

۱- کورونا سے متاثر مریض کو مرض کے تعدیہ کے خطرہ سے الگ تھلگ کرنے کی اجازت ہے لیکن اس کی خبرگیری اور تیمارداری، خدمت اور دواء، علاج کرانا اسلامی واخلاقی ذمہ داری ہے، حدیث شریف میں ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ذکر کئے گئے ہیں، جن میں مریض کی عیادت اور تیمارداری بھی شامل ہے۔

۲- کورونا سے متاثر مریض کے علاج ومعالجہ کے اخراجات خاندان کے افراد برداشت نہ کرسکیں تو سماج وحکومت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ایسے مریضوں کی نگہداشت کرے اور حتی الامکان اس کے علاج میں دست تعاون بڑھائے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: و تعاونوا على البر و التقوى و لا تعاونوا على الإثم و العدوان. (سورۃ المائدہ: ۲)۔ ایک حدیث شریف میں آقاء مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے: الخلق عيال الله فأحب الخلق إلى الله من أحسن إلى عياله. (مشکوٰۃ الآثار: ۹۲)۔ دوسری حدیث شریف میں ارشاد ہے: الراحمون يرحمهم الرحمن، ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء. (رواہ ابوداؤد والترمذی۔ مشکوٰۃ ۲/۴۲۳)۔

محور پنجم: کورونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

۱- کورونا سے انتقال کرنے والوں کو غسل دینے کا مسنون طریقہ وہی ہے جو عام میت کے غسل کا ہے لیکن اگر حکومت کی طرف سے غسل کی اجازت نہ ہو یا غسل ممکن نہ ہو تو ایسی مجبوری کی حالت میں کم از کم تیمّم کرا دیا جائے اور اگر یہ بھی مشکل ہو تو بغیر غسل کے دفن کی اجازت ہوگی۔ لايكلف الله نفسا إلا وسعها. (سورۃ البقرہ: ۲۸۶)۔

الضرورات تبيح المحظورات (قواعد الفقہ: ۸۹، الاشباہ والنظائر، قاعدہ: ۱۷۰)۔

۲- میت کی تجہیز وتکفین ان کے وارثین پر لازم ہے، کورونا سے فوت شدہ میت کو اسپتال سے جو مخصوص کور میں لپیٹ کر دیا جاتا ہے وہ کفن مسنون کے حکم میں نہیں ہے، لہٰذا اس کور کو ہٹا کر کفن مسنون میں میت کو لپیٹا جائے، مرد کے لیے کفن مسنون تین کپڑے اور عورتوں کے لیے پانچ کپڑے ہیں، لیکن اگر حکومت کی طرف سے اس کور کو ہٹانے کی اجازت نہ ہو تو کم از کم اس پر کفن مسنون لپیٹ کر دفن کیا جائے، کیوں کہ میت کا احترام ضروری ہے اور میت انسان بجميع أجزاءہ محترم ہے۔ و لقد كرمنا بني آدم و حملناهم في البر و البحر و رزقناهم من الطيبات، و فضلناهم على كثير ممن خلقنا تفضيلا. (سورۃ الاسراء: ۷۰)۔

۳- جب تک میت کے جسم کے سڑنے، گلنے کا غالب گمان نہ ہو جائے اس وقت تک قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے اور مذکورہ صورت میں

پڑھنی چاہئے، اور سڑنے، گلنے کی کوئی خاص مدت متعین نہیں۔ اس کا مدار سردی، گرمی، میت کی حالت، مٹی کی تاثیر پر ہے۔ و إن دفن الميت ولم يصل عليه صلى على قبره لأن النبى صلى على قبر امرأة من الانصار و يصلى عليه قبل أن يتفسخ والمعتبر فى ذلك أكبر الرأى هو الصحيح لاختلاف الحال والزمان والمكان. (ہدایہ ۱/۱۶۰)

۴- احناف اور مالکیہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں جب کہ حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک جائز ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نجاشی پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی۔ احناف وموالک کی طرف سے اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ حضرت نجاشی کا جنازہ بطور معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دیا گیا تھا تو وہ بظاہر غائبانہ درحقیقت حاضرانہ تھا، اب یہ خصوصیت کسی کو حاصل نہیں، لہٰذا غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں۔ قال أصحابنا لايصلى على ميت غائب و قال الشافعیؒ يصلى عليه إستدلالاً بصلوة النبى صلى الله عليه وسلم على النجاشى وهو غائب ولا حجة له فيه لما بينا على أنه روى أن الأرض طويت له، ولا يوجد مثل ذلك فى غيره. (بدائع الصنائع، فصل فی صلوۃ الجنازۃ، زکریا ۲/۴۸، کراچی ۱/۳۱۲)۔

۵- جی ہاں! وبائی امراض میں انتقال کرنے والے جیسے کورونا وغیرہ میں وفات پانے والے شہید حکمی واخروی کہلائیں گے، شہید حقیقی نہیں۔ کیوں کہ شہید حقیقی وہ ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کرتے ہوئے قتل کیا جائے یا ظالموں نے اس کو ظلماً قتل کیا ہو۔ الطاعون شهادة لكل مسلم. (بخاری شریف، حدیث: ۲۶۷۵، مسلم شریف، حدیث: ۱۹۱۶، الشهداء خمسة المطعون والمبطون والغرق و صاحب الهدم والشهيد فى سبيل الله. بخارى حديث: ٢٦٧٤، مسلم حديث: ١٩١٤)

محور ششم: کورونا ویکسین سے متعلق مسائل

۱- الکحل آمیز سنیٹائزر کا استعمال جائز ہے کیوں کہ الکحل نام کا ہر مادہ شراب سے حاصل نہیں کیا جاتا اور انقلاب ماہیت سے انقلاب حکم ہوتا ہے۔ اگر گدھا نمک کی کان میں جا کر مر جائے اور سڑ گل کر نمک بن جائے تو وہ نمک کے حکم میں قرار پا کر اس کا کھانا حلال ہوگا۔

۲- کورونا ویکسین لگانا مباح اور جائز ہے شرعاً واجب اور ضروری نہیں کیوں کہ وہ ایک قسم کی دوا وعلاج ہے اور علاج کرانا فرض وواجب کے درجہ میں نہیں بلکہ مباح ہے۔

مسئلہ: دوا خوردن در بیماری جائز است واجب نیست (مالابد منہ: ۱۰۰)۔

محور ہفتم: کورونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے سے متعلق اسلامی ہدایات

۱- احادیث مبارکہ سے نماز کے علاوہ صرف ولادت کے موقع پر نومولود بچہ کے لیے اذان واقامت کا ثبوت ملتا ہے، باقی دیگر مواقع کے لیے اذان کا ثبوت نہیں ملتا، اس لیے علماء محققین نے وبا وغیرہ کے دفعیہ کے لیے اذان سے منع کیا ہے۔ چنانچہ امداد الفتاوی کے حاشیہ میں حضرت تھانویؒ سے نقل کیا ہے کوئی روایت نہیں دیکھی۔ البتہ فقہ حنفی کی کتابوں میں آندھی وطوفان، آگ، وبا وغیرہ کے لیے جواز اذان کا تذکرہ ملتا ہے وہ فقہ شافعی کی بعض کتابوں سے آیا ہے۔

۲- دفع وبا کے لیے کسی خاص اجتماعی نماز کا ثبوت قرآن وحدیث سے نہیں ملتا، البتہ انفرادی نماز صلوۃ الحاجہ کا ثبوت ملتا ہے اور دعاء کا ثبوت تو ہے ہی، لہٰذا انفرادی نماز اور انفرادی دعاء کرنا بہتر ہے، تاہم اجتماعی دعاء بھی شرعاً جائز ہے اور مباح ہے: يا أيها الذين آمنوا استعينوا بالصبر والصلوة إن الله مع الصابرين. (بقره: ١٥٣) و قال ربكم ادعونى أستجب لكم الخ. (سورۃ غافر، آیت: ۶۰)

کروناوائرس اوراس سے پیدا ہونے والے مسائل

مفتی نذیر احمد کشمیری
صدر مفتی وشیخ الحدیث دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ، کشمیر

انسان کو خالق کائنات کی طرف سے جونوع بنوع کی بے شمار نعمتیں ملی ہیں ان میں سے نعمت ایمان کے بعد سب سے اہم ترین نعمت صحت ہے، ایسی نعمت پرانسان کی تمام دینی ودنیوی سرگرمیوں کا انحصار ہے، اگر یہ نعمت متاثر ہوگئی تو پھر انسان کی فعالیت اس سطح پر یقیناً قائم نہیں رہتی جو صحت مند ہونے کی صورت میں ہوتی ہے۔

اگر انسان کی صحت کسی بھی چھوٹی یا بڑی بیماری سے متاثر ہوجائے تو طبعی طور پر انسان کا پریشان اور فکر مند ہونا یقینی ہے۔مگر اس میں بھی شک نہیں کہ اسلام کی نظر میں بیماری بھی متنوع فوائد کے حاصل ہونے کا سبب بن سکتی ہے،ایک حدیث میں ہے:

یودأهل العافیة یوم القیامة حین یعطی أهل البلاء الثواب لوأن جلودهم کانت قرضت فی الدنیا بالمقاریض ....
(ترمذی رم الحدیث:۲۴۰۲)

دنیا میں راحتوں اور آسائشوں میں رہنے والے قیامت کے دن جب مصیبت زدہ انسانوں کے انعامات اور ثواب سے بہرہ ور ہوتا ہوا دیکھیں گے تو تمنا کریں گے کہ کاش! دنیا میں ان کی کھالیں اور چمڑے قینچیوں سے کاٹے گئے ہوتے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:من یردالله بة خیرا یصیب به. (بخاری رقم الحدیث:۲۹۹۵)

(جس بندے کے ساتھ اللہ خیر کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں اس پر کوئی مصیبت ڈال دیتے ہیں)،اور ظاہر ہے بیماری بھی ایک نوع کی مصیبت ہے،.ایک حدیث میں ہے کہ مومن بندے کو اگر کانٹا بھی چبھ جاتا ہے تو اس پر بھی اس کو اجر ملتا ہے۔

اس بیماری میں اگر صبر،اللہ کے فیصلے پر رضا وتسلیم حکم شرعی اور سنت نبوی جان کر علاج،اور اللہ کی طرف رجوع اور اہل خانہ کی طرف سے خدمت اور تیمارداری،اہل تعلق اور قرابت داروں کی طرف سے عیادت کا مسنون عمل پایا گیا تو یقیناً بیماری بھی بہت سارے ان خیر کے ذخیروں کو جمع کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔جو اس کے بغیر مشکل ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق بیماری کو امتحان سمجھنا چاہئے ،اور اس میں کامیاب ہونے کی تدابیر اختیار کرنی چاہئے بیماری اگر ہمیشہ اور ہر شخص کے لئے عذاب اور سزا ہی ہوتو پھر حضرت ابنیاء علیھم السلام کو ہرگز اس کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

اسلام کی نظر میں دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کی مشیت اور قدرت اور فیصلے سے ہوتا ہے۔قضا وقدر کا مالک وہی ایک قادر مطلق ہے۔اس لئے اگر بیماری آئے تو وہ بھی اللہ کے فیصلے سے ہی آتی ہے۔

وماتشاؤن إلاأن یشاء الله رب العلمین :

تاہم بیماری سے نجات کے لئے بطور سبب علاج معالجہ کا حکم ہے۔ چنانچہ حضرت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ماأنزل اللہ إء إلاأنزل له دواء (بخاری) (ایك حدیث میں هے:۔.....تدووا یا عباداللّٰه فإنه ماأنزل داء الاانزل له شفاء :(ترمذی)

بیماری میں صبر، قلب شکستگی، عجز وتضرع، توجہ الی اللہ، پرہیز، خدمت، عیادت وغیرہ بہت سارے قلبی وجسمانی اعمال انجام دینے کا موقعہ تو ملتا ہی ہے، ساتھ ہی علاج معالجہ کرنے کے حکم شرعی پر بھی عمل کرنے کا مرحلہ آتا ہے۔ اور یہ سب اگر استحضار نیت کے ساتھ ہو تو یقیناً یہ باعث اجر بھی ہوگا۔

اسی لئے، ان تمام امور کے متعلق اسلام نے واضح ہدایات اور نہایت متوازن اور انسانی فطرت کے عین مطابق تعلیمات بھی دی ہیں، اور چونکہ بیماری کی وجہ سے انسان اپنے معمول کی زندگی میں نہیں ہوتا اس لئے اسلام نے بیماری میں نوع بنوع کی رخصتیں بھی دی ہیں۔

چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ وہ امور جن کی بنا اسلامی احکام میں تخفیف ہوتی ہے ان میں بیمار ہونا بھی ایسا قوی سبب ہے جس کی وجہ سے احکام میں کہیں تخفیف کی جاتی ہے اور کہیں حکم ہی بدل دیا جاتا ہے، وضو اور غسل کے بجائے تیمّم، بیماری میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت، مرض کی بنا پر روزے قضا کرنے کی اجازت حتی کہ تداوی بالمحرمات تک اجازت اسی کا مظہر ہے۔

۲۰۱۹ء میں دنیا پر کرونا کا وائرس مسلط ہوا جس نے انسانی زندگی کے ہر ہر شعبہ کو اس حد تک متاثر کیا کہ ایسا لگتا ہے نظام زندگی ہی تہہ وبالا ہوگیا، تعلیم، تجارت، تعلقات، تفریحات، معاشرتی زندگی کے انفرادی واجتماعی معاملات، سب اپنی ڈگر پر باقی نہ رہ سکے، اس کے نتیجے میں امت مسلمہ کے سامنے بھی احکام شریعت پر عمل کرنے کے سلسلے میں بے شمار مسائل پیدا ہوئے۔

یہ مسائل اس قسم کے ہیں کہ ان پر کورونا سے متأثر معاشرے پر انطباق واطلاق کے سلسلے میں نئے سرے سے غور کرنے کی ضرورت پیدا ہوئی، چنانچہ ہر ہر خطہ کے ارباب علم وفضل خصوصاً اصحاب فقہ وفتویٰ نے اپنا فریضہ ادا کرتے ہوئے، پیش آنے والے ان نئے مسائل جو اس وائرس کے پھیلاؤ کی وجہ سے پیدا ہوئے، کے متعلق شریعت کے احکام تفصیلاً بیان کئے۔

ان احکام کے بیان کرنے میں ایک طرف شریعت اسلامیہ کی روح اور اس کے مقاصد ومصالح کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے اور دوسری طرف پیش آنے والی اس مشکل میں زیادہ سے زیادہ دفع حرج اور یُسر پیدا کرنے کی بھی کوشش ہوتی ہے، تاکہ شریعت کے احکام تکلیف مالا یطاق نہ بن جائیں یہ آسانی پیدا کرنا خود شارع علیہ السلام کا مطلوب ہے۔ ارشاد ہے:

إن الدین یسر (بخاری) . دوسرے مقام پر ارشاد ہے: یسروا ولا تسروا . (بخاری)

علمائے ربانیین نے یہ فریضہ ادا کرتے ہوئے دونوں پہلو ملحوظ رکھے۔ اگر چہ بہت سارے مسائل میں اختلاف رائے بھی ہوا اور ایسا ہونا ناگزیر بھی ہے، اور ہر نئے پیش آمدہ اجتہادی مسئلہ میں نقطۂ نظر کا الگ الگ ہونا فقہ واجتہاد کی پوری تاریخ کے ورق ورق سے ثابت ہے۔

محور اوّل

۱- وبا بیماری کی اس حالت کا نام ہے جو کسی بھی علاقہ، شہر یا خطہ میں پھیل جائے، اور انگنت لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے، چنانچہ تمام ارباب لغت نے الفاظ کے جزوی فرق کے ساتھ یہی لکھا ہے کہ ہوا، یا پانی یا غذاؤں کے ذریعہ پھیلنے والی وہ عمومی بیماری چاہے انسانوں میں پھیلے یا جانوروں میں یا پرندوں میں وبا کہلاتی ہے، جس میں کثیر تعداد اس کے اثرات کا شکار ہو جائے، مثلاً: ''طاعون، ہیضہ یا انفلونزا'' پھیل جائے، اور اس میں بے شمار لوگ متأثر ہوں، یہ وبائی بیماری کہلائی گی۔

چنانچہ علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے القاموس المحیط میں، ابن منظور نے لسان العرب میں، اسی طرح میں یہی مرقوم ہے: ملاحظہ ہو وبا کا

مادّہ وبائی بیماری کے لئے ضروری نہیں کہ اس میں تعدیہ ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ مرض میں تعدیہ نہیں مگر چونکہ بے شمار لوگ اس کی زد میں آ گئے اس لئے اس کو وبائی بیماری کہہ سکتے ہیں، کرونا وائرس سے لگنے والی بیماری کا نام کووڈ ۱۹۔ رکھا گیا۔

بلا شبہ یہ کووڈ وبائی بیماری ہے ااس لئے کہ یہ کسی ایک ملک میں بلکہ پورے عالم پر مسلط ہے، اس پر وبائی بیماری کی تعریف بھی صادق آتی ہے اور آج کے طبی ادارے بھی اس پر متفق ہیں، حقیقت یہ ہے کہ تاریخ انسانی میں پیش آنے والی وبائی بیماریوں کے جتنے بڑے بڑے واقعات ہیں، وہ چاہے طاعون ہو ہیضہ ہو، یا کوئی اور، کسی بیماری کا پھیلاؤ اس درجہ نہیں ہوا کہ پوری دنیا اس کی لپیٹ میں آ گئی ہو، اور زندگی کا تمام نظام تہہ، وبالا اور تمام نقشے تبدیل ہو کے رہ گئے ، پورا خطہ ارضی ، تمام ملک ، تمام حکومتیں یا تو بالواسط یا بلاواسطہ کم وبیش سبھی اس سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، پچھلی تمام وبائی بیماریاں یا تو شہروں اور علاقوں تک محدود رہی ہیں، اور وقت کا دورانیہ بھی سالوں پر محیط نہیں رہا جب کہ آج کی وبائی بیماری نے نئے رخ، نئے اثرات کے ساتھ پورے عالم کو سالوں سے لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔

وباء اور وبائی بیماری کے متعلق ہی نہیں بلکہ کائنات میں پیش آنے والے ہر چھوٹے بڑے واقعہ کے متعلق شریعت اسلامیہ کا تصور یہ ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کے فیصلے اور مشیت سے ہوتا ہے، اور اللہ کے فیصلے انسانوں کے اعمال واخلاق کے مطابق ہوتے ہیں، اگر انسانوں کی زندگی میں ایمان، اعمال، صلاح واخلاق ہو اور بندے اللہ کی مرضی اور احکام کی بجا آوری کے مطابق زندگی گزارتے ہوں تو اللہ کی طرف سے فیصلے خیر کے آتے ہیں، اور اگر انسان شر وفساد کی آماجگاہ تو پھر اللہ کی طرف سے فیصلے ویسے ہی آتے ہیں۔

آج کے عہد میں جس طرح پورا خطۂ ارضی فساد، سرکشی، فساد، ظلم، نفاق، استحصال، فحاشی، عریانیت بلکہ حیوانیت سے بدترین سبعیت اور ہر ہر قسم کے جرائم سے بھر گیا ہے، یہ حال پچھلی پوری تاریخ میں کبھی نہیں تھا۔

حقیقت یہ کہ: ”ظهر الفساد فی البر والبحر بما كسبت أيدي الناس (الروم)“ کا پورا منظر اس وقت دنیا بنی ہوئی ہے، غالبًا یہ وائرس مسلط ہو تو اسی لئے وبا کے متعلق اسلامی شریعت کا موقف یہ ہے کہ یہ اہل ایمان کے لئے رحمت اور اھل کفر کے عذاب ہے۔

اگر انسان اعمال صالحہ پر قائم، محرمات سے محفوظ، منہیات سے مجتنب، کیفیات ایمانیہ سے مزین، اور اللہ کے فیصلوں پر راضی ہے پھر وہ کسی وبا کا شکار ہو جائے تو یہ اس کے لئے رحمت، رفع درجات کا ذریعہ ہے، جیسے کہ طاعون عمواس میں ہزاروں صحابہ شہید ہوئے، اور اگر انسان سرکش، ایمان سے محروم یا ایمان تو ہو مگر زندگی معصیت میں ڈوبی ہوئی ہو اور پھر اس کو کوئی مصیبت آئے یا وہ وبا کا شکار ہو جائے تو یہ وبا اس کے لئے عذاب ہے وہ تمام اہل ایمان جو مومنانہ صفات سے آراستہ اور اللہ کے احکام کے پابند، اگر وہ وبا کا شکار ہو تو یہ وبا ان کے لئے رحمت ہوگی، اور اگر زندگی معاصی سے بھری ہوئی ہو اور اس پر خوش ومگن بھی ہیں تو ایسے کے لئے وبا عذاب ہے۔

(۲) وبائی بیماری سے تحفظ کے لئے اسلام کے احکام بالکل واضح اور مصرح ہیں، چنانچہ حکم ہے:

(الف): وہ متأثر شخص جو کسی وبائی متعدی بیماری کا شکار ہو اس سے ایسے دور رہو جیسے شیر سے دور رہتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسے شخص سے ملنا جلنا، قریبی ربط وتعلق رکھنا، بیماری لگنے کا سبب بن سکتا ہے، اس لئے احتیاط برتی جائے حدیث یہ ہے:

”فر من المجذوم فرارك من الأسد،“ (مشكوة)

(ب) جن جن چیزوں سے بیماری کے لگنے کا خدشہ ہو ان سے پرہیز کیا جائے، حضرت ام منذر فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے، آپ کے ساتھ حضرت علیؓ بھی تھے، ہمارے یہاں کھجور کے خوشے لٹک رہے تھے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کھجوروں کے کھانے میں مشغول ہو گئے، حضرت علی بھی چن چن کر کھجور کھانے لگے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی تم (بوجہ بیماری) کمزور ہو، یہ کہنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علی کھجور کھانے سے پرہیز کریں، چنانچہ حضرت علیؓ نے ہاتھ کھینچ لیا۔

اس کے بعد جو اور شلجم پیش کیا گیا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم یہ کھاؤ یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔
(زاد المعاد فی ھدی خیر العباد)

(ج) جس خطہ میں وبائی بیماری پھیل رہی ہو اس علاقہ میں جانے سے احتراز کیا گیا۔ ارشاد نبوی ہے:

إذاسمعتم بالطاعون بأرض فلا تد خلوها ـ وإذاوقع بارض وانتم بها فلاتخرجو امنها ـ (بخاری رقم ۵۷۲۸)

(د) اگر کوئی شخص کسی وبائی بیماری کا شکار ہو اور اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہو کہ بیماری متعدی ہے تو ظاہری اسباب کے درجہ میں اس سے دور رہا جائے، چنانچہ یہ واقعہ مشہور ہے کہ قبیلہ بنو ثقیف کے جذام زدہ شخص کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے تم کو بیعت کر لیا، اس لئے تم لوٹ جاؤ (مسلم رقم الحدیث "۵۹۵۸") گویا آپ نے اس کو اپنے قریب نہیں آنے دیا۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق اعظم نے حضرت معیقب سے فرمایا کہ ایک نیزے کے فاصلہ پر بیٹھو، یہ اس لئے فرمایا کہ ان کو کوئی ایسی بیماری تھی جس کے متعدی ہونے کا خدشہ تھا، حالانکہ وہ بدری صحابی تھے، (تہذب الاثار "۱۳۳۲")۔

(ح) وبائی بیماری سے بچنے کی وہ تدابیر جو طب و تجربہ سے ثابت ہوں ان تدابیر کو اہتمام سے اپنایا جائے، حضرت عمرو بن امیہ سے مروی ہے کہ انہوں عرض کیا کہ اونٹ کو چھوڑ دوں یا باندھ دوں۔

یا رسول اللہ أرسل ناقتی وأتوکل –قال اعقلها وتوکل ...... (شعب الایمان" ۱۱۵۹")

(۳) کرونا وائرس سے بچنے کے لئے ماہرین اور خطہ کی حکومتوں نے جو ضوابط و احتیاطی تدابیر شیئر کی ہیں، یہ تمام تدابیر چونکہ صحت اور طب کے ماہرین اور طبی اداروں کی طویل تحقیقات سے استفادہ کر کے اور طبی ماہرین کے اشتراک اور ان سے استشارہ کے بعد مرتب کی گئی ہیں اس لئے ان پر عمل کیا جائے۔

اس لئے کہ ایسے تمام معاملات کے متعلق شریعت کا ضابطہ یہ ہے کہ جو امور شرعاً درست ہوں، یعنی وہ منہیات شرعیہ میں نہ آئے ہوں اور وہ مصلحت عامہ کے قبیل سے ہوں، ان کی بجا آوری درست ہے، چاہے وہ کسی مسلم حکمران کی طرف سے ہو یا کسی غیر مسلم حکومت کی طرف سے۔

خصوصاً جب وہ مصالح انسانی سے متعلق ہوں، اور ان کے اپنانے میں فوائد تو ہوں مگر محظور شرعی لازم نہ آتا ہو، ہاں وہ امور جو اصول شریعت سے متصادم ہوں ان پر عمل کرنا لازم نہیں، مثلاً گائیڈ لائن میں بتایا گیا کہ فاصلہ رکھا جائے۔ ماسک کا استعمال کیا جائے بھیڑ سے دور رہا جائے، بار بار ہاتھوں کی صفائی کی جائے۔ سینی ٹائزر کا استعمال کیا جائے تو اس طرح کے امور پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اس لئے کہ ان میں سے کوئی امر شریعت کے معارض نہیں، لیکن اگر گائڈ لائن میں ہو کہ میت کا نہ غسل، نہ جنازہ ہو، اور نہ شرعی اصول تدفین کے اپنانے کی اجازت ہو تو یہ امور قابل تسلیم نہیں، یا اگر اس میت کی لاش ورثاء، کے حوالے نہ کی جائے، اور شرعی کے حکم کے علی الرغم اسے نذر آتش کرنے کا آڈر ہو تو یہ ہرگز قبول نہ کیا جائے۔ لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق ۔

لیکن اس طرح کے خلاف شریعت حکموں سے بچنے کے لئے نہایت حکمت، دور اندیشی، تدبر اور نرم رویہ برقرار رکھ کر اقدام کیا جائے، تاکہ بدخواہ اور بدنیت کینہ پرور لوگ قانون کی خلاف ورزی کا بہانہ بنا کر کسی طرح کا دینی وملی نقصان پہونچانے کے درپے نہ ہوں۔

غرض کہ واحتیاطی تدابیر جو اصول شریعت سے متصادم نہ ہوں، ان پر خود بھی عمل کیا جائے اور مسلم امۃ کو بھی عمل کرنے کی ترغیب دی جائے،

یہ اصل خود شریعت اسلامیہ کی تعلیمات کے عین مطابق ہے، لہذا اس کو منافی توکل قرار دینا بھی صحیح نہیں، اور نہ ہی یہ امور کسی غیر اسلامی ادارے یا حکومت کی طرف سے نافذ ہونے کی بنا پر قابل رد ہیں، اور نہ ہی یہ اختیار اسباب ایمانی تقاضوں کے مغائر ہیں

(۴) بیماریوں میں سے کچھ کا متعدی ہونا ایک بدیہی حقیقت ہے، اور یہ تعدیہ بھی خالق اشیاء و خالق کائنات کے حکم و مشیت کے تابع ہے، آگ میں جلانے کی تاثیر، پانی میں بجھانے کی قوت، زہر میں مارنے کی صلاحیت، دوائی میں شفاء کا اثر غرض کہ ہر شئی میں اس کے خالق نے جو قوت اور تاثیر رکھی ہے، جب ان چیزوں کا وہ اثر ظاہر ہوگا وہ تو منافی اسلام نہیں، اسی طرح اگر کچھ بیماریوں میں اللہ نے تعدیہ کا اثر رکھا ہے اور مشاہدات، تجربات اور ماہرین کے بیانات سے واضح ہے تو اس کے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں، اور وہ تمام احادیث جن سے بیماریوں کا تعدیہ ثابت ہوتا ہے ان سے بھی یہی حقیقت واضح ہوتی ہے،، لہذ النصوص، تجربات اور تحقیقات سے کچھ بیماریوں کا تعدیہ ثابت ہے۔

زمانہ اسلام میں بھی لوگ قدیم تصور کی بنا پر اور زمانہ کفر میں تو تقریباً لوگوں میں اس باطل عقیدے کا شیوع تھا، کہ بیماریوں کا تعدیہ امر لازم ہے، اسی طرح آج بھی ہوسکتا ہے کہ اھل ایمان میں سے کوئی فرد اور اھل کفر بکثرت لوگ اس تصور کے حامل ہوں کہ کچھ بیماریوں میں چھوت کی صفت امر لابدی ہے، اور اس تعدیہ میں اللہ کی مشیت کو کوئی دخل نہیں ہے، ان کی نظر میں بیماری کا درجہ یہ ہے کہ وہ مؤثر حقیقی ہے اور بہر حال دوسرے کو لگ جانا ناگزیر ہے۔

اس باطل عقیدے کی بنیاد تعدیہ کو مؤثر حقیقی سمجھنا ہے یعنی اللہ چاہیے یا نہ چاہے، اسکا منشاء و مشیت ہو، یا نہ ہو بیماری یقیناً دوسرے کو لگ جاتی ہے، یہ باطل تصور چونکہ عقیدۂ توحید و عقیدۂ تقدیر دونوں کے خلاف ہے، اس لئے اس کی نفی کے لئے ارشاد فرمایا گیا:

"لا عدوی و لاطيرة." (بخاری)

گویا اس ارشاد مبارک کا مقصود عقیدے کی درستگی اور باطل تصور کی نفی ہے، نہ کہ اسباب کے درجہ میں دوسرے کو بیماری لگنے کی نفی عقیدۂ ایمانی کی درستگی اس میں ہے کہ مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ کسی بیماری میں تعدیہ کی صلاحیت خالق کائنات کی مشیت کے تابع ہے، جس شخص کا یہ عقیدہ ہو اس شخص کو یہ ترغیب دی گئی کہ وہ متعدی ہونے والے امراض میں مبتلا شخص سے دور رہے۔

اور اس سلسلے میں جو احتیاطی تدابیر اختیار کرنا اس مرض سے بچاؤ میں مفید ہوں ان کو اسباب کے درجہ میں اختیار کریں، اور تسلسل سے اس پر عمل پیرا رہیں۔

اور جس شخص کا عقیدہ یہ ہو کہ تعدیہ امر لازم ہے اس کو فرمایا گیا لاعدوی اور فمن أجرب الأول غرض کہ ان دونوں قسم کی احادیث کے محمل و مصداق الگ الگ ہیں۔

خلاصہ یہ کہ کچھ بیماریوں میں صفت تعدیہ کا ہونا احادیث سے ثابت، تجربات و مشاہدات سے واضح ہے، اس لئے اس کا انکار کرنا ممکن نہیں۔ البتہ تعدیہ کے عدم اثبات کی روایات کی وہ توجیہ کی جائے گی جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہوں۔

محور دوم:

اس محور کے ذیل میں تحریر کئے گئے سوال کے جوابات اختصار کے ساتھ درج ذیل ہیں:

ا- کرونا کی پھیلی ہوئی اس صورت حال جس میں طبی ہدایات بھی اور حکومت کی طرف بھی تاکیدی حکم ہے، اس میں گھروں میں نماز پڑھنا درست ہے، اس میں ترک مساجد تو یقیناً ہے، مگر شریعت نے جن اعذار و احوال میں گھروں میں نماز کی ادائیگی کی گنجائش دی ہے، بلاشبہ یہ صورت حال

اس میں داخل ہے، فقہائے کرام نے احادیث کی روشنی میں جن عوارض کو مساجد کے بجائے گھروں میں نماز پڑھنے کے لیے وجہ جواز بنایا ہے اس کا ایک شاندار مظہر یہ ارشاد مبارک بھی ہے جو صرف سردی اور بارش کی وجہ فرمایا:

ألا صلوا في الرحال. (بخاری رقم ۶۳۲)

اس کے علاوہ احادیث میں ترک جماعت کی اجازت جن امور کی بنا پر ہے ان میں خوف مرض شامل ہے، اس لیے کرونا کے خطرات کی بنا پر مساجد کے بجائے گھروں میں نمازیں پڑھنا درست ہے، گھروں میں چوں کہ ہر شخص اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہائش کر رہا ہوتا ہے، اس کے معنی یہ ہیں وہ وائرس سے محفوظ ہیں، اس لیے اہل خانہ کے ساتھ جماعت ادا کرنے میں کوئی مانع نہیں، غرض کہ وائرس کے لگنے کا پھیلاؤ اگر روز افروز ہو اور مسجد میں جانے سے وائرس کے لگنے کا ظن غالب ہو تو مسجد کے بجائے گھروں میں نماز پڑھنا درست ہے البتہ جماعت کا اہتمام ضروری ہے۔

اِس لیے کہ حدیث میں ہے:

"إن صلوة الرجل مع الرجل ازکی من صلوة وحدة" (ابو داؤد)

دوسری مشہور حدیث ہے:

"صلوة الجماعة تفضل على صلوة الرجل وحده بسبع وعشرين درجة" (بخاری، مسلم، ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۱)

مساجد کے بجائے گھروں میں نماز کم از کم جماعت کی فضیلت کے ساتھ ہو تو یہ بہر حال اوّلیٰ اور افضل ہے، اور موجودہ صورت حال میں جماعت کا اہتمام کرنا ضروری ہے، ورنہ مساجد سے دور اور پھر انفرادی نماز، وہ بھی جب مسلسل ہو، نماز کی اہمیت کو کم سے کم کرنے کا ذریعہ ہوگا۔

گھروں میں نماز ادا کرنے کے سلسلے میں یہ دو واقعہ نہایت اہم مستدل ہیں، حضرت نبی کریم علیہ السلام جب گھوڑے سے گرے تو آپ نے تقریباً ایک ماہ تک اپنے حجرہ مبارک میں نماز ادا فرمائی؛ (بخاری و مسلم عن انس)

دوسرا واقعہ مرض الوفات میں آپ نے سترہ نمازیں اپنے حجرہ میں ادا فرمائیں اور مسجد میں حضرت صدیق اکبر کی امامت میں نماز ادا ہوئیں؛ گویا مرض کی بنا پر گھروں میں نماز پڑھنے کی رخصت خود عمل رسول سے ثابت ہے۔

ترمذی میں روایت ہے۔ عن جابر قال: کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فأصابنا مطر، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من یشاء فلیصل فی رحلہ (ترمذی رقم الحدیث ۴۱۸) غور کیا جائے کہ بارش میں بھیگنے، سردی لگنے، کیچڑ لگنے کے خطرات ہی ہیں، جب ان نسبتہً کم پریشان کن خطرات میں رخصت دی گئی تو کرونا کے لگنے کا خطرہ یقیناً بڑا اور بڑھا ہوا خطرہ ہے، اس میں بھی اجازت ہوگی۔

۲- کرونا کی وجہ سے ایک ہی مسجد میں ایک سے زیادہ جماعت اور متعدد مرتبہ جمعہ چند شرائط کے ساتھ درست ہے۔

شرائط یہ ہیں: وائرس کے لگنے کا ظن غالب ہو، احتیاطی تدابیر مثلاً ماسک اور فاصلہ کے غیر مؤثر ہونے کا خدشہ ہو، مسجد میں ایک ہی جماعت کرنے پر بھیڑ کی وجہ سے کرونا کے پھیلاؤ کا خطرہ ہو، حکومت کی طرف سے بڑی جماعت کرنے پر سخت پابندی ہو، اور خلاف ورزی کرنے پر مساجد کے بند کر دینے کا خدشہ ہو تو ایسی صورت میں "اھون البلیتین" پر عمل کرتے ہوئے وقفوں کے ساتھ اگر پنج وقتہ جمعہ جماعت میں تکرار ہو یا جمعہ متعدد مرتبہ پڑھا جائے تو درست ہوگا۔

البتہ جماعت ثانیہ میں نماز کی ہیئت اوّلیٰ میں تبدیلی کی جائے، اذان تو ایک ہی کافی ہوگی، مگر اقامت ہر ہر جماعت کے لیے ہو، امام کی جگہ تبدیل کی جائے، پہلی جماعت کے لوگ فارغ ہو کر جب اپنے گھروں کو چلے جائیں تو دوسری جماعت کھڑی کی جائے۔

حنفیہ کے یہاں ظاہر الروایۃ بھی اور فتوی بھی اسی پر ہے کہ بلاشبہ بے ضرورت تکرار جماعت وہ تحریمی ہے، اور اس کی وجہ اکثر فقہاء کے

یہاں یہ ہے کہ تکرار دراصل تقلیل جماعت کا سبب ہے، چنانچہ بدائع الصنائع، الفتاوی الہندیہ اور دالمختار میں یہی ہے، موجودہ صورت حال میں تکرار جماعت کی اجازت تقلیل جماعت کا سبب نہیں، اس لیے تقلیل کا سبب تو بیماری کا خطرہ ہے، نہ کہ نمازیوں کا اعراض عن جماعت اوّلیٰ، اور یہ اجازت بھی اس مخصوص الحال کے محدود ہے۔

۳- وباء کے ایام میں گھروں یں جمعہ اصولا درست نہیں ہے، اس لیے کہ جمعہ کی جماعت، اذن عام، خطبہ، جہری قرأت اور جمعہ کے لیے کئی قسم کے اہتمام مثلاً مسجد میں پہنچ کر امام کے قریب بیٹھنے کی کوشش اور تخطی رقاب سے بچنے کا حکم وغیرہ یہ تمام جمعہ کے اہتمام شان پر دلالت کرتے ہیں، اور گھروں میں جمعہ کی اجازت دراصل جمعہ کے ان تمام احکام کے ترک ہوجانے کا ذریعہ ہوگی، اور اس سے جمعہ کی عظمت اور اس کا مقام یقیناً متاثر ہوگا، اس لیے گھروں میں جمعہ کی ادائیگی کی اجازت کے بجائے مساجد میں تعدد جمعہ کا حکم دیا جاسکتا ہے۔

وہ آبادی جن میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہوں وہاں مختلف مساجد میں جمعہ ادا کرنا ممکن ہے، اور اگر ایک ہی مسجد ہو تو اس میں متعدد مرتبہ الگ الگ امام جمعہ ادا کرسکتے ہیں۔

لیکن اگر کوئی بستی ایسی ہو جہاں شرائط جمعہ پائی جائیں اور بستی میں متعدد مساجد نہ ہوں اور ایک ہی مسجد میں تعدد جمعہ بھی نہ ہوسکے تو پھر کھلے میدان، بڑے صحن، سکولوں یا مدرسوں کے بڑے کھلے ہوئے احاطوں میں جہاں سب کے لیے اذن عام ہو جمعہ کی نماز ادا کرنے کی اجازت ہوگی۔

”لوصلی الجمعة فی قریة بغیر مسجد جامع والقریة کبیرة :....جازت الجمعة ....بنو المسجد أولم یبنوا .

(کبیری ۱/ ۵۵۰)

اسی طرح کی صراحت دوسری کتب فقہ میں بھی موجود اور موجودہ ہے اس مشکل صورت حال میں جمعہ سے محروم ہونے خصوصاً وہ مسلمان جو صرف جمعہ نمازی ہیں ان سے دین کا ربط صرف جمعہ تک محدود ہے، یہ آخری حل ہے جو اس مسئلہ میں ممکن ہے۔

۴- اگر مساجد میں جمعہ نہ پڑھا جاسکا، نہ تعدد جمعہ پر عمل ہوسکا، نہ بڑے محلوں وسیع احاطوں، کھلے میدانوں میں جمعہ کی ادائیگی ہوسکی تو پھر گھروں میں جمعہ کی ادائیگی درست نہیں۔

جمعہ کی نماز یقیناً پنج وقتہ نمازوں سے الگ اور ممتاز ہے، اس میں مخصوص اجتماعیت ہے، مقررہ شرائط ہیں، خطبہ ہے، جہری قرأت ہے اور اذن عام شرط ہے، ظاہر ہے جب گھروں میں جمعہ پڑھا جائے گا تو اگرچہ جماعت جہری قرأت پر عمل ہونا ممکن ہے، مگر اذن عام نہیں ہوگا، اور مساجد میں جو بیمار جمعہ نہ پڑھ سکے اس کے لیے ظہر ہے، اس سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند اور متعدد دیگر اداروں کی طرف سے یہی فتویٰ سامنے آیا کہ اگر جمعہ ادا نہ ہو پایا اور جو لوگ مسجد کے جمعہ میں شریک نہ ہوسکے، وہ یا تو بستی کی کسی دوسری مسجد میں جمعہ ادا کریں یا کسی میدان میں...اگر یہ بھی نہ ہوسکا اور ان کو گھروں میں نمازوں کے پڑھنے کے بغیر کوئی چارہ نہ رہے تو پھر جمعہ نہیں بلکہ ظہر ادا کریں، چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ میں متعدد تصریحات فقہیہ نقل کرنے کے بعد ہی حکم دیا گیا کہ گھروں میں نماز ظہر تنہا تنہا پڑھیں، یہ فقہ کا معروف مسئلہ ہے۔

اس جگہ یہ تجویز پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خدانخواستہ جس علاقہ یا جس شہر میں جمعہ کی ادائیگی کے لیے ایسی رکاوٹ پیدا ہوجائے کہ مساجد میں سب لوگ جمعہ ادا کرنے نہ پہونچ سکیں تو اس بستی کے لوگ بستی کی متعدد مساجد یا کھلے میدانوں، بڑے احاطوں میں وقفہ وقفہ کے بعد جمعہ کی ادائیگی کا نظام بنائیں جیسا کہ سال گذشتہ اس پر متعدد مقامات پر عمل ہوا ہے۔

۵- کرونا کے دنوں میں عید کی نماز گھروں میں پڑھنے کے متعلق حکم یہ ہے کہ بستی کے باہر کھلے میدانوں میں نماز عید متعدد مقامات پر پڑھی جائے، اگر اس میں کوئی واقعی مانع موجود ہو تو پھر بستی کی متعدد مساجد میں مختلف اوقات میں نماز عید ادا کرنا درست ہوگا، اگر بالفرض اس پر بھی عمل نہ

ہوسکا تو بڑے مکانوں کے کھلے صحنوں میں اذن عام اور اعلان اور دعوت کے ساتھ تمام ضروری احتیاط پر عمل کرتے ہوئے نماز عید ادا کر سکتے ہیں۔

اگر اس پر عمل نہ ہوسکے اور لوگ اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھنے پر مجبور ہو جائیں تو اپنے گھروں میں انفرادی طور پر دو یا چار رکعات نماز ادا کرنا کافی ہے۔

چنانچہ دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ یہی جاری ہوا اور اس سلسلے میں اصل متدل ہے۔

عن ابن مسعودؓ قال: من فاته العيد فليصل أربعا ،(طبرانیء رقم ۹۵۳۳)

دراصل عیدین کے لیے وہی شرائط ہیں جو جمعہ کے لیے ہیں، اب اگر جمعہ کا اجتماع نہ ہوسکے تو جو حکم اس کے لیے ہے وہی حکم عیدین کے لئے۔ جب عیدین کا اجتماع نہ ہو پائے۔

إن فسدت أوفاتت عن وقتها مع الإمام سقطت ولا يقتضيها عندنا، ولكنة يصلى أربعا مثل صلوة الضحىٰ، (بدائع الصنائع :باب صلوة الجمعة)

۶۔ معمول کے احوال میں بغیر کسی عذر منہ، ناک، ڈھانپ کر نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء کی واضح تصریحات کے مطابق کراہت کا حکم ہے چنانچہ بدائع میں ہے، ویکرہ ان یغطی فاہ فی الصلوۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن ذلک.......(بدائع الضائع ۵۰۶ ج۱)

آگے یہ بھی لکھا ہے:ولوغطاه بثوب فقد تشبه المجوس، لأنهم يتلمثون فى عبادتهم، وقد نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن التلثم فى الصلوة، درمختار میں ہے:

’’يكره اشتمال الصماء والاعتجار والتلثم‘‘ اس پر علامہ شامیؒ نے لکھا :

التلثم هو تغطية الأنف والغم فى الصلوة (٦٥٢ ج ١)

لیکن موجودہ صورت حال جس میں کرونا سے بچنے کے لیے اور اس کے پھیلنے سے حفاظت کے لیے یعنی دوسرے متاثر فرد سے کرونا کا وائرس نہ لگے، اور خود متاثرہ فرد کا وائرس دوسرے کو نہ لگے، اس کے لیے ماسک ایک اہم حفاظتی تدبیر ہے، اور اس میں ناک اور منہ دونوں کو ڈھانکنا ضروری ہے۔

اس غیر معمولی صورت حال میں ناک اور منہ کو بند کر کے اور ڈھانپ کر نماز میں جو کراہت ہوتی ہے وہ مرتفع ہوگی، اس لیے کہ ضرورتاً منہ اور ناک ڈھانکنے کی اجازت خود شریعت میں موجود ہے، اگر کسی انسان کو بار بار چھینک آئے یا جمائی آتی ہو تو اس کو منہ ڈھانکنے کی اجازت ہے، اور اجازت کے معنی یہ ہوں گے کہ اس ضرورت کی بنا پر منہ، ناک ڈھانک کر نماز پڑھنے میں کراہت نہ ہوگی۔

"إذا كانت التغطية لدفع التثاوب فلا بأس به "(بدائع ٥٠٦ ج ١)

کرونا سے تحفظ کے لیے ماسک لگا کر نماز پڑھنے کے غیر مکرہ ہونے کی صراحت کے ساتھ یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ ماسک کے ذریعہ خود کا تحفظ بھی ہے اور دوسرے شخص کا تحفظ بھی، لیکن اس تحفظ کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب دو شخص آمنے سامنے قریب ہوں اور یک کا سانس دوسرے تک پہونچ جائے۔

نماز میں انسان کے سامنے کوئی نہیں ہوتا، اس لیے قیام، رکوع سجود میں کسی دوسرے کا وائرس اس کو لگنے کا امکان بہت کم یا سرے سے ہی نہیں ہے اس لیے بہتر ہے کہ انسان کے ماسک لگا کر مسجد آئے، اور ماسک کی حالت میں ہی رہے البتہ جب نماز شروع کرے چاہے نماز سنن ہوں یا فرائض تو ماسک نکال دے اور نماز اس طرح ادا کرے کہ اس کے منہ پر ماسک نہ ہو، پھر جوں ہی نماز ختم ہو جائے تو پھر ماسک پہن لے یہ افضل ہے، تا

ہم جس شخص نے لگائے رکھا اور نماز پڑھ لی تو اسکی نماز کو مکروہ نہیں کہا جائے گا۔

عن قتادة أن الحسن كان يرخص فى أن يصلى الرجل وهو متلثم (مصنف ابن ابى شيه، مصنف عبد الرزاق ٤٥٥ ح ٢)

جماعت کی نماز میں صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا مسئلہ نہایت اہم ہے،نصوص شرعیہ میں صفوں کے درست رکھنے، اتصال کے ساتھ کھڑے ہونے ،کندھوں سے کندھا ملانے ، یا درمیان میں فصل اور فرجہ نہ رکھنے کی جوتا کید ہے،اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ فاصلے رکھنے کی سرے سے اجازت ہی نہ ہو،اور اس میں شک نہیں کہ شریعت کا اصل حکم یہی ہے کہ نمازیوں کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہو،اب سوال یہ ہے کہ موجودہ صورت حال میں کیا فاصلے رکھ کر نماز پڑھنے کی گنجائش ہوگی یا نہیں؟

اس میں بھی شک نہیں،تمام طبی ماہرین کی تلقین یہ ہے کہ فاصلے رکھنا وائرس سے محفوظ رہنے کی اہم ترین حفاظتی تدبیر ہے اور مزید یہ حکومت کا بھی اس سلسلے میں بار بار تاکیدی ہدایات جاری کرنے کا سلسلہ جاری ہے،اور فاصلوں کے ساتھ نماز ادا کرنے کا عمل حرمین شریفین اور دوسرے بہت سارے مسلم معاشروں میں وہاں کے مستند اہل علم کی اجازت و رہنمائی سے پایا گیا،اس پورے منظرنامے کو سامنے رکھ رائے یہ ہے،نمازی کے دائیں بائیں اتنا فاصلہ رکھنے کی گنجائش ہے جو وائرس سے محفوظ رہنے کے لیے ماہر طب وصحت مقرر کر رہے ہیں،اور وہ کم از کم نصف میٹر اور زیادہ سے زیادہ ایک میٹر ہے،یا دوسرے لفظوں میں جو فاصلہ ایک صف اور دوسری صف کے درمیان ہوتا ہے،اتنا ہی فاصلہ ایک نمازی اور دوسرے نمازی کے درمیارن کھا جا سکتا ہے۔

دراصل ایک ہے عزیمت اور ایک ہے رخصت،کسی عمل کو انجام دینے کی بہتر سے بہتر صورت جو تمام آداب سنن و مستحبات کے ساتھ ہو، یہ عزیمت اور ایک ہے فراغ عن الذمہ ہو جائے ،اور ترک کی محرومیت سے محفوظ رہیں ، زیر غور مسئلہ میں عزیمت تو اتصال صفوف کے ساتھ نماز کی ادائیگی ہے،مگر اس مخصوص صورت حال کی بنا پر فاصلہ رکھنے وائرس لگنے کا خطرہ الگ ،اور حکومت عائد کردہ پابندی کی خلاف ورزی پر مساجد کے کلی طور پر مقفل ہو جانے کا خطرہ مزید ہے،تو ایسی صورت حال میں فاصلہ رکھنے کی رخصت ہونی چاہئے ،اس کے لیے مقیس علیہ السلام وہ شخص ہے، جو مسجد کبیر کی آخری صف میں نماز پڑھنے۔

۴۔اگر کرونا کی وبا سے وفات پانے والا اس طرح بغیر جنازہ کے بالفرض کہیں دفن کر دیا گیا ہو کہ اس کا مقام دفن بھی معلوم نہ ہو سکے اور قبر معلوم ہونے کی کوئی صورت بھی نہ ہو تو اس صورت حال میں حنفیہ کے مسلک کے مطابق تو غائبانہ جنازہ پڑھنا درست نہیں اور اس میں شک نہیں کہ یہ موقف دلائل کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔

مگر اس مخصوص صورت حال میں دیگر ائمہ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے ،اور نجاشی کے جنازہ کو مقیس علیہ بنا کر اس میت پر جنازہ پڑھنا درست ہونا چاہئے ، یہ غائبانہ جنازہ میت کے پسماندگان کے لیے بہت اہم وجہ تسکین بھی ہوگی جس کی ان کو شدید ضرورت ہوتی ہے،اور یہ اس لیے کہ پسماندگان شرعی طور پر تکفین و تجہیز اور جنازہ و تدفین کر کے یک گونہ سکون محسوس کرتے ہیں،مگر جب میت کا نہ کفن ہو نہ جنازہ ہو، نہ مقام تدفین معلوم ہو تو ان کو زندگی بھر ایک خلش ،حسرت اور افسوس رہتا ہے،اب یہ غائبانہ جنازہ ان کو کسی نہ کسی درجہ وجہ تسکین بن جاتا ہے۔

اگر یہ جنازہ ادا بھی نہ ہوا تو بھی میت کے لیے دعائے مغفرت ضرور ہوگا۔اس صورت حال میں یہ غائبانہ جنازہ کسی امر ممنوع کا ارتکاب نہیں ہے بلکہ یہ صرف ایسا عمل ہوگا جو اگر حقیقی جنازہ کی ادائیگی قرار نہ پائے ،مگر نہ کسی گناہ کا صدور بھی نہیں کہلائے گا۔

خصوصاً جب کہ غائبانہ جنازہ پڑھنے کا عمل چاہے یک ہی مرتبہ خود شارع علیہ السلام سے ثابت ہو تو یہ گناہ ہو ہی نہیں سکتا۔

ہمارے بہت سارے اساطین کا غائبانہ جنازہ پڑھا جاتا رہا ہے، ماضی میں مفکر اسلام حضرت ،مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کا غائبانہ

جنازہ حرمین شریفین میں رمضان المبارک کی مبارک ساعتوں میں لاکھوں مسلمانوں نے پڑھا، اور مکہ مکرمہ و مدینہ المنورہ دونوں جگہ ہوا لہٰذا اس موجودہ صورت حال میں اس کی گنجائش ہونی چاہیے ایسے نامعلوم مقام پر دفن شدہ میت کا غائبانہ جنازہ ہو۔

۵-کرونا میں وفات پانے والا شخص شہید دنیوی تو یقیناً نہیں ہے مگر طاعون وغیرہ وبائی امراض اور غریق، حریق، مبطون پر قیاس کرتے ہوئے کیا بعید ہے کہ جو مسلمان اس میں وفات پائے وہ آخرت میں ویسا ہی شہید ہوگا جیسا کہ طاعون کی بیماری میں مرنے والا، یا دوسرے ان حادثات میں فوت ہونے والا جن کو احادیث میں شہید قرار دیا گیا، بخاری کتاب الطب کی مشہور حدیث ہے۔حضرت عائشہ کا بیان کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ایک عذاب ہے جو اللہ جس کے لیے چاہتے ہیں بھیج دیتے ہیں پھر اس کو اھل ایمان کے لیے رحمت بنا دیتے، پس کوئی مومن بندہ ایسا نہیں جو طاعون کا شکار ہو جائے، پھر وہ صبر کے ساتھ اسی جگہ ٹھہرا رہے اور وہ یہ یقین رکھے کہ اس کو وہی پہونچے گا جو اللہ نے اس کے لیے لکھا ہوگا، پھر تو اس کو شہید کا اجر ملے گا۔(بخاری: رقم الحدیث: ۵۷۳۴)

اس حدیث کی بنا پر امید ہے کہ کرونا سے متاثر اگر اسی علم ویقین کی کیفیت ے ساتھ فوت ہوا تو اللہ کے یہاں اسے اس شہید جیسا اجر ملے، جو طاعون وغیرہ کے شہید کا ملنا احادیث سے ثابت ہے، لیکن بالفرض خدانخواستہ اگر کوئی صاحب بیماان اس وائرس کی وجہ سے موت کا شکار ہوا اور وہ تسلیم ورضا کی کیفیت سے محروم ہو، وہ گلہ وشکوہ سے اللہ کی مشیت وفیصلے پر معترض ہو چاہے وہ اعتراض زبان پر نہ آئے، مگر قلب ودماغ اس اعتراض سے شاکی ہو، تو جو کیفیت صبر ورضا بالقدر کی کیفیت ایمانی سے محروم ہو تو خطرہ ہے کہ وہ شہید کا اجر پانے سے محروم ہو سکتا ہے۔

محور ششم

اس محور کے ذیل اس دو مسائل پوچھے گئے ہیں، دونوں کا جواب حاضر ہے:

۱-الکوحل آج کے عہد میں نہایت کثیر الاستعمال چیز ہے، بلکہ شاید حقیقت یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ ہر شخص کے استعمال میں کبھی نہ کبھی یہ شعوری یا غیر شعوری میں آتی ہی ہے، چاہے دواؤں کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو۔

یہ الکوحل چیزوں میں چاہے ماکولات ہوں، مشروبات ہوں، یا خارجی ستعمال کی اشیاء ہوں یا تو ان کو خراب ہونے سے بچانے کے لیے ہوتا ہے، اور یا پھر ان اشیاء کی تاثیر اور وصف میں مزید قوت اور شدت پیدا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

الکوحل کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ الکوحل جو قدرتی اشیاء مثلاً پھل پھول اور دیگر نباتات سے تیار کیا جاتا ہے، اس کو عربی میں الکوحل الطبیعہ اور انگریزی میں اس کو Natural Alcohal کہتے ہیں۔

وسرا الکحل وہ ہوتا ہے جو پیٹرول اور دوسرے کیمیکل سے بنایا جاتا ہے، اس کو عربی میں ”الکوحل الصناعیہ“ اور انگریزی میں Senthetic Alcohal کہا جاتا ہے۔

ماہرین سے تفصیل سے گفتگو کے بعد معلوم ہوا کہ آج کل عموماً یہی دوسری قسم کا الکوحل استعمال ہوتا ہے، ہاں کچھ ماہرین کا کہنا ہے عطریات اور کچھ کھانے پینے کی اشیاء میں پھلوں پھولوں اور سبزیوں اور دوسرے نباتات سے تیار شدہ الکوحل استعمال ہوتا ہے، مگر وہ انگور اور کھجور سے کشیدہ کردہ نہیں، بلکہ دیگر فواکہ، خضراوات الکوحل کا استعمال دو طرح سے ہوتا ہے، خارجی اور داخلی، خارجی استعمال مثلاً عطریات، روشنائی، پینٹس، رنگ وروغن اور سینی ٹائزر، سپرے، کریم، لوشن وغیرہ۔

داخلی استعمال مثلاً آئس کریم، کچھ بسکٹ، پیسٹری، مٹھائیاں، چاکلیٹ، کیک اور کھانے کی دوائیوں کے علاوہ طانکوں میں۔ الکوحل کی اس

اوپر کی مختصر تفصیل کوملحوظ رکھ کراب شرعی حکم اختصار کے ساتھ لکھا جا تا ہے۔

فقہاء میں تین ائمہ مجتہدین امام مالک امام شافعی ،امام احمدؒ اور حنفیہ میں امام محمدؒ ہرقسم کے الکوحل کوحرام بھی قرار دیتے ہیں ،اور ناپاک بھی۔ لہٰذااس نقطۂ نظر کے مطابق اس کا استعمال درست بھی نہیں۔

حضرت امام اعظم اور امام ابو یوسف کھجو راور انگور کے الکوحل کوجس کے بنانے کے چار طریقے ہیں اس لیے اشربہ اربعہ کہلاتے ہیں ،نجس اورحرام قرار دیتے ہیں۔

اوران دویعنی کھجوروانگور کے علاوہ کسی بھی چیز سے تیار شدہ الکوحل کووہ اس صورت میں حرام قرار دیتے ہیں جب سکراورتخامر یعنی نشہ تک پہونچادے،اور،نجس ہونے یا نہ ہونے کے متعلق ان کی رائے یہ ہے کہ نجس نہیں ،اس لیے خارجی استعمال میں آنے والی جس چیز میں بھی الکوحل شامل ہووہ ناپاک بھی نہیں ہوگی اوراس کی خرید وفروخت بھی جائز ہوگی۔

بعد کے تمام فقہاء نے اس موقف کو بوجہ ضرورت شدیدہ اس لیے اختیار کیا کہ اس سے بہت سارے مسائل حل ہوں گے۔

سینی ٹائزر کی تمام اقسام میں یا تو پیٹرول یا اوردوسرے کیمکلز سے تیارشدہ ،الکحل ہوتا ہے، یا سبزیوں ، پتوں ، پھلوں کے چھلکوں اوردوسرے نباتات سے تیارشدہ الکحل۔

اس الکوحل کے متعلق چند فتاویٰ ملاحظہ ہوں ، پھرحکم لکھا جائے گا،حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا:

عمومی مجبوری ایسی چیز ہے،جس میں بہر حال وسعت ہوجاتی ہے،لہٰذااس میں سختی نہیں کرنی چاہئے ،جس سے ہوسکے وہ (ان اشیاء،جن میں الکوحل شامل ہو)احتیاط کرے۔

یہاں سے انگریزی دواؤں ٹینکچروں کا حکم معلوم ہوا۔

اگرچہ اسپرٹ (الکوحل) کی کچھ اقسام حضرت امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی تحقیق کے مطابق پاک ہیں،، کیوں کہ ہر اسپرٹ (الکوحل) شراب کی ان چار اقسام سے نہیں ،بنتی جو بالاتفاق حرام ہیں، پس ایسی اسپرٹ کا استعمال امام ابوحنیفہ وامام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہیں(بہشتی زیور)

حضرت مولانا رشید احمد لدھیانویؒ نے لکھا:

حضرات فقہاء نے فسادزمان کی حکمت کی بناپرامام محمد کے قول کومفتی بہ قرار دیا ہے۔مگراب عموم بلوی اور ضرورت تداوی کے پیش نظر اصل مذہب حنفیہ یعنی مذہب شیخین کے مطابق جواز کافتویٰ دیا جاتا ہے۔(احسن الفتاویٰ ۸/۴۸۱)

حضرت مولانا محمدتقی عثمانی دامت برکاتہم نے لکھا۔

وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة التي عمت بها البلوى اليوم ـفإنها تستعمل فى كثير من الأدوية والمركبات الأخرىٰ ...فإنها اتخذت من العنب والتمر فلا سبيل إلى حلتها أو طهارتها ،وإن اتخدت من غير هم فالأمر منها سهل على مذهب أبى حنيفة ولا يحرم استعما لها للتداوى اوّل أ غراض مباحة أخرى، مالم تبلغ حد الاسكار لانها تستعل مركبة مع المواد الاخرى ...ولا يحكم بنجاستها بقولى أبى حنيفة ـ

وان معظم الكحول التى تستعمل اليوم فى الادوية والعطور وغير هالا تتخد من العنب اوالتمر إلى تتخذ من الحبوب والقشور و بترو وغيره، حينئذ هناك فسحة فى الأخذ بقول أبى حنيفة عند عموم البلوىٰ، (تكمله فتح الملهم ٥٠٦/ح ٩)

اس اوپر کی تحقیق کے نتیجے میں واضح ہے کہ ہرقسم کے سینی ٹائزر میں استعمال ہونے والا الکوحل دوسری قسم کا ہے،اس لیے بلاتردد آج استعمال

ہونے والا یہ سینی ٹائزر اور قسم قسم کے جراثیم کش سپرے پاک ہیں، سپرے جو عموماً روغن اور فرش وفروش کی صفائی میں استعمال ہوتے ہیں۔

اس لیے ضرورت شدیدہ، عموم بلوی کی وجہ سے حضرات شیخین کی رائے کے مطابق پاک ہیں، بلکہ اب پورے عالم میں عملاً اس پر پوری طرح اجماع ہے۔

۲-اس محور کا دوسرا سوال ویکسین کے متعلق ہے، جواب حاضر ہے۔

ویکسن کے متعلق متعدد طبی ماہرین بلکہ خصوصاً اس شعبہ سے وابستہ کچھ دیندار میڈیکل کے اسپیلشٹ سے تفصیلی گفتگو کے بعد جو حقیقت سامنے آئی ہے، وہ یہ ہے کہ اس ویکسین میں کوئی حرام یا نجس جز و شامل نہیں ہے، حرام اجزاء چاہے وہ غیر ماکول الکحل جانور کا کوئی جز ہو، یا ماکول اللحم غیر مذبوح کا کوئی جز اگر یہ ویکسین میں شامل ہوتا تو کہا جاسکتا تھا کہ اس میں یہ حرام جز شامل ہے، مگر متعدد ماہرین جو مسلمان اور دیندار اور حاذق ہیں، کی گواہی یہ ہے کہ ایسا کوئی جز و اس ویکسین میں نہیں۔

دوسری چیز جو اس کو حرام بنا سکتی ہے وہ یہ کہ اس میں کھجور یا انگور سے تیار شدہ الکوحل شامل کیا گیا ہو۔ مگر ایسا بھی نہیں ہے۔

جب اس میں کسی حیوان کا کوئی جز شامل ہی نہیں، اور اس طرح کوئی شئی مسکر بھی خلط نہیں کی گئی ہے تو اس کو نہ حرام کہا جاسکتا ہے، اور نہ ہی نجس۔

رہی بات کیا اس میں ایسے مضر اثرات ہیں جو جسمانی طور پر ضرر رساں ہیں، تو اس کا فیصلہ ارباب فتاویٰ نہیں بلکہ ماہرین طب کریں گے، تاہم اگر اس میں کرونا سے بچاؤ یا اس کے خطرناک اثرات سے بچنے کے مفید ثمرات پائے جاتے ہیں، اور اسی غرض کے لیے یہ تیاری کی گئی تو اگر اس میں کچھ مضر اثرات ہوں گے تو اس بنا پر اس کو حرام یا ممنوع نہیں کہا جاسکتا۔ اس لیے کہ مضرت کا پہلو تو بہت ساری حلال غذاؤں میں بھی ہے۔ مگر وہ وجہ حرمت نہیں، لہٰذا ویکسین کا استعمال درست ہے، یوں بھی اس کا استعمال انجکشن کی طرح ہوتا، نہ کہ کھانے پینے کی طرح، لہٰذا یہ مباح ویکسین کے متعلق وجوب کا قول اختیار کرنا تو مشکل ہے حتی کہ واجب بغیرہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ یہ اس لیے بھی کہ یہ نفس علاج نہیں بلکہ وقایہ من المرض کے لیے حفظ ماتقدم کے طور پر ایک تدبیر ہے، اور ابھی تک کوئی فرد یا ادارہ دعویٰ نہیں کر سکا کہ جو شخص یہ ویکسین کرے گا وہ یقیناً محفوظ رہے گا، بے شمار وہ لوگ جو یکسین کر چکے تھے، اس کے بعد بھی ان کو اس وائرس کا اثر ہوا اور وہ کووڈ مریض قرار پائے خود یہ راقم الحروف انہی میں سے ہے، جب اس کے بعد بھی وائرس کا حملہ نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ ہے۔ البتہ ویکسین کئے ہوئے شخص کے متعلق نسبتہ یہ امید ہوتی ہے کہ اگر اس پر اثرات ہوئے تو وہ خطر کے حدود سے محفوظ رہتا ہے، چنانچہ معتدد ڈاکٹر صاحبان نے کہا کہ یہ ضمانت نہیں دی جاسکتی کہ ویکسین کے بعد کوئی شخص اس وائرس سے متاثر نہیں ہوگا۔ ہاں یہ امید ظن غالب کے درجہ میں ہے کہ ویکسین کے بعد اگر وائرس کا اثر ہوا تو چوں کہ ویکسین سے قوت مدافعت میں اضافہ ہوا ہوتا ہے، اس لیے خطرے سے محفوظ رہے گا، اور نسبتہ جلد صحت یاب ہوگا۔

اس لیے وجوب کا قول اختیار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ البتہ اس کی افادیت کی وجہ سے اس کی ترغیب وتلقین کی جاسکتی ہے۔

طبی طور پر ویکسین کو لازم قرار دینا ممکن ہے، اور حکومت کی طرف سے بھی اس کو ضروری قرار دینا پایا جا رہا ہے مگر اس کے سب کے باوجود شرعی طور اس کو واجب نہیں کہہ سکتے، ورنہ ترک واجب کا گناہ امت کے ہر اس فرد پر عائد ہوگا جو ویکسین کئے ہوئے نہ ہو۔

محور ہفتم

۱-کرونا کی اس وباء کے لیے اذان دینا درست نہیں، اس لیے کہ اس طرح کی وبائی بیماری اس سے پہلے حتی کہ عہد خیر القرون میں کبار صحابہ کی موجودگی میں پیش آچکی ہے، چنانچہ طاعون عمواس کا واقعہ تاریخی طور پر ثابت ہے، فاروق اعظمؓ، ابوعبیدہ ابن الجراح اور معاذ بن جبلؓ جیسے

اکابر صحابہ اس میں براہ راست شریک تھے۔ بلکہ حضرت معاذ کی شہادت اس میں ہوئی، مگر کہیں کوئی اذان نہیں پڑھی گئی، خود حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طاعون اور اس جیسی بیماریوں کے متعلق ارشادات فرمائے مگر اذان پڑھنے کا کوئی حکم نہیں دیا، فقہاء ومحدثین نے وبائی بیماری کے متعلق ہر پہلو کے احکام بیان فرمائے مگر اذان پڑھنے کا ذکر کسی نے نہیں کیا۔

آگ لگنے، طاعون آنے، آندھیاں چلنے پر اگرچہ اذان پڑھنا مشروع ہے، مگر وبائی امراض کے دفعیہ کے لیے اذان پڑھنا تعامل امت سے ثابت نہیں، نہ ہی فقہائے کرام نے اس طرح کی تصریح کی ہے، مزید یہ کہ اذان پڑھنے کے بعد جب وبائی بیماری نہ ختم ہوگی، نہ کم ہوگی، اس لیے کہ وہ امر خداوندی اور مشیت الٰہی کے تابع ہے، تو آج کے کمزور عقیدوں والے بہت سارے مسلمان اور الحادی افکار سے متاثر بہت سارے تجدد پسند اسلامی تعلیمات کا مضحکہ اڑائیں گے۔ پھر تھالی بجا کر، موم بتی جلا کر اور گائے کا گوبر اور پیشاب پی کر کرونا سے بچاؤ کا نعرہ لگانے والے مضحکہ بن گئے، اسی طرح حق پر بھی طعن کی زبان دراز ہوسکتی ہے۔

بہر حال اصل وجہ یہ ہے کہ وبائی بیماری کے دفعیہ کے لیے نہ کتاب وسنت میں کوئی نص ہے، نہ اقوال صحابہ یا عمل اہل خیر قرون سے اس کا ثبوت ملتا ہے، اور نہ ہی فقہاء کی کوئی تصریح ہے، لہٰذا اذان پڑھنے کا عمل ایک بدعت ہوگا، اور بدعات سے متاثر افراد نے ہی کرونا کے ابتدائی دنوں میں اذان پڑھنے اور پڑھوانے کا عمل شروع کیا تھا۔

۲- دفع وبا کے لیے توبہ استغفار، انفرادی واجتماعی زندگی گناہوں سے پاک کرنا پہلی شرط ہے، مگر اس سے پہلے حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے، کہ اس وقت پورا عالم الحاد، انکار معبود، سرکشی، فحاشی، قتل وغارت گری، ظلم وپر استحصال، قوموں کے ذریعہ قوموں کو برباد کرنے، اللہ کے حرام کردہ کاموں کو شوق اور جذبہ کے ساتھ انجام دینے حتی کہ مقدس ترین سرزمین کو لہو ولعب، رقص وسرور اور عیاشی وفحاشی بلکہ کھلی اباحیت کی آجگاہ بنانے کا جرم ہو رہا ہے، اس لیے صرف چند افراد کا توبہ اور استغفار اللہ کے فیصلے کے بدل جانے کے لیے کافی نہیں ہے تاہم اجتماعی نمازیں اگر جماعت کے ساتھ پڑھی جائیں تو درست نہیں کہ یہ نئی بدعت ہوگی۔ البتہ اجتماعی توبہ استغفار اور دعاؤں میں مضائقہ نہیں۔

کرونا وباء سے متعلق چند اہم سوالات

مفتی انور علی الاعظمی
سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم، مئو

محور اول

(۱) وبا کیا ہے اور شریعت میں اس کے بارے میں کیا تصور ہے؟

وبا ایسی بیماری کو کہا جاتا ہے جو کسی علاقہ میں پھیل جائے اور ایک ہی جیسی بیماری میں بہت سارے لوگ مبتلا ہو جائیں، جیسے طاعون، کالرا، چیچک اور اس دور میں کرونا۔

بخاری شریف کے حاشیہ پر علامہ ابو الولید باجی کی یہ عبارت منقول ہے:

”هو مرض يعم الكثير من الناس في جهة من الجهات بخلاف المعتاد من أمراض الناس ويكون مرضهم واحدا بخلاف بقية الأوقات فتكون الأمراض مختلفة.“ (بخاری شریف: ج۲، ص۸۵۳)

ترجمہ: وبا ایسا مرض ہے جو بہت سارے لوگوں کو شامل ہو، کسی خاص علاقہ میں معتاد بیماریوں کے برخلاف اور سب کی بیماری ایک جیسی ہو، برخلاف دوسرے اوقات کے، جبکہ لوگوں کی بیماری مختلف ہوتی ہیں۔

وبا کا لفظ عام ہے اور طاعون کا لفظ خاص ہے، ہر طاعون وباء ہے لیکن ہر وباء طاعون نہیں ہے۔

(۲) وبائی بیماری کا تصور شریعت میں موجود ہے اور اس سلسلہ میں ہدایات اور رسول اللہ ﷺ کے واضح ارشادات بھی صحیح روایات میں موجود ہیں۔ بخاری شریف میں عبدالرحمٰن بن عوف کا وہ بیان مذکور ہے جو انھوں نے حضرت عمر فاروقؓ کو سنایا، جب حضرت عمرؓ طاعون کے زمانہ میں شام جارہے تھے اور انصار اور مہاجرین کی رائے میں اختلاف تھا، بعض کہہ رہے تھے لوٹ جائیں اور بعض کہہ رہے کہ ہماری رائے یہ ہے کہ نہ لوٹیں۔

(۳) کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے اور اس سے بچنے کے سلسلہ میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل کرنا اور دیگر احتیاطی تدبیر کا شرعی حکم کیا ہے؟

حکومت کی گائڈ لائن پر عمل کرنا اور اس سے بچاؤ کے لیے دیگر احتیاطی تدابیر اختیار کرنا جائز ہے۔ خود اللہ کے رسول ﷺ نے ایسی جگہ جانے سے روکا ہے یہ بھی ایک احتیاطی تدبیر ہی کا حصہ ہے، لہٰذا نہ یہ توکل کے خلاف ہے اور نہ ایمانی تقاضوں کے۔

حکومت کی گائڈ لائن میں ایک تو ماسک لگانا ہے، دوسرے دو گز کی دوری بنانا ہے۔ تیسرے بلا ضرورت گھر سے نہ نکلنا ہے۔ اسی طرح سے اس زمانہ میں ہاتھ ملانے سے منع کیا جاتا تھا، بار بار صابن سے ہاتھ دھلنے کی تاکید کی جاتی تھی۔ ان تمام ہدایات پر عمل کرنا جائز اور مباح ہے، لیکن اگر کوئی شخص ان میں سے کسی چیز کو چھوڑ دے تو وہ شرعاً گنہ گار نہیں ہے، کیونکہ یہ چیزیں مباح کے درجہ میں ہیں، واجب نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ضرر کو

دور کرنے والے اسباب کی تین قسم کیا ہے: (۱) مقطوع (۲) مظنون (۳) موہوم۔

اسباب موہومہ کے چھوڑنے کو جائز کہا ہے اور یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ کبھی کبھی ان کو چھوڑ دینا اختیار کرنے کے مقابلہ میں افضل ہوتا ہے۔ حکومتی ہدایات میں مصافحہ سے روکنا، ہروقت صابن سے ہاتھ دھلنا، گھر سے باہر نہ نکلنا، ہروقت ماسک لگائے رکھنا، ہر آدمی سے دوگز کی دوری بنائے رکھنا، یہ سب اسباب موہومہ میں آتے ہیں، کہیں کہیں تو ان پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

لیکن ہر جگہ اور ہروقت ان پر عمل مشکل ہے، اس لیے انھیں مباح کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری: ج ۲، ص ۱۱۲، مطبع مجیدی کانپور)

(۴) بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے؟

اس مسئلہ میں دو حدیثیں منقول ہیں اور بظاہر دونوں کے مفہوم میں تعارض اور ٹکراؤ ہے۔

پہلی حدیث کا مفہوم ہے کہ بیماری چھوت چھات سے نہیں پھیلتی جبکہ دوسری حدیث میں حکم دیا گیا ہے کہ کوڑھی سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔

ان دونوں حدیثوں کے درمیان اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ یہ بیماریاں اپنی ذات سے متعدی نہیں ہیں البتہ اللہ تعالیٰ صحتمند کے بیمار سے ملنے کو بیماری پھیلانے کا سبب بناسکتے ہیں اگر چاہیں اور نہیں بھی بنا سکے ہیں اگر نہ چاہیں، تو گویا ایک بیمار شخص کی بیماری کا صحتمند آدمی کو لگ جانا اللہ کے حکم سے ہوگا، بیماری کے جراثیم دوسرے کو بیمار بنانے میں اسی وقت مؤثر ہوسکتے ہیں جب اللہ کا حکم ہو، ورنہ جراثیم میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ اپنے اختیار سے دوسرے کو نقصان پہنچاسکیں۔ علامہ ابن صلاح نے دونوں حدیثوں کے درمیان جمع اور تطبیق کا یہی راستہ اختیار کیا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے اس میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ مجذوم سے بھاگنے کا حکم سد ذرائع کے باب سے ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک مریض کا مرض اللہ کی تقدیر سے کسی دوسرے کو لگ جائے اور پھر وہ چھوت چھات کی بدعقیدگی میں مبتلا ہوجائے اور اس کی وجہ سے حرج میں پڑ جائے، اس سے بچنے کے لیے اسے مجذوم سے بھاگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ هکذا فی نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر.

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بیماریوں کے مستقل بالذات متعدی ہونے کی نفی کی ہے البتہ جہاں اللہ کی مشیت ہوگی ایک شخص کی بیماری دوسرے کو متاثر کرسکتی ہے، اس لیے بعض بیماریوں میں احتیاط کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

محور دوم: کرونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف

(۱) کیا کرونا کے زمانہ میں مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنے یا انفرادی نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

جواب:- جب مساجد میں ایک مخصوص تعداد کی پابندی لگادی جائے تو بقیہ لوگوں کے لیے گھروں میں نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی، بہتر یہی ہے کہ لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں تاکہ پورا ثواب ملے، مجبوری میں تنہا بھی پڑھ سکتے ہیں۔

(۲) کرونا کے زمانہ میں ایک مسجد میں ایک سے زیادہ مرتبہ پنج وقتی نماز پڑھنے اور متعدد بار نماز جمعہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

کرونا جیسی وباء کے دور میں جب کہ سرکار کی طرف سے پابندی لگادی جائے تو مجبوراً ایک سے زائد مرتبہ پنج وقتی نماز جماعت کے ساتھ ایک مسجد میں پڑھ سکتے ہیں، بشرطیکہ امام الگ الگ ہوں اور جگہ بھی بدل لی جائے، البتہ متعدد بار جمعہ ادا کرنا یہ جمعہ کی اہمیت کے خلاف ہے، اس لیے اگر بہت مجبوری نہ ہو تو جمعہ کی نماز ایک ہی بار ادا کی جائے۔

(۳) وباء کے زمانہ میں گھروں میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو اس کی کیا شرط ہیں؟

(۵) کیا وباء کے زمانہ میں عیدین کی نماز گھروں میں پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

جمعہ اور عیدین دونوں کی شرطیں قریب قریب یکساں ہیں اور دونوں نمازوں کی ایک شان ہے، اس لیے گھر گھر میں عیدین اور جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے۔ مساجد میں جمعہ اور عید کی نماز قائم کی جائے اور اگر اس سے ضرورت پوری نہ ہو تو بڑے ہال میں یا مکان کی چھت پر ایک محلّہ میں دو چار جگہ اکٹھا ہو کر لوگ پڑھ لیں، تین آدمی یا پانچ آدمی کا گھر گھر میں جمعہ قائم کرنا یہ جمعہ کی شان کے خلاف ہے اسی طرح عیدین کا بھی معاملہ ہے اور ایسا کرنا شریعت کے مزاج کے بھی خلاف ہے۔

(۴) ظہر پڑھنے کی صورت میں باجماعت پڑھیں یا تنہا؟

جمعہ کے دن اگر شرائط جمعہ نہ پائے جانے کی بنا پر ظہر کی نماز گھر میں پڑھتے ہیں تو جماعت کے ساتھ پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقہاء کے یہاں جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا جو مکروہ کہا گیا ہے، اس کی دو علت بیان کی گئی ہے، ایک نماز جمعہ میں تقلیل کا خوف اور دوسرے نماز جمعہ سے معارضہ، اور یہاں یہ دونوں علتیں مفقود ہیں، اس لیے کہ سرکار کی پابندی کی وجہ سے اور جمعہ کی شرط اذن عام مفقود ہونے کی وجہ سے ظہر کی نماز گھر میں پڑھی جارہی ہے، لہٰذا یہاں نہ تو جمعہ سے معارضہ ہے اور نہ نماز جمعہ میں تقلیل کا خوف ہے۔ مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ نے پہلے تنہا نماز پڑھنے کو بہتر کہا تھا لیکن بعد میں انھوں نے اپنی رائے بدل دی اور دلیل میں یہی بات پیش کی۔

(٦) ماسک لگا کر نماز پڑھنے اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟

ماسک لگا کر نماز پڑھنا اور صفوں میں فاصلہ رکھنا سرکار کی گائڈ لائن میں شامل ہے اگر سرکاری عملہ کی طرف سے بہت سختی ہو، نگرانی وغیرہ کا اندیشہ ہو تب تو مجبوری ہے ورنہ اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ کرونا ہی کے زمانہ میں جہاں الیکشن تھا بڑی بڑی ریلیاں کی گئیں، وہاں پر زیادہ تر لوگ ماسک نہیں لگاتے تھے اور دوری بنانے کا سوال ہی نہیں، ہری دوار میں کوئی اشنان تھا، گنگا میں ہزاروں برادان وطن نے اشنان کیا اور وہاں بھی نہ ماسک تھا نہ دوری۔

اس لیے مسجدوں میں بھی اس معاملہ میں سختی کرنے کی ضرورت نہیں ہے جس کا جی چاہے لگا کر پڑھے جس کا جی چاہے بغیر لگائے پڑھے، دوری بنانا تو صفوں کے اتمام اور سد خلل کے صراحۃً خلاف ہے اس لیے اس سلسلہ میں ہمیں سختی بالکل نہیں کرنا چاہیے۔

(۷) کرونا سے متاثر افراد کا مسجد آنا اور جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے؟

کرونا سے متاثر شخص کو مسجد میں بالکل نہیں آنا چاہیے، اس کو آرام کی ضرورت ہے، گھر میں نماز پڑھے، اس کے آنے کی وجہ سے اور دوسرے مصلیوں کے بیچ میں کھڑے ہونے کی وجہ سے صحتمند لوگوں کو الجھن ہوگی اس لیے اس کو اپنے گھر میں ہی نماز پڑھنی چاہیے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کوڑھی سے دور بھاگنے کا حکم دیا ہے، وبائی مرض ہے گھر کے لوگ اس کی خدمت کریں گے، اللہ پر بھروسہ کر کے اس کی دیکھ ریکھ کریں گے ان کی ذمہ داری ہے لیکن مسجد میں آکر سارے لوگوں کے بیچ میں رہنا اس کا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ اس لیے کہ کرونا کے زمانہ میں اگر کسی کو زیادہ کھانسی بھی آتی ہے تو نمازیوں کو الجھن ہوتی ہے۔

(۸) کرونا سے متأثر افراد کے لیے روزہ کا کیا حکم ہے؟

اللہ تعالیٰ نے بیماروں کو روزہ چھوڑنے کی اجازت دی ہے، اگر کرونا کا مریض روزہ رکھنے میں دقت محسوس کرتا ہے یا اس کی وجہ سے اس کے دوا علاج میں رکاوٹ پڑتی ہے تو افطار کرے گا اور بعد میں قضاء کرے گا۔

(۹) کیا کرونا کی وجہ سے عام مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روکا جاسکتا ہے؟

صحتمند لوگوں کو حج وعمرہ سے روکنے کی کوئی وجہ نہیں ہے جو بچاؤ کی تدابیر ہیں ان کو اپنانے کے بعد حج وعمرہ کی اجازت ملنا چاہیے، بہت سارے مسلمان جن پر حج فرض تھا دو سال انھیں روک دیا گیا ان میں سے کتنے لوگ دنیا سے چلے گئے اور اس بڑی نعمت سے محروم ہو گئے، اگر چہ سرکاری رکاوٹ کی وجہ سے وہ معذور سمجھے جائیں گے مگر حج کی خیرات و برکات اور ثواب جو ان کو مل سکتے تھے اس سے وہ محروم ہو گئے، بہت سے لوگوں نے فارم بھی بھرا تھا، لیکن نہیں ج اس کے ایسے لوگ اگر دنیا سے چلے گئے تو امید ہے کہ ان کی نیت کی وجہ سے ان کو ثواب بھی ملے گا، لیکن کرونا کی وجہ سے صحتمند لوگوں کو حج وعمرہ سے بالکلیہ روک دینا یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے، کم سے کم سعودی حکومت کو اس معاملہ میں اپنے ملک کا دروازہ کھلا رکھنا چاہیے۔

محور سوم: کرونا کے زمانہ میں مساجد کو بند کرنا کیسا ہے؟

(۱) کرونا کے زمانہ میں مساجد کو بند کرنا کیسا ہے؟

کرونا کے زمانہ میں مساجد کو بند کرنا ایک غلط اقدام ہے۔ رسول اللہ ﷺ پریشانی کے موقع پر مسجد میں جاتے تھے اور اللہ سے دعا کرتے تھے، ہم کرونا کو اپنے لیے عمومی وبا سمجھتے ہیں اس کا تقاضا یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے منت سماجت کریں۔ اللہ کے گھر میں جا کر اس سے دعا کریں، اپنی عاجزی اور کمزوری کا اظہار کریں۔ پچھلے لاک ڈاؤن میں سرکار کی طرف سے بھیڑ بھاڑ سے منع کیا گیا تھا، مسجدیں جب کھلی رہیں گی تو موقع بہ موقع بغیر بھیڑ کے بھی مسجد میں جا کر باری باری دعاؤں کا سلسلہ جاری رہے گا۔ ایک مسلمان کو بیماری کے بارے میں اپنے دماغ میں یہی عقیدہ بٹھانا چاہیے کہ بیماری کے جراثیم اللہ کے حکم اور اس کی مشیت کے بغیر نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ مصیبت اور پریشانی کے وقت میں بندوں کی بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اللہ کی طرف متوجہ ہوں، مساجد کو بند کرنا ایک طرح سے اپنے آپ کو اللہ سے دور کرنا ہے۔ ایمان والوں کی جو صفات بیان کی گئی ہیں اس میں ایک بنیادی صفت مسجدوں کو آباد کرنا ہے، اور مسجد سے روکنے کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا ظلم قرار دیا ہے، جیسا کہ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِىْ خَرَابِهَا سے مفہوم نکلتا ہے۔ اس لیے اگر سرکار ایسا اقدام کرنا چاہتی ہے تو مسلمانوں کو اس کے خلاف احتجاج کرنا چاہیے اور اپنی طرف سے اس طرح کی بات سوچنا دینی تقاضوں کے خلاف ہے، ہمارے لیے اس سلسلے میں ایک بڑی مثال ہمارا پڑوسی ملک پاکستان ہے، وہاں علماء نے متحد ہو کر سرکار سے یہ مطالبہ کیا کہ مسجدوں کو لاک ڈاؤن سے مستثنیٰ کیا جائے، دو تین ہفتے کی پابندی کے بعد ساری مسجدیں کھل گئیں اور جمعہ، پنجگانہ نماز اور تراویح، عیدین لوگوں نے اجتماعیت کے ساتھ پڑھی، اللہ تعالیٰ سے دعاء کی وہاں پر بیماری کم پھیلی اور موت کا تناسب بھی کم رہا۔

(۲) کیا جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان دی جائے گی؟

اوّلاً تو ایسی صورت حال پیدا نہیں ہوئی کہ جماعت بالکل موقوف ہو جائے، سرکار کی طرف سے پانچ آدمیوں کو پڑھنے کی اجازت تھی، اس لیے معمول کے مطابق اذان ہوتی رہی، لیکن اگر بالفرض جماعت موقوف ہو جائے تو اذان کا سلسلہ باقی رکھنا چاہیے تاکہ لوگ اپنے گھروں میں اور جہاں پڑھتے ہیں اس کو سن کر نماز پڑھیں۔ اذان اسلام کا ایک شعار ہے، حتی الامکان اس کو باقی رکھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اذان جماعت کے لیے سنت مؤکدہ ہے، اگر مسجد میں نہیں ہوگی تو گھر میں پڑھنے والے بھی اس سنت سے محروم ہو جائیں گے، گھر میں پڑھنے والا اذان نہیں کہتا، کیوں کہ کتابوں میں مذکور ہے: أذان الحی یکفینا. عبداللہ ابن مسعودؓ سے یہ جملہ صاحب شرح وقایہ نے نقل کیا ہے۔

اذان کی آواز ایک بڑی یاد دہانی کا کام دیتی ہے، اس لیے اوّلاً تو یہ کوشش ہونی چاہیے کہ اذان کے ساتھ مسجد میں جماعت قائم ہو اور مسلمان اقامت صلوٰۃ کا فریضہ ادا کریں، لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جماعت مسجد میں موقوف ہو گئی جب بھی اذان دینا مسلمانوں کی آبادیوں میں ایک مستقل عمل ہے۔

(۳) جماعت میں کتنے افراد شریک ہوں اس بارے میں گورنمنٹ کے ہدایت کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

ہم جس ملک میں رہتے ہیں وہاں کے قانون کی پاسداری کرنا ہماری ذمہ داری ہے، سرکار کی طرف سے اگر یہ طے کردیا گیا کہ مسجد میں پانچ ہی آدمی نماز پڑھیں گے تو مخالفت کی صورت میں دقت بھی آسکتی ہے۔ قانون کی رعایت کرنا ایک شہری کی ذمہ داری ہے، البتہ مختلف جگہوں کے حالات الگ الگ ہوتے ہیں، مسجدوں میں کبھی کبھار پولیس معائنہ کرنے کے لیے پہنچ جاتی ہے، لیکن گھروں میں ان کو پتہ نہیں ہے کہ یہاں بھی نماز ہورہی ہے تو مساجد میں سرکاری ہدایت اور حکومت کی گائڈ لائن کے مطابق پانچ آدمی نماز پڑھیں لیکن گھروں میں یا اور بہت سی ایسی جگہیں جن کا انتخاب نماز کے لیے کیا جاتا ہے اور وہاں عام حالات میں پولیس کی رسائی نہیں ہوتی ان جگہوں پر وہاں پانچ سے زیادہ لوگوں کے پڑھنے میں بھی شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، دونوں لاک ڈاؤن میں اس کا تجربہ کیا جاچکا ہے۔

(۴) مساجد کے کسی حصہ یا اس کے ملحق جگہ کو کووڈ سنٹر بنانا کیسا ہے؟

مسلمانوں کو یہ راستہ نہیں کھولنا چاہیے، کووڈ سنٹر کے لیے سرکار کے پاس اسپتال کی عمارت موجود ہے اور اگر وہاں جگہ پُر ہوجائے تو اسکول کالج وغیرہ حاصل کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ ایک طرف تو ہماری مسجدوں کو نماز کے لیے بند کرنے کی بات کی جارہی ہے اور دوسری طرف مساجد کو کووڈ سنٹر بنانے کی پیشکش کی جائے جو مساجد کے مقصد کے خلاف ہے، یہ بالکل متضادیات ہے۔

مسجدوں کو کووڈ سنٹر بنانے کی صورت میں ان کی صفائی ستھرائی، ان کے تقدس اور احترام کو باقی رکھنا بہت مشکل ہے، کیوں کہ ہر طرح کے مریض اس میں آسکتے ہیں اور مریضوں کے ساتھ تیمار داری کرنے والے لوگ بھی رہیں گے، ان کو مسجد کے ساتھ وہ عقیدت نہیں ہوگی جو عقیدت ایک مسلمان کو ہوتی ہے۔ پچھلے لاک ڈاؤن میں بعض لوگوں نے اس طرح کا بیان دینے کی غلطی کی تھی، مسلمانوں کا عمومی طبقہ اس کو قبول نہیں کرسکتا، اس لیے ہمیں اس کے واسطے اپنی رضامندی کا اظہار بالکل نہیں کرنا چاہیے اور سمینار میں اس کے خلاف تجویز پاس ہونا چاہیے۔

محور چہارم: کرونا سے متأثر مریض کی تیمارداری

(۱) کرونا سے متأثر مریض کو الگ تھلگ کردینا اور اس کی تیمارداری نہ کرنا کیسا ہے؟

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر چھ حق ہے، ان میں سے ایک حق بیمار پڑنے پر اس کی بیمار پرسی کرنا بھی ہے۔ یہ مضمون متعدد احادیث میں مروی ہے۔ رسمی بیمار پرسی تو بہت سے لوگ کرتے ہیں لیکن اس کا اصل مقصد مریض کی دیکھ ریکھ کرنا ہے۔

وبائی بیماری میں اللہ کے رسول ﷺ نے اس جگہ کے رہنے والوں کو بھاگنے سے منع کیا ہے، اس میں ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ اگر صحتمند لوگ بھاگ جائیں گے تو مریضوں کی دیکھ ریکھ کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ مریض کو دوا کی ضرورت ہے، حالات کے مطابق کھانا اور پانی کی ضرورت ہے، بہت سے مریض خود اپنی کوئی ضرورت پوری نہیں کرسکتے، کرونا کے مریض کو اس لیے الگ کردینا کہ ہم کو بھی یہ بیماری لگ جائے گی یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ اگر اپنا رشتہ دار ہے مثلاً ماں، باپ، بھائی، بہن وغیرہ تو ان کی حق تلفی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے جو حقوق بیان کیے ہیں یہ اس کی صریح خلاف ورزی ہے۔ انسانیت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے کسی عزیز کو اس حال میں بے یار و مددگار نہ چھوڑیں۔ جہاں تک مسئلہ ہے بیماری لگ جانے کا تو وہ تقدیر کے حوالہ ہے۔ لاعدوی والی حدیث میں یہ وضاحت ہے کہ بیماری کے جراثیم خود لگنے کی طاقت نہیں ہے، اگر اللہ کی مشیت ہوگی تو نقصان پہنچائیں گے ورنہ نہیں۔ لہٰذا اگر اللہ کی طرف سے کسی کے لیے اس بیماری کا فیصلہ ہی ہوچکا ہے تو دور رہ کر بھی وہ نہیں بچ سکتا۔ اس لیے مریض

کے اقرباء کومکمل تیمارداری کرنے کی ضرورت ہے۔ ابھی کرونا میں اس کا تجربہ بھی ہوا، مسلمانوں کے یہاں خوف کم تھا، اوران کے بارے میں ایسی خبریں نہیں ملیں کہ وہ اپنے مریض کو چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں، اِلا ماشاءاللہ، لیکن برادران وطن کے یہاں معاملہ اس کے برخلاف رہا۔

(۲) کرونا سے متأثر مریض کے علاج کا خرچ اگر افراد خاندان برداشت نہ کرسکیں تو حکومت یا سماج کی کیا ذمہ داری ہے؟

کرونا کے مریض کے علاج کا خرچ اگر افراد خاندان برداشت نہ کرسکیں تو حکومت کو برداشت کرنا چاہیے، لیکن وبائی بیماری میں سرکاری اسپتال کا عملہ بھی اپنا ہاتھ پیر پھیلا دیتا ہے کہ ہمارے پاس گنجائش نہیں تو ایسی صورت میں مریض کی امداد کرنا سماج اور محلّہ والوں کے لیے ضروری ہے، اگر مریض مسلمان ہے تو زکوٰۃ کی رقم بھی استعمال ہوسکتی ہے، ورنہ صدقات نافلہ مسلم غیر مسلم سب کے لیے استعمال ہوسکتے ہیں۔ اسی طرح انٹریسٹ کی رقم بھی ایسے موقع بلانیت ثواب دی جاسکتی ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَ فِیۡۤ اَمۡوَالِہِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الۡمَحۡرُوۡمِ. [سورة الذاريات: ۱۹]

''تمہارے مالوں میں حق ہے سوال کرنے والوں کا بھی اوران لوگوں کا بھی جو اپنی خودداری کی بناپر سوال نہیں کرتے۔'' حالانکہ وہ بھی غریب اور حاجت مند ہیں۔ اللہ رب العزت نے زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں ان کے حقوق کا ذکر کیا ہے، اس لیے اہل ثروت کی ذمہ داری ہے کہ ایسے مواقع پر غرباء اور محتاجوں کی خدمت کریں اوران کے علاج میں تعاون کریں۔

محور پنجم: کرونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

(۱) کرونا سے انتقال کرنے والوں کو غسل کس طرح کیا جائے، اگر غسل دینے کی اجازت نہ ہو، غسل ممکن نہ ہو تو کیا کیا جائے، کیا بلا غسل دفن کرنا جائز ہوگا۔

کرونا کے مریضوں کے بارے میں اخبارات میں یہ خبر آئی کہ مرنے کے دو گھنٹے بعد جراثیم مرجاتے ہیں، اس لیے اگر کوئی سرکاری رکاوٹ نہ ہو تو عام میت کی طرح غسل دینے میں کوئی حرج نہیں۔ ہم لوگوں کے یہاں دوسری لہر میں جن کی موت گھر پر ہوئی سب کو غسل دیا گیا، اگر غسل دینے کی اجازت نہ ہو یا غسل ممکن نہ ہو تو مجبوری ہے، لیکن اگر اوپر اوپر بھی پانی بہانے کی اجازت ہو تو اتنا ہی کیا جائے گا، اگر اس کی بھی اجازت نہ ہو تو ہاتھ اور چہرے کا تیمّم کردیا جائے گا، اور جہاں ان میں سے کوئی شکل ممکن نہ ہو وہاں مجبوراً بغیر غسل کے دفن کرنا جائز ہوگا۔

میت کو غسل دینا واجب ہے، بلاوجہ اس میں سستی برتنا صحیح نہیں ہے۔

لأن غسله واجب لا لرفع الحدث بل لتنجسه بالموت كسائر الحيوانا الدموية وإلا أن المسح بطهورها لغسل كرامة له و تيمم لفقد ماء وصلى عليه ثم وجدوه غسلوه صلوا ثانيا وقيل لا. (درمختار: ج۳، ص۸٤، مکتبه دارالکتاب دیو بند)

(۲) اگر کرونا کے میت کو اسپتال کی طرف سے مخصوص کور (Cover) میں لپیٹ کردیا جائے اور اسے کھولنے اور ہٹانے کی اجازت نہ ہو تو وہ کیا کور کفن کے حکم میں ہوگا؟

(Cover) کفن کے حکم میں نہیں ہے، اگر اسے کھولنے اور ہٹانے کی اجازت نہ ہو تو اس کے اوپر کفن کی چادر لپیٹی جائے گی اس لیے کہ عام طور پر (Cover) اکہرا ہوتا ہے اور کفن مسنون مردوں کے لیے تین چادر ہے۔

ويسن فى الكفن له إزار وقميص ولفافة.

(۳) اگر کرونا میت کے بغیر نماز جنازہ تدفین کے بعد گھر والوں کو اس کی اطلاع دی جائے تو ایسی صورت میں بعد تدفین قبر کے پاس نماز

جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:- بغیر نماز جنازہ کے جس مسلمان کو دفن کر دیا جائے اس کی قبر پر نماز پڑھنا صحیح روایت سے ثابت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی ایسا کیا ہے۔ فقہاء نے اس سلسلے میں یہ وضاحت کی ہے کہ اس وقت نماز جنازہ قبر پر پڑھی جائے گی، جب تک پھولنے پھٹنے کا گمان نہ ہو۔ بعض فقہاء نے اس مسئلے میں تین دن کی مدت متعین کی ہے، لیکن موسم اور مقام کے اعتبار سے یہ مدت کم وبیش ہوسکتی ہے، جب تک لاش کے تغیر کا ظن غالب نہ ہو نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔

(۴) اگر میت کی تدفین کی اطلاع ملے اور قبر کی جگہ معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

غائبانہ نماز جنازہ اللہ کے رسول ﷺ کی خصوصیت ہے۔ آپ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی پر پڑھی اور بہت سارے صحابہ جو آپ کی حیات طیبہ میں دوسری جگہوں پر انتقال کر گئے ان پر نہیں پڑھی، احناف اور مالکیہ کا یہی مذہب ہے، اس لیے غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا درست نہیں ہے۔

(۵) کیا کرونا سے انتقال کرنے والے مسلمان شہید کہلائیں گے؟

طاعون کی وباء میں انتقال کرنے والے کے لیے حدیث میں یہ صراحت ہے کہ وہ شہید ہے۔ بخاری اور مسلم دونوں جگہ کتابوں میں شہداء کی حدیث کے بارے میں یہ جملہ منقول ہے: ومن مات في الطاعون فهو شهيد ومن مات في البطن شهيدٌ.

کرونا بھی ایک وبائی مرض ہے اس لیے اس کے بارے میں بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ شہید ہے۔ علامہ شامیؒ نے شہداء کی ایک بڑی تعداد کا ذکر کیا ہے اور تفصیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ علامہ سیوطی نے شہداء کی تعداد تیس تک ذکر کی ہے، ان شہداء میں وہ شخص بھی ہے جو سل کی بیماری میں مرا ہو اور سل کی بیماری پھیپھڑے کی بیماری ہے، کرونا کے بارے میں جو تفصیلات آئیں اس میں یہی بتلایا گیا کہ سب سے زیادہ اس میں پھیپھڑا متأثر ہوتا ہے اور یہ تو مشاہدہ ہے کہ کرونا کے مریضوں کو ہر جگہ آکسیجن کی ضرورت پڑتی تھی، پھیپھڑا کمزور ہوجانے کی بناء پر باہر سے آکسیجن نہیں کھینچ پاتا تھا۔ علامہ شامیؒ نے یہ عبارت نقل کی ہے:

أو بالسل وهو داء يصيب الرئة ويأخذ البدن منه في النقصان والإصفرار. (درمختار: ج۳، ص۱۵۴، دارالکتاب دیوبند)

محور ششم: کرونا ویکسین سے متعلق مسائل

(۱) الکوحل آمیز سینیٹائزر کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے صحیح مسلم کی شرح تکملہ فتح الملہم میں یہ تفصیل بیان کی ہے، آج الکوحل کا استعمال بہت سی دواؤں میں ہوتا ہے اور کیمیاوی مقاصد کے لیے ہوتا ہے اور اس کے استعمال کا عموم بلوی ہے لوگوں کو اس کی شدید ضرورت ہے، اس کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے لوگوں کو سہولت مل سکتی ہے، کیوں کہ اگر یہ الکوحل انگور اور کھجور سے نہ بنے ہوں، ان دونوں کو چھوڑ کر دوسری چیزوں سے تیار کیے گئے ہوں تو کیمیاوی مقاصد کے لیے ان کا بیچنا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں: برطانوی انسائیکلو پیڈیا جو 1950ء میں شائع ہوئی ہے، میں نے اس میں جو تفصیل دیکھی وہ یہ ہے کہ زیادہ تر الکوحل شہد، نیز مختلف قسم کے دانے، جو، اناس، تیزاب، (سلفات) پٹرول، وغیرہ سے بنتے ہیں اور اس میں عنب اور تمر کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا ان چیزوں سے بننے والے الکوحل کا استعمال کرنا امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے یہاں دوا کے لیے اور جائز مقاصد کے لیے جائز ہے۔

وراجعت له دائرة المعارف البريطانية المطبوعة ۱۹۵۰ فوجدت فيها جدولاً للمواد التي تضع منها هذه الكحول

فذكر في جملتها العسل والدبس والحب والشعير والجو دار وعصيرا ناس والسلفات والكبريتات ولم يذكر فيها العنب والتمر.
(تكمله فتح الملهم: ج ١، ص ٥٥١)

سینیٹائزر کا استعمال خارجی ہوتا ہے لہٰذا انگور، کھجور کے علاوہ دوسری اشیاء سے تیاری کیا جانے والا الکوحل سینیٹائزر میں ملا ہوا ہو تو اس کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲) کرونا ویکسین لگوانے کا کیا حکم ہے، واجب یا مباح؟

کرونا ویکسین لگوانا واجب نہیں ہے، مباح ہے، نہ لگوانے والا گنہگار نہیں ہوگا۔ کیوں کہ یہ بھی ایک قسم کا پیشگی احتیاطی علاج ہے، اور علاج معالجہ کے بارے میں فقہاء نے عام طور پر: ''لا بأس'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ عالمگیری میں ہے: الاشتغال بالتداوی لا بأس به إذا اعتقد أن الشافي هو الله تعالیٰ وإنه جعل الدواء سبباً، أما إذا اعتقد أن الشافي هو الدواء فلا، كذا في السراجية.

(فتاویٰ عالمگیری: ج ۴، ص ۱۱۱)

حدیث میں دواء علاج کرنے کی اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ترغیب دی ہے، لہٰذا اس کو مباح سے آگے بڑھ کر مستحب کہہ سکتے ہیں، واجب نہیں کہا جا سکتا۔

امداد الفتاویٰ میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی طاعون کے پیشگی ٹیکہ اور دوا کو جائز لکھا ہے۔

(امداد الفتاویٰ، ج ۹، ص ۴۶۶، زکریا بکڈ پو)

محور ہفتم: کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے سے متعلق اسلامی ہدایات

(۱) وبا کے دفعیہ کے لیے کیا اذان دی جا سکتی ہے؟

کرونا وائرس کے دفعیہ کے لیے اذان دینا صحیح نہیں ہے۔ صحابہ اور تابعین کے دور میں طاعون کی وبا متعدد بار پھیلی، لیکن حضرات صحابہ سے اذان کا ثبوت نہیں ملتا۔ شام کے علاقہ میں جب طاعون پھیلا ہوا تھا اسی دوران حضرت عمرؓ تشریف لے گئے اور صحابہ کے مشورہ کے بعد اور خاص طور پر عبدالرحمٰن بن عوف سے صریح حدیث سننے کے بعد واپس لوٹ آئے، لیکن نہ انھوں نے اذان کا حکم دیا اور نہ ہی صحابۂ کرامؓ نے اذان دینے کا کوئی تذکرہ کیا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ''امداد الفتاویٰ'' میں اس مسئلہ پر مبسوط بحث کی ہے اور تفصیل کے ساتھ سائل کے سوال کا جواب دیا ہے۔

جو لوگ ''إذا تغولت الغيلان نادوا بالأذان'' سے وباء کے موقع پر اذان دینے کی دلیل پیش کرتے ہیں، اس کے جواب میں حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

اس میں دو حدیثیں معروف ہیں، ایک حصن حصین کی مرفوع ''إذا تغولت الغيلان نادوا بالأذان'' دوسری صحیح مسلم کی موقوف۔ حصن حصین میں مسلم شریف کے حوالہ سے جو حدیث منقول ہے، وہ یہی ہے۔

حضرت تھانویؒ نے یہ دلیل ذکر کی ہے کہ چوں کہ اذان میں حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جملہ منقول ہیں، نماز کے علاوہ کے لیے اذان کہنا حکم غیر قیاسی ہے، اور ایسے حکم کا تعدیہ قیاس سے صحیح نہیں ہے، اس لیے اس کے لیے دلیل شرعی کی ضرورت ہے اور اس کے لیے کوئی نص ہونا

چاہیے محض قیاس کافی نہیں ہے اور طاعون میں کوئی نص موجود نہیں ہے۔

بعض لوگوں نے پیدائش پر قیاس کرتے ہوئے میت کو قبر میں اتارنے کے موقع پر اذان دینے کی بات کہی ہے، لیکن علماء نے اس کو رد کر دیا۔

قيل وعند إنزال الميت القبور قياسا على أول خروجه للدنيا لكن رده ابن حجر فى شرح العباب.

لہٰذا کرونا وائرس کے دفعیہ کے لیے بھی اذان دینا ایک غیر شرعی عمل ہے، مسلمانوں کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

سوال نمبر (۲): - دفع وبا کے لیے اجتماعی نماز اور اجتماعی دعاء کا اہتمام کرنا کیسا ہے؟

جواب: اجتماعی نماز بھی اس طرح کے موقع پر ثابت نہیں ہے، البتہ دعاء کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے مدینے سے وباء کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی، قحط سالی کے موقع پر بارش کے لیے جمعہ کے خطبہ میں دعاء کی، اور پھر بارش جب بہت زیادہ ہوگئی اس سے بچاؤ کے لیے اس کے بعد والے جمعہ کے خطبہ میں دعاء کی۔ بخاری شریف کتاب الدعوات میں مذکور ہے:

عن عائشة رضى الله عنها قالت قال النبى صلى الله عليه وسلم: اللهم حبب إلينا المدينة كما حببت إلينا مكة أو أشد وانقل حماها إلى الجحفة .اللهم بارك فى مدنا وصاعنا.

(باب الدعاء برفع الوباء والوجع، كتاب الدعوات، بخارى شريف بحواله امداد الفتاوىٰ).

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے نبی ﷺ نے کہا: اے اللہ مدینے کو ہمارے لیے محبوب بنادے جیسے مکہ کو آپ نے محبوب بنایا بلکہ اس سے بھی زیادہ، مدینہ کے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل کردے۔ اے اللہ! ہمارے لیے برکت ڈال دے ہمارے مد میں ہمارے صاع میں۔

حضور ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں بخار کی وبا چل رہی تھی۔ حضرت عائشہؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت بلالؓ سب کے بخار میں مبتلا ہونے کا ذکر بخاری شریف میں ہے، اسی موقع پر اس وبائی بیماری کو دور کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے دعاء فرمائی اور مدینہ اس سے پاک ہوگیا۔

دعا کو مومن کا ہتھیار کہا گیا ہے، ہر موقع پر ہم دعا کرتے رہیں، اس لیے اس طرح کے موقع پر دعا کا اہتمام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

هذا ما عندى والله أعلم بالصواب.

کرونا وبا اور مسائل واحکام

خواجہ معین الدین اکرامی ندوی مدنی
استاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل

محور اوّل: کرونا وبا کے بارے میں شرعی نقطہ نظر

سوال:۔ وبا کیا ہے؟ اور شریعت میں اس کے بارے میں کیا تصور ہے؟

جواب:۔ کسی متعین بیماری کے پھیلنے کی حالت کو وبا کہا جاتا ہے۔ اس طور پر کہ اس بیماری کا شکار کسی علاقے میں ایک بہت بڑی تعداد میں ہو، ہر وہ بیماری جو سخت متعدی ہو اور ایک جگہ سے دوسری جگہ تیزی سے پھیل جائے، جو بیماری انسان، جانور اور نباتات وغیرہ کو متاثر کرے، عموماً اس کا شکار ہونے والے موت کے گھاٹ اتر جائیں، جیسے کہ طاعون وغیرہ ہے۔ (معجم اللغۃ العربیۃ المعاصرہ)

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں فلسطین کے علاقے ''رملہ'' اور بیت المقدس کے درمیان ایک چھوٹی سی بستی ''عمواس'' سے طاعون کی وبا پھیل گئی اسی وجہ سے اس کو طاعون عمواس کہا گیا، یہ ۱۷ یا ۱۸ ہجری کا واقعہ ہے، اس وباء میں ہزاروں لوگ شہید ہوئے، کبار صحابہ جیسے حضرت ابو عبیدہؓ، معاذ بن جبلؓ، شرحبیل بن حسنہؓ، فضل بن عباسؓ، وغیرھم اس وباء کا شکار ہو کر شہید ہوئے تھے، اس وباء نے ''عمواس'' شہر سے نکل کر پورے بلاد شام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

سوال:۔ وبا سے تحفظ کے لیے شرعی رہنمائی اور اسلامی ہدایات کیا ہیں؟

جواب:۔ اسلامی تعلیمات میں انسان کی ہر طرح حفاظت کا حکم ملتا ہے، اس لیے کہ انسان خود اللہ کی ایک امانت ہے، اسی لیے اس کو شیطان، آفات یا ہلاکت کا شکار ہونے سے محفوظ رہنے کے لئے بہت سے اسباب اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

صفائی ستھرائی اور نظافت و پاکی کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات میں اس قدر تفصیلی احکامات بیان کئے گئے ہیں جو در حقیقت انسان کی صحت اور اس کی سلامتی کی ضامن ہیں، نمازوں کے لئے وضو کا فرض قرار دیا جانا اور لوگوں کے مجمع جیسے جمعہ اور عیدین کے لئے حاضری کے وقت غسل کو مشروع قرار دیا جانا تا کہ اس سے قریب بیٹھنے والوں کو ایک دوسرے کے بدن کے پسینے اور بدبو سے محفوظ رکھا جائے اور یوں اس کے ذریعے پھیلنے والے جراثیم کو دوسروں تک پہنچنے سے روکا جا سکے، یہ سب در حقیقت بیماری اور وباؤں کے پھیلنے سے بچاؤ کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔

اسلام نے پاکی اور نظافت کو نصف ایمان اسی لئے قرار دیا ہے، بلکہ عبادات کی صحت کے لیے طہارت کو بنیادی شرط قرار دیا گیا ہے، اسی طرح مسواک کے ذریعے دانتوں اور منہ کی صفائی کا بار بار حکم دینا اصلاً انسان کی اپنی صحت اور دوسروں کی صحت کا ضامن ہے۔

حفظان صحت کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات اس قدر واضح ہیں کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آدمی کو خود اپنی اور دوسروں کی صحت کا حد درجہ خیال رکھنا چاہیے۔

سوال:۔کروناوائرس کے پھیلاؤ کوروکنے اوراس سے بچنے کے سلسلے میں حکومت کی گائیڈلائن پرعمل اوردیگراحتیاطی تدابیرکا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:۔اس سلسلہ میں شریعت کے اصول وقواعد کچھ اس طرح ہیں:

١۔ المشقة تجلب التيسير (٢)إذا ضاق الأمر اتسع (٣)الأخذ بالرخص أولى من العزيمة حفظا للنفوس (٤)لاضرر و لا ضرار (٥)للإمام تقييد المباح فی حدود اختصاصه مراعاة للمصلحة العامة ۔

ان اصولوں اورلوگوں کی حفاظت کی خاطرحکومتوں کواس بات کی اجازت ملتی ہے کہ وہ لوگوں کی انفرادی آزادی پرایسی پابندی عائد کریں جس میں عام لوگوں کی مصلحت ہو،اورعوام کوحکمرانوں کی اس طرح کی ہدایات پرعمل کرنا ضروری ہوتا ہے،اس لئے کہ سابقہ تمام اصول وقواعداس بات پردلالت کرتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کے لئے ضررکا سبب نہ بنے اورخودبھی اپنے آپ کوضرر نہ پہنچائے۔

لہٰذاکوروناوراس طرح کی وبا سے حفاظت کی خاطرڈاکٹروں اورحکومت کی طرف سے ایسی احتیاطی تدابیرپرعمل کاحکم دینادرست ہے جوعوام اور رعایاکے فائدےاوران کی مصلحت کے لیے ہو،عوام کوان تدابیرپرعمل کرناچاہیے،امام سیوطیؒ نے اپنی کتاب"الأشباه والنظائر"صفحہ ۱۷۱میں لکھاہے:"

تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة،وقال: منزلة الإمام من الرعية منزلة ولی من اليتيم.

امام وقت کا اپنی رعایاکےحق میں تصرف مصلحت سے متعلق ہوتا ہے،اسی طرح فرمایا:رعایاکے سلسلہ میں امام کی حیثیت وہی ہے جویتیم کے ولی کی ہوتی ہے۔

سوال:بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظرکیا ہے؟

جواب:۔اسلام نے اسباب کومسببات سے مربوط کیا ہے،دنیا میں صحت وعافیت سے بڑھ کرکوئی نعمت نہیں ہے،اس سلسلے میں سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ایک دیہاتی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضرہوئے اورسوال کرتے ہیں کہ ان کو پانچ اوقات کی نمازوں کے بعدکیا دعاکرنی چاہیے؟آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشادفرماتے ہیں کہ "سل الله العافية" اللہ سے عافیت مانگو(بخاری۶۴۱۲)

لہٰذاعافیت کے چاہنے والے کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ صحت کے لئے اپنی طاقت اورعلم کے مطابق اس کے حصول کی کوشش کرے،اورصحت مندکی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی پوری حفاظت کرےاوراپنے آپ کو ہرطرح کی بیماری سے بچائے رکھنے کی بھرپورسعی اورکوشش کرے،بیماریوں کے متعدی ہونے کے تعلق سے اسلام کاواضح نقطۂ نظریہ ہے کہ مسبب الاسباب اللہ کی ذات ہے،بذات خودکوئی چیزبغیرحکم خداوندی کے کسی کونقصان نہیں پہنچاتی اورنہ ہی متعدی ہوسکتی ہے،لیکن احادیث میں احتیاط کے جن اسباب کواختیارکرنے کاحکم دیاگیا ہےاس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک توضعیف الایمان شخص جب کسی مریض کےساتھ ملنے پرمریض ہوجائےگاتوپھروہ مرض کوبذات خودسبب سمجھےگا۔

اس حدیث کاابتدائی حصہ متعدی ہونے کی نفی کررہاہے،اس سے مشرکین کے عقیدے کاردمقصود ہے جویہ سمجھتے تھے کہ فاعل حقیقی اللہ کی ذات نہیں بلکہ بیماری ہے،تواس کی نفی کرتے ہوئے بتایاگیاکہ بیماری کاعادتاً متعدی ہونا اللہ کے فعل واختیارسے ہے،اسی لئے جذامی سے دور بھاگنے کاحکم دیاگیا۔جب کہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاجذامی کواپنے ساتھ بیٹھ کرکھلانا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ متعدی ہونا یہ مستقل نہیں ہے بلکہ اللہ کی مشیت وارادہ پرمنحصرہے،عادتاً بیماری متعدی ہے مگراللہ چاہےتوکسی بیمارکی بیماری کودوسرے میں منتقل نہ کرے،جس طرح مشاہدے میں بھی آتا ہے کہ ایک بیمارکی وجہ سے کچھ بیمارہوجاتے ہیں جبکہ دوسرےاشخاص بیمارنہیں ہوتے،اگرمتعدی ہونا اللہ کےارادےاورحکم پر منحصرنہ ہوتاتوایک بیماری سے ہرکوئی بیمارہوجاتامگرکچھ لوگوں کابیمارنہ ہونا یہ اس بات پردلیل ہے کہ یہ اللہ کےامرپرموقوف ہے،کیوں کہ عادتاً

بیماریاں متعدی ہوتی ہیں اور وائرس ایک دوسرے پر عادتاً اثر انداز ہوتے ہیں، اس لیے بیمار لوگوں سے دور رہنے اور خود بیماروں کو صحت مند لوگوں میں آنے سے منع کر دیا گیا۔

محور دوم: کرونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف کا حکم

سوال نمبرا:۔کیا کرونا کے زمانے میں مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنے یا انفرادی نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

جواب: اس مسئلے میں سب سے پہلے یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ مساجد کو وبا کے پھیلاؤ کے خطرے سے بند کرنے کی صورت میں عوام کو لازمی طور پر مساجد میں نماز کی ادائیگی سے محروم ہونا پڑے گا، ارباب حکومت نے مصلحت عام کی بناء پر مساجد میں دو تین اشخاص سے زیادہ لوگوں کو جمع ہونے سے منع جو کیا ہے وہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ تاریخی طور پر اس طرح کے حالات متعدد بار پیش آ چکے ہیں۔

656 ہجری میں بغداد میں کئی ماہ تک اور 827 ہجری میں مکہ میں عظیم وبا کے پھیلاؤ کی وجہ سے صرف ایک ماہ میں تقریباً دو ہزار لوگ لقمہ اجل بن گئے تھے، جس کی وجہ سے مساجد بند کی گئی تھیں، چنانچہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت مکہ مکرمہ میں امام کعبہ نے صرف دو آدمیوں کے ساتھ امامت کی، اسی طرح دوسری مساجد کے ائمہ کرام نے بھی یہی کیا تھا، ۱۲۱۵ھ میں مصر اور شام میں مساجد میں اذان و جماعت نہیں ہوتی رہی۔

جہاں تک نمازوں کو باجماعت گھروں میں پڑھنے کا معاملہ ہے اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ معلوم ہو کہ جماعت کے ساتھ مساجد میں نماز پڑھنا کسی مسلمان کے لیے فرض عین نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ اسے فرض کفایہ یا پھر سنت مؤکدہ کہا گیا ہے، لہٰذا دونوں صورتوں میں اگر چند لوگ مسجد میں نماز پڑھیں اور بقیہ لوگ اپنے گھروں میں جماعت کے ساتھ یا انفرادی پڑھ لیں تو مضائقہ نہیں، خصوصاً جب مساجد میں حاضری سے منع کیا گیا ہو، لہٰذا گھروں میں انفرادی طور پر یا اگر ممکن ہو تو اہل خانہ کے ساتھ باجماعت نماز پڑھنا جائز ہوگا۔

سوال نمبر۲:۔وبا کے زمانہ میں گھروں میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی کیا شرطیں ہیں؟

جواب:۔نماز جمعہ اسلام کے اہم شعائر میں سے ہے، یہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا جماعت کے ساتھ مسجد یا کھلے میدان میں ادا کرنا ضروری ہے، لہٰذا اس نماز کا گھروں میں ادا کرنا صحیح نہیں ہے، اس نماز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مسجد یا عیدگاہ میں ادا کیا تھا، بلکہ حضرات صحابہ کے زمانے سے آج تک اسی طرح یہ نماز ادا کی جاتی رہی ہے۔

(المبسوط للسرخسی جلد۲/ص۲۳)(نیل الاوطار شوکانی جلد۳/ص۲۷۷)(بدایۃ المجتہد جلد اوّل ص ۱۶۷)

شام کے علاقے میں جب طاعون عمواس پھیلا جس کی وجہ سے ہزاروں افراد لقمہ اجل بن گئے اور حضرت عمرو بن العاصؓ والی بنائے گئے تو انہوں نے اس وبا کے شکار لوگوں کو پہاڑوں میں جا کر رہنے کا حکم فرمایا، مگر گھروں میں انفرادی طور پر جمعہ کے قیام کا ذکر نہیں کیا، (تاریخ طبری جلد۴/۲۴۸)

اسی طرح 827 ہجری میں مکہ میں وبا نے اپنے پر پھیلائے اس وقت مساجد نمازیوں سے خالی ہو گئیں اور ائمہ مساجد اپنا فرض منصبی ادا نہ کر سکے تھے، اس وقت بھی گھروں میں نماز جمعہ کے قیام کا کوئی ذکر علماء کے مابین نہیں چل سکا، اسی طرح 1812 عیسوی میں ترکی میں وبا پھیل گئی جس کے نتیجے میں ہزاروں لوگ لقمہ اجل بن گئے، اس وقت کے شیخ الاسلام مکی زادہ مفتی عاصم آفندی کی طرف سے جمعہ کے تعلق سے گھروں میں جمعہ قائم کرنے کا کوئی فتویٰ صادر نہیں ہوا، حالانکہ اس موقع سے بہت سے فتاویٰ صادر ہو چکے تھے۔

(موسوعہ رئاسۃ الشؤون الدینیۃ الترکیۃ)

ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ جمعہ کے قیام کے لیے تعداد مخصوص ہے، حنفیہ کے یہاں کم از کم تین اشخاص امام کے علاوہ، جب کہ شافعیہ وحنابلہ کے یہاں چالیس کا عدد ضروری ہے، اور مالکیہ کم از کم بارہ لوگوں کی حاضری ضروری قرار دیتے ہیں۔

(مغنی المحتاج جلد اوّل ۵۴۵)(بدایۃ جلد اوّل ص ۸۳)

یہ تمام باتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جمعہ کا قیام گھروں میں نہیں ہوسکتا، بلکہ جمعہ کے شعائر کی ادائیگی مسجد یا کھلے میدان میں ہوگی۔

سوال نمبر۳:۔ظہر پڑھنے کی صورت میں باجماعت پڑھیں یا تنہا؟

جواب:۔اگر جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز پڑھی جائے تو ظہر کو جماعت کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے، چوں کہ حکومت کی طرف سے بطور احتیاط زیادہ لوگوں کا ایک ساتھ جمع ہونا قانوناً منع ہے اس لیے گھر کے افراد اپنے گھر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، کسی دوسری جگہ یا چند گھروں کے لوگ ایک ساتھ جماعت کرنے سے احتیاط کریں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قال الشافعي والأصحاب ويستحب للمعذورين الجماعة في ظهرهم" (المجموع جلد ۴/ص ۴۹۳)علامہ دمیری فرماتے ہیں کہ ومن لا جمعة عليهم تسن الجماعة في ظهرهم في الأصح(النجم الوھاج جلد۲/۱۲۰)

سوال نمبر۴:۔کیا وباء کے زمانے میں عیدین کی نماز گھروں میں پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

جواب:۔عید کی نماز پورے علاقے کے لوگوں کا ایک جگہ جمع ہوکر ادا کرنا مسنون ہے،لیکن اگر لاک ڈاون کی وجہ سے لوگوں کا بڑی تعداد میں جمع ہونا ممکن نہ ہوتو موجودہ قانون کے مطابق مساجد کے علاوہ گھروں میں چار یا پانچ افراد مل کر عید کی نماز باجماعت ادا کریں گے،اس لیے کہ شافعیہ وغیرہم کے نزدیک عیدین کی نماز تمام لوگوں کے لیے سنت مؤکدہ ہے، اگر جماعت کے ساتھ پڑھنا ممکن نہ ہوتو انفرادی پڑھنا بھی صحیح ہے،امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ تسن صلاة العيد جماعة ،وهذا مجمع عليه للأحاديث الصحيحة المشهورة فلو صلاها المنفرد فالمذهب صحتها ،وفيه خلاف ذكره المصنف في آخر الباب... (المجموع جلد۵ص ۱۹)۔

سوال نمبر۵:ماسک لگا کر نماز پڑھنے اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔عام حالات میں بغیر کسی عذر آدمی کو ناک اور منہ کسی کپڑے وغیرہ میں لپیٹ کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے،مگر کسی وجہ سے نماز میں چہرے کو ڈھانپا جائے یا ماسک پہن کر نماز پڑھی جائے تو نماز درست ہوگی،موجودہ حالات میں وائرس سے بچاؤ کی تدبیر کے طور پر احتیاطاً ماسک پہن کر نماز پڑھنے سے نماز بلا کراہت درست ہوگی، حدیث میں ہے:

"إن رسول الله ﷺ نهى أن يغطي الرجل فاه في الصلاة." (ابو داؤد ۷٦٤)

مسلک شافعی میں تلثّم سے مراد منہ کا ڈھانکنا ہے، جب کہ دوسرے ائمہ اس سے مراد منہ اور ناک ڈھانکنا لیتے ہیں،امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مکروہ تنزیہی ہے،اس سے نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا،إنها كراهة تنزيهة لا تمنع صحة الصلاة" (المجموع جلد۳/ص ۱۷٦)

صف بندی کے تعلق سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی ہے، اس لیے صفوں کو مکمل کرنا اور ایک دوسرے سے مل کر کھڑا ہونا اور دو آدمیوں کے بیچ خالی جگہ نہ چھوڑنا یہ مستقل سنت ہے، البتہ دو صفوں کے بیچ یا دو لوگوں کے بیچ تین ذراع سے کم فاصلہ ہو تو جماعت کی فضیلت حاصل ہوگی، اگر اس سے زیادہ فاصلہ ہو تو جماعت کی فضیلت حاصل نہ ہوسکے گی، یہ حکم بلا عذر فاصلہ رکھنے کا ہے، اور اگر عذر کی وجہ سے اس سے زیادہ فاصلہ رکھا جائے تو جماعت کی فضیلت حاصل ہوگی، کرونا کی وجہ سے دو مقتدیوں کے بیچ فاصلہ تین ذراع سے کم ہی ہوتا ہے چوں کہ یہ عذر ہے لہٰذا اس

سے زیادہ فاصلہ رکھنا جائز ہوگا، اس سے جماعت کی فضیلت سے محروم نہیں ہوگا، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ویسن تصفیة الصفوف و إن لا یزید ما بین کل صفین او شخصین علی ثلاثة أزرع و إلا فات ثواب الجماعة من تأخر بذلك. (نھایۃ الزین جلد ۱ ص ۱۳۲)

سوال ۶:۔ کرونا سے متاثرہ افراد کا مسجد آنا اور جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے؟

جواب:۔ اس سلسلے میں پہلے یہ جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِینَ یُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِینَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُھْتَانًا وَإِثْمًا مُبِینًا. (احزاب ۵۸)

لہٰذا اپنی ذات سے کسی دوسرے کو اذیت اور تکلیف پہنچانے سے آدمی گنہگار ہوجاتا ہے، اذیت میں کسی مریض کا اپنے مرض کو کسی صحت مند انسان میں منتقل کرنا بھی ہے، مرض منتقل کرنے سے مراد کسی زکام زدہ شخص کے بار بار زکام اور چھینک کی وجہ سے اس کے ذرات اور اثرات سے دوسرا شخص متاثر ہوجائے، خصوصاً عمر رسیدہ لوگوں کے لیے یہ بیماری منتقل کرنے کا سبب بن سکتا ہے، ساتھ ہی ساتھ یہ دوسرے لوگوں کو تکلیف پہنچانے کی وجہ بھی بن سکتی ہے، اس طرح کی تکلیف دوسروں کو پہنچانے سے ممانعت کے تعلق سے حدیث میں ہے: "من أکل البصل والثوم والکراث فلا یقربنّ مسجدنا، فإن الملائکة تتأذی مما یتأذی منه بنو آدم." (مسلم ۵۶۴)

چنانچہ اس حدیث سے ہر وہ بدبو جس سے دوسروں کو تکلیف واذیت پہنچے اس پر اس کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح حدیث "لا یوردنّ ممرض علی مصح" بیمار کو صحت مند میں نہیں لایا جائے (بخاری ۵۷۷۱)۔

فقہاء نے بھی اس بات کی تصریح کی ہے کہ جذامی شخص کو صحت مند لوگوں میں حاضر نہیں ہونا چاہیے۔

لہٰذا ان سب وجوہات کی بنا پر کرونا سے متاثر افراد کا مسجد میں حاضر ہونا اور جماعت میں شریک ہونا منع ہے، ایسے مریضوں کو اس کی پابندی نہایت ضروری ہے تاکہ وہ دوسروں کے لیے ضرر و اذیت کا باعث نہ بنیں۔

سوال نمبر ۷:۔ کورونا سے متاثرہ افراد کے لیے روزے کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ قرآن میں روزہ کا جو حکم دیا گیا ہے اس کے ساتھ مسافر اور مریض کو رخصت دی گئی ہے: ﴿فمن کان منکم مریضا أو علی سفر فعدة من أیام أخر﴾ (بقرہ ۱۸۴) جو تم میں بیمار ہو یا مسافر ہو تو وہ اس کے بدلے دوسرے دنوں میں قضا کرے۔

لہٰذا قرآن کا جب صراحتاً حکم مریضوں کو بیماری کے دنوں میں روزوں سے رخصت کا ہے تو کرونا جیسے بیمار افراد کو اس معاملے میں بدرجۂ اولیٰ رخصت ہوگی، اس لیے کہ کورونا جیسے مریض زیادہ مشروبات اور صحت مند غذا کے حاجت مند ہوتے ہیں، اس لیے کہ ایسے بیماروں کو عموماً کمزوری اور تنفس کی زیادہ شکایات ہوا کرتی ہیں، اسی لیے عالمی صحت کے اداروں نے کورونا سے متاثر افراد کو روزہ نہ رکھنے کی ہدایات جاری کی ہیں، لہٰذا شریعت اسلامی میں بیماروں کو جو رخصت دی گئی ہے کورونا سے متاثر افراد بدرجہ اوّلیٰ افطار کے مستحق ہوں گے۔

سوال نمبر ۸:۔ کیا کرونا کی وجہ سے عام مسلمانوں کو حج سے روکا جاسکتا ہے؟

جواب:۔ تاریخ کے لحاظ سے حج کو بہت سے وجوہات کی بنا پر روکا گیا ہے۔

۸۶۵ عیسوی میں اسماعیل بن یوسف علوی نے حجاج پر حملہ کیا اور عرفہ میں قتل عام کیا اس سال حج نہ ہوسکا تھا۔

اسی طرح ۹۳۰ عیسوی میں قرامطہ نے حجر اسود کو چوری کیا اور مسجد حرام پر حملہ کیا اس وقت بھی حج رکا رہا۔

امام سیوطیؒ نے ''حسن المحاضرة'' میں تحریر کیا ہے کہ ۴۳۰ ہجری میں فریضہ حج معطل ہوکر رہ گیا، لہٰذا مصر، شام، عراق، خراسان وغیرہ علاقوں

سے کوئی حج نہ کرسکا۔

اتحاد العالمی لعلماء المسلمین کے امین عام علی القرۃ داغی نے وقتی طور پر مناسک حج وعمرہ کو موقوف کرنے کا فتویٰ دیا ہے کہ اگر ظن غالب کرونا وباء کا حجاج کرام کو متاثر کرنا ہے تو وقتی طور پر حج وعمرہ سے روکا جاسکتا ہے۔

بعض علماء نے صراحتاً تحریر کیا ہے کہ تاریخ میں کم از کم چالیس مرتبہ حج بیت اللہ مختلف اسباب کی بنا پر معطل ہوگیا تھا۔

لہٰذا ان تاریخی حوالوں کی بنا پر اور لوگوں کو ضرر سے روکنے کے مقصد سے حج بیت اللہ کی ادائیگی کے لیے مکہ آنے سے روکتے ہوئے مختصر سی تعداد کے ساتھ حج کی ادائیگی کو بہت سے علماء نے جائز لکھا ہے۔

محور سوم: کرونا کے زمانہ میں مساجد سے متعلق مسائل

اس کے تحت جتنے اجزاء لکھے گئے ہیں سب کا جواب اس طرح ہے کہ یہ تمام مسائل ضرورت کی بنیاد پر ہیں، جیسے مساجد بند کرنا، یا جماعت کے موقوف ہونے پر اذان دیا جانا، یا جماعت میں کتنے افراد شریک ہوں۔

جہاں تک مستقلاً مساجد بند کرنے کا تعلق ہے، اس سلسلے میں حکومت کی طرف سے مساجد میں لوگوں کو آنے سے روکا گیا، ورنہ مسجد میں امام اور مؤذن یا تین چار افراد کے جمع ہونے پر رکاوٹ نہیں تھی، بلکہ باضابطہ مساجد میں اذان بھی دی جاتی رہی اور امام ومؤذن یا دو چار افراد نماز با جماعت ادا کرتے رہے، اور اذان میں یہ اعلان کیا جاتا رہا کہ سب اپنے گھروں میں نماز ادا کیا کریں مسجد نہ آئیں، اس سلسلے میں حدیث میں رہنمائی ملتی ہے: عن ابن عمرؓ أذن بالصلاة في ليلة ذات برد و ريح، ثم قال: ألا صلوا في الرحال،ثم قال: أن رسول الله ﷺ كان يأمر المؤذن إذا كانت ليلة ذات برد و مطر، أن يقول: ألا صلوا في الرحال. (بخاری ۶۳۲ مسلم ۶۹۷)

صحیحین میں اسی طرح کی روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی منقول ہے کہ انہوں نے اذان کے بعد گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم دیا جب کہ سخت سردی یا بارش تھی۔

لہٰذا جس طرح بارش اعذار جماعت میں سے ہے، اسی طرح بیماری بھی اعذار جماعت میں شامل ہے۔

وتسقط الجماعة لمطر ...أو خوف على نفس أو مال أو مرض أو مريض من يخاف ضياعه أو كان يأنس به أو حضور موت قريب أو صديق......الخ (فتح الالہ المالک علی عمدۃ السالک ص ۱۹۰ لابن النقیب المصری)

جب اعذار جماعت میں مختلف چیزیں شامل ہیں اور مشہور حدیث نبوی ''**لا ضرر ولا ضرار**'' کے تحت لوگوں کا ایک جگہ جمع ہونا باعث ضرر ہو تو پھر لوگوں کا جمع ہونا صحیح نہیں ہے اور عذر کی بنا پر لوگوں کی مسجد میں حاضری ضروری نہیں ہے، البتہ مساجد کو معطل نہیں رکھا جائے گا بلکہ امام اور مؤذن یا دو چار افراد کے ذریعے شعائر کی ادائیگی کی جائے گی۔

اس سلسلے میں حکومت کی ہدایات کی شرعی حیثیت اس لیے ہو جاتی ہے کہ حکومت کو رعایا کی حفاظت ضروری ہے اور سابقہ سطور میں مذکور قاعدہ "تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة" کے تحت ان ہدایات پر عمل کرنا صحیح ہوگا۔

البتہ سوال نمبر ۴ میں مساجد کے کسی حصے کو یا اس سے ملحق جگہ کو کوڈ سینٹر بنانا درست نہیں ہوگا، اس سے مساجد کے مقاصد فوت ہو جائیں گے اور یہ شریعت کے منشاء کے خلاف ہے، اس سلسلے میں دار العلوم بنوری ٹاؤن کراچی اور ہندوستان کے مختلف دار الافتاء کی طرف سے مساجد کو کوڈ سینٹر بنانے کی ممانعت کے فتاوی صادر ہو چکے ہیں۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب البحرالرائق میں ہے: "لأن المسجد مابنی إلا لها من صلاة أو اعتكاف و ذكر شرعی و تعليم علم و تعلمه و قراءة القرآن." (البحرالرائق ۲/۳۶)

مساجد کو کوڈ سینٹر بنانے میں بہت سے مفاسد ہیں:

نمبر۱:۔اس صورت میں بہت سے مریض کے پیشاب و پاخانہ بستر پر کرنے کی وجہ سے مساجد ملوث ہو جائیں گی، اور بعض مریض مستقل ناپاکی کی حالت میں رہیں گے اور یہ مساجد کی حرمت کے خلاف ہے۔

نمبر۲:۔مساجد میں معتکفین اور مسافر کے علاوہ لوگوں کے لیے کھانا پینا اور سونا اور مستقل قیام کرنا جائز نہیں ہے۔

یہ اور اس طرح کے بہت سے مفاسد کی بنا پر مساجد کو وڈ سینٹر نہیں بنایا جا سکتا۔

محور پنجم: کورونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

سوال نمبر۱:۔کورونا سے انتقال کرنے والوں کو غسل کس طرح دیا جائے گا؟ اگر غسل دینے کی اجازت نہ ہو یا غسل ممکن نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ کیا بلا غسل دفن کرنا جائز ہوگا؟

موتی کو غسل دینا فرض ہے اور یہ بلا عذر فوت نہیں ہو سکتا، لہٰذا اگر کورونا سے متاثر شخص کی وفات ہو جائے تو اس کو جس طرح غسل دینا ممکن ہو غسل دیا جائے گا، اگر صرف پورے جسم پر پانی بہا دینا ممکن ہو تو پانی بہا دیا جائے گا اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ایسی میت کو غسل کے بجائے تیمّم کر دیا جائے گا،"وإن تعذر غسله لعدم الماء أو غيره يُمم ،لأنه تطهير لا يتعلق بإزالة العين ،فانتقل فيه عند العجز إلى التيمم كالوضوء و غسل الجنابة. (المھذب جلد۱ ص۱۲۴ ابو اسحٰق شیرازی)

قال النووی: إذا تعذر غسل الميت لفقد الماء......أو خيف على الغاسل يمم لما ذكرنا(المجموع ۵/۱۷۸)

اگر میت پر کوئی ساتر ہو (میت پلاسٹک وغیرہ میں لپٹی ہوئی ہو) اور اس کو کھولنا ممکن ہو تو کھولنا واجب ہے۔

عموماً اس طرح کے مرض سے مرنے والے کو جس پلاسٹک میں لپیٹ دیا جاتا ہے اس کو کھولنا ضرر کے اندیشہ سے حکومت کی طرف سے منع ہوتا ہے، اس لیے کھولے بغیر اس پلاسٹک پر مسح کیا جائے گا، طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنا ہاتھ گیلا کر کے مسح کرے اور میت کے پورے جسم پر پھیر دے، اگر ہاتھ گیلا کر کے مسح کرنے میں بھی ضرر کا اندیشہ ہو تو کپڑے یا دستانے سے سارے پلاسٹک پر ہاتھ پھیر دے، یہ مسح مکمل پلاسٹک پر اس طرح کیا جائے کہ کوئی جگہ خالی نہ بچے تو یہ اس صورت میں غسل مانا جائے گا۔

اگر تیمّم کرانا بھی ممکن نہ ہو تو بغیر تیمّم نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جائے گا، اس لیے کہ فقہی قاعدہ "الميسور لا يسقط بالمعسور" یعنی ایک ناممکن کام دوسرے ممکن کام کو ساقط نہیں کرتا، متاخرین میں امام سبکیؒ، امام زرکشیؒ، امام اذرعیؒ، امام دارمیؒ، امام جوینیؒ وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ غسل اور تیمّم ممکن نہ ہونے کی صورت میں بھی میت پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

علامہ خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں کہ "فلو مات لهدم و نحوه كأن وقع فی بئر أو بحر عميق و تعذر إخراجه و غسله و تيممه لم يصل عليه لفوات الشرط، كما نقله الشيخان عن المتولی و اقراه وقال فی المجموع لا خلاف فيه، قال بعض المتأخرين ولا وجه لترك الصلاة عليه لأن الميسور لا يسقط بالمعسور مما صح(وإذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم) (مغنی المحتاج ۲/۵۸/۵۹) دیکھیے عمدۃ المغنی المستفتی ۱/۲۴۰ جلال الدین (متفق علیہ)

سوال نمبر۳:۔اگر کورونا میت کی بغیر نماز جنازہ تدفین کے بعد گھر والوں کو اطلاع دی جائے تو ایسی صورت میں بعد تدفین قبر کے پاس نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال نمبر۴:اگر میت کی تدفین کی اطلاع ملے اور قبر کی جگہ معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

جواب نمبر۳و۴:۔میت پر نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، اگر کچھ لوگ اس کو انجام دیں تو تمام لوگوں کی طرف سے کفایت ہو جائے گی، مگر سبھی لوگ اس کو ترک کر دیں تو تمام لوگ گنہگار ہو جائیں گے۔

اگر کسی میت کو بغیر نماز جنازہ دفن کیا جائے تو اس کے متعلقین یا عام مسلمانوں کو اطلاع ملنے پر اس کی قبر معلوم ہونے پر قبر کے پاس جا کر اور اگر قبر کا پتہ نہ ہو تو غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اس لیے کہ نماز جنازہ کا پڑھنا فرض کفایہ ہے۔

بخاری(۱۳۳۷)اور مسلم(۹۰۶) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول یہ ہے کہ ایک سیاہ مرد یا عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا، اس کا انتقال ہو گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم نہ ہو سکا تو کسی دن اس کا یاد کیا کہ فلاں صاحب کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے مجھے کیوں اطلاع نہیں کی؟ آگے حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس کی قبر بتاؤ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قبر پر آئے اور نماز پڑھی۔

اسی طرح بخاری(۱۳۳۳)اور مسلم(۹۵۱) کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی بادشاہ کے انتقال کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے مرنے کے دن ہوئی آپ لوگوں کو لے کر عیدگاہ گئے اور صف بنائی اور چار تکبیرات پڑھیں یعنی نماز جنازہ پڑھی۔

علامہ جلال الدین محلی شرح المنہاج میں تحریر فرماتے ہیں کہ "يجب تقديم الصلاة على الدفن و تصح بعد الدفن على القبر ،سواء دفن قبلها أو بعدها.... (منهاج)

متاخرین شافعیہ نے حاضر میت کے جنازے میں مرض یا قید و بند کے عذر کی وجہ سے شرکت ناممکن ہونے کی صورت میں نماز غائبانہ کو جائز قرار دیا ہے، لہٰذا حکومت کی طرف سے پانچ سے زیادہ افراد کے جنازے میں شرکت کی ممانعت بھی ایک عذر ہے، بقیہ افراد اپنے اپنے گھروں میں اس میت پر غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنا چاہیں تو گنجائش ہے۔

سوال نمبر۵:۔کیا کرونا سے انتقال کرنے والے مسلمان شہید کہلائیں گے؟

جواب:۔ابن منظور نے لسان العرب میں طاعون کی یہ تعریف کی ہے:

(المرض العام و الوباء الذي يفسد له الهواء فتفسد به الأمزجة و الأبدان) وہ عام بیماری اور وباء جو ہوا خراب کرتی ہے (بگاڑتی) ہے اس سے مزاج اور بدن بگڑ جاتے ہیں....

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شہداء پانچ ہیں، طاعون کی وبا میں مرنے والا، پیٹ کے مرض میں مرنے والا، ڈوب کر مرنے والا، کسی چیز کے نیچے دب کر مرنے والا، اور اللہ کے راستے میں جہاد کرتے کرتے مرنے والا۔ (ترمذی ۱۰۶۳)

کرونا وائرس کی وجہ سے مرنے والے کو بعض وجوہات کی بنا پر آخرت کے اعتبار سے شہید شمار کیا جا سکتا ہے۔

ا:۔اللہ نے اخروی اعتبار سے جن بیماریوں کو شہادت کا درجہ دیا ہے وہ ان بیماریوں کی شدت اور تکلیف کی وجہ سے ہے، اور کورونا وائرس

میں مریض کو آخری وقت میں تنفس سے سخت تکلیف ہوتی ہے، لہٰذا اس مرض کو شہادت میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

۲:۔مبطون کے ایک معنی یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ اس سے مراد پیٹ کا مرض، کورونا میں اموات پھیپھڑے کے زیادہ متاثر ہونے سے ہوتی ہیں اور بعض لوگوں نے پھیپھڑوں کو پیٹ میں شامل کیا ہے لہٰذا اس لحاظ سے کورونا کو شہید شمار کیا جا سکتا ہے۔

محورششم: کرونا ویکسین سے متعلق مسائل

سوال نمبر۱:۔الکوحل آمیز سینیٹائزر کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب:۔اسلام نے نشہ پیدا کرنے والی اشیاء کا استعمال ممنوع قرار دیا ہے، مگر بعض صورتیں جیسے علاج وغیرہ کے لیے بعض شرائط کے ساتھ اس کے استعمال کی اجازت ہے، الکوحل اسی قبیل سے ہے۔

بعض ماہرین کی رائے ہے کہ الکوحل کی بعض اقسام کھجور اور انگور کے علاوہ دوسری اشیاء جیسے شکر، چقندر، گنا اور جوار وغیرہ کے دانوں سے بنائی جاتی ہیں جس کو (Ethyl Alcohol) کے نام سے جانا جاتا ہے یہ دواؤں اور مشروبات کی معیاد ختم ہونے (Expiry Date) تک اسے خراب ہونے سے حفاظت کرتی ہیں، اس طرح ادویات میں موجود الکوحل چاہے وہ جس چیز سے بنایا گیا ہو، اس کی مقدار عام طور پر اصل چیز میں مل کر مستھلک (Expendabal Material) کی ہو جاتی ہے، ان مذکورہ اصولوں کی بنا پر سینیٹائزر کا استعمال بھی ایک دوا کے طور پر ہاتھ وغیرہ پر لگایا جاتا ہے تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"قال بعض الناس الخمر حرام والسكر من كل الشراب ولا يحرم المسكر حتى يسكر منه ولا يحد من شرب نبيذا مسكرا حتى يسكره. (الام ۱/۱۵۶)

سوال نمبر۲:۔کورونا ویکسین لگوانے کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔کرونا ویکسین لگوانے کے تعلق سے ہندوستان، پاکستان اور عرب ممالک کے مختلف دارالافتاء اور شرعی کونسلوں کے فتاوی سے پتہ ہے کہ یہ ویکسین کسی موجود مرض ہی نہیں بلکہ آنے والے خطرہ کے لیے بطور حفاظت اور سد باب کے لیے ہے، اس طرح کی ویکسین کا لگانا جائز ہے جب کوئی دین دار اور قابل اعتبار ڈاکٹر اس کو مفید بتائے، چوں کہ لوگوں کو اس طرح کی ویکسین لگائے بغیر چارہ کار نہیں ہے اور نہ ہی یہ ویکسین مضر صحت ہے لہٰذا اس کے لگانے میں حرج نہیں ہے، البتہ اگر اس کے بغیر گنجائش ہو تو پھر نہ لگانا بہتر ہوگا۔

حرام اجزاء یا ناپاک چیز ملی ہوئی ہونے کا یقین یا ظن غالب ہو تو اس صورت میں پیشگی علاج کے طور پر اس کا استعمال جائز نہیں ہوگا۔

ابن حجر ھیتمیؒ فرماتے ہیں:"أما مستهلكه مع دواء آخر فيجوز التداوي بها كصرف بقية النجاسات إن عرف أو أخبره عدل طب بنفعها و تعينها بأن لا يغني عنها طاهر(تحفة المحتاج ٤/١٥٨)

کرونا وبا سے متعلق چند اہم سوالات کے جوابات

حافظ کلیم اللہ عمری مدنی
استاذ و مفتی جامعہ دارالسلام، عمرآباد

محور اول: کرونا وبا کے بارے میں شرعی نقطہ نظر

۱۔ وبا کیا ہے؟ شریعت میں اس کے بارے میں کیا تصور ہے؟

کائنات الٰہی میں کسی بیماری یا بلاء اور مصیبت کا اللہ کے حکم سے نازل ہونا، اور اس کی وجہ سے عموم بلوی/ بڑی تعداد میں خلق خدا کا متاثر ہونا وبا کہلاتا ہے۔ آج کے دور میں وائرس کے لئے عالمی وبا کی اصطلاح استعمال میں عام ہے، عالمی ادارہ صحت نے کرونا وائرس کو آخر کار عالمی وبا قرار دے دیا ہے حالانکہ اس سے کہیں زیادہ پہلے ہی دنیا کے زیادہ تر ممالک میں یہ بیماری پھیل چکی تھی۔

عالمی وبا کی اصطلاح کسی بھی متعدی بیماری کے لئے مخصوص ہے، جس میں مختلف ممالک میں بڑی تعداد متاثر ہوکر بیمار پڑ رہے ہیں، ۲۰۰۹ء میں سوائن فلو کو عالمی وبا قرار دیا گیا تھا جس سے دولاکھ افراد تقریبا ہلاک ہوئے تھے۔

شرعی نقطہ نظر یہ ہے کہ امراض باذن اللہ متعدی ہوسکتے ہیں، اس لئے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے احکام بھی دئے گئے ہیں۔

۲۔ وبا سے تحفظ کے لئے شرعی رہنمائی اور اسلامی ہدایات کیا ہیں؟

جواب۔ اسلامی ہدایات برائے وبائی امراض سے تحفظ درج ذیل ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ تم جب کسی سرزمین میں وبا کے بارے میں سنو تو وہاں نہ جاؤ اور اگر کسی سرزمین میں وبائی امراض ہو اور تم اسی جگہ موجود ہو تو وہاں سے بدک کر/ بھاگ کر باہر نہ چلے جانا۔

(صحیح ابن حبان: ۲۹۵۳)

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جذامی سے ایسے دور بھاگو جیسے تم لوگ شیر سے بھاگتے ہو۔

(السنن الصغير للبيهقي: ٣/٦٥، صحيح)

مذکورہ حدیثوں میں بعض امراض کے متعدی ہونے کی وجہ سے متاثرہ علاقوں میں داخل ہونے اور وہاں رہنے والوں کو باہر جانے سے روکا گیا ہے، نیز بیماری من جانب اللہ ضرور آتی ہے، مگر احتیاطی تدابیر اپنانا ایمان و توکل کے منافی نہیں ہے۔

۳۔ کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے اور اس سے بچنے کے سلسلہ میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل اور دیگر احتیاطی تدابیر کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا ایسا کرنا توکل علی اللہ اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہے؟

حکومت کی گائڈ لائن یا احتیاطی تدابیر پر عمل کرنے میں شرعا کوئی قباحت نہیں ہے، کیونکہ حکومت جو قدم اٹھاتی ہے سد ذریعہ کے طور پر ہے،

مصلحت عامہ کے فائدے کے لئے جو بھی اقدام ہو اس میں رعایا کو تعاون کرنا ضروری ہے، اور یہ گائڈ لائن پر عمل بھی مفاد عامہ کی خاطر ہے۔

احتیاطی تدابیر پر عمل توکل کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ توکل کا معنی ہی اسباب کو اپناتے ہوئے اللہ پر بھروسہ کرنا ہے، نیز ایمان کا تقاضہ بھی ہے کہ بندہ اسباب اپنائے پھر مالک کائنات پر بھروسہ کرے۔ مسلم اور غیر مسلم کے توکل میں فرق یہی ہے کہ غیر مسلم صرف اسباب پر بھروسہ کرتا ہے، مسبب الاسباب کو بھول جاتا ہے، لیکن ایک مسلم اسباب کو اپنا کر اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، پھر بھی نتیجہ اس کے مرضی کے خلاف ہو تو تقدیر پر ایمان لاتے ہوئے تقدیر سے راضی رہتا ہے۔

۴۔ بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کیا ہے؟

حدیث سے یہ بات عیاں ہے کہ بیماری کا ایک دوسرے کو لگ جانا یا یہ خیال کرنا کہ فلاں شخص فلاں کی وجہ سے بیمار ہوا یہ سب بے بنیاد باتیں ہیں اور غلط عقائد ہیں۔ بیماری اگر متعدی ہے تو وہ بھی اللہ کی مشیت و ارادہ کے تابع ہے اور اللہ تعالیٰ ہی مسبب الاسباب ہے، جو وہ چاہتا ہے کر گزرتا ہے، اس کے ارادے، ہر حال میں نافذ ہوا کرتے ہیں۔ بیماری کے متعدی ہونے کی نفی اس طرح سے بھی ہوتی ہے کہ ایک گھر میں چند لوگ بیمار ہوتے ہیں جب کہ دوسرے لوگ صحت مند ہوا کرتے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہر چیز میں اللہ ہی کی مشیت و ارادہ مقدم ہے۔ اسی وجہ سے بعض لوگ بیمار ہو جاتے ہیں تو بعض دوسرے صحت مند رہا کرتے ہیں۔

اسلام نے یہ تصور دیا کہ بیماری بذات خود مضر اور متعدی نہیں ہے جب تک کہ اللہ کی مشیت نہ ہو۔ اگر چہ بعض چیزوں میں بیماری کا پھیلنا ممکن تو ہے لیکن فی نفسہ وہ مضر نہیں ہوا کرتیں جب تک کہ اللہ نہ چاہے۔

محور دوم: کرونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف

۱۔ کیا کرونا کے زمانہ میں مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنے یا انفرادی نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

مردوں کے لیے فرض نمازیں با جماعت ادا کرنا واجب ہے، البتہ حالات بدلنے کی وجہ سے احکام میں بھی تبدیلی ہوگی، عام حالات اور خاص حالات کے احکام میں، استثنائی حالات کے احکام میں فرق کیا جائے گا، جب حکومت کی طرف سے پابندی ہو تو مردوں کے لیے گھروں میں باجماعت نماز کی اجازت ہوگی، جہاں تک ہو سکے مرد حضرات اپنے گھروں میں باجماعت نماز ہی ادا کریں، خواتین بھی جماعت میں شامل ہو جائیں تو جماعت کی فضیلت پالیں گی۔

۲۔ کرونا کے زمانہ میں ایک مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ پنج وقتہ نمازیں پڑھنے اور متعدد بار نماز جمعہ ادا کرنے کا حکم کیا ہے؟

مذکورہ حالات اور مجبوریوں کی وجہ سے یا جماعت کی کثرت کی صورت میں بھی ایک ہی مسجد میں پنج وقتہ نمازیں ہوں یا نماز جمعہ متعدد بار ادا کرنے میں شرعا کوئی حرج نہیں ہے اور نہ ہی شریعت میں کوئی پابندی عائد کی گئی ہے، البتہ اگر کوئی دوسرا امام میسر نہ ہو وہی امام دوسری جماعت کا بھی امام بن سکتا ہے، اس کے لیے دوسری جگہ بدل کر امامت کرنے کی کوئی شرط نہیں ہے، جیسا کہ مسئلہ مشہور ہے کہ متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز صحیح ہو جاتی ہے، جماعت ثانیہ کے لیے صرف اقامت کہنا کافی ہے۔

جیسا کہ مندرجہ ذیل دلائل سے وجہ جواز ثابت ہے، نماز جمعہ کی پابندی شرعا مطلوب ہے، خواہ وہ شہر ہو یا دیہات، عام حالات ہوں یا وبائی امراض کے حالات، بہر حال کوشش کی جائے کہ لوگ دین سے دور نہ ہو جائیں، جمعہ لوگوں کے دین کے تحفظ کا ذریعہ ہے، لہٰذا ہر جگہ اقامت جمعہ کی

کوشش ہونی چاہیے، خواہ ایک ہی مسجد میں تعدد اقامت جمعہ لازم آئے۔

ا۔قال الله تعالیٰ: یایها الذین آمنوا إذا نودی الصلاة من یوم الجمعة فاسعواالی ذکر الله و ذروا البیع، ذلکم خیر لکم إن کنتم تعلمون ۔(الجمعة:۹) اے ایمان والو! جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے تو تم اللہ کو یاد کرنے کے لیے تیزی کے ساتھ لپکو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ اگر تم سمجھتے ہو تو ایسا کرنا تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے۔

حضرت طارق بن شہابؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة إلا أربعة عبد مملوك أو امرأة أوصبی أو مریض (صحیح سنن ابی داؤد:۱/۲۹۴۔۹۷۸) جماعت کے ساتھ جمعہ کا قائم کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے البتہ غلام، عورت، بچہ اور بیمار اس سے مستثنیٰ ہیں۔

صورت مسؤلہ میں مذکورہ بالا نصوص شریعت میں تمام مسلمانوں کو بلا قید شہر و قصبہ کے اپنا کاروبار چھوڑ کر نماز جمعہ میں حاضری کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ نبی کریمؐ نے ہجرت کے وقت قباء سے مدینہ جاتے ہوئے بنی سالم کے وادی میں نماز جمعہ ادا فرمائی۔(فتح الباری:۱۱/۲۳۶)

نیز آپ کے دور میں بحرین کے جواثی گاؤں میں جمعہ قائم کیا گیا۔

(صحیح بخاری : ۱۲۲/۱، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القری والمدن)

۳۔نماز جمعہ گاؤں، دیہات اور شہروں میں مقیم صحت مند مسلمان عاقل و بالغ آزاد مردوں پر فرض ہے۔

قرآن وحدیث میں جمعہ کی فرضیت یا جواز کے لیے شہر کی شرط یا قید ہرگز ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس گاؤں میں بھی نماز جمعہ پڑھنا ثابت ہے، جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ صحابہؓ نے جمعہ قائم کرنے کی اجازت طلب کی تو آپؓ نے جوابی خط میں لکھا: "جمعوا حیث کنتم" تم جہاں بھی رہو جمعہ قائم کرو۔ (مصنف ابن أبی شیبة ۱۱/۲)

نیز جمعہ کی نماز کے علاوہ بھی عام حالات میں تعدد جماعت عند الضرورۃ جائز ہے، بشرطیکہ لوگ اس کو معمول نہ بنالیں، جیسا کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ وہ ایک مسجد میں داخل ہوئے جہاں نماز با جماعت پڑھی جا چکی تھی، تو آپ نے اذان دی اور اقامت کہی اور باجماعت نماز ادا فرمائی۔

جاء أنس بن مالك قد صلی فیه فأذن وأقام وصلی جماعة (البخاری : باب فضل صلاة الجماعة) وعن عبد الله بن عمرؓ صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع وعشرین درجة. (البخاری ومسلم)

مفتی سلمان منصور پوری کا فتوی: اگر کبھی کسی عذر کی بناء پر جماعت ثانیہ کر لی جائے تو جائز ہے، لیکن اس کی عادت بنالینا گناہ ہے۔ (کتاب النوازل:۴/۵۱۵)

الضرر الأشد یزال بضرر الأخف (شرح المجلة : ۲۷،۳۱۱)یختارأهون الشرین.

(شرح المجلة: ۲۹۳۲/۱) والله أعلم بالصواب.

۴۔وبا کے زمانہ میں گھروں میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی کیا شرطیں ہیں؟

مساجد میں جمعہ قائم کرنے میں کوئی رکاوٹ ہو یا مساجد گھر سے بہت دور ہوں، یا مسجد کسی آبادی میں نہ بنائی گئی ہو یا وبائی امراض یا ایمرجنسی حالات میں یا کسی بھی مجبوری کی وجہ سے گھروں میں جمعہ کا قائم کرنا درست ہے، حالات جب میسر ہوں تو مسجد میں جمعہ کا قائم کرنا ہی اوّل ی ہے، نماز جمعہ قائم کرنے کے لیے شرط وہی ہے جو کسی مسجد میں جمعہ قائم کرنے کے لیے مقرر ہے، یعنی کوئی ایسا امام میسر ہو جو عالم ہو یا جمعہ قائم کرنے پر قدرت رکھتا ہو، خطبہ جمعہ پڑھ سکتا ہو، ورنہ لوگ نماز ظہر ہی ادا کرلیں گے۔

۴۔ظہر پڑھنے کی صورت میں با جماعت پڑھیں یا تنہا؟

نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ: "إذا سافرتما فأذنا وأقيما وليؤمكما أكبركما." جب تم دو آدمی سفر پر ہوں تو تم میں سے کوئی ایک اذان دے اور تم میں سے جو بڑا ہو امامت کرے (صحیح النسائی:۷۸۰))

مذکورہ حدیث کی روشنی میں نبی کریم ﷺ نے سفر میں بھی با جماعت نماز کی تاکید فرمائی تو بدرجہ اوّلی حضر میں اس کا لحاظ ہونا چاہئے، مذکورہ حدیث کے علاوہ بے شمار احادیث شریفہ میں با جماعت نماز کی تاکید وارد ہے، لہٰذا ان حالات میں بھی کوشش یہی ہو کہ با جماعت نماز ہی ادا کریں اور با جماعت نماز کا ثواب پائیں۔

۵۔کیا وبا کے زمانہ میں عیدین کی نماز گھروں میں پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

جواب: عیدین کی نماز بعض علماء کے نزدیک واجب اور بعض کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، حالات اور ظروف کے تحت مجبوری کی صورت میں میدانوں اور عیدگاہوں میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی صورت میں گھروں میں عیدین کی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۶۔ماسک لگا کر نماز پڑھنے اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا حکم کیا ہے؟

جواب: حکومت کی جانب سے مذکورہ پابندی عائد ہونے کی صورت میں اور مجبوری کی حالت میں ماسک لگا کر اور فاصلہ کا لحاظ رکھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی، بشرطیکہ یہ حکم ہر جگہ کے لیے عام ہو، اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو، جیسے یہ پابندی تمام عبادت خانوں، تفریحی مقامات، بازاروں اور ہر قسم کی سواری کے لیے بھی یہی حکم عام ہو تو مساجد میں بھی وقت ضرورت اس کی پابندی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۷۔کرونا سے متاثر افراد کا مسجد آنا اور جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے؟

جواب: مذکورہ مریضوں کو احتیاطی تدابیر اپنانے کے ساتھ حکومتی گائڈ لائن پر عمل کرتے ہوئے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لینا بہتر ہے، جیسا کہ عربی کا مشہور مقولہ ہے۔الوقایۃ خیر من العلاج۔یعنی بیماری سے قبل بیماری کے اسباب سے بچنا علاج ومعالجہ سے بہتر ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لاضرر ولاضرار (الاستذكار لابن عبد البر، السنن الكبرى للبيهقي: ٦/ ٧٠) یعنی خود نقصان نہ اٹھاؤ اور دوسروں کو بھی نقصان نہ پہنچاؤ۔

۸۔کرونا سے متاثر افراد کے لیے روزہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: عام مریضوں کے لیے جو حکم ہے وہی حکم ان کرونا مریضوں کے لیے ہے، یعنی یہ مریض روزہ رکھنے پر قادر ہوں تو روزہ کا اہتمام کریں گے، یا فی الوقت ناممکن ہو تو بعد میں قضا کریں گے، اگر یہ بیماری کسی کے حق میں مزمن قسم کی ہو اور افاقہ کی امید کم ہو تو کفارہ دینے کی اجازت ہوگی۔کفارہ یہ ہوگا کہ وہ کسی مسکین کو دو وقت کے کھانے کا انتظام کردے، یا نصف صاع کے حساب سے غلہ دے۔

۹۔کرونا کی وجہ سے عام مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روکا جا سکتا ہے؟

جواب: حالات اور ضروریات کے تحت، مجبوری یا کسی احتیاطی تدابیر کے تحت عام مسلمانوں کی صحت وتندرستی کا لحاظ رکھ کر وقتی طور پر حج اور عمرہ سے روکا جا سکتا ہے، جیسا کہ تاریخ کے حوالہ سے یہ بات بتائی گئی ہے کہ ۹ھ کو جب حج فرض کیا گیا، اس کے بعد آج تک تقریبا ۴۰ بار مختلف اسباب کے تحت عام مسلمانوں کو حج بیت اللہ کی سعادت سے محروم کیا گیا تھا، خواہ کسی وبائی بیماری کے پھیلنے کے خوف سے ہو یا کسی اور غارتگری کے سبب سے، مثلا ۲۵۱ھ کو اسماعیل بن یوسف السفاک کی فوج نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی، اور حج سے لوگوں کو روکا تھا، اسی طرح ۳۱۷ھ میں قرامطہ نے مسجد حرام پر حملہ کیا،

ہزاروں بے گناہوں کو قتل عام کیا اور حج بیت اللہ کو شعیرۃ جاہلیۃ کہہ کر تقریبا دس سال تک لوگوں کو حج سے روکا، اور حجر اسود کی چوری ہوئی، نیز ۳۵۷ھ میں الماشری نام کی وبائی بیماری پھیلی اور حج سے لوگ روک دیئے گئے، ۴۹۲ھ کو امن عام کے مفقود ہونے کی وجہ سے اور باشاہوں کے درمیان آپس میں جنگ کی وجہ سے بھی حج بیت اللہ موقوف کیا گیا۔ (البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر)

اسی طرح ۱۸۱۴ء میں طاعون بیماری کے پھیلنے کی وجہ سے ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں، یہ بیماری حج بیت اللہ میں رکاوٹ بنی، ۱۸۳۱ء، ۱۸۴۰ء، ۱۸۴۶ء، ۱۸۵۰ء میں بھی مختلف امراض اور وبائی امراض کی وجہ سے وقوف عرفہ اور حج بیت اللہ سے لوگوں کو مؤقتا روکا گیا، سال گذشتہ صرف ۶۰ ہزار مقامی حجاج کو اجازت دی گئی تھی، مجبوریوں کی وجہ سے مذکورہ اقدام اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

محور سوم: کرونا کے زمانہ میں مساجد سے متعلق مسائل

۱۔ کرونا کے زمانہ میں مساجد کو بند کرنا کیسا ہے؟

جواب: صورت مسؤلہ میں مطلقا مساجد بند کرنا صحیح نہیں ہے، ہزار پابندیوں کے باوجود مساجد اللہ کے گھر ہیں، جو اللہ کی عبادت کے لیے بنائے جاتے ہیں، خادمین مساجد (امام، مؤذن، فراش، متولی وغیرہ) کے ذریعہ مساجد کو آباد کرنا چاہیے، چاہے عوام الناس کو اجازت عام حاصل نہ ہو، الحمدللہ مادر وطن میں کلی طور پر مساجد بند کرنے کی بات نہیں آئی ہے جب کہ بعض ممالک میں عملا عبادت خانے بند کردئے گئے تھے۔ واللہ المستعان.

۲۔ کیا جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان دی جائے گی؟

جواب: اذان حقیقت میں نماز کے دخول وقت کا اعلان عام ہے، اذان کے بعد لوگ اپنے اپنے مقامات میں نماز پڑھیں گے، ایسے حالات میں بھی اذان دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۔ جماعت میں کتنے افراد شریک ہوں، اس بارے میں گورنمنٹ کی ہدایات کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

جواب: باجماعت نماز کے لیے شرعی قانون کے حساب سے دو افراد بھی ہوں تو جماعت کی نماز قائم ہوجاتی ہے، لہٰذا کم سے کم دو افراد سے بھی جماعت قائم کی جائے، پنج وقتہ نماز اسی شکل میں باجماعت نمازیں اور جمعہ قائم ہوتی رہیں، جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ میں تاکیدی حکم وارد ہے، إذا سافرتما فأذنا و أقيما وليؤ مكما أكبر كما. (جب تم دو آدمی سفر پر ہوں تو تم میں سے کوئی ایک اذان دے اور تم میں سے جو بڑا ہو امامت کرے) (صحیح النسائی: ۷۸۰) اوّل والامر کی اطاعت ان حالات میں واجب ہے، بشرطیکہ یہ حکم اور پابندیاں ہر جگہ کے لیے عام ہوں، اس پر عمل کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو، جیسے یہ پابندی تمام مذاہب کے عبادت خانوں، تفریحی مقامات، بازاروں اور ہر قسم کی سواری کے لیے بھی عام ہو تو مساجد میں بھی وقت ضرورت اس کی پابندی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۴۔ مساجد کے کسی حصہ یا اس کے ملحق جگہ کو کووڈ سینٹر بنانا کیسا ہے؟

جواب: ضرورۃ مساجد و اسلامی مراکز کو کووڈ سینٹر بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے مگر بعض شرعی پابندیوں کا لحاظ ضروری ہے، مثلا مطلقا مردوں کو اجازت ہو لیکن خواتین کو عذر شرعی (حیض ونفاس) کے حالات میں مسجد سے باہر کسی دوسری جگہ میں منتقل ہونے کے لیے انتظامات ہوں۔ لا أحل المسجد لحائض و لا جنب (سنن أبو داؤد: ۲۳۲) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں کسی حائض یا جنبی کے لیے مسجد کو حلال نہیں کروں گا۔

محور چہارم: کرونا مریض کی تیمارداری

۱۔ کرونا سے متاثر مریض کو الگ تھلگ کر دینا اور اس کی تیمارداری نہ کرنا کیسا ہے؟

جواب: ہر مریض قابل رحم ہوتا ہے، اس کی تیمارداری کرنا ہر حال میں واجب ہے، خواہ وہ مرض متعدی ہو، کچھ لوگ اس کی خدمت کریں، اور علاج ومعالجہ کے لیے ہر ممکن کوشش کریں، شریعت کا تقاضا بھی یہی ہے اور انسانیت بھی یہی چاہتی ہے کہ انسان انسان کی خدمت کرے، اسے بے یار و مددگار نہ چھوڑا جائے۔

۲۔ کرونا سے متاثر مریض کے علاج کا خرچ اگر افراد خاندان برداشت نہ کرسکیں تو حکومت یا سماج کی کیا ذمہ داری ہوگی؟

جواب: مریض کا خرچ اگر اس کے گھر والے، اعزہ واقارب برداشت نہ کرسکیں تو حکومت ومعاشرہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ مریض کی جان بچانے کی حتی المقدور کوشش کریں، ایک انسان کی جان بچانا شریعت کی نظر میں پوری انسانیت کو بچانے کے مترادف ہے، جیسا کہ سورہ مائدہ کی آیت شاہد ہے۔

ایسی مجبوری کی صورت میں تکافل اجتماعی اور بیت المال وغیرہ سے تعاون کی کوئی صورت نہ ہو تو حکومت کی ذمہ داری ہے کہ مریض کی جان بچائے اور ممکنہ علاج میسر کرے۔

محور پنجم: کرونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

۱۔ کرونا سے انتقال کرنے والوں کو کس طرح غسل دیا جائے؟ اگر غسل دینے کی اجازت نہ ہو یا غسل ممکن نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ کیا بلا غسل دفن کر دینا جائز ہوگا؟

جواب: کرونا سے مرنے والوں کے حالات مختلف ہیں، مختلف مقامات کی صورتیں اور حالات بھی الگ الگ ہیں، کہیں سختیاں اور پابندیاں بہت ہیں، کہیں ان جنازوں کو کسی کے حوالہ نہیں کیا جاتا، کہیں رعایتیں کی جاتی ہیں، بعض جگہوں میں رفاہی خدمات کرنے والوں کا اثر ورسوخ کام آجاتا ہے، وہ لوگ کرونا میت کے ساتھ دیگر اموات کی تجہیز وتکفین کا معاملہ کرتے ہیں، بیسیوں اموات کی ذمہ داری نبھائے ہیں، پورے احترام کے ساتھ معمول کے مطابق بلا خوف وخطر یہ ساری کارروائیاں انجام دیتے ہیں، جزاهم الله خيراً.

مذکورہ مرض کا خوف موت سے بھی زیادہ مسلط ہوگیا ہے، لیکن مومن بے خوف وخطر اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے یہ سارے کام بڑی آسانی کے ساتھ انجام دیتا آیا ہے، بلکہ اپنوں کے علاوہ غیر مسلم برادران یہاں تک برہمن کی میت کو بھی اس کے آخری ٹھکانہ تک پہنچا کر انسانیت کا ثبوت دیا ہے، دنیا اس پر شاہد ہے، ماشاء اللہ مسلم تنظیموں اور نوجوانوں نے یہ خدمات انجام دی ہیں، اللہ قبول فرمائے۔ آمین!

اگر غسل دینے کی اجازت نہ ہو یا غسل ممکن نہ ہو، مجبوری کی صورت ہو تو بلا غسل دفن کر دینا جائز ہوگا لیکن میت کو کھولنے کی صورت میں کم سے کم تیمّم کا اہتمام کیا جائے تو بہتر ہے، اگر یہ بھی ناممکن ہو تو بلا غسل دفن کیا جائے گا، جیسے بڑے بڑے حادثات میں اجتماعی شکل میں اموات ہوں تو بلا غسل دفن کیا جاتا ہے، حالات اور ظروف کی بنیاد پر احکامات میں فرق ہوگا، کبھی مجبوری یا حکومت کی طرف سے ممانعت کی وجہ سے غسل، تیمّم، اور الگ سے کفن دینے کا حکم ساقط ہو جائے گا، نماز جنازہ پر اکتفاء کرتے ہوئے دفن کیا جائے گا۔

۲۔اگر کرونا کے میت کو اسپتال کی طرف سے مخصوص کور میں لپیٹ کر دیا جائے اور اسے کھولنے اور ہٹانے کی اجازت نہ ہو تو کیا وہ کور کفن کے حکم میں ہوگا؟ یا اس کے اوپر کفن لپیٹ کر دفن کیا جائے گا؟

جواب: کرونا کے میت کو اسپتال کی طرف سے مخصوص کور میں لپیٹ کر دیا جائے اور اسے کھولنے اور ہٹانے کی اجازت نہ ہو تو بصورت مجبوری اسی کور کو کفن تصور کیا جائے گا، مجبوری اور اضطراری حالات کے احکام عام حالات کے احکام میں فرق ضرور ہوگا، جہاں انسان بے بس ہو وہاں کی صورت الگ ہوگی، اللہ معاف فرمائے گا، ارشاد باری ہے:

"لايكلف الله نفسا إلا وسعها، (سورة البقرة :۲۸۶ وقال تعالى: فاتقوا الله ما استطعتم. (التغابن :۱۶) "مالا يدرك كله لايترك كله." (الأشباه والنظائر)

۳۔۴۔اگر کرونا میت کی بغیر نماز جنازہ تدفین کے بعد گھر والوں کو اس کی اطلاع دی جائے تو ایسی صورت میں بعد تدفین قبر کے پاس نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: صورت مسؤلہ میں نماز جنازہ کا حکم فرض کفایہ ہے، اگر ولی یا اعزہ واقارب کو نماز میں شریک ہونے کا موقع نہ ملا ہو تو تدفین کے بعد قبر کے پاس نماز جنازہ پڑھنے میں شرعا کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ نماز جنازہ میت کا حق بھی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے بعض لوگوں کی نماز جنازہ قبر کے پاس ادا فرمائی ہے:

وعن ابن عباسؓ أن رسول الله ﷺ مر بقبر دفن ليلا ، فقال متى دفن هذا ؟ فقالوا : البارحة ، قال أفلا أذنتموني ؟ قالوا دفناه في ظلمة الليل ، فكرهنا أن نوقظك ، فقام فصففنا معه ، (البخاري: كتاب الجنائز ، باب صفوف الصبيان مع الرجال)

نماز جنازہ درحقیقت فرض کفایہ ہے، بعض افراد اگر نماز جنازہ پڑھ لیں تو سب کی طرف سے کافی ہو جاتا ہے، پھر بھی کچھ لوگوں کو جو نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکے ہوں تو انہیں اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ نماز جنازہ تدفین کے بعد ادا کرلیں۔ ولو بالفرض قبر کی جگہ معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کہیں سے بھی ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ ملک حبشہ نجاشی کی نماز جنازہ مدینہ منورہ سے نبی کریم ﷺ نے ادا کی تھی۔

۵۔کیا کرونا سے انتقال کرنے والے مسلمان شہید کہلائیں گے؟

جواب: مذکورہ وبائی امراض بھی طاعون کے حکم میں شامل ہے، لہذا یہ مریض بھی شہید کہلائے گا، شہادت کے درجے ہیں، اعلی درجہ کا شہید مجاہد فی سبیل اللہ ہے جو معرکہ میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے مرجاتا ہے، دیگر حضرات خواہ وہ وبائی امراض میں یا پیٹ کے درد سے یا ڈوب کر، آگ لگنے کی وجہ سے یا کوئی عورت دردزہ یا نفاس کی حالت میں مرے، سب لوگ شہید کہلائیں گے (شهيد دون شهيد) باذن اللہ۔

محور ششم: کرونا ویکسین سے متعلق مسائل

۱۔الکوحل آمیز سینیٹائزر کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب: بطور علاج اور احتیاطی تدابیر کے تحت دواؤں میں الکوحل کا استعمال ہو تو ضرورۃ جواز کا فتوی دیا جاتا ہے، جیسا کہ قاعدہ فقہیہ ہے۔ الضرورات تبيح المحظورات، نیز بعض سینیٹائزر الکوحل ملے بغیر بھی پائے جاتے ہیں اس کا استعمال بھی ممکن ہے، دوسری بات یہ بھی ہے جیسا کہ

بعض تجربہ کار حضرات کا کہنا ہے کہ جب یہ الکوحل استعمال کئے جاتے ہیں تو ہوا میں تحلیل بھی ہو جاتے ہیں۔

۲۔ کرونا ویکسین لگوانے کا حکم کیا ہے؟ واجب یا مباح؟

جواب: کرونا ویکسین لگوانا سد ذریعہ کے طور پر ہے، اور یہ بھی عقیدہ ہونا چاہئے کہ فی نفسہ مؤثر نہیں ہے جب تک کہ اللہ نہ چاہے، لہٰذا اس کا لگوانا مباح کے قبیل سے ہی ہے۔

محورِ ہفتم: کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے سے متعلق اسلامی ہدایات

ا۔ وبا کے دفعیہ کے لیے اذان دی جاسکتی ہے؟

جواب: اذان درحقیقت نماز کے دخولِ وقت کا اعلان عام ہے، اذان کے بعد لوگ اپنے اپنے مقامات میں نماز پڑھیں گے، ایسے حالات میں محض وبا کے دفعیہ کی خاطر اذان دینا مشروع نہیں ہے، اور اس کا کوئی ثبوت نصوص شرعیہ سے ثابت نہیں ہے۔

۲۔ دفع وبا کے لیے اجتماعی نماز یا اجتماعی دعا کا اہتمام کرنا کیسا ہے؟

جواب: دفع بلا کے لیے اجتماعی دعاء یا اجتماعی نماز کی بجائے انفرادی طور پر سارے لوگ اللہ سے گڑگڑا کر دعا مانگیں، یہ زیادہ بہتر اور مؤثر ہوگی، ان شاء اللہ۔ البتہ خطیب حضرات جمعہ کے دن خطبۂ اولیٰ اور ثانیہ میں دفع بلا کے لیے دعاء کریں اور مصلی حضرات آہستہ آہستہ آمین کہیں یہ مسنون طریقہ بھی ہے۔

والله أعلم بالصواب. وصلى الله على نبينا محمد وبارك وسلّم، والحمد لله رب العالمين.

کرونا سے متعلق چند اہم مسائل

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی
انوار العلوم فتح پور، مئو

(۱) وبا کی حقیقت اور وباء سے متعلق شرعی نقطۂ نظر

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض امراض کے چپیٹ میں بہت سے لوگ آجاتے اور اکثر و بیشتر لوگ اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اسی کو وبائی مرض کہا جاتا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے قاضی عیاض کے حوالے سے لکھا ہے کہ مرض عام کو وبا کہا جاتا ہے، بعض لوگوں نے طاعون کو وباء اس لئے کہہ دیا ہے کہ وہ بھی وباء کی ایک صورت ہے لیکن ہر وبا طاعون نہیں ہے۔(۱) اور علامہ ابن قیم کہتے ہیں کہ وباء اور طاعون کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے ہر لہذا طاعون وباء ہے لیکن ہر وباء طاعون نہیں ہے۔(۲) اور علامہ نووی نے جوہری کے حوالے سے لکھا ہے کہ وبا وہ مرض عام ہے جس کے عام طور پر لوگ مر جاتے ہوں۔(۳)

وباء کیوں پھوٹ پڑتی ہے؟ اس سوال کے جواب میں ڈاکٹرس کہتے ہیں کہ ہوا کی خرابی اور آلودگی کی وجہ سے جراثیم پیدا ہوتے اور بڑھتے ہیں اور جس کا نتیجہ وباء کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے گویا کہ آب و ہوا کی خرابی وباء کا سبب ہے(۴) کسی وباء اور عمومی امراض کے کچھ ظاہری اسباب ہو سکتے ہیں جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے، لیکن حقیقت شناس جانتے ہیں کہ مصائب و آلام اور وباء و بلا کی حقیقی وجہ خود انسان کا اپنا کرتوت ہے۔

وما أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم ويعفوا عن كثير. (۵)

(ترجمہ: اور تمہیں جو کوئی مصیبت پہونچتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کئے ہوئے کاموں کی وجہ سے پہنچتی ہے اور بہت سے کاموں سے تو وہ درگزر ہی کرتا ہے۔

وضرب الله مثلا قرية كانت آمنة مطمئنة ياتيها رزقها رغدا من كل مكان فكفرت بأنعم الله فاذا قها الله لباس الجوع والخوف بما كانوا يصنعون. (٦)

اللہ ایک ایسی بستی کی مثال دیتا ہے جو بڑی پر امن اور مطمئن تھی، اس کا رزق اس کو ہر جگہ سے بڑی فراوانی کے ساتھ پہونچ رہا تھا پھر اس نے اللہ کی نعمت کی ناشکری کی، تو اللہ تعالی نے ان کے کرتوت کی وجہ ان کو یہ مزہ چکھایا ہے کے بھوک اور خوف ان کا پہننا اور اوڑھنا بن گیا۔

---

(١) الوباء عموم الامراض وقدا طلق بعضهم على الطاعون انه وباء لانه من افراده فتح البارى ١٣٣١٠ باب الدعاء برفع الحمى ـ(٢) والتحقيق أن بين الوباء والطاعون عموما وخصوصاً فكل ماعون وباء وليس كل و با طاعونا زاد المعادم /٣٨/٤ (٣) الوباء مرض عام يفض إلى الموت غالباً ـ المنهاج ١٨٧/١٣ حديث رقم ٢٠١٤، اور حديث رقم ٢٢١٨ كى شرح ميں لكھتے هيں والصحيح الذى قاله المحققون انه مرض الكثيرين من الناس فى جهة من الأرض دون سائر الجهات ويكون مخالف المعتاد من الأمراض فى الكثرة وغيرها ويكون مرضهم نوعا واحداً بخلاف سائر الأوقات فان امراضهم فيها مختلفة ـ المنهاج ٢٠٤/١٤ (٤) قال ابن سيناء: الوباء ينشأ عن فساد جوار الهواء الذى هو مادة الروح ومدده فتح البارى ١٣٣/١٠ (٥) سورة الثورى: ٣٠ (٦) سورة النحل: ١١٢

لیکن یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہر مصیبت کی وجہ کوئی معصیت ہو بلکہ کبھی بطور آزمائش بھی مومن کو خلاف طبیعت امور سے دوچار ہونا پڑتا ہے، رب کائنات کا ارشاد ہے:

ولنبلونکم بشئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والأنفس والثمرات وبشر الصابرين. (۱)

اور دیکھو ہم تمہیں آزمائیں گے ضرور (کبھی) خوف سے اور (کبھی) بھوک سے (کبھی) مال وجان اور پھلوں میں کمی کر کے اور جو لوگ ایسے حالات میں صبر سے کام لیں ان کو خوشخبری سنادو۔

اس لئے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ زندگی کی گاڑی کسی ڈگر پر چل رہی ہے، معصیت کی پگڈنڈیوں پر! عبادت واطاعت کی شاہراہ پر؟ اور اس کے اعتبار سے طے کرنا ہوگا کہ پیش آمدہ مصیبت عذاب ہے یا آزمائش؟

اس وقت پوری دنیا میں بے حیائی اور فحاشی کا دور دورہ ہے اور ننگا پن، بے لباسی اور برہنہ گفتاری فیشن اور ترقی کی علامت ہے، اور اس معاملے میں امت مسلمہ کا مجموعی حال بھی بہت اچھا نہیں ہے اور جس قوم میں بے حیائی عام ہوتی ہے اسے عموم امراض میں مبتلا کر دیا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: لم تظهر الفاحشة فی قوم قط حتی يعلنوا بها إلافشافيهم الطاعون والاوجاع التی لم تكن فی اسلافهم الذين مضوا (۲)

جس قوم میں فحاشی عام ہو جاتی ہے اور وہ کھلے عام بدکاری کا ارتکاب کرتی ہے تو اس میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو پہلے کبھی نہیں تھیں۔

اسی طرح سے ظلم وجور کی تمام شکلیں اپنی انتہا کو پہونچی ہوئی ہیں اور وہ ہاتھ نہیں رہا جو ظالم کے پنجے کو موڑ سکے۔

وہ نڈر اور بے باک زبان نہیں رہی جو ظالم کو ٹوک سکے بلکہ وہ دل بھی بڑا کمیاب ہے جو ظلم کو برا سمجھے، اور اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: إن الناس اذارأوا الظالم فلم يأخذوا علی يديه اوشك ان يعمهم بعقاب منه. (۳)

جب لوگ ظالم کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں اور اس ہاتھ کو نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالی سب کو عمومی سزا سے دوچار کر دے۔

اس کے علاوہ کونسا ایسا جرم ہے جسے دھڑلے سے اس دھرتی پر انجام نہ دیا جا رہا ہو ان حالات میں اگر آسمان سے پتھر برسے اور اور زمین آگ اگلنے لگے تو بھی بہت کم ہے۔

(۲) وبا سے حفاظت کے طریقے

وباء سے حفاظت کا سب سے اہم اور مفید طریقہ ہے کہ انسان اپنے خالق ومالک سے اپنے تعلق کو استوار اور مضبوط کرے، گناہوں سے توبہ اور کثرت سے استغفار کرتا رہے اور بہتر ہے کہ دو رکعت صلاۃ حاجت پڑھ کر وباء کو ختم کرنے کی دعا مانگے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔

يا أيها الذين آمنوا استعينوا بالصبر والصلوة ان الله مع الصابرين. (۴)

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو بیشک اللہ تعالی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس لئے کہ نماز سب سے مضبوط پناہ گاہ ہے، اور یہی وہ قلعہ ہے جہاں پہونچ کر مومن ہر قسم کی، مصیبت اور دکھ درد سے بے خوف ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے سامنے جب کوئی مشکل مرحلہ آتا تو فوراً نماز کی طرف متوجہ ہوتے، حضرت حذیفہ نقل کرتے ہیں کہ إذا حزبه

---

(۱) سورۃ البقرہ:۱۵۵ (۲) سنن ابن ماجہ:۴۰۱۹ حدیث حسن ہے (۳) جامع ترمذی:۲۱۶۸ حدیث صحیح ہے (۴) سورۃ البقرۃ:۱۵۳

امر صلی (۲) رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی پریشانی درپیش ہوتی تو نماز پڑھتے۔

اور حضرت ابودرداء کہتے ہیں۔

اذا كانت ليلة ريح شديدة كانت مفزعه إلى المسجد حتى تسكن الريح .(۳)

جب کبھی رات میں تیز ہوا چلنے لگتی تو آنحضرت ﷺ گھبرا کر مسجد کا رخ کرتے اور جب تک ہوا رک نہ جاتی وہیں ٹھرے رہتے

اور وبائی یا متعدی امراض کے سلسلے میں شریعت نے جو ظاہری تدبیریں بتائی ہیں ان پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش کرے، مثلاً حدیث میں کہا گیا ہے کہ اس طرح کے امراض کے حامل شخص کے ساتھ میل جول نہ رکھا جائے اور اس سے دور رہنے کی کوشش کی جائے کیونکہ اختلاط کی وجہ سے مرض کے متعدی ہونے کا خطرہ ہے، چنانچہ رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

لا توردوا الممرض على المصح. (۴)

جس کے اونٹ بیمار ہوں وہ ان کو پانی پلانے کے لئے اس گھاٹ پر نہ لے جائے جہاں تندرست اونٹ پانی پیتے ہیں۔

وفر من المجذوم كما تفر من الأسد.(۵)

(کوڑھی سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔)

نیز اللہ کے رسول ﷺ نے برتن کو ڈھانک کر رکھنے کا حکم دیا ہے کہ کھلے رہنے کی وجہ سے اس میں وباء کے داخل ہونے کا خطرہ ہے، حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

غطوا الإناء واوكوا السقاء فان في السنة ليلة ينزل فيها وباء لا يمر بإناء ليس عليه غطاء او سقاء ليس عليه وكاء إلا نزل فيه من ذالك الوباء. (۶)

برتنوں کو ڈھانک دو اور مشکیزے کا منہ باندھ دو کیونکہ سال میں ایک مرتبہ وباء اترتی ہے اور جس برتن پر ڈھکن اور جب مشکیزے پر بندھن نہیں ہوتا ہے اس میں وہ داخل ہو جاتی ہے۔

۳-حکومت کی طرف سے مقرر کردہ احتیاطی تدابیر پر عمل

وبائی امراض کے دور میں کسی بھی حکومت کی طرف سے کوئی احتیاطی تدبیر اپنائی جاتی ہے اور عوام کو اس کا پابند بنایا جاتا ہے تو ممکن حد تک اس پر عمل کرنا ضروری ہے مثلاً کرونا کی وجہ سے اگر ماسک پہننے یا نقل و حرکت سے منع کیا جاتا ہے تو اس پر عمل کیا جانا چاہئے، طاعون جیسے وبائی مرض کے سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

إذا سمعتم بالطاعون با رض -----واذاوقع بارض وانتم بها فلاتخرجوا منها. (صحیح بخاری: ۵۷۲۸ وغیرہ)

جب تم زمین کے کسی حصے میں طاعون پھوٹ پڑنے کے بارے میں سنو تو وہاں مت جاؤ، اور اگر کسی جگہ طاعون پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے نہ نکلو۔

طاعون زدہ علاقے میں جانے ممانعت کی حکمت کے سلسلے میں علامہ ابن قیم کہتے ہیں کہ جن علاقوں میں بیماری پھیلی ہوئی ہے وہاں جانا اپنے آپ کو ہلاکت کے لئے پیش کرنا ہے، ایسی جگہ جانا ہے جہاں موت منہ کھولے کھڑی ہے، اس علاقے میں جانا اپنے خلاف موت کی مدد کرنا ہے اور

(۱) سنن ابوداود: ۱۳۱۹، حدیث حسن ہے (۲) مجمع الزوائد: ۲/۲۱۴ سند حسن ہے، اعلاء السنن ۸/۱۴۶ (۳) صحیح بخاری: ۵۷۷۴ (۴) صحیح بخاری: ۵۷۰۷
(۵) صحیح مسلم: ۲۰۱۴

خودکشی کے مترادف ہے اور عقل کے اعتبار سے نادرست اور شریعت کے خلاف ہے۔۔۔اور وہاں سے نکلنے کی ممانعت کی وجہ دو ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ مشکلات میں پھنسے ہوئے لوگوں ساتھ رہ کر اللہ کے ساتھ تعلق مضبوط ہوتا ہے، وہ اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور اس کے فیصلے پر راضی رہتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو وباء سے بچنا چاہتا ہے اسے اپنے بدن سے فاسد رطوبات کو نکالنے کی کوشش کرنا چاہیے، اور اس کے لئے اسے سکون وآرام کی ضرورت ہے، اور وہاں سے نکالنا اور دور دراز مقام کا سفر کرنا سنگین قسم کے حرکات کا متقاضی ہے جو مذکورہ اصول کی روشنی میں سخت نقصان دہ ہوگا۔(الطب النبوی باختصار/۳۴)

اور امام غزالی لکھتے ہیں:

ہوا جسم کے ظاہری حصے سے لگتے ہی نقصان نہیں پہونچاتی ہے بلکہ اس وقت ضرر رساں ہوتی ہے جب کہ سانس کے ذریعے بار بار جسم کے اندر پہونچے، اگر ہوا میں عفونت ہے اور وہ سانس کے ذریعے دل پھیپھڑا اور آنت میں پہونچ کر اثر انداز ہو جائے پھر بھی اس کا اثر ظاہر نہیں ہوگا مگر یہ کم اندرونی حصے میں دیر تک رہے۔ لہٰذا کسی شہر سے نکلنا اکثر اس اثر سے خالی نہیں ہوگا جو کہ اس کا اندرونی حصے میں جڑ پکڑ ا چکا ہے۔ (احیاء علوم الدین ۴/۱۲۹۱ کتاب التوجہ وبیان الرد علی ترک التداوی)

حاصل یہ ہے کہ ایک شخص بسا اوقات وبائی جراثیم کا حامل ہوتا ہے مگر اس پر مرض کے اثرات ظاہر نہیں ہوتے اور اس کے ذریعہ وہ دوسروں تک منتقل ہو جاتے ہیں اس لئے تندرست لوگوں کو بھی اس جگہ سے جانے کی اجازت دی جائے تو وہ مرض کو پھیلاتے پھریں گے اور ہر جگہ خوف و ہراس کی فضا بن جائے گی۔

اور منانعت کی ایک وجہ خود حدیث میں مذکور ہے، الفار من الطاعون کالفار من الزحف کہ طاعون سے بھاگنا اور میدان جنگ سے فرار اختیار کرنا یکساں ہے۔(مسند احمد:۲۴۵۲۷)

اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں موقعوں پر وہاں رہ جانے والوں کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے اور قوت مدافعت کمزور پڑ جاتی ہے حدیث کے اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور اکثر علما اسی کے قائل ہیں۔(عون المعبود ۸/ ۳۶۹، فتح الباری ۱/۲۲۱)

۴۔مرض کا متعدی ہونا

قدیم زمانے سے بعض امراض کے متعدی ہونے کا تصور چلا آرہا ہے، اور یہ ایک حقیقت بھی ہے، اور اسلام کسی حقیقت کا انکار نہیں کرتا ہے۔ چنانچہ متعدد حدیثوں میں مرض کے متعدی ہونے کا ذکر موجود ہے، جن میں سے بعض روایتیں گذر چکی ہیں، نیز ایک حدیث میں ہے کہ: کان فی وفد بنی ثقیف رجل مجذوم فارسل الیه النبی صلیﷺ انا قد بایعناك فارجع . (صحیح مسلم:۲۲۳۱)

اور بعض حدیثوں میں جو یہ کیا گیا ہے کہ بیماری متعدی نہیں ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بیماری میں خود سے متعدی ہونے کی صلاحیت نہیں ہے بلکہ اس کا پھیلاؤ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے اللہ چاہے تو مرض متعدی ہوگا ورنہ نہیں۔

چنانچہ یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک شخص مسلسل کسی بیمار کے ساتھ رہ رہا ہے اور اس کی دیکھ ریکھ میں مشغول ہے لیکن اسے وہ بیماری لاحق نہیں ہوتی اور دوسرا تھوڑی دیر کے لئے اس کے پاس آتا ہے اور مرض اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔

مشرکوں کا عقیدہ تھا کہ بیماری میں خود سے متعدی ہونے کی صلاحیت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بداعتقادی کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ بیماری متعدی نہیں ہوتی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا عدوی ولا صفر ولا هامة فقال اعرابی یا رسول الله فما بال الامل تکون فی ----- الظباء فیخالطها البعیر الاجرب فیجربها فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم فمن اعدی الاول . (صحیح بخاری:۵۷۷۰،صحیح مسلم۲۲۲۰)

نبی ﷺ نے فرمایا مرض متعدی نہیں ہوتا نہ پیٹ کا کیڑا اچھلتا ہے اور---کوئی نحوست ہے، ایک دیہاتی نے کہا: اللہ کے رسول! اونٹ صحرا میں ہرن کی طرح بالکل صاف اور چست ہوتا ہے لیکن کسی خارشی اونٹ کے ساتھ رہ جاتا ہے تو وہ بھی خارش زدہ ہو جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پہلے اونٹ کو مرض کس سے لگا ہے؟

امام نوویؒ مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المراد به نفی ما کانت الجاهلية تزعمه ان المرض والعاهة تعدد بطبعها لا بفعل الله تعالى. (المنہاج للنبووی حدیث رقم:۲۲۲۰)

مذکور حدیث کا مقصد زمانہ جاہلیت کے اس گمان کی تردید ہے کہ مرض وآفت بذات خود، متعدی ہوتی ہے۔اللہ تعالی کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ جاہلی دور کے لوگوں کا عقیدہ تھا کہ مرض میں خود منتقل ہونے کی صلاحیت ہے۔اور یہ اس کی ایک لازمی اور طبعی خاصیت ہے اس لئے وہ ضرور متعدی ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے اس کی تردید فرمائی کہ مرض میں خود سے متعدی ہونے کی صلاحیت نہیں ہے (فتح الباری ۱۰/۱۶۱)، بلکہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، اور عملی طور سے اس بدعقیدگی کو ختم کرنے کے لئے ایک جذامی کے ساتھ کھانا تناول فرمایا چنانچہ حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ: ان رسول ﷺ اخذ بيد المجزوم فوضعها معه فى القصعة وقال: كل ثقة بالله وتوكلا عليه (سنن ابوداود:۳۹۲۵،، جامع ترمذی ۱۸۱۷ وغیرہ)

رسول ﷺ نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے پیالے میں رکھ دیا اور فرمایا اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کر کے کھاؤ کہ مرض وشفاء اسی کے دست قدرت میں ہے البتہ اسباب کے درجے میں بعض بیماریاں متعدی ہوسکتی ہیں اس لئے فرمایا کہ جذامی سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔

علاج اور احتیاطی تدبیر توکل کے خلاف نہیں

دوا اور پرہیز توکل کے خلاف نہیں بلکہ عین توکل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دنیاوی زندگی میں فائدہ حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کے لئے اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اس نے توکل یہ ہے کہ اسباب کو اختیار کیا جائے مگر بھروسہ اللہ کی ذات پر رہے کہ وہ چاہے گا تو سبب میں اثر ہوگا ورنہ نہیں۔

اور حضرت ابوخزامہ نے دریافت کیا: یارسول الله أرايت رقى نسترقيها و دواء نتداوى بها و تقاة نتقيها هل ترد من قدر الله شياء قال هى من قدر الله، هذا حديث حسن . (جامع ترمذی ۲۰۶۵، سنن ابن ماجہ ۳۴۳۷، مسند احمد ۱۵۴۷۲)

اللہ کے رسول! جھاڑ پھونک، اور احتیاط اور پرہیز کے سلسلے میں آپ کیا فرماتے ہیں، کیا یہ چیزیں تقدیر کو لوٹا سکتی ہیں؟ فرمایا یہ بھی اللہ کی تقدیر میں سے ہے۔

علامہ ابن قیمؒ ان احادیث کی وضاحت میں لکھتے ہیں۔

صحیح حدیثوں میں دوا اور علاج کا حکم ہے اور یہ توکل کے خلاف نہیں جیسے کہ بھوک، پیاس کو مٹانے اور سردی وگرمی سے بچنے کی تدبیر توکل کے منافی نہیں ہے، بلکہ حقیقت توحید یہی ہے کہ بندہ ان اسباب کو اختیار کرے جن کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے اور ان اسباب کے چھوڑنے کی وجہ سے نہ صرف توکل کی حقیقت مجروح ہوگی بلکہ حکمت خداوندی کی توہین بھی ہوگی۔

اور اس سے ان لوگوں کی بات کمزور ثابت ہوتی ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اسباب کو اختیار نہ کرنا توکل کی اعلی قسم ہے، کیونکہ توکل کی حقیقت دینی اور دینداری معاملات میں اللہ پر اعتماد ہے۔اور یہ اعتماد اسباب کو اختیار کر کے ہی ہوگا ورنہ شریعت اور حکمت دونوں کو معطل کرنا لازم آئے گا، لہٰذا کوئی اپنی عاجزی اور کمزوروں کو توکل اور توکل کو عاجزی نہ سمجھ بیٹھے۔ (زاد المعاد:۴/۱۵)

کرونا کی وباء کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر

مفتی محمد طاہر سہارنپور
جامعہ مظاہر علوم جدید، سہارنپور

محور اول

(۱) وباء کیا ہے اور شریعت میں اس بارے میں کیا تصور ہے؟

وباء کا مفہوم:

وباء کے بارے میں اردو کی معروف لغت فیروز اللغات میں درج ہے کہ: ''وباء وہ بیماری ہے جو ہوا کے خراب ہو جانے کی وجہ سے پھیلتی ہے، یعنی متعدی بیماری، جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ''۔

اور معجم اللغة العربية المعاصرة میں مذکور ہے کہ:

"وباء كل مرض شديد العدوى سريع الانتشار من مكان إلى مكان، يصيب الإنسان والحيوان والنبات، وعادة ما يكون قاتلاً كالطاعون، كثيراً ما تنتشر الوباء بعد الحرب۔"

(یعنی وباء وہ شدید متعدی مرض ہے جو تیزی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پھیلے اور انسان، حیوان اور نباتات سب پر اثر انداز ہو، اور عامۃً مار ڈالے، جیسے طاعون، اور اکثر وبیشتر وبائیں جنگ کے بعد پھیلا کرتی ہیں۔)

اس سے واضح ہے کہ وباء کا اطلاق ان عمومی امراض پر ہوتا ہے جو فضاء کے آلودہ ہونے کے سبب سب جگہ پھیل جاتے ہیں، اور انسان وحیوان سب پر اثر انداز ہو کر عموماً موت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

وباء کا شرعی تصور:

مرض خاص ہو یا عام اس کا وقوع ایک مشاہدہ ہے، جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اور چونکہ دنیا دار الاسباب ہے، اسلئے یہاں ہر چیز سبب کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، اس ضابطہ کے مطابق امراض کا وجود بھی اسباب کے ساتھ مربوط ہے۔ پھر امراض کے جو ظاہری اسباب ہیں ان کو ماہرین طب بسط وتفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، اور اگر کوئی جدید مرض وقوع پذیر ہو تو وہ اس کے ظاہری اسباب کا ادراک کر کے اس کو بھی واضح کر دیتے ہیں، مگر قرآن وسنت نے امراض کے وقوع کے کچھ ایسے اسباب بھی بیان فرمائے ہیں جو ظاہر بیں نگاہوں اور مشاہدہ کے پار دیکھنے سے قاصر افراد کے لیے مرض کے اسباب کے طور پر ناقابل تسلیم ہیں، ان اسباب کا لُبِّ لباب اور خلاصہ اللہ تعالی کی نافرمانی اور معاصی وگناہوں کا شیوع وکثرت ہے، قرآن کریم نے واضح الفاظ میں متعدد مقامات پر اس کی تصریح بھی کی ہے، اور گزشتہ قوموں کی تاریخ کی ہلاکت وبربادی کا جو تذکرہ قرآن کریم نے کیا ہے اس سے بھی یہ امر ظاہر ہے۔

نیز حضور ﷺ نے اپنی بے شمار احادیث میں تعیین کے ساتھ بہت سے گناہوں کا تذکرہ کیا ہے، جو غضب الٰہی کو دعوت دینے والے ہیں، اور ان کی وجہ سے امت مختلف قسم کی آفات وبلایا اور امراض وآلام میں گرفتار ہو سکتی ہے، چونکہ احادیث کی تصریح کے مطابق قرب قیامت اللہ کی نافرمانی اور

فسق وفجور حدوں کو چھورہا ہوگا اس لیے اخیر زمانہ میں قدرتی آفات اور طرح طرح کے امراض کے بکثرت وقوع کا تذکرہ بھی احادیث میں صراحت کے ساتھ آیا ہے، بالخصوص فحاشی وعریانیت بے حیائی وبے شرمی اور زنا وبدکاری کے شیوع کو نت نئے امراض کے ظہور پذیر ہونے کا سبب قرار دیا گیا ہے، اس مضمون کی احادیث کتب حدیث میں بکثرت مذکور ہیں، اور اس زمانہ میں فحاشی وعریانیت کو جو عروج حاصل ہے وہ نہ کسی سے مخفی ہے اور نہ گزشتہ زمانوں میں اس کی نظیر ملتی ہے، آنحضور ﷺ نے عورتوں کو جو ''اضر ترین'' فتنہ فرمایا تھا اس کی واقعیت سب پر عیاں ہو چکی ہے۔

چونکہ آفات وامراض انسانوں کے اعمال بد کا نتیجہ ہیں اس لیے اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ آفات وامراض دراصل ایسے انسانوں کو زجر وتوبیخ اور ان کی تنبیہ کے لیے نازل کی جاتی ہیں، اور ان کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ان معاصی وگناہوں میں مبتلا افراد ان کو ترک کر کے طاعت وعبادات کی جانب متوجہ ہوں، چنانچہ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر مصائب وبلایا کو اعمال بد کا نتیجہ قرار دے کر ان کا مقصود رجوع الی اللہ ذکر کیا ہے۔

(۲) وباء سے تحفظ کے بارے میں اسلامی ہدایات کیا ہیں؟

اسلامی شریعت ایک جامع شریعت ہے، اس لیے وباؤں سے تحفظ اگرچہ شریعت کا موضوع نہیں ہے مگر اس کے باوجود شریعت نے اپنے متبعین کو ایسی ہدایات عطاء کی ہیں کہ ان پر عمل آوری سے انسان وباؤں سے کافی حد تک محفوظ رہ سکتا ہے، ان تمام ہدایات کی تفصیل کا ذکر کرنا تو طوالت کا باعث ہوگا، البتہ اجمالاً ان کے عناوین یہاں درج ہیں:

(۱) دعاؤں کا اہتمام (۲) گناہوں سے اجتناب (۳) صدقات وخیرات کی کثرت۔ (۴) صفائی وپاکیزگی کا خیال۔ (۵) اجتماع گاہوں میں نظافت کے ساتھ جانے کی تاکید۔ (٦) پانی میں بول وبراز کی ممانعت۔ (۷) پبلک مقامات اور گزرگاہوں کو گندگی سے آلودہ کرنے کی ممانعت۔ (۸) رات میں چراغ گل کردینے کی ہدایت۔ (۹) مُردوں کی تدفین کا حکم۔ (۱۰) آلائش دفن کرنے کا حکم۔ (۱۱) شجرکاری کی تلقین۔ (۱۲) کھانے پینے میں حلال وحرام کی تمیز کا لزوم۔ (۱۳) کم خوری کی تاکید۔ (۱۴) وباء زدہ علاقہ میں دخول اور وبائی امراض میں مبتلا افراد کے ساتھ مخالطت سے اجتناب کا حکم۔

یہ سب امور احادیث میں وضاحت وصراحت کے ساتھ مذکور ہیں، اور انسانوں کو واسطہ بلاواسطہ وباؤں اور عموی امراض میں ابتلاء سے بچانے میں معین ومددگار ہیں۔

(۳) کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے اور اس سے بچنے کے سلسلہ میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل اور دیگر احتیاطی تدابیر کا شرعی حکم کیا ہے، ایسا کرنا توکل علی اللہ اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہے؟

کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے جو احتیاطی تدابیر ماہرین صحت اور حکومت کی جانب سے تلقین کی جارہی ہیں، وہ دو طرح کی ہیں:

(الف) وہ تدابیر جو شرعی احکام پر اثر انداز نہیں ہیں، مثلاً صفائی کا اہتمام، ماسک لگا کر رکھنے کی تاکید، فاصلے سے ملنے جلنے کی تلقین، گھروں میں رہنے کا حکم وغیرہ۔

(ب) وہ تدابیر جو شرعی احکام پر اثر انداز ہیں، مثلاً جماعت کی صفوں میں فاصلہ سے کھڑا ہونا، محدود افراد کا جماعت میں شریک ہونا، ماسک لگا کر نماز پڑھنا، مساجد بند کردینا، وغیرہ۔

ان میں سے دوسری قسم کی تدابیر کا حکم آئندہ محاورہ کے ذیل میں آرہا ہے، اور پہلی قسم کی تدابیر کا حکم یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر تفصیل ذکر کی گئی کہ شریعت نے بھی وباؤں سے تحفظ کے لئے واسطہ بلاواسطہ متعدد احکامات دیے ہیں، اسلئے ان تدابیر پر عمل شرعاً بھی مستحسن ہے، اور ان پر عمل آوری کو ایمانی تقاضوں یا توکل علی اللہ کے خلاف نہیں کہا جاسکتا، اس لیے کہ توکل علی اللہ ترکِ اسباب کا نام نہیں ہے، بلکہ اسباب وتدابیر اختیار کرنے کے بعد

ان کے نتائج اللہ کے سپرد کرنے کا نام ہے۔

اس سے واضح ہے کہ احتیاطی تدابیر پر عمل آوری اور اسباب علاج اختیار کرنا نہ ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے اور نہ توکل علی اللہ کے، بلکہ حکم الٰہی ہے۔

(۴) بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نظریہ کیا ہے؟

اس بارے میں دونوں قسم کی احادیث وارد ہیں، بعض احادیث سے مطلقاً بیماری کے متعدی ہونے کی نفی ہوتی ہے۔

ان متعارض احادیث کے بارے میں حضرات علماء کے مختلف اقوال اور توجیہات ہیں، جن میں سے دو قول مشہور ہیں:

(الف) اصل ''نفی عدوی'' ہے، لہٰذا کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا، جیسا کہ پہلی احادیث میں مذکور ہے، اور جن احادیث سے مرض کا تعدیہ مفہوم ہوتا ہے تو وہ عقیدہ کی صیانت وحفاظت کے لیے ہے، کیونکہ اگر مریض کی مخالطت سے بامر الٰہی کوئی بیمار ہو گیا تو اس کو خیال ووسوسہ پیدا ہوگا کہ مرض متعدی ہوتا ہے، جو خلاف شرع ہے، اس بدعقیدگی سے بچانے کے لیے آپ نے مخالف مریض سے منع فرمایا۔

(ب) ''اثبات عدوی'' والی احادیث اصل ہیں، اور بہت سے امراض متعدی ہوتے ہیں، اور جن احادیث سے اس کی نفی ہوتی ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ مرض بالذات اور بالطبع متعدی نہیں ہوتا، البتہ حکم الٰہی سے متعدی ہو سکتا ہے، اور ایک سے دوسرے میں سرایت کر سکتا ہے، اور دراصل ایسی احادیث میں اہل جاہلیت کے عقیدہ کی تردید کی گئی ہے، کیونکہ وہ امراض کو بالذات اور بالطبع مؤثر ومتعدی قرار دیا کرتے تھے، ان احادیث کا مقصود علی الاطلاق امراض کے تعدیہ کی نفی کرنا نہیں ہے۔ یہی توجیہ راجح اور متاخرین علماء اور ہمارے اکابر کی اختیار کردہ ہے۔

لہٰذا اگر طبی رو سے بعض امراض کا متعدی ہونا معلوم ہو تو وہ شریعت کے منافی نہیں، کیونکہ جن احادیث میں تعدیہ مرض کی ممانعت ہے، نہ کہ از راہ تسبب۔ اس لیے بطور سبب متعدی امراض میں مبتلا افراد سے مخالفت سے اجتناب کرنے یا احتیاطی تدابیر کے ساتھ ملنے میں شرعاً مضائقہ نہیں ہے۔ (ملخص از: امداد الفتاوی ۴/۸۲،۷ تکملہ فتح الملہم ۴/۳۲۳)

محور دوم: کرونا کے زمانہ میں عبادت میں تخفیف

(۱) کیا کرونا کے زمانہ میں مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنے یا انفرادی نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

مساجد میں باجماعت نماز پڑھنے کی احادیث میں بڑی تاکید وارد ہے، اسی لیے اس کو سنت مؤکدہ قرار دیا گیا ہے، مگر عذر کی صورت میں اس کو ترک کرنے کی گنجائش ہے، حضرات فقہاء نے ان اعذار کی وضاحت کی ہے، جن کی وجہ سے ترک جماعت کی اجازت ہے۔ لہٰذا جو شخص کرونا سے بالفعل متاثر ہو اس کے لیے ترک جماعت کی اجازت ہے، اور جو بالفعل متاثر نہ ہو مگر کرونا کی وباء اتنی شدید ہو کہ جماعت میں شامل ہونے سے اس سے متاثر ہونے کا غلبہ ظن ہو تو چوں کہ غلبہ ظن کو بھی یقین وواقعہ کے حکم میں مانا گیا ہے، اس لیے ایسے شخص کے لیے بھی ترک جماعت کی اجازت ہوگی، البتہ اگر وباء اتنی شدید سطح پر نہ ہو کہ جماعت میں شمولیت سے اس سے متاثر ہونے کا ظن غالب ہو تو پھر ترک جماعت کی اجازت نہیں ہوگی:

”وغالب الظن عندهم ملحق باليقين، وهو الذى يبتنى عليه الأحكام، يعرف ذلك من تصفح كلامهم فى الأبواب، صرحوا فى نواقض الوضوء بإن الغالب كالمتحقق، وصر حوافى الطلاق بأنه اذا غلب على ظنه وقع. (الأشباه لابن نجيم: ص: ۳۲۱)

اسی طرح اجتماعی سطح پر مساجد میں جماعت موقوف کر کے گھروں میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہوگا، اس لیے کی اوّل تو فی نفسہ باجماعت نماز موقوف کر دینا ''وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا'' کا مصداق ہوگا، اسی وجہ سے مساجد میں اجتماعی سطح پر باجماعت نماز موقوف نہیں کیا گیا۔

پھر اگر واقعی عذر کی بناء پر گھر میں نماز ادا کی جائے تو تنہا پڑھنا اور جماعت کے ساتھ پڑھنا دونوں طرح جائز ہے:

”لو فاتته الجماعة جمع بأهله فی منزله ---- وإن صلی وحده جاز۔“ (المحیط البرهانی: ١/٩٢٤)

(۲) کرونا کے زمانہ میں ایک مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ نمازیں پڑھنے اور متعدد بار نماز جمعہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

کرونا کی وباء اگر شدید ہو اور بڑی جماعت کے اکٹھا ہونے سے اس کے پھیلنے کا خطرہ ہو، یا حکومت کی جانب سے زیادہ لوگوں کا اکٹھا ہونا ممنوع ہو تو پھر مساجد میں ایک سے زائد مرتبہ جماعت اور جمعہ کے قیام کی اجازت ہوگی، اس لیے کہ فقہاء نے مساجد میں تعدد جماعت کو تقلیل جماعت اوّل کے سبب مکروہ قرار دیا ہے، اور یہ علت مذکورہ صورت میں مفقود ہے:

”ولأن فی الإطلاق هکذا تقلیل الجماعة معنی، فإنهم لا یجتمعون إذا علموا انهم لا تفوتهم واما مسجد الشارع فالناس فیه سواء لا اختصاص له بفریق دون فریق۔“ (شامی: ١/١٧٣)

(۳) وباء کے زمانہ میں گھروں میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہو تو اس کی کیا شرائط ہیں؟

شرعی رو سے حکم یہ ہے کہ نماز جمعہ اعلان وتشہیر کے ساتھ ہو، اسی لیے حضرات فقہاء نے نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے ”اذن عام“ کو شرط قرار دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز جمعہ کا قیام ایسی عمومی جگہ پر ہو جہاں سب لوگ آ جا سکتے ہوں، مثلاً: مسجد، مدرسہ، عیدگاہ، اسکول، شادی ہال، کارخانہ وفیکٹری۔ انفرادی گھروں کی چوں کہ یہ نوعیت نہیں ہوتی، اس لیے ان میں نماز جمعہ کا قیام درست نہیں، البتہ اگر انفرادی گھر میں بھی عمومیت پیدا ہو جائے بایں طور کہ وہاں کوئی بڑا ہال ہو، اس میں زمانہ جمعہ کے قیام کا اعلان کر کے لوگوں کو آنے کی اجازت دیدی جائے، تو پھر وہاں بھی نماز جمعہ ادا کرنا جائز ہو جائے گا۔

حضور ﷺ کے طرز عمل سے بھی اسکی تائد ہوتی ہے، چنانچہ نماز جمعہ کی فرضیت مکۃ المکرّمہ میں ہو چکی تھی، لیکن وہاں آپ نے نماز جمعہ قائم نہیں فرمائی، عام جگہوں پر پڑھنے کا تو موقع ہی نہ تھا مگر انفرادی گھروں میں بھی ادا نہ کی، جب کہ ان میں عام نمازوں کی طرح اس کو بھی ادا کیا جا سکتا تھا۔ اس سے واضح ہے کہ نماز جمعہ کا علی سبیل العموم والاشتہار ہونا مطلوب ہے:

”والسابع الاذن العام من الإمام، وهو یحصل بفتح أبواب الجامع للواردین۔“

(درمع الرد: ١/٦٤٥)، ولانها من شعائر الاسلام وخصائص الدین، فلزم اقامتها علی سبیل الاشتهار، والعموم۔ (موسوعة الفقه الاسلامی: ٢/٢٥٠)

(۴) ظہر پڑھنے کی صورت میں جماعت پڑھیں یا تنہا؟

کرونا یا کسی اور وبائی مرض کے زمانہ میں بروز جمعہ گھروں میں نماز ظہر پڑھی جائے گی تو باجماعت پڑھنے میں بھی کچھ حرج نہیں، اس لیے کہ حضرات فقہاء نے بروز جمعہ گھروں میں نماز ظہر پڑھنے کی جو علت ذکر کی ہے یعنی تقلیل جماعت اور عام جماعت کا معارضہ وہ علت ان حالات میں مفقود ہے:

”(وکره) تحریماً (لمعذور ومسجون) ومسافر (اداء ظهر بجماعة فی مصر) قبل الجمعة وبعدها تقلیل الجماعة وصورة المعارضة۔“

(کذا فی، (الدر المختار)، وفی (رد المحتار): (قوله وصورة المعارضة) لان شعار المسلمین فی هذا الیوم صلاة الجمعة وقصد المعارضة لهم یؤدی إلی امر عظیم فکام فی صورتها کراهة التحریم۔ (١/٦٤٥)۔

(۵) کیا وباء کے زمانہ میں عیدین کی نماز گھروں میں پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

عیدین کی نماز کے لیے وہی شرائط ہیں جو نماز جمعہ کے لیے ہیں، اس لیے جو حکم نماز جمعہ کا اوپر تحریر کیا گیا وہی حکم اس کا بھی ہے۔

(٦) ماسک لگا کر نماز پڑھنے اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟

(الف) بلا کسی عذر کے ناک منہ بند کر کے نماز پڑھنے کو حضرات فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے، لیکن عذر کی صورت میں اس کی اجازت ہے، لہٰذا وبائی امراض میں اگر ماسک لگا کر نماز پڑھی جائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے:

"یکره اشتمال الصماء والاعتجار والتلثم والتنخم وكل قليل بلا عذر، كذا في "الدر المختار"، وفي "رد المحتار"۔

(قوله والتلثم) وهو تغطية الانف والفم في الصلاة لأنه يشبه فعل المجوس حال عبادتهم النيران۔ (١/٩٣٤)۔

(ب) جماعت کی صفوف میں مل کر کھڑا ہونے کی احادیث میں بڑی تاکید و ترغیب وارد ہوئی ہے، اور اس کو بھی سنت مؤکدہ قرار دیا گیا ہے، اس لیے بلا عذر اس کے ترک کی اجازت نہیں، البتہ وباء پھیلنے کی صورت میں اگر مل کر کھڑا ہونے کی وجہ سے ضرر و مرض کے لحوق کا خطرہ ہو تو پھر فصل کے ساتھ نماز ادا کی جاسکتی ہے، کیوں کہ جب عذر کی وجہ سے اصل جماعت کے ترک کی اجازت ہے تو عذر کی وجہ سے اس کے اوصاف میں کچھ کمی رہ جائے اس کی بھی اجازت ہوگی:

"قال في (المعراج): الأفضل ان يقف في الصف الآ خر اذا خاف إيذاء أحد۔ قال عليه الصلاة والسلام: (من ترك الصف الأول مخافة ان يؤذي مسلماً أضعف له أجر الصف الأول)، وبه أخذ أبو حنيفه ومحمد۔" (شامي: ١/٢٨٣)

(٧) کرونا سے متاثر افراد کا مسجد میں آنا اور جماعت میں شریک کیسا ہے؟

ماہرین صحت کے مطابق چوں کہ کرونا متعدی مرض ہے، لہٰذا جو شخص اس سے متاثر ہو اس سے جماعت میں شرکت کا حکم ساقط ہے، وہ مسجد کی جماعت میں شریک نہ ہو، تاکہ دوسرے لوگ اس سے متاثر نہ ہوں:

"ويمنع منه كل مؤذ ولو بلسانه۔"

كذا في (الدر المختار)، وفي (رد المحتار): وكذك الحق بعضهم بزلك من بفيه بخر أو به جرح له رائحة، وكذلك القصاب، والسماك، والمجذوم والأ برص أولىٰ بالا لحاق۔وقال سحنون لا أرى الجمعة عليهما. (١/٤٤٤)

(٨) کرونا متاثر افراد کے لیے روز کا کیا حکم ہے؟

یہ مرض روزہ کے لیے اگر مانع ہو، یعنی اس کی وجہ سے روزہ رکھنے میں مشقت اور دشواری پیش آتی ہو تو اس سے متاثر شخص کے لیے روزہ کے ترک کی اجازت ہے جب صحت حاصل ہو جائے پھر اس کی قضاء کرے، کما قال تعالیٰ:

"فَمَنْ كانَ مِنكُم مَرِيضاً أو عَلَى سَفرٍ فعِدَّةٌمِن أيَّامٍ أُخَر۔" (البقرة: ١٨٤)

(٩) کرونا کی وجہ سے عام مسلمانوں کو حج و عمرہ سے روکا جاسکتا ہے؟

چوں کہ کرونا متعدی بیماری ہے اس لیے جو شخص اس سے بالفعل متاثر ہو اس کو حج و عمرہ سے روکا جاسکتا ہے، جیسا کہ ایسے اشخاص کو مساجد کی جماعت میں شرکت سے روکا جاسکتا ہے، کما مر۔ اسی طرح جس علاقہ میں کرونا کی وباء عام ہو وہاں کے باشندوں کے لیے بھی چوں کہ حکم یہ ہے کہ وہ علاقہ سے باہر نہ جائیں اس لیے ان کو بھی روکنے کی گنجائش ہوگی، نیز اگر عام اجازت دینے کی صورت میں مجمع کثیر ہو جانے کے پیش نظر وباء کے پھیلنے کا غالب ظن ہو تو پھر کرونا سے غیر متاثر افراد کے اجتماع کو بھی محدود کیا جاسکتا ہے؛ "لأن غالب الظن عندهم متحقق باليقين (الاشباه)"

لیکن علی الاطلاق بلا کسی واقعی خطرہ و اندیشہ کے عام مسلمانوں کو حج و عمرہ سے روکنے کی اجازت نہیں ہوگی، اس لیے کہ یہ آیت کریمہ:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مِسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ (البقرة: ۴۱۱)

کے تحت داخل ہے، تفسیر قرطبی میں اس آیت کے تحت مذکور ہے:

"خراب المساجد قد يكون حقيقياً كتخريب بخت نصر والنصارى بيت المقدس---، ويكون مجازاً كمنع المشركين المسلمين حين صدوا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المسجد الحرام، وعلى الجملة فتعطيل امساجد عن الصلاة واظهار رشعا ئر الاسلام فيها خراب لها۔" (۲/۲۲۳)

محور سوم: کرونا کے زمانہ میں مساجد سے متعلقہ مسائل

(۱) کرونا کے زمانہ میں مساجد کو بند کرنا کیسا ہے؟

شریعت میں مرض کو معتبر مانتے ہوئے اس کو مستقل سبب تخفیف مانا گیا ہے، اور امراض میں مبتلا افراد کے لیے بہت سی گنجائش دی گئی ہے، لیکن کسی مرض کے شیوع کی وجہ سے اصل عبادات ہی کو معطل کر دیا جائے، نہ قرآن وسنت میں اس کی کوئی اصل موجود ہے اور نہ اسلامی تاریخ میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے، جب کہ وبائی امراض کے وقوع سے پوری اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے، دور رسالت سے لے کر تا حال نہ جانے کتنے وبائی امراض اور طواعین وقوع پذیر ہوئے، اور ان کی وجہ سے بے انتہا نقصان بھی ہوا، لیکن کبھی اصل عبادات کو معطل وموقوف نہیں کیا گیا، گویا عبادات کے عدم تعطل پر عملاً اجماع ہے، اس لیے کرونا کے زمانہ مساجد کو بالکلیہ بند کرنا اور جماعت کو سرے سے موقوف کر دینا شرعاً جائز ہوگا۔

(۲) کیا جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان دی جائے گی؟

چوں کہ مساجد کو کلیۃ معطل کر دینا جائز نہیں جیسا کہ تحریر کیا گیا، اس لیے پھر یہ سوال بے معنی ہو جاتا ہے کہ جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان ہوگی یا نہیں؟۔

(۳) جماعت میں کتنے افراد شریک ہوں؟ اس بارے میں گورنمنٹ کی ہدایات کی شرعاً حیثیت کیا ہوگی؟

شرعی تعلیمات کی رو سے بلاوجہ شرعی مسجد میں داخلہ اور جماعت میں شرکت سے روکنے کا کسی کو حق نہیں ہے، جب تک مسجد میں لوگوں کو سمانے کی گنجائش ہے تو کسی کو مسجد میں داخلہ سے نہیں روکا جاسکتا، اس لیے اگر گورنمنٹ اس کے خلاف قانون بنائے اور اس کو واجب العمل قرار دے تو اوّل اُحکام کو شرعی تعلیم ومنشاء سے واقف کرانے کی کوشش کی جائے گی، یہ کارگر نہ ہو تو پھر یہ تحکم ہوگا، اور بدرجہ مجبوری دفعاً للحرج اس پر عمل کی اجازت ہوگی، تفسیر قرطبی میں ہے:

"قيل: المراد من منع من كل مسجد الى يوم اقيامة، وهو الصحيح، لأن اللفظ عام ورد بصيغة الجمع، فتخصيصها ببعض المساجد وببعض الأشخاص ضعيف۔" (۲۰/۲۲۳)

(۴) مساجد کے کسی حصہ یا اس سے ملحق جگہ کو کووڈ سینٹر بنانا کیسا ہے؟

مساجد کا مقصد کیا ہے؟ اس کو قرآن کریم نے بھی واضح کیا ہے، اور متعدد احادیث میں بھی اس کو بیان کیا گیا ہے، اور وہ نماز، تلاوت ذکر اور تسبیح ہے، اس لیے مساجد کو اس کے علاوہ امور میں استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، البتہ اس سے ملحق جگہ جو شرعی مسجد سے خارج ہو اسکو وقتی طور پر کووڈ سینٹر کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ اس کی وجہ سے مسجد کے مشاغل میں خلل واقع نہ ہو:

"إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا البول ولا القذر إنما هي لذكر الله عز وجل والصلاة وقراءة القرآن۔" (رواه البخاری ومسلم عن انس مرفوعاً۔ (مشکاۃ: ۱۶۴)

کرونا کے مسائل کا جائزہ

محمد رضی الاسلام ندوی
سکریٹری شریعہ کونسل جماعت اسلامی ہند

محور اول: کورونا کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر

سوال: وبا کیا ہے؟ اور شریعت میں اس بارے میں کیا تصور ہے؟

جواب: کورونا پر آج کل بہت سی تحریریں ایسی منظر عام پر آرہی ہیں جن میں اس کو 'عذابِ الٰہی' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لکھا گیا ہے کہ دنیا کے بہت سے حصوں میں مسلمانوں کو ستایا گیا، ان کا قتلِ عام کیا گیا، ان کی املاک تباہ و برباد کی گئیں اور انھیں جلاوطن کیا گیا۔ اس پر قدرتِ الٰہی کو جوش آگیا، چنانچہ اس نے ان پر کورونا وائرس (COVID-19) کی شکل میں ہمہ گیر عذاب مسلّط کر دیا ہے۔ _ درست بات یہ ہے کہ اس قدرتی آفت کو عذاب کہنے کا ہم میں سے کسی کو حق نہیں ہے۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

"إِنَّ هٰذَا الطَّاعُوْنَ رِجْزٌ سُلِّطَ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَوْ عَلٰى بَنِىْ إِسْرَائِيْلَ، فَإِذَا كَانَ بِأَرْضٍ فَلَا تَخْرُجُوْا مِنْهَا فِرَاراً مِنْهُ، وَإِذَا كَانَ بِأَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوْهَا۔" (بخاری:۳۴۷۳، مسلم:۲۲۱۸)

''طاعون ایک عذاب ہے، جسے تم سے پہلے کچھ لوگوں پر یا بنی اسرائیل پر مسلّط کیا گیا تھا۔ جب یہ کسی علاقے میں پھیلے اور تم وہاں ہو تو فرار اختیار کرتے ہوئے وہاں سے نہ نکلو اور تم کہیں اور ہو تو وہاں نہ جاؤ''۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں طاعون کو عذابِ الٰہی کے طور سے کسی قوم پر مسلّط کیا گیا تھا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جہاں بھی اس کا کبھی ظہور ہو، لازم ہے کہ وہ عذابِ الٰہی کے طور پر ہو۔ دوسری بات اس سے یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ کسی قدرتی آفت کو ''عذاب'' متعیّن طور پر یا تو وحی قرار دے سکتی ہے یا زبانِ رسالت اس کی صراحت کر سکتی ہے۔ کسی دوسرے انسان کو حق نہیں کہ وہ اسے عذاب قرار دے۔

اللہ تعالیٰ انسانوں کو آزماتا ہے، اپنی نعمتوں سے نواز کر بھی اور نعمتوں کو چھین کر بھی۔ وہ انہیں آزماتا ہے راحت و آسائش عطا کر کے بھی اور تکالیف و مصائب میں مبتلا کر کے بھی۔ اس طرح وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس کی نعمتوں کو پا کر اس کا شکر ادا کرتے ہیں، یا اِترانے اور گھمنڈ کرنے لگتے ہیں اور تکالیف و مصائب میں صبر کا دامن تھامتے ہیں، یا جزع و فزع کرنے لگتے ہیں۔ انسانوں کا درست رویّہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پائیں تو سجدۂ شکر بجالائیں اور آفتوں کا شکار ہوں تو اس کی طرف رجوع ہوں، اپنی خطاؤں اور لغزشوں پر معافی مانگیں اور آئندہ اپنا رویّہ درست کر لیں۔

اس حدیث کے آخر میں جو بات کہی گئی ہے وہ انتہائی اہم اور قابل توجہ ہے۔ آج ''قرنطینہ'' (Quarantine) کا پوری دنیا میں چرچا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کسی وبائی مرض کا شکار ہوں وہ اپنے علاقے سے کہیں باہر نہ جائیں اور دوسری جگہوں پر رہنے والے لوگ اس

مقام سے دور رہیں جہاں کوئی وبائی مرض پھیلا ہوا ہو۔ یہ انتہائی سائنٹفک بات ہے۔ آج کی دنیا اسی پر عمل کی برابر تلقین کر رہی ہے۔

خلاصہ یہ کہ کسی وبائی مرض کو عذابِ الٰہی کہنے کی جلدی نہیں کرنی چاہیے، بلکہ اسے آزمائش سمجھنا چاہیے اور دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے اور جو لوگ اس میں مبتلا ہو گئے ہوں انہیں جلد شفا عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین!

سوال: وبا سے تحفظ کے لیے شرعی رہ نمائی اور اسلامی ہدایات کیا ہیں؟

جواب: غیر طبعی حوادث اور قدرتی آفات کے موقع پر اجتماعی نماز اور اجتماعی دعا کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اللہ کے رسول ﷺ سے یہ ثابت ہے۔ چنانچہ عہدِ نبوی میں ایک دفعہ سورج گرہن ہوا تو آپؐ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا اور طویل نماز پڑھائی۔ اسے ''صلوٰۃ الکسوف'' کہتے ہیں۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ جب کبھی تیز آندھی چلتی تو آپؐ فوراً نماز پڑھنے لگتے تھے۔

لیکن وبائی امراض کا معاملہ دوسرا ہے۔ اگر کوئی ایسا مرض پھیلا ہوا ہو جس کے لئے لوگوں کے جمع ہونے سے مزید پھیلنے کا قوی امکان ہو تو اس صورت میں انفرادی دعا، نماز، گریہ وزاری، الحاح وتضرّع کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس کے لیے اجتماعی صورتیں اختیار کرنے سے بچنا چاہیے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ ربیع الآخر ۸۳۳ھ میں قاہرہ میں وبا پھوٹ پڑی۔ اعلان کیا گیا کہ لوگ تین دن روزے رکھیں، پھر اجتماعی دعا کے لیے جمع ہوں۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا، لیکن اس کے بعد اموات کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ پہلے مرنے والوں کی تعداد چالیس (۴۰) سے کم تھی، لیکن اجتماعی نماز و دعا کے بعد بیماری اس شدت سے پھیلی کہ ہر روز ایک ہزار سے زائد لوگ مرنے لگے۔ ظاہر ہے کہ لوگوں کے جمع ہونے کی وجہ سے صحت مند لوگ بھی وبا سے متاثر ہو گئے تھے۔

سوال: کورونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے اور اس سے بچنے کے سلسلے میں حکومت کی گائیڈ لائن پر عمل اور دیگر احتیاطی تدابیر کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا ایسا کرنا توکل علی اللہ اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہے؟

جواب: اللہ کے رسول ﷺ کا توکل علی اللہ مثالی تھا، اس کے باوجود آپ ہر ممکن تدبیر اختیار کرتے تھے اور تمام دنیاوی اسباب اپناتے تھے۔ اس طرح آپؐ نے ہمیں سکھایا ہے کہ تدبیر اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔

دشمنوں نے مکّہ میں رہنا دوبھر کر دیا تو آپؐ نے مدینہ ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔ منصوبہ کے مطابق ایک دن ٹھیک دوپہر میں نکلے جب لوگ عموماً گھروں میں رہتے تھے، تاکہ کسی کی آپ پر نظر نہ پڑے۔ مدینہ مکّہ کے شمال میں تھا، لیکن آپ جنوب کی طرف روانہ ہوئے اور کچھ فاصلے پر واقع غارِ ثور میں جا چھپے۔ وہاں تین دن مقیم رہے، تاکہ آپ کے دشمن شمال میں آپ کو تلاش کرتے کرتے تھک کر مایوس ہو جائیں، تب آپ اپنا سفر شروع کریں۔ ایک طرف یہ تدبیریں تھیں دوسری طرف آپ کا توکّل تھا کہ جب دشمن آپ کو تلاش کرتے ہوئے غار کے دہانے پر پہنچ گئے اور ان کے قدموں کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ پریشان ہو گئے تو آپؐ نے انھیں تسلّی دیتے ہوئے فرمایا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (التوبۃ: ۴۰) ''غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' دشمنوں سے ہر جنگ کے موقع پر آپؐ نے خوب تیّاری کی، جتنے گھوڑے اونٹ دست یاب ہو سکتے تھے، فراہم کیے، تلوار، تیر اور دیگر اسلحہ کا نظم کیا، میدانِ جنگ کا باریکی سے جائزہ لے کر صفوں کو ترتیب دیا، پھر ان تمام تدبیروں سے فارغ ہونے کے بعد دعا کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلا دیے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا یہ اسوہ ہر مومن کو سکھاتا ہے کہ اس کی زندگی میں توکّل اور تدبیر کے درمیان توازن ہونا چاہیے۔

اس صورت حال میں توکّل اور تدبیر دونوں ضروری ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تقدیر میں لکھ رکھا ہو گا وہ تو ہو کر رہے گا۔ اگر اس بیماری میں مبتلا ہونا ہمارے مقدّر میں ہے تو تمام تدابیر اختیار کرنے کے باوجود اس سے نہیں بچا جا سکتا ہے، اس لیے کسی طرح کے پرہیز

اوراحتیاط کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ عقیدۂ تقدیر کی غلط تعبیر ہے۔اللہ کے رسول ﷺ کا عمل یہ رہا ہےاور یہی آپ نے اپنی امت کوسکھایا ہے کہ تحفّظ کے تمام اسباب اختیار کیے جائیں اور تمام تدابیر پر عمل کیا جائے، پھر اللہ پر توّکل کیا جائے۔

سوال: بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے؟

جواب: یہ حدیث بہت سی کتابوں میں آئی ہے۔صرف صحیح بخاری میں دس (۱۰) مقامات پر روایت کی گئی ہے۔ایک روایت (۵۷۷۰) میں یہ بات کہنے کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے: ’’جذامی شخص سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔‘‘ بخاری کی ایک روایت (۵۷۷۱) میں اس کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے: ’’کسی بیمار (اونٹ) کوصحت مند (اونٹوں) کے ساتھ نہ رکھا جائے۔‘‘

ان دونوں باتوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ دونوں باتیں درست ہیں۔ دونوں میں الگ الگ پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جذامی شخص سے بچنے کی تلقین اور بیمار کو صحت مند سے الگ رکھنے کی ہدایت کا واضح مطلب یہی ہے کہ انفیکشن کی حقیقت ہے۔ اسے تسلیم کرنا چاہیے۔ اور ’انفیکشن نہیں ہوتا‘ کا مطلب یہ ہے کہ انفیکشن بذات خود مؤثر نہیں ہے۔ کوئی بیماری ایک شخص سے دوسرے شخص کو اللہ تعالیٰ کے اذن اور مشیّت سے لگتی ہے۔ اگر اللہ کی مشیّت نہ ہو تو بیمار کے رابطہ میں آنے کے باوجود صحت مندوں کو بیماری نہیں لگ سکتی۔ یہ ہمارا دن رات کا مشاہدہ ہے۔ گھر میں کسی فرد کو کوئی متعدی بیماری ہوتی ہے، اس کے ساتھ گھر میں کئی لوگ رہتے ہیں، لیکن انہیں وہ بیماری نہیں لگتی، یا کسی کو لگ جاتی ہے، کسی کو نہیں لگتی۔ اسی طرح اسپتال میں متعدی امراض کے شکار لوگوں کا علاج ہوتا ہے، ان کے رابطہ میں رہنے والے ڈاکٹروں اور طبی عملہ کو وہ بیماری نہیں لگتی، یا کسی کو لگ جاتی ہے، کسی کو نہیں لگتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انفیکشن ایک سے دوسرے کو منتقل ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیّت پر منحصر ہوتا ہے۔

محور دوم: کورونا کے زمانے میں عبادات میں تخفیف

سوال: کیا کورونا کے زمانے میں مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنے یا انفرادی نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

جواب: اللہ کے رسول ﷺ سے بعض ایسے اعمال ثابت ہیں جو بہ ظاہر متضاد معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً آپؐ نے پانی اکثر بیٹھ کر نوش فرمایا ہے اور کبھی کھڑے ہوکر نوش فرمایا ہے۔ پیشاب اکثر بیٹھ کر کیا ہے اور کبھی کھڑے ہوکر کیا ہے۔ محدثین اور فقہا نے ایسے متضاد اعمال کو عزیمت اور رخصت کے خانوں میں تقسیم کیا ہے۔ وہ بیٹھ کر پانی پینے اور پیشاب کرنے کو اصل اور مطلوب حکم کہتے ہیں اور کھڑے ہوکر پانی پینے اور پیشاب کرنے کو رخصت اور بیان جواز کے لیے قرار دیتے ہیں۔

اس کے بجائے اس کی توجیہ یوں کی جانی چاہیے کہ کبھی ایک عمل مطلوب اور پسندیدہ ہوتا ہے اور کبھی وہ نا مطلوب اور ناپسندیدہ بن جاتا ہے اور اس کے برعکس عمل مطلوب اور پسندیدہ بن جاتا ہے۔ اس کا فیصلہ حالات اور موقع و محل کو دیکھ کر کیا جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک گھورے (جہاں کوڑا کرکٹ، گندگی ڈالی جاتی ہیں) کے پاس گئے اور وہاں کھڑے ہوکر پیشاب کیا۔ (بخاری: ۲۲۴، مسلم: ۲۷۳) صحیح بات یہ ہے کہ آپ کا یہ عمل بیان جواز کے لیے نہیں تھا، بلکہ اس موقع پر یہی عمل بہتر اور مطلوب تھا۔ اس لیے کہ گھورے پر بیٹھ کر پیشاب کرنے سے اس بات کا زیادہ امکان ہوگا کہ پیشاب کی چھینٹیں خود پیشاب کرنے والے پر آجائیں۔ اس موقع پر بیٹھ کر پیشاب کرنا غیر افضل عمل اور کھڑے ہوکر پیشاب کرنا افضل عمل تھا، سو آپ نے وہی کیا۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ زمزم کے کنویں کے پاس تشریف لے گئے، ایک ڈول سے پانی لیا اور اسے کھڑے ہوکر پیا۔ (بخاری: ۵۶۱۷، مسلم: ۲۰۲۷) اس سے لوگوں نے یہ حکم نکال لیا کہ زمزم کا پانی کھڑے ہوکر پینا

چاہیے۔حالاں کہ یہ بات درست نہیں۔عام حالات میں پانی بیٹھ کر پینا چاہیے،لیکن حدیث میں مذکورہ موقع بیٹھ کر پینے کا نہیں تھا۔زمزم کے کنویں سے مسلسل پانی نکالنے اور بے شمار حاجیوں کو پلانے کی وجہ سے وہاں بہت کیچڑ ہوگئی تھی، بیٹھنے کی کوئی جگہ نہ تھی۔اس وقت بیٹھ کر پینے سے کپڑے گندے ہوجانا عین متوقع تھا۔اس لیے اس موقع پر بیٹھ کر پینا غیر مطلوب عمل اور کھڑے ہوکر پینا مطلوب عمل تھا،سو آپ نے وہی کیا۔اس اسوۂ نبوی سے ہمیں زندگی کا ایک قیمتی اصول حاصل ہوتا ہے۔وہ یہ کہ موقع ومحل سے ایک افضل عمل، غیر افضل اور ایک غیر افضل عمل، افضل بن سکتا ہے۔

یقیناً عام حالات میں مسجدوں میں جاکر باجماعت نماز ادا کرنا پسندیدہ، مطلوب اور افضل عمل اور گھروں میں فرض نماز ادا کرنا ناپسندیدہ اور غیر افضل عمل ہے،لیکن جب کورونا مرض وبائی صورت اختیار کرلے اور اس بات کا قوی امکان پیدا ہوجائے کہ مسجدوں میں باجماعت نماز ادا کرنے سے بہت سے نمازی اس موذی اور مہلک مرض کا شکار ہوجائیں گے تو اس وقت گھروں میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہوجائے گا اور اگر ضرورت متقاضی ہوتو وقتی طور پر کچھ عرصہ کے لیے مسجدوں میں باجماعت نماز موقوف کردینے میں بھی کوئی حرج نہ ہوگا۔

سوال: کورونا کے زمانے میں ایک مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ پنج وقتہ نمازیں پڑھنے اور متعدد بار نماز جمعہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: کورونا کی خطرناکی کے پیشِ نظر تمام مکاتب فکر کے علما، دینی تنظیموں کے سربراہوں اور سماجی شخصیات نے متفقہ طور پر یہ اپیل جاری کی ہے کہ پنج وقتہ نمازیں لوگ اپنے اپنے گھروں میں ادا کریں۔افسوس کہ بعض نادان مسلمان اب بھی مسجدوں میں نماز پڑھنے پر اصرار کررہے ہیں۔چوں کہ کورونا کے کیسز میں برابر اضافہ ہو رہا ہے،اس لیے اب مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی جانب سے سخت اقدامات کیے جارہے ہیں اور انتظامیہ اور پولیس افسران کی طرف سے سخت کارروائی کی جارہی ہے۔ایسے متعدد ویڈیوز سوشل میڈیا میں گردش کررہے ہیں جن میں مسجدوں میں نماز پڑھ کر وہاں سے نکلنے والے مسلمانوں پر پولیس ڈنڈے برسا رہی ہے۔ایسی بھی کیا مذہبی شدت پسندی جو ذلت و رسوائی کا سبب بن جائے۔اللہ تعالیٰ ایسے مسلمانوں کو سمجھ عطا کرے۔

سوال: وبا کے زمانے میں گھروں میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی کیا شرطیں ہیں؟

جواب: علما نے جمعہ کے بارے میں بھی ہدایت جاری کی ہے۔انھوں نے کہا ہے کہ لوگ جمعہ کے بجائے اپنے گھروں میں ظہر کی نماز باجماعت ادا کریں۔مسلمانوں کی طبیعتیں اس پر بھی آمادہ نظر نہیں آرہی ہیں۔وہ سوال کررہے ہیں کہ کیا دو چار گھروں کے لوگوں کو جمع کرکے جمعہ کی نماز پڑھ لی جائے؟ کیا اپنے اہل خانہ کے ساتھ ہی جمعہ کی نماز ادا کرلی جائے؟

عرض ہے کہ یہ تکلف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اس مرض سے تحفظ کی واحد صورت یہ بتائی جارہی ہے کہ افراد کے درمیان کم سے کم اختلاط ہو۔اس لیے نہ دو چار گھروں کے افراد کو جمع کرکے جمعہ قائم کرنے کی کوشش کی جائے اور نہ افراد خانہ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنے کا تکلف کیا جائے، بلکہ ان کے ساتھ عام دنوں کی طرح ظہر کی نماز ادا کی جائے۔

جمعہ کی نماز عورتوں، مسافروں، مریضوں اور معذوروں پر فرض نہیں ہے۔کورونا کا خطرہ بھی ایک عذر ہے،جس کی وجہ سے گھروں پر رہ کر جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے۔اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور جمعہ کی نماز پڑھنے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔

سوال: کیا وبا کے زمانے میں عیدین کی نماز گھروں میں پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

جواب: نماز عیدالفطر سنّتِ مؤکدہ (احناف کے نزدیک واجب) ہے۔رسول اللہ ﷺ نے پابندی سے اسے ادا کیا ہے اور مسلمانوں کو اس

کی ادائیگی کی بہت تاکید کی ہے۔آپ ﷺ آبادی سے باہر عیدگاہ تشریف لے جاتے تھےاور تمام مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیتے تھے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ عام حالات میں تمام مسلمانوں کو نمازِ عید کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔

کتبِ فقہ میں ایک بحث یہ ملتی ہے کہ اگر کسی شخص کی نماز عید چھوٹ جائے تو وہ کیا کرے؟ فقہاء نے لکھا ہے کہ اسے نمازِ چاشت (صلاۃ الضحیٰ)ادا کر لینی چاہیے۔موجودہ صورت حال کو اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

نمازِ چاشت کا وقت طلوعِ آفتاب کے کچھ دیر کے بعد سے زوال تک ہے۔احادیث میں اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔بعض احادیث میں دو(۲) رکعت اور بعض میں چار(۴) رکعت کا ذکر ہے۔ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے 'صدقہ' کی مختلف صورتوں کا تذکرہ کیا۔آخر میں فرمایا: وَيُجزِئُ مِن ذَلِكَ رَكعَتَانِ يَركَعُهُمَا مِنَ الضُّحىٰ (مسلم:۷۲۰)''اس کی جگہ چاشت کے وقت دو(۲) رکعتیں بھی کافی ہیں۔''حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں:''میرے محبوب (رسول اللہ ﷺ) نے مجھے دو رکعت نماز چاشت پڑھنے کی تاکید کی ہے۔'' (مسلم:۷۲۱) حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:''رسول اللہ ﷺ کم از کم چار(۴) رکعت چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے۔''(مسلم:۷۱۹)

بعض فقہاء(مالکیہ وشوافع) کی رائے ہے کہ گھر پر نماز ادا کرنے والا صرف دو(۲) رکعت پڑھے گا، جیسے عید کی نماز ہوتی ہے اور اس میں وہ نمازِ عید کے مثل زائد تکبیرات کہے گا۔اس کی دلیل بعض صحابہ کا عمل ہے۔ایک مرتبہ حضرت انس بن مالکؓ کی نمازِ عید چھوٹ گئی تو انھوں نے اپنے گھر والوں کو جمع کیا اور نمازِ عید کے مثل تکبیرات کے ساتھ دو(۲) رکعت نماز ادا کی۔(بیہقی، فتح الباری) جب کہ بعض فقہاء(احناف) کہتے ہیں کہ وہ چار رکعت نماز ادا کرے گا۔اس کی دلیل بعض صحابہ کے عمل سے فراہم ہوتی ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے:''جس شخص کی نماز عید چھوٹ جائے وہ چار(۴) رکعت نماز پڑھے۔''حضرت علی بن ابی طالبؓ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو حکم دیا کہ جو بوڑھے لوگ عیدگاہ نہ ج اس کے ہوں انہیں مسجد میں جمع کرے اور انہیں چار(۴) رکعت نماز پڑھائے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے نمازِ عید مسجد میں نہ پڑھی ج اس کے تو گھر پر دو(۲) رکعت یا چار(۴) رکعت باجماعت پڑھ لینی چاہیے۔

نماز عیدالفطر کا ایک حصہ خطبہ ہے۔نمازِ جمعہ کے برخلاف عید میں خطبہ نماز کے بعد دیا جاتا ہے۔گھروں میں (نمازِ عید کے بجائے) صلاۃ الضحیٰ (نمازِ چاشت) پڑھنے کی صورت میں خطبہ دینے کی ضرورت نہیں۔

سوال: ماسک لگا کر نماز پڑھنے اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا حکم کیا ہے؟

جواب: حدیث میں منھ ڈھک کر نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اَن يُغَطِّيَ الرَّجُلُ فَاهُ فِي الصَّلَاةِ (ابن ماجه:٩٦٦، ابو دائود:٦٤٣)

''رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے کہ کوئی شخص اپنا چہرہ ڈھک کر نماز پڑھے۔''

اسی وجہ سے فقہاء نے چہرہ ڈھک کر نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمی کہا ہے۔یہ حکم عام حالات کے لیے ہے۔اگر کسی کو کوئی عذر ہو تو اس کے لیے گنجائش ہوگی۔مثلاً اگر کسی شخص کے چہرے پر چوٹ لگ جائے، یا پھوڑا پھنسی نکل آئے تو وہ پٹی باندھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔

کورونا وائرس کے پھیلاؤ کے تدارک کے لیے ہدایت کی گئی ہے کہ جن مقامات پر کچھ افراد جمع ہوں وہاں انہیں ایک دوسرے سے ہاتھ ملانے سے بچنا چاہیے اور منھ پر ماسک لگائے رہنا چاہیے۔یہ ہدایت مسجدوں کے سلسلے میں بھی ہے۔چنانچہ کہا جارہا ہے کہ جو لوگ نماز باجماعت کے

لیے مسجد آئیں وہ اپنی جانماز ساتھ لائیں اور مسجد میں ماسک لگائے رہیں۔اس ہدایت پر عمل کرنا احتیاط کا تقاضا ہے۔

عذر کی بنا پر ماسک لگا کر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔

سوال: کورونا سے متاثر افراد کا مسجد آنا اور جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے؟

جواب: یقیناً عام حالات میں مسجدوں میں جا کر باجماعت نماز ادا کرنا پسندیدہ، مطلوب اور افضل عمل اور گھروں میں فرض نماز ادا کرنا ناپسندیدہ اور غیر افضل عمل ہے، لیکن جب کورونا مرض وبائی صورت اختیار کر لے اور اس بات کا قوی امکان پیدا ہو جائے کہ مسجدوں میں باجماعت نماز ادا کرنے سے بہت سے نمازی اس موذی اور مہلک مرض کا شکار ہو جائیں گے تو اس وقت گھروں میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہو جائے گا اور اگر ضرورت متقاضی ہو تو وقتی طور پر کچھ عرصہ کے لیے مسجدوں میں باجماعت نماز موقوف کر دینے میں بھی کوئی حرج نہ ہوگا۔

سوال: کورونا سے متاثر افراد کے لیے روزہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: رمضان المبارک کے روزے تمام مسلمانوں (مردوں اور عورتوں) پر فرض کیے گئے ہیں۔ساتھ ہی اجازت دی گئی ہے کہ ان ایام میں جو لوگ مسافر یا مریض ہوں وہ روزہ نہ رکھیں اور دوسرے دنوں میں ان کی قضا کریں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَر.“ (البقرة:١٨٤)

”اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔“

کورونا انتہائی مہلک مرض ہے۔جو لوگ کورونا میں مبتلا کسی شخص کے رابطہ میں آجاتے ہیں، اندیشہ ہوتا ہے کہ ان میں بھی کورونا کے وائرس نہ سرایت کر گئے ہوں، اس لیے انھیں کچھ مدت تک قرنطینہ میں رکھا جاتا ہے اور ان کی نگرانی کی جاتی ہے۔

خواتین کا دین کے احکام پر عمل کرنے کا جذبہ بڑا قابل قدر اور لائق تحسین ہے، لیکن چوں کہ وہ ڈاکٹروں کی نگرانی میں ہیں، اس لیے ان کی بات ماننا مناسب ہے۔خاص طور سے اس صورت میں جب انہیں کسی کورنٹائن سینٹر میں رکھا گیا ہو۔اگر ڈاکٹر انہیں تاکید سے روزہ رکھنے سے منع کر رہے ہیں تو ان کی بات ماننی چاہیے۔اس صورت میں وہ گناہ گار نہیں ہوں گی۔ایسی خواتین اس وقت روزے نہ رکھیں، آئندہ حسب سہولت ان کی قضا کر لیں گی۔

محور ششم: کورونا ویکسین سے متعلق مسائل

سوال: الکوحل آمیز سینیٹائزر کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب: انگور اور کھجور وغیرہ سے بنی ہوئی شراب کو عربی زبان میں 'خمر' کہتے ہیں۔اسے قرآن میں حرام کہا گیا ہے۔وجہ حرمت اس کا نشہ آور ہونا ہے۔حدیث میں بھی ہر نشہ آور چیز کو حرام کہا گیا ہے۔اس بنا پر تمام نشہ آور چیزوں کا کھانا پینا فقہاء نے حرام قرار دیا ہے۔

دواؤں کو محفوظ رکھنے کے لیے اس میں الکوحل کا استعمال کیا جاتا ہے۔اس میں چوں کہ اس کی بہت قلیل مقدار استعمال ہوتی ہے، اس لیے فقہا نے ایسی دواؤں کے استعمال کی اجازت دی ہے۔

خارجی استعمال کی بہت سی چیزوں میں الکوحل کی بڑی مقدار شامل کی جاتی ہے، مثلاً صفائی ستھرائی کا سامان (Cleaning Products)، رنگ وروغن کا سامان (Paints Varnises)، ہوا کی صفائی والے اسپرے (Air Freshners) وغیرہ۔فقہا نے ایسی چیزوں کا استعمال جائز قرار دیا ہے، ان میں چاہے جتنی مقدار میں الکوحل کی آمیزش ہو۔

سوال: کورونا ویکسین لگوانے کا حکم کیا ہے؟ واجب یا مباح؟

جواب: کورونا نامی وبائی مرض سے حفاظت کے لیے مارکیٹ میں متعدد ویکسینز آ گئی ہیں اور سرکاری طور پر بھی ان کی فراہمی کے ساتھ انھیں لگوانے کی تاکید کی جارہی ہے۔ اس پس منظر میں بعض باتیں قابلِ غور ہیں:

۱۔ کورونا سے حفاظت کے لیے جو ویکسین ایجاد کی گئی ہے، وہ علاج نہیں، تحفظی تدبیر ہے۔ اسے لگوانا ہر شخص کے لیے اختیاری ہے۔

۲۔ اصل چیز انسانی جسم میں قوتِ مدافعت کی تقویت ہے۔ ویکسین لگوائے بغیر بھی کسی شخص کے جسم میں قوت مدافعت قوی ہو تو وہ مرض سے بچ سکتا ہے۔

۳۔ ویکسین لگوانے کی صورت میں مرض سے بچنے کی امید قوی ہو جاتی ہے، اس لیے اسے لگوا لینا بہتر ہے، خاص طور سے ان لوگوں کے لیے جو ادھیڑ عمر کے یا بوڑھے ہوں۔

۴۔ اگر ویکسین میں کوئی حرام چیز شامل ہو تو بھی فقہاء نے اسے لگوانے کی اجازت دی ہے۔ اس لیے کہ اوّلاً: حرام چیز کی قلبِ ماہیت کے بعد اس کی حرمت ختم ہو جاتی ہے۔ ثانیاً: شدید ضرورت کے وقت حرام چیز کا استعمال جائز ہے۔

۵۔ وبا پھیلی ہوئی ہو یا مرض لاحق ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو اس سے حفاظت کی تدابیر اختیار کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا مرض لاحق ہو جانے کے بعد اس کا علاج کرانا۔

۶۔ جس شخص نے ویکسین نہ لگوائی ہو اسے چاہیے کہ وہ لازماً دیگر احتیاطی تدابیر اختیار کرے، تاکہ نہ خود مرض میں مبتلا ہو اور نہ مرض کے پھیلنے کا سبب بنے۔

محور ہفتم: کورونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے سے متعلق اسلامی ہدایات

سوال: وبا کے دفعیہ کے لیے کیا اذان دی جاسکتی ہے؟

جواب: کے رسول ﷺ کے زمانے میں ایک مرتبہ سورج گرہن ہوا تو آپؐ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا اور طویل نماز پڑھی، پھر آپ نے ان کے سامنے خطبہ دیا، جس میں بتایا کہ جب کبھی ایسی صورت حال پیش آئے تو انہیں کیا کرنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا:

"فادعوا اللّٰه، و كبِّروا، و صلُّوا، و تصدَّقوا" (بخاری: ١٠٤٤)

''اللہ سے دعا کرو، اس کی کبریائی بیان کرو، نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔''

اس حدیث میں چار کاموں کی ہدایت کی گئی ہے۔ جب بھی کوئی غیر طبعی واقعہ پیش آئے، کوئی حادثہ ہو، آدمی کسی مصیبت کا شکار ہو، یا اجتماعی طور سے کوئی بلا عام ہو تو ان چار کاموں کا انفرادی اور اجتماعی طور پر اہتمام کرنا چاہیے۔ علامہ طیبی نے مذکورہ بالا حدیث کی تشریح میں لکھا ہے: ''اس حدیث میں بلا دور کرنے کے لیے ذکر، دعا، نماز اور صدقہ کا حکم دیا گیا ہے۔'' (بہ حوالہ فتح الباری: ۵۳۱/۲)

اذان کی مشروعیت اصلاً نماز کے اعلان کے مقصد سے کی گئی ہے، البتہ بعض دیگر کاموں کے لیے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، مثلاً بعض احادیث میں نومولود کے کان میں اذان دینے کا ذکر ہے، آگ زنی کے وقت بھی اذان دینے کی بات کہی گئی ہے۔

کیا وبا سے تحفظ کے لیے بھی اذان دی جاسکتی ہے؟ اس سلسلے میں علمائے متقدمین سے کوئی صراحت نہیں ملتی۔ معاصر علماء سے دونوں طرح کی رائیں منقول ہیں۔

مفتی امجد علیؒ کی کتاب ''بہار شریعت'' میں ہے:

''وبا کے زمانے میں اذان دینا مستحب ہے۔'' (بہار شریعت:۱/۴۶۶،فتاویٰ رضویہ مخرّجہ:۵/۳۷۰)

جب کہ مولانا رشید احمد لدھیانویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اس کی شرعی حیثیت کا انکار کیا ہے:

''وبا کے وقت اذان دینا شرعاً ثابت نہیں۔اس کو سنت یا مستحب سمجھنا درست نہیں۔'' (احسن الفتاوی:۱/۳۷۵،فتاویٰ رشیدیہ:۱۵۲)

میری رائے میں ایسے مواقع پر صرف انہی کاموں پر اکتفا کرنا چاہیے جو حدیث سے ثابت ہیں، دوسرے کاموں سے احتراز کرنا چاہیے۔ چنانچہ وبائی مرض سے تحفّظ کے لیے ذکر، دعا، نماز اور صدقہ کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔انفرادی یا اجتماعی طور پر اذان دینے کی ضرورت نہیں۔

سوال: دفع وبا کے لیے اجتماعی نماز اور اجتماعی دعا کا اہتمام کرنا کیسا ہے؟

جواب: غیر طبعی حوادث اور قدرتی آفات کے موقع پر اجتماعی نماز اور اجتماعی دعا کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اللہ کے رسول ﷺ سے یہ ثابت ہے۔ چنانچہ عہدِ نبوی میں ایک دفعہ سورج گرہن ہوا تو آپؐ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا اور طویل نماز پڑھائی۔ اسے ''صلوٰۃ الکسوف'' کہتے ہیں۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ جب کبھی تیز آندھی چلتی تو آپؐ فوراً نماز پڑھنے لگتے تھے۔

لیکن وبائی امراض کا معاملہ دوسرا ہے۔ اگر کوئی ایسا مرض پھیلا ہوا ہو جس کے لوگوں کے جمع ہونے سے مزید پھیلنے کا قوی امکان ہو تو اس صورت میں انفرادی دعا، نماز، گریہ وزاری، الحاح وتضرّع کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس کے لیے اجتماعی صورتیں اختیار کرنے سے بچنا چاہیے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ ربیع الآخر ۸۳۳ھ میں قاہرہ میں وبا پھوٹ پڑی۔ اعلان کیا گیا کہ لوگ تین دن روزے رکھیں، پھر اجتماعی دعا کے لیے جمع ہوں۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا، لیکن اس کے بعد اموات کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا۔ پہلے مرنے والوں کی تعداد چالیس (۴۰) سے کم تھی، لیکن اجتماعی نماز و دعا کے بعد بیماری اس شدت سے پھیلی کہ ہر روز ایک ہزار سے زائد لوگ مرنے لگے۔ ظاہر ہے کہ لوگوں کے جمع ہونے کی وجہ سے صحت مند لوگ بھی وبا سے متاثر ہوگئے تھے۔

کرونا سے متعلق چند اہم مسائل

مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی

محور اول: کرونا کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر

(۱) وبا کیا ہے؟

وبا ایسی بیماری کا نام ہے جس کا وائرس فضا میں پھیل گیا ہو اور ہر شخص کو متاثر کرسکتا ہو۔

"الوباء بالمد:المرض العام،أرض وبيئة ووبية وموبوءة : كثر مرضها۔" (معجم المصطلحات للألفاظ الفقهية ۴۶۱/۳)

قاضی عیاض فرماتے ہیں:

"الوباء عموم الأمراض۔" (فتح الباری : ۵۳/۱۳ كتاب المرضى،باب من دعا برفع الوباء)

ابن سینا نے اس عموم امراض کا سبب بھی ذکر کیا ہے، حافظ لکھتے ہیں:

"قال ابن سينا :الوباء ينشأعن فساد جوهر الهواء الذى هو مادة الروح ومدده "

(فتح الباری:۵۳/۱۳ کتاب المرضی، باب من دعا برفع الوباء)

(وباء آب وہوا جس پر روح کا مدار ہوتا ہے اس کے فساد سے پیدا ہوتا ہے)

بعض حدیثوں میں اس کا سبب اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کو بتایا گیا ہے۔(ابن ماجہ، باب العقوبات ح:۴۰۱۹)

شریعت میں وبا کے بارے میں تصور:

وبائی امراض بھی عام بیماریوں کی طرح ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ وبائی مرض کا ظہور آب وہوا کی پراگندگی اور فضائی آلودگی کی بنا پر ہوتا ہے، شریعت اسلامی کا بنیادی تصور ہر شئی کے بارے میں یہی ہے کہ اس کا خالق ومالک صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ذات ہے لہ الخلق ولہ الامر ،اس کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کے حکم کے تابع ، بلا اس کی منشأ پلک جھپکنے جتنی مجال بھی کسی میں نہیں، یہ ایک صاف ستھرا اور بلا غبار ٹھوس عقیدہ ہے، نیز اللہ کی ذات نہ تو کسی سبب وعلت کی محتاج ہے اور نہ ہی اس پر کسی شئی کا لزوم ہے، اس لیے اللہ چاہے تو بلا سبب بھی کسی کو بیماری میں مبتلا کردے اور چاہے تو سبب کے موجود ہونے کے باوجود ہر قسم کی آفت سے محفوظ رکھے، قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص اس کے لیے شاید عدل ہیں اور بہت سے وقوع پذیر واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔اس لیے کسی بھی بیماری کے تعلق سے خواہ وہ کتنا ہی خطرناک کیوں نہ ہو یہ تصور کرنا کہ وہ مؤثر بالذات ہے، اسلامی تصور کے سراسر منافی ہے اور ایمان وایقان کے لیے خطرناک ہے، بلکہ جاہلی خیالات وتوہمات کی تقلید ہے۔ اللہ کے نبی نے اسی واہمہ کو ختم کرنے کے لئے ،"لاعدوى ولاطيرة"کا بہترین فارمولہ ارشاد فرمایا ہے۔

البتہ دنیا دار الاسباب ہے، یہاں کا ہر معاملہ عموماً کسی نہ کسی سبب سے مربوط رہتا ہے تو کیا اس قسم کے امراض بھی سبب ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

تو اس بابت علمائے امت کے نقطہائے نظر میں اختلاف پایا جاتا ہے: ابن الصلاح وغیرہ کی رائے میں وبائی بیماری کو سبب کے درجے میں رکھنے میں اسلامی تصور پر زد نہیں پڑتی، اس کو دوسری حدیث میں، "فرمن المجذوم فرارك من الأسد" اور طاعون زدہ علاقے میں جانے سے منع والی روایت میں بیان کیا ہے۔

جب کہ حافظ ابن حجرہ وغیرہ کی رائے میں یہ تصور بھی صحیح نہیں ہے بلکہ جس طرح مرض میں مؤثر بالذات بننے کی صلاحیت نہیں ہے، اس میں دوسرے کے مرض کے لیے سبب بھی بننے کی صلاحیت مفقود ہے "لاعدوی" میں لانفی جنس کے لیے ہے جس سے دونوں ہی قسموں کی نفی ہو جاتی ہے، ہاں دوسری قسم کی احادیث میں لوگوں کے عقیدے کو فساد سے بچانے کے لیے سد الذریعہ منع کیا گیا ہے۔

(مکمل تفصیل فتح الباری: ۱۳/۹۵-۱۰۲ اباب الجذام کے تحت ہے)

(۲) وبا سے تحفظ کے لیے شرعی رہنمائی

مختلف مقاصد شریعت میں سے ایک اہم مقصد، تحفظ نفس بھی ہے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اسلام میں مختلف قسم کی ہدایات ملتی ہیں جن کو بروئے کار لا کر نہ یہ کہ اخروی زندگی ہی باسعادت ہوگی دنیا کی ساعات واوقات بھی خوب سے خوب تر اور قابل رشک ہو جائیں گے ان اصولوں پر عمل کرنا تو زندگی کے ہر لمحہ میں باعث خیر وفلاح ہے مگر "وبائی امراض" کے خطرے کے وقت ان کو حرز جان بنا لینا عقل مندی ودانش مندی کا ثبوت ہے کیوں کہ نفس وجان کے تحفظ کو خطرہ ایسے ہی موقع پر زیادہ شدید ہو جاتا ہے، مندرجہ ذیل سطور میں بعض اہم ہدایات کی نشان دہی کی جارہی ہے۔

(الف) وبائی امراض فضائی آلودگی اور زمینی کثافت سے پیدا ہوتے ہیں اس لیے ہر ایسے اقدام سے بچنا وبا سے تحفظ کے لیے از بس ضروری ہے جس سے کثافت کے پیدا ہونے یا پھیلنے کا اندیشہ ہو، اس پر اسلام نے کافی زور دیا ہے، بلکہ صفائی و پاکیزہ ماحول کی فراہمی اسلام کا طرہ امتیاز ہے، پچھلی اقوام میں یہودیوں کا طریقہ تھا کہ وہ کچرا، گوبر وغیرہ اپنے گھروں کے سامنے ڈال دیا کرتے جس سے آنے والے کو گھن آتی تھی۔
(اشعۃ اللمعات: ۳/۵۸۹)

(ب) دعاؤں کا اہتمام:

دعا مومن کے لیے ہتھیار ہے، بلاؤں کو ٹالتی ہے، اس سے آنے والی مصیبتوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے، کہا جاتا ہے "الدعاء یرد البلاء" دعا مصیبت کا رخ پھیر دیتی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث ہے:

"من سره أن يستجيب الله له عندالشدائد والكرب فليكثر الدعاء فى الرخاء۔"

(ترمذی: ۲/۱۷۵، کتاب الدعوات، باب ماجاء أن دعوة المسلم مستجابة)

(جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ اس کی دعا مشکل حالات اور مصیبت کے وقت قبول کرے تو اس کو خوش حالی کے وقت کثرت سے دعا کرنی چاہیے۔)

حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں: اللہ کے رسول نے فرمایا:

"لایرد القضاء إلاالدعاء ولایزید في العمر إلاالبر۔" (ترمذی: ۲/۱۳۵، بواب القدر، باب: ماجاء لایرد القدر الا الدعاء)

(قضاء وقدر کو دعا پھیر دیتی ہے اور نیکی عمر میں اضافہ کرتی ہے)

اس لیے ہر مرد مومن کو چاہئے کہ مصیبتوں اور وباؤں سے تحفظ کے لیے دعاؤں کا اہتمام کرے، اس بابت کتب حدیث میں دعاء کے خاص کلمات بھی منقول ہیں مثلاً: "أعوذ بكلمات الله التامات من شرما خلق" تین مرتبہ صبح وشام، "بسم الله الذى لايضر مع اسمه شئٌ في

الأرض ولافي السماء، وهو السميع العليم“ تین مرتبہ صبح وشام بعض اکابر کے مجربات میں سے یہ بھی ہے کہ ”یاسلام“ کاورد رات میں اوردن میں ۱۴۲ مرتبہ کر کے کیا جائے تو وبلا و وباء سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

(ج) صدقات وخیرات کی کثرت:

مالی نذرانہ وصدقات وخیرات ودفع بلایا میں خاص اثر ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر عورتوں کے پاس سے گزرتے ہوئے صدقے کی ترغیب دی اور وجہ ارشاد فرمائی کہ تم جہنم میں اکثریت میں نظر آئی، گویا صدقہ اسباب جہنم کو کم کر دیتا ہے، ایک حدیث میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”إن الصدقة لتطفى غضب الرب وتدفع ميتة السوء۔“ (ترمذی: ۱۴۴/۱ ابواب الزکاۃ، باب: ما جاء فی فضل الصدقۃ)

(صدقہ رب کے شعلۂ غضب کو بجھا دیتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔)

(صدقہ اس وقت کرو جب کہ تم صحت مند ہو، مال کی چاہت ہو محتاجگی کا اندیشہ اور غنا کے بارے میں امید وتمنا ہو۔)

(د) منہیات سے اجتناب ومامورات کا امتثال

بلاؤں اور وباؤں کا حقیقی سبب خدائے ذوالجلال کا غیظ وغضب ہے، اعمال خیر کا س غیظ وغضب کو روکنے میں بڑا رول ہوا کرتا ہے، لیکن محرمات کا ارتکاب اور حرمات کی پامالی سے اللہ کا غصہ بڑھتا چلا جاتا ہے پھر مختلف مصیبتوں کو تازیانہ عبرت وعقوبت بنا کر دنیا میں بھیجتا ہے۔ قاضی عبدالرحمان قریشی دمشقی اپنے زمانہ کے طاعون کے متعلق لکھتے ہیں جو ۷۶۴ھ میں رونما ہوا تھا۔

”وكان هذا كالطاعون الأول عم البلاد، وأفنى العباد، وكان الناس به على خير عظيم من إحياء الليل وصوم النهار والصدقة والتوبة---فهجرنا البيوت ولزمناالمساجد، رجالنا وأطفالنا ونساؤنا فكان الناس به على خير۔“

(شفاء القلب، بیان ما یتعلق بالطاعون)

(یہ طاعون پہلے طاعون کی طرح تھا جو شہروں پر چھا گیا تھا اور بندگان خدا کو فنا کر دیا تھا۔ لوگ بھی شب بیداری، روزہ، صدقہ اور توبہ جیسے عمدہ صفات سے چمٹ گئے تھے چنانچہ ہم لوگوں نے گھروں کو چھوڑ اکر مساجد کو پکڑ لیا تھا، مرد بچے عورتیں سبھی لوگ۔)

حیاۃ الصحابہ میں سعید بن المسیبؒ حضرت ابوعبیدہؓ کی ایک وصیت نقل کرتے ہیں جب کہ وہ اردن کے طاعون عمواس میں مبتلا تھے، تو حاضرین کو جمع کر کے ارشاد فرمایا:

”میں تمہیں وصیت کر رہا ہوں اگر تم نے اسے مان لیا تو ہمیشہ خیر پر رہو گے اور وہ یہ ہے کہ نماز قائم کرو، ماہ رمضان کے روزے رکھو، زکاۃ دو، حج عمرہ کرو، آپس میں ایک دوسرے کو نیکی کی تاکید کرتے رہو اور اپنے امیروں کے ساتھ خیر خواہی کرو اور ان کو دھوکا مت دو اور دنیا تمہیں آخرت سے غافل نہ کرنے پائے: کیونکہ اگر انسان کی عمر ہزار سال بھی ہو جائے تو بھی اس ٹھکانے یعنی موت کی طرف آنا پڑیگا جیسے تم دیکھ رہے ہو“ (۱۶۵/۲)

احتیاطی تدابیر اختیار کرنا:

بیماریوں سے بچنے کے لیے ایک بہترین ذریعہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنا بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿يأيها الذين آمنوا خذوا حذركم۔﴾

(اے ایمان والو! احتیاطی تدابیر اختیار کرو)

اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا عقل مندی ودانشمندی نہیں ہے، قرآن کریم نے صریح الفاظ میں منع کیا ہے۔

﴿ لا تلقو ابأيديكم إلى التهلكة﴾

(اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو)

(۳) حکومت کے گائڈلائن پر عمل کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔

دنیا دارالاسباب ہے، یہاں کی ہر شئی کسی نہ کسی سبب سے مربوط ہے، اس لیے اسباب ووسائل کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں بلکہ عین ایمان کے مطابق ہے، اس لیے کہ توکل ترک اسباب کا نام نہیں بلکہ اللہ پر سے اعتماد اٹھ جانے کا نام ہے۔

”یطلق التوکل علی الثقة بالله والإیقان بأن قضاء ہ ماضٍ، واتباع لسنة نبیه صلی الله علیه وسلم في السعي فیما لا بد له من الأسباب۔“ (تفسیر القرطبی :آل عمران آیت (۱۲۲)

(توکل اللہ پر اعتماد اور اس بات کا ایقان کہ قضائے الٰہی نافذ ہو کر رہے گی اور جن امور میں اسباب کی ضرورت ہے ان میں اسباب کو اختیار کر کے سنت کی اتباع کا نام ہے۔)

اسی بنا پر کسی فقیہ یا صوفی نے اسباب اختیار کرنے کو توکل کے خلاف نہیں سمجھا ہے بلکہ حضرت سہیلؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا:

”من قال: التوکل یکون بترك العمل فقد طعن في سنة رسول الله صلی علیه وسلم۔“ (قرطبی :آل عمران ۱۲۲)

(جس نے یہ کہا کہ توکل ترکِ عمل سے ہوتا ہے، تو اس نے سنت نبوی کو مجروح کیا۔)

امام رازی ”وشاورھم فی الأمر“ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”دلت الآیة علی أنه لیس التوکل أن یحمل الإنسان نفسه کما یقول بعض الجھال، وإلا کان الأمر بالمشاورة منافیا للأمر بالتوکل علی الله أن یراعی الإنسان الأسباب الظاھرة ولکن لایعول بقلبه علیھا بلی یعول علی الله تعالیٰ۔“

(تفسیر الرازی ۹/۶۸، آل عمران:۱۵۹)

(آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ توکل یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے آپ کو بے کار بنالے جیسا کہ بعض جاہلوں کا خیال ہے ورنہ مشورہ کرنے کا امر توکل کے امر کے خلاف ہوگا۔ بلکہ توکل یہ ہے کہ انسان ظاہری اسباب کو اختیار کرے لیکن قلب سے اس پر اعتماد نہ کرے بلکہ اعتماد صرف اللہ پر ہو۔)

امام احمد رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا:

”ما تقول فیمن جلس في بیته ومسجده، وقال :لاأعمل شیئا حتی یأتی رزقی، فقال أحمد :ھذا رجل جھل العلم، أماسمع قول النبی صلی الله علیه وسلم جعل رزقی تحت ظل رمحی۔“ (الموسوعة:١٤ /١٨٦)

(آپ کیا کہتے ہیں ایسے شخص کے بارے میں جو گھر اور مسجد میں بیٹھ جائے اور کہے کہ میں کوئی کام نہیں کرونگا یہاں تک کہ مجھے رزق مل جائے تو امام احمد رحمہ اللہ نے جواب دیا: وہ شخص جاہل ہے، کیا اس نے حدیث نہیں سنی کہ رزق نیزے کے سائے کے نیچے ہے)

علاج ومعالجہ اختیار کرنے کی ترغیب اور مختلف ادویہ کی مختلف تاثیر کے تعلق سے کتب حدیث میں اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے جس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسباب کو اختیار کرنا نہ یہ کہ توکل کے منافی نہیں بلکہ بعض اوقات اہمیت کا حامل بھی ہے، قرآن کریم میں ”خذوا حذرکم“ سے انسانوں کو اس طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا جائز اعمال پر مشتمل گائڈلائن خواہ حکومت کی جانب سے تیار کردہ ہو یا ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ وہاسپٹل کی جانب سے، اس پر عمل پیرا ہونا توکل کے ہرگز منافی نہیں ہوگا۔

(۴) بیماری کا متعدی ہونا

بیماریاں متعدی ہوتی ہیں یا نہیں یعنی ایک بیماری دوسرے کو لگ سکتی ہے یا نہیں؟ تو اس بابت زمانہ جاہلیت میں عام نظریہ تھا کہ بعض مخصوص بیماریاں جذام، برص وغیرہ ایک سے دوسری طرف منتقل ہوتی ہیں۔ بعض حدیثوں سے بھی بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے، جبکہ کچھ دیگر احادیث بھی ہیں جن سے بالکل تعدیہ کی نفی معلوم ہوتی ہے، حافظ ابن حجر نے ان روایات کو جمع کیا ہے اور ان پر مفصل بحث کی ہے پانچ بلکہ چھ رجحانات کا تذکرہ کیا ہے، سب سے زیادہ شہرت رکھنے والی حدیث حضرت ابو ہریرہ کی ہے جو بایں الفاظ مروی ہے:

"لا عدوى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر" وفرمن المجدوم كما تفر من الأسد۔"

(بخاری، کتاب الطب، باب الجذام، ح:۵۷۰۷)

اس حدیث عدوی کی بابت بعض حضرات یوں سمجھتے ہیں کہ یہ صرف ابو ہریرہ سے مروی ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ کو بعد میں چل کر اس میں تردد ہو گیا، اس لیے حدیث معلول ہوگئی، مگر یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ کے علاوہ حضرت عائشہؓ، ابن عمرؓ، سعد بن أبی وقاصؓ اور حضرت جابرؓ سے بھی صحیح سند سے منقول ہے۔ (فتح الباری:۱۳/۹۸ کتاب الطب، باب الجذام)

اس بابت سب سے زیادہ مشہور دورائیں پائی جاتی ہیں:

(۱) جن احادیث میں مخصوص امراض سے تعدیہ کی نفی پائی جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی بیماری میں بالذات یہ صلاحیت نہیں ہے کہ حکم خداوندی کے بغیر کسی دوسرے کو لاحق ہو جائے، لیکن جن احادیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ بعض امراض میں تعدیہ ہے، ان کا مطلب ہے کہ ایسی بیماریاں سبب بن سکتی ہیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ مسبب موجود ہو تو سبب بھی لازماً موجود ہو، گویا کہ نفی کا تعلق مؤثر بالذات ہونے سے ہے اور اثبات کا تعلق محض تسبب سے ہے، اس نظریہ کے حاملین میں، حافظ ابن صلاح کا نام سرفہرست آتا ہے۔

(۲) دوسرا نظریہ یہ ہے کہ کوئی بھی بیماری نہ تو بالذات مؤثر ہو سکتی ہے اور نہ ہی سبب ہی بن سکتی ہے البتہ جن احادیث میں بیمار اشخاص سے میل جول میں احتیاط برتنے کو کہا گیا ہے وہ محض سد ذریعہ کے طور پر ہے، مطلب یہ ہے کہ بیماریاں لاحق تو ہوتی ہیں اللہ کے حکم سے کسی کی بیماری دوسرے کے لیے سبب بھی نہیں ہوگی مگر لوگوں کا اعتقاد ایسے موقع پر بگڑ نہ جائے کہ سمجھنے لگیں کہ اختلاط کے نتیجے میں بیماری ہوتی ہے، اس لیے نفس اختلاط کو ہی منع کر دیا تاکہ عقیدہ خراب نہ ہو، اس نظریہ کے روح رواں حافظ ابن حجر ہیں، ان دو رجحان کے علاوہ بھی خیالات پائے جاتے ہیں، حافظ نے ان تمام کو اپنی کتاب میں جمع کیا ہے۔ (فتح الباری:۱۳/۱۰۰-۱۰۰۲ کتاب الطب، باب الجذام)

ان دونوں نظریے میں یہ بات قدر مشترک ہے کہ کوئی بھی بیماری مؤثر بالذات نہیں ہے۔ لیکن سبب بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس بابت علماء کے اقوال مختلف ہیں، راقم کا خیال ہے کہ ضعیف العقیدہ لوگ جو سبب وتاثیر کے فرق سے ناآشنا ہیں، ان کو تو اختلاط سے بچنے کی تلقین کی جائے تاکہ وہم کا شکار ہو کر عقیدہ کو خراب نہ کر لیں اور تاکہ ان کو باور کرایا جا سکے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کی جانب سے ہوتا ہے اللہ نہ چاہے تو نہ صحت ہو سکتی ہے اور نہ بیماری۔

لیکن جو لوگ پختہ اعتقاد کے ہیں، اللہ ہی کو ہر حال میں مؤثر بالذات سمجھتے ہیں تو ایسے لوگوں کو اختیار ہے کہ چاہے اختلاط کرے یا اجتناب۔ واللہ اعلم

محور دوم: کرونا کے زمانے میں عبادات میں تخفیف

''کرونا'' سے جہاں اور مسائل پیدا ہوئے ہیں عبادتوں میں تخفیف کا ذہن بھی بنا ہے، اس تناظر میں بہت سے مسائل الجھتے نظر آتے ہیں،

بالخصوص پنج وقتہ نماز، جمعہ وعیدین کے مسائل خلجان کا شکار ہوئے، ان ہی میں سے بعض مسائل کی تحقیق و تنقیح پیش خدمت ہے۔

(۱) کرونا کے زمانے میں گھروں پر پنج وقتہ نماز با جماعت یا انفرادی

''کرونا کا واویلا مچتے ہی ہو کا عالم ہو گیا، مارکیٹ سنسان، مساجد و معابد ویران، حکومت کی دارو گیر کے خوف سے اچھے اچھے صاحب جبہ و دستار کو باہر نکلنے کی ہمت نہیں، حکومت کی جانب سے پنج وقتہ نمازوں کے لیے بڑی تعداد میں مساجد میں ہونے کی قطعاً اجازت نہیں، نماز کے شائقین اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھنے پر مجبور ہیں، یہ بات اپنی جگہ متعین ہے کہ مسجد میں با جماعت سے نماز پڑھنا شعار اسلام میں سے ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسے حالات میں گھروں پر جماعت سے نماز ادا کی جائے یا انفرادی نماز پڑھ لی جائے؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں اس کو سنن ہدی میں شمار کیا گیا ہے اور ترک کو منافقوں کا شیوہ یا معذورین کی عادت تصور کیا گیا ہے۔ (مسلم شریف ۱/۲۳۲، کتاب الصلاۃ، باب فضل صلاۃ الجماعۃ)

حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: ہم نے دیکھا نماز سے پیچھے صرف ایسا منافق رہتا جس کا نفاق مشہور ہو یا مریض، مریض بھی دو آمیوں کے سہارے نماز میں شرکت کرتا، حضرت عبداللہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سنن ہدی کی تعلیم دی، جس مسجد میں اذان ہو اس میں نماز سنن ہدی میں سے ہے۔

لیکن یہ حکم عام حالات کا ہے، عذر کے وقت یا مسجد میں جماعت کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تو گھر پر بھی با جماعت نماز ادا کرنے کا ثبوت ملتا ہے، فقہاء نے بھی اس پر بحث کی ہے جس کا خلاصہ یوں ہے کہ گھر پر جماعت کرنے سے ثواب بھی ملتا ہے صرف مسجد کی فضیلت حاصل نہیں ہوتی ہے، نیز مسجد کی جماعت کفایہ ہے اگر کچھ لوگ مسجد میں جماعت کر لیتے ہیں تو گھر پر جماعت کی عادت بنائے بغیر جماعت کر لی جائے تو حرج نہیں ہے، عذر کی صورت میں تو بدرجہ اوّل ی اس کی اجازت ہوگی۔

"ذكر القدوري أنه إذا فاتته الجماعة جمع بأهله في منزله وإن صلى وحده جاز لماروي عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه خرج من المدينة إلى صلح بين حين أحياء العرب فانصرف منه وقد فرغ الناس من الصلاة، فمال إلى بيته وجمع بأهله في منزله۔" (بدائع: ۱/۱۵٦ – فصل بيان من تنعقد به الجماعة)

(امام قدوری نے ذکر کیا کہ جب جماعت فوت ہو جائے تو اپنے گھر میں اپنے گھر والوں کو جمع کر کے با جماعت نماز پڑھے، اگر منفرداً پڑھا تو بھی جائز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اللہ کے رسول مدینے سے عرب کے دو قبائل کے مابین صلح کرانے نکلے، واپس آئے تو لوگ نماز سے فارغ ہو چکے تھے چنانچہ گھر تشریف لے گئے اور گھر میں گھر والوں کے ساتھ با جماعت نماز ادا کی۔)

اسی طرح فرائض کا حال ہے اگر گھر میں مسجد کے جماعت کی طرح جماعت کر لیں تو جماعت کا ستائیس گنا ثواب پائیں گے لیکن اس جماعت کی فضیلت نہیں ملے گی جو مسجد میں ہوئی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس کی جماعت مشروع ہے اس میں مسجد ہی افضل ہے کیوں کہ وہاں جگہ کا شرف، شعائر اسلام کا اظہار، جماعت مسلمین کی زیادتی اور قلوب کا اتحاد موجود ہیں۔)

"وأقلها اثنان، واحد مع الإمام ولو مميزاً أوملكا أو جنيا في مسجد أوغيره، قال في القنية: واختلف العلماء في إقامتها في البيت، والأصح أنها كإقامتها في المسجد إلافي الأفضيلة۔" (درمختار مع رد المحتار: ۱/۴۰۹ ـ كتاب الإمامة)

(جماعت کی اقل مقدار دو ہیں ایک ہو امام کے ساتھ، چاہے ممیّز ہو یا ملک یا جنی، مسجد میں یا خارج مسجد، قنیہ میں ہے کہ علماء کا اختلاف ہے گھر میں جماعت کرنے کے سلسلے میں، اصح یہ ہے کہ گھر میں جماعت کرنا مسجد میں جماعت کرنے کی طرح ہے، صرف فضیلت کا فرق ہے)

"في الجوهرة :لو صلى في بيته بزوجته أوولده فقد أتى بفضيلة الجماعة۔" (مجمع الأنهر: ١٦١/١ كتاب الصلاة)

(جوہرہ میں ہے: اگر اپنے گھر میں بیوی یا بچے کے ساتھ نماز پڑھا تو اس نے جماعت کی فضیلت حاصل کرلیا۔)

لہٰذا ''کرونا'' کی مہاماری میں گھر پر جماعت سے نماز پڑھنے کا موقع ہو تو جماعت سے ہی نماز پڑھی جائے، ار جماعت ممکن نہ ہو تو پھر انفرادی نماز پر اکتفاء کیا جائے جیسا کہ حضرت عتبان بن مالک نے کثرت باراں کے وقت گھر میں فرض پڑھنے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ سے درخواست کی تھی کہ ایک نماز گھر میں پڑھ لیں تو اس بابرکت جگہ کو ایسے عذر کے وقت مصلی بنائیں گے، اللہ کے رسول نے درخواست قبول کی تھی اور ایک نماز ان کے گھر میں برکت کے لیے پڑھی تھی، جس جگہ کو حضرت عتبان نے بوقت ضرورت وعذر فرض نماز کے لیے مختص کرلیا تھا۔ (بخاری: ۶۰/۱ کتاب الصلاۃ۔ باب المساجد في البيوت)

(۲) کرونا کے ماحول میں ایک مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ پنج وقتہ نماز اور جمعہ کی جماعت کا حکم

جمعہ کی نماز ہو یا پنج وقتہ نماز اس بابت دونوں کا حکم ایک ہے، ہر دو میں کثیر تعداد والی جماعت شرعاً مطلوب ہے، جتنی بڑی جماعت ہوگی شعار اسلام کا اظہار اسی قدر ہوگا اور اسلام کی شوکت وعظمت اسی قدر عیاں ہوگی، اسی لیے فقہائے احناف کے یہاں خاص طور پر فتویٰ دیا جاتا ہے کہ ایک سے زائد جماعت نہ ہو، تاکہ لوگ یہ سمجھ کر کہ دوسری تیسری جماعت کرلی جائے گی جماعت کی شرکت میں سستی وکاہلی نہ کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد صحابہ کا بھی یہی معمول نظر آتا ہے، اگر مسجد کی جماعت فوت ہوگئی تو دوسری جماعت کرنے کے بجائے یا تو دوسری مسجد کا رخ کرتے یا منفرد نماز پڑھنے کو ترجیح دیتے۔

"عن الحسن قال كان أصحاب رسول الله صلى عليه و سلم إذا دخلوا المسجد وقدصلى فيه صلوا افرادى۔"

(مصنف ابن أبي شيبه: ۵۵/۵ رقم ۷۱۸۸۔ کتاب الصلاة، باب من قال الروايت يصلون فرادى)

(صحابہ جب مسجد میں جماعت کے بعد آتے تو منفرداً نماز پڑھا کرتے تھے)

حنفیہ کے یہاں ظاہر الروایت یہی ہے کہ جس مسجد میں امام ومؤذن مقرر ہو یعنی با جماعت نماز کا اہتمام ہو اور مسجد طریق نہ تو وہاں جماعت ثانیہ مکرہ تحریمی ہے، ہاں مسجد طریق ہو یا امام ومؤذن مقرر نہ ہو تو دوسری جماعت میں حرج نہیں ہے۔

"يكره تكرار الجماعة في مسجد محلة بأذان وإقامة إلاإذاصلى بهما فيه أولا غير أهله أو اهله لكن بدونها أو كان مسجد طريق جاز إجماعاً كما في مسجد ليس له إمام ولامؤذن۔" (ردالمحتار: ۴۰۸/۱ کتاب الصلاۃ، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد)

(محلّہ کی مسجد میں دوبارہ جماعت اذان واقامت مکروہ ہے، الا یہ کہ دوسرے لوگوں نے اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھ لی ہو یا اہل محلّہ نے اذان ہلکی آواز میں دی ہو۔ اور اگر اہل محلّہ بغیر اذان واقامت جماعت ثانیہ کریں یا مسجد طریق ہو تو بالاتفاق جائز ہے جیسا کہ اس مسجد میں جس میں امام ومؤذن مقرر نہ ہو۔)

اذان واقامت کے تعلق سے اتنی تفصیل مزید ملتی ہے کہ اگر اذان واقامت کے بغیر بھی پہلی نماز پڑھ لی گئی ہو اور مسجد پنج وقتہ جماعت والی ہو تو بھی جماعت ثانیہ مکروہ ہوگی، کیوں کہ کراہت کی بنیادی علت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے جماعت میں لوگوں کی تعداد کم ہوگی خواہ اذان ہو یا نہ ہو اگر دوبارہ جماعت کا تصور رہے گا تو ہر جماعت چند افراد پر مشتمل ہوگی یا بھرپور لوگوں کی جماعت نہیں رہے گی۔

جواہر الفقہ میں ہے: پس جاننا چاہیے کہ ائمہ حنفیہ کی ظاہر روایت سے مطلق تکرار کی کراہت معلوم ہوتی ہے، خواہ اذان واقامت کے ساتھ ہو، خواہ بلا اذان واقامت، اور صاحب ظہیریہ نے بھی کراہت کو ہی لیا ہے، اور بدائع میں کراہت کو ہی مسلم رکھا ہے اور عقلی ونقلی دلیل سے ثابت کیا ہے۔ (جواہر الفقہ: ۴۵۶/۲ ط: زکریا بک ڈپو)

دیگر مکاتب فکر کی آراء:

حضرات مالکیہ کا مسلک بھی حنفیہ کے مسلک کی طرح جماعت ثانیہ کی ممانعت کا ہے، "المدونة الکبری" میں تفصیلی فتویٰ موجود ہے۔

(المدونة الکبریٰ: ۹۰/۱، في المسجد تجمع لصلاة فیه مرتین، ط: دار احیاء التراث العربی)

وھبہ زحیلی مالکیہ کا مسلک لکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والقاعدة عندهم أنه متى أقيمت الصلاة مع الإمام الراتب فلا يجوز إقامة صلاة أخرى فرضا أو نفلاً۔" لاجماعة ولا فرادى، ومن صلى جماعة مع الإمام الراتب وجب عليه الخروج من المسجد لئلا يؤدى إلى الطعن في الإمام۔"

(الفقہ الإسلامی: ۱۱۸۳/۲، الفصل العاشر من أنواع الصلاة)

(ان کے یہاں قاعدہ یہ ہے کہ جب نماز امام مقرر کے ساتھ ہوگئی تو اب دوسری نماز خواہ فرض ہو نفل، جماعت سے ہو یا الگ، پڑھنا جائز نہیں ہے، اور جس نے امام مقرر کے ساتھ نماز پڑھ لی تو اس پر واجب ہے کہ مسجد سے باہر چلا جائے تا کہ امام کی شان میں طعن کا سبب نہ ہو۔)

شافعیہ کے مسلک میں کچھ توسع پایا جاتا ہے، ان کے یہاں اصل یہ ہے کہ امام کی دل آزاری نہ ہو، چنانچہ جہاں امام مقرر نہ ہو، یا مقرر ہو مگر امام کی جانب سے دوسری جماعت کی اجازت ہو یا مسجد طریق ہو جہاں لوگ آتے رہتے ہیں اور جماعت کرتے رہتے ہیں، امام کی مخالفت وموافقت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے، یا پھر مسجد تنگ ہے اس لیے مختلف جماعت کرلی گئی، یا وقت تنگ تھا سب کے جمع ہونے میں وقت کے نکلنے کا خوف تھا تو ان صورتوں میں دوسری جماعت کرنے میں حرج نہیں ہے، کیوں کہ امام کی دل آزاری ومخالفت لازم نہیں آتی ہے۔

مہذب میں ہے:

"وإن حضر وقد فرغ الإمام من الصلاة فإن كان المسجدله إمام راتب كره أن يستأنف فيه جماعة، لأنه ربما اعتقد أنه قصد الكياد والإفساد، وإن كان المسجد في سوق أو همرالناس لم يكره أن يستأنف الجماعة؛ لأنه لا يحتمل الأمر فيه على الكياد." (المجموع شرح المهذب: ٤/ ٢٢١ باب صلاة الجماعة)

حنابلہ کے یہاں جماعت ثانیہ میں حرج نہیں بلکہ دوسری وتیسری جماعت کرنا مستحب ہے ابن قدامہ کی عبارت ہے:

"ولا يكره إعادة الجماعة في المسجد ومعناه: أنه إذا صلى إمام الحي وحضر جماعة أخرى استحب لهم أن يصلوا جماعة وهو قول ابن مسعودؓ وعطاء والحسن والنخعي وقتاده وإسحاق."

(المقنع علی المغني: ۱۰/۲ کتاب الإمامة، إعادة الصلاة في المسجد)

حضرت امام ابو یوسف کا ایک قول:

حنفیہ میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا ایک قول ہے جس میں کسی قدر توسع بھی ہے اور مصالح کی رعایت بھی، چنانچہ حضرت امام ابو یوسف فرماتے ہیں: اگر ہیئت اوّل کے ساتھ جماعت ثانیہ نہ ہو تو نماز مکروہ نہیں ہے، ہیئت اوّل ہی میں اذان واقامت کے ساتھ امام کا محراب میں کھڑا ہونا ہے، لہٰذا ان تینوں میں تبدیلی کردی جائے تو کراہت مرتفع ہو جائے گی۔

”وعن أبي يوسف أنه إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولى لا تكره، والإتكره وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذافي البزازية. (ردالمحتار:۱/۴۰۹ مطلب في كراهة الجماعة في المسجد)

امام ابو یوسف کے اس قول کے متعلق یہ بھی رائے ہے کہ اس میں کراہت کی نفی سے مراد کراہت تحریمی کی نفی ہے، نہ کہ کراہت تنزیہی کی، یعنی کراہت تنزیہی ہر حال میں باقی رہے گی، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا مبسوط فتوی جواہر الفقہ میں موجود ہے، حضرت نے اپنا سارا زور اسی کراہت تنزیہی کو ثابت کرنے پر دیا ہے، چوں کہ استحباب کو اختیار کرنے سے بہتر کراہت سے اجتناب کرنا ہوتا ہے اس لیے جماعت ثانیہ کا ترک ہی اوّل ی وافضل ہوگا ردالمحتار میں ہے:

”إذا تردد الحکم بین سنة وبدعة کان ترك السنة راجحاً علی فعل البدعة۔“ (ردالمحتار:۱/۴۷۵ مکروهات الصلاة)

جماعت ثانیہ کی کراہت پر اگر غور کیا جائے تو اس کا مدار اس امر پر نظر آتا ہے کہ اس تصور سے لوگوں میں جماعت کی شرکت میں سستی پیدا ہوگی نتیجتاً پہلی جماعت بھی قلیل تعداد پر مشتمل ہوگی جب کہ تکثیر تعداد مطلوب ومقصود ہے، مبسوط میں ہے:

”إنا أمرنا بتکثیر الجماعة، وفی تکرار الجماعة في مسجد واحد تقلیلها، لأن الناس إذا عرفوا أنهم تفوتهم الجماعة یعجلون للحضور فتکثر الجماعة وإذا علموا أنه لا تفوتهم یؤخرون فیؤدی إلی تقلیل الجماعات وبهذا فارق المسجد الذي علی قارعة الطریق.“ (المبسوط للسرخسی:۱/۱۳۵-۱۳۶۔ باب الأذان، ط:دارالفکر)

کرونا جیسے حالات میں متعدد جماعت کا حکم

مسجد کی جماعت ثانیہ پنج وقتہ نماز کی ہو یا جمعہ کی دونوں کا حکم ایک ہے، لہٰذا مذکورہ تفصیل کی روشنی میں حنفیہ کی ظاہر روایت کے مطابق جماعت ثانیہ مکروہ تحریمی ہوگی، لیکن امام ابو یوسف کے ایک قول کے مطابق اگر محراب سے پیچھے ہٹ کر نماز پڑھائی جائے تو جماعت کے تعدد میں کراہت نہیں ہوگی، البتہ حضرت گنگوہیؒ جیسے اکابر کے نزدیک یہ بھی کراہت سے خالی نہیں ہے؛ لیکن علت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کرونا کے دور میں جب کہ حکومت کی جانب سے سخت پابندی عائد تھی، ڈاکٹروں اور طبیبوں کا مشورہ بھی تھا ایسی صورت حال میں تعدد جماعت میں حرج معلوم نہیں ہوتا ہے؛ کیوں کہ اس سے تقلیل جماعت کا جو خطرہ ہے وہ شاید لاحق نہیں ہوگا، حنابلہ کے مسلک میں تو پہلے سے ہی گنجائش موجود ہے، حضرات شافعیہ کے یہاں بھی کوئی حرج نہیں، کیوں کہ شافعیہ نے کراہت کا مدار امام کے عدم اذن پر رکھا ہے جو وجہ اب تقریباً مفقود ہو چکی ہے، ہاں امام مالک کے مسلک کے مطابق یہ جائز نہیں ہوگا کہ ایک جماعت کے بعد یا امام وقت کی جماعت سے پہلے جماعت کر لی جائے۔

(۳) وباؤ کے زمانے میں گھروں میں جمعہ پڑھنا:

چوں کہ جمعہ کے لیے مسجد شرط نہیں ہے، جماعت اور بنیادی طور پر اذنِ عام شرط ہے جو مسجد کے علاوہ گھروں میں پائی جاسکتی ہے اس لیے گھروں اور مختلف میدانوں میں جمعہ پڑھ لینے میں حرج نہیں ہے، اس کی نظیر ملتی ہے صاحب ردالمحتار لکھتے ہیں:

”وکذا السلطان إذا أراد أن یصلي بحشمه في داره فإن فتح بابها وأذن للناس إذناً عاماً جازت صلاته شهدتها العامة أولا، وإن لم یفتح أبواب الدار وأغلق الأبواب وأجلس البوابین لیمنعوا عن الدخول لم تجز،لأن اشتراط السلطان للتحرزعن تفویتها علی الناس وذا لا یحصل إلا بالإذن العام.“ (رد المحتار:۱/۶۰۱ کتاب الجمعة)

اس سے معلوم ہوا کہ گھر پر بھی جمعہ ہوسکتا ہے، اسی طرح ”امداد الاحکام“ میں ایک فتوی ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

’’اگر چھاؤنی یا قلعہ میں جمعہ ادا کیا جائے تو جائز ہے گو چھاؤنی اور قلعے میں دوسرے لوگ نہ آسکتے ہوں؛ کیوں کہ مقصود نماز سے روکنا نہیں بلکہ انتظام مقصود ہے‘‘۔(امداد الاحکام: ۱/ ۷۵۱ مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی)

گھروں پر جمعہ ادا کرنے کی شرائط:

گھروں پر جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے وہی شرطیں ہیں جو مسجد میں ادا کرنے کے لیے ہیں، کیوں کہ جمعہ کے لیے نفس مسجد کی شرط ہی نہیں ہے، بنیادی طور پر یہاں جو شرط مفقود ہوتی نظر آئے گی وہ ’’جماعت اور اذن عام‘‘ ہے، اس لیے امام کے علاوہ کم از کم تین افراد ہوں، اور گھر کے ایسے حصے میں نماز ہو جس میں باہر سے جو لوگ آنا چاہتے ہوں بآسانی بلا اجازت آسکتے ہوں تو جمعہ ادا کرنا صحیح ہوگا، دیگر وہی شرائط ہیں جو مسجد میں ادا کرنے کے لیے ہیں۔

(۴) گھروں پر ظہر پڑھنے کی صورت میں جماعت کا حکم:

جمعہ کے دن خطبہ ونماز شعائر اسلام میں سے ہیں، اس شعار کو ختم کرنے یا مضمحل کرنے کی جو بھی صورت ہو ممنوع وحرام ہے اسی لیے تعدد جمعہ سے منع کیا جاتا ہے کہ ایک جگہ سب لوگ جمع ہو کر جمعہ ادا کریں گے تو شعار کا اظہار اچھے طور پر ہو سکے گا، اسی وجہ سے فقہائے احناف کی تمام کتب میں بلا کسی تفریق جہاں جمعہ ہوتا ہو وہاں ظہر کی ایسی ادائیگی جس میں معارضہ یا تقلیل جماعت کا خدشہ ہو ممنوع ہے بلکہ ایسی جگہ ظہر کی نماز بلا جماعت منفرداً منفرداً ادا کی جائے گی:

”كره تحريما لمعذور ومسجون ومسافر أداء ظهر بجماعة في مصر قبل الجمعة، وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة...... كذا أهل مصر فاتتهم الجمعة فإنهم يصلون بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة(در مختار: ۱/ ٦٠٤ كتاب الجمعة۔“

سوال کیا گیا کہ اہل مصر عذر کی وجہ سے جمعہ ترک کر دیں تو اس دن ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا جائز ہے؟ تو فرمایا: ان کے لیے مکروہ ہے، مستحب یہ ہے کہ الگ الگ پڑھیں یہی امام محمد کا قول کتاب الصلاۃ میں ہے)

بلکہ چاہیے کہ جمعہ کی نماز ہو جائے پھر ظہر کی نماز پڑھی جائے۔

درمختار میں تو ہر صورت میں کم از کم کراہت تنزیہی کا قول اختیار کیا گیا ہے۔

”وللمريض تأخيرها إلى فراغ الإمام وكره إن لم يؤخر هو الصحيح، ظاهر قوله”يستحب، أن الكراهة تنزيهية(نهر)وعليه فما في شرح الدر للشيخ إسماعيل عن المحيط من عدم الكراهة اتفاقاً محمول على نفي التحريمية۔“

(رد المحتار مع در مختار: ۱/ ۶۰۵ کتاب الجمعۃ)

(۵) وباء کے زمانے میں عیدین کی نماز گھر پر ادا کرنا:

عیدین کا مسئلہ بعینہ جمعہ کی طرح ہے، دونوں نمازوں کی شرائط میں بھی اتحاد ہے، اس لیے جس طرح جمعہ کی نماز کی ادائیگی گھر پر ہو شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہو سکتی ہے، عیدین کی ادائیگی بھی انہی شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے ہو جائے گی، معرفۃ السنن میں اس بابت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا عمل بھی مروی ہے:

”عن انس بن مالك أنه كا إذا فاتته صلاة العيد مع الإمام جمع أهله فصلى بهم مثل صلاة الإمام في العيد۔“

(معرفۃ السنن والآثار: ۵/ ۱۰۳ الإمام يأمر من يصلي بضعفة الناس العيد)

(٦) ماسک لگا کر نماز پڑھنا:

عام حالات میں ناک ومنہ ڈھک کر نماز پڑھنا مکروہاتِ صلاۃ میں شمار کیا گیا ہے:

”یکره اشتمال الصماء والاعتجار والتلثم وهو تغطية الأنف والفم في الصلاة لأنه يشبه فعل المجوس حال عبادتهم الفيران۔ زيلعی، ونقل عن أبي السعود أنها تحريمية۔“

(ردالمحتار مع الدر المختار:۱/۶۸۳، باب مایفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا؛ فتاوی ھندیہ:۱/۱۰۷، فصل فیما یکرہ فی الصلاۃ)

ایک حدیث میں بھی منع وارد ہوا ہے:

”عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن السدل في الصلاة وأن يغطي الرجل فاه۔“

(صحیح ابن خزیمۃ:۱/۳۷۹ باب النھی عن السدل)

(اللہ کے رسول نے نماز میں سدل سے منع فرمایا اوراس بات سے منع فرمایا کہ مرد اپنے منہ کو ڈھک لے۔)

لیکن عذر کی حالت کو فقہاء نے مستثنی رکھا ہے کہ ماسک لگانا ازبس ضروری ہے تو ایسا شخص ماسک لگا کر نماز پڑھتا ہے تو کراہت نہیں ہوگی، یا کوئی شخص ایسی جگہ نماز پڑھتا ہے جہاں کہ آب وہوا اتنی سموم ہو چکی ہے کہ تحقیق کے مطابق ماسک نہ لگانا مضر ثابت ہوسکتا ہے تو اچھا وصحت مند انسان بھی ماسک لگا کر نماز پڑھ سکتا ہے، لیکن کسی وبائی مریض کے ماسک نہ لگانے سے دوسرے افراد کے متاثر ہونے کا قوی خطرہ ہو تو راقم ناچیز کے خیال میں ایسے شخص کے لیے جماعت کی نماز سے رخصت حاصل ہوگی وہ اکیلا ہی نماز پڑھے گا، جماعت چھوڑنے کے بہت سے اعذار میں سے یہ عذر بھی ہے کہ اس کی شرکت سے دوسرے کو نقصان ہو، اللہ کے نبی نے بھی پیاز ولہسن کھا کر مسجد جانے سے اسی لیے منع کیا ہے کہ دوسروں کو تکلیف ہوگی، علامہ عینی نے اسی حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

”وكذلك ألحق بذلك بعضهم من فيه بخر أوبه جرح له رائحة، وكذلك القصاب والسماك والمجذوم والأبرص أولى بالإلحاق، وصرح بالمجذوم ابن بطال، ونقل عن سحنون:لا أرى الجمعة عليه واحتج بالحديث، وألحق بالحديث كل من آذى الناس بلسانه في المسجد وبه أفتى ابن عمر رضي الله عنهما وهو أصل في نفي كل مايتأذى به۔“ (عمدة القاری:٦/١٤٦)

سماجی فاصلہ کے ساتھ نماز

حدیث کی کتابوں میں نماز باجماعت میں مل مل کر کھڑے ہونے اور کندھے سے کندھا ملانے کی بہت تاکید آئی ہے۔

”عن أنس رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: رُصّوا صفوفكم وقاربوا بينها، وحاذوا بالأعناق فوالذي نفسي بيده إني لأرى الشيطان يدخل من خلل الصف كأنها الخذف۔“

(ابوداؤد:۱/۱۷۷ کتاب الصلاۃ، باب تسویۃ الصفوف)

اللہ کے رسول باقاعدہ اس کی نگرانی کیا کرتے تھے اور جب تک صفیں درست نہ ہوجائیں اور لوگ مل مل کر کھڑے نہ ہوجاتے، نیز دو شخصوں کے درمیان کا فاصلہ ختم کر لیتے یا صفوں کے مابین کا فاصلہ شرعی اصول کے مطابق نہ ہوجاتا اس وقت تک نماز شروع نہیں فرماتے تھے، دوسرے صحابہ کا تھا۔

”عن أنس قال: أقيمت الصلاة، فأقبل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم بوجهه، فقال :أقيموا صفوفكم وتراصوافإني

أراكم من وراء ظهري۔" (بخاری: ۱/۱۰۰ کتاب الأذان، باب:إقبال الإمام على الناس عند تسوية الصفوف)

(حضرت انسؓ فرماتے ہیں: نماز کی اقامت ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رخ انور سے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: صفوں کو سیدھی رکھو اور مل مل کو کھڑے ہو جاؤ، کیوں کہ میں تم کو پیچھے سے دیکھتا ہوں)

"روي عن عمر أنه كان يؤكل رجلا بإقامة الصفوف ولا يكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت، وروي عن علي وعثمان أنهما كانا يتعاهدان ذلك ويقولان :استووا، وكان علي يقول :تقدم يافلان، تأخر يا فلان۔"

(ترمذی: ۱/۵۳ أبواب الصلاۃ، باب ماجاء في إقامة الصفوف)

نیز حضرت علیؓ وحضرت عثمانؓ اس کی نگرانی کرتے، کہتے صفیں سیدھی کرو، حضرت علیؓ تو کہتے: اے فلاں آگے بڑھو، اے فلاں پیچھے جاؤ) اس تاکید سے اتنی بات تو واضح ہوئی جاتی ہے کہ صفوں کی سنت متوارثہ یہی ہے کہ دو شخصوں کے مابین فاصلے نہ ہوں اس کے خلاف کرنا یقیناً اس سنت متوارثہ کی خلاف ورزی ہے، ٹھیک ہے دوستونوں کے مابین نماز ادا بھی ہو جاتی ہے اور کراہت بھی لازم نہیں آتی ہے۔

لیکن اس سے صفوں کی سنت متوارثہ کا معیار کم نہیں ہوتا ہے بلکہ اپنی جگہ باقی رہتا ہے، اسی لیے تو خادم رسول حضرت انس فرماتے ہیں:

كنا نتقي هذا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم۔" (ترمذی: ۱/۵۴ ابواب الصلاۃ، باب ماجاء في كراهية الصف الخ)

اس لیے اصل بات تو یہی ہے کہ فاصلہ سے نماز با جماعت پڑھنا سنت کے خلاف ہے، لیکن حکومتی پابندی کی بنا پر اس فاصلاتی نماز کو گوارہ کیا گیا ہے کیوں کہ بدون اس کے مسجد بند کیے جانے کا خطرہ ہے، نتیجۃً اذان وجماعت سے بالکلیہ محرومی ہو جائے گی، لہٰذا حالات معمول پر آ جانے کے بعد اوّل کوشش ہونی چاہیے کہ اس متروکہ سنت کا احیاء کیا جائے اور خواہ مخواہ دور دراز کے موہوم کرونا وئی خطرہ کی وجہ سے اس مؤکد اور اہمیت سے بھرپور سنت کو ترک کرنے کی جسارت نہ کی جائے۔ واللہ اعلم۔

(۷) کرونا سے متأثر افراد کے لیے مسجد آنے کا حکم

ایسا شخص جو واقعتاً کرونا میں مبتلا ہو چکا ہے اور ڈاکٹروں کی تشخیص ہے کہ مرض مہلک خطرناک ہے، اختلاط ومیل جول سے دوسرے بھی یا تو سبب کے طور پر متاثر ہو سکتے ہیں یا کم از کم ان کا عقیدہ ہی بگڑ سکتا ہے تو ایسے شخص کے لیے مسجد آنے کے بجائے گھر پر نماز پڑھنا شریعت کا حکم ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"من أكل الثوم أو البصل من الجوع أو غيره فلا يقربن مسجد نا وفي حديث : فليعتزلنا ويقعد في بيته، وفى حديث: ولا يصلين معنا۔" (بخاری: ۱/۱۱۸ کتاب الاذان، باب ماجاء في الثوم النيء والبصل)

(جس نے لہسن یا پیاز بھوک یا ایسے ہی کھائی وہ ہماری مسجد کے قریب نہ جائے، ایک روایت میں ہے: ہماری مجلس سے الگ رہے اور اپنے گھر بیٹھے، ایک اور طریق میں ہے: ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے۔)

علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے اس کے حکم میں ہر ایسے شخص کو شامل کیا ہے جس سے دوسروں کو تکلیف ہو۔

(عمدۃ القاری: ۶/۱۴۶۔ باب ماجاء في الثوم النيء والبصل)

اس لیے کرونا کے حقیقی مریض کے لیے اوّلیٰ وافضل یہی ہے کہ وہ مسجد آنے کے بجائے حسب وسعت گھر میں نماز پڑھے۔

(۸) کرونا مریض کے لیے روزے کا حکم

کرونا کا ایسا مریض جس کی رپورٹ مثبت ہو اور مرض کے آثار جسم میں واضح طور پر محسوس کر رہا ہو، نیز اس کو خطرہ ہو کہ روزہ رکھنے پر مرض

میں اضافہ ہوگا اور بیماری سے مقابلہ کی قوت اور روز بروز کم ہوجائے گی تو وہ ایسا مریض ہے جس کے لیے افطار کی گنجائش ہے، صرف رپورٹ کا مثبت ہونا کافی نہیں ہے، رپورٹ تو بہت سے اشخاص کی مثبت ہی آتی ہے حالانکہ جسمانی لحاظ سے بالکل تندرست محسوس کرتا ہے، نیز صرف مرض پیدا ہوجانا افطار کو جائز نہیں کرتا بلکہ ایسا مرض جو مفضی الی الحرج ہو افطار کی گنجائش فراہم کرتا ہے:

”ومن كان مريضا في رمضان فخاف إن صام إزداد مرضه أفطر وقضى، وإن كان مسافرا لا يستضر بالصوم فصومه أفضل وإن أفطر جاز، لأن السفر لايعرى عن المشقة فجعل نفسه عذراً بخلاف المرض ؛فإنه قديخف بالصوم فشرط كونه مفضياإلى الحرج۔“ (هدايه : ۲۲۱/۱ ۔كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة)

(جو شخص رمضان میں مریض ہو پس اس کو خوف ہو کہ روزہ رکھے گا تو مرض میں اضافہ ہوجائے گا تو افطار کرے اور قضاء رکھے، اور اگر مسافر روزہ رکھنے میں ضرر محسوس نہ کرتا ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے اگر افطار کیا تو بھی جائز ہے: اس لیے کہ کوئی بھی سفر مشقت سے خالی نہیں ہے پس نفس سفر کو عذر قرار دیا ہے، برخلاف مرض کے یا اس لیے کہ کبھی روزہ کی وجہ سے مرض خفیف ہوجاتا ہے پس شرط لگائی ہے کہ مفضی إلی الحرج ہو۔)

(۹) کیا کرونا کی وجہ سے مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روکا جاسکتا ہے:

حج اسلام کا ایسا فریضہ ہے جو مخصوص مقامات پر مخصوص ایام میں ادا ہوسکتا ہے، اسی طرح عمرہ ایک ایسی عبادت ہے جو مخصوص مقامات کے ساتھ وابستہ ہے۔ ماقبل الاسلام سے لے کر قرب قیامت تک کے انسانوں کی توجہ ان مقامات مقدسہ کی عظمت وتقدس کی جانب من جانب اللہ کردی گئی ہے، چنانچہ قریب وبعید کے لوگ کشاں کشاں وہاں تک پہنچتے ہیں اور مخصوص عبادت: حج وعمرہ ادا کرکے ایک گونہ سکون وسرور محسوس کرتے ہیں۔

اسلام نے ان دونوں عبادتوں کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے یہ چیز اپنی جگہ مسلم ہے، اسلام نے اسی طرح مقاصد شریعت کی حفاظت وبھی اہم قرار دیا ہے، مختلف قسم کے لوگوں کے اختلاط سے طبی تحقیقات کے مطابق کرونا وائرس کے پھیلنے کا شدید خطرہ پیدا ہوجاتا ہے، جس سے تحفظ نفس اور حفظان صحت کا عظیم مقصد فوت ہوتا نظر آتا ہے۔ یہ خطرہ صرف ایک جگہ تک محدود نہیں رہتا بلکہ دنیا کے کونے کونے میں پہنچنے کا ذریعہ ہوجاتا ہے، اس لیے تحفظ کے پیش نظر کچھ وقت کے لیے بیت اللہ کی زیارت بند کردی جائے تو شاید شریعت اسلامی کے مزاج کے منافی نہیں ہوگا، قبل ازیں بھی متعدد بار مختلف وجوہات واسباب کی بنا پر حج بند ہوچکا ہے، دور صحابہ میں جب کہ حجاج بن یوسف کا حملہ مکہ مکرمہ پر تابڑ توڑ چل رہا تھا تو خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ حج نہ ہوسکے جس کی وجہ سے حضرت ابن عمر کو ان کے صاحبزادگان نے روکا بھی تھا کہ اس سال حج کو نہ جائیں؛ خطرہ ہے کہ کعبہ تک نہیں پہنچ سکیں گے تو انہوں نے بڑا اچھا جواب دیا تھا کہ اگر ایسا ہوا تو میں بھی وہی کرونگا جو اللہ کے رسولؐ نے کیا تھا۔ (بخاری: ۲۳۱/۱ کتاب المناسک، باب من اشتری ھدیہ من الطریق)

احصار کا مسئلہ بھی اشارہ کر رہا ہے جس میں کعبہ تک پہنچنا دشمنوں کیوجہ سے بھی متاثر ہوتا ہے۔

اور دوسرے عوارض کی وجہ سے بھی کہ بیماریوں کی وجہ سے کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ اجتماعی طور پر منع کردیا جائے۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ: کرونا کے زمانے میں عبادت میں تخفیف

(۱) کرونا یا کسی بھی عذر کے وقت گھر پر نماز پڑھنا ہو تو اگر جماعت ممکن ہو تو باجماعت ہی پڑھی جائے۔

(۲) حنفیہ کا ظاہر الروایۃ مسلک اور مالکیہ کا مفتی بہ موقف یہ ہے کہ جہاں امام مقرر ہو وہاں تکرار جماعت مکروہ ہے، البتہ گزرگاہ پر واقع مسجدوں میں دوسری جماعت میں حرج نہیں ہے۔

شافعیہ کے یہاں امام مسجد کی اجازت سے یا تنگی وقت وتنگی مسجد کی وجہ سے بھی تکرار جماعت میں حرج نہیں ہے، البتہ حنبلی مکتب فکر میں بلا قید وشرط تکرار جماعت جائز بلکہ مستحب ہے۔

(۳) حضرت امام ابو یوسف سے ایک شاذ روایت یہ ہے کہ اگر ہیئت اوّل ی تبدیل کر دی جائے تو کراہت لازم نہیں آئے گی، نیز محراب یا جہاں امام کھڑا ہوتا ہے اس جگہ سے عدول کرلیا جائے تو تبدیلی ہیئت واقع ہو جاتی ہے یاد رہے کہ بعض اکابر نے اس صورت کو بھی کراہت تنزیہی پر ہی محمول کیا ہے۔

(۴) تکرار جماعت کی کراہت کا منشأ تقلیل جماعت کا خطرہ وخدشہ ہے۔

(۵) کورونا وباء کے دور میں چوں کہ حکومت انتظامیہ سے لے کر طبی عملہ تک کی سخت ہدایات ہیں اس لیے تقلیل جماعت کے جس خطرہ کی بنا پر جماعت ثانیہ کی کراہت کا قول اختیار کیا گیا تھا اس دور میں وہ علت مفقود ہوتی نظر آتی ہے اس لیے بظاہر تعداد جماعت میں حرج معلوم نہیں ہوتا ہے۔

اسی طرح چوں کہ جمعہ کے لیے بھی مسجد کی شرط نہیں ہے صرف جماعت کی شرط ہے اس لیے افضل ہے کہ مسجد کی جماعت کے بعد کسی اور جگہ جمعہ کا نظم کیا جائے اور وہاں متعدد بار بھی اگر جمعہ منعقد کیا جائے تو حرج نہیں ہے، بشرطیکہ امام ومصلی الگ الگ ہوں، ہاں کوئی اور جگہ نظم نہ ہو سکے تو امام ابو یوسف کے قول پر عمل کرتے ہوئے مسجد میں بھی متعدد جمعہ ہو جائے تو حرج نہیں ہونا چاہئے۔

(۶) تعدد جمعہ کی صورت میں امام ومصلیان کا الگ الگ ہونا بھی ضروری ہے نیز یہ بھی ضروری ہے کہ جہاں اوّل مرتبہ امام نے نماز پڑھائی ہے اس سے الگ ہو کر دوسری جماعت کی جائے۔

(۷) مسجد کے علاوہ ہر ایسی جگہ جمعہ ہو سکتا ہے جہاں آنے جانے کے لیے اذن عام ہو، اس لیے مسجد میں کچھ لوگ اگر پڑھ لیں اور دیگر حضرات مختلف گھروں میں جمعہ قائم کرلیں جہاں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہوں تو حرج نہیں ہے۔

(۸) جمعہ کے دن عذر کی وجہ سے یا بلا عذر ظہر کی نماز گھروں میں بلا جماعت الگ الگ پڑھی جائے گی۔

(۹) گھر پر عیدین کی جماعت انہی شرطوں کے ساتھ جائز ہے جن شرطوں کے ساتھ جمعہ جائز ہے۔

(۱۰) عام حالات میں ماسک لگا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، واقعی عذر وضرورت کے موقع پر بلا کراہت جائز ہے۔ کرونا کا واقعی مریض یا کرونا سے مسموم آب وہوا والے ماحول میں عام صحت مند انسان بھی ماسک لگا کر نماز پڑھے تو بلا کراہت جائز ہے۔

(۱۱) دو شخصوں کے درمیان ایک میٹر کے فاصلہ کے ساتھ جماعت سنت متوارثہ کے خلاف ہے، بدرجۂ مجبوری ہی اس کو اختیار کرنا چاہیے۔

(۱۲) جو شخص واقعتاً ''کرونا'' کے مرض میں مبتلا ہو چکا ہو اور مرض مہلک ہوتا جا رہا ہو اس کے لیے مسجد کے بجائے گھر پر نماز پڑھنا شریعت کا حکم ہوگا۔

(۱۳) کرونا کا حقیقی مریض اگر روزہ رکھنے میں ضعف محسوس کرے یا مرض کے بڑھنے کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے روزہ توڑنا جائز ہے۔

(۱۴) کرونا کی وجہ سے وقتی طور پر حج وعمرہ کو بند کیا جا سکتا ہے۔

محور پنجم: کرونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

(۱) کرونا سے انتقال کرنے والی میت کو غسل دینا:

کورونا وباء کا خوف اور حکومت کی جانب سے مختلف پابندیوں پر طبی عملہ کے بے جا پابندیوں سے غسل وکفن کا مسئلہ بھی متأثر ہوا ہے، اس بیماری کے زمانے میں مرنے والوں کے ساتھ who کے فرمان کے مطابق طبی عملہ کا سلوک نازیبا ہوا کرتا ہے، مرنے کے بعد فوراً ایک پلاسٹک کور

(Body Bag) میں مردے کو لپیٹ دیا جاتا ہے، نہ غسل دیا جاتا ہے اور نہ اس کو کھولنے کی اجازت ہوتی ہے، اور جب غسل نہیں ہوتا ہے تو پھر نماز جنازہ کا قضیہ بھی خلجان کا شکار ہو جاتا ہے، کیوں کہ نماز جنازہ کی صحت کے لیے مختلف شرطوں میں ایک اہم شرط میت کا مغسول ہونا ہے البتہ عذر کی حالت میں یہ فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔

موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں ہے:

”شرط الحنفية فيمايلي :أولها: اسلام الميت لقوله تعالىٰ :ولا تصلى على أحد منهم مات أبداً، والثانى:طهارة من نجاسة حكمية و حقيقية البدن فلا تصح على من لم يغسل ولا على من عليه نجاسة، وهذا الشرط عند الإمكان، ولودفن بلاغسل ولم يكن إخراجه إلابالنبش سقط الغسل. (الموسوعة :١٦/١٩ ماده :جنازة)

البتہ شہید اس سلسلہ میں مستثنیٰ ہے: شہید کو بلا غسل وکفن دفن کیا جائے گا اور حنفیہ کے یہاں نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

کرونا کے حالات میں جب کہ میت کو Body bag میں ڈال کر دیا جاتا ہے، اس کو کھولنے کی بالکل اجازت نہیں ہوتی ہے، کھولنے کی صورت میں مختلف قانونی چارہ جوئی وجواب دہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو ایسے میت کی نماز جنازہ کے لیے غسل کس طرح دیا جائے؟ پانی بہایا جائے؟ یا جبیرہ پر جس طرح مسح ہوتا ہے، اس طرح بھیگے ہوئے / ہاتھ پھیرے جائیں یا بلا غسل ہی تعذر کی وجہ سے نماز پڑھ لی جائے۔

تیمّم کرانے کا حکم بظاہر سمجھ میں نہیں آتا ہے، اس لیے کہ تیمّم کا تعلق جسم سے ہوا کرتا ہے، Body bag کی وجہ سے میت کا جسم مستور و محجوب ہو جاتا ہے جس سے جسم پر مسح کے بجائے کور اور تھیلے پر مسح ہو پاتا ہے۔

”والثامن منها (من شروط التيمم)زوال مايمنع المسح على البشرة كشمع وشحم، لأنه يصيربه المس عليه لاعلى الجسد۔“ (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی:۱۲۱، کتاب الطہارۃ، باب التیمم، ط: دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(تیمّم کے صحیح ہونے کی آٹھویں شرط یہ ہے کہ کھال پر مسح کے لیے مانع شئی موجود نہ ہو جیسے موم یا چربی: اس لیے کہ اس وقت مسح اس حائل پر ہوگا جسم پر نہیں۔)

اسی طرح ایسا لگتا ہے کہ اس بوڈی بیگ کا حکم جبیرہ کا نہ ہو، کیوں کہ جبیرہ کے عمومی احوال سے ایسا لگتا ہے کہ یہ اس وقت محسوس ہوتا ہے جب کہ اس کا کچھ حصہ بلکہ اکثر حصہ ممسوح ہو، نا قابل غسل ہے تو حکم تیمّم کا ہوتا ہے، اگر اکثر حصہ قابل غسل ہے بعض حصہ نا قابل غسل ہے تو حکم مسح علی الجبیرۃ کا ہوتا ہے۔

”ولو كان أكثر البدن أو نصفه جريحاً تيمم، ، وإن كان أكثره صحيحاً غسل ومسح الجريح و لايجمع بين الغسل والتيمم۔“ (مراقى الفلاح :١٢١ كتاب الطهارة، ، باب التيمم)

(اگر بدن کا اکثر حصہ یا نصف حصہ مجروح ہو تو تیمّم کرے اور اگر اکثر حصہ صحیح ہو تو غسل کرے اور مجروح والے حصے کو مسح کرے نیز غسل و تیمّم کو جمع نہ کرے۔)

اس سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ یا تو غسل کا حکم ہے یا تیمّم کا، مسح چوں کہ غسل ہی کے حکم میں ہے اس لیے جہاں غسل ممکن نہیں ہے وہاں مسح ہوگا مگر اصل کا تحقق في نفسہ ضروری ہے، زیر بحث مسئلہ میں غسل ناممکن ہے اس لیے تیمّم ہونا چاہئے، مگر تیمّم جسم کے ساتھ خاص ہے جو کہ یہاں مفقود ہے اس لیے تعذر کی صورت ہوئی، لہٰذا ایسے میت کی نماز جنازہ بلا غسل و مسح پڑھی جائے گی۔

”جزم الدارمي وغيره أن من تعذر غسله صلى عليه، قال الدارمي :وإلالزم أن من أحرق فصار رماداً أو أكله السبع لم يصل

عليه ولا أعلم أحداً من أصحابنا قال بذلك۔" (مغني المحتاج:۲/۴۷۔کتاب الجنائز، بحث یشترط لصحۃ الصلاۃ تقدم الغسل)

(دارمی وغیرہ نے جزم کیا ہے کہ جس کا غسل متعذر رہو تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، دارمی کہتے ہیں: مسلک شافعیہ کے مطابق۔ ورنہ لازم آئے گا کہ جو شخص جل کر راکھ ہو جائے یا درندے کھالے تو اس کی نماز نہ ہو (یعنی غائبانہ) مجھے نہیں معلوم کہ کسی فقیہ شافعی نے یہ بات کی ہو۔)

"ولو قطعت يداه ورجلاه من المرفق والكعب وبوجهه جراحة صلى بغير طهارة وتيمم ولا يعيد، وهو الأصح۔"

(الدر المختار:۱/۵۶۴، کتاب اٰخر المریض قبیل باب سجود التلاوۃ)

(اگر کسی کے دونوں ہاتھ کہنی سے اور دونوں پاؤں ٹخنے سے کٹے ہوں. نیز چہرہ پر زخم ہو تو بغیر طھارۃ نماز پڑھے گا اور تیمّم نہیں کرے گا اور نہ اعادہ کرے گا، یہی صحیح ہے۔)

جو حکم نماز پڑھنے کی بابت ہے وہی حکم میت کے لیے اس پر نماز پڑھنے کی بابت ہوا کرتا ہے۔

(۲) کرونا میت کو اسپتال سے جس کور میں لپیٹ کر دیا جاتا ہے وہ کفن کے حکم میں ہے یا نہیں؟

عموماً اسپتال کے عملہ میت کو اہل خانہ کے حوالہ تو کر دیتے ہیں مگر اس کے جسم پر پلاسٹک کا ایک کور لپیٹ کر دیتے ہیں جس کو کھولنے کی اجازت نہیں ہوتی ہے، ان کے زعم میں پلاسٹک کا یہ بیگ کرونا جراثیم و وائرس کو نکلنے سے روک دیتا ہے، عاجز ناچیز کے خیال میں وہ شرعی کفن کے لیے کفایت نہیں کرتا ہے؛ اس کے وارثین پر لازم ہے کہ شرعی کفن کا انتظام کریں، چمڑے، اون اور رواں دار ملبوسات میں کفن کراہت کے ساتھ جائز ہوتا ہے جیسا کہ شامی میں اس کی صراحت ہے۔

"يجوز أن يكفن الرجل من الكتان والصوف لكن الأولى القطن، في التاجية: يكره الصوف والشعر والجلد۔"

(ردالمحتار:۱/۶۳۸۔کتاب الجائز، مطلب التکفین)

ایسا لگتا ہے کہ کفن ایسی چیز کا ہونا چاہیے جو عادتاً بطور لباس پہنا جاتا ہو نیز قابل ستر ہو اور جنس کفن ازار و رداء وغیرہ سے ہو؛ کیوں کہ فقہاء جہاں شہداء کے کفن کا تذکرہ کرتے ہیں وہاں خاص طور پر شہید کے جسم پر موجود بعض اشیاء کو نکالنے کا حکم دیتے ہیں، پھر اس کی وجہ وعلت جو بیان کرتے ہیں، اس سے یہی بات مترشح ہوتی ہے۔

"فينزع عنه مالا يصلح للكفن مثل الفرو والحشو والقلنسوة والخف والسلاح والدرع، لا السراويل فلا ينزع في الأشبه كمافي الهندية عن الهندواني۔" (الدرمع الرد:۱/۶۷۱ باب الشهيد)

(ایسی چیز شہید سے نکال دی جائے گی جو کفن کے لائق نہیں، صحیح یہی ہے کہ پاجامہ نہ نکالا جائے جیسا کہ ہندیہ میں ھندوانی سے نقل ہوا ہے)

علامہ کاسانی وجہ لکھتے ہیں:

"والكفن يلبس للستر وهذه الأشياء تلبس إما للتجمل والزينة أو لدفع البرد أو لدفع موقع السلاح ولا حاجة للميت إلى شيء من ذلك، فلم يكن شيء من ذلك كفنا۔" (بدائع :۱/۳٤٤ فصل :حكم الشهادة في الدنيا)

(کفن وہ ہوتا ہے جو ستر کے لیے پہنا جاتا ہے، یہ تمام اشیاء زیب وزینت کے لیے، سردی سے بچنے کے لیے یا ہتھیار کی اذیت کو روکنے کے لیے ہیں، میت کو ان میں سے کسی کی حاجت نہیں ہے، پس ان میں سے کوئی بھی شئی کفن نہیں ہے۔)

کرونا سے مرنے والے کا جو بوڈی بیگ ہے وہ بھی ستر کے لیے استعمال نہیں ہوتا ہے، نہ ہی زندگی میں اس کو انسان لباس کے طور پر

استعمال کرتا ہے، محض طبی نقطۂ نظر اور کرونا ضرورت کے لیے چسپاں کر دیا ہے، لہٰذا وہ کفن کے مفہوم سے خارج ہے اور شرعی طور پر کفن کی نیابت نہیں کرتا ہے، اس لیے الگ سے کفن دینا ہوگا۔

(۳) کرونا سے انتقال ہونے والے میت کی قبر پر نماز جنازہ:

کرونا مہاماری کے دور میں ایسا بھی ہوا کہ میت کی تدفین انتظامیہ عملہ نے ہی کر دیا یا وارثین کو ایسی ہدایت ملی کہ ان کو غسل ونماز کا موقع ہی نہیں ملا، مجبوراً بلا غسل اور بلا جنازہ میت کو دفن کر دینا پڑا، ہاں قبر کا علم ہے تو کیا قبر پر نماز جنازہ کا اہتمام کیا جا سکتا ہے، اگر قبر پر نماز ہو سکتی ہے تو کب تک اس کی گنجائش رہتی ہے؟

اگر ایک بار نماز جماعت سے پڑھ لی گئی پھر دفن کیا گیا ہے تب تو قبر پر نماز جنازہ کی اجازت نہیں ہے، مگر بلا غسل وبلا نماز اگر دفن کر دیا گیا تو نعش کے پھٹنے تک قبر پر نماز ہو سکتی ہے، احادیث مبارکہ میں مختلف واقعات ملتے ہیں، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر نماز ادا کی ہے، ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) ”عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر بقبر دفن ليلاً، فقال :متى دفن هنا ؟فقالوا:البارحة، قال :أفلاَ اذنتموني، قالوا:دفناه في ظلمة اليل فكر هنا أن نوقظك، فقام، فصفقنا خلقه۔“

(بخاری ۱/۱۷۶۔ کتاب الجنائز۔ باب صفوف الصبیان مع الرجال)

(۲) ”قال الشعبي أخبرني من مرمع النبي صلى الله عليه وسلم على قبر منبوذ فأمهم وصفوا عليه۔“

(بخاری: ۱/۱۱۸ کتاب الأذان، باب: وضوء الصبیان ومتی یجب علیهم الغسل)

(۳) ”عن عقبة بن عامرؓ أن النبى صلى الله عليه وسلم خرج يوماً فصلى على أهل أحد صلاته على الميت ثم انصرف إلى المنبر فقال:إنى فرط لكم وأنا شهيد عليكم۔“ (بخارى : ۱/۱۷۹ كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهيد)

یہ چند واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر میت کی نماز جنازہ کسی وجہ سے نہیں ہوئی تو قبر پر نماز ہو سکتی ہے، فقہاء نے بھی یہی بات لکھی ہے:

”مالم يهل عليه التراب فيصلى على قبره بلاغسل، وإن صلي وليه أولا ثم تذاكروا أنه دفن بلا غسل استحساناً كأن تلك الصلاة لم يعتد بها لترك الطهارة مع الإمكان، والآن زال الإمكان وسقطت فريضة الغسل.

(ردالمحتار مع الدر المختار ۱/۶۴۰۔ کتاب الجنائز، صلاۃ الجنازۃ)

”وان دفن وأهيل عليه التراب بغير صلاة أوبها بلا غسل، أوممن لاوّل اية له صلى على قبره استحسانا، أى :افتراضاً في الأولين، وجوازاً في الثالثة لأنها لحق الولي۔“ (ردالمحتار، الدرالمختار : ۱ /٦٥٢۔ كتاب الجنائز)

(اگر دفن کر دیا گیا اور مٹی ڈال دی گئی بغیر نماز کے، یا نماز بلا غسل کے، یا ان لوگوں نے نماز پڑھی جو ولی نہیں ہیں تو قبر پر استحساناً نماز ہوگی، مطلب یہ ہے کہ پہلی دونوں صورتوں میں بطور فرض، اور تیسری صورت میں بطور جواز؛ اس لیے کہ یہ ولی کے حق کی وجہ سے ہے۔)

”مالم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير هو الأصح ؛لأنه يختلف باختلاف الأوقات حراً وبرداً ؛والميت سمناً وهزالاً؛والأمكنة، وقيل :بقدر بثلاثة أيام، وقيل :عشرة، وقيل :شهر، وظاهره أنه لوشك في تفسخه صلى عليه، لكن في النهر عن محمد، لا، كأنه تقديماً للمانع۔“ (رد المحتار مع الدرالمختار : ٦٥٢/١۔ كتاب النجنائز)

(۴) غائبانہ نماز کا حکم

بعض اوقات انتظامیہ میں عملہ بنفس نفیس دفن کرتا ہے، گھر والوں کو صرف اطلاع دیتا ہے کہ تمہارے مرحوم کی موت ہوگئی اور دفن بھی، قبر کا پتا نہیں ہوتا ہے، ایسی صورت حال میں اس مرحوم کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنا حنفیہ کے یہاں جائز نہیں ہوگا، ذخیرہ احادیث میں شاہ حبشہ حضرت نجاشی رحمہ اللہ کی موت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کو جمع کرنا اور غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، ایک دو واقعات اور بھی ذکر کیے جاتے ہیں مگر حنفیہ کے یہاں یہ تمام واقعات لغوی صلاۃ یعنی دعا پر محمول ہیں یا ان تمام میں کشف میت کیا گیا ہے جیسا کہ روایات سے ثابت ہے تو میت ہر چند کہ مصلیوں سے دور تھی مگر امام کے سامنے تھی، نیز صلاۃ علی المیت کے لیے امام کے سامنے ہونا ہی کافی ہے، ہر مصلی کے سامنے ہونا تو کسی بھی جنازہ میں مستبعد ہے، اس لیے ان واقعات پر قیاس کر کے غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت نہیں دی جائے گی، کیوں کہ ان تینوں واقعات کے علاوہ بہت سی ایسی اموات ہوئی ہیں جو بجا طور پر اس بات کی زیادہ مستحق تھیں کہ ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے مگر غائبانہ نہ ہونے کی وجہ سے نہیں پڑھی گئیں، اصحاب بیر معونہ اور اصحاب رجیع زمانہ نبوی کے ان ہی واقعات میں سے ہیں جن کی شہادت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آبدیدہ کر دیا تھا، حزن وملال کا صاف اثر چہرہ پر عیاں تھا ان کی نماز جنازہ ہوئی بھی نہیں تھی، اللہ کے رسول نے ایک ماہ تک قنوت نازلہ تو پڑھی مگر ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی، ان شہداء کے علاوہ بھی بہت سی اموات ہوئیں جن کی نماز کسی نے نہیں پڑھی یہ سب بین ثبوت ہیں کہ اگر میت کی قبر کا اتا پتہ نہ ہو تو نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی جائے گی ہاں اس کے علاوہ ایصال ثواب کے جتنے طریقے ہیں ان میں سے جو ممکن ومیسر ہو اختیار کر کے میت کی روح کو ثواب پہنچایا جائے گا، علامہ شامی نے شاہ حبشہ حضرت نجاشی پر صلاۃ کی بحث میں ذکر کیا ہے:

"خصوصية أو لأنه رفع سريره حتى رآه عليه الصلاة والسلام بحضرته فتكون صلاة من خلفه على ميت يراه الإمام وبحضرته دون المأمومين، وهذا غير مانع من الاقتداء۔ فتح۔"

من جملة ذلك أنه توفي خلق كثير من أصحابه صلى الله عليه وسلم من أعزهم عليه القراء ولم ينقل عنه أنه صلى عليهم مع حرصه على ذلك، حتى قال: لايموتن أحدمنكم إلاآذنتموني فإن صلاتي عليه رحمة له۔"

(ردالمحتار: ۱/۶۴۱ کتاب الجنائز، مطلب: هل يسقط فرض كفاية بفعل الصبي)

(حضرت نجاشی کا واقعہ خصوصیت پر محمول ہے، یا اس لیے کہ ان کے تخت کو اٹھایا گیا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے مشاہدہ کیا اپنے حضور، پس مقتدیوں کی نماز ایسی میت پر ہوئی جس کو امام دیکھ رہا ہے اور اس کے پاس ہے مقتدیوں کے پاس نہیں ہے، یہ اقتداء کے لیے مانع نہیں ہے۔)

(غائبانہ نماز کے علاوہ عدم جواز پر) دلائل میں سے یہ ہے کہ صحابہ کی ایک بڑی جماعت فوت ہوئیں ان میں سب زیادہ قابل عزت واحترام رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے لیے قرائے صحابہ تھے، یہ منقول نہیں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کے تعلق سے کافی حساس اور اہتمام کرنے والے تھے، حتی کہ کہہ رکھا تھا کہ کسی کا بھی انتقال ہو مجھے خبر کرو؛ اس لیے کہ میری صلاۃ اس کے لیے رحمت ہے۔)

(۵) کرونا سے انتقال ہونے والے مسلمان شہید ہیں:

دنیا وآخرت کے لحاظ سے شہید تو معرکۂ قتال میں یا حالت مظلومیت میں مقتول ہونے والے کو کہا جاتا ہے، مگر اخروی شہید کی تعداد امام کے مطابق تیس اور دوسروں کے مطابق پچاس سے زائد ہے، صحیحین کی حدیثوں میں مطعون ومبطون کا ذکر خاص طور پر آیا ہے۔ مطعون سے مراد ایسا

مرحوم ہے جو طاعون میں وفات پا گیا ہے، اور مبطون کا مطلب ہے پیٹ کے مرض مثلاً: اسہال یا استسقاء میں وفات پانے والا، کرونا سے وفات پانے والے مسلمان کو خواہ مطعون میں شمار نہ کریں کیوں کہ طاعون ایک خاص مرض کا نام ہے۔مگر مبطون میں شمار ہونا ظاہر ہے کیوں کہ کرونا کا مریض جہاں بخار روز کام میں مبتلا رہتا ہے، سانس و پھیپھڑے کے مرض شکار بھی ہوتا ہے، عموماً آکسیجن کی کمی اور پھیپھڑے کا صحیح طور پر کام نہ کرنا ہی موت کا باعث بنتا ہے ان دونوں امر کا بطن سے راست تعلق ہوا کرتا ہے، علامہ شامی کے مطابق تو ایک حدیث میں ''سل'' کے مریض اور بخار کا شکار بھی وفات پا جائے تو وہ شہید ہوتا ہے۔

”أو بالسل وهو داء يصيب الرئة ويأخذا البدن منه في النقصان والاصفرار، أوفي الغربة، أو بالصرع، أو بالحمى...الخ-“

(ردالمحتار : ۶۷۳/۱ كتاب الجنائز، باب الشهيد)

(یا سل کے مرض میں مبتلاء ہو کر مرنے والا اور وہ ایک مرض ہے جو پھیپھڑے کو لگ جاتا ہے، بدن برابر کمزور ہوتا رہتا ہے اور پیلا پڑتا رہتا ہے، اسی طرح وہ بھی شہید ہے جو پردیس میں جائے، یا دورہ پڑنے یا سواری پر سوار سے گر جائے)

خلاصۂ جواب:

(۱) اگر کورونا سے وفات پانے والے کے جسم پر پلاسٹک کا کور لپیٹا گیا ہو جس کو کھولنے کی بالکل اجازت نہ ہو تو غسل کا حکم ختم ہو جائے گا۔

(۲) کورونا میت کو اسپتال سے جس کور میں لپیٹ کر دیا جاتا ہے وہ کور کفن کے حکم میں نہیں ہے

(۳) اگر کورونا سے انتقال ہونے والے میت کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جاسکی اور قبر مشخص و معین طور پر معلوم ہو تو قبر پر اس کے پھولنے پھٹنے سے پہلے پڑھی جائے گی۔

(۴) اگر قبر کا علم نہیں ہے تو حنفیہ کے نزدیک غائبانہ نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

(۵) کورونا سے وفات ہونے والے مرحومین حکماً شہید ہیں۔

خلاصہ کرونا وبا کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر

(۱) ''وباء'' ایک ایسی بیماری کا نام ہے جس کا وائرس فضا میں پھیل گیا ہو اور ہر شخص کو متأثر کر سکتا ہو۔

(۲) شریعت کی نگاہ میں ہر قسم کی بیماریاں منجانب اللہ بندوں کو سنبھلنے کے لئے دنیا میں نازل ہوتی ہیں، کسی بھی بیماری میں بالذات مؤثر بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

(۳) وباء سے تحفظ کے لیے مندرجہ ذیل امور کو اپنانا چاہیے:

(الف) فضائی آلودگی وزمینی کثافت کو کم سے کم کرنا (ب) دعاؤں کا اہتمام (ج) صدقات وخیرات کی کثرت (د) اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب (ہ) احتیاطی تدابیر اختیار کرنا

(۴) حکومت کے گائڈ لائن پر عمل کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔

(۵) بیماری متعدی ہے یا نہیں؟ اس بابت علماء کے مابین اختلاف ہے، البتہ اس پر سب لوگ متفق ہیں کہ کوئی بھی بیماری بالذات مؤثر نہیں ہے، لیکن سبب بن سکتی ہے یا نہیں؟ تو اس بابت دو قول زیادہ مشہور ہیں، ضعیف العقیدہ لوگوں کو اختلاط سے بچنا چاہیے۔

موضوع: کرونا سے متعلق چند اہم مسائل

قاضی محمد حسن ندوی
استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ماٹلی والا بھروچ، گجرات

انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عظیم نعمتیں ملی ہیں، ان میں سے ایک بڑی نعمت صحت ہے، انسانی زندگی میں نہ صرف اس کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، بلکہ فرائض اور عبادات کی ادائیگی بھی صحت پر موقوف ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

"المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف." (رواہ مسلم: ٢٦٦٤)

(طاقتور مؤمن کمزور مؤمن سے بہتر ہے۔)

اسلام نے جہاں صحت کی حفاظت کے لیے نظافت اور صفائی کے ساتھ ساتھ پاک اور حلال غذا کے استعمال کا حکم دیا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

" یا أَیُّهَا النَّاسُ کُلُوا مِمَّا فِی الْأَرْضِ حَلاَلًا طَیِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّیْطَانِ." (بقرہ:١٦٨)

(اے لوگو! زمین کی پاک اور حلال چیز کھاؤ اور شیطان کی اتباع مت کرو۔)

وہیں اس خطہ سے دور رہنے کا حکم دیا ہے جہاں مرض اور وباء طاعون کی شکل میں پھیلا ہو، جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:

عن سَعْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا سَمِعْتُمْ بِالطَّاعُونِ بِأَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوهَا، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا." (٥٧٢٨)

(جب تم کسی علاقہ میں طاعون کے بارے میں سنو تو اس میں نہ جاؤ، اور اگر کسی علاقہ میں طاعون پھیل جائے اور تم اس میں ہو تو اس سے نہ نکلو۔)

سوال نمبر: (۱) وباء کیا ہے؟

(الف) طاعون لغت میں ایک مہلک اور خطرناک بیماری کو کہتے ہیں، جو وباء کی شکل میں پھیلتی ہے، جس سے ایک طرف فضاء اور ہوا آلودہ ہوتی ہے، تو دوسری طرف انسانوں کی مزاج اور صحت کے لیے ناسور ہوتی ہے۔

اور جدید طبی اصطلاح میں (پلیگ) کے نام سے معروف ہے، امام نوویؒ کے حوالہ سے صاحب موسوعہ نے یہ تعریف کی ہے کہ طاعون ایک زخم ہوتا ہے، جو جسم میں نکلتا ہے، کبھی بغل میں نکلتا ہے تو کبھی ہاتھ میں اور کبھی پورے بدن میں، اس کی وجہ سے قے اور الٹی بھی ہوتی ہے۔ (موسوعہ: ۲/۳۲۹)

یہ بیماری بہت جلد اور تیزی کے ساتھ پھیلتی ہے بہت سارے لوگ اس سے متاثر ہوتے ہیں، اسی لیے اس کو وباء بھی کہتے ہیں یہ بیماری عذاب الٰہی ہے، جو سب سے پہلے اسرائیل کے ایک گروہ میں پیدا ہوئی تھی جیسا کہ ایک حدیث میں مروی ہے:

"قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "هو عذاب أو رجز أرسله الله علی طائفة من بنی إسرائیل أو ناس کانوا قبلکم."

(فتح الباری ١/١٧٩)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بیماری ایک عذاب الٰہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے بنی اسرائیل کیا یک قبیلہ پر نازل فرمایا۔

الغرض طاعون اور وباء میں چولی دامن کا رشتہ ہے، جیسا کہ علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ طاعون سے زخم ہوتا ہے اعضاء پر ورم ہوتا ہے وغیرہ، یہ اس کی علامت ہے۔

اسی طرح کئی احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے ہدایات دی ہیں کہ جب کسی جگہ پر طاعون کی شکل میں بیماری پھیل جائے، تو جو لوگ وہاں سے باہر ہیں تو وہاں داخل نہ ہوں اور جو لوگ وہاں موجود ہوں وہ وہاں سے فرار اختیار نہ کریں جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:

" إِذَا سَمِعْتُمْ بِالطَّاعُونِ فِی الْأَرْضِ فَلاَ تَدْخُلُوهَا، وَإِن وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلاَ تَخْرُجُوا مِنْهَا." (۸۵۳)

(جب تم کسی علاقہ میں طاعون کے بارے میں سنو تو اس میں نہ جاؤ اور اگر کسی علاقہ میں طاعون پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے فرار اختیار نہ کرو۔)

اس حدیث کے معانی پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں دو مصلحتیں بیان کی گئی ہیں: ایک کا تعلق عقیدہ سے ہے، تو دوسرے کا تعلق حفظان صحت سے۔ عقیدہ سے یوں ہے کہ اگر کوئی شخص طاعون یا وباء والے علاقہ میں جانے کے بعد مرتا ہے تو اس کی موت کا سبب اسی وباء کو سمجھا جائیگا، حالاں کہ اس کی موت کا وقت یہیں مقرر تھا، نیز یہ کہ اگر کوئی شخص اس جگہ سے چلا گیا اور بیماری سے بچ گیا تو گمان یہ ہوگا کہ اس کی زندگی اس مقام سے نکلنے کی وجہ سے بچ گئی، حالاں کہ اصل یہ ہے کہ ابھی اس کے موت کا پروانہ نہیں آیا تھا۔

چناں چہ مفتی تقی عثمانی صاحب رقم طراز ہیں:

وإنما نهى عن إيراد الممرض على المصح وأمر بالفرارمن المجذوم، لأن الصحيح إن مرض بعد مخالطته للمريض فإنه إنما يمرض بتقدير الله تعالىٰ، و لكنه يتخيل انه مريض بسبب العدوى، فيفسد اعتقاده ومن أجل هذا نهى عن الوقوع فيما يؤدى إلىٰ فساد الإعتقاد. (تكملة فتح الملهم: ۱۰/۳۲۳)

دوسری جگہ پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا يوردممرض على المصحح. (ابن ماجہ: ۹۶۸۲)

(کوئی بیمار اونٹ کو تندرست اونٹ کے پاس نہ لائے۔)

مذکورہ دونوں احادیث میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کی روشنی میں قضا وقدر اور حفظان صحت کیتقاضیکے اعتبار سے ہر مسلمان پر ایمانی اور اخلاقی فریضہ عائد ہوتا ہے کہ جب کسی دیار اور علاقہ میں وباء یا طاعون کی شکل میں کوئی بیماری عام ہو جائے، تو بغیر ضرورت کے اس دیار میں نہ جائے، اور جو لوگ وہاں موجود ہیں وہ وہاں سے فرار اختیار نہ کریں۔

وبا کے بارے میں شرعی تصور

طاعون اور وباء کی شکل میں جو مرض اس وقت پھیلتا ہے، وہ عذاب الٰہی کی شکل میں سب سے پہلے بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں پیدا ہوا تھا، گویا کہ یہ بیماری گذشتہ اقوام کے لیے عذاب الٰہی کی وجہ تھی، مگر اس امت کے لیے سامان شہادت ہے، چناں چہ حضرت ابو ہریرہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: جس کی موت طاعون میں ہوئی وہ شہید ہے۔ (بخاری شریف: ۲/۸۱۳)

دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جب تم سن لو کہ کسی جگہ پر وبا پھوٹ پڑے اور تم وہاں موجود ہو تو اس جگہ سے مت نکلو۔ (بخاری: ۸۵۳)

اسی طرح ایک حدیث میں ہے: مومن کو کوئی کانٹا چبھے یا اس سے زیادہ تکلیف پہنچے تو اللہ اس کا درجہ بلند اور اس کا گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ (ترمذی شریف: ۹۶۵)

ایک دوسری حدیث میں ہے: کہ دور نبوت میں لوگ طاعون میں مبتلا ہوئے، لوگوں نے آپ ﷺ سے جاننا چاہا، تو نبی ﷺ نے بتایا کہ یہ

اللہ کا عذاب ہیوہ جس قوم پر چاہتا ہے اس کو بھیجتا ہے، لیکن مومن بندہ کے لیے رحمت ہے، لہٰذا جس مقام پر طاعون پھیل گیا ہو اور کوئی مومن وہاں موجود ہو تو وہاں سے کہیں نہ جائے، اس کا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ نے جو اس کے لیے مقدر کیا ہے اس کے سوا کوئی چیز اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے، اور وہ طاعون میں مبتلا ہو کر موت کا شکار ہو جائے تو اس کو شہید ہونے کا ثواب ملیگا۔ گرچہ علماء نے دنیا میں مطعون کو شہید حکمی کے زمرے میں شامل کیا ہے، لیکن آخرت میں شہادت کا مقام ضرور ملے گا۔

شہید کی دو قسمیں:

علماء نے لکھا ہے کہ شہید کی دو قسمیں ہیں: حقیقی، اور حکمی۔ حقیقی شہید وہ کہلاتا ہے جس پر شہید کے احکام لاگو ہوتے ہیں کہ اس کو غسل و کفن نہ دیا جائے گا، یہ وہ شہید ہے جو اللہ کے راستہ میں شہید ہوا ہے۔ اور حکمی شہید وہ کہلاتا ہے جس کے بارے میں احادیث میں شہادت کی بشارت وارد ہوئی ہو۔ ایسا شخص آخرت میں تو شہیدوں کی فہرست میں شمار کیا جائے گا، البتہ دنیا میں اس پر عام میتوں کے احکام جاری ہوں گے، یعنی اس کو غسل دیا جائیگا اور کفن بھی پہنایا جائیگا، کئی احادیث میں ایسے شہداء کی تعداد چالیس سے زیادہ مذکور ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

الشَّهَادَةُ سَبْعٌ سِوَى الْقَتْلِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ،مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي الطَّاعُونِ فَهُوَ شَهِيدٌ. (مسلم شريف:۱۹۱۵)

جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا وہ شہید ہے اور جو طاعون (کی بیماری) سے مر گیا وہ بھی شہید ہے۔

مذکورہ بالا بحث اور احادیث کی روشنی میں دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) مرض کبھی وباء اور طاعون کی شکل میں اللہ کی مرضی سے پھیلتا ہے۔

(۲) طاعون وباء کی شکل میں آنے والا مرض گرچہ پہلی قوم کے حق میں عذاب الٰہی کی ایک شکل تھی، مگر امت محمدیہ کے لیے باعث رحمت ہے، بلکہ طاعون میں مرنے والے مسلمان کو شہادت حکمی کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔

تحفظ کے لیے شرعی ہدایات اور تعلیمات

جیسا کہ اوپر بات آچکی ہے کہ طاعون کی طرح کورونا مرض بھی ایک وبائی مرض ہے، جس طرح عام وبائی مرض کے عام اور پھیلنے کے وقت اس کے وائرس سے بچاؤ کے لیے احادیث میں تعلیمات اور رہنمائی کی گئی ہے، انہیں تعلیمات نبوی کی روشنی میں اس وقت کورونا مرض سے تحفظ کے لیے رہنمائی ملتی ہے، اس لیے اس سے متعلق دو پہلے احادیث پیش کرتے ہیں:

ایک حدیث بخاری شریف میں ہے:

إِذَا سَمِعْتُمْ بِالطَّاعُونِ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَدْخُلُوهَا، وَإِنْ وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا. (بخاری شریف) (رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: جب تم کسی علاقہ مین طاعون کے بارے میں سنو تو اس میں نہ جاؤ اور اگر کسی علاقہ میں طاعون پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے نہ نکلو)

طاعون زدہ علاقوں میں ممانعت عن الدخول کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جو لوگ صحت مند ہیں، وہاں جانے کے بعد طاعون سے متاثر ہو سکتے ہیں، اس لیے حکم ہے کہ جو لوگ باہر ہیں اور صحت مند ہیں وہ اپنی صحت کو خطرہ میں نہ ڈالیں، علامہ ابن قیمؒ نے ان ہی وجوہات اور مقاصد کے تحفظ کے خاطر درج ذیل باتوں کی ہدایت کی ہے۔

قَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ: وَفِي الْمَنْعِ مِنَ الدُّخُولِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي قَدْ وَقَعَ بِهَا الطَّاعُونُ عِدَّةُ حِكَمٍ. (موسوعۃ الفقہیۃ ۲۸/۳۳۰)

(۱) ان چیزوں سے اجتناب کرے جو طاعون کا سبب ہوں۔

(۲) صحت وعافیت کے اسباب کو اختیار کرے، اس لیے کہ دونوں پر انسان کے معاش اور معاد کی بنیاد ہے۔

(۳) فاسد اور تعفن پیدا کرنے والی ہوا سے اپنے آپ کو بچائے۔

(۴) طاعون یا وبا سے متأثر اشخاص کی قربت نہ اختیار کرے۔

(۵) طاعون یا وبا مرض کو بذات خود متعدی نہ سمجھے بلکہ یہ عقیدہ رکھے کہ متعدی تو اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔

اخیر میں صاحب "موسوعة الفقهية" نے علامہ ابن قیمؒ کی پانچویں ہدایت کے اخیر میں خلاصۃً دونوں احادیث بالا کا مفہوم اور مقصد کو اس طرح عیاں کیا ہے:

وَبِالْجُمْلَةِ فِي النَّهْيِ عَنِ الدُّخُول فِي أَرْضِهِ الْأَمْرُ بِالْحَذَرِ وَالْحِمِيَّةِ، وَالنَّهْيُ عَنِ التَّعَرُّضِ لِأَسْبَابِ التَّلَفِ، وَفِي النَّهْيِ عَنِ الْفِرَارِ مِنْهُ الْأَمْرُ بِالتَّوَكُّلِ وَالتَّسْلِيمِ وَالتَّفْوِيضِ. (الموسوعة الفقهية: ٢٨/ ٣٣١)

(یعنی حدیث شریف میں طاعون زدہ علاقے میں داخلہ کی ممانعت کا مقصد صحت مند لوگوں کو بیماری سے تحفظ دینا ہے اور ایسے علاقے سے فرار کی ممانعت کا مقصد قضا وقدر پر یقین رکھنا کہ بیماری اور موت دونوں اللہ کے حکم سے آتی ہیں۔)

جمہور کی رائے:

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں جمہور علماء کی یہی رائے ہے کہ بلاضرورت طاعون زدہ علاقے میں جانے سے احتراز کرے، اگر طاعون والے علاقے میں پہلے سے موجود ہے تو وہاں سے فرار اختیار نہ کرے۔

فقہاء کا نقطۂ نظر:

اس کے علاوہ علماء احناف اور شوافع نے طاعون سے تحفظ کے لیے نماز میں قنوت نازلہ کا پڑھنا مستحب قرار دیا ہے، مگر حنابلہ کے یہاں ایسے موقع پر قنوت کا پڑھنا مشروع نہیں۔ البتہ مالکیہ کے یہاں ایسے موقع پر نماز پڑھنا مستحب ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیہ، ۲۸/۳۳۰)

الغرض محدثین اور فقہاء کی توجیہات سے وبا سے تحفظ کے لیے درجہ ذیل ہدایات اور رہنمائی ملتی ہے:

(۱) سب سے پہلے وبا کو عذاب الٰہی کا جز سمجھا جائے، کسی علاقہ میں یہ وباء پھیل گئی ہے تو وہاں سے بلاضرورت شرعی نہ جائے اور اگر اسی علاقہ میں کوئی ہے تو وہاں سے فرار اختیار نہ کرے۔

(۲) بیمار ہونا اور صحت یاب ہونا اور موت کا آنا یہ سب قضاء وقدر کے مطابق ہوتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی ہے تو کوئی بیمار ہوتا ہے اور اللہ کا حکم ہوتا ہے تو صحت یاب ہو جاتا ہے۔

(۳) وباء سے کوئی متأثر ہو جائے تو حتی الوسع دوا استعمال کرے اس میں کوتاہی کرنا درست نہیں، اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے فیصلے پر بھروسہ رکھے، بیماری میں متأثر ہوا اور دوا اور علاج ومعالجہ کے بعد کسی کی موت ہوگئی تو حکما عنداللہ شہادت کا مقام حاصل ہوگا۔

(۴) دوا کے ساتھ دعا بھی کرے اور صدقہ بھی۔

(۵) وبا سے متأثر مریض کو تنہا نہ چھوڑے بلکہ اس کی عیادت کرے، اس کے رشتہ دار پر اس کی تیمارداری واجب ہے، اور علاج کی فکر کرنا ضروری ہے۔

(۶) اگر وبا سے متأثر ہو کر کسی کی موت ہو جائے تو ملکی قانون کا لحاظ کرتے ہوئے شرعی اعتبار سے غسل اور کفن دے کر نماز جنازہ اس پر پڑھے پھر سنت کے مطابق قبرستان میں دفن کردے۔

سوال نمبر:۳(الف)

اس سوال کی دو شقیں ہیں:(۱)،کرونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے حکومت کی گائیڈ لائن پر عمل اور دیگر احتیاطی تدابیر کا شرعی حکم۔

(۲) دوسری شق یہ ہے کہ کیا ایسا کرنا توکل علی اللہ اور ایمان کے تقاضے کے خلاف ہے؟(۱) پہلی شق سے متعلق پہلے ہمیں اس پہلو سے غور کرنا ہوگا کہ آیا حکومت کی گائیڈ لائن اور احتیاطی تدابیر کا مقصد کیا ہے؟ کیوں کہ مقاصد کے اعتبار سے امور اور فرامین کے جواز اور عدم جواز کا حکم ہوتا ہے،جیسا کہ علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے:"الأمور بمقاصدها" (قواعد الفقہ ۲۶)

بہرحال اس کو سمجھنے کے لیے یہاں ہم پہلے تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غور کرتے ہیں:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَأَذَّى مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ الْإِنْسُ. (مشکوۃ شریف ۱ /۲۲٦ نمبر حدیث ۷۰۷)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے اس بدبودار پودے میں سے کچھ کھایا وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے،اس لیے کہ ملائکہ کو اس چیز سے تکلیف پہنچتی ہے جس سے انسان کو تکلیف پہنچتی ہے۔

اس حدیث میں بدبودار پھل کھا کر مسجد میں آنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے روکا ہے تاکہ فرشتوں کو تکلیف نہ ہو،گویا کہ ممانعت کا مقصد یہی ہے کہ فرشتوں کو تکلیف نہ ہو،چوں کہ کسی مخلوق کو ضرر پہنچانا منع ہے،اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ اشخاص کو مساجد میں آنے سے منع کیا ہے۔

اس بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ کا مساجد سے منع کرنا،سد ذریعہ کے طور پر ہے،اور سد ذریعہ اصولی اصطلاحات میں سے ایک اہم اصطلاح ہے،چوں کہ شریعت جہاں برائی سے روکتی ہے،وہیں برائی تک لے جانے والے اسباب سے بھی بچنے کا حکم دیتی ہے،اور برائی کی جانب لے جانے والے اسباب کو سد ذریعہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

جس طرح امت سے ضرر اور تکلیف کو دور کرنا شارع کی ذمہ داری ہے،اسی طرح حکومت کے فرائض میں ایک اہم فریضہ ہے کہ وبائی مرض کے موقع پر علاج ومعالجہ کا بہتر سے بہتر صورت میں انتظام کرے،نیز یہ بھی فریضہ میں داخل ہے کہ رعایا اور عوام کو سد ذریعہ کے طور پر ان اعمال سے منع کرے،جن سے بیماری اور وائرس پھیلنے کا اندیشہ زیادہ ہو،بلکہ حکومت کو یہ بھی حق ہے کہ رعایا کی نقل وحرکت پر کڑی نظر رکھے،اور موقع کے مطابق گائڈ کرے اور اچھی تدابیر پیش کرے۔

بہرحال مذکورہ بالا توجیہات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اگر حکومت کی گائیڈ لائن کا مقصد اور غرض مباح عمل اور عبادت سے روکنا نہیں،بلکہ رعایا اور عوام کو وبا سے تحفظ دینا ہے،ضرر وحرج سے بچانا ہے،اور رفع ضرر دفع حرج فرائض حکومت میں داخل ہے،اس لیے کورونا وائرس سے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے حکومت کی طرف سے جو بھی گائڈ لائن اور احتیاطی تدابیر ہے اس کا لحاظ شرعاً درست ہے۔

سوال نمبر:۳(ب) کا جواب:

رہا یہ مسئلہ کہ کرونا وائرس سے بچاؤ کے لیے حکومت کی گائڈ لائن اور دیگر احتیاطی تدابیر کا اختیار توکل کے خلاف ہے؟

اس سلسلے میں یہاں دو روایت پیش کی جارہی ہیں،جس میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کا علاج اور دوا کا انتظام کیا ہے اور علاج کرنے کی ترغیب دی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا أَنْزَلَ اللَّهُ دَاءً إلا أنزل لَهُ دَوَاءً. (مشکوۃ شریف،کتاب الطب والرقی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی بیماری نہیں اتاری ہے جس کے لیے شفا نازل نہ کی ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کے ساتھ اس کا علاج بھی پیدا کیا ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے ہر مرض کی دوا پیدا کی ہے اور حضرت جابرؓ کی حدیث اس بات پر مشیر ہے کہ شفایابی میں خود دوا مؤثر نہیں بلکہ اس میں اللہ کی مشیت اور مرضی کا دخل ہے، نیز دوا اور علاج ومعالجہ محض ایک ظاہری ذریعہ اور وسیلہ ہے، کسی بھی مرض پر کوئی دوا اسی وقت اثر انداز ہوتی ہے، جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔

اسی بناء پر صحابہ کرام اور اکثر علماء کا یہی مسلک ہے کہ علاج کرنا اور دوا کا استعمال مستحب ہے، اور جمہور علماء کی دلیل یہی احادیث ہیں، اور ان کا اعتقاد یہ ہے کہ بے شک امراض کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے:

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ. (الشعراء: ۸۰) اور جب میں بیمار ہو جاؤں تو وہی (اللہ) مجھے شفاء عطا کرتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی بیماری کا نزول بھی اللہ تعالیٰ ہی فرماتا ہے، اور اس بیماری سے شفایاب بھی وہی کرتا ہے اور ایک مومن کے ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ ہر طرح کے شرور وفتن اور پریشانی سے حفاظت وبچاؤ میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی پر توکل اور بھروسہ کرے کہ امراض کے ازالہ کے ذرائع پیدا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے، یعنی جس طرح مرض وبیماری قضاء وقدر کے تابع ہے، اسی طرح علاج ومعالجہ بھی تقدیر الٰہی میں سے ہے۔

اس لیے جس طرح دوا اور علاج توکل علی اللہ کے خلاف نہیں، اسی طرح سد ذریعہ کے طور پر کورونا مہلک وائرس سے تحفظ کے لیے حکومتی گائڈ لائن اور احتیاطی تدابیر کا لحاظ توکل علی اللہ کے خلاف نہیں ہے۔

توکل کا مفہوم

یہاں یہ بات مستحضر رہے کہ توکل علی اللہ کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ آدمی بیماری اور تکلیف دہ چیز سے محفوظ رہنے اور بچنے کے لیے علاج ومعالجہ نہ کرے، تدابیر اختیار نہ کرے اور اسباب وذرائع اور وسائل کو ترک کردے، بلکہ توکل علی اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ بیمار ہونے پر دوا اور دعا دونوں کرے، لیکن یہ عقیدہ رکھے کہ دعا اور دوا یہ دونوں از خود مؤثر نہیں اور نہ خود احتیاطی تدبیر میں اتنی طاقت ہے کہ وہ بیماری سے بچا سکتی ہے، جب تک کہ اللہ کی مرضی نہ ہو۔

سوال نمبر: ۴

یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں کہ جس طرح موت وحیات کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح کسی کو بیمار کرنا اور اس سے شفایاب کرنے کا پورا اختیار بھی اللہ تعالیٰ کو ہے، اس میں نہ کسی کے مرض کا دخل ہوتا ہے کہ وہ متعدی ہو کر دوسرے تندرست شخص کو بیمار کردے اور نہ بذات خود دوا میں شفایابی اور صحت کی نعمت سے مالا مال کرنے کی طاقت ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں اس موضوع پر بیشمار آیات ہیں۔

اسی طرح کئی احادیث میں بھی موت وحیات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے، اور مرض کے متعدی ہونے کی نفی کی گئی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ حِينَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا عَدْوَى وَلَا هَامَةَ وَلَا صفر. (تکملة فتح الملهم، ص: ۳۲۸)

حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ نہ بیماری متعدی ہوتی ہے اور نہ مومن بدشگونی لیتا ہے۔ (یہ سب چیزیں بے حقیقت ہیں)

اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض کے متعدی ہونے کی نفی کی ہے کہ فی نفسہ کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا، البتہ ماتحت الاسباب اللہ تعالیٰ کی قدر ومشیت اور تقدیر خداوندی کے تحت بیماری متعدی ہوتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ چاہیں گے، تو بیماری دوسرے کو لگے گی، اور نہیں چاہیں گے تو نہیں لگے گی۔

دو احادیث میں تعارض کا جواب

لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مرض خود متعدی نہیں ہوتا جیسا کہ حدیث ابی ہریرہؓ میں ہے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے امت کو یہ تعلیم کیوں دی ہے؟

إِذَا سَمِعْتُمْ بِالطَّاعُونِ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَدْخُلُوهَا، وَإِنْ وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا. (بخاری شریف: ۵۷۲۸)

(جب تم کسی علاقہ میں طاعون کے بارے میں سنو تو اس میں نہ جاؤ اور اگر کسی علاقہ میں طاعون پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے نہ نکلو)

دوسری حدیث میں فرمایا:"فر من المجذوم فرارك من الأسد..." (رواہ البیھقی ،۶/ ۶۵)

اور جذامی سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔

اس بنا پر بخاری شریف کی حدیث اور حضرت ابوھریرہ کی حدیث میں بظاہر تعارض واقع ہے۔پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے مرض خود متعدی نہیں ہوتا اور دوسری حدیث اس پر دال ہے کہ مرض متعدی ہوتا ہے۔

جمع وتطبیق

دونوں کی توجیہ وتطبیق کے سلسلہ محدثین کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

جمہور محققین اور امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ دونوں حدیث صحیح ہیں، اور دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔جمع وتطبیق کی صورت یہ ہے کہ حدیث 'لاعدوی' سے زمانہ جاہلیت میں مرض کے تحت جو عقیدہ تھا (کوئی شخص طاعون یا وبا والے علاقہ میں جانے کے بعد مرجاتا ہے) اس کی نفی کرنا مقصود ہے، اور دوسری حدیث سے یہ نفی کرنا مقصود ہے کسی کو مرض سے حفاظت کسی جگہ جانے اور نہ جانے سے نہیں ملتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور مشیت کی وجہ سے ملتی ہے اور اس کا تعلق نظام قدرت اور قادر مطلق کی مشیت سے ہے۔

علامہ ابن حجرؒ کی توجیہ: اسی طرح مذکورہ دونوں احادیث کی توجیہ علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں امام بیہقیؒ ابن الصلاحؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حدیث رسول ﷺ 'لاعدوی' سے اس تصور جاہلی کی تردید کی ہے کہ کسی فعل (یعنی بیماری، صحت یابی) کی نسبت غیر اللہ کی طرف نہ کی جائے بل کہ اللہ کی طرف کی جائے، وہی بیمار کرتا ہے وہی شفا دیتا ہے، ہاں! اسباب کی طرف نسبت تحت الاسباب کے طور پر ہے، نہ کہ مستقل بالذات۔

جمہور محققین ومحدثین کے اقوال نقل کرنے کے بعد مفتی تقی عثمانی صاحب نے خلاصہ میں جو بات تحریر کی ہے، یہاں نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔ لکھتے ہیں: طبی اعتبار سے جو بات ثابت ہے کہ بعض مرض کے جراثیم ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہوتے ہیں یہ حدیث رسول "لا عدوی" کے خلاف نہیں، کیوں کہ اس حدیث میں تعدی کی نفی اس صورت میں ہے جب کہ مرض کے متعدی میں مرض کو موثر بالذات تسلیم کیا جائے، اس کی نسبت خالق حقیقی کی طرف نہ ہو اور یہ اعتقاد رکھنا شرک ہے، لیکن اگر جراثیم کے انتقال کا تصور اس صورت میں ہو کہ یہ سب حکم الہٰی اور مشیت خداوندی پر موقوف ہے اللہ چاہے گا تو یہ بیمار ہوگا اور اللہ نہ چاہے تو بیمار نہ ہوگا تو اس میں کوئی قباحت نہیں، بل کہ یہ عین عقیدہ اور قضاء وقدر کے موافق ہے۔

فالحاصل أنه لو ثبت طبياً أن جراثيم بعض الأمراض تنتقل من جسم إلى جسم آخر، فإن ذلك لا ينافي ما ورد في حديث الباب من نفي العدوى فإن المنفي هو كون هذا الشي مو ثر ا بذاته، دون أن يخلقه الله، ولا شك في أن هذا الاعتقاد شرك و كفر .أما الاعتقاد بان انتقال الجراثيم ... كل ذلك موقوف على مشية الله ...فهذا اعتقاد صحيح لا مانع منه شرعاً .

(تكملة فتح الملهم: ۳۲۵/۱۰)

محور دوم: سوال نمبر:۱

اس میں کوئی شک نہیں کہ حرمین شریفین اور بیت المقدس کے بعد محلے اور شہر کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب سب سے زیادہ ہے۔ مساجد کی آبادی اور تعمیر کا ایک سب سے بڑا مقصد با جماعت پنج وقتہ نماز مساجد میں ادا کرنے کا اہتمام کرنا ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے مساجد میں اقامت صلوٰۃ پر کامیابی اور راہ یابی کی بشارت دی ہے، جیسا کہ سورہ توبہ کی اس آیت میں مذکور ہے:

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَى أُولَئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ. (توبة:۱۸)

'اللہ تعالیٰ کی مساجد کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرے تو امید ہے کہ وہ لوگ راہ یاب ہوں گے۔)

نماز بدنی عبادات میں سے وہ منفرد عبادت ہے جس کی ادائیگی گرچہ خاص حالات میں انفرادی طور پر گھروں میں درست ہے، لیکن احادیث میں جماعت کے ساتھ مساجد میں ادا کرنے پر نہ صرف ترغیب و تحریض ہے بلکہ تنہا ادا کرنے کے بجائے جماعت کے ساتھ ادا کرنے پر ستائیس گنا ثواب اضافہ کرنے کا وعدہ ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً. (مسلم، كتاب المساجد، رقم: ۲۴۹)

(حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ نماز باجماعت کا اجر و ثواب اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ زیادہ ہے۔)

اسی لیے آپ ﷺ نے کبھی بھی نماز باجماعت کو ترک نہیں فرمایا، یہاں تک کہ حالت مرض میں جب آپ کو خود چلنے کی قوت نہ تھی تو دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے اور جماعت سے نماز پڑھی، اور جماعت چھوڑنے والے پر آپ کو سخت غصہ آتا تھا، اور ناراضی اور عتاب کا بھی اعلان فرمایا ہے۔

الغرض باجماعت نماز کے جہاں بڑے فوائد ہیں کہ اس سے اجتماعیت قائم ہوتی ہے، ایک دوسرے کے احوال معلوم ہوتے ہیں، تو وہیں ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ شعائر اسلام میں سے ہونے کی وجہ سے اسلام کی شان و شوکت بھی ظاہر ہوتی ہے، اس لیے عام حالات میں مساجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم ہے کہ مساجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام کرے، لیکن یہ حکم عام اور اختیاری حالت میں ہے، اگر اضطراری حالت پیش آ جائے (یعنی بارش، طوفان، آندھی کی آمد کے وقت) تو گھروں میں جماعت کے ساتھ یا انفرادی طور پر نماز ادا کرنے کی گنجائش دی گئی ہے۔

چناں چہ بعض احادیث میں ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے بارش اور سخت ٹھنڈک کے موقع پر گھروں میں نماز پڑھنے کی اجازت ہی نہیں دی ہے بلکہ مؤذن کو گھروں میں نماز ادا کرنے کا اعلان کروایا "صلوا فی رحالکم" اپنے گھروں میں نماز ادا کرو۔ سنن ابی داؤد میں ہے:

أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ لِمُؤَذِّنِهِ فِي يَوْمٍ مَطِرٍ: إِذَا قُلْتَ: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، فَلَا تَقُلْ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، قُلْ: صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ (باب التخلف عن الجماعة، رقم ۱۰۶۶)

ان احادیث میں خود رسول اللہ ﷺ نے بارش اور ٹھنڈک کی وجہ سے صحابہ کو گھروں میں نماز پڑھنے کا مو؟ذن کے ذریعہ اعلان کروایا، بعض روایت میں ہے کہ "حی علی الصلاۃ" کی جگہ پر "صلوا علی رحالکم" کہنے کا حکم فرمایا۔

اسی طرح عبداللہ بن عمرؓ نے ٹھنڈی کی راتوں میں گھروں میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے اس سے معلوم ہوا کہ رخصت دراصل بارش اور ٹھنڈک کی وجہ سے دی ہی اور معذور صحابہ سے مشقت دور کرنا مقصود تھا، جیسا کہ علامہ عینیؒ کے حوالہ سے صاحب بذل نے تحریر کیا ہے:

وإنما أراد إشعار الناس بالتخفيف عنهم للعذر. (بذل المجهود:٥ /٥٣)

اسی طرح عہد رسول ﷺ اور عہد صحابہ کے بعد عباسی دور میں وبائی مرض کے پھیلنے کی وجہ سے کئی مہینے تک مسجدیں بند رہی ہیں۔ علامہ ذہبیؒ نے اس کو تحریر کیا ہے۔ (سیر أعلام النبلاء:١/ ٣١١)

اسی طرح حافظ ابن کثیر نے ٦٥٦ھ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ بغداد میں بڑی تباہی آئی۔ یہاں تک کہ مسجد میں جمعہ اور جماعات کئی مہینے تک موقوف رہیں۔ (البدایۃ والنہایۃ:٣١/ ٢٠٣)

اسی بنا پر رمضان المبارک میں مریض، مسافر، حبلی، مرضع اور شیخ وشیوخہ کو افطار کی اجازت دی ہے، معذور اور نابینا کو جہاد میں نہ جانے کی گنجائش ہے، لیکن یہ بات یاد رہے کہ معمولی اعذار یا مشقت خفیفہ کی صورت میں نہ کوئی عبادت ساقط ہوتی ہے اور نہ کوئی تخفیف ملتی ہے، ہاں اگر مشقت عظیمہ یا مشقت متوسطہ کی صورت میں مشقت پیش آتی ہے تو عبادت کی ادائیگی مسجد میں جماعت کے بجائے گھروں میں جماعت یا فرادی کی صورت میں گنجائش ملتی ہے جیسا کہ علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے:

وَأَمَّا الْـمَشَـقَّةُ الَّتِي لَا تَـنْـفَكُّ عَنْهَا الْعِبَادَاتُ غَالِبًا، فَعَلَى مَرَاتِبَ: الْأُولَى: مَشَقَّةٌ عَظِيمَةٌ كَمَشَقَّةِ الْخَوْفِ عَلَى النُّفُوسِ، وَالْأَطْـرَافِ فَهِـيَ مُوجِبَةٌ لِلتَّخْفِيفِ....مُتَـوَسِّـطَةٌ كَـمَـرِيـضٍ فِـي رَمَـضَانَ يَخَافُ مِنَ الصَّوْمِ زِيَادَةَ الْمَرَضِ أَوْ بُطْءَ الْبُرْءِ فَيَجُوزُ لَهُ الْفِطْرُ....مَشَقَّةٌ خَفِيفَةٌ؛ كَأَدْنَى وَجَعٍ فِي أُصْبُعٍ فَهَذَا لَا أَثَرَ لَهُ. (الأشباه والنظائر/٢٩٩)

لہٰذا اگر کرونا کے زمانہ میں جب کہ یہ مرض مہلک اور جان لیوا ہو، تو ایسی حالت میں گھروں میں جماعت کرنے کی اجازت ہوگی، تاہم انفرادی طور پر نماز پڑھنے کے بجائے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اولیٰ ہوگا، لیکن یہاں یہ بات یاد رہے کہ کرونا کے زمانہ میں حکومت کی طرف سے شہر کے حالات کے اعتبار سے جو گائڈ لائن ہوتی ہے، اس اعتبار سے مسلمانوں کو رخصت ملتی ہے اس لیے اس کی عامۃً دو شکلیں ہوتی ہیں:

(١) اگر کرفیو نہیں ہے اور مساجد میں احتیاطی تدابیر کے ساتھ نماز ادا کی اجازت ہے تو اس کا لحاظ کرتے ہوئے مساجد میں نماز اوّل ہی ہوگا۔

(٢) اگر حکومت کی طرف سے شہر میں کرفیو ہے، صرف پانچ اشخاص کو مساجد میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے تو پانچ آدمی مساجد میں ادا کرے بقیہ لوگ اپنے گھروں میں، لیکن بالکلیہ مساجد بند نہ کرے۔

محور دوم: سوال نمبر:٢

شریعت مطہرہ میں مرد کو باجماعت نماز کی ادائیگی کا نہ صرف حکم دیا گیا ہے، بلکہ اس پر بڑے فضائل اور کثرت ثواب کے وعدے کیے گئے ہیں، چنانچہ حضور ﷺ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے: جماعت کی نماز انفرادی نماز سے ستائیس درجہ افضل ہے:

عَـنِ ابْـنِ عُـمَـرَ، أَنَّ رَسُـولَ الـلـهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً.
(مسلم شريف، كتاب المساجد، رقم: ٢٤٩)

جماعت ثانیہ کی کراہیت کا سبب تقلیل جماعت

جماعت کی تاکید، ایک ہی جماعت پر اکتفاء اور ایک سے زائد جماعت کی کراہت وممانعت کی علت فقہاء نے تقلیل جماعت کو قرار دیا ہے۔

علامہ کاسانی رقمطراز ہیں:

ولأن التكرار يؤدي إلى تقليل الجماعة. (بدائع الصنائع: ۱/ ۳۸۰، ذکریا بکڈپو)

اسی بنا پر اس مسجد میں تکرار جماعت کو فقہا نے مکروہ قرار دیا ہے جس میں امام مؤذن مقرر ہے لیکن اگر ویران غیر آباد جگہ پر مساجد ہیں جہاں امام یا مؤذن مقرر نہیں ہے تو وہاں تکرار جماعت مکروہ نہیں۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

ما ليس له إمام و مؤذن راتب فلا يكره التكرار .(ردالمحتار، ۲ /٦٤)

یہ حکم عام حالت میں ہے لیکن اگر کرونا کے زمانہ میں ایک مسجد میں تکرار جماعت کی گنجائش ہوگی یا نہیں؟

تکرار جماعت کی ضرورت اور اس کے اسباب

اس سلسلہ میں یہاں وضاحت ضروری ہے کہ تکرار جماعت کی ضرورت کن صورتوں میں پڑتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اس کی ضرورت کئی شکلوں میں پڑتی ہے:

(۱) ایک صورت یہ ہے کہ جب چند لوگوں کی جماعت چھوٹ گئی ہو، مسجد میں جماعت اولیٰ کے بعد لوگ آئے ہوں ایسی صورت میں دوسری مرتبہ اس مسجد میں جماعت کرنا مکروہ ہے، جس میں امام یا مؤذن مقرر ہوں جیسا کہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

اَلْمَسْجِدُ إِذَا كَانَ لَهُ إِمَامٌ مَعْلُومٌ وَجَمَاعَةٌ مَعْلُومَةٌ فِي مَحِلِّهِ فَصَلَّى أَهْلُهُ فِيهِ بِالْجَمَاعَةِ لَا يُبَاحُ تَكْرَارُهَا فِيهِ بِأَذَانٍ ثَانٍ. (۸۳/۱)

البتہ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے یہاں جماعت ثانیہ اس صورت میں درست ہے جب کہ ہیئت اوّلیٰ پر نہ ہو اور اس صورت میں مکروہ کی وجہ تقلیل جماعت ہے۔

عن أبي يوسف أنه إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولى لا تكره و إلا تكره. (فتاوی شامی: ص: ۵۵۳/۱)

بہر حال جب مسجد میں جماعت ثانیہ کی اجازت دی جائیگی تو ہر شخص کی نگاہ سے جماعت اوّلیٰ کی وقعت ختم ہو جائے گی، نتیجہ یہ ہوگا کہ پہلی جماعت میں تقلیل جماعت لازم ہوگی، اس لیے جماعت ثانیہ کا اہتمام مکروہ ہے، جیسا کہ اوپر بدائع الصنائع کی عبارت سے استدلال کیا گیا ہے۔

(۱) دوسری شکل کرونا کے زمانہ میں پیدا ہوئی ہے، یعنی پہلی اور دوسری لہر کے موقع پر حکومت کی طرف سے سد ذریعہ اور احتیاطی تدابیر کے طور پر جہاں بازار اور بھیڑ والی جگہوں کو بند رکھنے کا حکم آیا، وہیں مساجد میں پنج وقتہ اور جمعہ کی نماز میں صرف پانچ افراد کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کی اجازت دی گئی، بعض شہروں میں لاک ڈاؤن ہونے کے بعد پچاس فیصد لوگوں کو مساجد میں آکر نماز ادا کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس صورت میں عام طور پر جماعت ثانیہ کا اہتمام کیا گیا۔

جماعت ثانیہ کے اہتمام میں تین فوائد

یہاں غور طلب اور تحقیق طلب بات یہ ہے کہ اگر مذکورہ صورت میں جماعت ثانیہ کی اجازت دی جائیگی، تو مصلیان کو چند فوائد حاصل ہوں گے۔ (۱) ایک مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ (۲) دوسرا فائدہ مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا ثواب (۳) اور تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ جماعت ثانیہ سے مجمع کم ہوگا اس لیے اس صورت میں تکرار جماعت کی گنجائش ہونی چاہیے۔

(۳) تیسری شکل یہ ہے کہ جن شہروں میں مسلمان کثیر تعداد میں ہیں (مثلاً ممبئی، دہلی، سورت وغیرہ) ان شہروں میں جمیع لوگوں کا مساجد کی

کثرت کے باوجود پہلی جماعت میں مساجد میں نماز ادا کرنا مشکل ہوتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ موجودہ حکومت کی طرف سے مسجد کے باہر سڑکوں پر نماز ادا کرنا ممنوع ہی نہیں بلکہ سختی کے ساتھ مسجد کے باہر نماز ادا کرنے سے روکا جارہا ہے، مذکورہ حالت میں اگر پہلی جماعت پر اکتفاء کرنے کا حکم دیتے ہیں تو دوخرابی لازم ہوگی۔ایک ضرر یہ لازم آئیگا کہ لوگ سڑک پر صف بنا کر نماز ادا کریں گے۔ یہ طریقہ حکومت کی گائڈ لائن کے خلاف ہوگا، اس لیے یہ بھی درست نہیں ہوگا۔دوسری خرابی یہ لازم ہوگی کہ کثرت جماعت کی وجہ سے لوگ کرونا سے متاثر ہوں گے۔

(۴) چوتھی شکل میں جماعت ثانیہ کی اجازت کی وجہ یہ ہوگی کہ فقہاء نے مساجد میں جماعت ثانیہ کے قیام کو مکروہ تقلیل جماعت کی بنا پر قرار دیا ہے،لیکن یہاں یہ سبب مفقود ہے بل کہ تکثیر جماعت کی صورت ہے، آبادی کے اعتبار سے مصلیان کی تعداد زیادہ ہے اور فقہاء کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ وہ مسائل جن کے جواز اور عدم جواز کا حکم کسی سبب پر موقوف ہو تو سبب کے فوت ہونے کے بعد حکم بدل جائیگا، چوں کہ جماعت ثانیہ کے ممنوع کا سبب تقلیل جماعت ہے اور یہ سبب مانع ختم ہو چکا ہے، اس لیے ممنوع (جماعت ثانیہ) کی اجازت ہوگی، جیسا کہ صاحب قواعد الفقہ نے لکھا ہے:

إذا أزال المانع عاد الممنوع. (قواعد الفقه ص: ۱۷) (جب مانع زائل ہوجاتا ہے تو ممنوع واپس آجاتا ہے)

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں میری ناقص رائے یہ ہے کہ جب بڑے شہروں میں آبادی کے اعتبار سے مساجد ناکافی ہیں، اور سڑکوں پر صف بندی ممنوع ہو اور کمپنیوں کارخانوں میں مساجد کی متبادل جگہ کا انتظام نہ ہو اور جماعت ثانیہ کا قیام تقلیل جماعت کا سبب نہ ہو تو ایسی حالت میں تکرار جماعت کی گنجائش ہوگی۔

متعدد بار ایک مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کا حکم:

جیسا کہ اوپر بات آچکی ہے کہ کورونا مرض کے وائرس کو پھیلنے سے بچانے اور بھیڑ کم کرنے کے لیے حکومت کی گائڈ لائن کے مطابق پنج وقتہ نماز ایک سے زائد مرتبہ ادا کر سکتے ہیں۔

اسی طرح نماز جمعہ مسجد یا گھر میں مذکورہ بالا شرطوں کے ساتھ (جو صحت جمعہ کے لیے ضروری ہیں) ادا کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہر مرتبہ امام الگ ہو اور خطبہ علاحدہ ہو، چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

وإن تعددت الجمعة لحاجة، بأن عسر اجتماع بمكان، جاز التعدد، وصحت صلاة الجميع على الأصح. (الفقه الإسلامي و أدلته: ۲۷۹/۲ دار الفكر)

سوال نمبر:۳

یقیناً نماز جمعہ واجب ہے، اس کی اہمیت ظہر کی نماز سے کم نہیں، بلکہ اس زیادہ ہے، قیام جمعہ شعائر اسلام میں سے ہے۔اس سے جہاں آپس میں اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ ہوتا ہے، تو وہیں اس سے مسلمانوں کی شان وشوکت ظاہر ہوتی ہے۔

شرائط قیام جمعہ:

عام طور پر جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے احناف کے یہاں پانچ شرائط ہیں: (۱) شہر یا فنائے شہر کا ہونا (۲) ظہر کا وقت ہونا (۳) نماز جمعہ سے پہلے خطبہ ہونا (۴) امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مردوں کا خطبہ کی ابتدا سے پہلی رکعت کے سجدہ تک موجود رہنا (۵) اذن عام ہونا (یعنی نماز قائم کرنیوالوں کی طرف سے نماز میں آنے والوں کی اجازت کے ساتھ نماز جمعہ پڑھنا۔

علامہ کاسانیؒ رقم طراز ہیں:

وَأَمَّا الشَّرَائِطُ الَّتِي تَرْجِعُ إِلَى غَيْرِ الْمُصَلِّي فَخَمْسَةٌ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَاتِ، الْمِصْرُ الْجَامِعُ، وَالسُّلْطَانُ، وَالْخُطْبَةُ، وَالْجَمَاعَةُ، وَالْوَقْتُ. (بدائع الصنائع: ۲۶۱/۱)

اسی طرح صاحب فتاویٰ ہندیہ نے ذکر کیا ہے: وَلِأَدَائِهَا شَرَائِطُ فِي غَيْرِ الْمُصَلِّي) .مِنْهَا الْمِصْرُ، وَمِنْهَا السُّلْطَانُ، وَمِنْهَا وَقْتُ الظُّهْرِ، وَمِنْهَا الْخُطْبَةُ قَبْلَهَا، وَمِنْهَا الْجَمَاعَةُ، وَمِنْهَا الْإِذْنُ الْعَامُّ. (الفتاوى الهندية: ۱۵۹/۱ تا ۱۶۲)

اوراس کے علاوہ علامہ شامیؒ نے جمعہ کی صحت کے لیے شرطیں رکھی ہیں۔

تَقَعُ فَرْضًا فِي الْقَصَبَاتِ وَالْقُرَى الْكَبِيرَةِ الَّتِي فِيهَا أَسْوَاقٌ. (رد المحتار: ۶/۳)

قصبات اور بڑے گاؤں میں جمعہ قائم کرسکتے ہیں جہاں بازار ہوں۔

مسجد میں اقامت جمعہ کا حکم:

فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں اقامت جمعہ کی جو شرطیں ذکر کی گئی ہیں ان میں کسی نے یہ نہیں ذکر کیا ہے کہ اقامت جمعہ مسجد میں ہی ضروری ہے، بلکہ سبھوں نے یہ ذکر کیا ہے: اس کے لیے، شہر، قصبات ہو، جہاں انسانی ضروریات کی تمام چیزیں موجود ہوں، اس کے علاوہ اذن عام ہونا، امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مردوں کا ہونا شرط قرار دیا ہے۔ اور یہ شرطیں بھی موافق حالات میں ہیں، لہٰذا اضطراری اور کورونا کی حالت میں ان شرطوں کا لحاظ ضروری نہیں، نیز سوال نمبر: ا کے ذیل میں بخاری شریف اور ابوداؤد شریف کی کئی حدیث پیش کی جاچکی ہیں جس میں یہ ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے آندھی، طوفان، بارش کے وقت گھروں میں نماز ادا کی اجازت دی، تاکہ صحابۂ کرامؓ کو مشقت اور ضرر لاحق نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے دین میں تنگی اور حرج نہیں رکھا ہے۔

"وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ."

(دین میں تمہارے لیے تنگی نہیں رکھی ہے۔)

رسول اللہ ﷺ نے ایسے موقع پر یسر اور سہولت اور عبادت میں تخفیف والا پہلو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور علامہ ابن نجیم نے ایک قاعدہ مستنبط کیا ہے:

إذا ضاق الأمر اتسع وإذا اتسع ضاق. (الأشباه والنظائر: ص ۳۰۴/۱)

جب دین کے کسی حکم پر چلنا دشوار ہو، تو وسعت دی جائے، اور زیادہ کشادگی سے افراط لازم آئے، تو تنگ کیا جائے۔

لہٰذا مذکورہ بالا بحث سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ وبا کے زمانہ میں جمعہ کی نماز کے لیے مساجد یا کھلی آبادی میں بھیڑ جمع کرنے سے مرض کے پھیلنے یا وائرس سے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو سد ذریعہ کے طور پر جمعہ گھروں میں ادا کرنا درست ہوگا۔

بڑی آبادی کا ہونا، حاکم یا قائم مقام کا ہونا، ظہر کا وقت ہونا، خطبہ کا جمعہ سے پہلے ہونا، کم از کم تین مردوں کا جمعہ میں شامل ہونا، جمعہ میں شرکت کی عام اجازت ہونا۔

ويشترط لصحتها سبعة أشياء.... (شامی كتاب الصلاة، ۵ ص: ۲۵)

اکثر علماء نے مطلقاً جمعہ کی شرطیں تحریر کی ہیں لیکن علامہ ابن نجیم نے اس کی دو قسمیں کی ہیں بعض کو صحت جمعہ سے متعلق کیا ہے تو بعض کو وجوب جمعہ سے، چنانچہ شہر، بادشاہ، وقت، خطبہ اور اذن عام کا ہونا، ان چیزوں کو صحت جمعہ کی شرطیں قرار دی ہیں۔

وَأَمَّا شَرَائِطُهَا فَنَوْعَانِ شَرَائِطُ صِحَّةٍ وَشَرَائِطُ وُجُوبٍ فَالْأَوَّلُ سِتَّةٌ كَمَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ: الْمِصْرُ وَالسُّلْطَانُ وَالْوَقْتُ وَالْخُطْبَةُ وَالْجَمَاعَةُ وَالْإِذْنُ الْعَامُّ. (البحر الرائق، ۲۴۵/۱)

اذن عام کا معنی ایک اشکال اور جواب:

شرائط جمعہ میں اذن عام کا ہونا بھی ہے، گرچہ عام حالت میں حنفیہ کے یہاں اقامت جمعہ کے لیے ایک شرط ''اذن عام'' کا پایا جانا ہے، اذن عام سے مراد ہے کہ مسجد کے دروازے تمام لوگوں کے لیے کھلے ہوئے ہوں، اسی لیے اگر دروازے بند ہوں، عام لوگوں کو وہاں آنے کی اجازت نہ ہو تو ایسی جگہ پر نماز ادا کرنا درست نہیں، لیکن کورونا کے زمانے میں مساجد کے بجائے گھروں یا ہال میں جمعہ کے قیام کا انتظام ہوتا ہے تو وہاں اذن عام نہیں ہوتا ہے، بلکہ محدود مصلیان کی آمد کے بعد دروازہ بند کر دیتے ہیں تو اس صورت میں اذن عام کا معنی نہیں پایا جاتا ہے، لہٰذا ایسی جگہوں پر اقامت جمعہ درست نہیں ہونا چاہیے۔

علماء نے اس اشکال کا جواب اس طرح دیا ہے کہ کرونا کے زمانے میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے، اگر حکومت کی طرف سے پانچ چھ سے زائد لوگوں کی بھیڑ جمع کرنے پر روک ہو، ایسی صورت میں مسجد یا ہال کا دروازہ بند کرنا ''اذن عام'' کے خلاف نہیں ہوگا کیوں کہ یہ ممانعت قانونی مصلحت کی پاسداری میں ہے، اس سے لوگوں کو تحفظ دینا مقصود ہے، ورنہ حکومت کی قانون شکنی میں مصلیان کو اشد مفسدہ سے دوچار ہونا لازم آئیگا، اور عام حالت میں مفسدہ کو منفعت پر ترجیح دی جاتی ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے:

فَإِذَا تَعَارَضَتْ مَفْسَدَةٌ وَمَصْلَحَةٌ قُدِّمَ دَفْعُ الْمَفْسَدَةِ غَالِبًا. (الأشباه: ۱/۳۲۲)

اسی طرح حاشیۃ طحاوی میں ذکر ہے کہ دشمن کی آمد کے خوف سے مصلی کا دروازہ بند کرنا درست ہے۔

أما إذا كان لمنع عدد يخشى دخوله وهو في الصلاة فالظاهر وجوب الغلق. (حلبي حاشية الطحاوي: ۱/۳۴۴)

اور حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اگر مساجد میں روک ٹوک کسی مقصد اور ضرورت کی وجہ سے ہو تو وہ اذن عام میں مخل نہیں۔ (امداد الفتاوی: ۱/۴۱۴)

فقیہ عصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

''اگر قلعہ کے اندر مسجد ہو اور مسجد میں نماز پڑھنے کی عام اجازت ہو لیکن کسی وجہ سے قلعہ مقفل ہو، تو وہاں جمعہ کی ادائیگی درست ہوگی۔'' (قاموس الفقہ: ۴/۱۲۴)

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر کورونا کے زمانے میں مسجد یا کسی گھر میں جمعہ کے قیام کا اہتمام ہو اور محدود افراد کے بعد وائرس سے بچنے اور تعداد کم کرنے کے لیے ہو تو، یہ اذن عام کے خلاف نہیں۔

سوال نمبر: ۴

شہروں، قصبات یا بڑے گاؤں میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہیں اور وہاں کی مساجد میں باقاعدہ جمعہ ہوتا آ رہا ہے وہاں موجودہ صورتحال میں کورونا کے زمانہ میں انتظامیہ (پرشاسن) کی طرف سے جتنے افراد کی اجازت ہو ان کے ساتھ جمعہ قائم کیا جائے، بشرطیکہ امام کے علاوہ کم از کم تین افراد مقتدی ہوں۔

لیکن اگر مذکورہ بالا شہر، قصبہ یا بڑے گاؤں میں کسی وجہ سے جمعہ کا نظم نہیں ہو سکا یا کسی عذر کی بنا پر یا بلا عذر جمعہ نہیں پڑھ سکے، تو ظہر کی نماز تنہا تنہا ادا کریں گے یا جماعت کے ساتھ؟

اس سلسلہ میں فقہ حنفی کی تمام کتابوں میں یہی ہے کہ تنہا تنہا نماز ادا کرے، کیوں کہ جس بستی میں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہوں اور وہاں جمعہ قائم ہوتا ہو، وہاں معذور یا غیر معذور ہر ایک کے لیے ظہر کی نماز با جماعت ادا کرنا مکروہ ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

قَولُهُ: وَصُورَةِ الْمُعَارَضَةِ) لِأَنَّ شِعَارَ الْمُسْلِمِينَ فِي هَذَا الْيَوْمِ صَلَاةُ الْجُمُعَةِ وَقَصْدُ الْمُعَارَضَةِ لَهُمْ يُؤَدِّي إِلَى أَمْرٍ عَظِيمٍ فَكَانَ فِي صُورَتِهَا كَرَاهَةُ التَّحْرِيمِ. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ٣، ٣٣، مكتبة زكريا ديوبند)

اس توجیہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس شہر، قصبہ یا گاؤں میں جمعہ کی شرطیں پائی جاتی ہوں، لیکن کسی عذر شرعی (مثلاً کورونا کے زمانہ میں حکومت کی گائڈ لائن کی وجہ سے) جمعہ قائم نہیں کر سکے تو ظہر کی نماز جماعت کے بجائے تنہا تنہا ادا کرے، اور جماعت کے ساتھ ادا نہ کرے، اس لیے کہ طاعون اور کورونا مرض کے زمانے میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز ادا کرنے کی دو شکلیں ہوں گی۔

جمعہ کے دن ظہر کی نماز ادا کرنے کی دو شکلیں

(۱) ایک شکل یہ ہے کہ جس شہر، بستی یا بڑے گاؤں میں جمعہ کی شرطیں پائی جاتی ہیں لیکن کسی وجہ سے جمعہ قائم نہیں کر سکے تو ایسی صورت میں وہاں کے لوگ ظہر کی نماز تنہا تنہا ادا کریں گے، اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا مکروہ ہوگا۔

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ جن چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی شرطیں نہیں پائی جاتی، وہاں کے باشندگان حسب معمول جمعہ کے دن بھی مسجد یا اپنے اپنے گھروں میں ظہر کی نماز با جماعت ادا کریں گے، انہیں ظہر کی نماز تنہا تنہا پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

وَمَنْ لَا تَجِبُ عَلَيْهِمُ الْجُمُعَةُ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى وَالْبَوَادِي لَهُمْ أَنْ يُصَلُّوا الظُّهْرَ بِجَمَاعَةٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ. (الفتاوى الخانية على هامش الهندية: ١/١٧٧ مصر)

سوال نمبر: ۵

وجوب جمعہ کی جو شرطیں ہیں وہی عید کے وجوب کی شرطیں ہیں، تاہم جمعہ اور عید کی نماز کی شرط میں فرق یہ ہے کہ جمعہ کے درست ہونے کے لیے خطبہ شرط ہے، جب کہ عیدین کی نماز کے لیے خطبہ شرط نہیں۔

تاہم جمعہ اور عیدین کی نماز کے لیے جماعت شرط ہے، لیکن دونوں کی جماعت کے لیے کتنے افراد ضروری ہیں؟ اس میں فرق ہے۔ چنانچہ جمعہ کی نماز درست ہونے کے لیے امام کے علاوہ تین افراد کا ہونا ضروری ہے، اور عید کی نماز کے لیے امام کے علاوہ ایک فرد کا ہونا کافی ہے۔ ڈاکٹر وھبہ زحیلی لکھتے ہیں:

وقال الحنفية فى الأصح تجب صلاة العيدين على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة. (الفقہ الإسلامی، ج:۲/۳۶۳)

عیدین کی نماز گھروں میں ادا کرنا:

عام حالات میں عیدین کی نماز صحراء (عیدگاہ) میں ادا کرنا سنت ہے، لیکن بارش طوفان کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں عیدین کی نماز ادا کی ہے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ أَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِي يَوْمِ عِيدٍ، فَصَلَّى بِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِيدِ فِي الْمَسْجِدِ.

(أبو داؤد شريف: ١/١٦٤)

علماء کے اقوال:

اس حدیث کے تحت علامہ شوکانی لکھتے ہیں عذر شرعی مثلاً بارش کی وجہ سے عیدگاہ جانا دشوار ہو تو مسجد میں عید کی نماز ادا کرنا بلا کراہت درست ہے۔

وقال الشوكاني: الحديث يدل على أن ترك الخروج إلى الجبانة و فعل الصلاة فى المسجد عند عروض عذر المطر غير مكروه. (بذل المجهود، ۵/۲۵٦)

اسی طرح امام شافعیؒ نے عذر شرعی کی صورت میں عید کی نماز صحراء کے بجائے مساجد میں پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

قال الشافعي فى الأم: بلغنا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يخرج فى العيدين إلى المصلى والمدينة وهكذا من بعده الأمن عذر مطر. (بذل المجهود، ۵/۲۵۹)

امام شافعیؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے استدلال کیا ہے کہ مدنی زندگی میں آپ کا معمول ہی نہیں بلکہ اس بات پر مواظبت تھی کہ عیدین کی نماز عیدگاہ میں ادا کرتے، اس پر اہل مکہ کے علاوہ تمام شہروں کے مسلمان کا عمل تھا۔

اہل مکہ اور اطراف کے مسلمانوں کے عمل میں فرق کی وجہ یہ تھی کہ مکہ میں تمام مساجد کشادہ تھیں اس لیے مکہ والے شہر کی مساجد میں ہی نماز ادا کرتے اور مکہ کے اطراف والے صحرا اور عیدگاہ میں نماز عیدین ادا کرتے۔

عیدین کی شرطیں:

یوں تو وجوب جمعہ کی جو شرطیں ہیں وہی عیدین کی نماز کی وجوب کی شرطیں ہیں۔ البتہ کچھ شرطوں میں فرق ہے جمعہ کے لیے خطبہ دینا شرط ہے لیکن عیدین کے لیے شرط نہیں۔ اسی طرح جمعہ کے لیے اذن عام ہونا شرط ہے، مگر عیدین کے لیے شرط نہیں، بلکہ سنت ہے۔ اسی طرح عیدین کی نماز کے لیے صحرا کو جانا واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔

اسی بنا پر اگر جامع مسجد میں تمام لوگوں کا نماز پڑھنا ممکن ہو تو وہیں نماز ادا کرنا صحیح ہے۔

ومذهب الحنفية فى ذلك ما قال صاحب الدرالمختار: و الخروج إليها أى الجبانه لصلاة العيد (سنة) وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح. (بذل المجهود، ۵/۲۵۷)

موضع أداء صلاة العيدين:

یہاں بحث یہ ہے کہ عیدین کی نماز مساجد شہر میں ادا کی جائے گی یا شہر سے باہر صحراء میں؟

اس سلسلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کے علاوہ جمہور کی رائے یہی ہے کہ صلاۃ العید کی جگہ عیدگاہ ہے۔

سوال نمبر:٦ (الف)

اس سوال کی دو شقیں ہیں، ایک شق کا تعلق ماسک سے ہے اور دوسری شق کا تعلق صفوں کے درمیان فاصلہ قائم رکھنے سے۔ اس لیے یہاں پہلی شق سے متعلق حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیش کی جارہی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا عَطَسَ وَضَعَ يَدَهُ أَوْ ثَوْبَهُ عَلَى فِيهِ، وَخَفَضَ أَوْ غَضَّ بِهَا صَوْتَهُ شَكَّ يَحْيَى. (أبوداؤد شريف: ۲/ ٦۸٦)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چھینک آتی تو اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیتے۔ اور اپنی آواز پست کرتے۔

اس حدیث کے ضمن میں صاحب بذل ابن العربی کے حوالہ سے لکھتے ہوئے خفض صوت اور تغطیۂ وجہ کی حکمت کو واضح کیا ہے۔

قال ابن العربي: الحكمة فى خفض الصوت بالعطاس أن فى رفعه إزعاجا للأعضاء وفى تغطية الوجه أن لو بدر منه شى آذى جليسه. (بذل المجهود كتاب الأدب: ۱۳/ ٤۲٤)

یعنی ابن العربی نے خفض صوت کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ اس صورت میں عاطس کے اعضاء کو تکلیف نہ پہنچے اور چھینکنے والا منھ پر جب کپڑا رکھے گا تو دوسرے ہم نشیں ضرر سے محفوظ رہیں گے۔

الغرض حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے چھینکنے کے وقت عملی طور پر جو مثال پیش کی ہے اس سے اور ابن العربی کی توجیہ سے معلوم ہوا کہ چھینک آنے کے وقت ہاتھ اور کوئی کپڑا منھ پر رکھنے کا واحد مقصد یہی ہے کہ دوسرے رفقاء کو ضرر نہ پہنچے، اور اس وقت کورونا کے زمانہ میں ماسک لگانے کا مقصد یہی ہے، ظاہر ہے اعمال پر جواز اور عدم جواز کا حکم مقاصد پر مبنی ہوتا ہے، اگر مقصد اور نیت میں اخلاص اور اللہ کی رضا ہوتی ہے تو وہ اعمال محمود اور جائز ہوتے ہیں ورنہ مذموم اور ناجائز۔

چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا ہے: إنما الأعمال بالنيات (بخاری شریف) دراصل اعمال کا حکم نیت پر موقوف ہوتا ہے۔

اگرچہ علامہ شامی نے نماز کی حالت میں چادر سے اعضا کو چھپانا عمل مجوس سے مشابہت کی وجہ سے مکروہ قرار دیا ہے: يكره اشتمال الصما والتلثم و التنخم.... (درمختار وحاشیہ ابن عابدین: ۱/۶۵۲)

لیکن اگر مصلی کی نیت منھ پر کپڑا رکھنے سے دیگر مصلیان کو متاثر ہونے سے بچانا ہے اور وائرس پھیلنے سے روکنا ہے، تو اس کا عمل جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہوگا۔

لہٰذا اس توجیہ سے یہ بات بے غبار ہوگئی کہ اگر کسی شہر میں کورونا مرض تیزی کے ساتھ پھیلا ہوا ہے۔ اور حکومت کی گائڈ لائن میں عام اجتماع کے موقع پر ماسک پہننا ضروری ہے (جیسا کہ پہلی، دوسری لہر کے وقت حکم تھا اور اس وقت ہے) تو ماسک لگا کر نماز پڑھنا نہ صرف جائز ہوگا بلکہ مستحسن عمل قرار پائے گا۔

سوال نمبر: ٦ (ب)

جہاں تک کہ صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا تعلق ہے، اس سلسلہ میں حدیث رسول ﷺ اور فقہاء کی توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ باجماعت نماز میں اقتدا کے درست ہونے کے لیے امام یا مقتدی کی جگہ کا متحد ہونا شرط ہے، خواہ حقیقتاً متحد ہوں یا حکماً، مسجد، صحن مسجد اور فناء مسجد یہ تمام جگہ باب اقتداء میں متحد ہیں، لہٰذا مسجد، صحن مسجد اور فناء مسجد میں اگر امام اور مقتدی، یا مقتدیوں کی صفوں کے درمیان دو صفوں کی مقدار یا اس سے زیادہ فاصلہ ہو تب بھی صحت اقتداء سے مانع نہیں ہوگا اور نماز ادا ہو جائیگی، تاہم صفوں کے درمیان فاصلہ چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ بخاری شریف میں:

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضي الله عنه، أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاكِعٌ، فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: (زَادَكَ اللَّهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ) (رواه البخاري: ۱/۲۷۱)

حضرت ابوبکرہؓ نماز کے لیے مسجد تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ رکوع کی حالت میں تھے، انہوں نے جلدی میں (کہ رکعت نہ نکل جائے) صف میں شامل ہونے پہلے ہی اقتدا کر کے رکوع کر لیا، پھر اسی حالت میں صف میں شامل ہو گئے، رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ آپ کا شوق مزید بڑھائے، لیکن ایسا آئندہ نہ کرنا۔

اور علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اقتداء کے لیے مسجد یا فناء مسجد میں اتصال صفوف ضروری نہیں، بلکہ امام کے احوال کا علم ہونا کافی ہے۔

اسی طرح مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے تحریر کیا ہے کہ دو صفوں کے درمیان فاصلہ چھوڑ کر نماز ادا کی تو نماز ہو جائیگی، البتہ یہ خلاف سنت ہے۔ (فتاوی دار العلوم: ۳/۱۳۵)

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں میری یہی رائے ہے کہ امام اور مقتدی کی جگہ متحد ہے، اور حفظان صحت اور حکومت کی گائڈ لائن کے خاطر کرونا

کے زمانے میں فاصلہ کے ساتھ نماز پڑھنا بلا کراہیت درست ہے، لیکن عام حالت میں مکروہ ہے۔

(ج) کرونا کے زمانہ میں جہاں باہر نکلنے اور نماز کی حالت میں ماسک پہننا ضروری قرار دیا گیا، وہیں پر دو مصلی کے درمیان ایک میٹر کا فاصلہ لازم قرار دیا گیا۔ یہاں تحقیق طلب بات یہ ہے کہ کیا یہ شرعا درست ہے؟

اس سلسلہ میں کوئی حکم لکھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پہلو سے روشنی ڈالی جائے کہ آیا دو مصلی کے درمیان فاصلہ نہ رکھنے کی حیثیت کیا ہے؟

دو مصلیوں کے درمیان فاصلہ کی شرعی حیثیت

یقیناً کئی احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے صفوں کی درستگی کی نہ صرف تاکید فرمائی ہے بلکہ صفوں کی درستگی کو تکمیل صلاۃ کا زینہ قرار دیا ہے:

سَوُّوا صُفُوفَكُمْ، فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ. (بخاری: ٦٩٠، مسلم: ٤٣٣)

(اپنی صفوں کو درست کرو، کیوں کہ صفوں کی درستگی اتمام صلوٰۃ کا سبب ہے)

دوسری حدیث میں ہے: اسْتَوُوا، وَلَا تَخْتَلِفُوا، فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ. (مسلم)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: رُصُّوا صُفُوفَكُمْ وَقَارِبُوا بَيْنَهَا وَحَاذُوا بِالْأَعْنَاقِ. (ابوداؤد شریف: ٦٦٧)

وندب أمته أن يصفوا كما تصف الملائكة عند ربها، ولكن المراد بالتراص أن لا يدعوا فرجا للشيطان.

احادیث مبارکہ سے یہ استفادہ اور استدلال کرنے میں کوئی تکدر باقی نہیں رہتا کہ دو مصلی کے درمیان فاصلہ نہ رکھنا سنت مؤکدہ ہے، جیسا کہ حاشیۃ البخاری عن العینی میں ہے:

وهى أى تصوية الصفوف، سنة الصلاة عند أبى حنيفة والشافعى ومالك. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، ٣٥٥/١)

اگر چہ ان احادیث میں باجماعت نماز میں قریب قریب کھڑے ہونے کی بڑی تاکید کی گئی ہے کہ نمازی اس طرح کھڑے ہوں کہ ان کے مابین فاصلہ نہ ہو، بلکہ کندھے سے کندھے ملا کر کھڑے ہوں۔ یہ عام حالات میں سنت مؤکدہ ہے، اسی وجہ سے حضرات فقہاء نے نمازیوں کے درمیان فاصلہ کو سنت کے خلاف اور مکروہ قرار دیا ہے، اس لیے عام حالات میں تو اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے کہ نمازیوں کے مابین فاصلہ نہ ہو، البتہ کرونا وائرس وبا کی موجودہ صورت حال میں احتیاطی تدابیر کے طور پر اور حکومتی قانون کی پاسداری کرتے ہوئے اگر نمازیوں کے مابین کچھ فاصلہ رکھا جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ باجماعت نماز میں مقتدیوں کے درمیان میں فاصلہ نہ رکھنا اور مل جل کر کھڑا ہونا اہم اور تاکیدی سنت ضرور ہے، لیکن یہ جماعت کے شرائط میں سے نہیں کہ اس کے بغیر جماعت منعقد نہ ہو۔ لہٰذا موجودہ حالات میں دو مصلیوں کے درمیان فاصلہ میں کوئی حرج نہیں۔

سوال نمبر: ۷

یقیناً مرض ان اعذار میں سے ایک عذر ہے جس کی وجہ سے بعض عبادات معذورین کے ذمہ سے ساقط ہوتی ہے، بعض عبادت میں کمی کی (تخفیف) رخصت ملتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. (بقرۃ: ۱۸۵) (اللہ تعالیٰ تم سے سہولت چاہتا ہے اور وہ تم سے تنگی نہیں چاہتا۔)

دوسری آیت میں فرمایا:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ. (تم پر دین میں کوئی حرج نہیں رکھا ہے۔) (حج: ۷۸)

اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کے ایک اثر سے اس باب میں بڑی رہنمائی ملتی ہے:

عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ؛ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ مَرَّ بِامْرَأَةٍ مَجْذُومَةٍ، وَهِيَ تَطُوفُ بِالْبَيْتِ .فَقَالَ لَهَا: يَا أَمَةَ اللهِ. لَا تُؤْذِي النَّاسَ. لَوْ جَلَسْتِ فِي بَيْتِكِ، فَجَلَسَتْ. (تنوير الحوالك على مؤطا مالك: ١/ ٤٤٥)

حضرت ابن ابوملیکہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ ایک مجذومہ عورت کے پاس سے گذرے، جب کہ وہ بیت اللہ کا طواف کررہی تھی، تو حضرت عمرؓ نے کہا: اے اللہ کی بندی! تم لوگوں کو اذیت مت پہنچاؤ، اگر تم اپنے گھر میں بیٹھ جاتی، چنانچہ وہ بیٹھ گئی۔

رخصت ایک نعمت ہے:

آیات قرآنیہ اور حضرت عمرؓ کے اثر سے معلوم ہوا کہ مریض کے لیے حالت مرض میں پنج وقتہ نماز اپنے گھروں میں ادا کرنے کی نہ صرف رخصت ہے، بلکہ ترک جماعت کی بھی اجازت ہے، اور یہ رخصت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے، جسے قبول کرنا چاہیے، جیسا کہ ایک حدیث میں فرمان نبوی ہے: ”إن الله تعالىٰ يحب أن توتى رخصه كما يحب أن توتى عزائمه.“ (صحیح الجامع الصغیر رقم: ۱۸۸۵)

(بے شک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسے اپنے فرائض پر عمل کرنا پسند کرتا ہے۔)

اسی بنا پر علامہ ابن نجیمؒ نے بھی مرض کو اسباب تخفیف میں شمار کیا ہے:

أَنَّ أَسْبَابَ التَّخْفِيفِ فِي الْعِبَادَاتِ وَغَيْرِهَا سَبْعَةٌ:الْأَوَّلُ السَّفَرُ، الثَّانِي: الْمَرَضُ؛ وَرُخَصُهُ كَثِيرَةٌ: التَّيَمُّمُ عِنْدَ الْخَوْفِ عَلَى نَفْسِهِ وَالتَّخَلُّفُ عَنْ الْجَمَاعَةِ مَعَ حُصُولِ الْفَضِيلَةِ .(الأشباه والنظائر، ص: ١٧٧، ٢٧٨)

نیز فقہائے رخصت کی دو قسمیں کی ہیں: (۱) ایک شکل وہ ہے جس میں شریعت معذورین کے ذمہ سے عبادت ہی ساقط کردیتی ہے مثلاً بیماری اور دیگر اعذاری کی وجہ سے باجماعت نماز کا وجوب مریض اور مسافر کے ذمہ سے ساقط ہوجاتا ہے۔

(۲) دوسری شکل وہ ہے جس میں واجب کی مقدار میں کمی کرکے رخصت دی جاتی ہے، مثلاً مسافر پر حالت سفر میں چار رکعت کے بجائے دو ہی رکعت کا ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کورونا سے متاثر اشخاص پر رخصت کی پہلی قسم صادق آرہی ہے، اس کے ذمہ سے پنج وقتہ نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنے کا وجوب ساقط ہوجائے گا، گھر میں ادا کرنے میں جماعت کا ثواب ملے گا، اس لیے ایسے مریض کا مسجد میں جانا دو اعتبار سے ضرر اور مفسدہ کو دعوت دینا لازم آئے گا، (۱) ایک ضرر و مفسدہ کی صورت یہ ہوگی کہ مسجد میں جانے سے دوسرے اشخاص اس کورونا میں متاثر ہوں گے، اور یہ کسی کو ضرر و مفسدہ میں مبتلا کرنے کے مترادف ہوگا اور یہ ناجائز و حرام ہے کیوں کہ عامۃً منفعت اور مفسدہ میں تعارض ہوتا ہے تو مفسدہ کو ترجیح حاصل ہوتی ہے اور مفسدہ کی وجہ سے منفعت کو ترک کرنا لازم ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیم رقم طراز ہیں:

فَإِذَا تَعَارَضَتْ مَفْسَدَةٌ وَمَصْلَحَةٌ قُدِّمَ دَفْعُ الْمَفْسَدَةِ غَالِبًا؛ لِأَنَّ اعْتِنَاءَ الشَّرْعِ بِالْمَنْهِيَّاتِ أَشَدُّ مِنْ اعْتِنَائِهِ بِالْمَأْمُورَاتِ. (الأشباه والنظائر: ١/ ٣٢٢)

(۲) دوسرے ضرر کی صورت یہ ہوگی کہ گھر میں نماز پڑھنے کے بجائے مسجد میں جانا اللہ کی طرف سے دی گئی رخصت اور نعمت کی ناشکری اور اعراض کرنا لازم آئے گا جو اللہ تعالیٰ کے پسند کے خلاف ہے، ان وجوہ کے بنا پر راقم کی یہی رائے ہے کہ کورونا سے اگر کوئی شخص متاثر ہے اور وہ خطرناک حالت میں ہے تو اس کا جماعت کے لیے مسجد میں جانا درست نہیں۔

سوال نمبر: ۸

اللہ تعالیٰ نے جہاں سفر کی وجہ سے ماہ مبارک میں افطار کی اجازت دی ہے، اسی طرح مریض کے لیے افطار کی رخصت دی ہے، لیکن بعد

رمضان اور صحت وتندرستی کے بعد قضا ضروری قرار دیا ہے ارشاد الٰہی ہے:

"فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ." (بقرہ : ١٨٤)

(پھر اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔)

غور کرنے کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں مریض اور مسافر کو ماہ رمضان میں افطار کی رخصت کے لیے مذکورہ بالا آیات میں اشارہ کیا ہے، اس کے فوراً بعد یہ آیت پیش کی ہے:

"يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ." (بقرة: ١٨٥)

(اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے اور تمہارے لیے مشکل پیدا کرنا نہیں چاہتا۔)

اس میں امت مسلمہ کو سہولت اور رخصت کے پہلو کو اور مشقت اور عسر پر قبول کرنے اور ترجیح دینے کی تعلیم دی ہے۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی اسی پر تھا۔

مَا خُيِّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا. (بخاری شریف)

(آپ کو جب دو چیزوں میں خیار دیا جاتا تو آپ آسان والے پہلو کو اپناتے۔)

اسی طرح امت اور رعایا پر سہولت پیدا کرنے کی گورنروں کو ھدایت کی ہے۔

کورونا سے متاثر لوگوں کا تأثر

اب تک اس کی دو لہریں آچکی ہیں، عامۃ اس سے متاثر ہو کر جو لوگ صحت یاب ہوئے ہیں ان کا یہی تاثر ہے کہ اس حالت میں سب سے زیادہ جسمانی طور پر کمزوری لاحق ہوتی ہے، اور اس کمزوری کا اثر کافی دنوں تک رہتا ہے، جب مطلقاً مرض افطار کی اجازت کا سبب ہے تو وہ شخص جو کرونا سے پورے طور پر متاثر ہے اس کے لیے اس حالت میں شیخ فانی کی طرح روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوگی۔ چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

الثَّانِي: الْمَرَضُ؛ وَرُخَصُهُ كَثِيرَةٌ...وَالْفِطْرُ فِي رَمَضَانَ لِلشَّيْخِ الْفَانِي. (الأشباه والنظائر: ١/٢٢٨)

(یعنی اسباب رخصت میں دوسرا سبب مرض ہے، اس سے ملنے والی رخصتیں بہت ہیں، رمضان میں شیخ فانی کو افطار کی اجازت ہے۔

بہرحال عام مرض کی طرح کورونا سے متأثر ہونے والوں کی دو شکلیں ہوتی ہیں:

(۱) اگر اس مرض کی وجہ سے بڑی تکلیف ہو رہی ہے، روزہ رکھنے سے مرض یا صحت یابی میں تاخیر ہونے کا اندیشہ ہو، تو ایسے اشخاص کے لیے ماہ رمضان میں افطار کی رخصت ہوگی لیکن ماہ مبارک اور صحت یابی کے بعد اس کی قضاء واجب ہوگی، ہاں اگر رمضان کے بعد قضا کا موقع نہیں ملا، اس سے پہلے اللہ کے پیارے ہو گئے، تو اس کے وارث اس کے مال سے فدیہ ادا کریں گے تو روزہ کا فریضہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔

(۲) لیکن اگر یہ مرض ابتدائی مرحلہ میں ہے، روزہ رکھنے میں بیماری کے بڑھنے کا کوئی اندیشہ نہیں، تو روزہ رکھنا اوّل ہی ہوگا، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: "وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ." (بقرة:۱۸۴)

(اور تم روزہ رکھو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔)

سوال نمبر:۹

حج وہ عبادت ہے، جو زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہوتی ہے۔ اس کے اوقات خاص ہیں، نو ذی الحجہ سے ۱۳/ ذی الحجہ تک سارے اعمال ادا کیے جاتے ہیں، اس لیے ہر رکن اور وجوب کی ادائیگی کے وقت بھیڑ اور مجمع ہوتا ہے، دوسری طرف دو سال سے کورونا مرض متاثر ہونے والے اور اطبا

کی رائے یہی ہے کہ بھیڑ اور مجمع میں اس مرض سے لوگ زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور اس کا وائرس زیادہ پھیلتا ہے، اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجذومہ عورت کو طواف سے منع کیا، اور گھر میں بیٹھنے (Isulation) کا مشورہ دیا ہے۔

حضرت عمرؓ کی اثر سے معلوم ہوا کہ جس طرح مجذومہ کو طواف سے روکا تھا، اسی طرح کرونا جیسے متعدی مرض میں مبتلا شخص کو حج اور عمرہ سے روکا جاسکتا ہے۔

اس بات کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث سے بھی ہوتی ہے، جن میں آپ نے بارش، طوفان کے موقع پر "صلوا فی رحالکم" کے ذریعے گھروں میں نماز ادا کرنے کی ترغیب دی ہے، (جو احادیث محور اوّل کے سوالوں کے جواب میں پیش کی جاچکی ہیں)

اسی وجہ سے صاحب الاختیار نے وجوب حج کے لیے صحت مند ہونا ضروری قرار دیا ہے، کیوں کہ صحت کے بغیر حج کی ادائیگی پر قدرت نہیں ہوسکتی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

وَهُوَ فَرِيضَةُ الْعُمُرِ، وَلَا يَجِبُ إِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ حُرٍّ عَاقِلٍ بَالِغٍ صَحِيحٍ قَادِرٍ عَلَى الزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ.(کتاب الاختيار لتعليل المختار: ١/١٨٠، ١٨١) دار المعرفة لبنان.

شیخ خالد عبدالرحمٰن العک صحت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"وأما الصحة فلأنه لا قدرة دونها."

اس لیے اگر کسی شخص پر حج فرض ہے، اس سال ادائیگی کا ارادہ تھا، لیکن اس سے پہلے کورونا مرض سے وہ متأثر ہوگیا ہے، زیر علاج ہے، صحت یاب نہیں ہوا ہے، تو سد ذریعہ کے طور پر اس سال حج کے لیے سفر نہ کرے۔ شرعی اور حکومتی گائیڈ لائن کے طور پر اسے روکنا جائز ہے۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ مرض کی وجہ سے فریضہ حج ساقط نہیں ہوگا، جس طرح مرض کی وجہ سے روزہ ساقط نہیں ہوتا، اسی طرح حج بھی ساقط نہیں ہوگا البتہ اس کی وجہ سے مؤخر کرسکتا ہے۔

"كَمَرِيضٍ فِي رَمَضَانَ يَخَافُ مِنَ الصَّوْمِ زِيَادَةَ الْمَرَضِ أَوْ بُطْءَ الْبُرْءِ فَيَجُوزُ لَهُ الْفِطْرُ"(الأشباه والنظائر: ١/٢٩٩)

لیکن یہ یاد رہے کہ مرض کی وجہ سے کسی دوسرے کو بطور نیابت بھیج سکتے ہیں لیکن حج ساقط نہیں ہوگا، اگر اس سال نہیں جاسکے تو بعد میں حسب سہولت اس کی ادائیگی واجب ہوگی، جیسا کہ علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے:

"والثاني: المرض ورخصة كثيرة...والاستنابة في الحج." (الأشباه والنظائر: ١/٢٧٨)

خلاصۂ بحث محور اول

بحث بالا کی روشنی میں محور اول کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے:

(۱) وبا طاعون کی طرح ایک بیماری ہے، یہ بیماری گرچہ پہلی قوم کے حق میں عذاب الٰہی کی ایک شکل تھی مگر امت محمدیہ کے لیے باعث رحمت ہے۔

(۲) وبا کو عذاب الٰہی کا جز سمجھا جائے، جس علاقے میں یہ بیماری پھیل جائے وہاں سے فرار اختیار نہ کیا جائے، اگر کوئی اس سے متاثر ہوجائے تو دوا استعمال کرے، اس میں کوتاہی نہ کرے، اس کے ساتھ اللہ کے فیصلے پر بھروسہ کرے، دوا کے ساتھ دعا اور صدقہ بھی کرے، اگر کسی کی موت اس بیماری میں ہوگئی تو حکماً اسے شہادت کا مقام حاصل ہوگا، نیز ملکی قانون کا لحاظ کرتے ہوئے شرعی اعتبار سے غسل اور کفن دے کر اس پر نماز جنازہ ادا کرے پھر قبرستان میں دفن کردے۔

(۳) جس طرح امت مسلمہ کو ضرر سے بچانا شارع کی ذمہ داری ہے اسی طرح حکومت کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ یہ ہے کہ وبائی مرض کے موقع پر علاج ومعالجہ کا انتظام کرے، اس لیے اگر حکومت نے سد ذریعہ کے طور پر جو کچھ گائڈ لائن بنایا ہے تو اس کا لحاظ کرنا تمام لوگوں پر ضروری ہوگا۔

ہاں یہ بات یاد رہے کہ دوا اور علاج، حکومتی گائڈ لائن اور احتیاطی تدابیر کا لحاظ توکل علی اللہ کے خلاف نہیں۔

(۴) کوئی مرض فی نفسہ متعدی نہیں ہوتا، ہاں البتہ ماتحت الاسباب اللہ تعالیٰ کی قدر ومشیت اور تقدیر خداوندی کے تحت بیماری متعدی ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو بیماری دوسرے کو متاثر کرے گی ورنہ نہیں۔

محور دوم کا خلاصہ

(۱) عام حالات میں پنج وقتہ نماز مساجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے لیکن موجودہ کرونا کے زمانہ میں گھروں میں جماعت کے ساتھ یا انفرادی طور پر نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی۔

(۲) تکرار جماعت تقلیل جماعت کا سبب ہے۔ نیز تعمیر مسجد کے مقصد کے خلاف ہے اس لیے عام حالات میں اس مسجد میں جماعت ثانیہ مکروہ ہے، جس میں امام یا مؤذن مقرر ہو، لیکن موجودہ کرونا کے زمانہ میں تقلیل جماعت شرعی اور ملکی گائڈ لائن کی وجہ سے ضروری ہے، اس لیے اس صورت میں جماعت ثانیہ کی اجازت ہوگی، اسی طرح جہاں مساجد آبادی کے اعتبار سے تمام لوگوں کے لیے جماعت اوّل ہی میں ناکافی ہوں اور نہ مسجد کے باہر اقتدا کی اجازت ہو، وہاں بھی جماعت ثانیہ اور متعدد بار جمعہ ادا کرنا درست ہوگا۔

(۳) جس شہر، قصبہ یا بڑے گاؤں میں جمعہ کا قیام درست ہے وہاں وبا کے زمانہ میں گھروں میں جمعہ ادا کرنا درست ہے بشرطیکہ امام کے علاوہ تین بالغ مرد مقتدی ہوں۔

(۴) جمعہ کے دن ظہر کی نماز ادا کرنے کی دو شکلیں ہیں: (۱) جس شہر، بستی یا بڑے گاؤں میں جمعہ کی شرطیں پائی جاتی ہیں، لیکن کسی وجہ سے جمعہ قائم نہیں کر سکتے تو ایسی صورت میں وہاں کے لوگ ظہر کی نماز تنہا تنہا ادا کریں گے، اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا مکروہ ہوگا۔

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ جن چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی شرطیں نہیں پائی جاتی وہاں کے باشندگان حسب معمول اپنے گھروں میں ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھیں گے۔

(۵) عموماً جمعہ کے لیے جو شرطیں وہی ہیں وہی عیدین کے لیے ہیں، اس لیے عیدین کی نماز وبا کے زمانہ میں گھروں میں ادا کرنا درست ہے، البتہ عام حالت میں عیدین کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنت ہے۔

(٦) دوسرے کو ضرر سے بچانے کے لیے ماسک لگا کر موجودہ حالت میں نماز پڑھنا درست ہے، اسی طرح امام اور مقتدی کی جگہ متحد ہے تو حفظان صحت اور حکومت کی گائڈ لائن کی بنا پر کرونا کے زمانہ میں دو صفوں کے درمیان فاصلہ کے ساتھ نماز پڑھنا بلا کراہیت درست ہے۔

(۷) سد ذریعہ کے طور پر کرونا سے متأثر افراد کا مسجد میں آنا اور جماعت میں شریک ہونا جائز نہیں۔

(۸) کرونا سے متأثر افراد کے لیے رمضان میں افطار کی رخصت ہوگی، لیکن بعد رمضان اس کی قضاء ضروری ہوگی۔

(۹) حکومت کرونا سے متأثر افراد کو حج اور عمرہ سے روک سکتی ہے، لیکن عام مسلمان حکومت کی گائڈ لائن کا لحاظ کرتے ہوئے حج اور عمرہ ادا کرنے کے لیے سفر کرے تو ان کو روکنا درست نہیں۔

کرونا کے مسائل اور ان کا حل

محمد نصر اللہ ندوی
استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

محور اوّل: کرونا وبا کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر

سوال:۱۔ وبا کیا ہے اور شریعت میں اس کے بارے میں کیا تصور ہے؟

اسلام ایک مکمل دین ہے۔ وہ ایک جامع دستور ہے، جس میں ہر درد کا درماں اور ہر پریشانی کا علاج ہے۔
زندگی میں ہر طرح کے مسائل پیش آتے ہیں، کبھی خوشی ومسرت کے لمحات آتے ہیں، تو کبھی مرض وبیماری سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اسلام کے اندر اس سلسلہ میں واضح اور جامع ہدایات ہیں۔

آج کل پوری دنیا جس بیماری سے نبرد آزما ہے، اور جس نے پورے نظام کو درہم برہم کر رکھا ہے، اس کا نام کرونا وائرس ہے، اس کو کوڈ-۱۹ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ نہایت تیزی کے ساتھ پھیلنے والا ایک وائرس ہے، تیز بخار کے ساتھ زکام اور آکسیجن کی کمی، اس کی نمایاں علامات ہیں۔ ہفتہ عشرہ گذرنے کے بعد یہ وائرس شدت اختیار کر لیتا ہے اور بسا اوقات مہلک بن جاتا ہے۔ اس سے مرنے والوں کا تناسب ۲٪ سے ۵٪ فیصد ہے۔ اب تک اس کی کوئی دواء دریافت نہیں ہوسکی ہے۔ احتیاط اور بچاؤ ہی اس سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ کرونا سے بچاؤ کیلئے پوری دنیا میں ویکسین لگائی جارہی ہے۔ اس سے محفوظ رہنے کیلئے جو تدابیر بتائی جارہی ہیں، ان میں ماسک، سوشل ڈسٹنسگ، ہاتھ منھ دھونا اور ویکسینیشن ہیں۔ اس مرض کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں، اب اس کی جدید شکل اومیکرون ہے، اس کا انکشاف تیسری لہر کے دوران ہوا ہے، آئندہ اس کی کیا کیا شکلیں ہوں گی، حتمی طور پر اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔

سوال:۲۔ وبا سے تحفظ کے لئے شرعی رہنمائی اور اسلامی ہدایات کیا ہیں؟

صحت اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے، لیکن اکثر لوگ اس کی قدر وقیمت سے ناواقف ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ ان کی ناقدری کر کے نقصان میں رہتے ہیں: ایک صحت اور دوسری فرصت۔ (بخاری، حدیث نمبر: ۶۰۴۹)

صحت کی بقاء اور وتحفظ میں صفائی ستھرائی کا بڑا دخل ہے۔ اسلام میں طہارت ونظافت کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے اور اس کی اہمیت وضرورت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ مسلمان دن رات میں پانچ مرتبہ نماز ادا کرتا ہے، جس کیلئے جسمانی طہارت ضروری ہے، اسلام میں طہارت کا مفہوم بہت وسیع ہے، اس میں روحانی طہارت کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور جسمانی طہارت بھی شامل ہے۔

اسلام نے حفظان صحت کے جو طریقے بتائے ہیں، ان پر اگر پوری ایمانداری سے عمل کیا جائے، تو نہ صرف یہ کہ ہماری صحت اچھی رہے گی، بلکہ ہم وباء اور بیماریوں سے بھی محفوظ رہیں گے، اور دوسروں کو بھی اس مصیبت سے بچا سکتے ہیں۔

موجودہ حالات میں کرونا وائرس سے بچاؤ کے لئے ڈاکٹروں نے جو ہدایات بتلائی ہیں، وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ہیں، مثلا؛

ڈاکٹروں کی رائے یہ ہے کہ کرونا سے بچاؤ کے لئے صفائی ستھرائی کا اہتمام کیا جائے، چنانچہ اسلام پاکی کو آدھا ایمان قرار دیتا ہے، اس کے علاوہ وبائی مرض میں سوشل ڈسٹنسگ کا اشارہ بھی اسلام میں ملتا ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے:

عن سعد رضی الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: قال: إذا سمعتم بالطاعون بأرض فلا تدخلوها، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا منها.(بخاری، رقم:۵۳۹۶)

یعنی جب تم کسی علاقہ میں طاعون کے بارے میں سنو تو اس میں نہ جاؤ، اور اگر کسی علاقہ میں طاعون پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو، تو وہاں سے مت نکلو۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وباء کے زمانہ میں گھر کو لازم پکڑنا چاہئے، اور لوگوں سے میل جول نہیں رکھنا چاہئے۔ آج کی اصطلاح میں اس کو کورنٹائن کہتے ہیں۔ یہ کورنٹائن ہونے والے کیلئے بھی مفید ہے، اور دوسرے بھی اس کی وجہ سے وائرس سے محفوظ رہتے ہیں، اس کیلئے کہ بسا اوقات کوئی شخص وائرس سے متأثر ہوتا اور اس کو احساس نہیں ہوتا ہے، وہ لوگوں کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے، اس طرح اس کا وائرس کئی افراد تک متعدی ہو جاتا ہے اور وباء شدت سے پھیل جاتی ہے۔ چونکہ کورنٹائن، کرونا وائرس کو روکنے کا اہم ذریعہ ہے اور اس سے بہت سے لوگوں کی جانیں محفوظ ہو جاتی ہیں، اس کو اختیار کرنا چاہئے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: جس نے ایک جان کو بچایا، گویا اس نے پوری انسانیت کی حفاظت کی۔"من أحياها فكأنما أحيا الناس جميعا." (مائدہ:۳۲)

سوال:۳- کرونا وائرس کی روک تھام کے سلسلہ میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل کرنا اور دیگر احتیاطی تدابیر کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا ایسا کرنا توکل علی اللہ اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہے؟

کرونا وائرس کی روک تھام کے سلسلہ میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل کرنا اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے؛ تاکہ دوسرے لوگ وائرس کا شکار نہ ہوسکیں، اس لئے وائرس کے خوف سے متأثرہ علاقہ سے راہ فرار اختیار کرنا، درست نہیں ہے، یہ سنگین جرم ہے اور شریعت کی نظر میں میدانِ جنگ سے فرار اختیار کرنے کے مترادف ہے۔

جدید طبی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس وائرس کی ابتدائی علامتیں فوراً ظاہر نہیں ہوتیں، ایک متعینہ مدت کے بعد اپنا اثر دکھاتی ہیں، اس دوران انسان کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ کسی مرض کا شکار ہے، لیکن متعینہ مدت گزرنے کے بعد اس بیماری کی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''لا يورد ممرض على مصح ''(کوئی بیمار تندرست شخص کے پاس نہ جائے، یا کوئی بیمار اونٹ والا اپنے اونٹ کو لے کر اس شخص کے پاس نہ جائے جس کا اونٹ تندرست ہو)۔(فتح الباری ۱/ ۱۸۷)

غور کرنے کا مقام ہے کہ اس حدیث میں "لا يورد" کا لفظ آیا ہے، جس کا مطلب ہوتا ہے الگ تھلگ کرنا، آج کل کی اصطلاح میں اس کو کورنٹائن کہتے ہیں، یقیناً آپ کا فرمان نبوت کا معجزہ ہے، اور اس بات کا ثبوت بھی کہ آپ کی لائی ہوئی تعلیمات ہر دور میں انسانیت کے لئے مشعل راہ ہیں۔

فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: "لا ضرر ولا ضرار" اس سے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا ثبوت ملتا ہے، اس قاعدہ کی بنیاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان:"لا ضرر ولا ضرار" پر ہے۔(المستدرک، رقم:۲۳۴۵)

اس حدیث کا پیغام بالکل واضح ہے، کسی شخص کیلئے بالکل جائز نہیں کہ وہ دوسرے کو نقصان پہونچائے، مریض کو چاہئے کہ وہ علاج کے ساتھ ساتھ ان تدابیر کو اختیار کرے، جو وباء کو پھیلنے سے روکتی ہیں، مثلا؛ متأثرہ علاقہ سے باہر نہ جائے، لوگوں سے اختلاط نہ کرے، اس لئے کہ شرعا دوسروں کو تکلیف پہونچانا حرام ہے، اسی طرح جو مریض نہیں ہے، اس پر بھی لازم ہے کہ وہ مریض کے جذبات کو ٹھیس پہونچائے بغیر تمام تدابیر کو اختیار کرے، جو حکومت اور محکمہ صحت کی طرف سے جاری کی گئی ہیں۔

سوال:۴- بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کیا ہے؟

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مؤمن کو ہر حال میں اللہ کے فیصلہ پر راضی رہنا چاہئے،ایک مؤمن اگر احتساب کی نیت رکھتا ہے،تو ہر مصیبت پر اسے اجر ملتا ہے،اس کا عقیدہ ہے کہ اللہ جو بھی فیصلہ کرتا ہے،اس میں خیر ہوتا ہے،چنانچہ وہ ہر حال میں مطمئن رہتا ہے اور کبھی جزع فزع کا شکار نہیں ہوتا ہے،مریض کو چاہئے کہ وہ صبر کا دامن تھامے رہے،اور قضاء وقدر کے فیصلہ پر راضی رہے،اگر اس کا انتقال ہو گیا تو اللہ کی رحمت کے سایہ میں جگہ پائے گا۔ارشاد نبوی ہے:"الطاعون شهادة لكل مسلم." (بخاری،رقم:۵۷۳۲)

اس حدیث سے یقیناً دل کو تسلی ملتی ہے،اور نفس کا غم ہلکا ہوتا ہے؛لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ احتیاطی تدابیر نہ اپنائی جائے اور مرض سے بچنے کی کوشش نہ کی جائے۔جو مریض نہیں ہے،اس پر لازم ہے کہ دہشت زدہ ہوئے بغیر احتیاطی تدابیر اپنائے،ایسا کرنا ہرگز توکل کے منافی نہیں ہے۔حدیث شریف میں ہے:"لا عدى ولا طيرة، ولا هامة ولا صفر، وفر من المجذوم فرارك من الأسد." (فتح الباری،رقم:۵۷۰۷،۱۵۸/۱۰)

اس حدیث میں حضور نے دونوں باتوں کو جمع کر دیا ہے،یعنی اگر کوئی تندرست شخص بیمار کے پاس جانے کی وجہ سے وائرس کا شکار ہو جائے،تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اختلاط کی وجہ سے ایسا ہوا؛بلکہ اللہ کی مشیت سے ہوا۔یہ ایمان کا تقاضا ہے اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ احتیاط کو نظر انداز کر دیا جائے؛بلکہ احتیاط کرنا بھی اسلام کا تقاضہ ہے اور منشأ نبوت کی تکمیل ہے،جیسا کہ حضور نے اسی حدیث میں فرمایا:"فر من المجذوم فرارك من الأسد" اس روایت میں اسباب اختیار کرنے پر بھی زور دیا گیا اور ایمان کے تقاضوں کی بھی نشاندہی کی گئی۔یہ اعتدال اور توازن کی بہترین مثال ہے،جو اسلام کا امتیاز ہے نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبی کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ظاہری سبب کے طور پر پھیلنے والی بیماری کی جگہ یا شخص سے سداًللذریعۃ بچنا جائز ہے؛تاہم یہ عقیدہ نہ ہو کہ اس جگہ جانے سے،یا ایسے اشخاص کے قریب ہونے سے بیماری کا لگنا یقینی ہے۔

محور دوم: کرونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف

سوال:۱- کیا کرونا کے زمانہ میں مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنے یا انفرادی نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

نماز مسجد میں با جماعت ادا کرنا افضل ترین عبادت ہے،شریعت کی منشأ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو،مسجد میں جماعت کی پابندی کی جائے،اگر چہ اس راہ میں مشقت اٹھانی پڑے،یقیناً یہ مشقت آخرت میں باعث اجر وثواب ہے،لیکن اگر کوئی شخص بیمار ہے،تو اس کے لیے شریعت نے رخصت دی ہے کہ وہ گھر میں نماز ادا کر سکتا ہے۔آج کل کرونا وائرس کے دور میں مسجد میں جانے پر پابندی ہوتی ہے،اس لیے گھر میں نماز ادا کرنے کی گنجائش ہوگی۔حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ عذر کی بنا پر مسجد میں عدم حاضری کی رخصت ہے۔

"عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من سمع المنادى فلم يمنعه من اتباعه عذر،قالوا: وما العذر،قال: خوف أو مرض،لم تقبل منه الصلاة التى صلى." (ابوداؤد،باب التشدید فی ترک الجماعۃ،رقم:۵۵۱).

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

"إن الجماعة تسقط بالعذر، فمن الأعذار المرض، وكونه مقطوع اليدين والرجل من خلاف، أو مفلوجا، أو مستخفياً من الصلاة ، أو لا يستطيع المشى كالشيخ العاجز وغيره." (فتح القدیر،باب الإمامۃ ۱/۳۵۳)

اس لیے کرونا کی وجہ سے مسجد کے بجائے گھر میں نماز پڑھنے کی گنجائش ہوگی؛لیکن گھر میں تنہا پڑھنے کے بجائے جماعت سے نماز پڑھنے کی

کوشش کی جائے اور جماعت میں گھر والوں کو شامل کرلیا جائے؛ تاکہ وہ ان کو بھی جماعت کا ثواب حاصل ہو جائے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے:

”صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة.“ (مسند أحمد بن حنبل، باب الأذان، رقم:۵۳۳۲)

ایک روایت میں پچیس کا ذکر ہے: عن أبی سعيد الخدری أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ”صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بخمس وعشرين درجة.“ (مسند أحمد: رقم:۱۱۵۲۱)

جس مسجد میں امام مؤذن متعین ہوں اور جماعت کے اوقات بھی متعین ہوں اور وہاں باضابطہ پانچوں نماز ادا کرنے کے بعد دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے۔علامہ شامی لکھتے ہیں:

”ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة فى مسجد محلة، لا فى مسجد طريق أو مسجد لا إمام له ولا مؤذن، المراد بمسجد المحلة، ما له إمام وجماعة معلومون، كما فى الدرر وغيرها، قال فى المنبع: أو لتقييد بالمسجد المختص بالمحلة، احتراز من الشارع، وبالأذان الثانى، احتراز عما إذا صلى فى مسجد المحلة جماعة بغير أذان، حيث يباح إجماعا.“ (ردالمحتار ۱/۲۵۲)

سوال:۲-کیا کرونا کے زمانہ میں ایک مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ پنچوقتہ نمازیں پڑھنے اور متعدد بار نماز جمعہ ادا کرنے کا حکم کیا ہے؟

کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں احناف کے نزدیک ایک مسجد میں دوسری جماعت مکروہ ہے،اس کی علت یہ بیان کی گئی کہ اس سے پہلی جماعت کی اہمیت کم ہوگی اور کم لوگ اس میں شامل ہوں گے،لیکن یہاں یہ علت نہیں ہے،اس لیے امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر دوسری جماعت ہیئت اولٰی پر نہ ہوتو،اس کی گنجائش ہوگی۔موجودہ حالات میں کرونا کے پیش نظران کی رائے پر عمل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

عن أبی يوسف أنه اذا لم تكن الجماعةعلى الهيئة الأولى لا تكره ،والا تكره.(ردالمحتار ۱/ ۳۹۵)

ہیئت کی تبدیلی کے لیے یہ کافی ہے کہ امام نے جس جگہ امامت کی تھی،دوسری جماعت کا امام اس جگہ سے ہٹ کر کھڑا ہو۔

وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة ،كذا فى البزازية.(ردالمحتار ۱/ ۳۹۵)

واضح رہے کہ جماعت ثانیہ کی کراہت کی علت،تقلیل جماعت ہے،یعنی پہلی جماعت کی بہ نسبت افراد کا کم ہونا ہے،اس لیے دوسری جماعت سے منع کیا گیا،لیکن یہاں پر مجمع کم کرنا ہی مقصود ہے،لہٰذا یہاں پر جماعت ثانیہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

سوال:۳-وبا کے زمانہ میں گھروں میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟اگر جائز ہے تو اسکی کیا شرطیں ہیں؟

اگر مسجد کئی منزلہ ہو اور عام دنوں میں نماز کے لیے تمام منزلیں استعمال نہ ہوتی ہوں،تو نمازیوں کے درمیان مناسب فاصلہ رکھنے کے لیے ان منزلوں کو بھی استعمال میں لانا چاہئے۔اگر مسجد تنگ ہو اور نماز جمعہ کے لیے محلّہ کا کوئی فنکشن ہال حاصل کیا جا سکتا ہے،تو مسجد کے علاوہ وہاں بھی جماعت کر سکتے ہیں۔اگر مسجد کے تنگ ہونے اور دوسری جگہ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے نمازیوں کے درمیان فاصلہ رکھنے میں دشواری ہو تو امام ابو یوسف کے قول پر عمل کرتے ہوئے مسجد میں جمعہ کی جماعت ایک سے زیادہ جماعت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ پہلی جماعت کا امام جس جگہ کھڑا ہو، دوسری جماعت کا امام اس سے صرف ایک صف پیچھے کھڑا ہو۔

سوال:۴-ظہر پڑھنے کی صورت میں باجماعت پڑھیں یا تنہا؟

جمعہ کے دن ظہر کی نماز پڑھنے کی صورت میں عام طور سے فقہاء نے لکھا ہے کہ اس دن جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے،اس لیے انفرادی

طور پر نماز پڑھی جائے ،اس کے تین اسباب بیان کیے ہیں:

(۱) جامع مسجد سے معارضہ (۲) تقلیل جماعت (۳) بعض غیر معذورین کا جماعت میں شامل ہونا۔علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

وكره تحريما (لمعذور ومسجون) ومسافر أداء ظهر بجماعة فى مصر قبل الجمعةوبعدها،لتقليل الجماعة وصورة المعارضة .... وفى المعراج عن المجتبى : من لا تجب الجماعة لبعد الموضع ،صلوا الظهر بجماعة ،قوله لتقليل الجماعة ،لأن المعذور قد يقتدى به غيره فيؤدى إلى تركها.(ردالمحتار۱/ ۱۵۷)

مذکورہ بالا تینوں وجوہات کی بنا پر ظہر کی نماز کو مکروہ کہا گیا ہے، جب کہ یہ وجوہات موجودہ حالات میں مفقود ہیں؛ لہٰذا ان حالات میں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا،انفرادی نماز سے بہتر ہے۔

سوال:۵- کیا وبا کے زمانہ میں عیدین کی نماز گھروں میں پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

عید کی نماز مسلمانوں کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔یہ شعائر اسلام میں ہے۔علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

لأنها من شعائر الإسلام، فلو كانت سنة فربما اجتمع الناس على تركها،فيفوت ما هو من شعائر الإسلام، فكانت واجبة صيانة لما هو من شعائر الإسلام عن الفوت .(بدائع الصنائع۱/ ۲۷۵)

عید کی نماز کا مقصد مسلمانوں کی شان وشوکت اور قوت کا اظہار ہے،اس لیے عیدگاہ میں پڑھنا مسنون ہے،تاکہ مسلمان زیادہ سے زیادہ جماعت میں شریک ہوسکیں۔

عن أبى سعيد الخدريؓ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى،فأول شيئ يبدأ به الصلاة ، ثم ينصرف.(فتح الباری۲/ ۴۵۰،رقم:۹۵۶)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

الخروج إلى الجبانة فى صلاة العيد سنة، وإن كان يسعهم المسجد الجامع ، على هذا عامة المشايخ ، وهو الصحيح ، هكذا فى المضمرات.(فتاوی ہندیہ۱/ ۱۵۰)

موجودہ حالات میں جہاں جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہوں، وہاں عید کی نماز ادا کرنا واجب ہے۔واضح ہو کہ جمعہ اور عید کی شرائط میں فرق یہ ہے کہ جمعہ درست ہونے کے لیے خطبہ شرط ہے، جب کہ عید کے لیے خطبہ شرط نہیں، بلکہ سنت ہے۔

تجب صلاتها فى الأصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة ، سوى الخطبة ، فإنها سنة بعدها.(ردالمحتار۲/ ۱۶۶)

جمعہ اور عید کی نمازوں کے لیے جماعت شرط ہے،البتہ جماعت کی تعداد میں فرق ہے۔جمعہ کی نماز درست ہونے کے لیے امام کے علاوہ تین بالغ مردوں کا ہونا ضروری ہے اور عید کی نماز کے لیے امام کے علاوہ ایک مرد کا ہونا کافی ہے۔

اگر کسی جگہ وبائی مرض کی وجہ سے عیدگاہ یا مسجد میں عید کی نماز پڑھنا ہو،تو کم از کم دو، دو افراد یا پانچ افراد مل کر گھر کے اندر صحن یا پارکنگ میں جمع ہو کر عید کی نماز ادا کر سکتے ہیں،شرعاً اس کی گنجائش ہے۔

سوال:۶ - ماسک لگا کر نماز پڑھنے اور صفوں میں فاصلہ رکھنے کا حکم کیا ہے؟

اسلامی شریعت ایک جامع اور ہمہ گیر شریعت ہے،اس کے اندر ہر عہد اور ہر حال میں رہنمائی کی صلاحیت موجود ہے،مثلاً؛ نماز میں قیام ضروری ہے،لیکن اگر کوئی بیمار قیام نہیں کر سکتا تو اس کے لیے رخصت ہے۔وضوء کرنا نماز کے لیے شرط ہے،لیکن اگر پانی نہ ہو تو تیمّم کی اجازت

ہے،اسی طرح تمام احکام میں مجبوری کے تحت رعایت اور سہولت دی گئی ہے۔

حالت نماز میں چہرہ ڈھانکنا ممنوع ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو حالت نماز میں چہرہ ڈھکنے سے منع کیا ہے۔نهى أن يغطي الرجل فاه.(ابوداود،رقم:۶۳۴)

اس حدیث کی تشریح میں ملاعلی قاری کہتے ہیں کہ بلاضرورت چہرہ ڈھکنے کی ممانعت ہے،اگر کوئی ضرورت پیش آجائے تو ہاتھ سے چہرہ ڈھکا جاسکتا ہے،جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:إذا تثاء ب أحدكم فليمسك يده على فيه.(مرقاۃ المفاتیح ۲۶۱/۳)

یعنی جب کسی کو جمائی آئے تو وہ ہاتھ سے روکے۔

کرونا وائرس کے دور میں ماسک لگانا،چوں کہ ضرورت میں شامل ہے،اس لیے اسکی گنجائش ہوگی۔ماسک نہ لگانے کی صورت میں بیماری اور ہلاکت کا اندیشہ ہے اور شرعاً بیماری سے بچنا اور بچنے کی تدبیر کرنا ضروری ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة . (بقرہ:۱۹۵)دوسری جگہ ارشاد ہے:ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيما. (سورہ نساء:۲۹)

کرونا کے زمانہ میں ماسک استعمال نہ کرنا،خود کو ہلاکت میں ڈالنے کا سبب ہوسکتا ہے،اس لیے نماز میں چہرہ پر ماسک لگانے کی اجازت ہوگی۔خاص کر جب صحت اور جان کو ضرر شدید پہونچنے کا امکان ہو،ایسے میں ماسک کا استعمال اور بھی ضروری ہوگا۔

جہاں تک نماز میں فاصلہ رکھنے کا سوال ہے،تو معلوم ہونا چاہئے کہ نماز میں صف بندی کی بڑی تاکید آئی ہے۔صفوں کے اتصال کو فرشتوں کا طریقہ اور اس کی خلاف ورزی کو آپسی اختلافات اور رنجش کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے:

أقيمت الصلاة، فأقبل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم بوجهه، فقال :أقيموا صفوفكم وتراصوا، فإني أراكم من وراء ظهري .(بخاری،باب إقبا ل الإمام على الناس عند تسوية الصفوف،رقم:۷۱۹)

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ صفوں کو درست کرنا واجب ہے۔وہ لکھتے ہیں:

مما يستفاد منه جواز الكلام بين الإقامة وبين الصلاة ، ووجوب تسوية الصفوف ، وفيه معجزة الرسول صلى الله عليه وسلم.(عمدۃ القاری ۳۵۵/۴)

تاہم کرونا کے دور میں چوں کہ صفوں کے اتصال سے بیماری کے پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے،اس لیے دفع ضرر کے پیش نظر صفوں میں اتصال کی گنجائش ہوگی۔فقہ کا مشہور کا قاعدہ ہے:

الضرر يزال.

دوسرا قاعدہ ہے:الضرورات تبيح المحظوارات۔

سوال:۷-کرونا سے متأثر افراد کا مسجد آنا اور جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے؟

شریعت میں نماز باجماعت کی بڑی تاکید ہے۔جماعت کی نماز کا ثواب انفرادی نماز کے مقابلہ ستر گنا زیادہ ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جماعت ترک کرنے کو منافق کی علامت قرار دیا ہے۔

عن عبد الله بن مسعود قال : لقد رأيتنا وما يتخلف عن الصلاة إلا منافق قد علم نفاقه، أو مريض، إن كان المريض يمشي بين رجلين، حتى يأتي الصلاة.(مسلم،باب صلاۃ الجماعۃ من سنن الہدی،رقم:۱۰۹۲)

لیکن اگر کوئی شخص ایسی حالت میں ہے، جس سے انسانوں یا فرشتوں کو اذیت ہو، مثلاً؛ بد بودار چیز کھائی ہو، تو اس حالت میں مسجد نہیں جانا چاہئے، بلکہ منھ سے بد بو دور کر کے مسجد جانا چاہئے۔ فقہاء نے ایسے مریض کو بھی اس میں شمار کیا ہے، جس سے لوگوں کو طبعی کراہت ہو، جذامی ایسے شخص کے لیے مسجد میں جماعت سے نماز ادا کرنا ممنوع ہے، تا کہ دوسروں کو اذیت نہ ہو۔

حدیث شریف میں لہسن کے بارے میں آیا ہے: من أكل من هذه الشجرة، يريد الثوم فلا يغشانا في مساجدنا.
(عمدۃ القاری ۶/ ۱۴۵، رقم: ۸۵۴)

سوال: ۸- کرونا سے متاثر افراد کے لیے روزہ کا کیا حکم ہے؟

روزہ اسلام کا بنیادی رکن ہے۔ اس کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہا کہ جو شخص بحالت ایمان ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے، اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

من صام رمضان إيمانا واحتسابا، غفر له ما تقدم من ذنبه. (مسلم، کتاب الصوم، رقم: ۱۳۸)

اگر کوئی شخص بغیر عذر کے رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دے تو عمر بھر رکھنے کے باوجود اس کی تلافی نہیں ہوگی۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم: من أفطر يوما من رمضان من غير رخصة ولا مرض، لم يقض عنه صوم الدهر كله، وإن صامه. (سنن نسائی، کتاب الصوم، رقم: ۳۲۷۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عذر شرعی کے بغیر روزہ چھوڑنا سخت گناہ کا باعث ہے اور حرام ہے۔ لیکن شریعت نے حقیقی اعذار کو ملحوظ رکھتے ہوئے روزہ نہ رکھنے کی رخصت بھی دی ہے، ان میں ایک عذر مرض ہے۔ ارشاد ربانی ہے: "فمن كان منكم مريضا أو على سفر، فعدة من أيام أخر." (البقرہ: ۱۸۴)

یعنی جو شخص بیمار ہو، یا مسافر ہو تو دوسرے دنوں میں قضاء کر لے۔ اگر کوئی کرونا کا مریض ہو اور روزہ کی سکت نہ ہو، یا روزہ کی وجہ سے مرض بڑھ جانے کا غالب گمان ہو، تو اس کے لیے روزہ چھوڑنے کی گنجائش ہے۔ علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

لہٰذا اگر کوئی شخص کرونا سے متاثر ہے، تو اس کے لیے روزہ رکھنا ضروری نہیں ہے، بلکہ وہ صحت یاب ہونے کے بعد قضاء کرے گا۔ اگر قضاء کے لائق نہ ہو تو فدیہ دے گا۔

سوال ۹- کیا کرونا کی وجہ سے عام مسلمانوں کو حج و عمرہ سے روکا جا سکتا ہے؟

حج مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع ہے، پوری دنیا سے مسلمان اس موقع پر مکہ مکرمہ میں جمع ہوتے ہیں اور ایک ساتھ مناسک حج ادا کرتے ہیں۔ حج کے دوران شدید ازدحام ہوتا ہے، زبردست اختلاط ہوتا ہے، ایک دوسرے کے جسم سے مس ہونا عام بات ہے۔ طواف، سعی، وقوف مزدلفہ اور رمی جمرات کی ادائیگی میں بہت میل جول ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سواری، رہائش اور استعمال کی چیزیں مشترک ہوتی ہیں۔ ایسے میں سوشل ڈسٹنسگ کا لحاظ مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زائد موقع پر نقصان پہونچانے یا خود نقصان اٹھانے سے منع کیا ہے۔ حدیث نبوی ہے:

من ضار أضر الله به، ومن شاق شاق الله عليه. (جامع الأصول فی أحادیث الرسول/ ۶۴۰۶ رقم: ۴۹۳۰)

ضرر کبھی عمداً ہوتا ہے اور کبھی بغیر عمداً۔ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے:

لا ضرر ولا ضرار في الإسلام. اسی طرح ایک قاعدہ ہے: درء المفاسد مقدم على جلب المنافع.

یعنی اگر مصالح میں فساد کی آمیزش ہو جائے تو اس فساد کی وجہ سے منافع کو ترک کر دیا جائے گا۔

حج کے فوائد اور منافع اپنی جگہ مسلم ہیں؛ لیکن کرونا کی وجہ سے ان میں نقصانات اور خطرات پیدا ہو گئے، ایسے میں حج کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ اس لیے سداً للذریعۃ حج وعمرہ سے روکنا درست ہوگا کہ حج کا فائدہ حاجی کو حاصل ہوتا ہے، جب کہ اختلاط کی وجہ سے جو نقصان ہوگا، اس سے پورا انسانی سماج متاثر ہوگا اور امن و مان درہم برہم ہو جائے گا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے ایک اثر سے اس مسئلہ پر بھر پور روشنی پڑتی ہے:

عن ابن أبی ملیکة أن عمر بن الخطاب رضی الله عنه رأی امرأة مجذومیة تطوف بالبیت،فقال لها: یا أمة الله لا تؤذی الناس ، لو جلست فی بیتك فجلست، فمر بها رجل بعد ذلك، فقال لها: إن الذی کان قد نهاك قد مات، فأخرجی، فقالت: ما کنت لأطیعه حیًّا و أعصیه میّتاً.(موطا مالک، کتاب العدوی والطیرۃ، رقم:۹۶۱) کرونا کے زمانہ میں مساجد سے متعلق مسائل۔

سوال:۱- کرونا کے زمانہ میں مساجد کو بند کرنا کیسا ہے؟

جس محلّہ میں کرونا وائرس کی وبا عام ہو جائے تو اس محلّہ کے لوگوں کے لیے مسجد میں نماز نہ پڑھنے کی رخصت ہوگی، تاہم محلّہ کے کچھ لوگوں کو مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز اہتمام کرنا چاہئے ؛ کیوں کہ مسجد کو آباد رکھنا فرض کفایہ ہے، جس کو مکمل ترک کر دینے کی صورت میں سب گناہگار ہوں گے۔ بغیر عذر شرعی کے مسجد کو بند کرنے کی سخت وعید آئی ہے۔ قرآن کریم میں اس کو ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے:

ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن یذکر فیها اسمه و سعی فی خرابها،أولئك ما کان لهم أن یدخلوها إلا خائفین،لهم فی الدنیا خزی ولهم فی الآخرة عذاب عظیم. (البقرۃ:۱۱۴)

اس آیت کے ضمن میں علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں:

والمراد بالسعی هو السعی فی هدمها ورفع بنیانها، ویجوز أن یراد بالخراب، تعطیلها عن الطاعات التی وضعت لها، فیکون أعم من قوله: أن یذکر فیها فیشمل جمیع مایمنع من الأمور التی بنیت لها المساجد،کتعلم العلم وتعلیمه، والقعود للاعتکاف وانتظار الصلاة ، ویجوز أن یراد ما هو أعم من الأمرین من باب عموم المجاز.(فتح القدیر للشوکانی ۱/۱۵۳)

اگر حکومت کی جانب سے باجماعت نمازوں پر پابندی لگا دی جائے ، یہ کوشش کریں کہ انتظامیہ کو اسلام سے آگاہ کریں، اور کوشش کریں کہ پابندی ہٹ جائے ؛لیکن اگر تمام کوششوں کے باوجود بھی یہ پابندی ختم نہ ہو گھر ہی پر باجماعت نماز کا اہتمام کریں۔ اسی طرح جمعہ کی نماز بھی گھر پر جماعت کے ساتھ ادا کریں۔ جمعہ کے لیے مسجد کا ہونا شرط نہیں، امام کے علاوہ تین بالغ مقتدی ہوں تو جمعہ درست ہے۔ فتاوی ہندیہ میں شرائط جمعہ کے بارے میں لکھا ہے:

ومنها الجماعة،وأقلها ثلاثة سوی الإمام. (الفتاوی الهندیة ۱۴۸/۱)

محور سوم: کرونا کے زمانہ میں مساجد سے متعلق مسائل

سوال:۱- کیا جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان دی جائے گی؟

اگر مسجد میں جماعت پر پابندی لگا دی جائے تو اذان موقوف نہیں کی جائے گی؛ اس لیے کہ اذان اسلام کا شعار ہے۔ اللہ کے عذاب سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔ شیطان کے اثرات کو دفع کرنے والی ہے۔ دین کی سب سے اہم عبادت نماز کی دعوت کا ذریعہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

فضائل الأذان ترجع إلى أنه من شعائر الله، وبه تصير الدار دار الإسلام، ولهذا كان النبی صلى الله عليه وسلم إذا سمع الأذن أمسك، وإلا أغار، وأنه شعبة من شعب النبوة؛ لأنه حث على أعظم الأركان وأم القربات، ولا يرضى الله ولا يغضب الشيطان مثل ما يكون فی الخير المتعدی وإعلاء كلمة الحق.(حجۃ اللہ البالغۃ۲/۱۷)

اذان کا مقصد صرف یہ اعلان نہیں ہوتا کہ مسجد میں جماعت قائم ہوگی؛ بلکہ اس کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ نماز کے اوقات کا اعلان کر دیا جائے، تاکہ جو لوگ مسجد نہیں آسکتے، وہ گھروں میں وقت کے ساتھ نماز ادا کرلیں۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تیز بارش اور سردی کی رات میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اذان دی اور اس کے بعد یہ اعلان کیا کہ آپ لوگ اپنے اپنے کجاوہ میں نماز ادا کرلیں؛ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سردی اور بارش کی رات میں مؤذن کو حکم دیتے کہ وہ اعلان کردے کہ آپ لوگ کجاوہ میں نماز پڑھ لیں۔

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر مسجد میں نماز باجماعت کسی مجبوری کی وجہ سے قائم نہ ہوسکے، تب بھی اذان دی جائے گی؛ تاکہ جو لوگ مسجد نہیں آسکتے ہیں، وہ اپنے اپنے گھروں میں نماز کا اہتمام کریں۔

سوال:۲- جماعت میں کتنے افراد شریک ہوں، اس بارے میں گورنمنٹ کی ہدایات کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

کرونا ایک متعدی بیماری ہے، اس سے انسانی زندگی کو بہت نقصان پہونچتا ہے۔ اسلام کا حکم یہ ہے کہ انسانی جانوں کو ہلاکت اور ضرر سے بچایا جائے، متعدد نصوص میں اس کی ہدایت دی گئی ہے۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه أن النبی صلى الله عليه وسلم قال: لا يوردن ممرض على مصح.(بخاری، کتاب الطب، رقم:۶۷)

عن أبی هريرة قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يقول: فرمن المجذوم ، فرارك من الأسد.(مسند أحمد، رقم:۹۷۲۰)

کرونا وائرس کی تباہ کاریوں سے ہر شخص واقف ہے، اس نے لاکھوں انسانوں کی زندگی کو خطرہ میں ڈال دیا ہے، ایسے سنگین حالات میں شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے بچاؤ کے لیے تدابیر اختیار کی جائیں، اور اس سے تحفظ کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔

ڈاکٹروں کے مطابق سوشل ڈسٹنسگ اور کم سے کم اختلاط ہی اس کا حل ہے۔ اسی لیے حکومت اور انتظامیہ کی طرف سے مساجد اور عوامی مقامات پر محدود افراد کے داخلہ کی اجازت دی جاتی ہے۔ یہ پابندی اگرچہ حکومت کی طرف سے ہوتی ہے، تاہم وبائی دور میں اسلامی شریعت کے مزاج کی عکاسی کرتی ہے، شریعت کی نگاہ میں کوئی ایسا عمل جس کے سبب دوسروں کی زندگی میں خطرہ میں پڑ جائے، حرام ہے۔ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: لاضرر ولا ضرار۔ حدیث شریف میں اس سلسلہ میں صراحت موجود ہے۔

فقہ کے اس قاعدہ سے وباء کے دور میں احتیاطی تدابیر کے سلسلہ میں بڑی رہنمائی ملتی ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے جاری کردہ گائڈ لائن کی پابندی کی جائے؛ تاکہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو نقصان سے بچایا جائے؛ لہٰذا اس سلسلہ میں حکومت کی طرف سے دی گئی ہدایات پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ ان کو نظر انداز کرنا اپنے آپ کو اور انسانی سماج کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہوگا۔

سوال:۳- مساجد کے کسی حصہ یا اس سے ملحق جگہ کو کوڈ سینٹر بنانا کیسا ہے؟

مسجد اللہ کا گھر ہے، عبادت کا مرکز ہے، معرفت وآگہی کا سرچشمہ ہے۔ مسجد کا اصلاً ذکر الٰہی ہے، اگر کسی کے عمل سے اس مقصد میں کاوٹ پیدا ہو تو وہ عمل درست نہیں ہے۔ جب مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے اور حرم میں داخل ہونے سے روکا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو "سعی فی

خـــرابھـا“ سے تعبیر کیا، حالانکہ انہوں نے نہ تالا لگا دیا تھا اور نہ ہی مسجد کو منہدم کیا؛ لیکن مسلمانوں کو عمرہ سے روکنے کی وجہ سے مسجد کو ویران کرنے کی فرد جرم ان پر عائد کی گئی۔

مسجد کو کوڈ سنٹر بنانا، ذکر الٰہی سے روکنے کے مترادف ہوگا؛ کیوں کہ ایسی صورت میں لوگ مسجد آنے سے کترائیں گے، بلکہ خود انتظامیہ کی طرف سے روک لگادی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر ، وأقام الصلاة و آتى الزكاة ولم يخش إلا الله.“ .(توبہ:۱۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دو لوگوں نے مسجد نبوی میں بلند آواز سے گفتگو کی، حضرت عمرؓ نے تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ ”ترفعان أصواتكما في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم؟“ (بخاری، كتاب الصلاة: ٤٧٠) تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں آوازیں بلند کر رہے ہو؟

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ مسجد میں آواز بلند کرنے کا عدم جواز صرف مسجد نبوی کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہر مسجد کا یہی حکم ہے۔ (خطبات حکیم الامت، جلد چار، آداب المساجد)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں اس کے اصلی مقصد کے سوا کوئی دوسرا کام کرنا، مسجد کو ویران کرنے کے مترادف ہے۔ مسجد میں کووڈ سنٹر بنانے کی صورت میں اس کے آداب کی رعایت ناممکن ہے۔ شریعت کی ہدایت ہے کہ مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان نہیں کیا جاسکتا، معتکف کے علاوہ کسی کو مسجد میں خرید وفروخت کی اجازت نہیں ہے۔ معتکف کو اس صورت میں اجازت ہے کہ جب کہ وہ سامان تجارت نہ لائے۔

مسجد سے متعلق مذکورہ تمام آداب وہدایات کے پیش نظر مسجد کو کووڈ سنٹر بنانا درست نہیں ہے۔ البتہ مسجد سے ملحق کوئی ایسی جگہ ہو، جو مسجد شرعی کے دائرہ سے باہر ہو، تو اس کو اس شرط کے ساتھ کووڈ سنٹر بنانے کی گنجائش ہوگی کہ اس سے نمازیوں کو کوئی خلل نہ ہو، اور ان کی صحت پر اس کے مضر اثرات مرتب نہ ہونے کا امکان ہو۔

محور چہارم: کرونا سے متأثر مریض کی تیمارداری

سوال:۱- کرونا سے متأثر مریض کو الگ تھلگ کر دینا اور اس کی تیمارداری نہ کرنا کیسا ہے؟

اگر کوئی مسلمان بیمار ہو جائے، تو ان کے اعزہ واقارب اور دیگر مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اس کا خیال رکھیں، اور تیمارداری کریں، یہ ان کا حق اور فریضہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں:

سلام کا جواب دینا۔ مریض کی عیادت کرنا۔ جنازے میں شرکت کرنا۔ دعوت قبول کرنا۔ چھینک کا جواب دینا۔

”حق المسلم خمس، رد السلام، وعيادة المريض، واتباع الجنائز، وإجابة الدعوة، وتشميت العاطس.“

(بخاری، کتاب الجنائز، رقم:۱۲۴۰)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی تیمارداری کرتا ہے، تو واپسی تک جنت کے پھل توڑنے میں لگا رہتا ہے۔ (صحیح مسلم، باب فضل عیادۃ المریض:۶۷۱۷)

بیماروں کی عیادت میں دوست، دشمن کی تخصیص نہیں کرنی چاہئے۔ حدیث میں آتا ہے: ”الخلق عيال الله“، یعنی ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ مریض کا تعلق کسی بھی عقیدہ اور مذہب سے ہو، اس کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی رکھنا مؤمن کا فرض ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلا مذہب وملت، بیماروں کی عیادت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے بیمار کی عیادت کرنا، ہمارا اخلاقی فرض ہے۔

سماج میں محبت کی فضا قائم کرنے اور آپسی اتحاد وہم آہنگی کی بقا کے لیے تیمارداری بہت ضروری ہے، اس میں کوتاہی اور سستی بہت ہی غیر مناسب طرز عمل ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی مسلمان بھائی کی عیادت کے لیے صبح کو جاتا ہے، تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس کے حق میں رحمت کی دعاء کرتے ہیں اور جنت میں اس کے لیے ایک باغ ہوگا۔
(ترمذی، باب عیادۃ المریض، رقم:۹۶۹)

غور کرنے کا مقام ہے کہ جب مریض کی عیادت کی اس قدر فضیلت ہے اور اس پر اتنا ثواب ہے تو اس کی تیمارداری پر کتنا انعام ہوگا!

سوال:۲- کرونا سے متأثر مریض کے علاج کا خرچ اگر افراد خاندان برداشت نہ کرسکیں تو حکومت یا سماج کی کیا ذمہ داری ہوگی؟

کرونا ایک جان لیوا بیماری ہے، جو شخص اس سے دوچار ہوتا ہے، سخت اذیت سے گذرتا ہے اور نہایت پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی کسی تکلیف کو دور کرتا ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف کو دور کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندہ کی مدد کرتا ہے، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔ (سنن کبری، رقم:۷۲۸۹)

اگر کوئی شخص کرونا سے متاثر ہے، تو اس کی تیمارداری کرنا، اس کے اعزہ واقارب اور عام مسلمانوں کا اخلاقی فریضہ ہے، ایسے مریض کو الگ تھلگ کردینا اور اس کی تیمارداری نہ کرنا، نہایت بے غیرتی اور غیر اخلاقی طرز عمل ہے۔ یہ آخری درجہ کی خودغرضی اور طبعی بخل کی علامت ہے، اگر کسی سماج میں اس طرح کا مزاج پیدا ہوجائے تو وہ سماج اخلاقی انارکی کا شکار ہوجائے گا، اور انسانیت کا وجود عنقا ہوجائے گا۔ اس لیے کرونا کے مریض کو الگ تھلگ کردینا اور اس کی تیمارداری نہ کرنا، بہت ہی ناپسندیدہ عمل ہے، یہ غیر شرعی طریقہ ہے اور انسانیت کے خلاف ہے، جس کی انسانی سماج میں گنجائش نہیں ہے۔

اسلام دین رحمت ہے، وہ ہمدردی اور غم گساری کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ اس بات کا حکم دیتا ہے کہ محتاجوں کی خبرگیری کی جائے اور پریشان حال لوگوں کا تعاون کیا جائے۔ وہ ایک ایسے سماج کی تشکیل پر زور دیتا ہے، جس کے اندر ہمدردی وخیرخواہی کا جذبہ ہو، جہاں لوگ ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں ہاتھ بٹاتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”لا خير في كثير من نجواهم، إلا من أمر بصدقة أو معروف أو إصلاح بين الناس.“ (سورۃ النساء:۱۱۴)

دوسری جگہ فرماتا ہے:

”تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان.“ (مائدہ:۲)

ان نصوص کا تقاضا یہ ہے کہ سماج کے مجبور اور پریشان حال لوگوں کو مدد پہونچائی جائے، یہ بہت بڑا کار خیر ہے۔

اگر کوئی کرونا سے متاثر ہے اور اس کے افراد خاندان علاج کا خرچ برداشت کرنے سے عاجز ہوں، تو سماج کے افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے علاج اور تیمارداری کی ہر ممکن کوشش کریں، اور اس سلسلہ میں وہ جو بھی کرسکتے ہوں، اس میں دریغ نہ کریں۔ یہ اسلامی اخوت کا تقاضا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:”المسلم أخو المسلم، لا يظلمه ولا يخذله، ولا يكذبه ولا يحقره.“ (مسلم، رقم:۲۵۶۴)

یعنی مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی پر ظلم کرے اور اسے بے سہارا چھوڑ دے۔

معلوم ہوا کہ مسلمان کو بے سہارا چھوڑنا جائز نہیں، بالخصوص جب کہ وہ موذی مرض میں مبتلا ہو، اس کی تیمارداری نہ کرنا، اس کے ساتھ بہت بڑا ظلم اور ناانصافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:”إنما المؤمنون إخوة.“ (سورہ حجرات:۸)

یعنی سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں، اور بھائی کا فرض ہے کہ وہ دوسرے بھائی کی مدد کرے۔

حدیث شریف میں آیا ہے:

"المؤمن للمؤمن كالبنيان ،يشد بعضه بعضا،وشبك بين أصابعه."

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سارے مسلمان ایک عمارت کی طرح ہیں، جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کو طاقت اور سہارا دیتی ہے۔اس مثال کا مطلب بالکل واضح ہے کہ کوئی شخص اگر پریشان ہے، یا بیمار ہے تو اس کا علاج معالجہ کرانا، پورے سماج کی ذمہ داری ہے۔ یہ اسلامی اخوت اور ہمدردی کا تقاضا ہے۔ جو شخص اس ذمہ داری کو محسوس نہ کرے اور مجبوروں کے ساتھ ہمدردی نہ کرے، وہ ایک صالح معاشرہ کا فرد کہلانے کے لائق نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

"مثل المؤمنين في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم ،مثل الجسد، إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى." (متفق علیہ)

یعنی ایک مسلمان کو اگر تکلیف پہونچتی ہے تو تمام مسلمانوں کو اس کا درد محسوس ہونا چاہئے ،اگر وہ اس درد کو محسوس نہیں کرتے ہیں، تو یقیناً یہ ایمان کی کمزوری اور دینی جذبہ کے کمی کی دلیل ہے۔

محور پنجم: کرونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

سوال:۱-کرونا سے انتقال کرنے والوں کو کس طرح غسل دیا جائے؟ اگر غسل دینے کی اجازت نہ ہو یا غسل ممکن نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ کیا بلا غسل دفن کرنا جائز ہوگا؟

اگر کوئی شخص کرونا سے انتقال کر جائے، تو اس کو غسل دینے کے تین طریقے ہیں:

(۱) اگر احتیاطی تدابیر کے ساتھ کوئی غسل کرا سکتا ہو، تو غسل کرادے، یہ سب سے بہتر ہے۔ حاشیۃ الطحاوی میں ہے:

"وغسله فرض كفاية بالإجماع كالصلاة عليه، وتجهيزه ودفنه، حتى لو اجتمع أهل بلدة على ترك ذلك، قالوا، والواجب هو الغسل مرة واحدة، ثم ينشفه بثوب كيلا تبتل أكفانه." (حاشیۃ الطحاوی ۱/۱۵۸)

(۲) اور اگر باضابطہ غسل دینا ممکن نہ ہو تو جسم پر کسی طرح پانی بہادیا جائے گا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ولو كان الميت متفسخا يتعذر مسحه، كفى صب الماء عليه." (فتاوی ہندیہ ا/ ۱۵۸)

(۳) اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر دستانہ یا کپڑا الپیٹ کر تیمّم کرادیا جائے۔ شامی میں ہے:

"ماتت بين رجال أو هو بين نسائه يممه المحرم، فلو لم يكن فالأجنبي بخرقة، قال في الفتح: ولو لم يوجد ماء فيمم الميت." (باب صلاۃ الجنازۃ ۲/۲۰۱)

اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو بلا غسل نماز جنازہ پڑھادی جائے اور دفن کر دیا جائے۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"ولو قطعت يداه ورجلاه من المرفق والكعب، أو بوجهه جراحة، صلى بغير طهارة، ولا يتمم ولا يعيد، هو الأصح." (کتاب الطھارۃ، باب التیمم ا/۴۲۳)

حاشیۃ الدسوقی میں ہے:

”وأما من تعذر غسله وتيممه، كما اذا كثرت الموتى جدا، فغسله مطلوب ابتداء، لكن يسقط للتعذر ولا يسقط الصلاة عليه.“ (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۱/ ۴۰۸)

سوال: ۲- اگر کرونا کے میت کو اسپتال کی طرف سے مخصوص کور میں لپیٹ کر دیا جائے اور اسے کھولنے اور ہٹانے کی اجازت نہ ہو تو کیا وہ کور کفن کے حکم میں ہوگا؟ یا اس کے اوپر کفن لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا؟

اگر کرونا کے میت کو اسپتال کی طرف سے پلاسٹک کور میں لپیٹ کر دیا جائے اور اسے کھولنے سے منع کر دیا جائے تو ایسی صورت میں وہی کور (COVER) کفن کے قائم مقام ہو جائے گا۔ اس صورت میں یہ مان لیا جائے گا کہ میت کے جسم پر جو کپڑا تھا، اسی میں اس کو دفن کر دیا گیا۔

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وصیت کی تھی کہ انہیں اسی کپڑے میں دفن کر دیا جائے، جس میں ان کا انتقال ہوا۔ جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ زندہ لوگ نئے کپڑوں کے زیادہ مستحق ہیں۔

عن عائشة قالت: قال أبو بكرؓ حين ثقل أى يوم هذا، قلنا: يوم الاثنين، قال فأى يوم مات رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال يوم الاثنين، قال: فإنى أرجو أما بينى وبين الليل، قالت: كان عليه ثوب قميص ردع من مشق، كنا نمرضه فيه، فقال: إذا مت فاغسلوا ثوبى هذا، ثم ضموا إليه ثوبين جديدين، فكفنونى بها، قلت: ألا نجعلها جددا كلها، قال: لا، إنما هو للمهلة، الحى أحوج إلى الجديد من الميت، فمات ليلة الثلاثاء. (تاریخ مدینۃ دمشق ۴/ ۴۳۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ میت کو اسی کپڑے میں دفنانا درست ہے، جو اس کے جسم پر پہلے سے موجود ہو، بالخصوص اس صورت میں جب کہ ایسا کرنا، ایک گونہ مجبوری بھی ہو۔ یعنی حکومت اور انتظامیہ اور اسپتال کی طرف سے میت کے کور (cover) کو کھولنے کی اجازت نہ ہو۔

سوال: ۳- اگر کرونا میت کی بغیر نماز جنازہ تدفین کے بعد گھر والوں کو اس کی اطلاع دی جائے تو ایسی صورت میں بعد تدفین قبر کے پاس نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

نماز جنازہ ادا کرنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، اگر بغیر نماز کے دفن کر دیا گیا تو جن لوگوں کو معلوم تھا اور انہوں نے نماز جنازہ نہیں پڑھی، تو وہ سب گنہگار رہوں گے۔ درمختار میں ہے:

والصلاة عليه، صفتها فرض كفاية بالإجماع، حتى لا يسع للكل تركها، كالجهاد، وسبب وجوبها الميت المسلم، لأنها شرعت قضاء لحقه، ولهذا تضاف إليه، فيقال صلاة الجنازة بالفتح بمعنى الميت. (البحر الرائق ۲/ ۱۸۳)

لیکن اگر کسی مسلمان کو بغیر گھر والوں کے بتائے اور نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا، تو قبر پر تین دنوں تک نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔

وإن دفن وأهيل عليه التراب بغير صلاة، أو بها بلا غسل، أو ممن لا ولاية له، صلى على قبره استحسانا. (الدر المختار ۱۲۵/ ۳)

و شرطها: إسلام الميت وطهارته ما دام الغسل ممكنا، فإن لم يمكن بأن دفن قبل الغسل، ولم يمكن أخراجه الا بالنبش، تجوز الصلاة على قبره للضرورة، ولو صلى عليه قبل الغسل تعاد الصلاة لفساد الأولى. (تبیین الحقائق ۱/ ۲۳۹)

بخاری ومسلم میں ہے:

عن أبى هريرة رضى الله عنه أن رجلا أو امرأة، كان يقيم المسجد، فمات، فسأل النبى صلى الله عليه وسلم عنه فقالوا: مات، قال: أفلا كنتم آذنتمونى به، دلونى على قبره، أو قال قبرها، فأتى قبرها فصلى عليها. (بخاری، باب کنس المسجد والتقاط الخرق والقذی، رقم: ۴۵۸)

سوال:۴-اگر میت کی تدفین کی اطلاع ملے اور قبر کی جگہ معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

اگر میت کی اطلاع ہو، لیکن دفن کی جگہ معلوم نہ ہو تو، ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کے سلسلہ میں ائمہ کی مختلف آراء ہیں:

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی، جب کہ احناف اور مالکیہ نزدیک جنازہ کے لیے میت کا سامنے ہونا شرط ہے؛ اس لیے کہ غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں ہے۔ شامیؒ میں ہے:

”وشرطها أيضا حضوره (ووضعه) وكونه هو أو أكثر أمام المصلى، وكونه للقبلة، فلا تصح على غائب ومحمول على دابة وموضوع خلفه.“ (ردالمحتار ۲/ ۲۰۸)

مبسوط میں ہے:

”وعلى هذا قال علمائنا رحمهم الله تعالى: لا يصلى على ميت غائب، وقال الشافعيؒ: يصلى عليه، فإن النبى عليه السلام صلى على النجاشى وهو غائب، ولكنا نقول: طويت الأرض وكان هو أولى الأولياء، ولا يوجد مثل ذلك فى حق غيره.“

شوافع اور حنابلہ کا استدلال نجاشی کے واقعہ سے ہے۔

مسلم شریف کی روایت ہے:

”أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نعى للناس النجاشى فى اليوم الذى مات فيه، فخرج إلى المصلى وكبر أربع تكبيرات.“ (مسلم، کتاب الجنائز، رقم:۹۵۱)

اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

”فيه دليل للشافعى وموافقيه فى الصلاة على الميت الغائب.“ (شرح النووی علی مسلم ۷/ ۲۱)

اس روایت کا جواب احناف کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ یہ نماز لغوی معنی میں تھی، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء مغفرت کی، یا یہ کہ یہ حضور کی خصوصیت تھی۔

درمختار میں ہے:

”وصلاة النبى صلى الله عليه وسلم على النجاشى لغوية أو خصوصية.“ (الدرالمختار ۲/ ۲۰۹)

علامہ سرخسی اس کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپؐ کے لیے زمین کی مسافت سمیٹ دی گئی اور گویا جنازہ آپ کے سامنے تھا، یعنی یہ بھی آپؐ کا معجزہ تھا۔

وعلى هذا قال علماء نا رحمهم الله تعالىٰ :لا يصلى على ميت غائب ،وقال الشافعى يصلى عليه، فإن النبى عليه السلام صلى على النجاشى، وهو غائب، ولكنا نقول: طويت الأرض، وكان هو أولى الأولياء، ولا يو جد مثل ذلك فى حق غيره.“ (المبسوط للسرخسی ۲/ ۶۷)

انصاف کی بات یہ ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ کے مسئلہ میں احناف کی تاویلات میں بہت دور کے احتمالات ہیں، مثلاً یہ کہ اس کو حضور کی خصوصیت قرار دینا، حالانکہ خصوصیت کی کوئی دلیل نہیں ہے، دوسری بات یہ کہ نجاشی پر حضور کی نماز جنازہ کو لغوی مفہوم لیا گیا، یعنی اس سے دعاء مغفرت مراد ہے، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ نماز جنازہ کو بھی ہم اصلاً دعا ہی مانتے ہیں، لہذا اس سے بھی غائبانہ نماز کا ثبوت ملتا ہے، اور جو تاویلات ذکر کی گئی ہیں، وہ دوراز کار ہیں، جن کی ضرورت نہیں ہے کہ یہاں نہ حقیقت متروک ہے، نہ متعذر، پھر مجازی معنی یعنی لغوی دعا کیوں مراد لیں؟

خلاصہ یہ کہ اگر کرونا کے مریض کا انتقال ہوگیا اور اس کو دفن کر دیا گیا، لیکن اس کی قبر کا علم کسی کو نہیں ہے، تو ایسی صورت میں اس کی غائبانہ نماز پڑھی جائے گی۔ روایتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

سوال: ۵-کیا کرونا سے انتقال کرنے والا مسلمان شہید کہلائے گا؟

شہید کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ شہید جو اللہ کے راستہ میں دین کی سربلندی کے لیے مارا جائے، یا ظلماً اسے قتل کر دیا جائے اور اس کے قتل کے بدلہ میں قصاص واجب ہو، ایسے شہید کو نہ غسل دیا جائے گا، اور نہ ہی کفن، بلکہ نماز جنازہ پڑھ کر انہی کپڑوں میں اسے دفن کر دیا جائے گا، جو اس کے جسم پر موجود ہوں۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

”ویصلی علیه بلا غسل،ویدفن بدمه وثیابه ؛لحدیث: زملوهم بکلومهم.“ (رد المحتار۲ / ۲۵۰)

شہید کی دوسری قسم وہ ہے، جو آخرت کے اعتبار سے شہید ہے، یہ وہ شخص ہے جو کسی موذی یا جان لیوا بیماری میں انتقال کر جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص طاعون میں مرجائے، آگ میں جل کر مرجائے، پانی میں ڈوب کر مرجائے، یا پیٹ کی بیماری مرجائے، وہ شہید ہے۔

عن سلمان قال: أتیت رسول الله صلی الله علیه وسلم بالزکاة ثلاث مرارا، فقال ما تعدون الشهید فیکم، قالوا: الذی یقتل فی سبیل الله، قال: إن شهداء أمتی إذن لقلیل، القتل فی سبیل الله شهادة، والطاعون شهادة، والنفساء شهادة، والحرق شهادة، والغرق شهادة، والسل شهادة، والبطن شهادة.(المعجم الکبیر للطبرانی ۶ /۲۴۷ ،رقم: ۶۱۱۵).

اس روایت سے معلوم ہوا کہ پیٹ کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے۔ کرونا جو کہ ایک جان لیوا مرض ہے، اس سے مرنے والا یقیناً شہید ہوگا۔

دوسری بات یہ کہ کرونا ایک وبائی مرض ہے، جس طرح طاعون ایک وباء ہے، اور طاعون سے مرنے والوں کو حدیث میں شہید کہا گیا ہے، اسی طرح کرونا سے مرنے والوں کو بھی شہید قرار دیا گیا ہے، اسی طرح کرونا سے مرنے والوں کو بھی شہید کہا جائے گا، اس لیے کہ یہ بھی ایک وبائی مرض ہے، تاہم شہادت کا حکم آخرت کے اعتبار سے ہوگا، دنیا کے اعتبار سے نہیں۔

محور ششم: کرونا ویکسین سے متعلق مسائل

سوال: ۱-الکوحل آمیز سینیٹائزر کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

سینیٹائزر کا حکم بیان سے کرنے سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ الکوحل کی کتنی قسمیں ہیں اور وہ کن چیزوں سے بنتی ہیں:

آج کل الکوحل دو طرح سے بنتی ہے۔

(۱) منقی، انگور یا کھجور کے مشروب سے۔ یہ بالاتفاق ناپاک وحرام ہے، اس کا استعمال اور خرید وفروخت درست نہیں ہے، بشرطیکہ نشہ آور ہو۔

(۲) آلو، شہد، گنا، سبزی وغیرہ کے مشروب سے۔ اس کا استعمال اور خرید وفروخت درست ہے، بشرطیکہ نشہ آور نہ ہو۔

عموماً دواؤں، پرفیوم وغیرہ میں جو الکوحل استعمال ہوتی ہے، وہ انگور، کھجور وغیرہ سے نہیں حاصل کی جاتی ہے؛ بلکہ دیگر اشیاء سے تیار کی جاتی ہے، اس لیے جب تک کسی چیز کے بارے میں تحقیق سے یہ ثابت نہ ہوجائے کہ اس میں پہلی قسم (منقی، انگور، کھجور کی شراب) سے حاصل شدہ الکوحل ہے، اس وقت تک اس کو ناجائز اور حرام نہیں کہہ سکتے۔

موجودہ دور میں جو الکوحل پرفیوم، سینیٹائزر میں استعمال ہوتی ہے، وہ انگور یا کھجور وغیرہ سے حاصل نہیں کی جاتی ہے، بلکہ دیگر اشیاء سے

بنائی جاتی ہے، یہ نجس نہیں ہے، بلکہ پاک ہے۔

لہٰذا کرونا وائرس یا کسی بھی بیماری سے بچاؤ کے لیے اس طرح کے سینیٹائزر کا استعمال درست ہے، اگر یہ ہاتھ یا کپڑے میں لگا رہ جائے، تب نماز درست ہوگی، اور مساجد میں بھی اس کا استعمال درست ہوگا۔

تکملۃ فتح الملہم میں ہے:

وأما غير الأشربة الأربعة فليست نجسة عند الإمام أبی حنيفة رحمه الله تعالى، وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة التی عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعمل فی كثير من الأدوية والعطور والمركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر، فلا سبيل إلى حلتها أو طهارتها، وإن اتخذت من غيرهما، فالأمر فيها سهل على مذهب أبی حنيفة رحمه الله تعالى، ولا يحرم استعمالها للتداوی، أو لأغراض مباحة أخرى مالم تبلغ حد الإسكار، لأنها إنما تستعمل مركبة مع المواد الأخرى، ولا يحكم بنجاستها، أخذا بقول أبی حنيفة رحمه الله تعالى.

وإن معظم الكحول التی تستعمل اليوم فی الأدوية والعطور وغيرهما، لا تتخذ من العنب أو التمر، انما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغيره، كما ذكر فی باب بيوع الخمر من كتاب البيوع. (كتاب الأشربة، كتاب الكحول المسكرة ۶۰۸/۳)

سوال:۲-: کرونا ویکسین لگوانے کا حکم کیا ہے؟ واجب یا مباح؟

کرونا ویکسین کے بارے میں اب تک جو تحقیق سامنے آئی ہے، اس کے مطابق یہ کوئی علاج نہیں ہے، بلکہ بچاؤ کی ایک تدبیر ہے، اور بیماری سے تحفظ کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا بھی ضروری ہے، خاص طور سے ایسی بیماری جو حد درجہ متعدی ہو اور جس سے تحفظ کے لیے احتیاط ہی واحد ذریعہ ہو، فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: "الضرر يزال"

اور حدیث شریف میں آیا ہے: "لا ضرر ولا ضرار فی الإسلام." (سنن بيهقى: ۱۱۱۶۶)

اس ویکسین کے بارے میں تجربہ یہ ہے کہ اکثر لوگوں کو اس سے فائدہ ہوتا ہے، لیکن کچھ لوگوں کو موافق نہیں آتی ہے، اس لیے اس پر کچھ سوالات بھی اٹھ رہے ہیں، اور بعض لوگوں کی طرف سے کچھ خدشات کا بھی اظہار کیا جا رہا ہے، تاہم چوں کہ اکثر لوگوں کو اس سے فائدہ ہو رہا ہے، اس لیے اس کو ناجائز نہیں قرار دیا جا سکتا کہ بعض دفعہ جائز دوا سے بھی کچھ لوگوں کو ری ایکشن ہو جاتا ہے۔ علامہ شامیؒ نے اس پس منظر میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بسا اوقات صفراوی مزاج والوں کو شہد سے بھی نقصان پہونچ جاتا ہے، اور وہ بیمار ہو جاتے ہیں، تو کیا شہد پر بھی سوال اٹھے گا، حالانکہ اس کا شافی ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"الأصل فی الأشياء الإباحة، وأن فرض إضراره للبعض لا يلزم منه تحريمه على كل أحد، فإن العسل يضرب أصحاب الصفراء الغالبة، وربما أمرضهم مع أنه شفاء بالنص القطعی، وليس الاحتياط فی الافتراء على الله تعالىٰ بإثبات الحرمة أو الكراهة اللذين لا بد لهما من دليل، بل القول بالإباحة هی الأصل." (الرد مع الدر، كتاب الأشربة ۲۱۰/۱)

اس لیے دوسروں کو نقصان سے بچانے کے لیے، کرونا ویکسین لگانا واجب ہوگا۔

هذا ما عندی والله أعلم، وعلمه أتم وأحكم.

کورونا وبا کے بارے میں شرعی نقطہ نظر

مفتی شمشیر حیدر قاسمی

محور اوّل

(۱) وبا کیا ہے؟ اور شریعت میں اس کے بارے میں کیا تصور ہے؟

وبا کا لغوی معنی، وباء عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی طاعون اور پھیلنے والی بیماری کے ہیں:

قال المطرزی، الوباء بالمد: المرض العام،(المغرب،۲/۳۳۹) الوبا، الطاعون، وکل مرض فاش عام، ج أوباء، (المعجم الوجیز، ص، ۶۵۸)

وبا کی اصطلاحی تعریف:

اصطلاحی طور پر وباء کا اطلاق ہر اس بیماری پر کیا جاتا ہے جو بڑے پیمانے پر ایک سے دوسرے کو لگنے والی ہو، تیزی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ پھیلنے والی ہو، اس کے اثرات انسان، جانور اور نبات تک محیط ہوں، اور عموماً وہ مرض جان لیوا ہو، جیسے طاعون اور کالرا۔

(معجَم اللغة العربية المعاصرة، ص، ۲۳۹۲، ط، عالم الکتب، القاهرة)

شریعت اسلامیہ کی نگاہ میں وبا دراصل غضب الٰہی کی مظہر ہے، جو انسان کے بے راہ روی کی وجہ سے ظہور پزیر ہوتی ہے، اور انسان کو اس کی بے بسی، رب کائنات کی وحدانیت، صمدیت اور قادر مطلق ہونے کی یاد دلاتی ہے، تاکہ انسان گناہوں سے تائب ہو، غفلت سے باز آئے، طاعت وبندگی کی رسی کو مضبوطی سے تھامے۔

چنانچہ قرآن عظیم میں ارشاد ربانی ہے:

”ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ.“ (سورة الروم: ۲۴)

ترجمہ: لوگوں نے جو اپنے ہاتھوں سے کمائی کی اس کی وجہ سے خشکی وتری میں فساد پھیلا، تاکہ انھوں نے جو کام کئے ہیں، اللہ ان میں سے کچھ کا مزہ انھیں چکھائیں، شاید وہ باز آجائیں۔ (ترجمہ از مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ)

سورہ انعام میں ہے:

”فأخذنهم بالباسآء والضرّآء لعلّهم يتضرّعون.“ (سوره أنعام: ۴۲)

اس کے بعد انھیں سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا کہ شاید وہ ہم سے گڑگڑائیں۔

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ جب زمین پر خالق کائنات کی نافرمانی بڑھ جاتی ہے، انسان اپنی اشرفیت کو فراموش کر کے ارذلیت کی تاریک ترین کھائیوں کی سیر کرنے لگتا ہے، قانون قدرت سے بغاوت کر کے شیطانی نظام کو نصب العین اور دستور حیات تصور کر بیٹھتا ہے، تو غیرت

الٰہی جوش میں آجاتی ہے، اور بطور تازیانہ وبائیں اور بلائیں مختلف شکلوں میں انسانی بیبسی اور بے چارگی کا تعاقب کرنے لگتی ہیں، بلاشبہ حالیہ کورونا وائرس بھی اسی تازیانے کی ایک بہت بڑی کڑی ہے۔

(۲) وبا سے تحفظ کے لئے شرعی رہنمائی اور اسلامی ہدایات کیا ہیں؟

دین اسلام کی یہ جامعیت ہے کہ اس میں انسان کے جملۂ شعبہ ہائے زندگی سے متعلق مکمل، مستحکم اور بالکل واضح رہنمائی موجود ہے، جسم اور روح ہر دو کی صلاح وفلاح کے لئے اسلامی شریعت میں ایسی جامع ہدایتیں دی گئی ہیں، جن پر چل کر انسان اپنی زندگی کا سفر اطمینان بخش طریقے پر مکمل کرسکتا ہے، اور مرنے کے بعد کی زندگی کو روشن، تابناک، پر کیف، دلکش اور قابل رشک بنا سکتا ہے، چوں کہ دنیا دار الابتلاء اور دار الامتحان ہے، یہاں انسان جہاں مسرت بخش اور کیف آگیں لمحات سے لطف اندوز ہوتا ہے، وہیں اسے بسا اوقات ہموم وکروب کی آتشیں وادیوں سے بھی گزرنا پڑتا ہے، جس طرح صحت اور فارغ البالی کی عظیم نعمتیں انسانی زندگی کو تعیش وترفہ کی دعوت دیتی ہے، اسی طرح وبائیں اور بلائیں بھی گاہے بگاہے زندگی کو تلخیوں اور کڑواہٹوں سے دوچار کرتی رہتی ہیں، یہ بلائیں اور آفتیں کبھی چند افراد واشخاص تک محدود ہوتی ہیں، جن کے ازالے اور معالجے کے لیے شفاخانے، معالجین اور عیادت کنندگان موجود ہیں، علاج ومعالجے کے بعد عام طور پر انسان صحتیاب ہوجاتا ہے، جیسا کہ ہم سب ہمہ وقت اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں، مگر یہ آفتیں اور وبائیں بسا اوقات وسیع پیمانے پر پھوٹ پڑتی ہیں، جانیں بکثرت تلف ہونے لگتی ہیں، خوف وہراس کا ماحول قائم ہوجاتا ہے، جیسا کہ طاعون، ہیضہ وغیرہ جیسی وبائی بیماریوں میں ہوتا ہے، اور اس وقت ہمارے سامنے اس کی جیتی جاگتی مثال کورونا ہے، جسے کووڈ-۱۹ کا نام دیا گیا ہے، یہ وہ عالمی وبا ہے، جس نے پوری دنیا کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا، جس کی وجہ سے انسانی تگ ودو کا سارا نظام درہم برہم ہوکر رہ گیا ہے، اس وبا کے تعلق سے ماہرین کی اب تک جو تحقیقات سامنے آئی ہیں، اس پر غور کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ شریعت اسلامیہ میں پہلے سے ہی ایسے رہنما نقوش موجود ہیں، جن پر چل کر اس خطرناک وبا سے بہت حد تک بچا جاسکتا ہے۔

(۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ پر یقین کامل رکھے کہ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی شئی مرضی الٰہی کے تابع ہے، صحت اور مرض سب اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے، بلا مشیئت الٰہی کسی نفع وضرر کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، اہل ترفہ کی موج ومستی اور فقر زدہ لوگوں کی بے چارگی یا اس کے برعکس سب حکمت ربی اور مصلحت خداوندی سے مربوط ہے، اسی طرح عباد وزہاد کا مبتلائے آفات وبلیات ہونا، اور فساق وفجار کا صحت مند ہونا بھی حکمت الٰہی کے رازہائے سربستہ میں سے ہے، چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

”وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.“ (سورۃ الأنعام:۷/۱۷۱)

ترجمہ: اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا سوا اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا۔

(۲) دوسری بات: ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے، اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے ہوئے معاصی سے اجتناب کرے، اس لئے کہ گناہوں کی وجہ سے آفات وبلیات کا نزول ہوتا ہے۔

(۳) تیسری بات نظافت اور صفائی کا خاص خیال رکھا جائے، شریعت اسلامیہ میں صفائی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، وضو وغسل کی فرضیت کے علاوہ متعدد مواقع پر پاکی کی تاکید وارد ہے، حتیٰ کہ ایک حدیث میں پاکی کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ پاکی کے اس امر کے پیچھے من جملہ بہت سی روحانی وجسمانی مصلحتوں کے ایک اہم مصلحت جسم کو متعدد امراض سے بچانا بھی ہے، اس لئے کہ گندگی اور ناپاکی نفاست طبع

کے مخالف ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سے امراض کا سبب بنتی ہے۔(مقتبس از اعجاز الطب النبوی للدکتور عبدالحلیم،ص،۹،ط،دار الآفاق العربیۃ)

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ وباء زدہ ماحول میں حتی الامکان غیرضروری اختلاط سے اجتناب کیا جائے، چنانچہ اس سلسلے میں احادیث مبارکہ سے بہت ہی واضح اشارہ ملتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"لا یُورِدَنَّ مُمرِضٌ علی مُصِحٍّ." (صحیح البخاری: ۵۷۲۱)

''نہ لایا جائے بیمار اونٹ تندرست اونٹ کے پاس۔''

(۵) پانچویں بات عندالضرورت ڈاکٹروں سے رجوع کیا جائے، اطباء کے مشوروں پر عمل کیا جائے، معالجین کے تجویز کردہ ادویہ استعمال کیے جائیں اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر بیماری کی ایک دوا ہے جب وہ دوا پہنچتی ہے تو اللہ کے حکم سے شفا ہو جاتی ہے۔'' (مسلم:۵۷۴۱) خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا علاج کرنا اور کروانا حدیث شریف سے ثابت ہے، چنانچہ علامہ ابن قیم جوزی ارقام فرماتے ہیں:

" کان من هدیه صلی الله علیه و سلم فعل التداوی فی نفسه و الأمر به لمن أصابه مرض من أهله و أصحابه.

(الطب النبوی، ص:۵)

(۶) چھٹی بات، اگر کوئی شخص بمشیت الٰہی کسی وبائی مرض سے متاثر ہو جائے تو اس سلسلے میں اسلامی شریعت کی یہ ہدایت ہے کہ مریض کے ساتھ ہمدردی، محبت اور شفقت کا سلوک کیا جائے، اس کی دیکھ ریکھ اور علاج و معالجے کا انتظام و انصرام کیا جائے، حدیث شریف میں مریضوں کی عیادت کی ترغیب اور ہدایت موجود ہے، اور عیادت کنندگان کے لئے بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، مسلم شریف کی حدیث ہے کہ مریض کی عیادت کرنے والا واپس آنے تک جنت کے باغ میں ہوتا ہے۔ (مسلم:۶۵۵۱)

(۳) کورونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے اور اس سے بچنے کے سلسلے میں حکومتی گائڈ لائن پر عمل اور دیگر احتیاطی تدابیر کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا ایسا کرنا توکل علی اللہ اور ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے؟

حفظان صحت کے لئے علاج و معالجے کے ساتھ احتیاطی اقدام بھی ضروری ہے، موجودہ کورونا مہاماری جیسی وبا کے نقصانات کو دیکھتے ہوئے عالمی طور پر حکومتوں کی طرف سے اپنے اپنے ملکوں میں بطور احتیاط کچھ گائڈ لائن جاری کئے گئے ہیں، جن کا مقصد وباء کے پھیلاؤ کو کم کرنا ہے، اس سلسلے میں شرعی اصول وضوابط پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی مخالف نہیں ہے، بلکہ نصوص سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ دفع ضرر کے لئے احتیاطی اقدام کیا جا سکتا ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے لڑکوں کو الگ الگ دروازے سے داخل ہونے کا حکم دینا، حضرت یوسف کا قحط سالی سے نمٹنے کے لیے زراعت کے معروف طریقے سے ہٹ کر الگ طریقے سے ذخیرہ اندوزی کرنا۔

چوں کہ حکومت کی گائیڈ لائن (مثلا غیر ضروری اختلاط سے اجتناب، ہجوم والی جگہوں سے گریز ماسک کا استعمال، ہاتھ، منہ دھونے کا اہتمام وغیرہ) احتیاطی تدابیر پر مبنی ہے، اس لئے اس پر عمل کرنا شرعا جائز اور درست ہے، لہذا ایسے افراد جو کورونا سے متاثر ہوں، یا کورونا کے علامات ان میں پائے جاتے ہوں، اسی طرح جن لوگوں کے کورونا سے متاثر ہونے کے امکانات قوی ہوں، مثلا بوڑھے، بچے، کمزور، پہلے سے ہی کسی مہلک بیماری سے متاثر افراد جن کی قوت مدافعت دیگر صحت مند افراد کے بالمقابل کمزور ہوتی ہے، ان کے لئے دیگر احتیاطی تدابیر کے ساتھ جمعہ و جماعت کے تعلق سے بھی حکومت کے گائیڈ لائن پر عمل کرنا جائز ہے، مگر صحت مند، تندرست افراد کا محض موہوم تعدیہ کے اندیشے سے ہی جمعہ و جماعت کا ترک کر دینا کسی طرح جائز اور درست نہیں ہے۔

توکل اللہ پر یقین کامل اور اعتماد مستحکم کا نام ہے، یعنی کہ بندہ اپنی وسعت وطاقت اور ظاہری اسباب و وسائل کو بروئے کار لا کر نتیجہ مسبب

الأ سباب کے حوالے کردے کہ مرضی الٰہی ہوگی تو آرزوئیں پوری ہوں گی، کوششیں بارآور ہوں گی، نتیجہ اسباب ووسائل کے مطابق سامنے آئے گا، اور اگر مشیت الٰہی کی یاوری نہ ہوئی تو پھر تمام تر وسائل واسباب بے کار، ساری تدبیریں الٹی، کوششیں رایگاں۔

بات واضح ہے کہ اسباب ووسائل کا استعمال کرنا، اور احتیاطی تدابیر کو اپنانا نہ تو کل علی اللہ کے منافی ہے اور نہ ہی ایمانی تقاضے کے خلاف ہے، بلکہ جہد وسعی شریعت اسلامیہ کے مزاج اور منشأ کے عین مطابق ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے؟

اسلامی عقیدے کے مطابق مرض اور صحت، حیات اور موت سب کا خالق و مالک اللہ تبارک وتعالیٰ ہے، صحت اور مرض سب اسی ذات واحد کی مشیت کے تابع ہے، اس کی مرضی کے بغیر نہ کوئی مرض کسی پر حملہ آور ہوسکتا ہے، اور نہ ہی کوئی مریض صحتیاب ہوسکتا ہے، اس لئے کوئی بیماری از خود کسی مریض سے اڑ کر کسی دوسرے شخص کو متاثر نہیں کرسکتی، جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وإذا مرضت فهو يشفين."

(اور جب میں بیمار ہوجاتا ہوں تو وہ ہی مجھے شفا عنایت کرتا ہے۔)

مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کوئی مرض بذاتِ خود متعدی نہیں ہوتا، بلکہ سبب کے درجے میں اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو دوسرے انسان کو مرض لگتا ہے ورنہ نہیں لگتا، اسباب کے درجہ میں احتیاط کرنا توکل اور منشاءِ شریعت کے خلاف نہیں ہے، لیکن کسی خاص مرض کے ہر حال میں دوسرے کو منتقل ہونے کا عقیدہ رکھنا جائز نہیں ہے۔

اس بارے میں وارد مختلف احادیثِ مبارکہ کے درمیان شراحِ حدیث نے مختلف طرح سے تطبیق بیان کی ہے، جمہور محققین علماءِ کرام نے جو تطبیق دی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

جن احادیثِ مبارکہ میں مرض کے متعدی ہونے کی نفی ہے اس سے مراد جاہلیت کے اس عقیدے کی نفی ہے کہ مرض بذاتہ یقینی طور پر متعدی ہوتا ہے، بالفاظِ دیگر ہر مرض کے اندر مافوق الاسباب متعدی ہونے کی صلاحیت ہے، لہذا جاہلیت میں یہ نظریہ اس قدر پختہ تھا کہ مریض کے قریب جانے سے بیماری لازمی متعدی ہوتی ہے، وہ اس میں طبی اعتبار سے نہ فرق ملحوظ رکھتے تھے، نہ ہی اسے مشیت وقدرتِ خداوندی کا نتیجہ کہتے تھے، اس بداعتقادی کے قلع قمع کے لیے رسول اللہ ﷺ نے بیماری کے متعدی ہونے کی نفی فرمائی، باقی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تقدیر کے تحت اس کے ضر یا سبب بننے کی نفی نہیں کی۔

اور جن احادیثِ مبارکہ میں بیماری متعدی ہونے یا مریض سے دور رہنے کا حکم ہے، اس سے مراد ماتحت الاسباب، اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت اور تقدیرِ خداوندی کے تحت بیماری کا متعدی ہونا ہے، اگر اللہ پاک چاہیں تو بیماری لگے گی اور نہ چاہیں تو نہیں لگے گی، نیز ہر بیماری متعدی نہیں ہوتی، بلکہ بعض بیماریاں سبب کے درجے میں متعدی ہوسکتی ہیں، اور اَسباب میں تاثیر پیدا کرنا محض اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت ہے، عادت اور معمول کے مطابق اَسباب میں تاثیر ہوتی ہے، تاہم جس وقت اللہ چاہے وہ تاثیر ختم بھی کردیتا ہے۔

محور دوم: کرونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف

سوال ۱: کیا کرونا کے زمانے میں مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت قائم کرنے یا انفرادی نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

مسجد میں باجماعت نماز کا حکم

شریعت اسلامیہ میں مسجد میں حاضر ہوکر باجماعت نماز ادا کرنے کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تعمیر مسجد کا اصل مقصد

ہی باجماعت نماز ادا کرنا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ نماز باجماعت کا اہتمام فرمایا، یہاں تک کہ حالت مرض میں جب آپ ؐ شدت ضعف کی وجہ سے خود سے چل نہیں سکتے تھے، تو دو آدمیوں کے سہارے مسجد تشریف لے گئے اور جماعت سے نماز پڑھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لوگوں کو بھی جماعت سے نماز پڑھنے کی سخت تاکید فرمائی اور بلا عذر ترک جماعت پر سخت نکیر اور خفگی کا اظہار فرمایا، ذیل میں نماز باجماعت کے متعلق بطور نمونہ چند نصوص ذکر کیے جاتے ہیں۔

(۱) وَاَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ. (البقرة:۴۳)

''اور نماز پڑھا کرو اور زکوۃ دیا کرو اور (خدا کے آگے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو''

(۲) حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ. (البقرة، ۲۳۸)

ترجمہ: تمام نمازوں کا پورا خیال رکھو، اور (خاص طور پر) بیچ کی نماز کا اور اللہ کے سامنے باادب فرمانبردار بن کر کھڑے ہوا کرو۔

حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو کل حالتِ اسلام میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق رکھتا ہے تو اسے چاہئے کہ تمام (فرض) نمازوں کو وہاں ادا کرے جہاں ان کی اذان دی جاتی ہے (یعنی مسجد میں)۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے سننِ ہُدیٰ کو مشروع قرار دیا ہے۔ اور یہ (یعنی فرض نمازوں کو باجماعت پڑھنا) سنن ہدیٰ یعنی سننِ مؤکدہ میں سے ہے اور اگر تم نے گھروں میں نماز پڑھی جیسا کہ یہ تارکِ جماعت پڑھتا ہے تو تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت چھوڑ دو گے اور اگر تم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت چھوڑ دی تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ جو شخص اچھی طرح وضو کر کے ان مساجد میں جانے کا قصد کرتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلے میں ایک نیکی عطا فرماتا ہے، ایک درجہ بلند کرتا ہے اور ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔ (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا:) ہم یہ سمجھتے تھے کہ صرف وہ منافق ہی باجماعت نماز ترک کر سکتا ہے جس کا نفاق معلوم و معروف ہو اور (جماعت کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ یہاں سے لگالیں کہ) ایک شخص کو دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں لایا جاتا اور صف میں کھڑا کر دیا جاتا۔

وَعنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِيَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنِ اتِّبَاعِهِ عُذْرٌ"، قَالُوْا: وَمَا الْعُذْرُ؟ قَالَ: خَوْفٌ أَوْ مَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلَاةُ الَّتِي صَلَّى." سنن أبي داود | كِتَابُ الصَّلَاةِ | بَابٌ: فِي التَّشْدِيدِ فِي تَرْكِ الْجَمَاعَةِ الرقم: ۵۵۱)

سنن ابن ماجة | كِتَابٌ: الْمَسَاجِدُ وَالْجَمَاعَاتُ . | بَابٌ: التَّغْلِيظُ فِي التَّخَلُّفِ عَنِ الْجَمَاعَةِ. [الرقم:۷۹۳ اللفظ للترمذی]

شریعت اسلامیہ نے انسان کی فطری وطبعی کمزوری کا لحاظ کرتے ہوئے چند اعذار کی صورت میں جماعت کی حاضری کے حکم کو ساقط کر دیا ہے، صاحب نور الایضاح نے ایسے اٹھارہ اعذار شمار کرائے ہیں، جس کی وجہ سے ترک جماعت مباح ہے، وہ اعذار یہ ہیں، بارش کا ہونا، سخت جاڑا ہونا، خوف کا ہونا، سخت تاریکی کا ہونا، قید میں ہونا، نابینا ہونا، فالج زدہ ہونا، ہاتھ پاؤں کا کٹا ہوا ہونا، بیماری کا ہونا، چلنے پھرنے سے معذور ہو جانا، کیچڑ کا ہونا، اپاہج یعنی دائمی مریض ہونا، بہت بوڑھا ہو جانا، ایسے فقہی مسائل کے تکرار میں مشغول ہونا جو چھوٹ رہے ہوں، ایسے کھانے کا آجانا جس کی طرف نفس کی چاہت ہو، سفر کا ارادہ کرنا، کسی مریض کی دیکھ ریکھ میں لگا ہونا، شب کے وقت سخت آندھی کا آجانا، نہ کہ دن میں۔

(مراقی الفلاح، ص ۱۱۱، ط، دار الکتب بیروت)

ان اعذار کا ترک جماعت کے لیے مبیح ہونا منصوص ہے، احادیث مبارکہ سے اس کی تائید ہوتی ہے، نیز ایسے اعذار جن کی وجہ سے ترک جماعت مباح ہو، لیکن معذور شخص عذر کی وجہ سے خواہش اور چاہت کے باوجود جماعت میں شرکت سے قاصر ہو تو امید ہے کہ عند اللہ عدم شرکت کے باوجود اسے جماعت کی فضیلت حاصل ہو گی، چنانچہ علامہ شرنبلالی ارقام فرماتے ہیں:

"وإذا انقطع عن الجماعة لعذر من أعذارها المبيحة للتخلف"وكانت نيته حضورها لولا العذر الحاصل "يحصل له ثوابها"

لقوله صلى الله عليه وسلم: "إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرء ما نوى." (مراقی الفلاح، ص ۱۱۱، ط، دار الكتب العلمية)

الغرض جماعت کی حاضری کو ساقط کردینے والے اعذار میں سے ایک عذر مرض بھی ہے، جیسا کہ ماقبل میں معلوم ہوا، نیز علامہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں:

"واعلم أن أسباب التخفيف فی العبادات وغيرها سبعة ....الثانی: المرض، ورخصه كثيرة، التيمم عند الخوف على نفسه أو على عضوه أو من زيادةالمرض او بطئه، والقعود فی صلاة الفرض والاضطجاع فيها والإيماء، والتخلف عن الجماعة مع حصول الفضيلة، (الاشباه والنظائر،علامه ابن نجيم، ت، ۹۲۰، ص، ۶۵، ۶۵، ط،دارالكتب العلمية بيروت)

(معلوم ہو کہ عبادات وغیرہ میں اسباب تخفیف سات ہیں۔ ان میں دوسرا سبب مرض ہے اور مرض کی وجہ سے بہت سی رخصتیں ہیں جیسے اگر اپنی جان یا کسی عضو کے تلف ہونے یا مرض کے بڑھنے یا دیر میں ٹھیک ہونے کے سبب تیمّم کی اجازت، فرض نماز بیٹھ کر لیٹ کر اور اشارہ سے پڑھنے کا جواز، جماعت کی غیر حاضری کی اجازت فضیلت پانے کے ساتھ۔)

لہٰذا ایسا شخص جو کرونا جیسے مرض میں واقعی مبتلا ہو یا ماہرین اطباء کی رائے کے مطابق اس کے اندر ایسی یقینی علامتیں پائی جاتی ہوں جو کرونا میں ابتلاء کے لیے موثر ہوں تو ان کے لیے مباح ہوگا کہ وہ مسجد میں نہ جا کر گھر میں نماز ادا کرے، اس لیے کہ شریعت کا مشہور ضابطہ ہے: "لا ضـرر ولا ضـرار" یعنی کہ اس میں ایک طرف خود مبتلا بہ کو تکلیف اور پریشانی سے بچانا ہے اور دوسری طرف اس سے یہ بھی مقصود ہے کہ کوئی دوسرا شخص اسی وبائی مرض کے شکار شخص کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے خواہ مخواہ تشویش وخلجان اور وہم وارتیاب میں پھنس کر کسی بدعقیدگی میں مبتلا نہ ہو، مگر وہ حضرات جن میں کرونا کی ظاہری علامتیں نہ پائی جاتی ہوں ان کے لیے کسی طرح یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ بھی موہوم اور مشکوک وباء کے خوف سے خود کو مسجد سے دور کرلیں اور جمعہ وجماعت سے کنارہ کشی اختیار کر کے تنہا گھر پر نماز پڑھنے لگیں:

سوال نمبر۲: کرونا کے زمانہ میں ایک مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ پنج وقتہ نمازیں پڑھنے اور متعدد بار جمعہ ادا کرنے کا حکم کیا ہے؟

بلاشبہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے، حتی کہ بعض ائمہ جماعت کی فرضیت کے بھی قائل ہیں مگر جمہور احناف کا مسلک وجوب کا ہے، نیز روایات وآثار سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ جماعت میں تکثیر مقصود، مطلوب اور محمود ہے، جب کہ ایک مسجد میں تعدد جماعت، تقلیل جماعت کا سبب بن سکتا ہے نیز تعدد جماعت کی صورت میں اس کی وہ اہمیت بھی باقی نہیں رہ جائے گی، اس لیے فقہاء احناف نے احادیث وآثار میں غور وخوض کے بعد یہ حکم شرعی اخذ فرمایا ہے کہ

(الف) مسجد اگر کسی شاہراہ یا گزرگاہ کے قریب یا کسی ایسی جگہ ہو جہاں محدود وقت کے لیے بازار لگتے ہوں، اور بازار سے فارغ ہو کر لوگ اپنے اپنے گھر لوٹ جاتے ہوں، یا کسی میدان وغیر آباد جگہ میں ہو جہاں لوگ محض کھیل وتفریح کے لیے جاتے ہوں، مسجد کے پاس لوگوں کی مستقل رہائش نہ ہو، اور امام ومؤذن بھی مقرر ہوں یا نہ ہوں، بہرصورت ایسی مسجدوں میں بالاتفاق ایک ہی نماز کے لیے کئی مرتبہ جماعت کی جاسکتی ہے۔

(ب) اسی طرح وہ مسجد جو کسی آبادی میں ہو، اس کے مصلین معروف ہوں اور امام اور مؤذن بھی مقرر ہوں، مگر دوسرے لوگ آ کر اس میں جماعت قائم کرلیں تو مقرر امام ومؤذن کے ساتھ دوسری جماعت قائم کی کرسکتے ہیں۔

(ج) مسجد آبادی میں ہو، مسجد کے مقرر امام اور مؤذن اس میں جماعت سے نماز پڑھ چکے ہوں، بعد میں مسافرین کا کوئی قافلہ وارد ہو کر اس میں جماعت سے نماز ادا کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں۔

(د) مسجد آبادی میں ہو مگر امام ومؤذن مقرر نہیں ہو تو ایسی مسجد میں بھی جماعت ثانیہ کی گنجائش ہے۔

(ہ) جماعت ثانیہ کرنے والے افراد تین یا اس سے کم ہوں اور محراب سے ہٹ کر جماعت کریں تو ایسا کرنا بھی بلا کراہت جائز ہے۔

عدم کراہت کی وجہ مذکورہ تمام صورتوں میں یہی سمجھ میں آتی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی صورت ایسی نہیں ہے جو مقصد جماعت میں حارج ہو۔

(و) مسجد آبادی میں ہو امام اور موذن مقرر ہوں، تو ایسی مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ جماعت اذان و اقامت اور قیام محراب کے ساتھ مکروہ تحریمی ہے۔

(ز) اگر اذان و اقامت کا اعادہ نہ کیا جائے، اور امام کے قیام کی جگہ بدل دی جائے تو اس کی گنجائش ہے، مگر خلاف اوّلی ہے، کرونا کے زمانہ میں جہاں حکومت کی طرف سے تکثیر جماعت پر پابندی ہو، توحید جماعت کی صورت میں مشکلات اور دقتوں کا قوی احتمال ہو، تو اس صورت کو اختیار کرنے کی گنجائش ہوگی۔

یہی حکم جمعہ کی جماعت کا بھی ہے، ایک مرتبہ جماعت ہو جانے کے بعد دوسری جماعت مکروہ ہوگی، احادیث اور آثار سے یہی مفہوم ہوتا ہے:

”عن الحسن قال: كان أصحاب رسول الله ﷺ إذا دخلوا المسجد، وقد صلى فيه، صلوا فرادى.“ (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب من قال: يصلون فرادى، ولا يجمعون. مؤسسة علوم القرآن جديد ۵/۵۵، رقم:۷۱۸۸)

ترجمہ: حسن بصری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ صحابہ کرام جب مسجد میں آتے کہ وہاں نماز ہو چکی ہوتی تو وہ انفرادی نماز ادا کرتے تھے۔

مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحب شاہجہاں پوری قدس سرہ رقم طراز ہیں:

”جس مسجد میں پنجگانہ جماعت مقررہ اوقات پر ہوتی ہو، اور مؤذن و امام مقرر ہو، اس میں دوسری جماعت بتکرار اذان و اقامت و قیام محراب باتفاق مکروہ ہے، اور اگر اذان و اقامت کی تکرار نہ کی جائے اور پہلی جماعت کی جگہ بھی بدل دی جائے تو مکروہ تحریمی نہیں ہے، مگر علمائے محققین کی ایک بڑی جماعت اس کو خلاف اوّلی بتاتی ہے، اور دلائل اس کے قوی ہیں، اور دوسری جماعت اسے خلاف اوّلی نہیں کہتی، جماعت اوّلی میں شرکت نہ ہونے کی وجہ کچھ بھی ہو، اس کا اس مسئلے پر کچھ اثر نہیں۔“ (کفایت المفتی، کتاب الصلاۃ، ۳/۱۴۸، ط، دارالاشاعت کراچی،) واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر ۳، وبا کے زمانہ میں گھروں میں جمعہ کی نماز ادا کرنا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو اس کی کیا شرطیں ہیں؟

قیام جمعہ کے شرائط:

نماز جمعہ نہ تو ہر جگہ فرض ہے اور نہ ہی ہر شخص پر فرض ہے بلکہ اس کی فرضیت کے لیے کچھ شرطیں ہیں، جہاں وہ شرطیں پوری ہوں گی، وہاں نماز جمعہ فرض ہوگی، اور اگر شرطیں پوری نہ ہوں تو پھر جمعہ کے بجائے ظہر ادا کرنے کا حکم ہے، قیام جمعہ کے لیے حضرات فقہاء کرام نے دو طرح کی شرطیں بیان کی ہیں۔

(۱) شرائط برائے وجوب

(۲) شرائط برائے صحت

شرائط برائے وجوب کا مطلب یہ ہے کہ، جب یہ شرطیں پائی جائیں گی تو نماز جمعہ ذمہ میں واجب ہوگی، اور اگر یہ شرطیں نہ پائی جائیں تو نماز جمعہ ذمہ میں واجب ہی نہیں ہوگی، تاہم کوئی ایسا شخص جس کے اندر شرائط برائے وجوب تو نہیں پائی جاتی ہوں، مگر شرائط برائے صحت اس میں ہوں اگر وہ نماز جمعہ ادا کرلے تو اس کی جمعہ درست ہو جائے گی، اور جمعہ کی فضیلت اسے حاصل ہوگی۔

شرائط برائے وجوب میں ایک شرط:

ا۔صحت: تندرست ہونا ہے۔مریض پر جمعہ فرض نہیں ہے، جو مرض جامع مسجد تک پیدل جانے سے مانع ہو اس کا اعتبار ہے۔بڑھاپے کی

کمزوری کی وجہ سے مسجد تک نہ جاسکے تو یہ مریض کے حکم میں ہے۔

شرائط برائے صحت کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ شرطیں پائی جائیں گی تو جمعہ کی ادائیگی درست ہوگی اور ان شرطوں کے نہ پائے جانے کے باوجود اگر کوئی نماز جمعہ ادا کرلیتا ہے، تو اس کی نماز جمعہ درست نہیں ہوگی بلکہ اس کے ذمہ ظہر کی فرض نماز فرض باقی رہے گی؛

شرائط برائے صحت درج ذیل ہیں:

۱۔شہر یا شہر اُس کے مضافات کا ہونا۔

۲۔حاکم یا اُس کا مقرر کردہ نائب کا ہونا۔ چوں کہ ہمارے زمانے میں حکومت کو ان امور کی طرف توجہ نہیں ہے لہٰذا لوگ خود کسی شخص کو مقرر کرلیں وہ ان کو خطبہ دے اور نماز پڑھائے یہ جائز و درست ہے۔

۳۔دارالاسلام ہونا۔ دارالحرب میں نماز جمعہ درست نہیں ہے۔

۴۔ظہر کا وقت ہونا۔۔ پس وقت ظہر سے پہلے یا اس کے نکل جانے کے بعد نماز جمعہ درست نہیں ہے۔

۵۔خطبہ کا ہونا۔ یعنی وقت کے اندر نماز سے پہلے اس طرح پڑھا جائے کہ خطبہ اور نماز میں فصل نہ ہو۔

۶۔ جماعت کا ہونا۔ یعنی قیام جمعہ کے لیے ضروری ہے کہ امام کے علاوہ کم از کم تین مقتدی مردوں میں سے خطبہ اور نماز جمعہ میں شامل ہو، خواہ وہ غلام، مسافر یا بیمار ہی کیوں نہ ہو۔

۷۔ اذنِ عام۔ یعنی جمعہ میں شرکت کی عام اجازت ہو، جمعہ میں شریک ہونے والے کے لیے کوئی روک ٹوک نہ ہو، البتہ حفاظتی بندوبست کی غرض سے کسی طرح کی کوئی پابندی ہو تو وہ اس اذن عام کے منافی نہیں ہے،

مذکورہ شرائط پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کا ہونا قیام جمعہ کے شرائط میں سے نہیں ہے، اس لیے اگر وبا کے زمانہ میں مسجد میں تکثیر جماعت پر روک ہو تو مسجد کے علاوہ دوسرے ایسےمقامات پر جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے، جہاں مذکورہ بالا شرائط پائے جاتے ہوں خواہ گھر اور آفس کیوں نہ ہو۔

لہٰذا جب گھر اور آفس کے ذمہ داران کی طرف سے جمعہ کی نماز کے لیے جماعت خانہ میں آنے کی عام اجازت دیدی جائے تو گھر اور آفس میں جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے۔

سوال نمبر۴: ظہر پڑھنے کی صورت میں باجماعت پڑھیں یا تنہا؟

وہ حضرات جن کے اوپر نماز جمعہ فرض ہے، ان کے لیے ضروری ہے کہ اوّلاً وہ جمعہ کی ادائیگی کی کوشش کریں، اس لیے کہ جمعہ کے بارے بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، ایک حدیث میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ تَوَضَّأَ، فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ، فَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ؛ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ وزيادةَ ثلاثة أيام."

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح سے وضو کیا، پھر جمعہ پڑھنے آیا اور خاموشی سے خطبہ سنا تو اس کے اس جمعہ سے لے کر گزشتہ جمعہ تک اور تین دن زائد کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔''

(صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب فضل من استمع وأنصت فی الخطبة، الرقم: ۸۵۷)

باوجود اہلیت جمعہ ترک جمعہ پر سخت وعید آئی ہے، حدیث شریف میں:

"مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهِ."

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی محض سستی وکاہلی کی بنا پر تین جمعے چھوڑ دے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگائے دے گا۔" (سنن الترمذی، أَبْوَابُ الْجُمُعَةِ | بَابٌ: مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الْجُمُعَةِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ،الرقم: ۵۰۰)

البتہ تمام تر چاہتوں اور کوششوں کے باوجود ادائیگی جمعہ کی صورت نہ بن سکے تو ظہر کی نماز تنہا تنہا پڑھے، اس لیے کہ ایسی جگھوں میں جہاں جمعہ کی شرطیں پائی جاتی ہیں وہاں جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز جماعت سیادا کرنا درست نہیں ہے۔

سوال نمبر ۵: کیا وبا کے زمانہ میں عیدین کی نماز گھروں میں پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

عید کی نماز اسلام کے شعائر میں سے ایک بنیادی شعار ہے، اس سےمسلمانوں کی شان وشوکت کا اظہار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مسجد نبوی کی فضیلت کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید کے لیے ہمیشہ عیدگاہ تشریف لے جایا کرتے تھے، صرف ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارش کی وجہ سے عیدگاہ نہیں ج اس کے اور نماز عید مسجد نبوی میں ہی ادا فرمایا۔

حضرات فقہاء کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت مبارکہ ومتوارثہ کوسنت مو؟ کدہ میں سے شمار کیا ہے، چنانچہ علامہ عبدالحی فرنگی محلی علیہ الرحمہ ارقام فرماتے ہیں:

"لكن الخروج إلى الجبانة سنة مؤ كدة وإن وسعهم المسجد الجامع فإن صلوا فيه فى مساجد المصر من غير عذر جازت صلاتهم وتركوا السنة، هذا هو الصحيح، كما فى الظهيرية." (عمدة الرعاية على شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب العيدين، ۳۳۷/۲ ط، دارالكتب العلمية، بيروت)

وقال العلامة فخر الدين المعروف بقاضى خان:

"والسنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة ويستخلف غيره ليصلى فى المصر بالضعفاء والمرضى والأضراء ويصلى هو فى الجبانة بالاقوياء والاصحاء وان لم يستخلف أحدا كان له ذلك." (فتاوى قاضى خان، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين و تكبيرات التشريق، ۱۶۲/۱ ط. دارالكتب العلمية، بيروت)

اس لیے کوشش تو یہی ہو کہ جو لوگ تندرست اور صحت مند ہیں وہ عیدگاہ میں جاکر نماز عید ادا کریں،

لیکن چوں کہ جمعہ کی طرح نماز عید کے لیے بھی مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے اور اسی طرح نہ ہی عید کی نماز کے شرائط میں عیدگاہ کا ہونا شامل ہے، اس لیے وبائی موسم میں اگر حکومت کی طرف سے سختی ہو، عیدگاہ میں نماز ادا کرنے کی گنجائش نہ ہو تو مسجد، گھر یا دوسرے ان مقامات پر نماز عید ادا کی جاسکتی ہے، جہاں جمعہ وعیدین کے لیے مطلوب شرطیں پائی جاتی ہوں۔

جیسا کہ حضرت مولانا ومفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں:

''نماز جمعہ وعید کے صحیح ہونے کے لیے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے، شہر اور فنائے شہر میں پڑھ سکتے ہیں، (ہدایہ) (طحطاوی علی مراقی الفلاح ۲۹۳) جائے نماز کا وقف ہونا بھی ضروری نہیں ہے، ذاتی مکان اور کرایہ کے حجرہ میں بھی ادا ہو جاتی ہے، لیکن، شرط یہ ہے کہ اذن عام ہو، یعنی سب مسلمانوں کو وہاں پڑھنے کی اجازت ہو۔'' (درمختار مع شامی ج اص ۷۶۱ باب الجمعۃ) (فتاوی رحیمیہ کتاب الصلاۃ، باب الجمعہ والعیدین، ۱۷۰/۶)

سوال نمبر ۶: ماسک لگا کر نماز پڑھنے اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟

(الف)، ماسک کپڑے وغیرہ سے بنے ہوئے اس نقاب کو کہتے ہیں جس سے منہ اور ناک کو اچھی طرح سے ڈھانک لیا جاتا ہے، تاکہ

باہری جراثیم منہ اور ناک کے ذریعے اندر جا کر کسی قسم کے نقصان کا موجب نہ ہو، اسی طرح ماسک لگانے والا اگر کسی مہلک بیماری میں مبتلاء ہے تو اس کے اندر کے جراثیم منہ اور ناک کے ذریعے باہر آکر دوسروں کے لیے نقصان کا باعث نہ بنے، اور نماز کی حالت میں ماسک لگانے کا مقصد یہ ہے کہ نمازی ایک دوسرے سے متاثر نہ ہوں یعنی ایک نمازی سے کوئی جراثیم دوسرے نمازی تک منتقل نہ ہو۔

حالاں کہ کتب فقہ میں یہ بات صراحتا مذکور ہے کہ بلاوجہ ناک اور منہ ڈھانک کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، چنانچہ علامہ شرنبلالی رقمطراز ہیں:

"فیکرہ التلثم" اللثام ما کان علی الفم من النقاب واللقام ما کان علی أرنبة الأنف وفی الزیلعی التلثم تغطیة الأنف والفم فی الصلاة(حاشیة الطحطاوی علی المراقی کتاب الصلاة فصل فی المکروهات، ص ۳۵۰، ط. دارالکتب العلمیة، بیروت)

عبارت مذکورہ سے ایک طرف یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہاں کراہت سے مکروہ تحریمی مراد ہے، یعنی نماز میں بلا کسی عذر کے منہ اور ناک کا ڈھانک لینا شرعا مکروہ تحریمی ہے، دوسری طرف یہ بات بھی واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ منہ اور ناک ڈھانکنے کا حکم بظاہر دو وجہوں سے ہے:

(۱) قرأت مسنونہ اور اذکار ماثورہ کو پڑھنے میں رکاوٹ کا ہونا؛

(۲) آتش پرستوں کے ساتھ مشابہت کیوں کہ وہ لوگ آگ کی پرستش کے وقت منہ اور ناک ڈھانک لیتے ہیں۔

کتب فقہ میں مکروہات صلاۃ کے ضمن میں اس طرح کی عبارت بھی مذکور ہے:

قوله: (بلاعذر) أما بالعذر فلا کراهة لأن العذر یبیح ترك الواجب فأولی السنة. (حاشیة الطحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاة، فصل فی المکروهات، ۳۴۹،ط. دارالکتب العلمیة، بیروت)

جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کراہت مذکورہ اس وقت ہے جب کہ تغطیہ بلاوجہ اور بلاضرورت ہو، مگر عندالضرورت اور بوقت عذر اس کی گنجائش ہے۔

راقم الحروف کا اپنا خیال یہ ہے کہ ایک صحت مند انسان کو کسی موہوم اور خیالی تعدیہ کی وجہ سے کسی منصوص علیہ حکم کے خلاف عمل کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، وہ بھی اس دربار میں جہاں بندہ اس ذات سے سرگوشی کرتا ہے جس کے حکم سے صحت اور شفاء کے خزانے کائنات میں تقسیم کئے جاتے ہیں، البتہ حکومت کے ظالمانہ رویے کو ضرورت اور عذر کا درجہ دیتے ہوئی یہ تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے وقت منہ اور ناک سے ماسک ہٹالیا جائے اور سلام کے بعد اسے لگایا جائے۔

(ب) جماعت سے نماز پڑھنے کی صورت میں صفوں کی درستگی، نمازیوں کے ایک دوسرے سے مل کر کاندھے سے کاندھا ملا کر کھڑے ہونے اور درمیان سے فاصلے کو ختم کرنیکا حکم منصوص ہے، نیز حدیث شریف میں جیسے تیسے فاصلے کے ساتھ کھڑے ہونے پر وعید وارد ہوئی ہے، یہی وجہ کہ حضرات فقہائے کرام نے اس بات کی مکمل صراحت کی ہے کہ جب جماعت تیار ہو تو صفیں درست کرلی جائیں، نمازی باہم مل کر کھڑے ہوں، پہلی صف کو پہلے پر کیا جائے اس کے بعد اس سے متصل صف کو، اس کے بعد اس سے متصل صف کو، اسی طرح آخری صف تک تسلسل قائم رہے، نیز نمازیوں کے درمیان صفوں میں کوئی جگہ خالی نہ رہے، ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہوں، ضرورت سمجھے تو امام نماز سے پہلے لوگوں کو اس کی تاکید کردیا کرے؛

تاہم حضرات فقہاء کی توضیح کے مطابق تسویہ صفوف کا یہ حکم وجوبی نہیں ہے، بلکہ کے از قبیل سنن ہے، اس لیے مجبوری اور ضرورت کے وقت اس کے خلاف عمل کی گنجائش ہے، جیسا کہ فتاوی قاضی خان کی مندرجہ ذیل عبارت سے اس کا اشارہ ملتا ہے۔

"قوم صلوا فی الصحراء بجماعة ووسط الصفوف موضع مقدار حوض أو فارقین لم یقم فیه أحد جازت صلاتهم."

(فتاویٰ قاضی خان: ۳۲/۱) الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل ما یمنع صحة الاقتداء ولا یمنع، ۲/۲٦٤، رقم:

۲۳۷۸، ۲٦۵، رقم: ۲۳۸۲، ط،مکتبۃ زکریا، دیوبند)

لہٰذا اگر حکومتی دباؤ ہو، تسویہ صفوف کے مسنون طریقے پر عمل کرنے میں ظلم وزیادتی کا شکار ہونے کا اندیشہ ہو تو فاصلے کے ساتھ صف لگانے کی گنجائش ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال نمبر ۷: کرونا سے متأثر افراد کا مسجد میں آنا اور جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے؟

مسجد میں آکر نماز باجماعت ادا کرنے کی اہمیت وفضلیت امور مسلمہ میں سے ہے، مگر بعض اعذار کی وجہ شریعت میں ترک جماعت کو مباح قرار دیا گیا ہے، بلکہ بعض اُعذار ایسے ہیں جن کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ جو کوئی ان اعذار میں مبتلا ہوا سے مسجد سے روک دیا جائے، اور ایسا شخص عنداللہ جماعت کے اجر کا مستحق بھی ہوگا۔

چنانچہ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی علیہ الرحمہ ارقام فرماتے ہیں کہ درمختار میں لکھا ہے کہ جس شخص کے منہ میں ایسا تعفن ہو کہ دوسروں کو اذیت ہوتی ہے، اور نمازی پاس کھڑے ہونے سے پریشان ہوتے ہیں، تو ایسے شخص سے جماعت ساقط ہے، اس کو چاہئے کہ مسجد میں نہ جائے مکان پر نماز پڑھے، چوں کہ وہ حکم شرعی کی بنا پر مسجد جانے سے روک دیا گیا اس لیے وہ اجر سے محروم نہیں رہے گا۔ (فتاوی محمودیہ، باب الجماعت، ٦/ ۴۰۵ ط، جامعہ فاروقیہ کراچی)

نیز عذر کی وجہ سے ترک جماعت مباح ہونے کا ثبوت درج ذیل حدیث سے بھی ملتا ہے۔

نصوص اور فقہی عبارات پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایسے امراض جس سے دوسرے لوگوں کو اذیت ہوتی ہو، اگر کوئی شخص اس میں مبتلا ہو جائے تو اسے مسجد جانے کے بجائے گھر پر ہی نماز ادا کرنی چاہئے، موجودہ وبائی مرض کرونا کے تعلق سے چوں کہ لوگ طرح طرح کے خوف اور تشویش کے شکار ہیں ایسے میں لوگوں کو توہمات اور شکوک وشبہات سے بچانے اور کسی بدعقیدگی میں مبتلا ہونے سے روکنے کے لیے ضروری ہے کہ ایسا شخص جس کے بارے میں کرونا کی تشخیص ہو وہ صحتیاب ہونے تک مسجد جانے سے احتیاط کریں۔

جیسا کہ مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ان صورتوں میں خود مجذوم پر لازم ہے کہ وہ مسجد میں نہ جائے اور جماعت میں شریک نہ ہو، اور اگر وہ نہ مانے تو لوگوں کو حق ہے کہ وہ اسے دخولِ مسجد اور شرکتِ جماعت سے روک دیں اور اس میں مسجد محلّہ اور مسجد غیر محلّہ کا فرق نہیں ہے، محلّہ کی مسجد سے بھی روکا جاسکتا ہے تو غیر محلّہ کی مسجد سے بدرجۂ اولیٰ روکنا جائز ہے اور یہ روکنا بیماری کے متعدی ہونے کے اعتقاد پر مبنی نہیں ہے، بلکہ تعدیہ کی شرعاً کوئی حقیقت نہیں ہے، بلکہ نمازیوں کی ایذا یا خوفِ تلویث مسجد یا تنجیس وبا نفرت وفروش پر مبنی ہے''۔ (ج ۳/ص ۱۳۸، دارالاشاعت) واللہ تعالیٰ اُعلم۔

سوال نمبر ۸: کرونا سے متأثر افراد کے لیے روزہ کا کیا حکم ہے؟

کرونا وائرس کے تعلق سے ماہرین اطباء کا خیال یہ ہے کہ یہ وائرس جسم کا مدافعتی نظام کمزور ہونے کی وجہ سے حملہ آور ہوتا ہے، اور مریض اگر بھوکے پیاسے رہیں تو اس سے مدافعتی نظام کے مزید کمزور ہونے کا خدشہ ہے، ظاہری بات ہے کہ روزے میں دن بھر بھوکا پیاسا رہنا پڑتا ہے، جس سے مدافعتی نظام کے مزید کمزور ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اس لیے روزہ رکھنے سے وائرس کی ہلاکت خیزی کے امکان کو تقویت مل سکتی ہے، اور چوں کہ شریعت اسلامیہ مطہرہ میں روزے کی فرضیت ہی کے ساتھ یہ حکم بھی نازل کیا گیا ہے کہ جو شخص سفر یا بیماری کی وجہ سے روزے پر قدرت نہ رکھے، وہ صحتیاب ہونے کے بعد دوسرے دنوں میں اس کی قضا کرلے، اس لیے وہ حضرات جو کرونا سے متاثر ہوں، اور ڈاکٹروں کا مشورہ روزہ نہ رکھنے کے بارے میں ہو، تو ان کے لیے شریعت میں اس کی رخصت ہے کہ وہ صحت یاب ہونے تک روزہ کو مؤخر کردے، قرآن کریم اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

”اَیَّامًا مَّعدُوْدٰت فَمَن کَانَ مِن کُم مَّرِیضًا اَو عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّن اَیَّامٍ اُخَر.“ (البقرۃ: ۱۸۵)

گنتی کے چنددن روزے رکھنے ہیں، پھربھی اگرتم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہوتو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرلے؛

یعنی اکثر فقہاء کے مذہب کے مطابق ہر وہ مرض قابل رخصت ہے، جس کے ساتھ روزہ رکھنے میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑے، اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کا آگے یہ ارشاد ہے کہ ”یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر،“ ابن سرین، عطاء اور بخاری رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ مطلق مرض باعث رخصت ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

المریض اذا خاف علی نفسه التلف أو ذهاب عضو یفطر بالإجماع وإن خاف الزیادۃ وامتداده فکذلك عندنا، وعلیه القضاء اذا افطر (الفتاوی الھندیة کتاب الصوم، الباب الخامس فی الأذار التی تبیح الإفطار، ۱/۲۰۷ ط. مکتبه زکریا دیوبند)

چوں کہ کرونا کے مریض کی جو کیفیتیں اور احوال مشاہدے میں آئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ واقعی کرونا سے متاثر شخص کے لیے روزہ رکھنا باعث مضرت ہے، اور اطباء کے آراء سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اس لیے جو شخص کرونا میں مبتلا ہو جائے، اس کے لیے شرعا رخصت ہے کہ وہ افطار کرے اور صحت یاب ہونے کے بعد فوت شدہ روزوں کی قضا کرلے۔

سوال نمبر ۹: کیا کرونا کی وجہ سے عام مسلمانوں کو حج اور عمرہ سے روکا جاسکتا ہے؟

حج اور عمرہ اپنے تمام تر فضائل واحکام کے ساتھ مسلمانوں کی ایک دینی شان اور ملی پہچان ہیں، استطاعت کے باوجود جہاں ایک طرف حج نہ کرنے پر بڑی سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، تو دوسری طرف عمرہ کرنے والے کے لیے بہت سے انعامات کے وعدے ہیں۔

مگر افسوس عالمی وباء کرونا کی وجہ سے جہاں دیگر عبادات واعمال متاثر ہوئے ہیں، وہیں اس کا بہت بڑا اثر حج اور عمرے پر بھی پڑا ہے، حکومتوں کی طرف سے ویزے اور آمدورفت پر پابندی عائد کردی گئی، جس کی وجہ سے عازمین حج وعمرہ کی ساری تمنائیں مچلتی رہ گئیں، وہ ہزار چاہتوں کے باوجود زیارت کعبہ اور ادائیگی حج وعمرہ سے محروم رہ کردیئے گئے، دراصل سعودی عرب کے حکمرانوں کی طرف سے کورنا کے پھیلاؤ کے روک تھام کے نام پر حج اور عمرہ کے ویزے پر پابندی عائد کردی گئی، شاید دین کے تحفظ کے نام پر دین کو نقصان پہنچانے والے دین دار نما بددین یہ بات بھول گئے کہ بحکم الٰہی موت کو اگر آنا ہی ہوگا تو اسے کون روکنے والا ہے، اس لیے کہ خالق موت وحیات کا یہ فیصلہ قرآن حکیم میں موجود ہے:

”أینما تکونوا یدرکم الموت، ولو کنتم فی بروج مشیدۃ.“

بلاشبہ یہ احتیاط کے نام پر دین اور شریعت کے ساتھ بڑی بے احتیاطی پر مبنی فیصلہ ہے، جس کی شرعا کیوں کر گنجائش ہوسکتی ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کیا جاسکتا تھا، کہ ہر ملک سے حاجیوں کے کوٹے کم کردیئے جاتے، احتیاطیں بڑھادی جاتیں، جانچ پڑتال میں اضافہ کردیا جاتا، لیکن ایسا نہ کرکے کلی طور پر حج وعمرہ کے ویزہ کو بند کردینا بہت بڑا ظلم ہے، اور ”ومن أظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیھا اسمه وسعی فی خرابھا“ کے زمرے میں شامل ہونا ہے، الغرض موہوم عذر کی وجہ سے ایک لازمی فریضہ کی ادائیگی پر روک لگادینا شرعا جائز اور درست نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ أعلم.

کرونا وبا کی وجہ سے پیدا شدہ چند ضروری مسائل

مفتی اکرام احمد ندوی
معہد الدراسات الاسلامیۃ لکھنؤ

محور دوم: کرونا کے زمانے میں عبادات میں تخفیف

سوال نمبرا۔ کیا کرونا وائرس کی وجہ سے مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت کرنے یا انفرادی نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

احادیث مبارکہ سے پتہ یہ چلتا ہے کہ اس امت کے لیے پوری زمین مسجد کے حکم میں ہے، جہاں چاہے نماز پڑھ لے نماز ہو جائے گی چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے، آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

”جعلت لی الأرض مسجداً وطهوراً فأيما رجل من أمتی أدركته الصلاة فليصل.“ (صحيح البخاری: كتاب الصلاة: باب قول النبیؐ...... الخ ۲/۲۵)

تاہم مسجد میں نماز پڑھنا گھروں کے مقابلے میں افضل ہے۔ آپ علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

”فصلوا أيها الناس فی بيوتكم فإن أفضل صلاة المرء فی بيته إلا الصلاة المكتوبة.“ (صحيح البخاری: كتاب الإعتصام ......الخ، باب ما يكره من كثرة السؤال...... الخ، ۸۵/۲۴)

البتہ نماز کہیں بھی پڑھی جائے لیکن جماعت کے ساتھ پڑھی جائے۔ احادیث مبارکہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی بہت تاکید آئی ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”صلاة الرجل فی جماعة تضعف على صلاته فی بيته و فی سوقه خمساً وعشرين ضعفاً.“ (صحيح البخاری: كتاب الأذان: باب فجل صلاة الجماعة ۹۷/۳)

نیز بلا عذر تارکین جماعت کے لیے سخت انتباہ بھی مذکر ہے۔ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

”والذی نفسی بيده لقد هممت أن آمر بحطب فيحطب ثم آمر بالصلاة فيؤذن لها ثم آمر رجلاً فيؤم الناس ثم أخالف الیٰ رجال فأحرق عليهم بيوتهم.“ (صحيح البخاری: كتاب الأذان۔باب و جوب صلاة الجماعة: ۹۳/۳)

لیکن احادیث مبارکہ میں عذر کی وجہ سے ترک جماعت کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ چنانچہ شدید بارش اور سخت ٹھنڈک کے موقع پر گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم مذکور ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے:

”إن ابن عمر أذن بالصلاة فی ليلة ذات برد و ريح، ثم قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمر المؤذن إذا كانت ليلة ذات برد ومطريقول: ألا صلو ا فی رحالكم.“ (صحيح البخاری: كتاب الأذان۔باب الرخصة فی المطر۔۲۱۷/٤)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام نوویؒ رقمطراز ہیں:

"هذا الحديث دليل على تخفيف أمر الجماعة فی المطر و نحوه من الأعذار."

(المنهاج على شرح مسلم بن الحجاج كتاب صلاة المسافرين، باب الصلاة فی المطر ، ۲۰۷/۵)

ان تمام نصوص سے واضح ہوگیا کہ عذر کی بنا پر ترک جماعت کی گنجائش ہے اور مسجد کے بجائے گھروں میں نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ کرونا وائرس بھی ایک مہلک اور خطرناک مرض ہے جس کی وجہ سے لاکھوں افراد لقمۂ اجل بن چکے ہیں۔ اس پس منظر میں بدرجۂ اولیٰ گھروں میں نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی تاکہ اختلاط سے حتی المقدور بچا جاسکے اس کے اوراپنی جان کی حفاظت کی جاسکے۔ فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے: اگر اپنے یا اپنے اہل خانہ کے متعلق کوئی خوف ہو تو شرعاً اس کی گنجائش ہے کہ مسجد نہ جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ گھروں میں جماعت سے نماز ادا کی جائے یا تنہا پڑھی جائے؟ اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ اگر گھر میں ایک سے زائد افراد موجود ہوں اور کوئی اس مہلک مرض میں مبتلا نہ ہو تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے تاکہ جماعت کے ثواب سے محرومی نہ ہو، چنانچہ آپ ﷺ سے گھر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔

اور اگر تنہا پڑھنا چاہیں تو اس کی بھی گنجائش ہے لیکن جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

سوال نمبر۲۔ کرونا کے زمانے میں ایک سے زائد مرتبہ نمازیں پڑھنے اور متعدد بار نماز جمعہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

ایک ہی مسجد میں ایک سے زائد مرتبہ نماز با جماعت ادا کرنے کے متعلق احادیث دونوں طرح کی ہیں۔ اجازت کی بھی ہے اور ممانعت کی بھی۔ جواز کی روایت مسند احمد میں مذکور ہے کہ ایک صاحب جماعت ختم ہونے کے بعد مسجد آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کون ان کے اجر میں اضافہ فرمائے گا، تو ان کے ساتھ ایک صاحب کھڑے ہوئے جب دونوں نماز سے فارغ ہوگئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جماعت کے ساتھ نماز ہوئی۔

اس روایت کی وجہ سے حنابلہ جماعت ثانیہ کے جواز کے قائل ہیں۔

ممانعت کی روایت اس سے قبل مجمع الزوائد میں صراحتاً مذکور ہے، روایت میں ہے جب آپ ﷺ مسجد تشریف لائے تو نماز ہوچکی تھی۔ آپؐ گھر واپس آئے اور اہل خانہ کے ساتھ نماز با جماعت ادا کی۔

اس روایت کی وجہ سے فقہاء احناف جماعت ثانیہ کی کراہت کے قائل ہیں اور قریب قریب یہی رائے مالکیہ وشوافع کی بھی ہے، اگرچہ بعض جزئیات میں اختلاف ہے۔ (الفقه الإسلامی و أدلته: كتاب الصلاة ۱۶۳/۲)

علامہ شامیؒ مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر تکرار جماعت مکروہ نہ ہوتی تو آپ ﷺ مسجد ہی میں جماعت کرتے لیکن آپؐ نے ایسا نہیں کیا۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں دوبارہ جماعت کرنا درست نہیں ہے۔

چوں کہ دونوں طرح کی روایات ہیں اس لیے فقہاء احناف کے اس سلسلے میں اور بھی اقوال ہیں جن کو ہم ذیل میں ذکر کر رہے ہیں۔

اگر مسجد میں امام، مؤذن متعین ہوں تو بالاتفاق جماعت ثانیہ مکروہ ہے۔

مسجد میں امام مؤذن متعین نہ ہوں یا دوسری جماعت بلا اذان واقامت کے کی جائے تو فقہاء احناف کے یہاں متفق علیہ طور پر جماعت ثانیہ درست ہے۔

اسی طرح ایک روایت یہ بھی ہے کہ جماعت ثانیہ جماعت اوّل کی جگہ سے ہٹ کر ادا کی جائے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اسی طرح امام صاحبؒ سے ایک قول اور بھی منقول ہے کہ جماعت ثانیہ اس وقت درست ہے جب کہ لوگ مختصر تعداد میں ہوں اگر زائد ہوں تو بھی مکروہ ہے۔

ان تمام نصوص فقہیہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صرف ایک صورت میں جماعت ثانیہ مکروہ ہے دیگر صورتوں میں گنجائش ہے۔

اس وباء کے زمانے میں بہتر ہے کہ گنجائش والی صورتوں پر عمل کیا جائے تو کوئی کراہت نہیں ہوگی۔ اور اگر پہلی صورت پر بھی عمل کرلیا جائے تو

بھی کوئی حرج نہیں ہے دووجہوں سے، ایک وجہ تو یہ ہے کہ حنابلہ کے مسلک میں اس کی اجازت ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جماعت ثانیہ کی کراہت کی اصل وجہ تقلیل جماعت ہے جو یہاں پر مفقود ہے۔اس وباء کے زمانے میں تقلیل جماعت کا تحقق نہیں ہوسکتا، یہ تو جب ہوسکتا ہے جب کہ جماعت میں آنا ممکن ہو پھر بھی نہ آئے۔لیکن آنا ممکن ہی نہیں تو تقلیل جماعت کا کیا مطلب؟ بلکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے لوگ تو خون کے آنسو رو رہے ہیں کہ کون سی مصیبت آگئی ہے کہ نماز وغیرہ پر بھی پابندی ہے۔ایسے ماحول میں خواہ پنج وقتہ نماز کا مسئلہ ہو یا جمعہ کا مسئلہ ہو جماعت ثانیہ کی گنجائش ہوگی۔

چنانچہ فقیہ النفس مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم ایک مسجد میں دوبارہ جمعہ قائم کرنے کے متعلق رقمطراز ہیں:

’’جب تک یہ سہولت حاصل نہ ہو تکرار جماعت ہی کے ذریعہ سہی مسلمانوں کو جمعہ سے محروم نہ ہونے دیں، ورنہ اندیشہ ہے کہ اس سے ان کی دینی حالت پر بہت ہی خراب اثر پڑے گا۔‘‘ (کتاب الفتاویٰ ۳/ ۲۷)

سوال۳۔ وبا کے زمانے میں گھروں میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو اس کی کیا شرطیں ہیں؟

کتب فقہ احناف میں صحت جمعہ کے لیے جن شرائط کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے ان میں کہیں بھی نماز جمعہ کے لیے مسجد کا ہونا بطور شرط ذکر نہیں ہے، ہاں! یہ بات ضرور ہے کہ جماعت کثیرہ کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنا مطلوب اور افضل عمل ہے۔

مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنا ضروری نہیں ہے اس کے متعلق متعدد فقہاء نے اس کی صراحت ذکر کی ہے۔

حلبی کبیر میں وضاحت کے ساتھ مذکور ہے:

”والمسجد الجامع ليس بشرط“ (حلبى كبيرى شرائط الجمعة ص:٤٧٤)

تاتارخانیہ میں بھی اسی طرح کا قول مذکور ہے:

”لو صلى الجمعة فى قرية بغير مسجد جامع والقرية كبيرة لها قرى وفيها والحاكم جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم يبنوا.“ (تاتار خانيه كتاب الصلاة: الفصل: ٢/ ٥٤٨)

لہٰذا عام حالات میں تو نماز جمعہ کا گھروں میں ادا کرنا درست اور مناسب نہیں ہے کیوں کہ اس صورت میں مقصد جمعہ فوت ہو جائے گا، لیکن کرونا وباء کی وجہ سے گھروں میں نماز جمعہ کا ادا کرنا جائز ہوگا کیوں کہ مساجد میں جماعت کثیرہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی حکومت کی طرف سے ممانعت ہے جس کا لحاظ کرنا ملک کے ہر باشندے کے لیے ضروری ہے۔

جہاں تک گھروں میں نماز جمعہ قائم کرنے کے شرائط کی بات ہے تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ کچھ شرطیں ایسی ہیں جو عموم کا درجہ رکھتی ہیں چاہے گھر میں نماز ادا کرے یا مساجد میں دونوں جگہوں کے یکساں ہیں، البتہ کچھ شرطیں ایسی ہیں جن کا گھروں میں نماز پڑھنے کی صورت میں خاص خیال رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہیں۔

ایک تو یہ کہ نماز پڑھنے والوں کی تعداد امام کے علاوہ کم سے کم تین ہونی چاہئے، اس سے کم میں نماز جمعہ درست نہیں ہوگی، یہی صحیح رائے ہے۔

قال أبو حنيفة و محمد هم ثلاثة نفر سوى الإمام وعن أبى يوسف فى عمر رواية الأصول اثنان سوى الإمام. (تاتار خانيه كتاب الصلاة الفصل ٢٥-٢/ ٥٥٩)

دوسری شرط یہ ہے کہ امام ایسا ہو کہ نماز جمعہ پڑھانے پر قادر ہو خطبہ دے سکتا ہو، اس لیے کہ نماز جمعہ سے قبل خطبہ کا ہونا صحت جمعہ کے لیے شرط ہے۔

گھروں میں نماز جمعہ ادا کرنے کے متعلق صرف ایک اشکال ہوتا ہے اور وہ یہ کہ فقہاء احناف کے نزدیک انعقاد جمعہ کے لیے اذن عام کا ہونا مشروط ہے، اس کا مطلب یہ کہ جہاں بھی نماز جمعہ ادا کی جائے ہر کسی کو آنے کی اجازت ہو، کسی کے لیے دروازہ بند نہ ہو، جب کہ کرونا وباء کی وجہ سے سخت

ہدایت ہے کہ کسی بھی جگہ اجتماع کثیر نہ ہو۔اس کے جواب میں عرض ہے کہ ایک طرف اگر کتب فقہ میں اذن عام کی شرط مذکور ہے تو دوسری طرف کچھ جزئیات ایسی ہیں جن سے اذن عام کا خاص حالات میں ہی شرط نہ ہونا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ شامی ذکر کرتے ہیں۔

یہ (نص اذن عام کی شرط) وہاں ہے جہاں ایک ہی جگہ نماز جمعہ ہوتی ہو، تاکہ تمام لوگ نماز میں شریک ہو سکیں، اگر کہیں متعدد جگہ نماز ہوتی ہو تو اذن عام کی شرط کا لحاظ ضروری نہیں ہے:

ینبغی أن یکون محل النزاع ما إذا کان لاتقام إلا فی محل واحد أما لو تعددت فلا." (رد المحتارمع الدرالمختار، کتاب الصلاة: مطلب فی قول الخطیب، ۳/۲۵)

نیز متعدد کتبِ فقہ میں کچھ ایسی صراحت بھی ملتی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی مصلحت کی وجہ سے دروازے کو بند کر لیا جائے تو اذن عام کے منافی نہیں ہے۔درمختار میں ہے:

"فلا یضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قدیمة لأن الإذن العام تقرر لأهله، وغلقه لمنع العدو لا للمصلی." (الدر المحتارمع الرد: باب صلاة الجمعة ۳/۲۴۱)

اس جزئیہ کو ذکر کرنے کے بعد فقیہ النفس حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی تحریر فرماتے ہیں۔راقم سطور کا خیال ہے کہ کارخانوں، فوجی کیمپوں وغیرہ کی مساجد جہاں نماز میں کوئی رکاوٹ نہ ہو لیکن ان کے دروازے کو بند رکھنا ناگزیر ہے، یہ بھی اسی حکم میں ہوں گے۔(قاموس الفقہ ۳/۱۲۴)

اسی طرح کا ایک فتوی امداد الاحکام میں بھی مذکور ہے:

''اس سے معلوم ہوا کہ جس شہر میں جامع مسجد وغیرہ نماز جمعہ کے لیے موجود ہو اور ان میں نمازیوں میں رکاوٹ نہ ہو، وہاں اگر چھاؤنی یا قلعہ میں جمعہ ادا کیا جائے تو جائز ہے، گو چھاؤنی اور قلعے میں دوسرے لوگ نہ آ سکتے ہوں کیوں کہ مقصود نماز سے روکنا نہیں ہے بلکہ انتظام مقصود ہے۔'' (امداد الاحکام کتاب الصلاۃ،۲/۳۶۵)

خلاصہ یہ کہ جہاں شروع سے جمعہ ہوتا چلا آ رہا ہو وہاں ذکر کردہ شرائط کے مطابق گھروں میں نماز جمعہ ادا کرنے کی شرعاً اجازت ہوگی۔ ہاں اگر کوئی نماز پڑھانے والا نہ ہو یا امام ہو لیکن خطبہ دینا نہ آتا ہو تو ظہر کی نماز پڑھنا کافی ہو جائے گا۔

سوال نمبر۴۔ظہر پڑھنے کی صورت میں با جماعت پڑھیں یا تنہا؟

جن علاقوں میں جمعہ کی جملہ شرطیں پائی جا رہی ہوں وہاں کسی مسجد یا کسی جگہ کسی وجہ سے جمعہ پڑھنا ممکن نہ ہو تو وہاں کے لوگوں کے لیے نماز ظہر ادا کرنا ضروری ہے، جمعہ ان سے ساقط ہو جائے گا۔البتہ فقہاء احناف کے نزدیک ظہر کی نماز تنہا پڑھی جائے گی۔ جماعت کے ساتھ ظہر ادا کرنا مکروہ ہے۔اکثر فقہاء احناف مکروہ تحریمی مراد لیتے ہیں۔علامہ شامی نے کراہت تنزیہی کا قول نقل کیا ہے۔احناف اس سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر سے استدلال کرتے ہیں۔ نیز عقلی وجہ بھی بیان کرتے ہیں:

" لا یجمع القوم الظهر یوم الجمعة فی موضع یجب علیهم شهود الجمعة." (کنز العمال ۸/۳۰۷)

ایک وجہ یہ ہے کہ ظہر کی نماز با جماعت مشروع قرار دینے کی صورت میں جمعہ کے نمازیوں کی تعداد کم ہو جائے گی۔ کیوں کہ اس سے اس صورت میں غیر معذورین بھی جماعت میں شریک ہو کر جمعہ کی فضیلت سے محروم رہ جائیں گے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جمعہ ایک شعار ہے۔اس کے مقابلے میں دوسرا عمل انجام دینے کی شکل بن جائے گی جو مناسب نہیں ہے:

کرونا کے اس وباء میں اکثر افراد مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ کیوں کہ حکومت کی ہدایت کے اعتبار سے متعین افراد ہی مسجد میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اور اگر گھر میں جماعت کا اہتمام کیا جائے تو یا تو جمعہ پڑھانے والا کوئی نہیں ہوتا ہے۔ اور اگر ہوتا بھی ہے تو افراد کا ہجوم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے گھر میں بھی جمعہ قائم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اب ان کے پاس ایک ہی شکل باقی رہتی ہے کہ ظہر کی نماز ادا کریں۔ چوں کہ جمعہ کے علاوہ دیگر نمازوں کی جماعت کے لیے صرف دو بالغ مرد کا ہونا بھی کافی ہے۔ اب وہ ارادہ کرتا ہے کہ ہم تو جمعہ کی فضیلت سے محروم ہو گئے۔ کم از کم ظہر کی نماز جماعت سے پڑھ لیں تا کہ جماعت کا ثواب بھی مل جائے۔ رہا مسئلہ فقہاء کی کراہت کا قول ذکر کرنا تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اسباب کراہت کے نقل کئے ہیں وہ اس وقت مفقود ہیں۔ یہاں پر نہ تو تقلیل جماعت کی صورت بن رہی ہے کہ مسجد میں چند افراد ہی نماز ادا کر سکتے ہیں باقی افراد کے لیے دروازہ بند ہے۔ اور نہ ہی معارضہ کی۔ کیوں کہ یہ حضرات جمعہ پڑھنے کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن جمعہ پڑھنا ممکن نہیں ہو رہا ہے۔ تو ان حضرات کے لیے ظہر کی نماز با جماعت ادا کرنے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ کیوں کہ احناف کے علاوہ دیگر فقہاء کی بھی یہی رائے ہے۔

جیسا کہ ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ نے ذکر کیا ہے:

”وقال الجمهور غير الحنفية يجوز لمن فاتته الجمعة لعذر أو لمن لا تجب عليه الجمعة أن يصلوها ظهرا في جماعة تحصيلا لثواب الجماعة.“ (الفقه الإسلامي و أدلته ٣/٣١٣)

لہٰذا میری رائے کے مطابق مذکورہ وباء کے زمانے میں مذکورہ اعذار کی وجہ سے ظہر کی نماز با جماعت ادا کرنا درست ہے۔ کوئی کراہت نہیں ہوگی۔

نیز یہ بھی ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے حق میں بے شمار احادیث وارد ہیں۔ اور بلا عذر ترک جماعت کے متعلق جس قدر وعیدیں مذکور ہیں ان کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر کو بطور دلیل پیش کرنا بہت زیادہ مناسب نہیں ہے۔

سوال نمبر ۵۔ کیا وباء کے زمانے میں عیدین کی نماز گھروں میں پڑھنے کی اجازت ہوگی؟

مفتیٰ بہ قول کے مطابق احناف کے نزدیک عیدین کی نماز واجب ہے۔ اور عید گاہ میں ادا کرنا مسنون ہے۔ بلا عذر مساجد میں نماز عید پڑھنا مناسب نہیں۔ ہاں اگر کوئی عذر ہو تو مسجد میں پڑھی جا سکتی ہے۔

عن أبي هريرة أنه أصابهم مطر وصلى بهم النبي ﷺ صلاة العيد في المسجد.“ (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب يصلي بالناس العيد في المسجد، ١/٤٥١)

اس وقت کرونا وباء کی وجہ سے اجتماع کثیر کے ساتھ نہ صرف عید گاہ میں نماز پڑھنا ممنوع ہے بلکہ مساجد میں بھی اجازت نہیں ہے۔ ایسے ماحول میں جس طرح جمعہ کی نماز پڑھنے کی گھروں میں اجازت ہو سکتی ہے اسی طرح عیدین کی بھی اجازت ہونی چاہیے۔ اس لیے بھی کہ جمعہ کی نماز بہر حال فرض ہے تو اگر فرض کے متعلق یہ اجازت ہو سکتی ہے تو عیدین کے لیے بدرجہ اولیٰ ہو سکتی ہے۔ نیز عیدین کے لیے تقریباً وہی شرطیں ہیں جو صحت جمعہ کے لیے ہیں۔ ہاں خطبہ کا مسئلہ ذرا مختلف ہے۔ نماز عیدین میں خطبہ مسنون ہے جب کہ جمعہ میں خطبہ شرط ہے۔ نیز کتب فقہ میں ایک اور شرط کو بطور استثناء کے ذکر کیا ہے۔ وہ یہ کہ جمعہ کی نماز کے لیے امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ افراد کا ہونا ضروری ہے جب کہ نماز عیدین کے لیے امام کے علاوہ ایک فرد بھی کافی ہے۔ اگر چہ بہتر ہے کہ اس میں بھی تین بالغ افراد ہوں۔

گھروں میں نماز ادا کرنے کی ایک اور وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ فقہائے احناف کے یہاں اس بابت اختلاف ہے کہ ایک ہی شہر میں متعدد جگہوں پر نماز جمعہ ادا کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اگر چہ اب جواز کا ہی فتویٰ دیا جاتا ہے لیکن نماز عیدین کے متعلق اس بابت اتفاق ہے۔ شہر یا فنائے شہر میں متعدد جگہوں پر نماز عیدین ادا کی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ صاحب درمختار نے اس کی صراحت ذکر کی ہے۔

"ولو أمكنة الذهاب إلى أيام آخر فعل لأنها تؤدى بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً." (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب أمر الخليفة ۵۵/۳)

چوں کہ حنابلہ اورشوافع کے نزدیک نماز عیدین تنہا بھی ادا کی جاسکتی ہے اس لیے اکثر عرب علماء کی بھی یہی رائے ہے۔

بہت سارے عرب علماء نے گھروں میں نماز عیدین کی بابت حضرت انس رضی اللہ عنہ کے عمل سے بھی استدلال کیا ہے جس کو امام بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں نقل کیا ہے۔

وأمر أنس بن مالك مولاهم ابن أبى عتبة بالزاوية جمع أهله وبنيه وصلى كصلاة أهل المصر و تكبيرهم." (صحيح البخارى: كتاب العيدين باب اذا فاته العيدين: ۳۳٤/۱)

لہٰذا جملہ شرائط کے ساتھ نماز عیدین پڑھانے والا امام موجود ہو تو گھروں میں نماز عیدین کا پڑھنا بہتر ہے۔ اگر امام ایسا ہو جو نماز تو پڑھا سکتا ہو لیکن خطبہ دینے پر قادر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ نماز عیدین کے لیے خطبہ محض مسنون ہے شرط نہیں ہے۔

"ولو ترك الخطبة فى صلاة العيد تجوز صلاة العيد."

(الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، شرائط صلاة العيدين، ۶۰۹/۲)

سوال نمبر ۶۔ ماسک لگا کر نماز پڑھنا اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟

اس سوال کے دو حصے ہیں: (۱) ماسک لگا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ (۲) صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟

جہاں تک پہلے جز کی بات ہے تو حدیث میں منہ ڈھانپ کر نماز پڑھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اسی طرح آثار اور تابعین کے فتاوی سے معلوم ہوتا ہے کہ ناک کا ڈھانپنا بھی نماز کی حالت میں درست نہیں ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ کی حدیث میں صراحت ہے:

"عن أبى هريرةؓ قال: نهى النبى ﷺ أن يغطى الرجل فاه الصلاة."

(سنن ابن ماجه كتاب الصلاة باب مايكره فى الصلاة ۳۱/۱)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ناک ڈھکنے کے متعلق مختلف آثار اور تابعین کے فتاوی موجود ہیں۔

چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ ناک ڈھکنے کو ناپسند کرتے ہیں۔

عن عكرمة ان ابن عباس كره تغطية الأنف. (مصنف ابن ابى شيبه، كتاب الصلاة، فى تغطيه الأنف ۳٤۷

اسی لیے فقہائے کرام بھی نماز کی حالت میں منہ اور ناک ڈھکنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن کراہت اس وقت ہے جب کہ کوئی عذر نہ ہو۔ اگر کوئی عذر ہو اور منھ یا ناک ڈھکنے کی ضرورت ہو تو کراہت نہیں ہوگی۔ خود کتب فقہ کی تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ چنانچہ فتاوی تاتارخانیہ میں صراحت ہے۔

"ويكره للمصلى ان يغطى فاه، وفى الخانية: أنفه فى الصلاة هذا الذى ذكرنا فى غير حالة العذر أما فى حالة العذر بأن غلبه التثاؤب فلا بأس بأن يضع يده على أنفه." (كتاب الصلاة ما يكره للمصلى ۱۹۹/۲)

اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ کسی بھی عذر کے موقع پر منہ اور ناک ڈھک کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ کرونا وباء کی وجہ سے ڈاکٹروں کی جانب سے سخت ہدایت ہوتی ہے کہ وائرس سے بچاؤ کے لیے منہ اور ناک کا ڈھانپنا ناگزیر ہے۔ اس لیے اس حالت میں ضروری سمجھ کر ماسک کا استعمال کرنا چاہئے اس سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

جہاں تک دوسرے جز کی بات ہے تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ احادیث مبارکہ میں اتصال صفوف کا تاکیدی حکم دیا گیا۔ اور فاصلے کے ساتھ نماز پڑھنے کے متعلق وعیدیں بھی ذکر کی گئی ہیں نیز مختلف احادیث میں صفوں کے اتصال کے ساتھ نماز پڑھنے کو حسن صلوۃ کا جز و اور حصہ قرار دیا گیا ہے۔

ان تمام احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے اکثر فقہاء کرام اتصال صفوف کو سنت مؤکدہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں:

”استدل به الجمهور على سنة التسوية، وابن حزم على وجوبها.“ (الحاوی للفتاوی للسیوطی: کتاب الصلاۃ ۵۴/۱)

الموسوعہ میں تو اس پر تمام فقہاء کا اتفاق نقل کیا ہے:

”اتفق العلماء على أن من السنن المؤكدة تسوية الصفوف فى ا لصلاة الجماعة بحيث لا يتقدم بعض المصلين على بعض الآخر، والتراص فى الصفوف بحيث لايكون فيها فرجة.“ (الموسوعة الفقيهة: تسوية: ۳۵۳/۱۱)

احادیث اور فقہی تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صفوں کے اتصال کے ساتھ نماز پڑھنا مطلوب عمل ہے اور تاکیدی حکم ہے اور بلا عذر فاصلہ کے ساتھ نماز پڑھنا غیر مستحسن اور مغایر سنت عمل ہے نیز یہ بھی واضح ہوگیا کہ اگر فاصلہ کے ساتھ نماز پڑھ لی جائے تو نماز فاسد تو نہیں ہوگی البتہ بلا عذر ایسا کرنے سے گناہ ہوگا۔

چنانچہ علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ اتصال صفوف ضروری اور واجب ہے لیکن یہ خیال رہے کہ اس کا حکم دیگر اور واجبات کی طرح نہیں ہوگا، کہ اس کے ترک سے نماز فاسد ہو جائے یا کمی آجائے بلکہ اس کے ترک سے گنہگار رہوگا:

”فينبغى أن تكون إقامة الصفوف واجباً فليكن واجباً ولكنه ليس من واجبات الصلاة بحيث إذا تركها أفسد صلاته أو نقصها ولكنه إذا تركه يأثم.“ (شرح أبى داؤود للعينىؒ كتاب الصلاة:تسوية الصفوف: ۳۱۳/۳)

فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ایک شخص مسجد کے ایک کنارے سے امام کی اقتداء کرے اور امام محراب میں کھڑے ہوں تو بھی نماز ہو جائے گی جب کہ درمیان میں کوئی صف نہ ہو:

ولو اقتدى بالإمام فى أقصى المسجد والإمام فى أعلى محراب فإنه يجوز.“ (الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، الفصل الخامس ۸۸/۱)

البتہ صفوں کے درمیان خالی جگہ چھوڑ کر کے صف بنانا ناپسندیدہ عمل ہے۔ لیکن متعدد فقہاء نے کراہت کے قول کو غیر عذر کے ساتھ مقید کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ عذر کی حالت میں صفوں کے درمیان خلا رہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے چنانچہ ملا علی قاری علیہ الرحمہ اتصال صفوف والی احادیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”والظاهر أن محله حيث لا عذر كحر أو برد شديد.“ (مرقاة المفاتيح: باب الجماعة: ۲۰۱/۴)

نیز علامہ طحطاویؒ نے بھی خلاصہ کے حوالے سے تقریباً یہی بات نقل کی ہے۔

وفى الخلاصة ان صلى خلف الصف منفرداً مختاراً من غير ضرورة يجوز ويكره.

(حاشية الطحطاوى: كتاب الصلاة فى المكروهات: ۲۴۴)

جب عذر کی وجہ سے صفوں کے درمیان اتصال کے بغیر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے تو کرونا وائرس کی وجہ سے فاصلہ کے ساتھ نماز پڑھنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا، کیوں کہ طبی ہدایت کے مطابق دو آدمیوں کے درمیان تقریباً دو گز کا فاصلہ رکھنا ضروری ہے، ورنہ مرض کے متعدی ہونے کا امکان ہے لہٰذا ایسی صورت میں فاصلہ کے ساتھ نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال نمبر ۷۔ کرونا سے متأثرہ افراد کا مسجد آنا اور شریک جماعت ہونا کیسا ہے؟

احادیث میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی بے شمار فضیلتوں کے باوجود کچھ ایسے افراد کو شریک جماعت ہونے سے صراحتاً منع فرما دیا ہے جن کے منہ سے بدبو آ رہی ہو:

چنانچہ بخاری میں صراحت کے ساتھ روایت موجود: من أكل ثوماً أو بصلاً فليعتزلنا أو ليعتزل مسجدنا وَلْيقعد في بيته.

☆ من أكل من هذه الشجرة يعني الثوم فلا يقربن مصلانا.

(صحیح البخاری: کتاب الصلاۃ: باب ما جاء فی الثوم: ۱/۲۹۳۔ کتاب الاعتصام: باب الأحکام التی تعرف الخ۔ ۶/۲۶۷۸)

نیز بعض احادیث میں اس ممانعت کی علت کا بھی صراحتاً تذکرہ ہے، وہ یہ کہ عامۃ الناس اور ملائکہ کو تکلیف ہوتی ہے:

"من أكل البصل والثوم والكراث فلا يقربن مسجدنا فان الملائكة تتأذى مما يتأذى بنو آدم." (صحيح مسلم: كتاب المساجد: باب نهى من أكل ثوماً الخ ۲/۷۹)

ان احادیث کے ذیل میں شراح حدیث نے یہ بات نہایت وضاحت کے ساتھ تحریر کی ہے کہ اس حکم کا انحصار احادیث میں ذکر کردہ صرف دو چیزوں کے ساتھ نہیں ہے بلکہ جن کے کھانے اور استعمال کرنے سے بدبو پیدا ہو اور اختلاط کے نتیجے میں لوگوں کو تکلیف اور گھن محسوس ہو اس کا بھی یہی حکم ہوگا، چنانچہ بخاری کے عظیم شارح ابن بطال لکھتے ہیں:

هذا الحديث أصل في نفي كل ما يتأذى به. (شرح ابن بطال: أبواب صلاة الجماعة ۲/۴٦٥)

اسی طرح شراح حدیث نے ان اشیاء کے ساتھ ان مریضوں کو بھی شامل فرمایا ہے جن کے ملنے جلنے کی وجہ سے لوگوں کو طبعی طور پر نفرت اور کراہت محسوس ہوتی ہو بلکہ علامہ عینی علیہ الرحمہ نے یہاں تک لکھا ہے کہ اس طرح کے مریض مثلاً جذامی برصی کا بدرجہ اوّلی یہ حکم ہوگا۔ کیوں کہ نہ صرف یہ کہ اس طرح کے مریض سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے بلکہ یہ مرض پھیلتا بھی ہے اور دوسروں کو اپنے لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

وكذلك القصاب والمجذوم والأبرص أولى بالإلحاق. (عمدة القاري: باب ما جاء في الثوم الخ ۹/٤٥٦)

اسی وجہ سے فقہاء کرام ان حضرات کو مسجد میں جانے اور شریک جماعت ہونے سے منع فرماتے ہیں اور مکروہ سمجھتے ہیں۔

علامہ شامیؒ نے تفصیل کے ساتھ اس کو لکھا ہے:

وكذلك ألحق بعضهم بذلك من بفيه بخر أو به جرح له رائحة، وكذلك القصاب والسماك والمجذوم والأبرص أولىٰ بالالحاق. (رد المحتار مطلب في الغرس في المسجد ۱/٦٦١)

اسی طرح فقہ حنبلی میں بھی اس کی صراحت ملتی ہے:

"وكره حضور مسجد وحضور جماعة لأكل بصل أو فجل وفي معناه نحو من به صنان أوجذام." (شرح منتهى الارادات فصل بعذر بترك جمعة و جماعة: ۱/۲۸٥)

کرونا وائرس سے متأثر افراد کے متعلق تقریباً تمام ہی اطباء اور ماہرین کا یہ کہنا ہے کہ یہ مرض اختلاط کی وجہ سے کثرت سے پھیلتا ہے اور دوسرے لوگ بہت جلد اس مہلک مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ کرونا کے دونوں لہر کے مشاہدہ سے یہ بات بالکل آشکار ہو چکی ہے۔

لہٰذا شرعی اعتبار سے کرونا سے متأثر افراد کا شریک جماعت ہونا اور اجتماعی جگہوں پر جانا درست نہیں ہوگا۔

جب پیاز اور لہسن کھانے والوں کو شریک جماعت ہونے سے منع فرمایا گیا، جس کی وجہ محض دوسرے حضرات کو تکلیف ہونی ہے تو کورونا سے

متاثر افراد کے لیے مسجد میں آنا اور شریک جماعت ہونا بدرجہ اوّل ی ممنوع ہوگا کہ اس وجہ سے نہ صرف لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے بلکہ اس مہلک مرض میں مبتلا ہونے کا غالب گمان بھی ہوتا ہے۔اس لیے نہ تو مسجد میں جانے کی اجازت ہوگی اور نہ ہی شریک جماعت ہونے کی۔

سوال نمبر ۸۔کرونا سے متاثر افراد کے لیے روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟

جن اعذار کی وجہ سے رمضان المبارک میں روزہ افطار کرنے کی گنجائش ہے ان میں سے ایک مرض بھی ہے۔قرآن نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔"من كان منكم مريضا أو على سفر فعدة من أيام أخر."

(پھر تم میں سے جو بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو تو دوسرے دنوں میں اتنے ہی دن روزہ رکھ لے۔)(سورہ البقرہ ۱۸۴)

لیکن قرآن نے اس مرض کی کوئی منضبط تعریف نہیں کی ہے جو ہر ایک کے لیے یکساں ہو۔البتہ فقہاء کرام نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ہم ذیل میں اس کا خلاصہ نقل کرتے ہیں۔

روزہ رکھنے کی وجہ سے جان یا کسی بھی عضو کی ہلاکت کا غلبۂ ظن ہو یا مرض کے بڑھ جانے یا دیر سے ٹھیک ہونے اور طول پکڑنے کا غالب گمان ہو تو روزہ نہ رکھنا مباح ہوگا۔البتہ اس کا فیصلہ خود مریض تجربہ یا علامت یا کسی ماہر ڈاکٹر کی رہنمائی سے کر سکتا ہے۔

اس وضاحت کی روشنی میں کورونا سے متاثر افراد کے لیے بھی یہی حکم ہوگا۔اگر غلبہ ظن سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ اس مرض میں روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض بڑھ جائے گا۔یا جان کو خطرہ ہوگا یا دیر سے یہ مرض زائل ہوگا۔تو روزہ افطار کرنے کی اجازت ہوگی اور اگر یہ ڈر اور خوف نہیں ہے تو محض اس مرض کی وجہ سے روزہ افطار کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

چوں کہ یہ نیا مرض ہے اور اس کا فیصلہ کرنا خود مریض کے لیے ممکن نہیں ہے اس لیے کسی ماہر با اعتماد ڈاکٹر کی رہنمائی حاصل کر لی جائے اگر ڈاکٹر کی رہنمائی اور ہدایت روزہ افطار کرنے کی ہو تو افطار کی اجازت ہوگی ورنہ نہیں۔

محور پنجم: کرونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

سوال نمبر ۱۔کورونا سے انتقال کرنے والوں کو کس طرح غسل دیا جائے گا؟ اگر غسل دینا ممکن نہ ہو یا غسل دینے کی اجازت نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ کیا بلا غسل دفن کرنا جائز ہوگا؟

شریعت کا اصل حکم تو یہی ہے کہ جب تک مسلمان میت کو غسل نہ دیا جائے تو نماز جنازہ پڑھنا درست نہیں ہوگا۔لیکن اس وقت کرونا سے مرنے والوں کو ایک مخصوص پلاسٹک میں لپیٹ کر ان کے متعلق کے حوالے کیا جاتا ہے اور یہ ہدایت ہوتی ہے کہ اسے کھولے بغیر دفن کر دیا جائے ایسی صورتحال میں نہ غسل ممکن ہے اور نہ ہی تیمّم لہٰذا غسل کے بغیر ہی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔اس لیے کہ شریعت کے وہی احکام لازم ہوتے ہیں جو ہمارے بس میں ہوں، ہم بسہولت اسے انجام دے سکتے ہوں۔یہاں یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے۔قرآن بھی یہی کہتا ہے[لا يكلف الله نفسا الا وسعها] (سورۃ البقرۃ ۲۸۶)

نیز فتح القدیر میں اس مسئلہ کی علت بیان کرتے ہوئے یہ بات ذکر کی ہے کہ میت کی نماز جنازہ پڑھنا من وجہ نماز بھی ہے اور من وجہ دعا بھی ہے۔لہٰذا نماز کا تقاضہ یہ ہے کہ طہارت کے بعد ہی نماز پڑھی جائے اور دعا کا تقاضہ ہے کہ طہارت کے بغیر بھی ادا کی جائے تو ہمارا یہ کہنا ہے کہ جہاں غسل کسی طرح ممکن نہ ہو وہاں بلا غسل نماز جنازہ جائز ہوگی، اور جہاں غسل ممکن ہو وہاں اس کے بعد ہی نماز ادا کی جائے گی۔

اسی طرح "الموسوعة الفقهية" میں بھی جل کر راکھ ہو جانے والے میت کے متعلق ایسی ہی بات نقل کی گئی ہے۔

ذهب ابن حبيب من المالكيه والحنابلة وبعض المتأخرين من الشافعية إلى أنه يصلى عليه مع تعذر الغسل والتيمم، لأنه لا وجه لترك الصلاة عليه لأن الميسور لا يسقط بالمعسور. (الموسوعه الفقهية: الصلاة على المحترق المترمد: ٢/١٨١)

بعض ارباب افتاء نے فقہاء کی بعض عبارتوں سے استدلال کرتے ہوئے جو یہ بات لکھی ہے کہ غسل ممکن نہ ہو تو پلاسٹک کے اوپر سے ہی پانی بہا دیا جائے یہ استدلال محل نظر ہے کیوں کہ پانی بہانے کا عمل اس وقت کافی ہوتا جب کہ پانی میت کے جسم پہ پہنچتا جب پلاسٹک کھولنا ہی ممکن نہیں تو پانی جسم پہ کیسے پہنچ سکتا ہے، لہٰذا بلا غسل ہی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور تدفین عمل میں لائی جائے گی۔

سوال نمبر۲۔ کرونا کے مریض کو اسپتال کی طرف سے مخصوص کور میں لپیٹ کر دیا جائے اور اسے کھولنے اور ہٹانے کی اجازت نہ ہو تو کیا وہ کور کفن کے حکم میں ہوگا یا اس کے اوپر کفن لپیٹ کر دفن کیا جائے گا؟

غسل کی طرح مسلمان میت کو کفن دینا بھی فرض کفایہ ہے، فقہاء کی تصریحات کے مطابق مرد کے لیے مسنون کفن تین کپڑے ہیں اور عورت کے لیے پانچ، لیکن اگر مرد کے لیے دو اور عورت کے لیے تین ہی کپڑے میسر ہوں تو بھی بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ کفن کی یہ تفصیل اس وقت ہے جب کہ حالات معتدل ہوں۔ (الفتاوى الهندية: كتاب الجنائز: الفصل الثالث فى التكفين ٢/١٦٠)

اس وقت کرونا سے مرنے والوں کو ایک مخصوص پلاسٹک میں بند کر کے حوالہ کیا جاتا ہے اسے کھولنے کی ہرگز اجازت نہیں ہوتی ہے، ایسی صورت میں اگر اس قدر اجازت ہو کہ اس کے اوپر ہی سے کوئی کپڑا بطور کفن لپیٹ دیا جائے تو یہ کر لینا چاہیے۔ لیکن اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اسی پلاسٹک کو کفن سمجھ لیا جائے گا کیوں کہ کفن سے مقصود جسم میت کو چھپانا ہے جو اس پلاسٹک سے حاصل ہو رہا ہے۔

"نعم ما يعم البدن هو فرض الكفن." (رد المحتار على الدر: صلاة الجنائز: مطلب فى الكفن ٣/٣٩)

اس رائے کی تائید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قول سے بھی ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے تو ان کے پاس صرف ایک چادر تھی، سر چھپایا جاتا تو پیر کھل جاتے اور پیر کو چھپایا جاتا تو سر کی طرف کا حصہ کھل جاتا، تو آپؐ نے کہا کہ سر کے حصے پر چادر ڈال دو اور پیروں پر اذخر نامی گھاس ڈال دو:

قال النبي ﷺ: غطوا بها رأسه واجعلوا على رجله الأذخر. (صحيح البخاري: كتاب المغازي: باب غزوة أحد ٤/١٤٨٧)

اس روایت سے اس قدر ثابت ہو گیا کہ اگر کفن کے لیے کپڑے میسر نہ ہوں تو بطور کفن ہر اس چیز کا استعمال کیا جا سکتا ہے جو پورے بدن کو ڈھانپ لے۔ نیز اسی طرح کی بات علامہ طحطاویؒ نے بھی نقل کی ہے۔

قال: "فإن لم يوجد من يكفن غسل وجعل عليه الإذخر." (حاشية الطحطاوي على مراقى الفلاح ص: ١٤٨٧)

لہٰذا ان نصوص کی روشنی میں یہ بات کی کہی جا سکتی ہے کہ اسی کور کو کفن تصور کر کے نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

سوال نمبر۳۔ اگر کرونا میت کی بغیر نماز جنازہ، تدفین کے بعد گھر والوں کو اس کی اطلاع دی جائے تو ایسی صورت میں بعد تدفین قبر کے پاس نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

مذکورہ صورت میں قبر پر نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے بس شرط یہ ہے کہ میت کا جسم پھولا پھٹا نہ ہو کیوں کہ فقہاء نے صراحت کے ساتھ یہ بات ذکر کی ہے کہ اگر کسی میت کو نماز کے بغیر دفنا دیا جائے تو جب تک میت کے سڑنے اور گلنے کا غالب گمان نہ ہو اس وقت تک قبر پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور علامہ شامیؒ کی تشریح کے مطابق گلنے اور سڑنے کی کوئی تحدید نہیں ہے بلکہ میت کے قوی موسم کی تبدیلی اور جگہ کے مختلف ہونے سے اس میں اختلاف ہو سکتا ہے اس لیے غالب گمان کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔

وإن دفن وأهيل عليه التراب بغير صلاة...... صلى على قبره استحساناً، مالم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير هو الأصح لأنه يختلف باختلاف الأوقات حراً أو برداً والميت سمناً وهزالاً والأمكنة.

(رد المحتار على الدر:صلاة الجنائز: مطلب تعظيم إلى الأمر واجب ۱۱۷/۳)

سوال نمبر۴۔ اگرمیت کی تدفین کی اطلاع ملے اور قبر کی جگہ معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

احناف کے نزدیک نماز جنازہ کے لیے ایک اہم شرط یہ ہے کہ میت سامنے موجود ہو غائب نہ ہو تب ہی نماز پڑھی جائے گی۔غائب میت کی نماز جنازہ عندالاحناف مشروع نہیں ہے، یہی رائے مالکیہ کی بھی ہے، البتہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی رائے کے مطابق غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھی جاسکتی ہے، جیسا کہ ڈاکٹر وھبہ زحیلی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے:

للفقهاء رأيان فى الصلاة على الغائب عن البلد، رأى الحنفية والمالكية عدم جواز الصلاة على الغائب، ورأى الشافعية و الحنابلة جواز الصلاة على الغائب عن البلد. (الفقه الاسلامى وأدلته:صلاة الجنائز:عاشراً، الصلاة على الغائب ۵۰٤/۲)

لیکن احناف اور مالکیہ کی رائے تو اس وقت سمجھ میں آجاتی ہے جب کہ ایک مسلمان میت کی ایک مرتبہ نماز جنازہ ہو چکی ہو، اگر کسی میت کی ایک بھی مرتبہ نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو جیسا کہ مذکورہ صورت میں ہے تو شوافع وحنابلہ کے مطابق غائبانہ نماز جنازہ پڑھ لی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے کیوں کہ ان دونوں بزرگوں کی نگاہ میں وہ حدیث ہے جس میں آپؐ نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے، اگر چہ احناف نے اس حدیث کو خصوصیت پر محمول کیا ہے لیکن مذکورہ صورت میں اس حدیث کے مطابق غائبانہ نماز پڑھنے میں حرج نہیں معلوم ہوتا ہے، کتاب الفتاوی میں بھی اس طرح کا ایک فتوی موجود ہے۔

فقیہ النفس حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم العالیہ ایک سوال کے جواب میں غائبانہ نماز جنازہ کے متعلق رقمطراز ہیں:

''ان حالات میں اس حقیر کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ گو احناف کے یہاں غائبانہ نماز جنازہ نہیں ہے لیکن امام شافعی اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔'' (کتاب الفتاوی نماز جنازہ:۲۹۷/۸)

سوال نمبر۵۔ کیا کرونا سے انتقال کرنے والے مسلمان شہید کہلائیں گے؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ جو کوئی طاعون میں مرجائے وہ شہید ہے:

قال النبى صلى الله عليه وسلم: "من مات فى الطاعون فهو شهيد."

اسی حدیث کو دوسری جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

الشهيد خمسة: المطعون والمبطون...... الخ (صحيح مسلم: كتاب الإمارة: باب بيان الشهداء ۵۱/٦)

طاعون کا مطلب امام خلیل کے قول کے مطابق وباء ہی ہے اگر چہ دیگر شراح نے دوسرا مطلب بھی بیان کیا ہے

وقال الخليل:الطاعون الوباء. (فتح البارى: ما يذكر فى الطاعون ۱۰۱/۱۰)

لیکن تقریباً تمام شراح حدیث کا اتفاق ہے کہ یہ آخرت کے اعتبار سے شہید ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں شہادت کا ثواب ملے گا لیکن دنیا میں عام مردوں کی طرح تجہیز وتکفین کا معاملہ کیا جائے گا۔

ان نصوص اور اقوال فقہاء سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کورونا کی وجہ سے مرنے والے اخروی اعتبار سے شہادت کے مقام پر ہیں لیکن دنیا کے اعتبار سے عام مردوں کی طرح ہیں، لہٰذا ان کو غسل بھی دیا جائے گا تجہیز وتکفین بھی ہوگی اور نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

بیماری کے متعدی ہونے کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر

مولانا سلمان انور قاسمی
استاذ تفسیر وفقہ امداد العلوم کوپا گنج، مئو

سوال: وبا کیا ہے اور شریعت میں اس کے بارے میں کیا تصور ہے؟

جواب: -اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن نعمتوں سے نواز ہے ان میں ایک اہم نعمت صحت وتندرستی ہے، صحت ایسی نعمت ہے کہ کوئی مخلوق نہیں جو بیماری سے محفوظ ہو۔

بیماریاں بنیادی طور پر دوطرح کی ہوتی ہیں۔ایک وہ جس میں پھیلاؤ نہیں ہوتا، دوسری وہ جن میں پھیلاؤ ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجذوم کے بارے میں فرمایا: "فر من المجذوم كما تفر من الأسد." (بخاری شریف، حدیث نمبر ۵۷۰۷)

یقیناً رسول اللہ صلی الہ یلم نے یہ بات بھی ارشادفرمائی ہے کہ بیماری متعدی نہیں ہوتی: "لا عدوى ولا طيرة" لیکن اس ارشاد کا منشاء یہ ہے کہ بیماری ازخود ایک مریض سے دوسرے مریض کو نہیں لگتی جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کو گمان ہوتا تھا بلکہ بیماری کا پھیلاؤ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے، جب اللہ چاہتے ہیں تو بیماری کے جراثیم متعدی ہوتے ہیں اور جب اللہ نہیں چاہتے ہیں تو بیاری کا پھیلاؤ نہیں ہوتا۔ یہ بات مشاہدہ میں بھی آتی ہے کہ بعض دفعہ ایک متعدی بیماری میں مبتلا شخص سے کسی شخص نے ملاقات کی تو وہ اس بیماری کا شکار ہو جاتا ہے اور جو شخص مستقل تیمارداری اور دیکھ بھال کر رہا ہے یا جو معالج اس کا علاج کر رہا ہے وہ اس بیماری میں مبتلا نہیں ہوتا۔اس لیے مرض کا پھیلاو ظاہر میں سبب کے درجہ میں ہے، موثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔البتہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں فائدہ حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کے لیے اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے علاج اور پرہیز دونوں کی بڑی اہمیت ہے۔(بخاری کتاب الطب باب لا عدوی، حدیث نمبر ۵۷۷۵)

رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: کوئی بیماری ایسی نہیں جس کی دواء اللہ تعالیٰ نے پیدا نہ فرمائی۔) (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر ۳۸۷۴)

یہ اور بات ہے کہ بعض بیماریوں کے علاج کے لیے کائنات میں اللہ نے جو دوا پیدا فرمائی ہے، انسانی تحقیق کی ابھی وہاں تک رسائی نہ ہوئی ہو، اس اعتبار سے بعض بیماریوں کو لا علاج کہا جاتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنا علاج کرایا ہے، عہد نبوی میں صحابہ کے علاج کے لیے معالج کو بلایا ہے اور اپنی نگرانی میں اس زمانہ میں موجود وسائل کے اعتبار سے اس کا علاج کرایا ہے۔اس لیے علاج پر توجہ دینا بھی ایک دینی عمل ہے، جوفقہاء کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتی ہیں، یہ اسلام کا شرعی نقطۂ نظر ہے۔

سوال: -کرونا وائرس سے پھیلاؤ کو روکنے اور اس سے بچنے کے سلسلے میں حکومت کی گائڈ لائن پر عمل اور دیگر احتیاطی تدابیر پر عمل کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:۔اس وقت کرونا وائرس کی ستم انگیزی نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے، جن قوموں کو اپنی ٹکنالوجی پر غرور ہے اور انھوں نے اپنی عقل کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے، وہ بھی اس ناقابل دید چھوٹے سے وائرس کے مقابلہ میں عاجز وسلنڈر ہو گئے اور اپنی عاجزی کا اظہار کیا، اسلام نے

بیماریوں سے متعلق عمومی طور پر جو رہنمائی فرمائی ہے، وہ اس نو پید بیماری کے سلسلہ میں بھی ہماری رہنمائی کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمیں مریضوں سے ہمدردی ہونا چاہیے، ان کے علاج میں معاون بنا چاہیے، اس خطرناک بیماری کا علاج دریافت کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ترغیب معلوم ہوتی ہے۔

علاج ہی کا ایک حصہ پرہیز ہے، اس لیے احتیاطی تدبیر کرنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے بھی وبائی امراض میں خصوصی احتیاط کا حکم فرمایا ہے کہ آپ کی لی کم نے جذام کے مریض کے قریب جانے سے بھی منع کیا ہے۔

بنو ثقیف کا ایک وفد حاضر ہوا، اس میں ایک صاحب جذام کے مریض تھے، اس وفد نے دست مبارک پر بیعت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد دوم شخص کو کہا کہ میں نے تم سے غائبانہ بیعت کر لی تم اب واپس جاؤ۔)

اس احتیاط کے پس منظر میں رسول اللہ صلی علیم نے طاعون کے بارے میں ارشاد فرمایا جب کسی علاقہ میں اس بیماری کے پھوٹ پڑنے کی اطلاع ملے تو باہر سے وہاں نہ جاؤ اور تم اس علاقہ میں موجود ہو تو وہ بیماری سے بچنے کی نیت سے وہاں سے نہ بھاگو۔" إذا سمعتم بالطاعون بأرض فلا تدخلوا عليه وإذا وقع وأنتم بأرض فلا تخرجوا منها فراراً منه." (بخاری حدیث نمبر ۵۷۲۸)

کرونا ویکسین سے متعلق مسائل

الکوحل آمیز سینیٹائزر کا استعمال

سوال: (۱) الکوحل آمیز سینیٹائزر کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

(۲) کرونا ویکسین لگوانے کا حکم کیا ہے؟ واجب یا مباح؟

جواب:۔ موجودہ دور میں دواؤں اور دیگر اشیاء میں جو الکوحل استعمال کیا جاتا ہے بنیادی طور پر وہ دو حیثیتوں کا حامل ہے:

(۱) انگور، کھجور منقی سے بنی الکوحل

(۲) دیگر پھلوں، اناج، لکڑی یا کیمیکل سے بنی الکوحل۔

پس جو الکوحل انگور، کھجور کی شراب سے حاصل کی جائے وہ الکوحل نہ صرف حرام ہے بلکہ نجس بھی ہے اور دوسری مائعات وغیرہ کو بھی نجس کر دیتی ہے، اس لیے کہ اس قسم کی الکوحل شراب کا جزء ہوتی ہے، لہذا وہ ناپاک ہے لیکن جو الکوحل دوا وغیرہ میں یا خارجی استعمال کے طور پر کی جاتی ہے اس کی اجازت ہے۔ کیوں کہ اس کی بڑی مقدار انگور اور کھجور کے علاوہ دوسری اشیاء مثلاً چمڑا، گندھک، شہد، شیرہ دانہ، جو وغیرہ سے حاصل کی جاتی ہے۔ (اسلام اور جدید معاشی مسائل: ج۴ص ۱۱)

لہٰذا دواؤں میں استعمال ہونے والا الکوحل، اگر انگور اور کھجور کے علاوہ دوسری اشیاء سے حاصل کیا گیا تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہا اللہ کے نزدیک اس دواء کا استعمال جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ حد سکر تک نہ پہنچے اور علاج کی ضرورت کے لیے ان دونوں اماموں کے مسلک پر گنجائش ہے۔ بہر حال الکوحل کے بارے میں فتوی یہ ہے کہ یہ نجس نہیں ہے اور اس کی بیع جائز ہے، اس لیے کہ اس کا استعمال بھی ممکن ہے، جیسے دواء وغیرہ کے اندر استعمال کیا جاتا ہے یا دوسرے اغراض کے لیے۔ اسی طرح موجودہ دور میں جو الکوحل پر فیومز ہینڈ سینیٹائزر (ہاتھوں کے جراثیم مارنے کے لیے) استعمال ہوتی ہے وہ نجس نہیں بلکہ پاک ہے، لیکن اس قسم کا الکوحل پینے کے قابل بھی نہیں ہوتا اور پینے کی صورت میں موت کا سبب بن سکتا ہے۔ تکملہ فتح الملہم میں مفتی تقی عثمانی صاحب رقمطراز ہیں:"وأما غير الأشربة الأربعة، ليست نجسة عند الإمام أبي حنيفة رحمه الله، وبهذا يتبين حكم الكحول

المسكرة (Alcohals) التی عمت بها البلوی الیوم. (کتاب الاشربۃ، عقلم الکحول المسکر :۳/۶۸)

سوال: کرونا ویکسین لگوانے کا حکم کیا ہے؟ واجب یا مباح؟

جواب:۔ بصورت مسئولہ موجودہ حالات میں کرونا وائرس کا جو انجکشن مرض سے بچاؤ کے لیے بطور ویکسین لگایا جارہا ہے، چوں کہ یہ ویکسین احتیاط کے طور پر مبینہ بیماری سے بچاؤ اور پیشگی علاج کے طور پر لگائی جارہی ہے، یقینی بیماری کا علاج مقصود نہیں، اس لیے اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کوئی ماہر دین ڈاکٹر اس بات کی تصدیق کردے کہ یہ مضر صحت نہیں اور تجربے سے اس کا مفید ہونا ثابت ہو جائے نیز اس میں کوئی حرام یا ناپاک چیز ملی ہونے کا ظن غالب نہ ہو تو اس کا لگانا جائز ہے، حرام چیز کی آمیزش صرف شک وشبہ کی وجہ سے اس کو حرام نہیں کہا جائے گا، کوئی شخص شبہ کی بناء پر احتیاط کرے تو دوسری بات ہے، اور اگر حرام اجزاء یا ناپاک چیز ملی ہونے کا یقین یا ظن غالب ہو تو اس صورت میں پیشگی علاج کے طور پر اس کا استعمال جائز نہیں ہوگا۔ البتہ اگر کسی کرونا کے مریض کو بطور دواء یہ انجکشن لگایا جائے تو اس صورت میں اس میں حرام اجزاء کی آمیزش کا یقین یا غالب گمان نہیں ہے تو استعمال جائز ہے، لیکن حرام کی آمیزش کا قرائن سے علم ہو جائے تو یقینی بیماری کی صورت میں اس کا استعمال اس وقت تک جائز نہیں جب تک مسلمان ماہر طبیب یہ نہ کہہ دے کہ اس بیماری کا علاج کسی بھی حلال چیز سے ممکن نہیں ہے، بلکہ یہی حرام اجزاء ملی دواء ضروری ہے اور تجربے سے اس کا مفید ہونا ثابت ہو جائے تو مجبوراً بطور دواء وعلاج بقدر ضرورت حرام اجزاء ملی انجکشن کے استعمال کی گنجائش ہے۔

فتاوی شامی میں ہے:

"الأصل فی الأشیاء الإباحة وأن فرض إضراره للبعض لا یلزم منه تحریمه علی کل أحد فإن العسل یضر بأصحاب الصفراء الغالبة" (۱)

اختلف فی التدوی بالمحرم (الدر المختار وحاشیة ابن عابدین: ج ۱ ص۲۱۰)

(۱) کتاب الأشربة: ج ٦ ص ٤٥٩

کورونا سے پیدا ہونے والے بعض اہم مسائل

کورونا بیماری کے اثرات ۲۰۲۰ء کے آغاز میں شروع ہوئے، جس نے ایک وباء کی صورت اختیار کرلی اور لاکھوں لوگ اس بیماری کا شکار ہو کر لقمہ اجل بن گئے، بہرحال اس نے پوری دنیا کو اور انسانی زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا ہے، دینی اور دنیوی ہر سطح کے مسائل پیدا کیے ہیں۔

(۱) کورونا کے ماحول میں نماز جمعہ:

شریعت میں نماز جمعہ کی اہمیت اور عامۃ المسلمین کی طرف سے اس کا اہتمام معلوم ومعروف ہے، عوام کی بہت بڑی تعداد صرف جمعہ کی حد تک نماز کا اہتمام کرتی ہے اور اس کی وجہ سے صرف ایک دن مسجد میں آتی ہے اور مسجد سے اور مسلم معاشرہ سے جڑتی ہے۔ کورونا کی وجہ سے عام نمازوں اور جمعہ میں جو پابندی لگی تو کئی سوالات سامنے آئے۔

سوال نمبر (۱):۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عام حالات میں ایک مسجد میں کسی بھی نماز کی ایک ہی جماعت ہوتی ہے اور دوسری منع ہے، لیکن کیا کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت کی اجازت ہوگی، جب کہ ہر جماعت کا امام الگ ہو، اور جواز کی صورت میں کیا پابندیاں ہوں گی؟

جواب (۱):۔ واضح رہے کہ شریعت مطہرہ میں ایسی مسجد میں ایک نماز کی دو جماعتیں کرانے کو مکروہ قرار دیا ہے، جس میں امام ومؤذن مقرر ہوں

اوراس کے مخصوص نمازی بھی ہوں۔صحابہ کا معمول یہی تھا کہ جب مسجد میں آتے اور وہاں نماز ہو چکی ہوتی تو بعض دوسری جگہ کی مسجد میں شامل ہو جاتے، اس لیے فقہاء احناف کے یہاں اس کی گنجائش نہیں ہے، لیکن موجودہ حالات میں جب کہ کورونا بیماری کی وجہ سے حکومت کی طرف سے مختلف قسم کی پابندیاں ہیں، اس میں امام ابو یوسف میری اہلیہ کے قول پر گنجائش ہے، ان کے نزدیک اگر ہیئت اوّل ی پر نہ ہو تو حضرت امام ابو یوسف میری اہلیہ نے اس کی گنجائش دی ہے۔عن ابی یوسف انه إذا تكن الجماعة على الهيئة الأولى لاتكره وإلا تكره وهو الصحيح (فتاوی شامی: ج اس ۵۵۳)

اسی طرح جماعت ثانیہ کی علت تقلیل جماعت ہے، یعنی کہ پہلی جماعت میں مجمع کم رہے گا، اس لیے دوسری جماعت کرنے سے منع کیا گیا، لیکن حکومت کی طرف سے چار پانچ لوگوں کی جو اجازت ملی ہے تو جماعت ثانیہ ہی کی صورت میں اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔لیکن ایک مسجد میں تکثیر جماعت کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی کرنے کے بجائے لوگوں کے گھروں اور دوسرے مقامات پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ ہمارے شہر مئو میں اسی پر عمل کیا گیا۔

سوال نمبر (۲):۔واضح رہے کہ جمعہ کی دوسری یا مزید جماعتوں کا معاملہ اسی صورت میں پیدا ہوتا ہے جب کہ جمعہ کے نمازیوں کی تعداد بہت زیادہ ہو اور ایک مرتبہ سب مسجد میں نہ آسکتے ہوں اور نمازیوں کے مسجد سے باہر نماز ادا کرنے میں مسائل پیدا ہوتے ہیں، اس وقت ہندوستان میں اس کی وجہ سے متعدد جگہ مسائل بلکہ فساد کی شکلیں بھی پیدا ہوئیں، اس کی وجہ سے بعض شہروں میں نماز جمعہ کی ایک سے زائد جماعت ہوتی ہے تو اس کا کیا حکم ہے، اس پر بھی روشنی ڈالی جائے؟

جواب نمبر (۲):-جمعہ کی نماز کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، اس لیے عام طور پر جمعہ کی جماعت بڑی ہوتی ہے، فقہاء نے جمعہ قائم کرنے کے لیے پانچ شرائط ذکر کی ہیں:

(۱) شہر یا قصبہ یا اس کے فنا کا ہونا (۲) ظہر کا وقت ہونا (۳) ظہر کے وقت نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دینا (۴) جماعت یعنی امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مردوں کا خطبے کی ابتدا سے پہلی رکعت کے سجدہ تک موجود رہنا (۵) اذن عام (یعنی قائم کرنے والوں کی طرف سے نماز میں آنے والوں کی اجازت) کے ساتھ جمعہ کا پڑھنا۔

موجودہ حالات میں ظاہری تدابیر اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ مساجد کو آباد رکھنے اور اللہ کی جانب رجوع کرنے کی زیادہ فکر کرنی چاہیے، البتہ اگر کہیں پر حکومت کی طرف سے مساجد میں باجماعت نمازوں پر پابندی ہو یا تعداد کو محدود کر دیا گیا ہو تو ایسی صورت حال میں اپنے گھروں میں باجماعت نماز ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

جمعہ کی نماز کے لیے چوں کہ شریعت میں جماعت شرط ہے، لہٰذا شہر میں یا فنائے شہر میں امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مرد نمازی ہوں اور ان کی طرف سے دوسرے آنے والوں کو نماز میں شرکت کی ممانعت نہ ہو، اور جس جگہ نماز قائم ہو وہاں کا دروازہ کھلا ہو تو نماز جمعہ ادا کی جا سکتی ہے۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: ج ص ۹۵۲)

و أما الشرائط التي ترجع إلى المصلى فخمسة في ظاهر الروايات: المصر الجامع، والسلطان والخطبة والجماعة، والوقت.

اس سے زیادہ واضح عبارت شامی میں ہے:

السابع (الإذن العام أى يأذن للناس إذنًا عامًا بأن لا يمنع أحدًا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذى تصلى فيه .(شامی: ص ۲۵ ج۳)

ان عبارتوں سے واضح مفہوم نکلتا ہے، چار یا پانچ افراد کسی مکان میں دروازہ بند کر کے نماز جمعہ ادا کریں تو یہ درست نہیں ہے۔لیکن موجودہ

حالات میں جولوگ مسجد میں جمعہ نہیں پڑھ سکتے تو کیا وہ گناہ گار ہوں گے؟ تو اس کا واضح جواب ہے کہ عذر کی وجہ سے جمعہ کا ترک کرنا باعث گناہ نہیں۔ (بنایہ: ج۲ص۳۲۴) اور اس وقت وبائی مرض کا پھیلاؤ ہے اور اس کی وجہ سے بڑی تعداد میں جمع ہونے کی قانونی ممانعت یقیناً ایک معقول عذر ہے۔

مفتی تقی عثمانی صاحب کی بھی یہی رائے ہے کہ جگہ جگہ مسجدوں میں یا گھروں میں نماز جمعہ نہ قائم کیا جائے، کیوں کہ جمعہ کا جو تصور ہے وہ مسجد کے بغیر نامناسب ہے، اگر اس کی عام اجازت دے دی گئی تو لوگ کہیں گے کہ آج میری مصروفیت ہے اس لیے مسجد میں جانے کے بجائے گھر میں جمعہ کر لیتے ہیں تو اس قسم کا بھی دروازہ کھلنے کا اندیشہ ہے، لہٰذا رجحان اسی طرف ہے کہ اس کی عام اجازت نہ دی جائے ورنہ پھر جمعہ کی جو اہمیت ہے وہ لوگوں کے دلوں سے دھیرے دھیرے رخصت ہو جائے گی۔

سوال نمبر (۳):- مسجد میں ایک جماعت پر اکتفا کرتے ہوئے یا مزید دو ایک جماعتوں کے بعد بقیہ نمازیوں کے لیے محلّہ کے مکانات میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے نظام کا کیا حکم ہے؟ جب کہ یہ معمول کے خلاف ہے اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس سے تشتت پیدا ہوگا اور لوگ اس کو آئندہ کے لیے معمول بنالیں گے۔

. جواب نمبر (۳): عاقل و بالغ اور صحت مند مردوں کو مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں ستائیس گنا زیادہ ہے۔

عام نمازوں کے لیے جماعت کی شرط یہ ہے کہ کم سے کم دو نمازی ہوں کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اثنان فما فوقهما جماعة" (بخاری شریف: حدیث نمبر ۹۷۲)

اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر امام کے علاوہ ایک مقتدی بھی ہو تو جماعت قائم ہو جائے گی، اسی پس منظر میں ملک کے ارباب افتاء نے کہا کہ موجودہ حالات میں مسجد میں چار پانچ افراد کے ساتھ مل کر جماعت کر لی جائے۔ علامہ شامی بنی اللہ کے بقول اس کو جماعت میں شرکت کا ثواب بھی ملے گا۔ اور دوسرے نمازی اپنے گھروں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔ (ردالمختار: ج ا ص ۵۵۴)

کورونا وائرس جیسے حالات میں چھوٹی چھوٹی جماعت کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ہمارے مئو وغیرہ کے علاقوں میں لوگوں نے اپنے حال اور احاطہ کو خوشی اور بشاشت کے ساتھ دے دیا اور اس میں کوئی تشتت پیدا نہیں ہوا، اس لیے ایسے حالات میں لوگوں کو حفظان صحت کے لیے ایسا بندوبست کرنا چاہیے جس میں شریعت پر عمل کرتے ہوئے کسی طرح کی قانونی رکاوٹ نہ پیدا ہو، البتہ جمعہ کے قیام کے لیے یہ صورت حال نامناسب ہے۔

سوال نمبر (۴):- مسجد میں ایک جماعت کے علاوہ بقیہ لوگ یا جو رہ جائیں پابندیوں کی وجہ سے وہ اپنے گھروں میں ظہر کی نماز تنہا ادا کریں گے یا ان حالات میں ان کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی اجازت ہوگی؟

جواب نمبر (۴):- موجودہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے جب کہ مسجدوں میں نمازیوں کی تعداد محدود ہو تو جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے کیوں کہ فقہاء نے مصر یا فناء میں جمعہ کے دن جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کو جو مکروہ کہا ہے اس کی تین بنیادی علتیں ذکر کی ہیں: (۱) تقلیل جماعت (۲) معارضہ (۳) غیر معذورین کا جمعہ کو ترک کر کے جماعت میں شریک ہونا۔

معارضہ ہوگا مسجد جامع سے تو یہاں معارضہ کی صورت نہیں پائی جارہی ہے، اس لیے کہ جامع مسجد میں بھی نمازیوں کی تعداد محدود ہے۔ دوسری صورت تقلیل جماعت کو قرار دیا ہے تو اس کا بھی یہاں تصور نہیں ہے۔ اور تیسری صورت تھی کہ بعض غیر معذور لوگ جب دیکھیں گے کہ جماعت ہو رہی ہے تو وہ بھی شامل ہو جائیں گے تو یہ سب بھی نہیں پایا جارہا ہے۔ تو یہ تینوں وجوہات جن کی بنا پر ظہر کی جماعت کو مکروہ کہا گیا تھا وہ موجود نہیں ہیں، تو اب اگر یہ کہا جائے کہ ظہر تنہا پڑھے، ایک طرف جمعہ بھی نہیں پڑھ سکا اور تنہا پڑھنے کی صورت میں جماعت کے ثواب سے محروم رہے گا، مولانا

تقی عثمانی صاحب نے آخری بیان میں اسی صورت کو ترجیح دی ہے۔اس لیے جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے،البتہ جن لوگوں نے کسی مفتی یا عالم سے مسئلہ پوچھ کر جمعہ پڑھنے پر یا ظہر کی نماز انفرادی طور پر ادا کرنے پر عمل کیا تھا امید ہے اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔

وکرہ تحریما قبل الجمعة وبعدھا تقلیل الجماعة وصورة المعارضة. (شامی: ج ۳ ص ۳۰) ولأنا لو أطلقنا للمعذور إقامة الظھر بالجمعة فی المصر فربما یقتدی به غیر المعذور. (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: ج ۱/ ص ۶۰۵)

تجہیز وتکفین

کورونا کے میت کی تجہیز وتکفین سے متعلق جو مسائل ہیں ان میں سے ایک غسل وکفن کا مسئلہ ہے۔کورونا کے میت کو متعلقین کے سپرد کرنے میں مختلف معاملات سامنے آئے ہیں، اگر کسی بندش بغیر سپردگی ہو تو غسل وکفن کا اہتمام کیا گیا اور کرنا چاہیے؟

جواب:۔اگر کسی مسلمان کا کورونا وائرس میں انتقال ہوجائے تو عام مرحومین کی طرح اسے بھی غسل دینا شرعاً ضروری ہوگا، بالخصوص جب کہ طبی اعتبار سے غسل دینے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، کیوں کہ .W.H.O (ڈبلیو ایچ او) یعنی عالمی ادارہ صحت کی تحقیق کے مطابق کورونا وائرس میں انتقال کرنے والے افراد کی لاشوں کے ساتھ تعامل سے کسی کے متاثر ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، البتہ میت کو رکھنے، اٹھانے اور غسل وغیرہ میں حفاظتی احتیاطی تدابیر بطور خاص ملحوظ رکھنی چاہیے،ان میں غفلت وبے احتیاطی نہ کی جائے، اگر کسی جگہ ہسپتال کا عملہ غسل دینے کی اجازت نہ دیتا ہو تو علاقہ کے بااثر حضرات یا ملی تنظیمیں ذمہ داران اعلیٰ سے رابطہ کرکے اس مسئلہ کو حل کریں اور (ڈبلیو ایچ او) کی طرف سے جاری کردہ ہدایات کی بنیاد پر غسل کی اجازت حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کریں، البتہ اگر وہ ہسپتال ہی میں غسل کا انتظام کریں یا اپنے عملہ کے ذریعہ غسل دلائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں،اور اگر خدانخواستہ میت کو غسل دینے کی کوئی صورت نہ بن سکے تو میت کو پیک کرنے سے پہلے تیمم کرایا جائے، مجبوری میں یہ تیمم غسل کا بدل ہوجائے گا اور اگر ہسپتال کے عملہ میں مسلمان بھی ہوں اور تیمم کا طریقہ سیکھ کر خود تیمم کرادیں تو یہ بھی کافی ہے۔

(الثامن) منھا من شروط التیمم، زوال ما یمنع المسح علی البشرة (کشمع وشحم لأنه یصیر به المسح علیه لا علی الجسد)(مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی کتاب الطھارة، باب التیمم: ص ۱۲۱)

سوال:- پابندیوں کی صورت میں جب کہ میت کو مخصوص کور میں لپیٹ دیا جائے تو کیا ایسی صورت میں وہی کور کفن کے قائم مقام ہوگا؟

جواب:-کفن کے سلسلہ میں سنت طریقہ کے مطابق مرد کو تین کپڑوں میں دفن کیا جائے اور عورت کو پانچ کپڑوں میں، اگر ڈاکٹر کی طرف سے اجازت ہو تو اس پر عمل کیا جائے، اگر لاشیں حوالہ نہ کی جائیں اور اس بات کی سہولت ہو کہ کفن کے کپڑے اسپتال کے حوالہ کردیے جائیں اور وہاں کے عملہ اسی ترتیب پر کفن پہنادے تو یہ بہتر ہوگا لیکن اگر اس کا موقع نہ ہو اور اسپتال کی طرف سے ہی لاش کپڑے میں لپیٹ کردی جاتی ہو اور حکومت کی طرف سے اسی طرح اس کو دفن کرنے کا حکم ہو تو اس صورت میں جس کپڑے میں لپیٹا گیا ہے وہی اس کا کفن ہے اور یہ کافی ہوجائے گا۔ کیوں کہ اس درجہ کا کفن ضروری ہے جس سے میت کا جسم ڈھک جائے اور ستر کے تقاضے پورے ہوجائیں، اسی پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

اتفق الفقھاء علی أن تکفین المیت بما یسترہ فرض علی الکفایة (الموسوعة الفقھیة: ج ۱۳ ص ۲۳۷)

نماز جنازہ

بسا اوقات طبی عملہ کورونا کے میت کو خود قبرستان لے جاکر سپرد خاک کرتا ہے،اور متعلقین کو حوالہ نہیں کرتا یا کچھ کرنے کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ بعض اوقات تدفین کی خبر دیتا ہے اور جگہ بتادیتا ہے اور کبھی جگہ بھی نہیں بتاتا۔(الف) اگر قبرستان کی جگہ کا علم متعلقین کو ہوجائے یا میت کو حوالہ کر

دیا جائے مگر دفن کے علاوہ مزید کوئی موقع نہ دیا تو ایسی صورت میں کیا میت کی نماز جنازہ قبر پر ادا کی جاسکتی ہے، تو اس کے لیے کیا شرائط ہیں؟

جواب:۔نماز جنازہ کے سلسلہ میں یہ بات بھی سامنے آرہی ہے کہ بعض جگہ غسل دیے بغیر تابوت میں لاش رکھ کر تابوت حوالہ کیا جاتا ہے اور کھولے بغیر تابوت حوالہ کرنے کا حکم ہوتا ہے۔

اس صورت میں اہم سوال یہ ہے کہ نماز جنازہ سے پہلے مردہ کو غسل دینا واجب ہے، کیوں کہ موت بھی جسم کے ناپاک ہونے کا سبب ہے اور غسل کے ذریعہ اس کا جسم پاک ہوتا ہے اور پاکی ہونے کے بعد ہی اس پر نماز پڑھی جانی چاہیے تو اس صورت میں دو راستہ ہے، ایک یہ کہ اس تابوب پر نماز جنازہ پڑھی جائے کیوں کہ فقہاء شوافع کے نزدیک اگر کسی مردہ کو غسل دینا ممکن نہ ہو تو بغیر غسل کے بھی اس پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔

شوافع کے علاوہ بعض مالکیہ اور حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے: ذهب ابن حبيب عن المالكية و الحنابلة و بعض.

المتأخرين من الشافعية أنه يصلى عليه مع التعذر الغسل والتيمم .(الموسوعة الفقهية: ج ٢/ ص ١١٩)

چنانچہ ایسی دشواریوں کی صورت میں دوسرے فقہاء کی رائے پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تدفین کے بعد قبر پر نماز پڑھ لی جائے، خود رسول اللہ صلی لی ایم نے مسجد کی خدمت کرنے والی ایک خاتون کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی ہے۔فقہاء احناف نے بھی لکھا ہے کہ اگر غسل دیئے بغیر مردہ کو دفن کر دیا گیا اور دوبارہ لاش نکال کر غسل دینا ممکن نہ ہو تو قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔

"وإن لم يمكن بأن دفن قبل الغسل ولم يمكن إخراجه إلا بالنبش تجوز الصلاة على قبره للضرورة" (فتاوى هندية: ج ١/ص ١٤٢)

سوال:۔اگر قبرستان اور قبر کا علم نہ ہو سکے تو کیا اس مخصوص صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت ہوگی؟ جب کہ عام حالات میں حنفیہ کے یہاں اس کی اجازت نہیں۔

جواب: کورونا وبا میں بعض علاقوں میں سوشل میڈیا اور اخبارات کے ذریعہ یہ خبر ملی کہ کورونا مریض کی لاش ورثاء کے حوالہ نہیں کی گئی اور حکومت کی طرف سے اس کی تدفین بھی ہوگئی اور یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ قبر کہاں بنی، لہٰذا اس صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

ایک سال قبل کورونا سے متعلق انقلاب اخبار میں اس موضوع پر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا مضمون آیا تھا، اور انھوں نے مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب سے تبادلہ خیال کرنے کے بعد تحریر فرمایا تھا کہ اگرچہ احناف غائبانہ نماز جنازہ کے قائل نہیں ہیں، لیکن دوسرے فقہاء اس کی اجازت دیتے ہیں، اس لیے ایسے حالات میں اس رائے پر عمل کیا جاسکتا ہے اور غائبانہ نماز ادا کی جاسکتی ہے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی پر نماز جنازہ پڑھی ہے۔احناف اس استدلال کا یہی جواب دیتے ہیں کہ چوں کہ حبش میں مسلمان نہیں تھے اور وہاں ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاسکتی تھی، اس لیے غائبانہ نماز ادا کی گئی تو جو صورت موجودہ حالات کی بنا پر ہے اور اس میں انسانی زندگی کا تحفظ مقصود ہے، اس لیے قانون پر عمل کرنا چاہیے۔نماز جنازہ کے لیے خاص تعداد تو کجا جماعت بھی شرط نہیں، اگر تنہا ایک شخص بھی پڑھ لے تب بھی نماز ادا ہو جائے گی۔

والصلاة على الجنازة تنعقد بأداء الإمام وحده لأن الجماعة ليست لشرط الصلاة على الجنازة. (فتاوى هنديه : ج ١/ص ١٤٢)

لہٰذا حکومت کی طرف سے جتنی اجازت ملی ہے اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

کرونا کے سبب پیدا ہونے والے چند اہم مسائل

مولانا رحمت اللہ ندوی
استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

تمہیدی کلمات

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کرونا وائرس جیسی مہلک اور خطرناک بیماری کی نظیر اس سے قبل وبائی امراض میں نہیں ملتی، اس بیماری نے پوری دنیا کو متاثر کیا اور اس کے سنگین اثرات ہر شعبۂ زندگی پر پڑے، ایک رپورٹ کے مطابق تقریباً 50 لاکھ افراد صرف ہندوستان میں اس کے شکار ہو کر لقمۂ اجل بن گئے، اس بیماری نے تباہی مچانے کے ساتھ دینی اور دنیوی لحاظ سے کچھ مسائل بھی پیدا کیے، جن میں سے چند مسائل اپنی اہمیت کے اعتبار اس سے سمینار کا موضوع بحث ہیں۔

یہ وضاحت ضروری ہے کہ عمومی حالات اور مخصوص حالات کے احکام مختلف اور الگ ہوتے ہیں، اور مواقع اور حالات کے لحاظ سے عزیمت اور رخصت کے احکام جدا ہوتے ہیں، عزیمت و رخصت کی مکمل اور مفصل بحث کتب شریعت: قرآن، حدیث اور فقہ میں موجود اور مذکور ہے، تفصیل کا یہ موقع نہیں، اس وقت کرونا جیسے حالات میں پیش آنے والے چند اہم مسائل کا حل شریعت میں رخصت و سہولت کے پیش نظر تلاش کرنا مقصود ہے، شریعت میں جو رخصتیں اور رعایتیں ہیں، ان کے متعدد اسباب ہیں، مثلاً: مرض اور بیماری، خواہ مرض کے پیدا ہونے کا ظن غالب ہو یا بیماری کے طویل ہونے کا امکان، یا مرض میں شدت کا اندیشہ اور تجربہ ہو۔

کرونا کے ماحول میں نماز جمعہ

جمعہ کے دن اور جمعہ کی نماز کی بڑی فضیلت اور اہمیت ہے، اور حدیث شریف میں جمعہ کے دن کو اللہ کے نزدیک سب سے افضل دن قرار دیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: مسند احمد ۲/۴۵۷ - مصنف عبد الرزاق (۵۵۶۳) - ابن حبان (۲۷۵۹) وغیرہ)

جمعہ مسلمانوں کی ہفتہ واری عید ہے، اور اللہ تعالیٰ نے دین کی تکمیل اور اپنی نعمت کا اتمام اسی دن کیا۔ (سورہ مائدہ: ۳/ بخاری (۴۵) - مسلم (۳۰۱۷) وغیرہ

نماز جمعہ فرض عین ہے ہر اس مسلمان پر جو مکلّف ہو، سوائے ان کے جن کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے، اس کی فرضیت کتاب و سنت اور اجماع امت، سب سے ثابت ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: صحیح فقہ السنہ ۱/۵۷۳/۵۷۴)

بلا عذر جمعہ چھوڑنے والے کے لیے سخت وعید آئی ہے، اور تین جمعے مسلسل ترک کرنے والے کے دل پر مہر لگنے کی بات کہی گئی ہے۔

عام حالات میں مسنون ہے کہ ایک ہی شہر میں بلا ضرورت ایک سے زائد جمعہ نہ ہو، اگر مسجد تمام نمازیوں کے لیے تنگ ہو تو ایک سے زائد جمعہ ہو سکتا ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے دور میں صرف مسجد نبوی میں جمعہ ہوتا تھا اور تمام مسجدیں معطل رہتی تھیں۔

آج کل تو مسجدوں کی کثرت کی وجہ سے جمعہ قائم کرنے میں افراط ہے، شاہ راہوں اور متصل آبادی اور محلوں کی چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں جمعہ ہو رہا ہے، جب کہ بڑی مسجدوں سے کام چل سکتا ہے اور چھوٹی مسجدوں میں جمعہ کی ضرورت نہیں ہے۔

بلاشبہ یہ امت کو اس طرح تقسیم کرنا ہے جو قابل رحم ہے اور جمعہ کو اس کے موضوع سے خارج کرنا اور اس کی اہمیت اور شان کو گھٹانے والا ہے۔(حوالۂ سابق:۵۹۴)

لیکن کرونا یا اس طرح کی بیماری اور لاک ڈاؤن اور اس جیسے حالات میں جب کہ عام نمازوں یا جمعہ پر پابندی عائد کردی جائے یا تعداد مختصر اور محدود کر دی جائے اور وہاں جمعہ کی شرائط موجود ہوں تو ایک مسجد میں کئی جماعتیں ہوسکتی ہیں اور الگ الگ مکانات اور جگہوں پر جماعت اور جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے جن لوگوں کا جمعہ فوت ہو جائے یا وہ جمعہ ادا کرنے سے رہ جائیں وہ اس خاص حالت میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں لیکن اگر ظہر پڑھنا چاہیں تو جماعت کے بجائے تنہا پڑھیں گے ۔ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ لکھتے ہیں:

”وتصح الجمعات كلها في البلد الواحد في المذهب الحنفي دفعا للحرج ويكره تحريما صلاة الظهر بعد الجمعة بجماعة .“
(الفقہ الاسلامی وادلتہ۲/۱۳۳۲)

(مذہب حنفی میں دفع حرج کے لیے ایک شہر میں تمام جمعے درست ہیں اور بعد از جمعہ ظہر باجماعت مکروہ تحریمی ہے)

معلوم ہوا کہ متعدد جمعے ہوسکتے ہیں اگر چہ بہتر ایک جمعہ ہی ہے،اگر کوئی ظہر تنہا پڑھنا چاہے تو کوئی ممانعت نہیں،البتہ جمعہ کے بعد باجماعت ظہر سے ممانعت پر عمل مناسب ہے تاکہ مسلمانوں کی وحدت کو تحفظ حاصل ہو سکے۔

معذورین کے لیے ظہر باجماعت عندالاحناف مکروہ تحریمی ہے جہاں جمعہ قائم ہوسکتا ہے۔خواہ جمعے سے پہلے ہو یا بعد میں،کیوں کہ جمعہ میں خلل پیدا ہوگا،اس لیے کہ وہ جامعۃ الجماعات ہے۔

لیکن جو دیہات اور گاؤں کے رہنے والے ہیں جن پر جمعہ نہیں ہے،ان کے لیے باجماعت ظہر ہے،شہریوں میں سے جس کا جمعہ چھوٹ گیا ہو،اس کے لیے باجماعت ظہر مکروہ ہے،وہ تنہا پڑھیں گے،نہ جماعت،نہ اذان،نہ اقامت۔

مریض کے لیے امام کی فراغت تک ظہر موخر کرنا مستحب ہے۔(ایضاً:۱۳۳۴)

احناف کے علاوہ جمہور کہتے ہیں جن کی نماز جمعہ کسی عذر کی وجہ سے چھوٹ گئی ہو یا جن پر جمعہ واجب نہ ہو،ان کے لیے باجماعت ظہر پڑھنا جائز ہے تاکہ حدیث میں مذکور ثواب مل جائے:

”صلاة الجماعة تفضل صلاة الفرد بخمس و عشرين درجة“

(جماعت کی نماز تنہا نماز سے پچیس گنا زیادہ ثواب رکھتی ہے۔) (ایضاً)

کرونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت جائز ہے کیوں کہ عام حالات میں جماعت ثانیہ کی کراہت تقلیل جماعت کے سبب ہے اور پہلی جماعت کی حیثیت اور اہمیت ختم ہوجانے کا اندیشہ بلکہ امکان قوی ہے لیکن کرونا جیسے ماحول میں جب کہ حکومت کی طرف سے پابندی ہے اور تعداد محدود ہے تو ایسے میں جماعت ثانیہ کی کراہت کی علت نہیں ہے۔(کرونا کوڈ-۱۹-مسائل واحکام،مفتی عبیداللہ اسعدی:۵۰)

لیکن یہ خیال رہے کہ جو اجازت حالات کے ناسازگار ہونے کی وجہ سے ہے وہ حالات بہتر اور سازگار ہونے پر نہ ہوگی،لوگ اس کو معمول نہ بنائیں اور بلا ضرورت مسجد میں جماعت ثانیہ نہ کریں۔بہتر یہ ہے کہ مسجد میں تو ایک ہی جماعت کی جائے اور دیگر جماعتوں کے لیے بقیہ نمازیوں کا انتظام محلے کے مکانات میں کیا جائے۔

مسجد یا مکانات میں جمعہ قائم کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ عوام میں جمعہ کی اہمیت باقی رہے گی،جمعہ کے نام پر وہ مسجدوں اور نمازوں سے بڑی حد تک مربوط رہیں گے اور دین کی بات سننے اور کچھ دیر دینی ماحول میں رہنے کا موقع ملے گا،اس طرح جمعہ ان کے دین وایمان کی حفاظت کا ضامن ہوگا۔

یہ اندیشہ درست نہیں ہے کہ متعدد جمعہ اور جماعت سے تشتت پیدا ہوگا، کیوں کہ سب کو معلوم ہے کہ ایسا مخصوص حالات اور مجبوری کی وجہ سے کیا جا رہا ہے اور یہ نظام وقتی اور عارضی ہے۔

کرونا کے میت کا غسل اور تیمّم

اگر کسی مسلمان کا کرونا وائرس میں انتقال ہو جائے تو عام مرحومین کی طرح اسے بھی غسل دینا شرعاً ضروری ہوگا بالخصوص جب کہ طبی اعتبار سے غسل دینے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو کیونکہ (W.H.O) ڈبلیو ایچ او یعنی عالمی ادارے صحت کی تحقیق کے مطابق کرونا وائرس میں انتقال کرنے والے افراد کی لاشوں کے ساتھ تعاون سے کسی کے متاثر ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے البتہ میت کو رکھنے اٹھانے اور غسل وغیرہ میں حفاظتی احتیاطی تدابیر بطور خاص ملحوظ رکھی جائیں، ان میں غفلت و بے احتیاطی نہ کی جائے۔

اور اگر کسی جگہ ہسپتال کا عملہ غسل دینے کی اجازت نہ دیتا ہو تو علاقے کے بااثر و رسوخ حضرات یا ملی تنظیمیں، ذمہ داران اعلی سے رابطہ کر کے اس مسئلہ کو حل کریں اور W.H.O (ڈبلیو، ایچ، او) کی طرف سے جاری کردہ ہدایات کی بنیاد پر غسل کی اجازت حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کریں، البتہ اگر وہ ہسپتال ہی میں غسل کا انتظام کریں یا اپنے عملہ کے ذریعہ غسل دلائیں تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

اور اگر خدانخواستہ میت کو غسل دینے کی کوئی صورت نہ بن سکے تو میت کو پیک کرنے سے پہلے تیمّم کرا دیا جائے، مجبوری میں یہ تیمّم غسل کا بدل ہو جائے گا اور اگر ہسپتال کا عملہ تیمّم کا طریقہ سیکھ کر خود تیمّم کرا دے تو یہ بھی کافی ہوگا۔

اور اگر کسی جگہ تیمّم کی بھی صورت نہ بن سکے اور ہسپتال کی طرف سے میت کو مکمل پیک اور سیل کر دیا گیا ہو اور اسے کھولنے کے قطعاً اجازت نہ ہو اور بصورت دیگر مختلف ناقابل برداشت مسائل و پریشانیوں کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں لواحقین کا میت سے دستبردار ہو جانا یا یوں ہی نماز جنازہ کے بغیر دفن کر دینا درست نہ ہوگا بلکہ ایسی مجبوری میں غسل اور تیمّم کا حکم شرعاً ساقط ہو جائے گا اور اسی حالت میں مرحوم کی نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کر دی جائے گی۔

اور اس صورت میں چوں کہ میت کی پیکنگ یا لفافے پر پانی بہانے، بھیگا ہاتھ یا بھیگا کپڑا پھیرنے یا اوپر ہی سے تیمّم کرانے کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے اس لیے پیکنگ پر پانی بہانے، مسح کرنے یا تیمّم کرانے کی ضرورت نہیں، لہٰذا ان سب چیزوں سے پرہیز کیا جائے۔ پیکنگ یا لفافے پر پانی بہانا، مسح کرنا یا تیمّم کرانا اس لیے درست نہیں کہ شریعت میں غسل یا تیمّم کا حکم براہ راست بدن سے متعلق ہوتا ہے کسی پیک کردہ چیز سے نہیں اور پانی بہانے یا مسح کرنے کو مسح علی الجبیرۃ پر قیاس کرنا درست نہیں، کیوں کہ یہ بدل سے اصل کی طرف عود کرنا ہے جو غلط و باطل ہے، اس لیے کہ پانی بہانا یا مسح کرنا غسل ہی کے درجے میں ہوتا ہے اور تیمّم متعذر ہو چکا ہے اور شریعت میں وضو یا غسل کے تمام اعضاء پر مسح کی کوئی نظیر نہیں ہے۔

مناسب ہے کہ جہاں کا معاملہ و مریض و میت ہو وہاں کے طبی عملہ کی ہدایات کا پورا لحاظ کیا جائے، اگر اسپتال والے میت کی لاش کو بغیر کسی کور وغیرہ کے دیں اور کہیں کہ متعلقین لے جا کر اپنے معمولات کے مطابق کفن دفن کریں تو ایسی صورت میں احتیاط کے ساتھ غسل دیا جا سکتا ہے، بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غسل نہ دے کر تیمّم پر اکتفا کی جائے اس لیے کہ غسل کی صورت میں میت کے بدن کو زیادہ ہاتھ لگے گا اور زیادہ دیر تک اس کے پاس رہنا ہوگا۔

اور اگر ہسپتال والے لاش پیک کر کے محض دفن کے لیے دیں تو پھر غسل و تیمّم دونوں ہی ناممکن ہیں کہ بدن کو ہاتھ نہیں لگایا جا سکے گا تو غسل یا تیمّم کیسے ہوگا؟ لہٰذا دونوں ساقط ہوں گے۔

جیسے اس صورت میں ہوگا جب کہ طبی عملہ ہی براہ راست میت کی تدفین کر دے اور متعلقین کو نہ لاش دے اور نہ معاملہ ان کے سپرد کرے۔

اسپتال والے اگر لاش کو پیک کیے بغیر متعلقین کے سپرد کریں تو متعلقین ضابطہ کے مطابق کفن کا انتظام کریں گے اور کفن دیں گے جیسے غسل کی اجازت

ہو یا تیمّم کی تو غسل وتیمّم کا عمل اپنائیں گے۔

کفن اور نماز جنازہ

طبی عملہ اگر لاش کو متعلقین کے سپرد کرتا ہے خواہ پیک کر کے یا پیک کے بغیر تو قاعدہ کے مطابق نماز ادا کی جائے گی۔

اگر لاش متعلقین کے سپرد نہ کی جائے بلکہ طبی اور سرکاری عملہ براہ راست اس کو دفن کر دے تو متعلقین کو چاہیے کہ قبر کا علم ہونے پر وہاں جا کر قبر پر نماز ادا کریں۔

حنفیہ کے یہاں بھی قبر پر نماز جنازہ ادا کرنے کی اجازت ہے جب کہ کسی میت کو نماز کے بغیر دفن کیا گیا ہو بشرطیکہ لاش پھولی پھٹی نہ ہو، اور اگر نہ تو لاش دی جائے اور نہ پتہ چل سکے کہ میت کو کہاں دفن کیا گیا ہے تو ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ ہوسکتی ہے جو حنفیہ کے یہاں نہیں ہے، لیکن ایسی خاص صورت میں حنفی حضرات اگر غائبانہ نماز ادا کریں تو گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ نماز کے بغیر ہی دفن کر دیا گیا ہے، دوبارہ اور سہ بارہ نماز کی طرح نہیں ہے۔

پھر یہ بات ہے کہ نماز جنازہ بھی میت کے حق میں دعاء ہے اور یہ بھی دعاء اور استغفار کے معنی میں ہو جائے گی لیکن جس میت کی نماز ہوگئی ہو اس کی غائبانہ نماز نہیں ہے۔

تدفین

میت کو بغیر غسل دفن کرنے کے بعد جمہور (مالک، شافعی، احمد، داؤد ابن حزم) کے نزدیک غسل کے لیے قبر کھولنا واجب ہے بشرط یہ کہ تغیر نہ ہوا ہو، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مٹی ڈال دینے کے بعد واجب نہیں، غسل میت جمہور علماء کے نزدیک فرض کفایہ ہے بلکہ امام نووی نے تو اجماع نقل کیا ہے۔

مسلمانوں کا عمل عہد نبوی سے اب تک یہی ہے۔"ولو دفن قبل الغسل لزم نبشه ويغسل "(اگر غسل سے پہلے دفن کر دیا گیا تو قبر کھول کر غسل دینا لازم ہے) اگر نماز کے بغیر دفن کر دیا گیا ہو تو دفن کے بعد میت پر نماز کا باتفاق فقہا جائز ہے بشرط یہ کہ تغیر نہ ہوا ہو کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری خاتون کی قبر پر نماز پڑھی ہے۔ واضح رہے کہ تغیر کا اندازہ احناف کے یہاں حال، زمان اور جگہ کے اختلاف سے مختلف ہوسکتا ہے۔

اور حنابلہ کے نزدیک ایک ماہ تک قبر پر نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ مالکیہ کے یہاں اگر دفن سے فراغت نہ ہوئی ہو تو نماز کے لیے نکالا جائے گا اور دفن کر دیا گیا ہو تو قبر پر نماز پڑھی جائے گی جب تک تغیر نہ ہوا ہو۔ پھولی پھٹی نعش نماز جنازہ کے قابل نہیں، بحرالرائق میں ہے: "لا يصلى عليه بعد التفسخ لان الصلاة شرعت اعلى بدن الميت فإذا لم يبقا بدن قائماً،(ص ۱۸۲/، ج ۲ ، كتاب الجنائز، فصل :السلطان احق بصلاته.

فتاوی رحیمیہ میں نماز غائبانہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ غائبانہ جنازے کی نماز پڑھنا درست نہیں نماز جنازہ صحیح ہونے کے لیے جنازے کا سامنے ہونا شرط ہے (اس کے آگے نجاشی پر کی نماز جنازہ کا مفصل جواب ہے۔)

ہدایہ میں ہے: "وإن دفن الميت ولم يصل عليه صلى على قبره لأن النبى صلى الله عليه وسلم صلى على قبرة امرأة من الأنصار ويصلى عليه قبل أن يتفسخ ـ"

جماعت المسلمین پر میت کو کفن دینا فرض کفایہ ہے، میت پر نماز شہید کے سوا زندوں کے ذمہ بالاجماع فرض کفایہ ہے جس طرح تجہیز تکفین اور غسل و تدفین فرض کفایہ ہے، لہٰذا عام حالات میں یہ ثابت نہیں ہوں گے اور اگر کوئی نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے۔

خلاصۂ بحث

کرونا سے متعلق یا اس کے پیدا کردہ مسائل تو بہت ہیں لیکن اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا میں ان مسائل میں سے سر دست صرف چار کا انتخاب کر کے سیمینار کا موضوع بحث بنایا ہے اور اسی کو پیش نظر رکھ کر جوابات دیے گئے ہیں پھر مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اس پر تفصیلی سوال نامہ مرتب کر کے

سیمینار منعقد کیا، فقہ اکیڈمی کے زیر بحث یہ چار مسائل تھے:

۱-کرونا کے ماحول میں نماز جمعہ، ۲-کرونا کی میت کا غسل، ۳-قبر پر نماز جنازہ، ۴-غائبانہ نماز جنازہ

۱-کرونا کے ماحول میں نماز جمعہ

(الف) کرونا جیسی بیماری اور اس کی وجہ سے پابندیوں کے ماحول میں ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت کی اجازت ہوگی، لوگ جس طرح جمع ہوتے جائیں اپنی نماز پڑھ لیں یہ سہولت اور اجازت صرف مخصوص حالت اور پابندی کے ماحول میں ہوگی، عام حالات میں نہیں، حالات سازگار ہوتے ہی اجازت ختم ہوجائے گی، عام حالات میں جماعت ثانیہ کہ ممانعت جماعت اوّل ی کی اہمیت کی وجہ سے ہے کہ جماعت ثانی کے اجازت سے پہلی جماعت میں نمازیوں کی تعداد کم ہوجائے گی، اور اس کی اہمیت بھی باقی نہ رہے گی لیکن کرونا جیسی بیماری کی وجہ سے یہ اندیشہ نہیں ہے کہ بلکہ یہاں تو تقلیل مطلوب ہے۔

(ب) مسجد تنگ ہونے اور نمازیوں کی تعداد بڑھ جانے کی وجہ سے مسجد سے باہر جمعہ کی جماعت کرنے سے بہتر دوسری جماعت کر لینا ہے۔ بالخصوص ہندوستان کے موجودہ حالات میں جب کہ ذرا ذرا سی بات پر بلکہ بغیر کسی بات کے شر پسند عناصر کی طرف سے فساد پھوٹ پڑتا ہے اور وہ معمولی بات کو ایشو بنا لیتے ہیں۔

اگر بعض شہروں میں نماز جمعہ کی ایک سے زائد جماعت ہوتی ہے اور اس وجہ سے ہوتی ہے کہ لوگ زیادہ ہیں اور مسجد ناکافی ہے تب تو اجازت ہے اگر کئی مساجد ہیں اور ان میں افراد سماجاتے ہیں کہ مسجد میں دوبارہ جماعت کرنے کی ضرورت نہیں تو ایسی صورت میں مسجد کا نظام ایسا بنایا جائے کہ جن کی جماعت چھوٹ جائے یا وہ نماز جمعہ ادا کرنے سے رہ جائیں تو دوسری مسجد میں جاکر ادا کرلیں، ایک ہی مسجد میں دوبارہ جماعت کرنے کی ضرورت نہیں۔ آج کل مساجد کا نظام اسی طرح ہوتا ہے۔

۲-مسجد میں ایک جماعت پر اکتفا کرتے ہوئے یا مزید دو ایک جماعت کے بعد بقیہ نمازیوں کے لیے محلے کے مکانات میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کا نظام کیا جاسکتا ہے۔ بہتر ہے کہ مسجد میں تو ایک ہی جماعت ہو اور بقیہ حضرات کے لیے مختلف مکانات میں جماعت کا نظام بنایا جائے۔ یہ نظام عارضی اور بوجہ مجبوری ہے، اس لیے تشتت اور انتشار کا پیدا ہونا محض وہم ہے، کسی بھی عارضی اور مجبوری کے نظام کو لوگ معمول نہیں بناتے ہیں بلکہ وہ مجبوری اور حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہیں۔

۳-مسجد میں ایک ہی جماعت کے علاوہ بقیہ لوگ اپنے گھروں میں اگر جماعت جمعہ کی تعداد پوری ہو رہی ہو، اور شہر کا معاملہ ہو تو چاہیں جمعہ پڑھ لیں اور اگر چاہیں تو ظہر پڑھ لیں، لیکن ظہر تنہا پڑھیں گے، جماعت مکروہ ہوگی۔ لیکن جہاں دیہی علاقہ ہونے کی وجہ سے جمعہ نہیں ہے وہاں نماز ظہر با جماعت بھی پڑھ سکتے ہیں۔

۴-کرونا کی میت کو اگر غسل دینا ممکن ہو تو غسل دیا جائے گا اگر ایسا نہ ہو تو تیمّم کرا دیا جائے گا اور اگر ان دونوں کی بھی اجازت حکومت یا طبی عملہ کی طرف سے نہ ہو تو غسل ساقط ہوجائے گا، یہ فرض کفایہ ہے لیکن لاچاری اور مجبوری میں ساقط ہوجائے گا۔

کفن اگر کور کے اوپر سے دیا جاسکتا ہو تو دے دیا جائے گا۔ تاکہ فرض کفایہ ادا ہوجائے۔ اور اگر اس کی بھی اجازت نہ ہو تو ساقط ہوجائے گا۔

واضح رہے کہ یہاں قانونی یا حکومتی پابندی اور مجبوری کی وجہ سے غسل یا کفن ساقط کیا جا رہا ہے، نا کہ اللہ کے شہداء جنگ سے مشابہت کی وجہ سے۔ اگر چہ کرونا کے مرض میں گرفتار ہو کر مرنے والا بھی معنوی اور اخروی طور پر شہید قرار دیا جائے گا۔

۵-(الف) اگر قبرستان و قبر کی جگہ کا علم میت کے متعلقین کو ہوجائے یا میت کو ان کے حوالہ کر دیا جائے مگر دفن کے علاوہ مزید کوئی موقع نہ دیا جائے تو ایسی صورت میں میت کی نماز جنازہ قبر پر ادا کی جائے گی بشرط کہ نعش پھولی پھٹی نہ ہو اور اس کا اندازہ حال، زمان اور مکان اور بیماری کی وجہ سے مختلف ہوگا۔ تین دن تک کا قول بھی موجود ہے۔ اسی طرح قبر پر نماز پڑھنے کا جواز صرف اس وقت ہے جب کہ بغیر نماز جنازہ کے دفن کر دیا گیا ہو۔

(ب) اگر قبرستان اور قبر کا کوئی علم نہ ہو سکے تو اگر چہ حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں غائبانہ نماز جنازہ نہیں ہے لیکن اس مخصوص حالت میں شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں جواز کے پیش نظر غائبانہ نماز پڑھ لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، بشرط یہ کہ شہر ایک ہو اور تدفین پر تین دن سے زیادہ کا عرصہ نہ گزرا ہو۔

باب پنجم: مناقشہ

افسوس کی بات ہے کہ ریکارڈنگ کا نظم نہ ہونے کی وجہ سے اس سیمینار کے پروگرام ریکارڈ نہ ہوسکے جس کی وجہ سے مناقشہ میں شریک حضرات کی گفتگو اور ان کی آراء محفوظ نہ رہ سکی البتہ ان میں سے چند حضرات کے نام محفوظ تھے، اس لئے ذیل میں صرف ان کا نام ذکر کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱)	مفتی انور علی اعظمی	دار العلوم، مئو
(۲)	ڈاکٹر محمد علی ندوی	دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
(۳)	ڈاکٹر محمد نصر اللہ ندوی	دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
(۴)	مفتی محمد مقصود فرقانی	رام پور
(۵)	مفتی محمد اشرف علی قاسمی	اجین
(۶)	مفتی محمد عثمان بستوی	گورینی، جونپور
(۷)	مفتی ظہیر احمد	کانپور
(۸)	ڈاکٹر محمد مصطفیٰ عبد القدوس ندوی	گجرات
(۹)	مولانا آفتاب عالم ندوی	دھنباد
(۱۰)	مفتی محمد قمر الزماں ندوی	پرتاپگڑھ